عبادات کے ظاہری و باطنی آداب پر مشتمل
تصوف کی مکمل مبسوط کتاب

قوت القلوب (اردو)

مترجم جلد سوم

مصنف امام اجل حضرت سیدنا شیخ ابو طالب مکی رحمۃ اللہ علیہ
المتوفی ۳۸۶ھ

عِبادات کے ظاہِری وباطِنی آداب پر مشتمل تصوُّف کی پہلی مبسوط کتاب

قُوتُ الْقُلُوب

مترجم (جلد سوم)

مُصنِّف

اِمامِ اَجَلّ حضرتِ سیِّدُنا شیخ ابُو طالِب مکّی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ

(وفات ۳۸۶ھ)

پیش کش

المدينة العلمية

Islamic Research Center

(شعبہ تراجِمِ کُتُب)

ناشر

مکتبۃُ المدینہ کراچی

اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللہ وَعَلٰی اٰلِكَ وَاَصْحَابِكَ یَا حَبِیْبَ اللہ

نام کتاب	:	قُوْتُ الْقُلُوْب مترجم (جلد:3)
مؤلف	:	امامِ اَجل حضرت سیّدنا شیخ ابو طالب مکی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ (وفات ۳۸۶ھ)
مترجمین	:	مَدَنی عُلَما (شعبہ تراجمِ کُتُب)
پہلی بار	:	جمادَی الاولیٰ ۱۴۴۲ھ، دسمبر 2020ء
تعداد	:	3000 (تین ہزار)

تصدیق نامہ

تاریخ: ۶ ربیعُ الاوّل ۱۴۴۲ھ حوالہ نمبر: ۲۵۱

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْن

تصدیق کی جاتی ہے کہ کتاب ”قُوْتُ الْقُلُوْب (مترجم، جلد:3)“

(مطبوعہ مکتبۃ المدینہ) پر مجلس تفتیشِ کُتُب و رسائل کی جانب سے نظرِ ثانی کی کوشش کی گئی ہے۔ مجلس نے اسے عقائد، کُفریہ عبارات، اَخلاقیات، فقہی مسائل اور عَرَبی عِبارات وغیرہ کے حوالے سے مقدور بھر مُلاحظہ کر لیا ہے، البتہ کمپوزنگ یا کتابت کی غَلَطیوں کا ذِمّہ مجلس پر نہیں۔

مجلس تفتیشِ کُتُب و رسائل (دعوتِ اسلامی)

24-10-2020

E.mail:ilmia@dawateislami.net , www.dawateislami.net

یادداشت

دورانِ مُطالعہ ضرورتاً انڈر لائن کیجئے، اشارات لکھ کر صَفْحہ نمبر نوٹ فرما لیجئے۔ اِنْ شَآءَ اللہ عَزَّوَجَلَّ عِلْم میں تَرَقّی ہوگی۔

اِجمالی فہرست

صبر کرنے والوں کا مرتبہ

حضرت سیِّدُنا عبد اللہ بن عباس رَضِیَ اللہُ عَنْہُمَا فرماتے ہیں: **اللہ** پاک نے سب سے پہلی چیز لوحِ محفوظ میں یہ لکھی کہ میں **اللہ** ہوں میرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں! **محمد** (صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم) میرے رسول ہیں۔ جس نے میرے فیصلے کو تسلیم کیا، میری نازل کی ہوئی مصیبت پر صبر کیا اور میری نعمتوں کا شکر ادا کیا تو میں نے اسے **صدیق** لکھا ہے اور اسے صِدِّیقین کے ساتھ اٹھاؤں گا اور جس نے میرے فیصلے کو تسلیم نہ کیا، میری نازل کی ہوئی مصیبت پر صبر نہ کیا اور میری نعمتوں کا شکر ادا نہ کیا تو وہ میرے سوا جسے چاہے اپنا معبود بنالے۔ (تفسیر قرطبی، پ۳۰، البروج، تحت الآیۃ: ۲۲، ۱۰/۲۱۰)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْن

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ؕ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ؕ

”عبادت کی توفیق رحمتِ خداوندی“ کے 23 حُروف کی نسبت سے کتاب پڑھنے کی ”23 نیّتیں“

فرمانِ مصطفےٰ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم: نِیَّۃُ الْمُؤْمِنِ خَیْرٌ مِّنْ عَمَلِہٖ یعنی مسلمان کی نیت اسکے عمل سے بہتر ہے۔[1]

دو مَدَنی پھول: (۱) بغیر اچھی نیّت کے کسی بھی عملِ خیر کا ثواب نہیں ملتا۔

(۲) جتنی اچھی نیّتیں زیادہ، اُتنا ثواب بھی زیادہ۔

(۱) ہر بار حمد و (۲) صلوٰۃ اور (۳) تَعَوُّذ و (۴) تَسْمِیَہ سے آغاز کروں گا۔ (اسی صفحہ پر اُوپر دی ہوئی دو عَرَبی عبارات پڑھ لینے سے چاروں نیتوں پر عمل ہو جائے گا)۔ (۵) رِضائے الٰہی کے لئے اس کتاب کا اوّل تا آخر مطالعہ کروں گا۔ (۶) حتَّی الْوَسع اِس کا باوُضُو اور (۷) قبلہ رُو مُطالعہ کروں گا۔ (۸) قرآنی آیات اور (۹) اَحادیثِ مبارَکہ کی زِیارت کروں گا۔ (۱۰) جہاں جہاں **اللہ** کا نام پاک آئے گا وہاں **عَزَّوَجَلَّ** اور (۱۱) جہاں جہاں **سرکار** کا اِسمِ مبارَک آئے گا وہاں **صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم** اور (۱۲) جہاں جہاں کسی صحابی یا بزرگ کا نام آئے گا وہاں **رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ** اور **رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ** پڑھوں گا۔ (۱۳) اس کتاب کا مُطالعہ شروع کرنے سے پہلے اسکے مُؤلّف اور دیگر بزرگانِ دین کو ایصالِ ثواب کروں گا۔ (۱۴) (اپنے ذاتی نسخے پر) عِندَ الضرورت خاص خاص مقامات انڈر لائن کروں گا۔ (۱۵) (اپنے ذاتی نسخے کے) **یادداشت** والے صَفْحَہ پر ضَروری نِکات لکھوں گا۔ (۱۶) اولیا کی صِفات اپناؤں گا۔ (۱۷) اپنی اِصلاح کے لیے اس کتاب کے ذریعے علم حاصِل کروں گا۔ (۱۸) دوسروں کو یہ کتاب پڑھنے کی ترغیب دلاؤں گا۔ (۱۹) اس حدیثِ پاک تَھَادَوْا تَحَابُّوْا ایک دوسرے کو تحفہ دو آپس میں مَحبّت بڑھے گی۔[2] پر عمل کی نیّت سے (ایک یا حسبِ توفیق) یہ کتاب خرید کر دوسروں کو تحفۃً دوں گا۔ (۲۰) اس کتاب کے مُطالَعہ کا ثواب ساری اُمّت کو ایصال کروں گا۔ (۲۱) **اپنی اور ساری دنیا کے لوگوں کی اِصلاح کی کوشش** کے لئے روزانہ فکرِ مدینہ کرتے ہوئے **مَدَنی انعامات** کا رسالہ پر کیا کروں گا اور ہر مدنی (اسلامی) ماہ کی 10 تاریخ تک اپنے یہاں کے ذمہ دار کو جمع کروا دیا کروں گا اور (۲۲) عاشقانِ رسول کے **مَدَنی قافلوں** میں **سفر** کیا کروں گا۔ (۲۳) کتابت وغیرہ میں شَرْعی غَلَطی ملی تو ناشرین کو تحریری طور پر مُطّلع کروں گا (ناشرین وغیرہ کو کتابوں کی اَغلاط صِرف زبانی بتانا خاص مفید نہیں ہوتا)۔

---

[1] ......المعجم الکبیر للطبرانی، ۶/۱۸۵، حدیث: ۵۹۴۲

[2] ......مؤطا امام مالک، ۲/۴۰۷، حدیث: ۱۷۳۱

اَلْمَدِیْنَۃُ الْعِلْمِیَّہ

از: شیخِ طریقت، امیرِ اہلسنّت، بانیِ دعوتِ اسلامی حضرت علّامہ مولانا ابو بلال محمد الیاس عطّاؔر قادری رضوی ضیائی

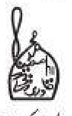
اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی اِحْسَانِہٖ وَ بِفَضْلِ رَسُوْلِہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم تبلیغِ قرآن و سنّت کی عالمگیر غیر سیاسی تحریک **دعوتِ اسلامی** نیکی کی دعوت، اِحیائے سنّت اور اشاعتِ علمِ شریعت کو دنیا بھر میں عام کرنے کا عزمِ مُصمّم رکھتی ہے، اِن تمام اُمور کو بحسنِ خوبی سر انجام دینے کے لئے مُتعدَّد مجالس کا قیام عمل میں لایا گیا ہے جن میں سے ایک مجلس اَلْمَدِیْنَۃُ الْعِلْمِیَّہ بھی ہے جو دعوتِ اسلامی کے عُلما و مُفتیانِ کرام کَثَّرَھُمُ اللّٰہُ تَعَالٰی پر مشتمل ہے، جس نے خالص علمی، تحقیقی اور اشاعتی کام کا بیڑا اٹھایا ہے۔ اس کے مندرجہ ذیل چھ شعبے ہیں:

(۱) شعبۂ کتبِ اعلیٰ حضرت (۲) شعبۂ درسی کُتُب (۳) شعبۂ اصلاحی کُتُب

(۴) شعبۂ تراجمِ کُتُب (۵) شعبۂ تفتیشِ کُتُب (۶) شعبۂ تخریج[1]

اَلْمَدِیْنَۃُ الْعِلْمِیَّہ کی اوّلین ترجیح سرکارِ اعلیٰ حضرت، اِمامِ اَہلسنّت، عظیم البرکت، عظیم المرتبت، پروانۂ شمعِ رِسالت، مُجَدِّدِ دین و مِلّت، حامیٔ سنّت، ماحیٔ بدعت، عالمِ شَرِیْعَت، پیرِ طریقت، باعثِ خَیْر و بَرَکت، حضرتِ علّامہ مولانا الحاج الحافظ القاری شاہ امام اَحمد رَضا خان رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ کی گِراں مایہ تصانیف کو عصرِ حاضر کے تقاضوں کے مطابق حتَّی الْوَسْع سَہْل اُسلوب میں پیش کرنا ہے۔ تمام اسلامی بھائی اور اسلامی بہنیں اِس علمی، تحقیقی اور اشاعتی مدنی کام میں ہر ممکن تعاون فرمائیں اور مجلس کی طرف سے شائع ہونے والی کُتُب کا خود بھی مطالَعہ فرمائیں اور دوسروں کو بھی اِس کی ترغیب دلائیں۔

اللہ پاک **دعوتِ اسلامی** کی تمام مجالس بَشُمُول اَلْمَدِیْنَۃُ الْعِلْمِیَّہ کو دن گیارہویں اور رات بارہویں ترقّی عطا فرمائے اور ہمارے ہر عَمَلِ خیر کو زیورِ اِخلاص سے آراستہ فرما کر دونوں جہاں کی بھلائی کا سَبَب بنائے۔ ہمیں زیرِ گنبدِ خضرا شہادت، جنّت البقیع میں مدفن اور جنّت الفردوس میں جگہ نصیب فرمائے۔ اٰمِیْن بِجَاہِ النَّبِیِّ الْاَمِیْن صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم



رمضان المبارک ۱۴۲۵ھ

---

[1] ......تادمِ تحریر (جمادی الاولی ۱۴۴۲ھ) ان شعبوں کی تعداد 17 ہو چکی ہے: (۷) فیضانِ قرآن (۸) فیضانِ حدیث (۹) فیضانِ صحابہ واہلِ بیت (۱۰) فیضانِ صحابیات وصالحات (۱۱) شعبہ امیر اہلسنّت (۱۲) فیضانِ مَدَنی مذاکرہ (۱۳) فیضانِ اولیا و عُلَما (۱۴) بیاناتِ دعوتِ اسلامی (۱۵) رسائلِ دعوتِ اسلامی (۱۶) شعبہ مدنی کاموں کی تحریرات (۱۷) شعبہ کتب فقہ شافعی۔ (**مجلس اَلْمَدِیْنَۃُ الْعِلْمِیَّہ**)

پہلے اسے پڑھ لیجئے!

یاد رکھئے! علم روایت کا ہو یا دِرایَت[1] کا، اس کا تعلُّق اِنسان کے ظاہری و باطنی اَعمال سے ہی ہوتا ہے مگر ان دونوں میں سے کسی ایک کے متعلق یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ عِلْم ظاہر ہے اور یہ باطِن کیونکہ علم زبان پر آنے سے پہلے دل میں ہو تو عِلْمِ باطِن کہلاتا ہے اور زبان سے اَدا ہونے کے بعد اِسے عِلْمِ ظاہر کہتے ہیں۔ اس طرح یہ کہہ سکتے ہیں کہ عِلْم ظاہر بھی ہے اور باطِن بھی۔ ظاہِری علوم وہ ہیں جن پر ظاہِری اَعضاء سے عمل ہوتا ہے۔ جیسے ہر قسم کی عِبادات (طہارت، نماز، زکوٰۃ اور حج وغیرہ) اور اَحکام (حُدُود، نِکاح وطلاق اور خرید وفروخت وغیرہ)۔ باطنی عُلُوم وہ ہیں جن پر باطنی اَعضاء یعنی دل سے عمل ہوتا ہے۔ جیسے اِیمان، تَصدِیق، یقین، صِدْق، اِخلاص، مَعْرِفَتِ باری تعالیٰ، توکُّل، محبت، رِضا، تقویٰ، خوف ورجا اور صَبْر و قناعت وغیرہ۔ یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ ظاہِری عُلُوم سے مُراد عِلْمِ قال یعنی عِلْمِ حدیث وفِقْہ وغیرہ ہیں اور باطنی عُلُوم سے مُراد عِلْمِ حال یعنی عِلْمِ مَعْرِفَتِ باری تعالیٰ ہے، اَسرار وطَرِیقَت اور حقیقت والے اِسے **تصوّف** سے تعبیر کرتے ہیں، مگر عِلْمِ قال ہو یا حال، تمام کا مَنْبع و سَرچشمہ حضور نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم ہی کی ذات ہے، صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان نے یہ تمام عُلُوم مُعَلِّمِ کائنات صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے سیکھ کر بعد والوں کو سکھائے اور یہ سلسلہ اب تک جاری ہے اور اِنْ شَآءَ اللہ جاری رہے گا۔ لہٰذا بندے کو چاہئے کہ جس طرح وہ اپنے ظاہر کو سنوارنے کی کوشش کرتا ہے باطِن (یعنی دل) کو اس سے زیادہ سنوارے کہ خالِقِ کائنات باطِن پر خصوصی نگاہ فرماتا ہے۔ درج ذیل حدیث پاک میں اسی جانب اشارہ کیا گیا ہے۔ چنانچہ

حضور نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: "بے شک **اللہ** پاک تمہاری صورتوں اور تمہارے اَموال کی طرف نظر نہیں فرماتا بلکہ وہ تو تمہارے دلوں اور اعمال کی طرف نظر فرماتا ہے۔"[2]

حُجَّۃُ الْاِسْلَام حضرت سیِّدُنا اِمام محمد بن محمد بن غزالی رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ مذکورہ حدیث شریف نقل کرنے کے

---

[1]......رِوایت سے مُراد کسی کی بات کو آگے بیان کرنا اور دِرایت سے مُراد کسی بات کو عقلی طور پر پرکھنا کہ آیا وہ دُرُست ہے یا نہیں۔

[2]......مسلم، کتاب البر والصلة، باب تحریم ظلم المسلم... الخ، ص ۱۳۸۷، حدیث: ۲۵۶۴

بعد لکھتے ہیں کہ "دل ربِّ کریم کی نظر کا مقام ہے تو اس شخص پر تعجب ہے جو ظاہری چہرے کا خیال رکھے، اسے دھوئے، میل کچیل سے سُتھرا رکھے تاکہ مخلوق اس کے چہرے کے کسی عیب پر مطلع نہ ہو مگر دل کا خیال نہ رکھے جو خالقِ کائنات کی نظر کا مقام ہے۔ چاہئے تو یہ تھا کہ دل کو پاکیزہ رکھتا، اسے آراستہ کرتا تاکہ پَروَرْدگار کو اس میں کوئی عیب نہ دکھائی دے لیکن افسوس کا مقام ہے کہ دل تو گندگی، پلیدی اور غلاظت سے لبریز ہے مگر جس پر مخلوق کی نظر پڑتی ہے اس کے لئے کوشش ہوتی ہے کہ اس میں کوئی عیب و قَباحت نہ پائی جائے۔"[1]

حضرت سیِّدُنا علامہ مُلّا عَلی بن سُلطان قاری رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ مذکورہ حدیث شریف کی شرح میں فرماتے ہیں: "**اللہ** پاک ظاہری اعتبار سے تمہاری صورتوں کی طرف نہیں دیکھتا بلکہ دلوں میں مَوجود یقین، صِدق، اِخلاص، رِیاکااِرادہ، شُہرت، اَچھے بُرے اَخلاق اور اَعمال دیکھتا ہے۔"[2]

حضرت سیِّدُنا اِمام اَبُوزَکَرِیّا یحیٰ بن شَرَف نَوَوِی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں: حدیثِ پاک میں فرمایا گیا کہ "**اللہ پاک تمہاری صُورتوں کی طرف نَظر نہیں فرماتا بلکہ تمہارے دِلوں کو دیکھتا ہے**" اس کا مطلب یہ ہے کہ "تقویٰ صرف ظاہری اَعمال سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ دل میں **اللہ** پاک کی عظمت، اس کے ڈر اور اس کی طرف مُتَوجّہ ہونے سے جو کیفیت پیدا ہوتی ہے اس سے حاصل ہوتا ہے۔"[3]

زیرِ نظر کتاب اِمامِ اَجَلّ حضرت سیِّدُنا شیخ ابُوطالِب مَکّی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ کی مشہور و مایہ ناز تصنیف "قُوْتُ الْقُلُوْب" کا اُردُو ترجمہ ہے جو اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے جس میں آپ نے ظاہر کے ساتھ ساتھ باطن کی اِصلاح پر مشتمل دل نشین انداز میں کلام کیا ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہ! شعبہ تراجِم کُتُب (عَرَبی سے اُردو) سے اس کی دو جلدیں زیورِ ترجمہ سے آراستہ ہو کر منظرِ عام پر آچکی ہیں۔ اِس وقت تیسری جلد آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اس میں آپ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ نے جن اُمُور کے متعلق گفتگو کی ہے ان میں سے چند قابلِ ذکر موضوع یہ ہیں: **مُتَوکِّل کے اَحکام، مقامِ رِضا کے اَحکام اور اَہْلِ رِضا کے اَوْصاف، اَہْلِ سُنَّت سے محبت کی علامَت، آدابِ مَعْرِفَت، ذِکر کی برکتیں، محبت کے فَرائض و فضائل، اِخلاص اور اس کی اَہمیت، اِسلام کے پانچ بُنیادی اَرکان،**

[1] ......منہاج العابدین، ص ۲۸

[2] ......مرقاۃ المفاتیح، کتاب الرقاق، باب الریاء والسمعۃ، ۹/ ۱۷۴، تحت الحدیث: ۵۳۱۴ ملتقطاً

[3] ......شرح مسلم للنووی، کتاب البر والصلۃ والادب، باب تحریم ظلم المسلم وخذلہ، ۸/ ۱۲۱، الجزء السادس عشر

اِصلاحِ نفس کا طریقہ، اِسلام واِیمان کی تفصیل، غیبت، ریاکاری اور اِخلاص وغیرہ۔

اَلْمَدِیْنَۃُ الْعِلْمِیَہ سے ہر عربی کتاب کا ترجمہ کم وبیش 16 مَراحل سے گزر کر زیورِ طبع سے آراستہ ہوتا ہے، جن میں ترجمہ، تقابُل، نَظرِ ثانی، تقابُلِ آیات وترجمہ، پروف ریڈنگ، تخریج، مفید وناگزیر حواشی، شرعی تفتیش وغیرہ۔ پیشِ نَظر ترجمہ کو آپ تک پہنچانے کے لئے شعبہ تراجم کے ان اسلامی بھائیوں نے خوب کوشش فرمائی: (1)...**اَبرار اَختر القادری**، (2)...**خُرّم ناصِر عطّاری مَدَنی**، (3)...**گُل فراز عطّاری مَدَنی**، (4)...**فارُوق احمد عطّاری مَدَنی** سَلَّمَہُمُ الْغَنِی۔ شرعی تفتیش **مُفتی محمد کفیل عطّاری مَدَنی** زِیْدَ مَجْدُہٗ نے فرمائی ہے۔

ترجمہ کرتے ہوئے عبارات کی تصحیحات کے لئے مختلف نسخوں کو پیشِ نظر رکھا گیا تاکہ غلطی کا اِمکان کم سے کم ہو۔ پھر بھی پڑھنے والے اگر کہیں غلطی وغیرہ دیکھیں تو مجلس کو تحریری طور پر مطلع فرمائیں کہ زبانی بتانا زیادہ مفید نہیں ہوتا۔ ترجمہ میں جو بھی خوبیاں ہیں وہ یقیناً **اللہ** پاک اور اس کے پیارے حبیب صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی عطاؤں، اَولیائے کِرام رَحِمَہُمُ اللہ کی عنایتوں اور شیخِ طَرِیقت، اَمیرِ اَہلسنت بانیٔ دعوتِ اِسلامی حضرت علّامہ مَولانا اَبُو بلال **محمد اِلیاس عطّار قادری** رضوی ضیائی دَامَتْ بَرَکَاتُہُمُ الْعَالِیَہ کی پُرخُلُوص دُعاؤں کا نتیجہ ہے اور جو خامیاں ہیں ان میں ہماری کوتاہ فہمی کا دخل ہے۔

بارگاہِ الٰہی میں دُعا ہے کہ اپنی دُنیا وآخرت سنوارنے کے لئے ہمیں اِس کتاب کو پڑھنے، اِس پر عمل کرنے اور دوسرے اسلامی بھائیوں بِالخُصُوص مُفتیانِ عِظام اور عُلَمائے کِرام کی خدمتوں میں تحفۃً پیش کرنے کی توفیق عطا فرمائے، نیز **ہمیں اپنی اور ساری دنیا کے لوگوں کی اِصلاح کی کوشش** کے لئے **مَدَنی اِنعامات** پر عمل اور عاشِقانِ رَسُول کی مَدَنی تحریک **دعوتِ اِسلامی** کے تحت قرآن وسُنَّت کی تبلیغ کے لئے راہِ خدا میں سَفَر کرنے والے **مَدَنی قافلوں** میں سُنَّتوں بھرے سَفَر کی سَعادت عَطا فرمائے اور **دعوتِ اِسلامی** کی تمام مجالس بشمول **مجلس اَلْمَدِیْنَۃُ الْعِلْمِیَہ** کو دن پچیسویں اور رات چھبیسویں ترقی عطا فرمائے!

اٰمِیْن بِجَاہِ النَّبِیِّ الْاَمِیْن صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

شعبہ تراجِمِ کُتُب (مَجلِس اَلْمَدِیْنَۃُ الْعِلْمِیَہ)

گھر والے مُتوَکِّل کا حکم[1]

اگر مُتوَکِّل گھر رکھتا ہو تو اسے چاہئے کہ جب گھر سے باہِر نکلے تو حِفاظَت کی غَرَض سے اسے تالا لگا دے تا کہ حِفاظَت اپنانے کے حکم پر عَمَل کے ساتھ ساتھ سُنَّت و اثر کی پیروی بھی ہو جائے۔ جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ ترجمۂ کنزالایمان: اے ایمان والو ہوشیاری سے کام لو۔

(پ ۵، النسآء: ۷۱)

ایک مقام پر اِرشَاد ہوتا ہے:

وَ احْذَرْهُمْ اَنْ یَّفْتِنُوْكَ ترجمۂ کنزالایمان: اور ان سے بچتا رہ کہ کہیں تجھے لغزش (بہکا) نہ دے دیں۔

(پ ۶، المآئدۃ: ۴۹)

ایک رِوایَت میں ہے کہ رسولِ پاک صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: اسے (یعنی اپنے سواری کے جانور کو پہلے رسی سے) باندھو، پھر تَوَکُّل کرو۔[2]

یہ بات تَوَکُّل کے لیے نقصان دہ نہیں بشرطیکہ دل اللہ پاک کی طرف مائل ہو نہ کہ مخلوق کی طرف۔ اس کی نظر سواری کو باقی رکھنے یا ضائع کرنے کے مُعَاملے میں اللہ کریم کے حُسنِ تدبیر پر ہو نہ کہ اپنی حِفَاظَت پر۔ اللہ پاک نے اس کے لیے جو شے پسند کی ہے اس کے مقابلے میں اپنے گھر میں موجود کسی شے کے باقی رہنے کو پسند نہ کرے، کیونکہ اللہ پاک کے اَحکام بہترین ہیں، اس لیے کہ اللہ پاک جب کسی بندے کو کسی شے کے مُعاملہ میں تَوَکُّل کے مقام پر فائز فرماتا ہے تو پھر اسے ہر شے میں تَوَکُّل کی دولت عطا فرما دیتا ہے۔ جیسا کہ بندہ توبہ کر کے اللہ پاک کا محبوب اس وقت ہی بن سکتا ہے جب تک تمام اشیا میں پوری طرح اللہ پاک کی جانب متوجہ ہو جائے۔

اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِیْنَ ﴿۱۵۹﴾ ترجمۂ کنزالایمان: بے شک توکل والے اللہ کو پیارے ہیں۔

(پ ۴، اٰل عمرٰن: ۱۵۹)

---

[1] ......مقاماتِ یقین میں سے ساتویں مقام: مقامِ توکل کی شرح اور متوکلین کے احوال و اوصاف کا کچھ حصہ قوت القلوب مترجم جلد دوم کے آخر میں گزرا بقیہ حصہ یہاں ہے۔ (از علمیہ)

[2] ......ترمذی، کتاب صفۃ القیامۃ والرقائق والورع، باب رقم: ۲۰، ۴/۲۳۲، حدیث: ۲۵۲۵

جیسا کہ اس کا فرمانِ عالیشان ہے:

اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ (پ۲، البقرۃ: ۲۲۲) ترجمۂ کنز الایمان: بے شک **اللہ** پسند رکھتا ہے بہت توبہ کرنے والوں کو۔

نیز یہ فرمان بھی اسی کا ہے:

وَ عَلَى اللّٰهِ فَلْیَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ۠ (۱۲) (پ۱۳، ابراھیم: ۱۲) ترجمۂ کنز الایمان: اور بھروسا کرنے والوں کو **اللہ** ہی پر بھروسا چاہیے۔

مُراد یہ ہے کہ جو شخص کسی ایک شے میں **اللہ** پاک پر تَوَکُّل کرتا ہے اسے چاہئے کہ وہ ہر شے میں **اللہ** پاک ہی پر تَوَکُّل رکھے۔

(صاحبِ کتاب حضرت سَیِّدُنا شیخ ابُو طالب مَکّی رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں) **مذکورہ آیتِ مُبارَکہ کی یہی بہترین تفسیر ہے**، اگرچہ ایک تفسیر میں یہ بھی ہے کہ جو اشیا کے مُعاملہ میں **اللہ** پاک پر تَوَکُّل رکھتا ہے اسے اپنے ہر معاملے میں **اللہ** پاک پر ہی بھروسا رکھنا چاہئے کیونکہ **اللہ** پاک کسی ایک شے کا ہی کارساز نہیں ہے چنانچہ **اللہ** پاک پر توکل بھی ہر معاملے میں ایک جیسا ہی ہونا چاہیے۔

تَوَکُّل ایک بلند مقام ہے جس کا تعلّق مقاماتِ انبیائے کرام اور بلند درجہ صِدِّیقین و شہدا کے مقامات سے ہے۔ لہٰذا جسے تَوَکُّل کی دولت مل جائے گویا اسے توحید کی دولت مل گئی اور اس کا ایمان کامل ہو گیا، وہ مزید انعامات کے راستے پر گامزن ہے، اس سے دقیق شِرک اور مخفی شیطانی غلبہ کے اثرات ختم ہو جاتے ہیں اور یوں شیطان کو اس پر کوئی دسترس نہیں رہتی۔ جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّهٗ لَیْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَلٰى رَبِّهِمْ یَتَوَكَّلُوْنَ (۹۹) اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِیْنَ یَتَوَلَّوْنَهٗ (پ۱۴، النحل: ۹۹، ۱۰۰) ترجمۂ کنز الایمان: بے شک اس کا کوئی قابو ان پر نہیں جو ایمان لائے اور اپنے رب ہی پر بھروسا رکھتے ہیں اس کا قابو تو انہیں پر ہے جو اس سے دوستی کرتے ہیں۔

مُراد یہ ہے کہ شیطان کا قابو صرف ان لوگوں پر ہوتا ہے جو اس سے دوستی کرتے ہیں۔ چنانچہ ان لوگوں کے مُتعلّق مزید ارشاد فرمایا:

وَالَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ ۠ ترجمۂ کنزالایمان: اور اسے شریک ٹھہراتے ہیں۔

(پ ۱۴، النحل: ۱۰۰)

مطلب یہ ہے کہ **اللہ** پاک کے ساتھ شرک کرنے والوں پر شیطانی اثرات مُرَتَّب ہوتے ہیں۔(صاحبِ کتاب حضرت سَیِّدُنا شیخ ابُو طالِب مَکّی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں) معلوم ہوا محض ایمان لانے سے شیطان کے اثرات خَتْم نہیں ہوتے بلکہ یہ اس وَقْت خَتْم ہوتے ہیں جب بندہ یقین میں تَوَکُّل کے مقام پر فائز ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نے تَوَکُّل کی خوب تفصیل بیان کی اور اسے کافی وضاحت سے ذِکر کیا۔ اس لیے کہ جسے اپنے حقیقی کارساز یعنی **اللہ** پاک کے مُشاہَدہ کی بنا پر تَوَکُّل کا کوئی مقام ملا گویا اس کے لیے تمام مقاماتِ یقین اور احوالِ متقین جمع کر دیئے گئے۔ جیسا کہ حضرت سَیِّدُنا اِبْنِ مسعود رَضِیَ اللہُ عَنْہ فرماتے ہیں کہ تَوَکُّل ایمان کا جامع ہے۔

بعض اوقات مُتَوَکِّل کو بھی اس کے تَوَکُّل میں اَسباب، اَشخاص، اَغراض اور مختلف چیزوں سے آزمایا جاتا ہے جیسا کہ دیگر مقامات والوں کو آزمایا جاتا ہے۔ البتہ شیطان کو مُتَوَکِّل پر بس اسی قدر غلبہ حاصل ہوتا ہے کہ اس کے پیدا کردہ وَسْوَسوں اور خیالات کو اس کے دل میں کسی حد تک جگہ مل جاتی ہے مگر اسے مکمل قبضہ نہیں ملتا، اسے آزمانے کی وجہ یہ ہے کہ تَوَکُّل میں اس کی صَداقت معلوم ہو سکے۔ یہاں تک کہ وہ اپنے ہر مُعَاملے میں اپنی نگاہوں کو بارگاہِ خداوندی پر مرکوز رکھے تاکہ اسے صادقین مُقَرَّبِین کی جزا ملے یا اس کے تَوَکُّل کے دعوے کی قَلْعِی کھل جائے اور اس کے نفس کا جھوٹا ہونا معلوم ہو جائے تاکہ وہ توبہ کی طرف لوٹ جائے جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

لِيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ ترجمۂ کنزالایمان: تاکہ **اللہ** سچوں کو ان کے سچ کا صلہ دے۔

(پ ۲۱، الاحزاب: ۲۴)

مُتَوَکِّلین کے لیے یہی جزا کافی ہے کہ ان کا گمان صادق ہو اور یہی صدق ہی ان کا شِعار ہو۔ چنانچہ اس کے بعد اِرشاد ہوتا ہے:

وَيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ اِنْ شَآءَ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ ؕ (پ ۲۱، الاحزاب: ۲۴) ترجمۂ کنزالایمان: اور منافقوں کو عذاب کرے اگر چاہے یا انہیں توبہ دے۔

اَلْغَرَض توکُّل کا دعویٰ کرنے والوں کا سب سے بہتر حال توبہ ہے کہ وہ اس کے ذریعے اپنے ظلم کی آگ سے نکل جائیں۔ جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَكُوْۤا اَنْ یَّقُوْلُوْۤا اٰمَنَّا وَ هُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ ﴿۲﴾

ترجمۂ کنزالایمان: کیا لوگ اس گھمنڈ میں ہیں کہ اتنی بات پر چھوڑ دیئے جائیں گے کہ کہیں ہم ایمان لائے اور اُن کی آزمائش نہ ہو گی۔ (پ ۲۰، العنکبوت: ۲)

اس آیتِ مُبارَکہ کے بعد **اللہ** پاک نے اپنے اس طریقہ کا ذِکر فرمایا ہے جو اس کے بندوں میں پہلے سے چلا آرہا تھا۔ چنانچہ اِرشَاد فرمایا:

وَ لَقَدْ فَتَنَّا الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَیَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَ لَیَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِیْنَ ﴿۳﴾ (پ ۲۰، العنکبوت: ۳)

ترجمۂ کنزالایمان: اور بے شک ہم نے اُن سے اگلوں کو جانچا تو ضرور **اللہ** سچوں کو دیکھے گا اور ضرور جھوٹوں کو دیکھے گا۔

ایک مقام پر اپنے طریقے کے مُتَعَلِّق اِرشَاد فرمایا:

وَ لَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِیْلًا ﴿۶۲﴾ (پ ۲۲، الاحزاب: ۶۲)

ترجمۂ کنزالایمان: اور تم **اللہ** کا دستور ہرگز بدلتا نہ پاؤ گے۔

مُتَوَکِّل گھر سے نکلتے وَقْت کیا کرے؟

مُتَوَکِّل کو چاہئے کہ وہ گھر سے نکلتے وَقْت فرمانِ مصطفٰے اور سنّت پر عَمَل کرتے ہوئے اپنے گھر کے دروازے کا تالا لگانے کے بعد یقین کے ساتھ یہ کہے: اے **اللہ** پاک! میرے گھر میں جس قَدَر مال ہے اگر تو اس پر کسی چور کو مُسَلَّط کر دے تو یہ سب مال میری جانب سے تیری راہ میں اس پر صدقہ ہے۔

متوکل کا مال چوری ہونے کی سات صورتیں

اب اگر اس کے گھر سے کوئی چیز چوری ہوئی تو اس کی سات صورتیں ہیں:

پہلی صورت

اس کا **اللہ** پاک پر توکُّل اس طرح قبول ہو گا کہ **اللہ** پاک نے اس کے مُعَاملے کی جیسی چاہی تدبیر

فرمائی، اس کے لیے دنیا کا نقصان اور مال کا ضیاع پسند کیا کیونکہ ممکن تھا کہ وہ اس مال کی وجہ سے کسی فتنے میں مبتلا ہو جاتا۔

دوسری صورت

اللہ پاک نے اپنے بندے کے لیے یہ حال پسند کیا اور اسے اس کی پسندیدہ شے کے گم ہونے کی مصیبت میں مبتلا کیا تاکہ اس کے توکُّل کی سچائی واضح ہو جائے یا اس کا جھوٹ کھل کر سامنے آجائے۔ اب اگر اس نے **اللہ** پاک کی طرف سے آنے والی اس آزمائش پر اس کی حمد و ثنا بیان کی اور اس کا نفس پریشان نہ ہوا تو ان شکر گزار بندوں کا اجر و ثواب ملے گا جو **اللہ** پاک کی رِضا پر خوش رہتے ہیں۔ جیسا کہ مَخْفِی علم کے بارے میں **اللہ** پاک کے کسی نبی سے مروی ہے کہ آپ عَلَیْہِ السَّلَام نے بارگاہِ خداوندی میں عرض کی: اے میرے رب! تیرے اَولیائے کِرام کون ہیں؟ اِرشَاد ہوا: وہ لوگ کہ جب میں ان کی کوئی پسندیدہ شے ان سے لے لوں تو بھی وہ میرے سامنے ہی جھکے رہتے ہیں۔

تیسری صورت

اگر اس کا نفس مُضْطَرِب ہو اور جَزَع فَزَع کرنے لگے تو وہ صبر و سکوت کے ذریعے نفس سے مُجاہدہ کرے، **اللہ** پاک کی بہترین حمد و ثنا کرے اور اس کے بندوں کے سامنے اس کی شِکایَت نہ کرے تو اسے مجاہِدین صابرین کا اَجر و ثواب عطا کیا جاتا ہے۔

چوتھی صورت

اگر یہ اس مقام پر فائز ہو نہ پہلے مقام پر تو اس کے تَوکُّل کے دعوے کا باطل ہونا نہ صِرف ظاہِر ہو گا بلکہ اس کی زِنْدَگی میں ہی اس کے دیگر مخفی جھوٹ بھی مُنْکَشِف ہو جائیں گے۔ اب اگر اس نے اپنی غلطی تسلیم کر لی، بارگاہِ خداوندی میں عُذر پیش کیا اور عاجزی و اِنکساری سے کام لیا تو ایسا کرنا اس کے مقام میں اِضافے کا باعث ہو گا کہ جس کی خبر **اللہ** پاک نے دی ہے۔ چنانچہ (تَوکُّل میں) اس کا جھوٹا ہونا معلوم ہو گیا کہ اس نے قضائے باری تعالیٰ کو پسند نہیں کیا اور حکمِ باری تعالیٰ پر کم صبری کا مُظاہرہ کیا یا یہ معلوم ہو گیا کہ **اللہ** پاک نے

اس پر ناراضی کے باعث وہ خزانے جو اس کے قبضے میں تھے انہیں کسی اور کے ہاتھ میں مُنْتَقِل کر دیا ہے۔ اس لیے کہ یہ بات واضح ہے کہ اس کے قبضے میں جو کچھ ہے وہ **اللہ** پاک کے خزانوں میں سے ہی ہے مگر جو **اللہ** پاک نے اس سے لے کر کسی اور کو عطا فرما دیا ہے وہ اس کا نہیں، بلکہ وہ تو اس کے پاس بطورِ امانت تھا، لیکن جب اس سے امانت واپس لی جاتی ہے اور جس کی ہو اسے دی جاتی ہے یا جس کا رزق ہو اسے دیا جائے حالانکہ وہ رزق پہلے اس کے قبضے میں تھا تو یہ غم زدہ ہو جاتا ہے اور اسے برا لگتا ہے، اس لیے کہ مُتَوَکِّل تو یہ بات خوب جانتا ہے کہ **اللہ** پاک جب اجسام کے لیے کوئی دنیاوی شے اس عالَمِ ظاہر میں اور (قلوب کے لیے) کوئی اُخْرَوِی شے اس عالَمِ باطن میں عطا فرماتا ہے تو وہ مُتَوَکِّل کا اُخْرَوِی رزق بن جاتی ہے، اب اگر وہ زہد کی کمی اور یقین کی کمزوری کی بنا پر دنیاوی رزق کو اُخْرَوِی رزق پر ترجیح دے اور رَغْبَت و لالچ رکھے تو اس کا سَبَب طَمَع کے سوا کچھ نہ ہو گا۔ کیونکہ اسے معلوم ہے کہ جو کچھ اس سے لیا گیا ہے وہ اس کے پاس کسی کی اَمانت تھی۔

مُتَوَکِّلِین کے نزدیک یہ سب باتیں گناہ ہیں اور اہلِ یقین کے نزدیک ان پر توبہ و اِسْتِغْفار واجب ہے، اس اعتبار سے مُتَوَکِّل اس بات کو خوب جانتا ہے کہ جب **اللہ** پاک جسموں کے لیے دنیا کی کوئی چیز عطا فرمائے یا دلوں میں آخِرَت سے مُتَعَلِّق کوئی چیز ڈال دے تو وہ کبھی بھی واپس نہیں لے گا۔ لہٰذا جو کچھ دنیا میں ہے وہ ختم ہونے تک کسی دوسرے کے لیے ہے یہاں تک کہ وہ فنا یا بوسیدہ ہو جائے۔ نیز **اللہ** پاک بندے کو جو اُخْرَوِی نعمتوں یعنی ایمان، عِلْم اور عَمَل سے نوازتا ہے تو اس سے یہ چیزیں بھی کبھی واپس نہیں لیتا بلکہ قِیامَت تک ان میں اِضافہ ہی ہوتا رہے گا۔ البتہ! بسا اوقات دنیاوی و اُخْرَوِی اشیا کسی کو ادھار یا بطورِ امانت دی جاتی ہیں، لہٰذا اس طرح کی چیزیں ہر صورت میں دنیا میں ہی واپس کرنا ہوں گی، اس لیے کہ **اللہ** پاک کی حِکْمَت نے ان کی واپسی کو لازِم قرار دیا ہے جیسا کہ اس کا کرم اس بات کو لازِم قرار دیتا ہے کہ جو کسی کو دیدیا اب واپس نہ لیا جائے گا۔

ہم نے جو باتیں ذکر کی ہیں ان کی بنا پر صاحبِ یقین مُتَوَکِّل کو اس بات پر غم زدہ نہیں ہونا چاہئے کہ **اللہ** پاک نے اسے اپنے جو خزانے بطورِ اَمانت و عَارِیَت عطا فرمائے تھے انہیں وہ کسی اور کو عطا کیے گئے خزانوں سے بدل دے یا اسے اس مُعَاملے میں اپنے اَحْکام کے ذریعے آزمائے، تاکہ یہ بھی اس کے قبضے سے نکل کر

کسی اور کے قبضے میں چلا جائے کیونکہ گھر سے جو بھی نکلے گا وہ کوئی شے ہی ہو گی اور ہر شے میں حِکمتِ باری تعالیٰ کار فرما ہوتی ہے اور اسے ہی ہر شے میں اپنے بندوں کو آزمانے کا اِختیار ہے۔ لہٰذا کسی کا کھو جانے والی شے پر دکھ اور افسوس کا اِظْہار کرنا عَارِفِین کے نزدیک جُرْم اور مومنین سے خِیانت کا مُرتکِب ہونا ہے، چنانچہ یہی وجہ ہے کہ عارفین ایسی باتوں سے اللہ پاک کی بارگاہ میں توبہ واِسْتِغْفَار کرتے ہیں جیسا کہ وہ دیگر گناہوں سے توبہ کرتے ہیں، اس لیے کہ وہ ہماری بیان کردہ باتوں کو خوب جانتے ہیں اور اس لیے بھی کہ انہیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ فوت شدہ اشیا پر دکھ اور افسوس کا اِظْہار نہ کیا کریں، بلکہ جو شے ملے اس پر بھی خوشی کا اِظْہار کم ہی کیا کریں، کیونکہ یہ دونوں باتیں ہر صورت میں ہو کر ہی رہیں گی (خواہ یہ شے کے کھو جانے پر غم زدہ ہوں یا نہ ہوں اور کسی شے کے ملنے پر خوش ہوں یا نہ ہوں)۔ اس لیے کہ ان اشیا کے (کھو جانے یا ملنے) کا علم اس ذاتِ باری تعالیٰ کو بخوبی ہے اور اس نے اپنے عِلْم کے مُطابِق ان تمام باتوں کو (تقدیر میں) لکھ دیا ہے، نیز اس نے (تقدیر میں) لکھنے کے بعد ان باتوں سے (اپنے محبوب بندوں کو) آگاہ بھی کر دیا ہے۔ چنانچہ اس نے اپنے نیک بندوں کو قرآنِ کریم کے ذریعے یقین کا یہ مُشاہَدہ عطا فرمایا:

مَاۤ اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَةٍ فِی الْاَرْضِ وَ لَا فِیْۤ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَاؕ (پ ۲۷، الحدید: ۲۲)

ترجمۂ کنزالایمان: نہیں پہنچتی کوئی مصیبت زمین میں اور نہ تمہاری جانوں میں مگر وہ ایک کتاب میں ہے قبل اس کے کہ ہم اُسے پیدا کریں۔

(صاحبِ کتاب حضرت سَیِّدُنا شیخ ابو طالب مکی رَحْمَةُ اللہِ عَلَیْه فرماتے ہیں کہ) جان و مال میں جو مَصائِب ظاہِر ہوتے ہیں وہ سب اللہ پاک نے ان کی تخلیق سے پہلے ہی تقدیر میں لکھ دیئے ہیں اور اس پر دلیل اس کا یہ فرمانِ عالیشان ہے:

مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَاؕ (پ ۲۷، الحدید: ۲۲)

ترجمۂ کنزالایمان: قبل اس کے کہ ہم اُسے پیدا کریں۔

آیتِ مُبارَکہ کی تفسیر

اس آیتِ مُبارَکہ کی تفسیر میں اِخْتِلاف ہے کہ یہاں ﴿ نَّبْرَاَهَا ﴾ میں ﴿ هَا ﴾ ضمیر سے کیا مُراد ہے؟

چنانچہ چار اَقوال یہ ہیں:

﴿1﴾ ایک قول کے مُطابِق یہاں مخلوق کو پیدا کرنا مُراد ہے۔

﴿2﴾ ایک قول میں ہے کہ یہاں زمین کو پیدا کرنا مُراد ہے۔

﴿3﴾ ایک قول میں ہے کہ یہاں جانوں کو پیدا کرنا مُراد ہے۔

﴿4﴾ ایک قول کے مُطابِق یہاں مصیبت کو پیدا کرنا مُراد ہے۔

پھر اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے:

لِّكَيْلَا تَأْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَاۤ اٰتٰىكُمْؕ (پ ۲۷، الحدید: ۲۳)

ترجمۂ کنز الایمان: اس لیے کہ غم نہ کھاؤ اس پر جو ہاتھ سے جائے اور خوش نہ ہو اس پر جو تم کو دیا۔

لہٰذا کسی شے کے کھونے کا دکھ اس شے کے پانے کی خوشی سے زیادہ نہیں ہونا چاہئے، کیا بندے کو اس بات پر حیا نہیں آتی کہ اسے جس شے کا حکم دیا گیا ہے وہ اس کے برعکس پر عمل کرتا ہے یا اس کا رب جس شے کو پسند فرماتا ہے یہ اس کے خِلاف کو پسند کرتا ہے۔ یعنی جو شے اس کی نہیں یہ اس پر افسوس کا اِظہار کرتا ہے اور جو شے اسے بطورِ امانت دی گئی تھی اس کی واپسی پر دکھ محسوس کرتا ہے یا یہ اس شے کے ملنے پر خوش ہو رہا ہے جو حقیقت میں اس کی نہیں، اس لیے کہ یہ نہیں جانتا کہ اسے جو شے دی گئی ہے وہ اس کے پاس رہے گی یا اسے بطورِ اَمانت و عارِیَت دی گئی ہے جو لے لی جائے گی۔ چنانچہ جب اس کے قبضے سے **اللہ** پاک وہ شے واپس لیتا ہے تو اس وَقْت اسے یقین ہوتا ہے کہ یہ شے اس کی نہ تھی بلکہ اس کے پاس اَمانت تھی، اب اگر وہ اس پر غم زدہ ہو جائے اور برا محسوس کرے تو اس کا سَبَب یہ ہے کہ اس کا یقین مشکوک ہے اور اس کا علم جہالَت پر مبنی ہے، نیز اس نے اس شے میں رَغبت رکھی ہے جس سے اسے بے رَغْبتی کا مُظاہرہ کرنا چاہئے تھا۔

اللہ پاک کی مِلک میں اس سے بڑھ کر شرک اور کیا ہو سکتا ہے! جو اس بات کا نتیجہ ہے کہ بندہ اپنے مالک و خالق کی مِلکِیَّت کو اپنی مِلکِیَّت سمجھنے کے دھوکے میں مبتلا ہو گیا۔ اگر بندے نے اپنے مالِک کے یہ فرمانِ عالیشان سنے ہوتے:

﴿1﴾ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ (پ ۱۵، بنی اسرآئیل: ۱۱۱)

ترجمۂ کنز الایمان: اور بادشاہی میں کوئی اس کا شریک نہیں۔

﴿2﴾ ثُمَّ رُدُّوْۤا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ ؕ ترجمۂ کنزالایمان: پھر پھیرے جاتے ہیں اپنے سچے مولیٰ اللہ کی طرف۔ (پ ۷، الانعام: ۶۲)

تو یقیناً یہ کہتا:

اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّاۤ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَؕ(۱۵۶) ترجمۂ کنزالایمان: ہم اللہ کے مال ہیں اور ہم کو اسی کی طرف پھرنا۔ (پ ۲، البقرۃ: ۱۵۶)

اَلْغَرَض اسے دَرج ذیل تین باتوں کا یقین حاصِل ہو جاتا:

﴿1﴾... جو کچھ اس کے پاس ہے وہ اللہ پاک کا ہے، کیونکہ غلام اور اس کے مال پر مالِک کا حق ہوتا ہے۔

﴿2﴾... وہ اسی کی طرف لوٹ کر جائے گا۔

﴿3﴾... جو کچھ اس کے قبضے سے نکلا ہے وہ اللہ پاک کے قبضے میں تھا اور وہ اس کے خزانے سے نکلا ہے نہ اس کی ملکیت اس پر خَتْم ہوئی ہے بلکہ اس شے کا صِرف گھر بدلا ہے کیونکہ وہ گھر میں ہی ہے وہ اس سے خارِج نہیں۔

یہ اہلِ یقین کا مُشاہَدہ ہے جو انہیں یقین کی آنکھ سے حاصِل ہوتا ہے اور یہی مُشاہَدہ کرنے والوں کا مقام ہے، لہٰذا اگر کوئی شخص ہماری ذکر کردہ باتوں کا مُشاہَدہ نہ کر پائے اور اس کے دل میں وہ شک پیدا ہو جس کا ذکر پہلے گزرا ہے تو اسے اللہ پاک پر تَوَکُّل کا مَحْض وَہم ہے، وہ اللہ پاک پر اپنے حُسنِ یقین کو تقدیر سمجھنے لگتا ہے (یعنی جو گمان کیا ہے وہی تقدیر میں لکھا ہو گا)، وہ اس بات کا دعویٰ کرنے لگتا ہے کہ اللہ پاک نے اسے مُقَرَّبِین کے مقام و مرتبے پر فائز فرمایا ہے، اسے اپنے وصفِ غَنا سے غنی کیا، اپنی نصرت و قوّت سے قوت بخشی اور اپنی حِکْمت و قدرت کے جاری ہونے کے مقامات کا مُشاہَدہ کرنے والا بنایا۔ حالانکہ اسے اللہ پاک سے اپنے وہم کی مَغْفِرت طَلَب کرنی چاہیے، مگر جب ایسے بندے کو اپنا جھوٹا ہونا معلوم ہوتا ہے تو وہ جھوٹوں کی طرح عِجْز و اِنکساری سے کام لیتا ہے اور جھوٹے دعویٰ کرنے والوں کی طرح توبہ بھی کرتا ہے مگر صادقین جیسا کلام کرتا ہے نہ محبوب بندوں کی طرح کوئی نیک عَمَل بجالاتا ہے۔ لہٰذا اللہ پاک کا ایسے شخص کو دنیا میں ان آزمائشوں کے ساتھ خاص کرنا انہیں سزا دینے اور ان کی سزا میں مزید اضافہ کرنے کے لیے ہے۔ کیونکہ

یہی خسارہ پانے والوں کا مقام اور برائی کی طرف دوڑنے والوں کا حال ہے۔

پانچویں صورت

ہر ضائع ہونے والے درہم کے بدلے اس کے توکُّل اور حُسنِ یقین کی بنا پر اسے 700 درہم کا ثواب ملے گا گویا کہ اس نے یہ سب درہم راہِ خدا میں خرچ کئے ہیں، یہ ثواب اس کے نامۂ اعمال میں لکھ دیا جائے گا کیونکہ اس نے اس کی نِیَّت کرلی تھی، اسی طرح اگر اس کے گھر سے کوئی سامان چوری نہ ہو تو بھی وہ اس اَجرو ثواب کا حق دار ہو گا جس کی دلیل یہ ہے کہ ایک شخص اپنی بیوی سے جماع کرتے ہوئے بوقتِ اِنزال جدا نہ ہو بلکہ اس کا نطفہ ٹھہر جائے اور وہ بارگاہِ خداوندی میں یوں عرض کرے: اے میرے رب! تو ہی اسے پیدا کرے گا اور اس کا رزق تیرے سُپُرد ہے، اس کی زِندَگی و موت بھی تیرے دستِ قدرت میں ہی ہے، تو ہی اس نطفے کو ٹھہرانے والا ہے اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والا بچہ تیرے ہی لیے ہے۔ تو **اللہ** پاک کے محبوب صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ایسے شخص کے مُتعلّق اِرشَاد فرمایا: اس کے لیے (بوقتِ اِنزال جُدا نہ ہونے پر) اتنا ثواب ہے کہ اس ہم بستری کے نتیجے میں ایک لڑکا پیدا ہو، جو زندہ رہے (یہاں تک کہ جہاد کرے) اور راہِ خدا میں شہید ہو جائے۔ اگر اس نطفہ سے لڑکا پیدا نہ ہو (تب بھی اس کے لیے یہی ثواب ہے)۔[1]

چھٹی صورت

اگر مُتوکِّل نے اپنا تمام مال اس لیے صدقہ کر دیا تاکہ مال چوری کرنے والا شخص گناہ گار نہ ہو تو مُتوکِّل کو دوگنا اَجر ملے گا، اس لیے کہ اس نے اپنے مسلمان بھائی پر شفقت کی، نافرمانوں پر نگاہِ کرم سے کام لیا حالانکہ انہیں اس کے مُتعَلّق عِلْم تک نہیں اور اپنے پروردگار کے اَخلَاق (یعنی عفوودرگزر وغیرہ) کو اپنایا۔ یوں ظالِم سے درگزر کرنے کے باعث وہ محسنین کے دَرَجات پالیتا ہے اور مُتَّقِین کے مقام پر فائز ہو جاتا ہے۔ نیز اس کا شُمار ان لوگوں میں ہونے لگتا ہے جن کا اَجر **اللہ** پاک کے ذِمّۂ کرم پر ہے، چنانچہ اس کے لیے ایسا اَجر مخفی کر دیا جاتا ہے جو اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک کا باعث ہو گا، کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اس کے مال کے چوری ہونے کا مُعَاملہ کس طرح وُقُوع پذیر ہوا اور چور سُوئے قضا کی آزمائش میں مبتلا ہوا جبکہ یہ اس بات سے

[1] ......طبقات الشافعیہ للسبکی، الطبقة الخامسة، احادیث صلوات یوم الجمعة ولیلتها، ۲ / ۳۷۳

محفوظ رہا کہ اس کی جگہ یہ ہوتا، لہٰذا وہ آزمائش و مصیبت میں مبتلا لوگوں پر رحم کرے گا اور **اللہ** پاک کی اس بات پر حمد و ثنا بیان کرے گا کہ اس نے اسے اس مصیبت سے محفوظ رکھا، اس طرح **اللہ** پاک کا شکر بجالانا اسے ظالم کے خِلاف بد دُعا کرنے سے غافِل کر دے گا۔

کسی عارِف نے اپنے ساتھی سے کہا: اہلِ مَعْرِفَت نے ظالموں سے مَلامَت کو کیوں ساقِط قرار دیا ہے؟ اس نے عرض کی کہ میں نہیں جانتا۔ تو اِرشَاد فرمایا: اس لیے کہ وہ یہ بات خوب جانتے ہیں کہ **اللہ** پاک نے ان سے اس بات کے وُقُوع کا ارادہ کیا تھا اور انہیں ان کے سَبَب آزمائش میں مبتلا کیا، لہٰذا وہ ان پر رحم کرتے ہیں۔ نیز یہ بات اپنے ظالم بھائی کی مَدَد و نصرت کرنے اور سرکارِ دو عالَم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے اس فرمانِ عالیشان پر عَمَل کرنے سے تعلّق رکھتی ہے کہ اُنْصُرْ اَخَاكَ ظَالِمًا اَوْ مَظْلُوْمًا۔[1] یعنی اپنے بھائی کی مَدَد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم۔ مُراد یہ ہے کہ ظالم کو ظُلم سے روکو، چنانچہ جب کسی نے ظالم کو مُعاف کر دیا تو گویا اسے ظُلم سے روک دیا، اس لیے کہ اگر وہ اسے مال چوری کرتے ہوئے دیکھ لیتا تو ضرور روکتا یا پھر اسے اسی وقت ہِبَہ کر دیتا، لہٰذا اس کا مُعاف کرنا گویا اسے دیکھنے کی طرح ہی ہے۔

ساتویں صورت

ہاتھ سے جانے والی شے میں بندے کا زُہد ثابت ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ حضرت سَیِّدُنا ابو سلیمان دارانی رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں کہ حضرت سَیِّدُنا مالک بن دینار رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ نے حضرت سَیِّدُنا مُغیرہ رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ سے اِرشَاد فرمایا: اپنا ڈول واپس لے لو! مجھے اس کی ضرورت نہیں۔ حالانکہ جب حضرت سَیِّدُنا مغیرہ رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ نے یہ ڈول آپ رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ کی خِدمَت میں پیش کیا تھا تو اس وَقْت آپ نے اسے قبول کر لیا تھا، لہٰذا انہوں نے وجہ پوچھی تو اِرشَاد فرمایا: شیطان وسوسہ ڈالتا ہے کہ کوئی اسے چوری کر لے گا۔ حالانکہ حضرت سَیِّدُنا مالِک بن دینار رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ کے تَوَکُّل کا عالَم یہ تھا کہ کبھی اپنے گھر کے دروازے کو تالا نہیں لگاتے تھے بلکہ اسے ایک تسمے کے ساتھ باندھ دیتے اور اِرشَاد فرماتے: اگر کتے نہ ہوتے تو میں اسے بھی نہ باندھتا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت سَیِّدُنا ابو سلیمان دارانی رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں: یہ صوفیا کے یقین کی کمزوری ہے، کیونکہ جب انہوں

[1] ......بخاری، کتاب الاکراہ، باب یمین الرجل لصاحبہ... الخ، ۴/ ۳۸۹، حدیث: ۶۹۵۲

نے دنیا میں زہد اِختیار کر لیا تو اب انہیں مال کے چوری کی پروا کیسی؟

(صاحب کتاب حضرت سَیِّدُنا شیخ ابو طالب مکّی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں کہ) بات تو ایسی ہی ہے جو حضرت سَیِّدُنا ابو سلیمان دارانی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ نے اِرشاد فرمائی ہے، اس لیے کہ جب زہد دُرُست ہو تو اس میں توکُّل اور رِضا بھی شامل ہو جاتے ہیں۔ البتہ! حضرت سَیِّدُنا مالِک بن دینار رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ کے مذکورہ فرمان کی ایک صورت یہ ہو سکتی ہے کہ آپ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ نے گویا کہ اس بات کو ناپسند جانا کہ کوئی شخص ان کی چیز چرا کر **اللہ** پاک کی نافرمانی میں مبتلا ہو اور وہ اس کے **اللہ** پاک کی نافرمانی کا مُرتکِب ہونے کا سَبَب بن جائیں۔ مگر اس مُعامَلے میں توکُّل ورِضا کے شامِلِ حال ہونے کی وجہ سے زیادہ بہتر قول حضرت سَیِّدُنا ابو سلیمان دارانی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ کا ہے۔

نیز ہم نے گھر سے چوری ہونے والے مال کے مُتَعَلِّق جو کچھ ذِکر کیا ہے اس کا تعلق ہر ضائع ہونے والے مال سے ہے خواہ وہ سفر میں ہو یا حَضَر میں۔ اس کے علاوہ ہر وہ مصیبت جو کسی بندے پر آئے یا اس کے اَہْل و عِیال پر، اس میں بھی مذکورہ باتوں کا خیال رکھے، یعنی ان مُعامَلات پر دل سے یقین رکھے اور اس کے خیال و وِجدان میں بھی یہی باتیں ہوں خواہ وہ زبان سے ان کا اِظْہار کرے یا نہ کرے تو ایسا شخص لوگوں میں سب سے زیادہ ایمان والا، سب سے بہتر یقین والا، فوت شدہ دنیا پر سب سے کم افسوس کرنے اور غم زدہ ہونے والا، سب سے بہتر رضا اور اعلیٰ ترین مُشاہَدے والا ہو گا۔ چنانچہ جس نے ان باتوں کو نعمت سمجھا اس پر شکر بجا لانا لازِم ہے۔ لہٰذا جس شخص کا ایمان کم اور یقین کمزور ہو وہ دنیا کے کھو جانے پر بہت زیادہ غم اور افسوس محسوس کرتا ہے، شکوہ وشِکایَت کا بازار گرم کرتا ہے اور بہت کم شکر بجا لاتا ہے۔

مصائب آزمائش ہیں

مصائب ایک ایسی آزمائش ہیں جو دنیا میں زُہد ورَغْبَت کی حقیقت واضح کر دیتے ہیں۔ کیا آپ نے وہ حدیثِ پاک نہیں سنی جس میں **اللہ** پاک کے پیارے حبیب صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے یہ دعا مانگی ہے: اے **اللہ** پاک! میں تجھ سے ایسا یقین مانگتا ہوں جس کے ذریعے ہم پر دنیا کی مصیبتیں آسان ہو جائیں۔[1]

معلوم ہوا دنیا کے کھو جانے پر غم کی شِدَّت دنیا کی مَحَبَّت کی دلیل اور **اللہ** پاک پر یقین کی کمزوری کی

[1]......ترمذی، کتاب الدعوات، باب رقم: ۷۹، ۵/ ۳۰۱، حدیث: ۳۵۱۳

علامت ہے۔ جبکہ دنیا کے کھو جانے پر غم کا آسان ہونا زُہد اپنانے کی دلیل اور اپنے پروردگار پر قوی یقین کی علامت ہے۔ لہٰذا اگر مُتوکِّل گھر آنے پر سامان کو اپنی حالت پر ہی دیکھے یا چوری ہونے کے بعد سامان اسے لوٹا دیا جائے تو کسی شے کے باقی رہنے سے اس کے توکُّل کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا بلکہ اس نے جن اُمور کی نیَّت کی تھی ان پر اسے اَجر و ثواب ملے گا۔

راہِ خدا میں دی جانے والی چیز کو واپس لینا کیسا؟

(صاحبِ کتاب حضرت سیِّدُنا شیخ ابُو طالب مکّی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں:) اور کوئی اپنے مکان سے نکلتے یا سواری ترک کرتے یا سفر پر جاتے وَقت یہ کہے یا یقین رکھے کہ "اسے کچھ فائدہ پہنچے گا اور نقصان نہیں ہوگا۔" میں اِسے نہیں جانتا کیونکہ **اللہ** پاک نے اس کے لئے جس چیز کے باقی رکھنے کا فیصلہ کر لیا وہ ہاتھ سے نکل نہیں سکتی اور جس چیز کے ہاتھ سے نکل جانے کا فیصلہ کر لیا ہے وہ اُسے فروخت نہ بھی کرے اسے بچا نہیں سکتا۔ اس کے باوجود اُسے توکل کا کچھ حال، رضا کا مقام اور حسنِ معاملات حاصل رہیں گے سوائے تقویٰ کی رُو سے دنیا میں کمی کرنے کے معاملہ میں ایک شے پہنچے گی کیونکہ پرہیزگار شخص دنیا میں کمی کرتا ہے اور تفصیل اس کی یہ ہے کہ اگر اُس سے وہ چیز لے لی گئی جس میں **اللہ** پاک پر توکل کر چکا تھا اور اُسے **اللہ** کریم کے سپرد کر دیا تھا پھر وہ شے اُس کی طرف لوٹائی گئی تو اب پرہیزگاری کے لحاظ سے اُس کا مالک بننا اُس کے لیے ناپسندیدہ ہے اور وہ ادب کی رُو سے اُس میں رجوع نہ کرے کیونکہ وہ اسے راہِ خدا میں صدقہ کر چکا تھا البتہ وہ اسے دوبارہ لے لے تو اس سے اس کا توکل کم نہ ہوگا اس لیے کہ اس نے دونوں صورتوں میں مُعاملہ اپنے پروردگار کے سُپُرد کر دیا تھا، اب اس نے وہ شے اسے واپس کر دی (کوئی حرج نہیں) جیسا کہ پہلی بار بھی اسی نے ہی عطا کی تھی۔

اونٹنی واپس نہ لی

حضرت سیِّدُنا **عبد اللہ** بن عمر رَضِیَ اللہُ عَنْہُمَا کی اونٹنی چوری ہوگئی اور کافی تلاش کے باوُجود جب نہ ملی تو آپ رَضِیَ اللہُ عَنْہ نے اِرشاد فرمایا: وہ راہِ خدا میں وقف ہے۔ پھر آپ مسجد میں آئے اور دو رکعت نماز پڑھی۔ اتنے میں ایک شخص آیا اور عرض کی: اے ابو عبد الرحمٰن! آپ کی اونٹنی فلاں جگہ ہے۔ آپ رَضِیَ اللہُ عَنْہ نعلین پہن کر کھڑے ہوئے، پھر اتار دیئے اور اِستغفار کرتے ہوئے بیٹھ گئے۔ عرض کی گئی: کیا اپنی اونٹنی

لینے نہیں جائیں گے ؟ اِرشَاد فرمایا: میں کہہ چکا ہوں کہ وہ راہِ خدا میں وقف ہے۔

صدقہ دے کر واپس لینے والے کا حال

(صاحبِ کتاب حضرت سَیِّدُنا شیخ ابو طالب مکّی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں کہ) مجھے کسی بزرگ نے یہ بات بتائی کہ میں نے اپنے ایک دوست کو مرنے کے بعد خواب میں دیکھا تو پوچھا: **اللہ** پاک نے تمہارے ساتھ کیسا سُلوک فرمایا؟ اس نے بتایا کہ **اللہ** نے میری بخشش فرما کر مجھے جنّت میں داخل کیا اور مجھے میرے جنتی محلاّت دکھائے۔ بزرگ فرماتے ہیں کہ وہ مجھے غم زدہ و پریشان نظر آیا تو میں نے اس سے کہا: **اللہ** پاک نے تمہاری بخشش فرمادی، تمہیں جنّت میں داخِل کر دیا اور پھر بھی تم غم زدہ ہو؟ اس نے ایک سَرد آہ کھینچی اور کہا: ہاں! میں قِیامت تک غم میں مبتلا رہوں گا۔ وجہ پوچھنے پر اس نے بتایا کہ جب میں نے اپنے جنتی محلاّت دیکھے تو میرے سامنے بلند مَقاماتِ عِلِّیِّین پیش کیے گئے کہ جن کی مثل میں نے کوئی اور مقام نہ دیکھا تو میں بہت خوش ہوا، مگر جب میں نے ان میں داخل ہونا چاہا تو کسی نے پکارا: اِسے ان محلاّت سے دور کر دو، یہ اِس کے لئے نہیں ہیں، بلکہ یہ اُس شخص کے لئے ہیں جو راستہ عُبُور کر لے۔ میں نے پوچھا: راستہ عُبُور کرنے سے کیا مُراد ہے؟ تو مجھے بتایا گیا کہ تم دنیا میں کہتے تھے کہ فلاں چیز راہِ خدا میں صَدَقہ ہے، پھر واپس لے لیتے تھے، اگر تم وہ راہ عُبُور کر لیتے تو ہم تمہیں یہ راہ عُبُور کروا دیتے۔

گھوڑا صدقہ کر دیا

حضرت سَیِّدُنا رَبیع بن خُثَیْم رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ کا گھوڑا چوری کر لیا گیا کہ جس کی مالیت 20 ہزار درہم تھی۔ آپ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ اس وَقت نماز پڑھ رہے تھے، مگر آپ نے (چور کو پکڑنے کے لئے) نماز نہ توڑی اور نہ گھوڑے کی تلاش میں پریشان ہوئے۔ کچھ لوگ افسوس کرنے آئے تو فرمایا: میں نے اسے رسی کھولتے دیکھ لیا تھا۔ عرض کی گئی: پھر آپ نے اسے بھگایا کیوں نہیں؟ فرمایا: میں گھوڑے سے زیادہ پسندیدہ کام یعنی نماز میں مصروف تھا۔ لوگ چور کے لئے بد دُعا کرنے لگے تو فرمایا: اسے بد دُعا کے بجائے دُعا دو کہ میں اپنا گھوڑا اس پر صدقہ کر چکا ہوں۔

شیطان کا مَدَد گار بننا پسند نہیں

منقول ہے کہ کسی بزرگ کی کوئی چیز چوری ہو گئی تو لوگوں نے عرض کی: آپ ظلم کرنے والے کو بد دُعا کیوں نہیں دیتے؟ فرمایا: میں اس کے خِلاف شیطان کا مَدَد گار بننا پسند نہیں کرتا۔ عرض کی گئی: اگر اس نے وہ چیز لوٹا دی تو کیا کریں گے؟ فرمایا: میں اس کی طرف دیکھوں گا بھی نہیں، کیونکہ میں وہ چیز اس کے لئے حلال کر چکا ہوں۔

کسی پر ظلم درحقیقت اپنی جان پر ظلم ہے

ایک بزرگ سے لوگوں نے عرض کی: آپ اس شخص کے لئے بد دعا کیجئے جس نے آپ پر ظلم کیا ہے۔ تو فرمایا: مجھ پر کسی نے ظلم نہیں کیا، بلکہ اس نے خود اپنی جان پر ظلم کیا ہے، کیا اس بے چارے کا اپنی جان پر ظلم کرنا کافی نہیں ہے کہ میں بد دعا کر کے مزید اِضافہ کروں؟

دنیا کے کھونے پر تعزیت مت کرو

کسی مسلمان کا مال ضائع ہو گیا اور لوگ اس کے پاس تعزیت کے لیے آئے تو اس نے کہا: دنیا کھو جانے پر مجھ سے تعزیت مت کرو، **اللہ** پاک کی قسم! ساری دنیا کے خَتْم ہو جانے پر بھی مجھے کوئی دکھ نہ ہو گا تو اس کی کسی ایک شے کے چلے جانے پر کیسے دکھ ہو سکتا ہے؟ وجہ پوچھی گئی تو فرمایا: (نعمتوں کے حُصُول پر) شکر میں مصروف رہنا مجھے (کسی نعمت کے چھن جانے پر) دکھ میں مبتلا ہونے سے غافل رکھتا ہے۔

اسلاف کا طریقہ

اس مُعامَلے میں اسلاف کا طریقہ یہ تھا کہ جب ان پر غصب اور چوری وغیرہ کے ذریعے کوئی ظلم ہوتا تو وہ یہ کہا کرتے تھے کہ یہ ہم پر **اللہ** پاک کی نعمت ہے کہ اس نے ہمیں ظالم کے بجائے مظلوم بنایا اور ظلم کے باعث چھن جانے والی شے کے ذریعے ہمیں بلند دَرَجات عطا فرمائے۔

اَسلاف کا ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ وہ ظلم کرنے والے شخص کو برے الفاظ میں یاد کرنے اور اس کے خِلاف بد دُعا کرنے سے ڈرتے تھے کہیں اس کے ظلم سے زِیادَتی واِضافہ نہ ہو جائے۔ چنانچہ،

مروی ہے کہ سرورِ کائنات صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اِرشَاد فرمایا: جس نے خود پر ظلم کرنے والے شخص

کے خِلاف بددُعا کی اس نے اپنا بدلہ لے لیا۔[1]

خود پر ظلم کرنے والے کو برا بھلا کہنا کیسا؟

ایک شخص نے کسی بزرگ کے سامنے حجاج بن یوسف کو (اس کے ظلم و ستم کی وجہ سے) بُرا بھلا کہا تو انہوں نے فرمایا: اسے بُرا مت کہو کیونکہ حجاج کو بُرا کہنے والے سے **اللہ** پاک اسی طرح بدلہ لے گا جس طرح لوگوں کے جان و مال کا بدلہ حجاج سے لے گا۔

ایک رِوایَت میں ہے کہ کسی بندے پر ظلم ہو اور وہ ظالم کو مسلسل بُرا بھلا کہتا رہے یہاں تک کہ اس کی بدزبانی ظلم کے برابر ہو جائے، پھر جو اس سے بڑھ جائے وہ ظالم کا حق بن جائے گی جو اسے مظلوم سے دلوایا جائے گا۔[2]

کسی شخص نے ایک عالِمِ دین سے راہزنی اور اپنا مال چھن جانے کی شِکایَت کی تو انہوں نے فرمایا: اگر تمہیں اپنے مال سے زیادہ اس بات کا غم نہیں کہ مسلمانوں میں لوٹ مار کرنے والے پیدا ہو چکے ہیں تو تم مسلمانوں کے خیر خواہ نہیں۔

حضرت سیِّدُنا علی بن فضیل بن عیاض رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ طَوافِ کعبہ میں مشغول تھے کہ آپ کے دینار چوری ہو گئے۔ آپ کے والدِ ماجد نے آپ کو روتے ہوئے دیکھا تو پوچھا: کیا دیناروں پر روتے ہو؟ جواب دیا: **اللہ** پاک کی قسم! ایسا نہیں ہے، مجھے اس بے چارے پر رونا آرہا ہے کہ قِیامت کے دن اس سے پوچھا جائے گا تو اس کے پاس کوئی وجہ نہ ہو گی۔

اسی مفہوم میں ایک بزرگ کا قول مروی ہے کہ جب آپ سے عرض کی گئی کہ اس شخص کو بددُعا دیجئے جس نے آپ پر ظلم کیا تو اِرشاد فرمایا: میں اس پر اس قدر غم میں مشغول ہوں کہ بددعا کا وَقْت نہیں۔

چوری شدہ مال واپس مل جائے تو کیا کرے؟

اگر مُتوکِّل کو اس کا سارا چوری شدہ سامان واپس مل جائے تو اس کے لیے افضل یہ ہے کہ وہ اسے نہ لے

---

[1] ......ترمذی، کتاب الدعوات، باب فی دعآء النبی، ۵/ ۳۲۴، حدیث: ۳۵۶۳

[2] ......الزھد لابن المبارک، باب ماجآء فی الشح، ص ۲۳۷، حدیث: ۶۸۱

بشرطیکہ اس نے اسے راہِ خدا میں صدقہ کر دیا ہو تو اپنے صدقے کو برقرار رہنے دے، لیکن اگر اس نے چور پر ہی صدقہ کر دیا ہو تو غور کرلے کہ اگر وہ فقیر ہو اور اس کے فقر و محتاجی نے اسے چوری و خیانت پر مجبور کیا ہو تو اپنا صدقہ اس پر برقرار رہنے دے اور اگر وہ فقیر نہ ہو تو سارا مال کسی فقیر کو دیدے۔

بعض بزرگانِ دین کا طریقہ یہ تھا کہ جب ان کی کوئی شے چوری ہو جاتی تو وہ اسے اپنے اس قول کے ساتھ مشروط قرار دیتے کہ اگر چور فقیر ہے تو وہ شے اسی پر صدقہ ہے اور اگر وہ محتاج ہے تو اس کے لیے بھی حلال ہے۔

واپس کیا گیا سارا مال صدقہ کر دیا

(صاحبِ کتاب حضرت سَیِّدُنا شیخ ابو طالب مکی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں) مجھے کسی شیخ نے بتایا کہ مکہ مکرمہ میں ایک عابد پر کسی حاجی نے سکّوں کی تھیلی چرانے کی تہمت لگائی کیونکہ وہ اس کے قریب ہی آرام فرما رہے تھے۔ چنانچہ انہوں نے اس سے پوچھا: تمہاری تھیلی میں کتنے سکے تھے؟ اس نے سکے بتائے تو وہ بزرگ اس آدمی کو اپنے گھر لے گئے اور (اس کی بتائی گئی مقدار کے مُطابِق) سکّے اس کے حوالے کر دیئے۔ بعد میں اس حاجی کو اس کے دوستوں نے بتایا کہ انہوں نے اس کے ساتھ مذاق کیا تھا اور اس کے سکّوں والی تھیلی اٹھالی تھی جب وہ سویا ہوا تھا۔ چنانچہ وہ شخص اپنے دوستوں کے ساتھ ان بزرگ کی خِدمَت میں حاضر ہوا اور سکے لوٹانا چاہے تو انہوں نے لینے سے انکار کرتے ہوئے فرمایا: ہم جس مال کو راہِ خدا میں دیتے ہیں اسے واپس نہیں لیتے، یہ تمہارے لئے حلال ہیں اپنے پاس ہی رکھ لو۔ مگر ان لوگوں نے عرض کی: ہمیں ان کی حاجت نہیں۔ فرمایا: پھر بھی انہیں اپنے پاس رکھ لو۔ انہوں نے واپس لینے سے انکار کیا تو اپنے بیٹے کو بلایا اور تمام سکے تھیلیوں میں رکھوا کر اسے ایک قوم کی طرف بھیج دیا تاکہ سارا مال تقسیم کر دیا جائے۔

مال واپس نہ لینے کی وجہ

اس کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے یہ سب مال اللہ پاک کی راہ میں صدقہ کر دینے کی نِیَّت کرلی تھی اور بزرگانِ دین جو شے راہِ خدا میں دے دیتے پھر اسے واپس نہ لیتے تھے۔ جیسا کہ ہم کہتے ہیں کہ اگر کسی نے کسی فقیر کو روٹی یا کچھ پیسے دینے کا ارادہ کیا مگر وہ اسے نہ مل سکا تو اب ہم اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ وہ ان اشیاء کو اپنی ملک میں واپس نہ لے بلکہ کسی اور سائل یا فقیر کو دے کر خود سے جدا کر دے کہ مومنین کا اَخلاق

یہی ہونا چاہئے اور ہم نے ایسے ہی لوگ دیکھے ہیں مگر افسوس آج اس طریقے کے آثار و نشانات خَتم ہوتے جارہے ہیں اور ان کی باتیں بس درس و بیان کی حد تک محدود ہو چکی ہیں، لہٰذا جس نے ان نیک اعمال پر عَمَل کیا اس نے انہیں زندہ کیا کہ پہلے زمانے میں اَولیائے کرام کا بارگاہِ خداوندی تک رسائی کا یہی طریقہ تھا۔

مُتوکِّل کے اَحکام

یاد رکھئے! اسباب میں اللہ پاک پر تَوَکُّل رکھنا اس بات کو ثابت نہیں کرتا کہ یہ اسباب بندے کے لیے باقی رہیں، نہ یہ ثابت کرتا ہے کہ بندہ ان اسباب کو ترجیح دے اور نہ یہ ثابت کرتا ہے کہ اس پر ان اسباب کی حفاظت لازِم ہے، بندے کی پسند یا دنیا کی بہتری کے لیے کوئی شے مقدم ہوتی ہے نہ مؤخر۔ بلکہ تَوَکُّل تو اشیاء کے خاتمے اور اِتلاف کے زیادہ قریب ہے۔ اس لیے کہ تَوَکُّل زہد کا ساتھی ہے۔

خواص کے نزدیک بھی تَوَکُّل ایسا ہی ہے اور اس لیے بھی کہ یہ بندے کا اِختیار کردہ، اس کی کوشش کی صداقت کو ثابت کرنے والا اور دنیاوی اشیاء کی نفی کرنے والا ہے۔ جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

فَمَاۤ اُوْتِیْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَمَتَاعُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَاۚ (پ ۲۵، الشوریٰ: ۳۶)

ترجمۂ کنز الایمان: تمہیں جو کچھ ملا ہے وہ جیتی دنیا میں برتنے کا ہے۔

اگر اس کا مال ضائع ہو جائے اور وہ صبر کرے یا شکر بجالائے یا (قضائے باری تعالیٰ پر) راضی رہے تو وہ اپنے تَوَکُّل میں سچا ہے کہ اگر مُتوکِّلین اپنے تَوَکُّل میں سچے ہوں تو ان کے اَحوال ایسے ہی ہوتے ہیں۔ لیکن اگر مال کے ضیاع پر وہ صبر کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دے اور پریشان ہو جائے تو وہ جھوٹا ہے اگرچہ اپنے گمان کے مُطابِق خود کو مُتوکِّل ہی سمجھے، اس پر لازِم ہے کہ اشیاء کی گم شدگی کے وَقْت نفس پریشان ہو تو اس سے مُجاہَدہ کرے جیسا کہ دیگر اعمال میں آفات کے نُزول کے وَقْت کرتا ہے۔ اگر اس کا مال محفوظ رہے تو یہ اس پر اللہ پاک کا کرم ہے، اسی طرح اگر مال ضائع ہو جائے مگر اس کے حال کی حقیقت ظاہر نہ ہو تو یہ بھی دنیا میں اسے اللہ پاک نے عزت بخشی ہے تاکہ وہ اپنے حال میں مطمئن رہے اور اس راہ میں اسے قلبی سکون میسر ہو۔ یہ کمزور لوگوں کا مقام ہے۔ لیکن اگر دنیا میں کمی واقع ہو تو یہ شخص ابتلا و آزمائش میں مبتلا ان لوگوں کے قائم مقام ہو جائے گا جو درجہ بدرجہ انبیائے کرام سے مُشابہت رکھتے ہیں، اگر امتحان و آزمائش نہ ہوتی تو

صادقین کی تعداد بہت زیادہ ہوتی۔

اسی طرح عِلاج مُعالَجہ ترک کرنے میں **اللہ** پاک پر تَوَکُّل رکھنے کا مُعاملہ ہے کہ اس سے عافیت حاصِل ہوتی ہے نہ جلد صحت ملتی ہے، امراض میں کمی ہوتی ہے نہ ان کا خاتمہ ہوتا ہے، بلکہ ترکِ علاج سے اَمراض میں زِیادَتی آزمائش کے زیادہ قریب ہے۔ چنانچہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۴۱﴾ (پ ۴، اٰل عمرٰن: ۱۴۱)

ترجمۂ کنزالایمان: اور اس لیے کہ **اللہ** مسلمانوں کا نکھار کر دے اور کافروں کو مٹادے۔

جان ومال میں کمی نعمت ہے

جانی ومالی لحاظ سے دنیاوی نقصان دراصل نعمت ہے اور آخرت میں اچھے انجام کا باعث ہے اس پر شکر واجب ہے، اس کے علاوہ یہ نقصان اُخروی لحاظ سے بڑے اجر وثواب کا باعث ہے اس لئے اس نقصان کو نیکی میں شمار کرتے ہوئے بندگی اختیار کرنا چاہئے اور جس نے ایسا نہ سمجھا نہ ہی اس خیال کے ساتھ بندگی اختیار کی تو ایسا شخص اپنے رب سے غافل اور اس کی نعمت کا ناشکرا اور جس شکر کا اسے حکم تھا اسے ضائع کرنے والا ہے۔ یہ نقصان اتنا بڑا ہے کہ اگر یہ ساری دنیا کا مالک ہو پھر ساری دنیا اس سے لے لی جائے تو بھی کم ہے، مجھے اندیشہ ہے کہ اس پر مَحْقٌ کا اطلاق ہوگا۔ جبکہ مَحْقٌ سے مُراد کسی شے میں پایا جانے والا وہ نقصان ہے جو کفرانِ نعمت کے باعث اس قدر زیادہ ہو جائے کہ وہ شے ہی باقی نہ بچے۔ جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۴۱﴾ (پ ۴، اٰل عمرٰن: ۱۴۱)

ترجمۂ کنزالایمان: اور کافروں کو مٹادے۔

مطلب یہ ہے کہ **اللہ** پاک بہتر جانتا ہے کہ کسی نعمت کی ناشکری کے بقدر کس شے کو خَتْم کرنا اور کس شے میں کمی کرنا ہے۔ جیسا کہ ایک مقام پر اِرشَاد ہوتا ہے:

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۵۵﴾ (پ ۲، البقرۃ: ۱۵۵)

ترجمۂ کنزالایمان: اور ضرور ہم تمہیں آزمائیں گے کچھ ڈر اور بھوک سے اور کچھ مالوں اور جانوں اور پھلوں کی کمی سے اور خوشخبری سنا ان صبر والوں کو۔

آیتِ مُبارَکہ میں مذکور پانچ اشیاء میں زِیادَتی کامِل دنیا کا نام ہے اور ان اشیاء میں کمی آخِرت میں زِیادَتی کا

سَبَب ہے، اس لیے کہ ان میں کمی دنیا کی ضد ہے۔ جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۳۶﴾

ترجمۂ کنزالایمان: اور وہ جو اللہ کے پاس ہے بہتر ہے اور زیادہ باقی رہنے والا ان کے لیے جو ایمان لائے اور اپنے رب پر بھروسا کرتے ہیں۔ (پ ۲۵، الشورٰی: ۳۶)

انہوں نے اپنے پروردگار پر توکُّل کرتے ہوئے مصائب کے وَقْت صبر کیا، پھر اپنے حقیقی کارساز یعنی اللہ پاک کے مُشاہَدے کی بنا پر اور اس پر اپنے حُسنِ ظن کی وجہ سے اپنے صبر کے مُعَاملے میں توکُّل سے کام لیا، اس کے بعد اپنے حال کی تکمیل اور اس کے سَبَب بلند دَرَجات کے حُصُول کے لیے اپنے توکُّل پر صبر کا دامَن ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ صبر تَوَکُّل کا پہلا مقام ہے جس سے مُراد مُشاہَدۂ قضا کے وَقْت آزمائش میں مبتلا ہونا ہے، جبکہ شکر اس سے اعلیٰ مقام ہے جس سے مُراد ابتلا و آزمائش کو نعمت سمجھنا ہے۔ رضا ان سب سے بلند تر مقام ہے اور یہ تَوَکُّل کی اعلیٰ صورت ہے جو کہ مُتَوَکِّلین میں سے مُحبین کا مقام ہے۔ چنانچہ عام مُتَوَکِّلین کے مُتعلّق اللہ پاک کا فرمانِ عالیشان ہے:

وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۰﴾ (پ ۲۰، القصص: ۶۰)

ترجمۂ کنزالایمان: اور جو اللہ کے پاس ہے وہ بہتر اور زیادہ باقی رہنے والا تو کیا تمہیں عقل نہیں۔

یعنی جو شخص اللہ پاک سے ڈرے اور اس کے خطاب کا مفہوم سمجھے ہر حالت میں اس پر توکُّل کرے گا، کھو جانے والی اشیاء پر مایوس ہوگا نہ دنیا کی آمد پر خوش ہوگا۔ یہ زہد کا درمیانی درجہ اور توکل کی ابتدا ہے۔ جبکہ خواص کے اوصاف بیان کرتے ہوئے اللہ پاک نے اِرشاد فرمایا:

وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۳۶﴾

ترجمۂ کنزالایمان: اور وہ جو اللہ کے پاس ہے بہتر ہے اور زیادہ باقی رہنے والا ان کے لیے جو ایمان لائے اور اپنے رب پر بھروسا کرتے ہیں۔ (پ ۲۵، الشورٰی: ۳۶)

عقل و تقویٰ والے ہی اللہ پاک پر بھروسا کرنے والے ہیں، جب ان لوگوں نے اللہ پاک کے کلام کا مفہوم سمجھا تو اس نے ان لوگوں کو باقی (یعنی آخِرت) میں رَغْبَت دلا کر فانی (یعنی دنیا) سے بے رَغْبَت کر دیا۔ اس

لیے کہ وہ صاحبِ عقل تھے اور اس لیے بھی کہ اللہ پاک نے اپنے پاس موجود نعمتوں کی نِسبت اپنی جانب کی اور اس کا وصف یہ بیان کیا کہ وہ باقی رہنے والی ہیں تا کہ وہ لوگ ان میں رَغبت رکھیں، کیونکہ ان کا اس پر توکُّل تھا، مگر جو کچھ ان کے پاس تھا اس کی نِسبت انہی کی جانِب کی تا کہ وہ اس میں زہد اِختیار کریں اور ان کے پاس موجود شے کا وصف یہ بیان کیا کہ وہ فانی ہے، اس لیے کہ وہ اپنے نفوس میں پہلے ہی زہد اِختیار کیے ہوئے تھے اور انہوں نے اپنے نفوس اللہ پاک کو فروخت کر دیئے تھے تو اب یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ جو شے ان کے نفوس کے قبضے میں ہو وہ ان کے مالک بن جائیں؟ حالانکہ غلام اور اس کا سارا مال تو اس کے آقا کا ہوتا ہے اور ان کے نفوس کا مالک و آقا تو اللہ پاک ہے جس نے ان کے نفوس کو ان سے خرید لیا تا کہ وہ اپنے پروردگار کو چاہنے والے بن جائیں اور اس کے بدلے انہیں ایسا عوض عطا فرمایا جو باقی رہنے والا ہے۔ چنانچہ اِرشاد فرمایا:

مَا عِنۡدَكُمۡ يَنۡفَدُ وَمَا عِنۡدَ اللّٰهِ بَاقٍ ؕ ترجمۂ کنز الایمان: جو تمہارے پاس ہے ہو چکے گا اور جو اللہ کے پاس ہے ہمیشہ رہنے والا ہے۔ (پ ۱۴، النحل: ۹۶)

مُتَوَکِّل کی فضیلت کا ایک اور بیان

یقینی طور پر یہ بھی جان لیجئے:

- اگر اللہ پاک زمینوں و آسمانوں کی تمام مخلوق میں ہر ایک کو اس شخص جیسا بنا دے جو سب سے بڑھ کر علم والا، سب سے زیادہ عقل مند اور حکیم و دانا ہو۔
- پھر مخلوق میں سے ہر ایک کے علم، حِکمت اور عقل میں تمام مخلوق کے برابر بلکہ اس سے بھی کئی گنا زیادہ اضافہ کر دے۔
- پھر ان پر اُمور کے انجام منکشف فرما دے۔
- انہیں تمام اَسرار سے آگاہ کرنے کے علاوہ باطنی نعمتوں کی بھی خبر دیدے۔
- انہیں عقوبتوں کی پیچیدگیاں سمجھا دے۔
- دنیا و آخرت کی مخفی لطافتیں بتا دے۔

اس کے بعد ان سے یہ اِرشاد فرمائے: میں نے تمہیں اُمور کے انجام کا جو مُشاہدہ کروایا ہے اس کے

ذریعے اور میرے عطا کردہ علم و عقل کی مَدَد سے ملک (یعنی عالم ظاہر) کی تدبیر کرو۔ اس کے بعد اس کام میں ان کی مُعَاوَنَت بھی فرمائے اور انہیں قوت عطا کرے تب بھی وہ **اللہ** پاک کی جس قدر تدبیر یعنی خیر و شر، نفع و نقصان کا مُشاہدہ کریں گے اس میں مچھر کے پر برابر کوئی اضافہ کر پائیں گے نہ کوئی کمی۔ اسی طرح اس تدبیر کے علاوہ عقلیں مزید کسی شے کو ظاہر کر پائیں گی نہ علوم کسی کو منکشف کر سکیں گے، نہ وہ اس کی لکھی ہوئی تقدیر کے بر عکس کوئی فیصلہ کر سکیں گے۔ بلکہ وہ اس میں کوئی کمی نہ دیکھیں گے کیونکہ **اللہ** پاک کی تدبیر کے جاری ہونے میں درج ذیل اُمور کار فرما ہیں:

- یہ عقلوں کی ترتیب کے مُطابِق ہے۔
- عرف و عادت کے تحت سرانجام پانے والے اُمور کے مُطابِق ہے۔
- اس میں معروف اَسباب اور مشہور واسطوں کا خیال رکھا گیا ہے۔
- یہ عقلی طبیعتوں کے معیار کے مُطابِق ہے۔
- یہ جبلی و فطری تقاضوں کے عین مُطابِق ہے۔

پھر اس کے ساتھ ساتھ **اللہ** پاک نے اُمور کے انجام، اَسرار اور اَجر و ثواب کو نگاہوں سے پوشیدہ کر دیا تو حُسنِ تقدیر و حُسنِ تدبیر بھی نگاہوں سے اوجھل ہو گئیں۔ مگر اکثر لوگ **اللہ** پاک کا حکم نہ جان سکے، البتہ! مُتَوَکِّلِین نے اس حکم کو بخوبی جان لیا۔ جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

وَ مَا يَعْقِلُهَاۤ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ ﴿۴۳﴾ (پ۲۰، العنکبوت: ۴۳) ترجمۂ کنز الایمان: اور انہیں نہیں سمجھتے مگر علم والے۔

دوسرے مَقام پر اِرشاد ہوتا ہے:

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّلْعٰلِمِیْنَ ﴿۲۲﴾ ترجمۂ کنز الایمان: بے شک اس میں نشانیاں ہیں جاننے والوں کے لیے۔ (پ۲۱، الروم: ۲۲)

منقول ہے کہ **اللہ** پاک نے سب سے چھوٹی جو جاندار و بے جان مخلوق پیدا کی ہے وہ مچھر اور رائی ہے، مگر ان میں سے بھی ہر ایک میں 360 حکمتیں کار فرما ہیں، پھر مخلوقات میں جس قدر بڑائی اور منافع کا فرق ہوتا ہے اسی حساب سے ان میں حکمتیں بھی زیادہ ہوتی ہیں۔

هِدایَت وبیان کی ایک اور صورت

وہ اَہلِ خِرَد (عقل والے لوگ) کہ جن کے دلوں سے حجاب دُور ہو چکے ہیں، اگر تمناؤں کی حد کر دیں اور ان کی آرزوؤں کے مُطابِق ان کی تمام تمنائیں پوری ہو جائیں تو بھی ان کا تدبیرِ خداوندی پر راضی رہنا اور تقدیرِ الٰہی کی مَعْرِفَت رکھنا ان کی تمنائیں پوری ہونے سے بہتر ہے اور یہ ان کے لیے **اللہ** پاک کے ہاں افضل ہے، اس لیے کہ **اللہ** پاک ہی احکم الحاکمین ہے۔ چنانچہ اس نے انسان کے کمزور یقین کی وجہ سے اسے تنبیہ کی اور تمناؤں کو لاعلمی قرار دیتے ہوئے اِرشاد فرمایا:

اَمْ لِلْاِنْسَانِ مَا تَمَنّٰی ﴿۲۴﴾ فَلِلّٰهِ الْاٰخِرَةُ وَ الْاُوْلٰی ﴿۲۵﴾ (پ ۲۷، النجم: ۲۴، ۲۵)

ترجمۂ کنزالایمان: کیا آدمی کو مل جائے گا جو کچھ وہ خیال باندھے تو آخِرت اور دنیا سب کا مالک **اللہ** ہی ہے۔

مطلب یہ ہے کہ دنیا و آخِرَت کی تمناؤں کو ترک کرنے کا حکم دیا، اس لیے کہ اس کا فرمانِ عالیشان ہے:

وَ لَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ وَ مَنْ فِیْهِنَّ ؕ (پ ۱۸، المؤمنون: ۷۱)

ترجمۂ کنزالایمان: اور اگر حق اُن کی خواہشوں کی پیروی کرتا تو ضَرور آسمان اور زمین اور جو کوئی ان میں ہیں سب تباہ ہو جاتے۔

مُتَوَکِّل **اللہ** پاک سے مَحَبَّت کرنے والا ہوتا ہے، اپنے پروردگار سے مسرور ہوتا ہے اور اس کی سلطنت پر خوش ہوتا ہے، تمام اُمور میں اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ اول و آخر سب اسی کا ہے، وہ جس کے مُتَعَلِّق جیسا چاہے فیصلہ فرماتا ہے، جبکہ بندہ عاجز ہے اور کسی شے پر بھی قادر نہیں۔

یہ مَحَبَّت کا پہلا مقام اور تَوَکُّل میں درمیانی حالت ہے۔ لہٰذا خالق، علیم و خبیر اور بصیر **اللہ** پاک کی حُسنِ تدبیر تمام مخلوق کو کافی ہے، البتہ! لوگوں کو حِکْمَت کی مَعْرِفَت، حکم و قدرت کے مُشاہدے اور ایسی بصیرت و یقین کی ضرورت ہے جس کا تعلق رحمت و نعمت سے ہو اور ان کے سَبَب قلوب تسکین پائیں اور پریشان نہ ہوں۔

(صاحبِ کتاب حضرت سَیِّدُنا شیخ ابُو طالب مَکّی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں) ہم نے جو باتیں ذکر کی ہیں وہ اہلِ یقین کے نزدیک اسی طرح ہیں۔ البتہ! عام لوگوں کی آنکھوں سے جب بروزِ قیامت حجاب دُور ہو گا تو وہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ کر ہمارے ذکر کردہ اَسرار کو جان لیں گے، یہاں اسرار سے مُراد تدبیر کی لطافت اور

باطنی تقدیر ہے جبکہ باطنی تقدیر سے مُراد رازِ تقدیر اور تقدیر لکھنے والے کے لطائف ہیں۔ یعنی بروزِ قیامت سب کی آنکھوں سے پردہ ہٹ جائے گا اور آسمانوں اور زمین کے مخفی عجائبات ظاہر ہو جائیں گے کہ جن سے **اللہ** پاک نے اپنے عُلَمائے ربانیین کو دنیا میں ہی آگاہ کر دیا ہے، معلوم ہوا کہ اس نے دنیا میں جو کچھ ظاہر کیا اس پر وہی حمد و ثنا کے لائق ہے اور جو کچھ اس نے مخفی رکھا اس پر آخرت میں شکر ادا کیے جانے کا مستحق بھی وہی ہے۔ دونوں میں سے ہر ایک میں اس کی نعمت ہے اور ہر صِفَت بیان کرنے والے کے ساتھ اس کی حِکْمَت و رحمت ہے، مگر **اللہ** پاک نے عُلَمائے ربانیین کو اپنے اَخلاق پر پیدا فرمایا، لہٰذا وہ صرف اسی قدر علم ظاہر کرتے ہیں جو ظاہر ہو چکا ہے اور انہیں اس کی قدرت کے اسرار اسی قدر معلوم ہوتے ہیں جس قدر وہ اس کی مَعْرِفَت رکھتے ہیں۔ جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآىٕنُهٗ٘ وَمَا نُنَزِّلُهٗۤ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ۝۲۱

ترجمۂ کنزالایمان: اور کوئی چیز نہیں جس کے ہمارے پاس خزانے نہ ہوں اور ہم اسے نہیں اتارتے مگر ایک معلوم اندازے سے۔ (پ ۱۴، الحجر: ۲۱)

الغرض وہ اس خطاب سے مؤدب ہو گئے اور اس کی مُقَرَّر کردہ حد پر رک گئے۔ اور انہوں نے رسول پاک صَلَّی اللّٰہ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے اس فرمان کو سمجھ لیا کہ "**اللہ** پاک تمہارے لئے باتوں کی گہرائی میں پڑنے کو ناپسند فرماتا ہے۔" نیز دراصل باتوں کی گہرائی میں اترنا اہلِ یقین کے نزدیک حرام ہے کیونکہ یہ ایمان کے حجاب کو اٹھاتی اور اشیاء کی نشانیوں سے سمجھنے اور یقین کرنے والی عقل کی رسی کھولتی (یعنی اسے آزاد کر دیتی) ہے۔

اور ہماری ذکر کردہ بات نیک لوگوں کی شہادت نہیں ہے کیونکہ یہ صالحین کا مقام ہے کہ وہ اہلِ مشاہدہ کی شہادت کو ترک کر دیتے ہیں۔ مروی ہے کہ حضور نبی کریم صَلَّی اللّٰہ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ایک شخص کو یہ دعا کرتے سنا: "اے میرے **اللہ**! تو مجھے دنیا ایسے دکھا جیسے تو نے اسے دیکھا۔" تو ارشاد فرمایا: یوں نہ کہا کرو کیونکہ **اللہ** پاک دنیا کو ایسے نہیں دیکھتا جیسے تم دیکھتے ہو، البتہ تم یوں کہو: "اے میرے **اللہ**! مجھے دنیا ایسے دکھا جیسے اسے تیرے نیک بندے دیکھتے ہیں۔"

اور صالحین بالاخانوں میں امن و امان سے ہیں جبکہ گواہ اپنے رب کے حضور حاضر ہیں اور **اللہ** پاک

اپنے کام پر غالب ہے اور نیکی کرنے کی طاقت **اللہ** پاک ہی کی توفیق سے ہے۔

حضرت سَیِّدُنا ابو سلیمان دارانی رَحْمَۃُ اللہ عَلَیْہ فرماتے ہیں: جب آپ اَشیاء کو بُلندی سے مُلاحَظہ فرمائیں گے تو ان کا مزہ کچھ اور ہی پائیں گے۔

کسی عارِف کا قول ہے کہ جب آپ تمام اشیاء کا منبع و مخرج ایک خیال کریں جیسا کہ کسی شے کا ہوتا ہے تو آپ وہ کچھ دیکھیں گے جن کے متعلق کسی نے نہیں سنا اور وہ کچھ سمجھنے لگیں گے جسے مخلوق نہیں سمجھی۔

اسی طرح کسی اور عارِف کا قول ہے کہ تم پھٹی پھٹی نگاہوں سے عجائبات کو نہیں دیکھ سکتے تو جب تم ایسے دیکھنا چھوڑ دو گے تو عجائبات کو دیکھ لوگے۔

مُتَوَکِّلِین کے مزید اوصاف

یاد رکھئے! عُلَمائے ربانیین **اللہ** پاک پر اس لئے توکل نہیں کرتے کہ

- ⇐ وہ انہیں ان کے مقصود تک پہنچاتا ہے۔
- ⇐ وہ ان کی دنیا کی حفاظت فرماتا ہے۔
- ⇐ وہ **اللہ** پاک کے فیصلے کو اپنی مرضی و پسند کے ساتھ مشروط کر سکیں۔
- ⇐ ان پر جاری ہونے والے اَحکام میں سے جن کو یہ ناپسند جانیں وہ انہیں ان کی خاطر بدل دے۔
- ⇐ اس کی جو مَشِیَّت ان کی عقلوں سے بالاتر ہو وہ اسے تبدیل فرما دے۔
- ⇐ اس کا بندوں میں جاری ابتلا و امتحان کا طریقہ ان کے بارے میں بدل جائے۔

بلکہ ان کے دلوں میں **اللہ** پاک مذکورہ باتوں سے بلند تر ہے اور وہ اس کی مَعْرِفَت ان مُعَامَلات سے ہٹ کر حاصِل کرتے ہیں۔ اگر کوئی عارِف **اللہ** پاک پر تَوَکُّل کے مُعَامَلے میں مذکورہ باتوں میں سے کسی ایک کا بھی اعتقاد رکھے تو یہ کبیرہ گناہ کا مرتکب ہو گا جس پر توبہ لازِم ہے اور اس کا تَوَکُّل مَعْصِیَّت شُمار ہو گا۔ بلکہ عارفین کا طریقہ تو یہ ہے کہ وہ اپنے نفوس کو مجبور کرتے ہیں کہ وہ اَحکامِ باری تعالیٰ پر خواہ وہ کیسے ہی ہوں صبر کا دامَن تھامے رکھیں اور اپنے قلوب کو ان اَحکام پر پابند رکھتے ہیں خواہ وہ کیسے ہی ہوں۔ چنانچہ،

منقول ہے کہ ایک شخص نے حضرت سَیِّدُنا مالِک بن انس رَحْمَۃُ اللہ عَلَیْہ سے عرض کی: اے ابو عبد **اللہ**! میں نے غلافِ کعبہ سے لپٹ کر اپنے ہر گناہ سے توبہ کی اور قسم کھائی کہ آئندہ کبھی **اللہ** پاک کی نافرمانی نہ

کروں گا (تو کیا میں نے دُرُست کیا؟)۔ اِرشاد فرمایا: تو ہلاک ہو! اس سے بڑھ کر تیری مَعْصِیَّت کیا ہوگی کہ تو اللہ پاک کو قسم دے رہا ہے کہ وہ تجھ پر اپنا حکم نافذ نہ کرے۔

اسی مفہوم میں کسی عالم نے ایک حکیم و دانا شخص کے یہ اشعار پڑھے:

لَمَّا رَاَیْتُ الْقَضَا جَارِیًا لَا شَكَّ فِیْهِ وَلَا مَرِیَه

تَوَكَّلْتُ حَقًّا عَلٰی خَالِقِیْ وَاَلْقَیْتُ نَفْسِیْ مَعَ الْجَرِیَه

ترجمہ: جب میں نے قضا کو جاری ہوتے دیکھا جس میں کوئی شک وشبہ نہ تھا تو اپنے خالق پر توکُّل کیا اور جاری ہونے والے حکم کے ساتھ اپنے نفس کو بھی ڈال دیا۔

(صاحبِ کتاب حضرت سَیِّدُنا شیخ ابو طالب مَکّی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں) اسلاف نے اللہ پاک کی فرمانبرداری میں ہر اس شے کو ناپسند جانا جسے اللہ پاک نے پسند نہ کیا اور ان کی اس ناپسندیدگی کا سَبَب محض اللہ پاک کی مَحبَّت اور ان پر جاری ہونے والے حکم کی عزت کرنا تھا اور انہوں نے اس لیے اس شے کو ناپسند نہیں کیا تھا کہ اللہ پاک کے فیصلے کو پسند نہیں کرتے تھے، کیونکہ یہ ان کی شان نہیں کہ وہ یہ کہیں: اے ہمارے رب پاک! جسے تو پسند نہیں کرتا اس کا تو نے فیصلہ کیوں فرمایا؟ یا یہ کہیں کہ اے ہمارے رب جو فیصلہ تو نے کیا اسے ناپسند کیوں جانا؟ اس لیے کہ وہ اس بات کو بخوبی جانتے ہیں کہ اللہ پاک بسا اوقات ایک شے کا حکم دیتا ہے مگر کسی خاص وجہ سے اس کے وُقُوع کا ارادہ نہیں فرماتا اور بعض اوقات ایک شے کا ارادہ فرماتا ہے مگر کسی حِکْمَت کی بنا پر اس کے بجالانے کا حکم نہیں دیتا، یہی مَعْرِفَت کی باتیں ہیں جن میں عقلیں حیران ہیں، جبکہ اللہ پاک کا مقام و مرتبہ اپنے اَولیائے کِرام کے دِلوں میں بہت بُلند و برتر ہے، وہ اپنے دِلوں میں اس بات سے شدید خوف رکھنے والے ہیں کہ ان کی زبان سے یا دل سے اس قسم کی کوئی بات نکلے، بلکہ وہ سمجھتے ہیں کہ اس میں بھی اللہ پاک کی کوئی حِکْمَت کار فرما ہے اور اس لیے وہ اس کے حکم پر صبر کا دامَن تھامے رکھتے ہیں۔

عُلَمائے ربانیین وخواص کے توکل کی وجوہات

عُلَمائے کِرام اللہ پاک پر اس لیے توکُّل کرتے ہیں کیونکہ وہ مُتَوَکِّلِین کو پسند فرماتا ہے اور دوسرا یہ کہ وہی اس بات کا حق رکھتا ہے کہ ہر مُعَامَلے کو اس کے سُپُرد کر دیا جائے اور اس کے تمام اَحْکام کے

سامنے سر کو جھکا دیا جائے، کیونکہ وہی سب سے پہلا حقیقی کارساز ہے اور وہی سب سے بڑا کفیل ہے۔

(صاحبِ کتاب حضرت سیِّدُنا شیخ ابو طالب مکی رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْه فرماتے ہیں) عُلَمائے کرام نے ایسا اس وقت کیا جب انہوں نے اس کے وکیل ہونے کے مُتَعَلِّق اس کا یہ فرمانِ عالیشان سنا:

وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ وَّكِیْلٌ ﴿۱۲﴾ (پ۱۲، ھود: ۱۲) ترجمۂ کنز الایمان: اور اللہ ہر چیز پر محافظ ہے۔

اور اس کا یہ فرمانِ عالیشان سنا:

ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ یُدَبِّرُ الْاَمْرَؕ مَا مِنْ شَفِیْعٍ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖؕ (پ۱۱، یونس: ۳) ترجمۂ کنز الایمان: پھر عرش پر اِستواء فرمایا جیسا اس کی شان کے لائق ہے کام کی تدبیر فرماتا ہے کوئی سفارشی نہیں مگر اس کی اجازت کے بعد۔

اور اس وقت کیا جب انہیں اللہ پاک کے درج ذیل فرمانِ عالیشان سے سوجھ بوجھ کی دولت ملی:

وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ ﴿۵۰﴾ (پ۶، المائدۃ: ۵۰) ترجمۂ کنز الایمان: اور اللہ سے بہتر کس کا حکم یقین والوں کے لئے۔

اور اس وقت کیا جب ان کی عقل اللہ پاک کے درج ذیل کلام سے روشن ہوئی:

اَلَیْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِیْنَ ﴿۸﴾ (پ۳۰، التین: ۸) ترجمۂ کنز الایمان: کیا اللہ سب حاکموں سے بڑھ کر حاکم نہیں۔

❀ عُلَمائے کرام کے اللہ پاک پر توکُّل کرنے کی وجہ یہ بھی ہے کہ انہیں اللہ پاک نے اس بات کا حکم دیا تھا، انہیں اس کی ترغیب دلائی، اسے مستحب قرار دیا اور اس کے ساتھ ایمان کو مُتحقق کیا، اس لیے کہ انہوں نے اللہ پاک کا یہ فرمانِ عالیشان سن لیا تھا:

اَفَمَنْ هُوَ قَآىٕمٌ عَلٰى كُلِّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْۚ (پ۱۳، الرعد: ۳۳) ترجمۂ کنز الایمان: تو کیا وہ جو ہر جان پر اس کے اعمال کی نگہداشت رکھتا ہے۔

دوسرے مقام پر ہے:

اَمَّنْ یَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَمَنْ ترجمۂ کنز الایمان: یا کون مالک ہے کان اور آنکھوں کا اور

يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ ؕ (پ۱۱، یونس: ۳۱) کون نکالتا ہے زندہ کو مردے سے اور نکالتا ہے مردہ کو زندے سے اور کون تمام کاموں کی تدبیر کرتا ہے۔

ایک مقام پر ہے:

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ؕ ترجمۂ کنز الایمان: اور زمین پر چلنے والا کوئی ایسا نہیں جس کا رزق **اللہ** کے ذِمّۂ کرم پر نہ ہو اور جانتا ہے کہ کہاں ٹھہرے گا اور کہاں سُپُرد ہوگا۔ (پ۱۲، ھود: ۶)

ایک مقام پر ہے:

وَفِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ ﴿۲۲﴾ ترجمۂ کنز الایمان: اور آسمان میں تمہارا رزق ہے اور جو تمہیں وعدہ دیا جاتا ہے۔ (پ۲۶، الذّٰریٰت: ۲۲)

پھر اس نے اپنی ذات کی قسم یاد فرمائی کہ یہ اس کا کلام حق ہے۔ چنانچہ اِرشاد فرمایا:

فَوَرَبِّ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِنَّهٗ لَحَقٌّ ترجمۂ کنز الایمان: تو آسمان اور زمین کے رب کی قسم بے شک یہ قرآن حق ہے۔ (پ۲۶، الذّٰریٰت: ۲۳)

عُلَمائے ربانیین نے **اللہ** پاک پر توکُّل کیا اس سے حیا کرتے ہوئے اور اس یقین کے پائے جانے کی وجہ سے کہ جس نے ان کے مخفی شک کو دُور کر دیا، انہیں تہمت سے بچایا اور ان کا اعتقاد ان کے پروردگار پر مضبوط کیا۔ چنانچہ ان میں سے بعض نے انہی مذکورہ معانی ومفاہیم کی بنا پر **اللہ** پاک پر توکُّل کیا اور بعض نے اس لیے توکُّل کیا کہ انہیں مذکورہ اُمور میں سے بعض کا مُشاہدہ حاصل ہو گیا۔

(صاحب کتاب حضرت سیِّدُنا شیخ ابو طالب مکی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں)

- ہر بندے کا **اللہ** پاک پر تَوَکُّل اس کی مَعْرِفَت کے مُطابِق ہوتا ہے۔
- ہر ایک کو اسی قدر مَعْرِفَت حاصِل ہوتی ہے جس قدر اس کی تجلیاں اس پر منکشف ہوتی ہیں۔
- ہر ایک اسی قدر اس کی فرمانبرداری کرتا ہے جس قدر اسے اس کا قرب نصیب ہوتا ہے۔
- ہر ایک کو اسی قدر قرب کی دولت ملتی ہے جس قدر اس کا علم ہوتا ہے۔

ہر ایک کو اسی قدر علم ملتا ہے جس قدر اسے وجودِ باری تعالیٰ کی حقیقی کیفیت کا مُشاہدہ حاصل ہوتا ہے۔ نیز ہر ایک کو علم اس پر اس کی عنایت و محبّت کے مُطابِق ملتا ہے۔

الغرض ہر شخص کو مُشاہدے کی دولت اس کے مقام کے مُطابِق ملتی ہے اور ہر ایک کا حال اس کے مُشاہدے کے وجدان سے متحقق ہوتا ہے جبکہ اس کی جزا اسے اپنے مُعاملے کی مِثل ملتی ہے۔ جیسا کہ **اللہ** پاک فرمانِ عالیشان ہے:

وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ ترجمۂ کنزالایمان: اور **اللہ** اس سے بھی زیادہ بڑھائے جس کے لیے چاہے۔ (پ ۳، البقرۃ: ۲۶۱)

ایک مقام پر ہے:

هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶۳﴾ (پ ۴، اٰل عمرٰن: ۱۶۳) ترجمۂ کنزالایمان: وہ **اللہ** کے یہاں درجہ درجہ ہیں اور **اللہ** ان کے کام دیکھتا ہے۔

ایک مقام پر ہے:

لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ (پ ۸، الانعام: ۱۲۷) ترجمۂ کنزالایمان: ان کے لئے سلامتی کا گھر ہے اپنے رب کے یہاں اور وہ ان کا مولیٰ ہے یہ ان کے کاموں کا پھل ہے۔

اللہ پاک دارُ السّلام میں سب کو جمع کرے گا مگر یہاں ان کے دَرَجات مختلف ہوں گے جیسا کہ دنیا میں جمع ہونے کے باوُجود ان کے دَرَجات مختلف تھے۔ **اللہ** پاک انہیں اپنے ہاں ملکوت (یعنی عالَمِ باطن) میں اپنی خصوصی ولایت عطا فرما کر ان کے دَرَجات کو بلند فرمائے گا۔ جیسا کہ اس کا فرمانِ عالیشان ہے:

اَللّٰهُ يَجْتَبِيْۤ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْۤ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ ﴿۱۳﴾ (پ ۲۵، الشورٰی: ۱۳) ترجمۂ کنزالایمان: اور **اللہ** اپنے قریب کے لیے چن لیتا ہے جسے چاہے اور اپنی طرف راہ دیتا ہے اُسے جو رجوع لائے۔

خواص میں سے بعض اس کی عَظمت و جلالتِ شان کی وجہ سے اس پر توکُّل کرتے ہیں۔

بعض اس کے وعدے پر یقین کے باعث اس پر توکُّل کرتے ہیں تاکہ اس کے وعدے کا صدق ثابت ہو جائے گویا کہ اس نے جس شے کا وعدہ کیا ہے وہ اسکے پاس ہے۔ جیسا کہ اس کا فرمانِ عالیشان ہے:

وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ (پ ۱۱، التوبۃ: ۱۱۱) ترجمۂ کنزالایمان: اور اللہ سے زیادہ قول کا پورا کون۔

ایک مقام پر ہے:

اِنَّهٗ كَانَ وَعْدُهٗ مَاْتِیًّا (۶۱) (پ ۱۶، مریم: ۶۱) ترجمۂ کنزالایمان: بے شک اس کا وعدہ آنے والا ہے۔

- بعض خواص ایسے ہیں جو اللہ پاک پر تَوَکُّل اس کی مَحبَّت میں کرتے ہیں۔
- بعض اس کی عَظَمت و عزت کے مُشاہدے کو تسلیم کرتے ہوئے اس پر تَوَکُّل کرتے ہیں۔
- بعض اس کے خوف کی بنا پر اس پر تَوَکُّل کرتے ہیں۔
- بعض اس پر حُسنِ ظَن رکھتے ہوئے اور صِدقِ رجا کی بنا پر تَوَکُّل کرتے ہیں۔
- بعض اس پر تَوَکُّل اس لیے کرتے ہیں کہ اس نے جن اُمُور کی حِفَاظت چاہی ہے اس میں وہ ان کی حِفَاظت فرمائے۔
- بعض تَوَکُّل اس لیے کرتے ہیں تاکہ ان کی حُسنِ مَعْرِفَت کا مُشاہدہ قائم رہے۔
- بعض اس کے حُسنِ مُعَامَلہ کو تسلیم کرتے ہوئے اس پر تَوَکُّل کرتے ہیں۔
- بعض اس پر تَوَکُّل اس لیے کرتے ہیں تاکہ وہ اس کی قدرت کا مُشاہدہ کر سکیں۔
- بعض اس پر اس لیے تَوَکُّل کرتے ہیں تاکہ وہ اپنے جملہ اُمُور کو اس کے حُسنِ تدبیر اور محکم تقدیر کا مالِک ہونے کی وجہ سے اس کے سُپُرد کر دیں۔
- بعض اس پر تَوَکُّل اس لیے کرتے ہیں کہ اس کی توحید اور قیومیت کا مُشاہدہ اس کا تقاضا کرتا ہے۔

یہ سب مشاہدہ قُرب اور قریب ترین ہستی کی معرفت کی بدولت اللہ پاک کے اولیاء اور اس کے پیاروں کے احوال و مقامات اور طریقے ہیں۔

ان میں سے بعض کے مقام بعض سے اعلیٰ ہیں اور بعض مشاہدات بعض سے زیادہ بلند و قریب ہیں۔ چنانچہ دَرَجات کے لحاظ سے سب سے اعلیٰ وہ ہے جس نے اللہ پاک پر تَوَکُّل اس کی عَظَمت اور جلالتِ شان کی وجہ سے کیا اور اوسط یعنی درمیانہ درجہ اس کا ہے جس نے اللہ پاک پر تَوَکُّل اس کی مَحبَّت اور اس کے خوف کی بنا پر کیا۔ جبکہ سب سے ادنیٰ درجہ اس کا ہے جس نے اللہ پاک پر تَوَکُّل اس لیے کیا تاکہ وہ اس کے اَحکام کے

سامنے سر جھکا کر اس کا محبوب بندہ بن سکے۔

(صاحب کتاب حضرت سیِّدُنا شیخ ابو طالب مکی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں) ہم عام لوگوں کا توکُّل پہلے ہی ذکر کر چکے ہیں کہ عارفین کو اس کے تذکرے سے بھی حیا آتی ہے بلکہ وہ تو اپنے دلوں کو اس کے مُتعلّق سوچنے سے بھی باز رکھتے ہیں۔ حالانکہ تَوَکُّل تو ہوتا ہی دلوں میں ہے۔ جبکہ صدیقین مقربین میں سے خواص الخواص کا توکُّل ہم ذکر نہیں کر رہے کیونکہ کسی عقل مند کی عقل اس کی متحمل ہو سکتی ہے نہ کسی ناقل کی کتاب میں اس کے ذکر کی وُسعَت ہے۔ کیونکہ ممکن ہے کہ کوئی جاہل و منکر اس بارے میں نکتہ چینی کرنے لگے۔ اور **اللہ** پاک ہی سے مدد طلب کی جاتی ہے پس عارفین ان باتوں کو اختیار کرتے ہیں جنہیں وہ اپنی ذات کے لئے محبوب رکھتا ہے اور ان چیزوں کا شوق رکھتے ہیں جن کی تعریف وہ اپنی شان کے لئے فرماتا ہے تاکہ انہیں ایسا وصف مل جائے جس کے سبب **اللہ** پاک اپنے ولی کو نیک نامی عطا فرمائے یوں وہ اس کا قرب اور محبت پائیں۔

مُتَوَکِّل کے تَوَکُّل میں کمی نہ ہونے کا بیان

متوکل کے رب سے کچھ مانگنے کی چند صورتیں

پہلی صورت

اگر مُتَوَکِّل اپنے پروردگار سے اپنی کوئی پسندیدہ یعنی دنیا کی کوئی بھلائی و اُخْرَوِی دَرَجات میں اضافہ مانگے تو اس سے اس کے تَوَکُّل میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی کیونکہ اس نے کسی غیر مطلوب شے کا قصد نہیں کیا، اس لیے کہ تمام اُمور **اللہ** پاک کے سُپُرد ہیں، البتہ! اس مُعَاملے میں ضرورت اس امر کی ہے کہ مُتَوَکِّل دُعا کی قبولیت کی مَعْرِفَت رکھے کہ بسا اوقات کسی شے کا نہ ملنا بھی دعا کی قبولیت و قرب کی عَلامَت ہوتا ہے بشرطیکہ کسی شے کے ملنے سے غفلت اور بُعد و دوری کا اندیشہ ہو۔ اس لیے کہ خیر و بھلائی اسی شے میں مضمر ہوتی ہے جسے بندہ نہیں جانتا اور بسا اوقات خیر نفس کی ناپسندیدہ شے میں ہوتی ہے۔

دوسری صورت

وہ اُمور جن کا تعلّق ان باتوں سے ہو جن کے اچھے انجام کو **اللہ** پاک جانتا ہے اور ان باتوں سے نہ ہو

جس کا فوراً حاصِل ہونے والا نفع بندوں کی عقل میں سمایا ہو تو ان اُمُور پر بندے کو اللہ پاک کے حکم کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دینا چاہئے اور اللہ پاک نے اس کی قسمت میں جو لکھا ہے اس پر راضی رہنا چاہئے۔

تیسری صورت

اگر بندے نے دنیا کی کثرت کا سوال کیا یا بلاضرورت کچھ مانگا اور اس میں اس کے دل کی اصلاح ہو نہ پروردگار کا قرب مقصود ہو تو یہ سوال اسے توکُّل کی حقیقت سے اسی قدر دُور کر دے گا جس قدر وہ اسے زہد سے دُور کرے گا۔ لیکن اگر وہ مانگنے کے بجائے اللہ پاک کے ذکر میں لگ جائے تو اللہ پاک اسے تمام مانگنے والوں سے بڑھ کر عطا فرمائے گا۔

چوتھی صورت

اگر مُتوکِّل وکیل تعالیٰ سے حیا کی بنا پر کچھ نہ مانگے کہ وہی اسے کافی ہے تو اس نے کفایت کا مُشاہدہ کیا اور جمیع تصرُّف سے راضی ہو گیا۔ یہ مُشاہدۂ قیومیت کا ایک مقام اور مقربین کا حال ہے۔

رزق کی طرف میلان توکل کے لئے نقصان دہ نہیں

مُتوکِّل کا اپنے رزق کی طرف مائل ہونا اس کے توکُّل کے لیے نقصان دہ نہیں، کیونکہ انسان کو کمزور اور بھوکا پیدا کیا گیا ہے اور اس کا رزق معلوم ہے جو ہر صورت میں اسے ملے گا اور جو رزق معلوم ہے وہ تقسیم کیا گیا ہے، لہٰذا کسی کا اپنے تقسیم شدہ حصّے کی طرف دیکھنا حقیقت میں تقسیم کرنے والے کی طرف دیکھنا ہے اور جو اپنے رب کی طرف مائل ہو اللہ پاک اسے شَرَف و عزت اور اپنی وِلایت عطا فرماتا ہے۔

البتہ! اگر اس نے زِیادَتی کا میلان رکھا اور قناعَت سے نکل گیا اور عادت کا مُطالَبہ کیا یا کسی شے کو اس کے وَقْت سے قبل چاہا یا کسی شے کو اس کے وَقْتِ مُقَرَّرہ تک مؤخر ہونے کو اچھا نہ سمجھا تو یہ سب باتیں توکُّل میں عیب پیدا کرتی اور زہد میں کمی کرتی ہیں۔

اگر متوکل کا اجمالی طور پر رزاق اللہ پاک کی طرف متوجہ رہتے ہوئے رزق پر مبہم سی نگاہ رکھنا اس کے توکل میں کمی کا باعث ہوتا تو ہم اس شخص کو معیوب جانتے جو بازار میں اللہ پاک سے یہ امید لگائے بیٹھا ہے

کہ وہ اسے اسی دروازے سے رزق پہنچائے گا جس سے اسے داخل فرمایا ہے اور اسی سبب سے عطا فرمائے گا جو **اللہ** پاک نے اسے فراہم کیا ہے نیز ایسی صورت میں ہم اپنی بیماری کے علاج میں دوا لینے والے کو جاہل قرار دیتے کیونکہ یہ سب رزق اور صحت کی طرف توجہ کرنے کے سبب ہے۔ چنانچہ اس سے تابعین کا ضعیف ہونا اور صحابہ و سلف صالحین میں سے عِلاج مُعالَجہ کا اِہتِمام کرنے والوں پر طعن ثابت ہو گا اور یہ بات انہیں تَوَکُّل وزہد سے خارج کر دے گی۔ حالانکہ یہ ذی قدر ہستیاں تَوَکُّل وزہد میں بلند مقام کی حامل تھیں۔

کسی کا اپنے نیک عَمَل کی اُخرَوِی جزا کی طرف متوجہ ہونا اسے تَوَکُّل سے خارِج نہیں کرتا، کیونکہ اُخرَوِی جزا کا تو شوق دلایا گیا ہے اور اسے پسندیدہ بنایا گیا ہے، اب جو اس شے کا مشتاق ہو جس کا اسے شوق دلایا گیا ہو یا وہ اس شے کی طرف مائل ہو جس کی طرف اس کی توجہ مبذول کرائی گئی ہو تو اس کے مقام میں کوئی کمی نہیں ہوتی، بلکہ اس کے حال میں بسا اوقات اضافہ ہوتا ہے، البتہ! اس صورت میں بندہ محبین کے اِخلاص کی حقیقت پا سکے گا نہ مقربین عارفین کے بلند دَرَجات پر فائز ہو سکے گا۔

تَوَکُّل دنیا میں زہد اپنائے بغیر دُرُست نہیں اور زہد کی ابتدا حرام میں رَغبَت کا ترک کرنا ہے جبکہ مُتَوَکِّل کے اَحوال کی ابتدا پہلے رزق میں تَوَکُّل اپنانا، پھر **اللہ** پاک کے حکم پر صبر کا دامَن تھامے رکھنا ہے۔

توکل کی اعلیٰ صورت

تَوَکُّل کی اعلیٰ صورت یہ ہے کہ بندہ اَحکامِ خداوندی کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دے اور نیکیاں کمانے کی دوڑ میں رب کی رضا پر راضی رہے۔ مُراد یہ ہے کہ نفس کو دھتکار کر یکسر فراموش کر دے اور مَحبّتِ باری تعالیٰ کی وجہ سے یادِ الٰہی میں مگن ہو کر نفس سے غافل ہو جائے۔

توکل کی حقیقت

تَوَکُّل کی حقیقت **اللہ** پاک کے دستِ قدرت کے مُشاہدہ کے بعد حاصل ہوتی ہے، چنانچہ جب **اللہ** پاک کا دستِ قدرت ظاہِر ہوتا ہے تو باقی تمام ہاتھ غائب ہو جاتے ہیں۔ اب اگر اس وقت تو نے اس کی مَدَد چاہتے ہوئے اس پر تَوَکُّل کیا تو وہ تیرے تَوَکُّل کو شَرَفِ قبولیّت عطا فرمائے گا اور اسی طرح اگر تو نے اس کی قوت کے سامنے اپنا سرِ تسلیم خم کر دیا تو وہ تجھے امان عطا فرمائے گا۔ اس لیے کہ وہ تمہارے سامنے ایک ایسے

وصف کے ساتھ تجلی فرماتا ہے جو تم پر ایک حکم لازم کر دیتا ہے، پھر وہ حکم تجھے حاکم کی بارگاہ تک لے جاتا ہے اور وہ وصف تجھے حقیقی کارساز یعنی اللہ پاک کے سامنے لا کھڑا کرتا ہے جیسا کہ حاکم تجھے حکم ماننے پر مجبور کر دیتا ہے اور جیسی قسمت چاہتا ہے لکھ دیتا ہے خواہ وہ تیرے حق میں ہو یا تیرے خِلاف۔

توکل کی اصل

تَوَکُّل کی اصل یہ ہے کہ تو اللہ پاک سے حیا کرتے ہوئے تَوَکُّل کرے اور اس نے جو تجھے تَوَکُّل کے مُشاہدے کی توفیق عطا فرمائی ہے اسے اس کی حُسنِ تدبیر سمجھے کہ اس نے اپنے سوا کسی کو تیرا کارساز بنایا نہ کسی کو تیرا دوست و مدد گار بنایا، لہٰذا یہ اس بات کا متقاضی ہے کہ تو اس پر صبر کرے یا خود کو اس کے سُپُرد کر دے یا اس کی رضا پر راضی ہو جائے یا اس کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دے یا اس نے تیرے نفس کی جو تدبیر کی ہے اس پر راحت محسوس کرے یا تو اپنی تقدیر اور آرزوؤں کے جس اِہتمام میں مصروف ہے اسے ترک کر دے۔ جیسا کہ اس کا فرمانِ عالیشان ہے:

وَمَنْ یَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ؕ ترجمۂ کنز الایمان: اور جو اللہ پر بھروسا کرے تو وہ اسے کافی ہے۔ (پ ۲۸، الطلاق: ۳)

متوکل کو رب ہی کافی ہے

(صاحبِ کتاب فرماتے ہیں:) حسیب اللہ پاک جو چاہے اور جیسا چاہے اس کے ساتھ کرے۔ ایک قول کے مُطابِق یہاں مراد یہ ہے کہ اسے تَوَکُّل ہی کافی ہے جبکہ ایک قول میں ہے کہ اسے تمام مقامات میں تَوَکُّل ہی کافی ہے۔ ایک قول کے مُطابِق اللہ پاک اسے اپنے سوا ہر ایک کے لیے کافی ہے۔ چنانچہ،

اللہ پاک نے اس کافی ہونے کی وضاحت کرتے ہوئے اور سب کو تسلی دیتے ہوئے اِرشاد فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ ؕ (پ ۲۸، الطلاق: ۳) ترجمۂ کنز الایمان: بیشک اللہ اپنا کام پورا کرنے والا ہے۔

متوکل پر توکل کی برکتیں

مطلب یہ ہے کہ اللہ پاک اپنا حکم اس پر بھی نافِذ کرنے والا ہے جو اس پر تَوَکُّل کرے اور اس پر بھی جو

اس پر تَوَکُّل نہ کرے۔ البتہ! جو اس پر تَوَکُّل کرے گا اللہ پاک اس کے دنیا و آخِرت کے اہم اُمُور کے لیے اسے کافی ہو گا اور جو اس پر تَوَکُّل نہیں کرے گا وہ اپنی قسمت میں ایک مچھر کے پر برابر بھی اضافہ نہ کر سکے گا۔ جیسا کہ اس پر تَوَکُّل کرنے والا اپنے رزق میں ذرّہ بھر کمی نہیں کر سکتا۔ ہاں تَوَکُّل کرنے والوں کو اللہ پاک کی طرف سے مزید ہِدَایَت کی توفیق ملتی ہے اور تقویٰ کی بنا پر ان کے مقاماتِ یقین بلند ہو جاتے ہیں اور اللہ پاک ان کے سروں پر عزت کے تاج سجاتا ہے۔ مگر جو تَوَکُّل نہیں کرتے ان کا یقین کم اور فکر و پریشانی زیادہ ہو جاتی ہے، جس کے سَبَب ان کا دل و دماغ منتشر رہتا ہے۔

تَوَکُّل کی برکت سے اللہ پاک مُتَوَکِّل کے گناہ مٹا دیتا ہے اور اس کے دل میں اپنی رضا و محبّت ڈال دیتا ہے۔ نیز اللہ پاک نے اپنی کفایت کی ضمانت اس شخص کے لیے دی ہے جو اس پر تَوَکُّل میں صادق ہو اور گناہوں سے حفاظت کی توفیق اس شخص کو عطا فرمائی ہے جو اپنے تمام اُمُور کو بخوبی اس کے سُپُرد کر دے، البتہ! اس کفایت و حفاظت میں انتخاب و ترجیح کا اِختیار اسی کو ہے کہ جو چاہے، جیسے چاہے، جہاں سے چاہے اور جب چاہے دنیا و آخِرت کے اُمُور میں عطا فرمائے، خواہ بندہ اس جگہ سے آگاہ ہو یا نہ ہو، اس لیے کہ بندہ ایک وُجُود رکھتا ہے جس پر دونوں جہانوں کے اَحکام جاری ہوں گے، وہ دونوں جہانوں میں اپنے رب کے رحم و کرم اور لطف و عنایت کا محتاج ہے کیونکہ اللہ پاک ہی غنی و حمید ہے اور پہلی بار اور مرنے کے بعد دوبارہ پیدا کرنے والا ہے۔

حضرت سَیِّدُنا ابو محمد سہل تُستَری رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ سے عرض کی گئی: بندے کا تَوَکُّل کب دُرُست ہوتا ہے؟ اِرشاد فرمایا: جب اسے اس بات کا یقین ہو جائے کہ اس نے جو اپنے نفس کی بھلائی کے لیے تدبیر کی ہے اس سے زیادہ بہتر وہ تدبیر ہے جو اس کے رب نے اس کے لیے کی ہے۔ نیز اسے اس بات کا بھی یقین ہو جائے کہ اس کے رب کی اس پر نظر اس کی اپنی نظر سے زیادہ بہتر ہے۔ لہٰذا وہ گزشتہ کی فکر اور آئندہ کی تمنا چھوڑ دے، یوں اپنی تدبیر چھوڑ دے کہ تمام اُمُور کا انجام اللہ پاک ہی کے اِختیار میں ہے اور ہر حالت میں اس کی حمد و ثنا اور شکر بجالانا لازِم ہے۔

مقاماتِ یقین کا آٹھواں مقام

مقامِ رضا کے اَحکام اور اہلِ رضا کے اوصاف کا بیان

رضا کا بدل بھی رضا ہے

رضائے باری تعالیٰ پر راضی رہنا اعلیٰ مقاماتِ یقین میں سے ہے۔ چنانچہ،

فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ﴿۶۰﴾ ترجمۂ کنز الایمان: نیکی کا بدلہ کیا ہے مگر نیکی۔

(پ۲۷، الرحمٰن: ۶۰)

معلوم ہوا جو **اللہ** پاک سے حُسنِ رضا رکھے **اللہ** پاک بھی اسے رضا کی جزا دے گا۔ چنانچہ رضا کا بدل بھی رضا ہی ہے اور یہ جزا و عطا کی انتہا ہے۔ جیسا کہ ایک مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ ؕ ترجمۂ کنز الایمان: **اللہ** ان سے راضی اور وہ **اللہ** سے راضی۔ (پ۷، المآئدۃ: ۱۱۹)

رضا جنّت عدن سے اعلیٰ ہے

اللہ پاک نے اپنی رضا کو تمام جنّتوں سے اعلیٰ جنّتِ عدن سے بھی بلند مقام عطا فرمایا ہے جیسا کہ اس نے اپنے ذکرِ پاک کو نماز سے بڑا قرار دیا ہے۔ چنانچہ،

رضا کے جنّتِ عدن سے اعلیٰ ہونے کے مُتَعَلِّق اِرشَاد فرمایا:

وَ مَسٰكِنَ طَیِّبَةً فِیْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ؕ وَ رِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ (پ۱۰، التوبۃ: ۷۲) ترجمۂ کنز الایمان: اور پاکیزہ مکانوں کا بسنے کے باغوں میں اور **اللہ** کی رضا سب سے بڑی۔

اور ذکر کے نماز سے بڑا ہونے کے مُتَعَلِّق اِرشَاد فرمایا:

اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ ؕ وَ لَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ (پ۲۱، العنکبوت: ۴۵) ترجمۂ کنز الایمان: بے شک نماز منع کرتی ہے بے حیائی اور بری بات سے اور بے شک **اللہ** کا ذکر سب سے بڑا۔

ذکر کے نماز سے بڑے ہونے کی دو صورتیں

مذکورہ آیتِ مُبارَکہ میں ذکر کے نماز سے بڑا ہونے کی دو صورتیں ہیں:

پہلی صورت یہ ہے کہ ذکر ذاکرین کے نزدیک مُشاہدے کا نام ہے، یعنی نماز میں جس کا ذکر کیا جا رہا ہے اس کا مُشاہدہ نماز سے بڑا ہے۔ جبکہ دوسری صورت یہ ہے کہ **اللہ** پاک کا بندے کو یاد فرمانا بندے کے **اللہ** پاک کو یاد کرنے سے بڑا ہے۔

تقدیر و قضا کے مواقع پر رضا کو ترجیح دینا

حضرت سَیِّدُنا ابو عبد **اللہ** ساجی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں: **اللہ** پاک کی مخلوق میں سے بعض بندے ایسے ہیں جو ننھے بچے سے حیا کرتے ہیں اور مَواقِعِ تقدیر پر رضا کو اِختیار کرتے ہیں۔

حضرت سَیِّدُنا عمر بن عبد العزیز رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرمایا کرتے تھے کہ میرے نزدیک مَواقِعِ قضا کے سوا کسی موقع پر کوئی خوشی باقی نہیں رہی۔

ذکر کی برکتیں

اللہ پاک سے راضی رہنے والے ہی **اللہ** پاک کا ذکر کرنے والے ہیں جیسا وہ پسند کرے اور جس پر وہ راضی ہو۔ لہٰذا رضوانِ اکبر کی جزا انہی لوگوں کا حق ہے جو ذکرِ اکبر کرنے والے ہیں۔ جیسا کہ ایک حدیثِ قدسی میں اسی قسم کا مفہوم کچھ یوں مروی ہے: جس کو میرے ذکر میں مشغول ہونے نے مجھ سے کچھ مانگنے کی فرصت نہ دی میں اسے تمام مانگنے والوں سے بہتر دوں گا۔[1] یعنی اس سے راضی ہو جاؤں گا۔ اس لیے کہ مانگنے والے اس سے اپنی خاطر مانگتے ہیں تو وہ انہیں اپنے کرم سے نوازتا ہے جبکہ ذاکرین اس کا ذکر کرتے ہیں تو وہ انہیں اپنی رضا عطا فرماتا ہے۔ اس کا معنٰی یہ بھی ہے کہ میں اسے اپنے دیدار کی دولت عطا فرماتا ہوں۔

(صاحبِ کتاب حضرت سَیِّدُنا شیخ ابُو طالب مکّی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں) اس کی وجہ یہ ہے کہ ذکر بھی دیدار میں شامل ہے، لہٰذا ذاکرین کا آج (دنیا میں) ذاتِ باری تعالیٰ کا دیدار کرنا کل بروزِ قیامت دیدار کرنے کی مثل ہے

[1] ......مسند بزار، مسند عمر بن الخطاب، ۱ / ۲۴۷، حدیث: ۱۳۷

جیسا کہ درج ذیل فرمانِ باری تعالیٰ میں ہے:

وُجُوْهٌ یَّوْمَىٕذٍ مُّسْفِرَةٌ ﴿۳۸﴾ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ﴿۳۹﴾ (پ ۳۰، عبس: ۳۸، ۳۹)

ترجمۂ کنزالایمان: کتنے منہ اس دن روشن ہوں گے ہنستے خوشیاں مناتے۔

اللہ پاک کے پیارے حبیب صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا بھی اس کے مُتعلّق ایک فرمانِ عالیشان کچھ یوں مروی ہے کہ (بروزِ قیامت) ہمارا رب ہم پر رضا اور رحمت کے ساتھ تجلّی فرمائے گا۔[1]

یقین کا ایمان کی حقیقت ہونا

ذکر ساعت کے قریب اور ساعت دیدار کی طرف لے جاتی ہے جبکہ رضا اس شخص کا حال ہے جسے اس بات کی (یعنی ذکرِ الٰہی کی) توفیق ملتی ہے اور یقین ہی ایمان کی حقیقت ہے۔ چنانچہ **اللہ** پاک کے محبوب صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے حضرت سَیِّدُنا ابن عباس رَضِیَ اللہُ عَنْہُمَا کو وَصیّت کرتے ہوئے اِرشَاد فرمایا: یقین کے ساتھ خالص **اللہ** پاک کی رضا کے حُصُول کے لیے نیک عَمَل کر، اگر ایسا نہ ہو سکے تو (یاد رکھ) جسے تو ناپسند کرتا ہے اس پر صبر کرنے میں خیرِ کثیر ہے۔[2]

(صاحب کتاب حضرت سَیِّدُنا شیخ ابو طالب مکّی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں) پہلے سرورِ عالَم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے حضرت سَیِّدُنا ابن عباس رَضِیَ اللہُ عَنْہُمَا کو اعلیٰ مقامات تک بلند ہونے کی وَصیّت اِرشَاد فرمائی، پھر انہیں ان مقامات کے حُصُول کے لیے میانہ روی کی وَصیّت کی۔

اسی طرح آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے حضرت سَیِّدُنا **عبد اللہ** بن عمر رَضِیَ اللہُ عَنْہُمَا سے اِرشَاد فرمایا: تو **اللہ** پاک کی عِبادَت اس طرح کر گویا تو اسے دیکھ رہا ہے، اگر تو اسے دیکھ نہیں سکتا تو (یہ یقین رکھ کہ) بے شک وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔[3]

اس وَصیّت میں پہلے آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے حضرت سَیِّدُنا ابن عمر رَضِیَ اللہُ عَنْہُمَا کو مُشاہدے کی

---

[1] ......کتاب التوحید لابن خزیمۃ، باب ذکر إثبات ضحک ربنا، ۲/ ۵۶۷، حدیث: ۳۳۹

[2] ......نوادر الاصول، الاصل الرابع والاربعون، ۱/ ۱۸۶، حدیث: ۲۷۵۔ الزھد لھناد، باب التوکل، ۱/ ۳۰۴، حدیث: ۵۳۶

[3] ......مسند احمد، مسند عبد اللہ بن عمر، ۲/ ۴۹۰، حدیث: ۲۱۶۴، عن عبد اللہ بن عمر

ترغیب دلائی جسے اِحسان بھی کہتے ہیں، کیونکہ انہوں نے عرض کی تھی: اِحسان سے کیا مُراد ہے؟ چنانچہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اِرشاد فرمایا: **اللہ** پاک کی عِبادت اس طرح کر گویا تو اسے دیکھ رہا ہے۔ پھر اس کے بعد آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ان کا رخ صبر و مُجاہدے یعنی ایمان کی طرف کر دیا اور یہی مقامِ علم ہے کہ **اللہ** پاک واقعی اسے دیکھ رہا ہے اور اس کے بعد کوئی بھی جگہ ایسی نہیں جس کی توصیف بیان کی جائے۔

رضائے الٰہی طلب کرنے کی فضیلت

اللہ پاک نے اپنی رضا کو اپنے دیدار سے زیادہ بلند مقام عطا فرمایا ہے۔ جیسا کہ ایک حدیثِ پاک میں ہے کہ (بروزِ قیامت) **اللہ** پاک مومنین پر تجلی فرما کر اِرشاد فرمائے گا: مجھ سے مانگو (جو چاہتے ہو)۔ وہ عرض کریں گے: (ہم تو بس) تیری رضا چاہتے ہیں۔[1]

(صاحبِ کتاب حضرت سَیِّدُنا شیخ ابُو طالب مکی رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں) لوگوں کا دیدارِ باری تعالیٰ کے بعد رضا کا سوال کرنا رضا کی عظمت و فضیلت پر دلالت کرتا ہے۔ کیونکہ انہیں رضا کے باعث ہی دائمی دیدار کی دولت ملی، اس لئے کہ رضا ہی دیدارِ باری تعالیٰ کا مُوجِب تھی۔ چنانچہ انہوں نے دائمی رضا کا سوال کیا تاکہ قرب و دیدار کو بھی دوام ملے، اس طرح انہوں نے نعمت کا ایک جز مانگ کر کل نعمت مانگ لی۔ یہ قطعی مُناسب نہیں کہ ان کے قول سے یہ مفہوم اخذ کیا جائے کہ اے ہمارے رب! تیری رضا سب سے بڑھ کر ہے۔ اور اس معاملے کی حقیقت کسی کتاب میں نہیں ہے کیونکہ اس مُعاملے کی حقیقت کا اِظہار ذاتِ باری تعالیٰ کی ایک ایسی صِفَت کے اِظہار پر منحصر ہے جس سے بندے پر ہیبتِ رُبُوبِیَّت طاری ہو جاتی ہے۔ جبکہ اس کا خوف دلوں سے پوشیدہ ہے جس میں اسرارِ غیب کی کوئی حِکْمَت کار فرما ہے۔

یہ بات دنیا میں عرفانِ خداوندی کی دولت سے مالا مال ہونے کی وجہ سے اہلِ خوف کے لیے اَجر و ثواب کا باعث ہے۔ جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِیَ رَبَّهٗ ۠ (۸) (پ ۳۰، البینة: ۸)

ترجمۂ کنز الایمان: **اللہ** ان سے راضی اور وہ اس سے راضی یہ اس کے لیے ہے جو اپنے رب سے ڈرے۔

[1] ......مصنف ابن ابی شیبة، کتاب الصلاة، باب فی فضل الجمعة ویومها، ۲/۵۸، حدیث: ۱۰

جنّت کے تین تحائف

اللہ پاک کا فرمانِ عالیشان ہے:

وَلَدَيْنَا مَزِيدٌ ﴿۳۵﴾ (پ۲۶، ق:۳۵) ترجمۂ کنزالایمان: اور ہمارے پاس اس سے بھی زیادہ ہے۔

اس آیتِ مُبارَکہ کی تفسیر میں بعض مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ وقتِ مزید میں جنتیوں کے پاس **اللہ** پاک کی طرف سے یہ تین تحائف آئیں گے:

﴿1﴾ **اللہ** پاک کی طرف سے انہیں ایسا تحفہ عطا ہو گا کہ جنّت میں اس کی مثل کوئی اور شے نہ ہو گی، چنانچہ اس کے مُتعلّق **اللہ** پاک کا اِرشاد ہے:

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ ۚ (پ۲۱، السجدۃ:۱۷) ترجمۂ کنزالایمان: تو کسی جی کو نہیں معلوم جو آنکھ کی ٹھنڈک ان کے لئے چھپا رکھی ہے۔

﴿2﴾ ان کے ربّ پاک کی طرف سے ان پر سلام ہو گا، چنانچہ یہ سلام ان کے تحفے میں مزید اِضافہ کر دے گا۔ اسی کے مُتعلّق ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

سَلٰمٌ ۟ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ ﴿۵۸﴾ (پ۲۳، یٰسٓ:۵۸) ترجمۂ کنزالایمان: ان پر سلام ہو گا مہربان ربّ کا فرمایا ہوا۔

﴿3﴾ **اللہ** پاک ان سے فرمائے گا: میں تم سے راضی ہوں۔ یہ تحفہ ہدیہ اور سلام دونوں سے افضل ہو گا اسی کے مُتعلّق **اللہ** پاک اِرشاد فرماتا ہے:

وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ (پ۱۰، التوبۃ:۷۲) ترجمۂ کنزالایمان: اور **اللہ** کی رضا سب سے بڑی۔

مطلب یہ ہے کہ **اللہ** پاک کی رضا انہیں عطا کی گئی تمام نعمتوں سے بڑی ہے۔

ایمان کی علامت کیا ہے؟

مروی ہے کہ حضور نبی پاک صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے مومنین کی ایک جماعت سے پوچھا: تم لوگ کیا ہو؟ انہوں نے عرض کی: ہم مومن ہیں۔ استفسار فرمایا: تمہارے ایمان کی عَلامت کیا ہے؟ عرض کی: ہم

آزمائش کے وَقت صبر کرتے ہیں، اللہ پاک کی رضا پر اس کا شکر بجالاتے ہیں اور مَواقعِ تقدیر پر راضی رہتے ہیں۔ (یہ سن کر) اِرشاد فرمایا: ربِّ کعبہ کی قسم! تم (واقعی) مومن ہو۔[1]

بردبار عُلَما کی فضیلت

ایک رِوایت میں ہے کہ سرورِ کائنات صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اِرشاد فرمایا: قریب ہے کہ بُردبار عُلَما دین کی سوجھ بوجھ اور مَعْرِفَت کے لحاظ سے مَقامِ انبیا تک پہنچ جائیں۔[2]

ایمان کے لئے رضا کی اہمیت

حضرت سَیِّدُنا لقمان حکیم رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ نے رضا کو ایمان کی ایسی شرط قرار دیا کہ جس کے بغیر ایمان دُرُست نہیں۔ چنانچہ آپ نے اپنے جگر گوشے کو یہ وَصِیَّت فرمائی: ایمان کے چار ارکان ہیں، جن کے بغیر ایمان دُرُست نہیں ہوتا جیسا کہ جسم دو ہاتھوں اور دو پاؤں کے بغیر دُرُست نہیں ہوتا۔ پھر آپ رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ نے ان چار چیزوں میں اللہ پاک کی تقدیر پر رضا کو بھی شُمار کیا۔

بکریاں چرانے والی عورت کی خصلت

اسرائیلی روایات میں ہے کہ ایک عابد نے عرصۂ دراز تک اللہ پاک کی عِبادَت کی تو اس کو خواب میں دکھایا گیا کہ بکریاں چَرانے والی فلانی عورت جنّت میں تیری رفیق ہوگی۔ اس نے عورت کے مُتَعَلِّق پوچھ گچھ کی یہاں تک کہ اسے ڈھونڈ لیا، پھر تین دن تک اس کا مہمان بننا چاہا تاکہ اس کا عَمَل دیکھے۔ عابد رات بھر عِبادَت میں گزارتا مگر وہ سوئی رہتی، وہ دن میں روزے سے رہتا جبکہ وہ بغیر روزے کے رہتی۔ آخر عابد نے اس سے پوچھا: میں نے جو کچھ دیکھا ہے کیا اس کے علاوہ بھی تیرا کوئی عَمَل ہے؟ اس نے جواب دیا: بخدا! جو کچھ آپ نے دیکھا ہے بس یہی ہے اس کے عِلاوہ میں نہیں جانتی۔ عابد مسلسل کہتا رہا: یاد کرو۔ یہاں تک کہ اس عورت نے کہا: ایک چھوٹی سی خصلت مجھ میں ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر میں سختی و تنگی میں ہوں تو وُسعت

---

[1] ......معجم اوسط، ۲/ ۶۷، حدیث: ۲۴۲۷، معجم کبیر، ۱۱/ ۱۲۳، حدیث: ۱۱۳۳۲

[2] ......الزھد الکبیر، باب الورع والتقوی، ص ۳۵۴، حدیث: ۹۷۰

حلیۃ الاولیاء، سھل بن عبد اللہ، ۱۰/ ۲۰۱، حدیث: ۱۴۹۱۹

وکُشادگی کی تمنا نہیں کرتی، اگر مرض میں مبتلا ہوں تو صحت یابی کی آرزو نہیں کرتی اور اگر دھوپ میں ہوں تو سائے میں ہونے کی خواہش نہیں کرتی۔ یہ سن کر عابد نے اپنا ہاتھ اپنے سر پر رکھا اور کہا: کیا یہ چھوٹی سی خصلت ہے؟ **اللہ** پاک کی قسم! یہ ایسی عظیم خصلت ہے جس سے بڑے بڑے عِبادَت گزار عاجز ہیں۔

گناہوں کی معافی کا ایک سبب

حضرت سَیِّدُنا **عبداللہ** بن مسعود رَضِیَ اللہُ عَنْہ سے مروی ہے کہ جو شخص آسمان سے زمین پر نازل کی گئی ہر شے پر راضی ہو تو اس کے گناہ مُعاف کر دیئے جاتے ہیں۔

ایمان کی سربلندی

حضرت ابو درداء رَضِیَ اللہُ عَنْہ فرماتے ہیں: ایمان کی سربُلَندی حُکمِ الٰہی پر صبر کرنا اور تقدیر پر راضی رہنا ہے۔

سب سے بہتر چیز

حضرت سَیِّدُنا محمد بن حویطب رَضِیَ اللہُ عَنْہ سے مروی ہے کہ مکّی مَدَنی سرکار صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا فرمانِ خوشبودار ہے: سب سے بہتر چیز جو بندے کو عطا کی جاتی ہے وہ اس کا **اللہ** پاک کی تقسیم پر راضی رہنا ہے۔[1]

ایک مشہور حدیثِ پاک میں ہے کہ سرکارِ مدینہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اِرشَاد فرمایا: خوشخبری ہے اس شخص کے لئے جسے اسلام کی ہِدَایَت دی گئی اور اس کا رزق بقدرِ کفایت ہو اور وہ اس پر راضی رہے۔[2]

کم رزق پر راضی رہنے کا انعام

اسی طرح ایک رِوایَت میں ہے کہ رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اِرشَاد فرمایا: جو شخص تھوڑے رزق پر **اللہ** پاک سے راضی رہے **اللہ** پاک بھی اس کے تھوڑے عَمَل پر راضی ہو جاتا ہے۔[3]

اَہلِ بیت سے مروی ہے کہ سرورِ کائنات صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اِرشَاد فرمایا: جب **اللہ** پاک کسی بندے سے مَحبَّت کرتا ہے تو اس کو آزمائش میں مبتلا کرتا ہے، اگر بندہ صبر کرے تو وہ اس کو چن لیتا ہے اور

1 ....الزھد لابن المبارک فی نسختہ زائدا، باب فی الرضاء بالقضاء، حدیث: ۱۲۷، ص ۳۲، مفھوما عن ابی العلاء بن الشخیر

2 ....ترمذی، کتاب الزھد، باب ما جاء فی الکفاف والصبر علیہ، ۴/۱۵۶، حدیث: ۲۳۵۶، بتغیر قلیل

3 ....موسوعۃ ابن ابی الدنیا، کتاب الفرج بعد الشدۃ، ۲/۸۴، حدیث: ۱

اگر راضی رہے تو اس کو برگزیدہ بنالیتا ہے۔[1]

ابدال کا مقام

اللہ پاک سے راضی رہنا، مخلوق پر رحم کرنا، دل کا سلامت ہونا، مسلمانوں کی خیر خواہی کرنا اور نفس کا سخی ہونا صدیقین میں سے اَبدالوں کا مقام ہے۔

رضائے خداوندی کے حُصُول کا طریقہ

حضرت سَیِّدُنا موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام کے واقعات میں سے ہے کہ ایک بار بنی اسرائیل نے آپ عَلَیْہِ السَّلَام سے عرض کی: ہمارے لئے اپنے ربّ سے کوئی ایسی بات پوچھئے کہ جب ہم اس پر عمل کریں تو وہ ہم سے راضی ہو جائے۔ آپ عَلَیْہِ السَّلَام نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کی: الٰہی! تو نے سن لیا جو انہوں نے کہا۔ تو اِرشادِ خداوندی ہوا: اے موسیٰ! ان سے فرما دو کہ مجھ سے راضی رہیں تاکہ میں بھی ان سے راضی رہوں۔

بندے کا رب کے ہاں مرتبہ

اس حکایت کی تائید اس حدیثِ پاک سے بھی ہوتی ہے جو ہمارے مکی مَدَنی آقا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے مروی ہے کہ جو یہ جاننا چاہے کہ اس کا **اللہ** پاک کے ہاں مرتبہ کیا ہے تو اسے چاہئے کہ یہ دیکھ لے کہ **اللہ** پاک کا اس کے ہاں کیا مرتبہ ہے۔[2] کیونکہ **اللہ** پاک بندے کو اپنے ہاں وہی مقام عطا فرماتا ہے جو بندہ اپنے دل میں اپنے پروردگار کو دیتا ہے۔[3]

بلاحساب جنّت میں جانے والے گروہ سے فرشتوں کا مذاکرہ

حضرت سَیِّدُنا اَنَس بن مالِک رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ سے رِوایت ہے کہ حضور نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم اِرشاد فرماتے ہیں: بروزِ قیامت **اللہ** پاک میری اُمّت کے ایک گروہ کو پَر عطا فرمائے گا جن کے ذریعے وہ اپنی

---

[1] ......مسند الفردوس، ۱/ ۱۵۱، حدیث: ۹۷۶

[2] ......الزھد لابن المبارک، باب التواضع، ص ۲۹۱، حدیث: ۸۴۹

مسند ابی یعلی، مسند جابر بن عبد اللہ، ۲/ ۲۲۴، حدیث: ۱۸۶۰

[3] ......یہاں سے کچھ عبارت کا ترجمہ متروک ہے جسے اہل علم احباب کے لئے کتاب کے آخر میں دے دیا گیا ہے۔

قبروں سے اُڑ کر (سیدھے) جنّت میں چلے جائیں گے اور وہاں پھرتے رہیں گے اور جیسے چاہیں گے نعمتوں سے لطف اندوز ہوں گے۔

⇐ فرشتے ان سے پوچھیں گے: کیا تم نے حساب (نہیں) دیکھا؟

⇐ وہ جواب دیں گے: ہم نے کوئی حساب نہیں دیکھا۔

⇐ فرشتے پھر پوچھیں گے: کیا تم پُل صراط سے (نہیں) گزرے؟

⇐ وہ جواب دیں گے: ہم نے پُل صراط کو نہیں دیکھا۔

⇐ پھر فرشتے پوچھیں گے: کیا تم نے جہنم کو (نہیں) دیکھا؟

⇐ وہ کہیں گے: ہم نے کسی چیز کو نہیں دیکھا۔

⇐ تب فرشتے ان سے کہیں گے: تم کس کی اُمّت میں سے ہو؟

⇐ وہ جواب دیں گے: ہم اِمامُ الانبیا حضرت محمد مصطفٰے صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی اُمّت ہیں۔

⇐ فرشتے کہیں گے: ہم تمہیں **اللہ** کی قسم دیتے ہیں! ہمیں بتاؤ دنیا میں تمہارے کیا اعمال تھے؟

⇐ وہ جواب دیں گے: ہم میں دو خصلتیں تھیں جن کی وجہ سے ہم **اللہ** پاک کے فضل و کرم سے اس مرتبے کو پہنچے۔

⇐ فرشتے پوچھیں گے: وہ دو خصلتیں کیا ہیں؟

⇐ وہ جواب دیں گے: ﴿1﴾ جب ہم تنہائی میں ہوتے تو بھی **اللہ** پاک کی نافرمانی کرنے سے حَیا کرتے اور ﴿2﴾ ہم اس قلیل رزق پر راضی رہتے جو **اللہ** پاک نے ہماری قسمت میں لکھ دیا تھا۔

⇐ اس پر فرشتے کہیں گے: اسی لئے تم اس کے حق دار ہوئے[1]۔[2]

بصرہ کے مُردوں کے غم کی وجہ

ایک عالمِ ربانی رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں: میں بصرہ میں مُردوں کے ایک ایسے گروہ کو جانتا ہوں جو اپنے

---

[1] ....المجروحین لابن حبان، باب الحاء، ۱/ ۳۲۲، رقم: ۲۶۹: حمید بن علي بن هارون القيسي، بتغير

[2] ....یہاں سے کچھ عبارت کا ترجمہ متروک ہے جسے اہلِ علم احباب کے لئے کتاب کے آخر میں دے دیا گیا ہے۔

جنّتی گھروں کو دیکھتے رہتے ہیں اور انہیں صبح شام جنّت سے ان کا رِزق دیا جاتا ہے، مگر ان پر عالَمِ برزخ میں غم و کرب کی ایک ایسی کیفیت طاری ہے کہ اگر وہ غم اور کرب تمام بصرہ والوں پر تقسیم کر دیا جائے تو سب مر جائیں۔ عرض کی گئی: ان کے اعمال کیا تھے؟ اِرشَاد فرمایا: وہ سب مسلمان تھے، مگر انہیں تَوَکُّل اور رضا میں سے کچھ حاصِل نہ تھا۔

فقر کا ثواب کب ملتا ہے؟

فرض رضا کے مُتَعَلِّق تاجدارِ رِسالت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا فرمانِ عالیشان ہے: دل کی گہرائیوں سے **اللہ** پاک سے راضی رہو گے تو اپنے فقر کا ثواب پاؤ گے ورنہ نہیں۔[1]

رضا کا توحید سے تعلّق

حضرت سَیِّدُنا لقمان رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ نے رضا کو توحید کے ساتھ ذکر کیا۔ چنانچہ آپ نے اپنے بیٹے کو وَصِیَّت کرتے ہوئے اِرشَاد فرمایا: میں تجھے چند ایسی باتوں کی وَصِیَّت کرتا ہوں جو تجھے **اللہ** پاک کے قریب اور اس کی ناراضی سے دُور کر دیں گی۔ پہلی یہ ہے کہ **اللہ** پاک کی عِبَادَت کرنا اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرانا۔ دوسری یہ کہ **اللہ** پاک کی تقدیر پر ہر حال میں راضی رہنا خواہ تجھے وہ پسند ہو یا نہ ہو۔

ایک وَصِیَّت میں اِرشَاد فرمایا: جس شخص نے **اللہ** پاک پر تَوَکُّل کیا اور وہ اس کی تقدیر پر راضی بھی رہا تو اس نے اِیمان کو قائم کر دیا اور اب اس کے ہاتھ اور پاؤں خیر و بھلائی کمانے کے لیے فارِغ ہیں، نیز اس نے ان اَخلاقِ صالحہ کو اپنا لیا ہے جو بندے کے مُعاملے کو دُرُسْت کرتے ہیں۔

رضا کی چند صورتیں

درج ذیل صورتیں بھی رضا کی ہیں:

- دل کا تمام اُمور میں تقدیر میں لکھے ہوئے پر خوش ہونا۔
- ہر حال میں نفس کا راحت و سکون پانا۔

---

[1] ......مسند الفردوس، ۲/۴۷۵، حدیث: ۸۲۴۲

- قلب کا اُمورِ دنیا میں سے ہر آفت و پریشانی والی بات پر مطمئن رہنا۔
- بندے کا ہر شے پر قناعت کا مُظاہرہ کرنا۔
- بندے کا اپنے رب کی تقسیم پر خوش ہونا۔
- بندے کا اپنے اوپر لازِم کردہ اَحکامِ باری تعالیٰ پر فرحت محسوس کرنا۔
- بندے کا ہر شے میں اپنے پروردگار کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دینا۔
- اس کی عطا کردہ ادنیٰ شے پر بھی راضی رہنا۔
- اس کے تمام اَحکام و قضا کو اس اِعتقاد کے ساتھ تسلیم کرنا کہ ان میں اس کی حُسنِ تدبیر و کمالِ تقدیر کار فرما ہے۔
- بندے کا حکمِ باری تعالیٰ پر راضی رہتے ہوئے اپنے قبضے میں موجود ہر شے کو اپنے پروردگار کی بارگاہ میں پیش کر دینا۔
- آقا و مولیٰ یعنی **اللہ** پاک کی شِکایت اس کی مخلوق کے سامنے نہ کرنا۔
- **اللہ** پاک کے کسی فعل پر بیزاری کا اِظہار نہ کرنا۔
- ہر شے میں **اللہ** پاک کی صَنعَت کا حُسن جلوہ گر دیکھنا۔

اہلِ رضا کے نزدیک کسی بندے کا درج ذیل باتیں نہ کرنا بھی رضا کی صورتیں ہیں:

- آج شدید گرمی ہے۔ - آج شدید سردی ہے۔
- فقر ایک امتحان و آزمائش ہے۔ - اہل و عیال فکر اور بوجھ ہیں۔
- کمائی کرنا مَشَقَّت ہے۔

بندے کو چاہئے کہ مذکورہ باتوں سے دل میں کوئی ایسی بات پختہ نہ ہونے دے کہ جسے زبان سے نہ کہا جاسکتا ہو، بلکہ اس کے دل میں رضا، زبان پر شکر اور عقل میں تسلیم و سکون ہونا چاہئے کہ محکم تقدیر کو اچھا جاننے اور تدبیر کی حلاوت پانے سے اس کا شُمار فرمانبرداروں میں ہو گا۔ جیسا کہ حضرت سیِّدُنا عمر بن عبد العزیز رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں: مجھے مَواقِعِ تقدیر کے علاوہ میں کوئی خوشی باقی نہیں رہی۔

فقر اور دولت مندی دو سواریاں ہیں

حضرت سَیِّدُنا عبدالله بن مسعود رَضِیَ اللہُ عَنْہ فرماتے ہیں: فقر اور دولت مندی دو سواریاں ہیں، مجھے اس بات کی کوئی پروا نہیں کہ ان دونوں میں سے کس پر سوار ہوں، اگر فقر ہے تو اس میں صبر ہے اور اگر دولت مندی ہے تو اس میں خرچ ہے۔

طوالتِ شب کی تمنا

حضرت سَیِّدُنا احمد بن ابو الحواری رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت سَیِّدُنا ابو سلیمان دارانی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ سے عرض کی: فلاں شخص کہتا ہے کہ میں چاہتا ہوں رات پہلے سے طویل ہو جائے۔ تو آپ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ نے اِرشاد فرمایا: (ایک اعتبار سے) اس کی خواہش اچھی ہے اور (ایک اعتبار سے) اس کی خواہش بُری ہے۔ اچھی اس طرح ہے کہ اس نے عِبَادَت کے لیے طوالتِ شب کی تمنا کی اور بری اس طرح ہے کہ اس نے وہ شے پسند نہیں کی جو الله پاک کو پسند ہے۔

مجھے کوئی پروا نہیں

امیر المومنین حضرت سَیِّدُنا عُمَر فارُوقِ اعظم رَضِیَ اللہُ عَنْہ اِرشاد فرماتے ہیں: مجھے کوئی پروا نہیں کہ میں شدّت و سختی یا وُسعت و کشادگی میں سے کس حال پر صبح یا شام کرتا ہوں۔

سب سے برا سلوک

ایک مرتبہ امیر المؤمنین حضرت سَیِّدُنا عُمَر فارُوقِ اعظم رَضِیَ اللہُ عَنْہ نے غصے کی حالت میں اپنی زوجہ حضرت سَیِّدَتُنا عاتکہ رَضِیَ اللہُ عَنْہَا سے فرمایا: الله پاک کی قسم! میں تجھ سے بری طرح پیش آؤں گا۔ وہ بولیں: کیا آپ مجھے اسلام سے پھیرنے کی طاقت رکھتے ہیں بعد اس کے کہ الله پاک نے مجھے ہِدَایَت کی دولت عطا فرمائی ہے؟ فرمایا: نہیں۔ بولیں: تو پھر آپ مجھ سے کیا بُرا سلوک کریں گے!۔

بندہ کب اپنے رب سے راضی کہلاتا ہے؟

حضرت سَیِّدُنا جعفر بن سلیمان ضبعی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں کہ ایک بار حضرت سَیِّدُنا سفیان ثوری رَحْمَۃُ

اللہ عَلَیْہ نے حضرت سَیِّدَتُنا رابعہ بصری رَحْمَۃُ اللہ عَلَیْہَا کی موجودگی میں یہ دعا کی: اے **اللہ** پاک! ہم سے راضی ہو جا۔ تو انہوں نے اِرشاد فرمایا: کیا آپ کو **اللہ** پاک سے حیا نہیں آتی کہ اس سے رضا کا سوال کر رہے ہیں جبکہ خود اس سے راضی نہیں۔ چنانچہ حضرت سَیِّدُنا سفیان ثوری رَحْمَۃُ اللہ عَلَیْہ نے فوراً اِستغفار پڑھا تو میں نے حضرت سَیِّدَتُنا رابعہ رَحْمَۃُ اللہ عَلَیْہَا سے عرض کی: بندہ کب **اللہ** پاک سے راضی کہلاتا ہے؟ اِرشاد فرمایا: جب مصیبت پر اسی طرح خوش ہو جیسا کہ نعمت ملنے پر خوش ہوتا ہے۔

حضرت سَیِّدُنا فضیل بن عِیاض رَحْمَۃُ اللہ عَلَیْہ فرماتے ہیں: جب بندے کے نزدیک منع اور عطا (یعنی کسی شے کا ملنا اور نہ ملنا دونوں) کی حیثیت یکساں ہو تو وہ **اللہ** پاک سے راضی ہے۔

دنیا کی فکر کا نقصان

حضرت سَیِّدُنا داود عَلَیْہِ السَّلَام کے واقعات میں سے ہے کہ **اللہ** پاک نے آپ عَلَیْہِ السَّلَام کی طرف وحی فرمائی: اے داود! میرے اولیا کی یہ شان نہیں کہ وہ دنیا کی فکر میں مبتلا ہوں۔ اس لیے کہ دنیا کی فکر میری مُناجات کی حلاوت کو ان کے دلوں سے نکال دیتی ہے۔ ایک رِوایَت میں ہے: اے داود! دنیا کا اِہتمام کرنے سے بچو کہ میں اپنے اولیا سے یہ پسند کرتا ہوں کہ وہ روحانی ہوں اور (دنیا کا) غم نہ کریں۔ بلکہ غم سے دُور رہو اور کسی قسم کا اِہتمام نہ کرو جبکہ تم مجھے چاہتے ہو۔

منقول ہے کہ جس شخص کو دنیا میں سب سے زیادہ غم ہو گا وہ آخِرت میں بھی سب سے زیادہ غم والا ہو گا اور جس کا غم دنیا میں سب سے کم ہو گا وہ آخِرت میں بھی سب سے کم غم والا ہو گا۔

دنیا کی فکر کیسے خَتْم ہو؟

مروی ہے کہ رسولِ کریم صَلَّی اللہ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا فرمانِ عالیشان ہے: تقدیر پر ایمان (دنیا کی) فکر و غم کو خَتْم کر دیتا ہے۔[1]

(صاحب کتاب حضرت سَیِّدُنا شیخ ابو طالب مکی رَحْمَۃُ اللہ عَلَیْہ فرماتے ہیں) جان لیجئے! دنیا پر خوش ہونا دل سے فکرِ آخِرت نکال دیتا ہے اور دنیا پر غم کرنا اُخْرَوِی نعمتوں کے کھو جانے پر غم زدہ ہونے سے حجاب بن جاتا ہے۔

---

[1] ......مسند الشھاب، ۱/ ۱۸۷، حدیث: ۲۷۷

اولیائے کرام کا رزق

ایک بار حضرت سَیِّدَتُنا رابعہ بصری رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهَا کے سامنے ایک عابد کا ذکر کیا گیا جس کا **اللہ** پاک کے ہاں بڑا مرتبہ تھا، اس عابد کا کھانا کسی بادشاہ کے گھر سے پھینکے گئے کوڑے سے تلاش کر کے آتا تھا۔ وہاں موجود ایک شخص یہ سن کر بولا: جب اس عابد کا **اللہ** پاک کے ہاں یہ مرتبہ ہے تو اس کا **اللہ** پاک سے یہ سوال کرنا نقصان دہ نہیں کہ وہ اس کا کھانا کہیں اور سے عطا فرما دے۔ تو حضرت سَیِّدَتُنا رابعہ بصری رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهَا نے اِرشَاد فرمایا: اے بیہودہ بات کرنے والے انسان چپ ہو جا! کیا تو نہیں جانتا کہ **اللہ** پاک کے اَولیائے کرام **اللہ** پاک سے اس بات پر راضی رہتے ہیں کہ وہ ان کا رزق انہیں اپنی مرضی سے دے۔

غلام کی رضا

حضرت سَیِّدُنا ابو الحسن احمد بن ابو الحواری رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْه بیان کرتے ہیں کہ حضرت سَیِّدُنا ابو سلیمان دارانی رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْه نے مجھ سے اِرشَاد فرمایا: بے شک **اللہ** پاک اپنے کرم سے اپنے بندوں سے اس بات پر راضی ہوتا ہے جس پر غلام اپنے آقاؤں سے راضی ہوتے ہیں۔ میں نے عرض کی: یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ اِرشَاد فرمایا: کیا غلام یہ نہیں چاہتا کہ اس کا آقا اس سے راضی ہو؟ میں نے عرض کی: جی ہاں۔ اِرشَاد فرمایا: **اللہ** پاک بھی اپنے بندوں سے یہ پسند کرتا ہے کہ وہ اس سے راضی ہوں۔

ہمارا رب بھی کیا خوب رب ہے!

حضرت سَیِّدُنا اَعمش رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْه فرماتے ہیں کہ مجھ سے حضرت سَیِّدُنا ابو وائل رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْه نے فرمایا: اے سلیمان! ہمارا پروردگار کیا خوب پروردگار ہے کہ اگر ہم اس کی اطاعت کریں تو وہ ہماری مرضی کے خِلاف نہیں کرتا۔

اسی مفہوم میں **اللہ** پاک کا فرمانِ عالیشان ہے:

وَ یَسْتَجِیْبُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (پ ۲۵، الشوریٰ: ۲۶)

ترجمۂ کنزالایمان: اور دعا قبول فرماتا ہے اُن کی جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے۔

ربّ کے بندوں کی بات ماننے سے مُراد

مُراد یہ ہے کہ **اللہ** پاک مؤمنین کو عطا فرماتا ہے اور ان کی دعائیں قبول فرماتا ہے، اِستجابت سے مُراد کسی کی بات مان لینا بھی ہے۔ جیسا کہ ایک مقام پر اِرشاد ہوتا ہے:

فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ (پ۲، البقرة: ۱۸۶) ترجمۂ کنزالایمان: تو انہیں چاہیے میرا حکم مانیں۔

مطلب یہ ہے کہ جب انہوں نے دعا مانگی تو اب انہیں **اللہ** پاک کا حکم بھی مان لینا چاہئے، یعنی انہوں نے **اللہ** پاک کی پسندیدہ بات مانی تو **اللہ** پاک نے بھی ان کی پسندیدہ حاجت پوری فرما دی۔ یہ اس آیتِ مُبارَکہ کی ایک توجیہ ہے جیسا کہ اِرشاد ہوتا ہے:

وَ اَوْفُوْا بِعَهْدِيْۤ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ (پ۱، البقرة: ۴۰) ترجمۂ کنزالایمان: اور میرا عہد پورا کرو میں تمہارا عہد پورا کروں گا۔

یہ اس آیتِ مُبارَکہ کی ایک تاویل بھی ہے:

هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ (پ۷، المآئدة: ۱۱۲) ترجمۂ کنزالایمان: کیا آپ کا رب ایسا کرے گا۔

بشرطیکہ اگر اس آیتِ مُبارَکہ کو اس طرح پڑھا جائے: ﴿هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ اَنْ يُّطِيْعَكَ﴾ مطلب یہ ہو گا کہ کیا آپ کا رب ایسا کرے گا کہ آپ کی بات مان لے۔ حضرت سَیِّدُنا ابن عباس رَضِیَ اللہُ عَنْہُمَا فرماتے ہیں: حواری عارِف ربانی تھے اور انہیں **اللہ** پاک کے اس بات پر قادر ہونے میں کوئی شک نہ تھا بلکہ **يَسْتَطِيْعُ** سے مُراد یہ ہے کہ کیا وہ آپ کی بات مان لے گا۔ اُمُّ المومنین حضرت سَیِّدَتُنا عائشہ صدیقہ رَضِیَ اللہُ عَنْہَا سے ایسی ہی ایک رِوایت بھی مروی ہے۔

جو ربّ کا مطیع ہر شے اس کی مطیع

حضرت سَیِّدُنا فضیل رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ اِرشاد فرماتے ہیں: جو **اللہ** پاک کی اطاعت کرتا ہے ہر شے اس کی اطاعت کرتی ہے اور جو **اللہ** سے ڈرتا ہے ہر شے اس سے ڈرتی ہے۔

ربّ کی رضا کس میں ہے؟

حضرت سَیِّدُنا موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام کے واقعات میں سے ہے کہ ایک بار آپ عَلَیْہِ السَّلَام نے بارگاہِ ربُّ

العزت میں عرض کی: اے اللہ پاک! مجھے کوئی ایسا کام بتا جس میں تیری رضا ہو، تاکہ میں اس پر عمل کر سکوں۔ تو اللہ پاک نے ان کی طرف وحی فرمائی: میری رضا اس میں ہے جو تمہیں پسند نہیں اور جو تمہیں پسند نہیں اس پر تم صبر نہیں کرو گے۔ عرض کی: الٰہی! میری اس پر راہنمائی فرما۔ اللہ پاک نے اِرشَاد فرمایا: میری رضا اس میں ہے کہ تم میری مَشِیَّت پر راضی رہو۔

ایک رِوایَت میں یوں مروی ہے کہ بنی اسرائیل نے حضرت سَیِّدُنا موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام سے عرض کی: کاش! ان ہم یہ جان سکتے کہ ہمارے رب کی رضا کس میں ہے تاکہ ہم اس پر عمل کرتے۔ تو اللہ پاک نے حضرت سَیِّدُنا موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام پر وحی نازِل فرمائی کہ ان سے فرما دیجئے: میری رضا اس میں ہے کہ یہ میری مَشِیَّت پر راضی رہیں۔

خدا کس پر ناراض ہوتا ہے؟

حضرت سَیِّدُنا موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام نے مناجات کرتے ہوئے عرض کی: اے میرے ربّ! تجھے اپنی مخلوق میں سے کون زیادہ محبوب ہے؟ تو اللہ پاک نے اِرشَاد فرمایا: وہ جس سے میں اس کی محبوب چیز لے لوں پھر بھی وہ مجھ سے راضی رہے۔ عرض کی: تو اپنی مخلوق میں کس پر ناراض ہوتا ہے؟ اِرشَاد فرمایا: جو کسی مُعَاملے میں مجھ سے اِستخارہ کرتے ہیں اور جب میں ان کے لیے کوئی فیصلہ کرتا ہوں تو وہ اس پر راضی نہیں ہوتے۔

اس رِوایَت سے بھی سخت رِوایَت یہ ہے کہ اللہ پاک اِرشَاد فرماتا ہے: میں ہی اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں۔ جو میری آزمائش پر صبر کرے نہ میری تقدیر پر راضی ہو اور نہ میری نعمتوں پر شکر بجالائے تو اسے چاہئے کہ وہ میرے عِلاوہ کوئی اور رب بنالے۔[1]

اللہ پاک کے پیارے حبیب صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے ایک حدیثِ قدسی میں اسی طرح مروی ہے اور یہ رِوایَت سختی میں مذکورہ رِوایَت کی مثل ہے۔ چنانچہ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم بیان کرتے ہیں کہ اللہ پاک اِرشَاد فرماتا ہے: میں نے تمام مقادیر کو مُقَرَّرہ اندازے پر رکھا، اُمُور کی تدبیر فرمائی اور کام ٹھیک و مستحکم کیا، پس جو راضی ہوا تو اس کے لئے میری طرف سے بھی رضا ہے یہاں تک کہ مجھ سے ملاقات کرے اور جو

[1] ......معجم کبیر، ۲۲/ ۳۲۰، حدیث: ۸۰۷

ناراض ہوا تو اس کے لئے میری ناراضی ہے یہاں تک کہ مجھ سے ملے۔[1]

ایک رِوایت میں ہے کہ اللہ پاک کے محبوب صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اِرشَاد فرمایا: حضرت سَیِّدُنا موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام کے لیے سب سے پہلے یہ بات لکھی گئی کہ میں ہی اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں، جو میرے حکم پر راضی ہو گا اور میری مَشِیَّت کو تسلیم کرے گا اور میری آزمائش پر صبر کرے گا میں اسے صدیق لکھوں گا اور اس کا حشر بروزِ قِیامت صدیقین کے ساتھ ہو گا۔[2]

اَحکامِ خداوندی پر کیوں اور کیسے کہنا

ایک مشہور حدیثِ قُدسی میں ہے کہ اللہ پاک اِرشَاد فرماتا ہے: میں نے خیر اور شر کو پیدا کیا اور ان دونوں کو اپنے بندوں کے ہاتھ پر جاری کیا، لہٰذا اس شخص کے لئے خوش خبری ہے جس کو میں نے خیر کے لئے پیدا کیا اور اس کے ہاتھوں پر خیر کو جاری کیا اور اس شخص کے لئے خرابی ہے جس کو میں نے شر کے لئے پیدا کیا اور اس کے ہاتھوں پر شر کو جاری کیا اور اس شخص کے لئے ہلاکت ہی ہلاکت ہے جو (میرے اَحکام کی بجاآوری کے بجائے یہ) کہے: کیوں؟ اور کیسے؟[3]

حضرت سَیِّدُنا آدم عَلَیْہِ السَّلَام کا خوف

مروی ہے کہ حضرت سَیِّدُنا آدم عَلَیْہِ السَّلَام کے چند چھوٹے بچے آپ کے جسم پر چڑھتے اور اتر جاتے، ان میں سے کوئی اپنا پاؤں سیڑھی کی طرح آپ کی پسلیوں پر رکھتا اور سر تک چڑھ جاتا پھر اسی طرح پسلیوں پر سے نیچے اتر آتا، مگر آپ عَلَیْہِ السَّلَام زمین کی طرف سر جھکائے رہتے اور کچھ بولتے نہ اپنا سر اٹھاتے۔ (یہ دیکھ کر) ایک بیٹے نے آپ سے عرض کی: ابا جان! دیکھتے نہیں، یہ آپ کے ساتھ کیا کر رہے ہیں؟ آپ انہیں منع کیوں نہیں کرتے؟ تو آپ عَلَیْہِ السَّلَام نے اِرشَاد فرمایا: بیٹا! جو میں دیکھتا ہوں وہ تم نہیں دیکھتے اور جو میں

---

[1] ......تفسیر روح البیان، پ ۱۵، سورۃ الکھف، تحت الآیۃ: ۲۶، ۵/ ۲۳۷

ترمذی، کتاب الزھد، باب ماجاء فی الصبر علی البلاء، ۴/ ۱۷۸، حدیث: ۲۴۰۴

[2] ......تنبیہ الغافلین، باب الصبر علی المصیبۃ، ص ۱۴۳، حدیث: ۳۴۷، بتغیر قلیل

جامع الاحادیث، حرف الھمزۃ، ۳/ ۸۲، حدیث: ۷۴۱۵

[3] ......معجم کبیر، ۱۲/ ۱۳۴، حدیث: ۱۲۷۹۷، مختصراً

جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے۔ مجھ سے ایک ایسا فعل صادِر ہوا جس کے سبب میں عزت اور چین والے گھر (یعنی جنّت) سے ذِلّت اور بد بختی والے گھر (یعنی دنیا) میں آ گیا۔ لہٰذا مجھے ڈر ہے کہ کہیں دوبارہ کوئی فعل صادِر ہو جائے تو نہ جانے مجھے کیا مصیبت پہنچے۔

جنّت میں واپسی کی ضمانت

ایک رِوایَت میں ہے کہ حضرت سیِّدُنا آدم عَلَیْہِ السَّلَام نے اِرشَاد فرمایا: **اللہ** پاک نے مجھے یہ ضمانت دی ہے کہ اگر میں نے اپنی زبان کی حِفَاظَت کی تو وہ مجھے اس گھر میں واپس بھیج دے گا جہاں سے اس نے مجھے نکالا ہے۔

کس قدر رضا بندوں کو حاصِل ہے؟

حضرت سیِّدُنا ابو محمد سہل تُستَری رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں: بندوں کو یقین میں سے اتنا ہی حِصّہ ملتا ہے جتنا انہیں رضا میں سے ملتا ہے اور رضا میں سے انہیں اتنا ہی حِصّہ ملتا ہے جتنا وہ بارگاہِ الٰہی میں زِندگی گزارتے ہیں۔

حضرت سیِّدُنا عطیہ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ حضرت سیِّدُنا ابو سعید خُدری رَضِیَ اللہُ عَنْہ سے رِوایَت کرتے ہیں کہ سرورِ دو جہاں صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا فرمانِ ذیشان ہے: **اللہ** پاک نے اپنی حِکْمَت و جلالِ شان سے فرحت و چین کو رضا و یقین میں جبکہ غم و حزن کو شک اور ناراضی میں رکھا ہے۔[1]

رضا کی ایک اور صورت

(صاحب کتاب حضرت سیِّدُنا شیخ ابو طالب مکّی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں) یہ بات بھی رضا میں سے ہے کہ تو کسی مُباح شے کی مَذمّت بیان کرے نہ اس میں کوئی عیب نکالے، اس لیے کہ یہ بھی تیرے رب کی قضا سے ہے، تاکہ تو ہر قسم کی صَنْعَت میں صانِعِ حقیقی کا مُشاہدہ کرے اور اس کی صَنْعَت و حِکْمَت کی پختگی پر تیری نظر ہو، خواہ یہ بات عقل و عادت سے باہر نہ ہو۔ بعض عارفین ان اشیاء کو **اللہ** پاک سے حیا کے باب میں شامل کرتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ یہ اشیاء **اللہ** پاک کے ساتھ حُسْنِ اَخلاق سے تعلّق رکھتی ہیں۔ بعض نے انہیں بارگاہِ خداوندی کے آداب میں سے قرار دیا ہے۔

---

[1] ......الجلیس الصالح الکافی، المجلس السابع: الروح والفرج فی الرضا والیقین، ۱/ ۲۶۲

نعمتوں میں عیب جوئی و عیب گوئی

الغرض جب بات ایسی ہو تو مُباح اشیاء کی مَذَمَّت اور عیب بیان کرنا بد خلقی اور بارگاہِ خداوندی کی بے اَدَبی، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر **اللہ** پاک سے حَیا کی کمی پر دلالت کرتی ہے اور ممکن ہے کہ یہ مفہوم اس حدیثِ پاک سے ماخوذ ہو کہ سرورِ کائنات صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اِرشاد فرمایا: حیا کا کم ہونا کفر (یعنی کفرانِ نعمت) ہے۔[1] وہ اس طرح کہ **اللہ** پاک نے بندے پر لطف و کرم فرماتے ہوئے اسے اپنی نعمتوں سے نوازا مگر یہ ان نعمتوں کی مَذَمَّت بیان کرنے اور ان میں عیب نکالنے لگے۔ اس وجہ سے کہ یہ ان اشیاء کے حُصُول سے عاجز ہے یا یہ اشیاء اس کی نفسانی خواہش کے برعکس ہیں۔ چنانچہ یہ بات کفرانِ نعمت اور **اللہ** پاک سے بندے کی حیا میں کمی شُمار ہو گی، کیونکہ **اللہ** پاک نے بندے کو ان نعمتوں پر شکر بجالانے کا حکم دیا ہے جبکہ اس نے شُکر کو کفرانِ نعمت یعنی ناشکری سے بدل دیا۔ جیسا کہ اگر کوئی شخص آپ کی خاطر کھانا تیار کرے مگر آپ اس میں عیب نکالنے لگیں اور اسے برا بھلا کہیں تو وہ اسے اچھا نہیں سمجھے گا، اسی طرح جب آپ **اللہ** پاک کی کسی نعمت میں عیب نکالیں گے تو وہ بھی اسے پسند نہ کرے گا۔ یہ بات صفاتِ باری تعالیٰ کے مَعانی و مَفاہیم کی مَعْرِفَت میں شامل ہے اور اسی مفہوم میں منقول ہے کہ **تم میں سب سے زیادہ اپنے رب کی مَعْرِفَت رکھنے والا وہ ہے جسے اپنے نفس کی مَعْرِفَت حاصل ہے۔** اس لیے کہ جب آپ مخلوق کے مُعَامَلہ میں اپنے نفس کی صِفات پہچان لیں گے تو یقیناً اپنے خالق کی صفات بھی پہچان جائیں گے۔

اشیاء کی مذمت گویا بنانے والے کی غیبت ہے

بعض اہلِ رضا نے اشیاء کی مَذَمَّت بیان کرنے اور ان کی عیب جوئی کو ان اشیاء کے بنانے والے کی غیبت کے قائم مقام قرار دیا ہے، کیونکہ یہ اشیاء اس کی بنائی ہوئی، اس کی حِکْمَت کا نتیجہ، اس کے علم کا نفاذ، اس کی تدبیر کا حکم اور مقادیر کی تدبیر ہیں، اس لیے کہ وہی احکم الحاکمین، خیر الرازقین اور احسن الخالقین ہے۔ ہر شے میں اس کی کامل حِکْمَت اور ہر کام میں اس کی پختہ صَنْعَت کارفرما ہے۔ چنانچہ جب آپ کسی کی صَنْعَت پر عیب لگائیں گے اور اس کی مَذَمَّت بیان کریں گے تو یہ بات صانع تک جائے گی، کیونکہ اس نے اسے ایسا بنایا اور اپنی

---

[1] ......مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الادب، ما ذکر فی الحیاء وما جاء فیہ، ۶/ ۹۲، حدیث: ۱۱

حِکْمَت سے اس طرح ظاہِر فرمایا ہے، اس لیے کہ یہ صَنْعَت اسی طرح بنائی گئی خود بخود نہیں بنی۔ چنانچہ،

اہلِ ورع و تقویٰ کسی بندے کی صَنْعَت پر عیب نہیں لگاتے مبادا اس کی غیبت نہ ہو جائے، جس کی وجہ یہ ہے کہ **اللہ** پاک سے راضی رہنے والا شخص بارگاہِ خداوندی کے آداب کو ملحوظِ خاطر رکھتا ہے، اس کے گھر اس کی مُخالَفَت سے یا اس کے حکم میں کسی قسم کے اِعْتِراض سے حیا محسوس کرتا ہے۔ کیونکہ مالِک کو یہ اِخْتِیار حاصِل ہے کہ وہ جو چاہے اور جیسا چاہے حکم دے جبکہ بندے پر لازِم ہے کہ وہ اپنے مالِک کے کام پر راضی رہے اور اس کے ہر حکم کے سامنے سر تسلیم خم کر دے۔

عیب جوئی سے بچنے کا طریقہ

اسرائیلی روایات میں مروی ہے کہ ایک بار حضرت سیِّدُنا عیسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام کا اپنے حواریوں کی ایک جماعت کے ساتھ ایک مرے ہوئے کتے کے پاس سے گزر ہوا تو حواریوں نے اپنی ناک کو ڈھانپ لیا اور کہنے لگے: اف! یہ کس قدر بدبو دار ہے؟ حضرت سیِّدُنا عیسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام نے اپنی ناک کو نہ ڈھانپا تھا، بلکہ آپ عَلَیْہِ السَّلَام نے اِرشَاد فرمایا: اس کے دانت کتنے سفید ہیں۔[1]

(صاحبِ کتاب حضرت سیِّدُنا شیخ ابو طالب مکی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں) گویا آپ عَلَیْہِ السَّلَام کا مقصود یہ تھا کہ ان کو کتے کی غیبت سے منع فرمائیں اور یہ بات سمجھائیں کہ اشیاء میں عیب نکالنا کیسے چھوڑیں۔ جبکہ آپ عَلَیْہِ السَّلَام نے خود اس بات کا مُشاہدہ کیا کہ اس مردہ کتے کی یہ کیفیت بنانے والا **اللہ** پاک ہے اور وہی اشیاء کو اپنی حِکْمَت کے تحت الٹتا پلٹتا ہے۔

کھانے میں عیب نکالنا سُنَّت نہیں

مروی ہے **اللہ** پاک کے محبوب صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے کبھی کسی کھانے میں عیب نہیں نکالا، اگر جی چاہتا تو تَناوُل فرما لیتے ورنہ چھوڑ دیتے۔[2]

---

[1] ......موسوعۃ ابن ابی الدنیا، کتاب الصمت و آداب اللسان، باب کفارۃ الاغتیاب، ۷/ ۱۹۰، حدیث: ۲۹۷

[2] ......مسلم، کتاب الاشربۃ، باب لا یعیب الطعام، ص ۱۱۴۱، حدیث: ۲۰۶۴

مسند احمد، مسند ابی ھریرۃ، ۳/ ۵۲۳، حدیث: ۱۰۲۱۶

جو تقدیر میں لکھا ہے ہو کر رہے گا

حضرت سیِّدُنا اَنس بن مالک رَضِیَ اللہُ عَنْہ فرماتے ہیں: میں نے 10 سال سرکارِ مدینہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی خِدْمَت کی،[1] کوئی بھی شخص میرے آقا جیسا نہیں، آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے کبھی میرے کسی کام پر یہ نہ فرمایا "کیوں کیا؟" بلکہ جو کام میں نے نہ کیا ہوتا اس پر بھی کبھی یہ نہ فرمایا "کیوں نہیں کیا؟"[2] اور نہ کسی ہو جانے والے کام کے مُتَعَلِّق اِرشاد فرمایا "کاش! یہ نہ ہوتا۔" اور جو نہ ہوا اس کے بارے میں بھی کبھی یہ نہ فرمایا: "کاش ہو جاتا" بلکہ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم اِرشاد فرماتے: اگر تقدیر میں کسی کام کا ہونا لکھا ہے تو ہو کر رہے گا۔[3]

تدبیرِ مخلوق کا حجاب بننا

(صاحبِ کتاب حضرت سیِّدُنا شیخ ابُو طالب مکّی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں) مُشاہدے میں مگن، رب کی رضا پر راضی رہنے والے اہلِ یقین کے یہی اوصاف ہیں۔ ان دقیق باتوں میں غور و فکر کرنے اور ان پر عمل کرنے کی وجہ سے ایک قوم کا مرتبہ اللہ پاک کے ہاں مقامِ مقربین تک بلند کر دیا گیا اور ان باتوں سے غفلت و سستی برتنے کی وجہ سے بعض لوگوں کے قلوب فاسد ہو گئے، یہاں تک کہ وہ محبّت و رضا کے بھی قابل نہ رہے۔

ان تمام مَعانی و مَفاہیم کا تعلّق ان اعتراضات و اختیارات کے ساتھ ہے جو بارگاہِ خداوندی میں پیش آتے ہیں اور یہی وہ تدبیر ہے جس کی جانب حضرت سیِّدُنا سہل تستری رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ نے اِشارہ کرتے ہوئے اِرشاد فرمایا کہ مخلوق کا تدبیر کرنا اسے اللہ پاک سے حجاب میں کر دیتا ہے۔ جیسا کہ ایک حِکایَت میں ہے کہ ایک شخص دورانِ سفر کسی عارِف کا ہم سفر بن گیا، اس نے کوئی فضول کام کیا، یعنی اس نے ایک شے کو ایک جگہ سے اُٹھا کر دوسری جگہ رکھا تو عارف نے اس سے فرمایا: یہ تو نے کیا کیا ہے؟ تو نے ایک ایسا کام کیا ہے جس کی ضَرورت تھی نہ وہ کام سنّت تھا۔ آج کے بعد کبھی بھی میری صحبت مت اِختیار کرنا۔

(صاحبِ کتاب حضرت سیِّدُنا شیخ ابُو طالب مکّی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں) اگر ہمارے گناہ نہ ہوتے سوائے ان اشیاء

---

[1] ابوداود، کتاب الادب، باب فی الحلم واخلاق النبی، ۴/۳۲۲، حدیث: ۴۷۷۴

[2] مسلم، کتاب الفضائل، باب کان رسول اللہ احسن الناس خلقا، ص ۱۲۶۴، حدیث: ۲۳۰۹

[3] طبقات لابن سعد، الرقم: ۷۲۸۳: انس بن مالک بن النضر، ۷/۱۲، مختصراً

کے (خواہ مخواہ ادھر سے ادھر اٹھا کر رکھنے کے) تو یہی کافی تھے۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ آدمی ان فضول کاموں کو معمولی سمجھے اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ ان فضولیات سے توبہ واستغفار نہ کرے۔

اَہلِ رضا کی فضیلت

اللہ پاک کی رضا کے طالبین کے اَعمال کا اَجر راہِ خدا میں جہاد کرنے والوں کے اَجر سے کئی گنا زیادہ ہوتا ہے، کیونکہ مجاہدین کے اَعمال کا اَجر و ثواب 700 گنا تک زیادہ ہو سکتا ہے جبکہ رضا چاہنے والوں کے اَجر و ثواب کو شمار نہیں کیا جاسکتا۔ جیسا کہ **اللہ** پاک کا فرمانِ عالیشان ہے:

وَاللّٰهُ یُضٰعِفُ لِمَنْ یَّشَآءُؕ (پ ۳، البقرۃ: ۲۶۱)

ترجمۂ کنزالایمان: اور **اللہ** اس سے بھی زیادہ بڑھائے جس کے لیے چاہے۔

ایک مقام پر ہے:

مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗۤ اَضْعَافًا كَثِیْرَةًؕ (پ ۲، البقرۃ: ۲۴۵)

ترجمۂ کنزالایمان: ہے کوئی جو **اللہ** کو قرضِ حسن دے تو **اللہ** اس کے لیے بہت گنا بڑھادے۔

منقول ہے کہ ایک نیکی کا اَجر و ثواب لاکھوں گنا تک ملتا ہے۔ چنانچہ راہِ خدا میں مال خرچ کرنے والوں کے مُتعلّق اِرشاد فرمایا:

مَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِیْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍؕ (پ ۳، البقرۃ: ۲۶۱)

ترجمۂ کنزالایمان: ان کی کہاوت جو اپنے مال **اللہ** کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اس دانہ کی طرح جس نے اوگائیں سات بالیں ہر بال میں سو دانے۔

اور اَہلِ رضا کے مُتعلّق اِرشاد فرمایا:

وَمَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِیْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍۭ بِرَبْوَةٍ (پ ۳، البقرۃ: ۲۶۵)

ترجمۂ کنزالایمان: اور ان کی کہاوت جو اپنے مال **اللہ** کی رضا چاہنے میں خرچ کرتے ہیں اور اپنے دل جمانے کو اس باغ کی سی ہے جو بھوڑ (ریتلی زمین) پر ہو۔

(صاحبِ کتاب حضرت سَیِّدُنا شیخ ابو طالب مکّی رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْه فرماتے ہیں:) اس باغ میں کس قدر سٹے اور دانے و بیج

ہوں گے! یہی وہ لوگ ہیں جن کے مُتعلّق اس نے اِرشاد فرمایا ہے:

وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنۡ يَّشَآءُ ؕ ترجمۂ کنزالایمان: اور اللہ اس سے بھی زیادہ بڑھائے جس کے لیے چاہے۔ (پ ۳، البقرۃ: ۲۶۱)

یہاں مُراد اہلِ رضا ہیں اور یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کو قرضِ حسن دیا ہے تاکہ وہ اس میں ان کے لیے کئی گنا اِضافہ فرمادے۔

معیت خداوندی کا حق دار کون؟

جو شخص اللہ پاک کی حِکمت سمجھ گیا اسے اللہ پاک کے اَحکام میں اس کی معیت[1] حاصِل ہو جائے گی اور وہ جس کا مُشاہدہ کرے گا اسے تسلیم بھی کرے گا۔ کیونکہ اللہ پاک نے اپنے اِختیار سے اشیاء کو پیدا فرما کر اپنی مَشِیَّت سے انہیں ظاہر فرمایا، تقدیر میں جو کچھ لکھا ہے اس میں تَصَرُّف کا حق بھی اسے ہی ہے اور تمام اُمُور کا انجام بھی اسی کے لیے ہے۔ اس کی معیت کسی کو اس کی نفسانی خواہش کے مُطابِق حاصِل ہوتی نہ عرف و عادت کے لحاظ سے جو بات سمجھ میں آ رہی ہو اس کے مُطابِق کسی کو یہ دولت ملتی ہے۔

مقامِ رضا کی خوشبو سونگھنے پر حالت

ایک عارِف (یعنی حضرت سیِّدُنا ابو سلیمان دارانی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ) فرماتے ہیں: میں نے سوائے رضا کے ہر مقام سے ایک کیفیت پائی مگر مقامِ رضا کی صِرف خوشبو ہی سونگھی، اتنے ہی پر حال یہ ہے کہ اگر اللہ پاک تمام مخلوق کو جنّت میں داخِل فرمادے اور مجھے دوزخ میں ڈال دے تو میں اس پر بھی راضی ہوں گا۔

مقامِ رضا پانے پر حالت

مقام و مرتبے میں مذکورہ عارِف سے بلند ایک عارف سے عرض کی گئی: کیا آپ نے رضائے الٰہی کا انتہائی درجہ پالیا ہے؟ انہوں نے اِرشاد فرمایا: انتہائی درجے پر تو نہیں پہنچا البتہ رضا کا اس قدر مقام ضرور پالیا

[1] ......حضرت علامہ قاضی محمد ثناء اللہ عثمانی مجدّدی پانی پتی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ تفسیر مظہری میں اللہ تعالٰی کی معیت کے مُتعلّق فرماتے ہیں کہ یہ وہ معیت ہے جو غیر متکیف ہے (یعنی جس کی کوئی کیفیت و حالت بیان نہیں کی جاسکتی) اور عارفین پر واضح ہوتی ہے، اللہ تعالٰی کے سوا اس کی حقیقت کا اِدراک کوئی دوسرا نہیں رکھتا۔ (تفسیر مظہری مترجم، ۱/۲۴۵)

ہے کہ اگر اللہ پاک مجھے جہنّم پر پل بنادے تاکہ لوگ مجھ پر سے گزر کر جنّت میں داخل ہوں، پھر اپنی قسم پوری کرنے کے لئے ساری مخلوق کے بدلے مجھ سے ہی جہنّم کو بھر دے تو میں اس کے حکم کو پسند کروں گا اور اس کی تقسیم پر راضی رہوں گا۔

وہ بے ہوش ہوگئے

حضرت سیِّدُنا ابو علی احمد بن محمد رُوذَباری رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت سیِّدُنا ابو عبد اللہ بن جلّا دمشقی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ سے عرض کی: فلاں شخص کا قول ہے کہ میں چاہتا ہوں میرا جسم قینچیوں سے کاٹا جائے اور یہ لوگ اس کی اطاعت کریں۔ اس کا کیا مطلب ہے؟ تو انہوں نے اِرشَاد فرمایا: اگر یہ بات لوگوں کو ڈرانے اور ان کی خیر خواہی سے تعلّق رکھتی ہے تو پھر میں اس کا مفہوم جانتا ہوں اور اگر یہ اللہ پاک کی تعظیم و تکریم سے مُتعلّق ہے تو مجھے اس کی کوئی خبر نہیں۔ حضرت سیِّدُنا احمد رُوذَباری رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں: اس کے بعد وہ بے ہوش ہوگئے۔

فرشتوں کی سلامی

حضرت سیِّدُنا عمران بن حُصَین رَضِیَ اللہُ عَنْہ کو دست کا مرض لگ گیا، جس کی وجہ سے آپ رَضِیَ اللہُ عَنْہ 30 سال تک چت لیٹے رہے، کھڑے ہو سکتے تھے نہ بیٹھ سکتے تھے۔ آپ کے لئے چارپائی میں سوراخ کر کے قضائے حاجت کے لئے جگہ بنادی گئی تھی۔ ایک دن حضرت سیِّدُنا مُطَرِّف بن عبد اللہ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ یا ان کے بھائی حضرت سیِّدُنا ابو العلا یزید بن عبد اللہ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ تشریف لائے اور ان کا حال دیکھ کر رونے لگے۔ تو آپ رَضِیَ اللہُ عَنْہ نے اِرشَاد فرمایا: کیوں روتے ہو؟ عرض کی: اس لئے کہ آپ کو اتنی سخت حالت میں دیکھ رہا ہوں۔ اِرشَاد فرمایا: مت رو کیونکہ جو حالت اللہ پاک کو زیادہ پسند ہے مجھے بھی وہی زیادہ پسند ہے۔ پھر اِرشَاد فرمایا: میں تمہیں ایک بات بتاتا ہوں اُمّید ہے اللہ پاک تمہیں اس سے نفع پہنچائے گا مگر میرے مرنے تک کسی کو نہ بتانا۔ (اور وہ بات یہ ہے کہ) فرشتے میری زیارت کو آتے ہیں اور میں ان سے اُنس پاتا ہوں، وہ مجھے سلام کرتے ہیں اور میں ان کا سلام سنتا ہوں۔

کیا ہر بیماری عذاب کی علامت ہے؟

(صاحبِ کتاب حضرت سیِّدُنا شیخ ابُو طالب مکّی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں) حضرت سیِّدُنا عمران بن حُصَین رَضِیَ اللہُ عَنْہ گویا کہ یہ بتانا چاہتے تھے کہ ان کی یہ بیماری عذاب نہیں، کیونکہ اس طرح کی علامت (یعنی فرشتوں کی سلامی) تو بلند دَرَجات و رحمت کی علامت ہے اور عقوبت و سزا کی مصیبت میں یہ علامات پائی جاتی ہیں نہ ایسی حلاوت حاصِل ہوتی ہے اور نہ عالَمِ غیب سے بادِ نسیم دلوں کے شوق میں اِضافہ کرتی ہے۔ چونکہ حضرت سیِّدُنا مُطرِّف بن **عبد اللہ** رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ یا ان کے بھائی حضرت سیِّدُنا ابو العلا یزید بن **عبد اللہ** رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ کو حضرت سیِّدُنا عمران بن حُصَین رَضِیَ اللہُ عَنْہ کی یہ حالت دیکھ کر دکھ ہوا تھا اس لیے آپ رَضِیَ اللہُ عَنْہ نے انہیں یہ خوش خبری دی اور بتایا کہ ان کی بیماری ویسی نہیں جس کا علاج ممکن ہو بلکہ ان کی بیماری کا علاج تو محبوب کا ذکر اور طبیب سے ملنے کا اشتیاق ہے۔ جیسا کہ کسی اہلِ مَحبَّت نے اس مفہوم کو اَشعار کی شکل میں کچھ یوں بیان کیا ہے:

يَا حَبِيْبًا بِذِكْرِهٖ نَتَدَاوىٰ ۔۔۔ وَصَفْوِهٖ لِكُلِّ دَاءٍ عَجِيْبٍ

مَنْ اَرَادَ الطَّبِيْبَ سُرَّ اِذَا ۔۔۔ اعْتَلَّ اِشْتِيَاقًا اِلٰى لِقَاءِ الطَّبِيْبِ

مَنْ اَرَادَ الْحَبِيْبَ سَارَ اِلَيْهِ ۔۔۔ وَجَفَا الْاَهْلَ دُوْنَهٗ وَالْقَرِيْبِ

لَيْسَ دَاءُ الْمُحِبِّ دَاءً يُدَاوىٰ ۔۔۔ اِنَّمَا بُرْؤُهٗ لِقَاءُ الْحَبِيْبِ

ترجمہ: اے وہ حبیب کہ جس کی یاد اور خلوص سے ہم ہر لاعلاج بیماری کا عِلاج کرتے ہیں۔ جو طبیب کو ملنا چاہتا ہے تو وہ اس وقت ہی خوش ہوتا ہے جب طبیب کی ملاقات کے شوق میں بیمار ہوتا ہے۔ جو حبیب سے ملنا چاہتا ہے تو وہ اس کی جانب چل پڑتا ہے اور اہل وعیال و دیگر رشتہ داروں کی جفاپسِ پشت ڈال دیتا ہے۔ محب کی بیماری ایسی بیماری نہیں کہ اس کا علاج کیا جاسکے بلکہ اس کی صحت تو حبیب کی ملاقات ہے۔

محبت باری تعالیٰ میں کھانا پینا ترک کر دیا

ایک بزرگ (حضرت سیِّدُنا مُطرِّف رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ) فرماتے ہیں: ہم حضرت سیِّدُنا سُوید بن شُعبہ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ کے ہاں ان کی عِیادَت کے لئے گئے تو ہم نے ایک کپڑا پڑا ہوا دیکھا، ہمارا گمان بھی نہیں تھا کہ اس کے نیچے کوئی چیز ہوگی یہاں تک کہ کپڑا ہٹانے پر آپ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ اس کے نیچے سے ظاہر ہوئے۔ (ہماری مَوجُودگی میں

ہی) آپ کی زوجہ نے یہ عرض کی: آپ کے اہل آپ پر فدا ہوں! آپ کو کیا کھلائیں پلائیں؟ تو آپ رَحْمَۃُ اللہ عَلَیْہ نے اِرشَاد فرمایا: طویل عرصے سے لیٹا ہوا ہوں کہ سرین بھی زخمی ہو گئے ہیں اور پرانے کپڑے کی طرح لاغر ہو گیا ہوں، اتنی مدت سے کچھ کھایا نہ پیا، پھر آپ رَحْمَۃُ اللہ عَلَیْہ نے وہ مدت بیان کی اور اس کے بعد اِرشَاد فرمایا: مگر مجھے یہ پسند نہیں کہ اس کیفیت میں ناخن برابر بھی کمی ہو۔

موت پر نادِم فلاح نہ پائے گا

حضرت سَیِّدُنا حُذَیفہ رَضِیَ اللہُ عَنْہ مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو آپ رَضِیَ اللہُ عَنْہ فرمانے لگے: تیری عزت کی قسم! تو جانتا ہے کہ میں تجھ سے مَحَبَّت کرتا ہوں۔ پھر جب موت کا وَقت قریب آیا تو اِرشَاد فرمایا: (حبیب سے ملاقات کرانے والی) موت بڑے انتظار کے بعد آئی ہے، اس پر شرم محسوس کرنے والا فلاح نہیں پائے گا۔ ایسا ہی قول حضرت سَیِّدُنا ابو ہریرہ رَضِیَ اللہُ عَنْہ سے بھی مروی ہے۔

رب کا فیصلہ میری بینائی سے زیادہ اچھا ہے

حضرت سَیِّدُنا سعد بن ابی وقاص رَضِیَ اللہُ عَنْہ جب مکہ مکرمہ تشریف لائے اس وقت آپ رَضِیَ اللہُ عَنْہ کی بینائی خَتْم ہو چکی تھی، لوگ دوڑتے ہوئے آپ کے پاس حاضِر ہونے لگے اور ہر ایک آپ سے دعا کی درخواست کرتا اور آپ سبھی کے لئے دعا کرتے۔ آپ رَضِیَ اللہُ عَنْہ مستجاب الدعوات تھے (یعنی جو دعا کرتے قبول ہوتی) اور آپ کا مستجاب الدعوات ہونا **اللہ** پاک کے محبوب صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی دعا کا نتیجہ تھا۔[1] حضرت سَیِّدُنا **عبد اللہ** بن سائب رَضِیَ اللہُ عَنْہ فرماتے ہیں: میں آپ کی خِدْمَت میں حاضِر ہوا، میں اس وَقْت نو عمر تھا۔ میں نے اپنا تعارف کرایا تو وہ مجھے پہچان گئے اور دریافت فرمایا: تم مکہ والوں کے قاری ہو؟ میں نے عرض کی: جی ہاں۔ پھر کچھ اور باتیں ہوئیں، آخر میں نے ان سے عرض کی: چچا جان! آپ لوگوں کے لئے دعا کرتے ہیں، اگر اپنے لئے دعا کریں گے تو کیا **اللہ** پاک آپ کی بینائی نہیں لوٹائے گا؟ اس پر آپ رَضِیَ اللہُ عَنْہ مسکرا دیئے اور اِرشَاد فرمایا: بیٹا! میرے نزدیک ربّ تعالیٰ کا فیصلہ میری بینائی سے زیادہ اچھا ہے۔

---

[1] ......ترمذی، کتاب المناقب، باب مناقب ابی اسحاق سعد بن ابی وقاص، ۵/ ۴۱۸، حدیث: ۳۷۷۲

گم شدہ بیٹے کی واپسی کے لیے دعا نہ کی

منقول ہے کہ اہلِ رضا میں سے کسی صوفی بزرگ کا چھوٹا بچہ گم ہو گیا اور تین دن تک اس کا کوئی پتہ نہ چلا۔ ان سے عرض کی گئی: **اللہ** پاک سے دعا کریں کہ وہ بچہ آپ کو لوٹا دے۔ اس پر ارشاد فرمانے لگے: میرا **اللہ** پاک کے فیصلے پر اِعتراض کرنا مجھ پر میرے بیٹے کے جاتے رہنے سے زیادہ سخت ہے۔

"کاش ایسا نہ ہوتا" کہنے کا اِزالہ

ایک عابد کے مُتَعَلِّق منقول ہے: وہ فرمایا کرتے تھے کہ مجھ سے ایک بہت بڑا گناہ ہو گیا جس پر میں 30 سال سے رو رہا ہوں۔ وہ عابد اس گناہ سے توبہ کے لئے بہت زیادہ عِبادَت کیا کرتے، جب ان سے پوچھا گیا کہ وہ گناہ کیا تھا؟ تو انہوں نے فرمایا: ایک مرتبہ وُقُوع پذیر ہونے والی کسی بات پر میں نے یہ کہہ دیا: کاش ایسا نہ ہوتا۔

"کاش ایسا نہ ہوتا" کہنے سے زیادہ پسندیدہ بات

ایک بزرگ کا قول ہے: اگر میرے جسم کو قینچیوں سے کاٹ دیا جائے تو یہ مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ میں **اللہ** پاک کے کسی فیصلے کے بارے میں کہوں: کاش ایسا نہ ہوتا۔

بسا اَوقات مصیبت بھی نعمت ہوتی ہے

حضرت سیِّدُنا بشر حافی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں کہ میں نے جزیرۂ عبادان میں ایک شخص کو دیکھا کہ مصیبت نے اسے پچھاڑ کر رکھ دیا تھا، اس کی آنکھیں اس کے رخساروں پر بہہ چکی تھیں، اس کے باوجود وہ بہت زیادہ **اللہ** پاک کا ذکر کر رہا تھا اور حد درجہ شکر بجا لا رہا تھا، اچانک مَحَبَّتِ باری تعالیٰ میں اس پر غشی طاری ہو گئی تو میں اس کا سر اپنی گود میں رکھ کر **اللہ** پاک سے دعا کرنے لگا کہ اس کی مصیبت دُور فرما دے۔ جب اسے کچھ ہوش آیا اور اس نے مجھے یوں دعا کرتے سنا تو کہنے لگا: یہ کون فضول شخص ہے جو میرے اور میرے ربّ کے درمیان دخل اندازی کر رہا ہے اور مجھ پر میرے رب کی نعمتوں میں اِعتراض کر رہا ہے؟ حضرت سیِّدُنا بشر حافی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں: اس کے بعد اس نے اپنا سر میری گود سے ہٹا لیا۔ لہٰذا میں نے عہد کر لیا کہ میں کبھی کسی بندے (کو مصیبت میں مبتلا دیکھ کر اس) پر اِعتراض نہ کروں گا مبادا جسے میں مصیبت سمجھ رہا

ہوں وہ اس پر نعمت ہو۔

50 سالہ عِبادَت عیب والی نکلی

حضرت سَیِّدُنا عبد الواحد بن زید بصری رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ کو بتایا گیا کہ یہاں ایک شخص ہے جو 50 سال سے **اللہ** پاک کی عِبادَت کر رہا ہے تو آپ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ اس شخص سے ملنے گئے اور پوچھا: پیارے بھائی! مجھے اپنے حال کے بارے میں بتاؤ، کیا تم نے (ہمیشہ) **اللہ** پاک پر قناعت کی؟ اس نے کہا: نہیں۔ آپ نے پوچھا: کیا اس سے اُنس ہوا؟ بولا: نہیں۔ پوچھا: کیا اس سے راضی ہوئے؟ جواب دیا: نہیں۔ پھر پوچھا: تو کیا تمہاری کثرتِ عِبادَت صِرف نماز روزہ ہی ہے؟ اس نے کہا: جی ہاں۔ تو آپ نے اِرشَاد فرمایا: اگر مجھے تم سے حَیا نہ ہوتی تو میں تمہیں تمہاری 50 سالہ عِبادَت کی خرابی کی نشاندہی کر دیتا۔

(صاحبِ کتاب حضرت سَیِّدُنا شیخ ابو طالب مکّی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں) حضرت سَیِّدُنا عبد الواحد بن زید بصری رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ کی مُراد یہ تھی کہ (اس قدر طویل عِبادَت کے باوُجود) **اللہ** پاک نے تجھے قرب عطا نہ فرمایا کہ تو اس کا مُقرّب بندہ بن جاتا اور اَعمالِ قلبی کے سَبَب تیرے دَرَجات میں اِضافہ ہوتا۔ حالانکہ **اللہ** پاک اپنے اَولیائے کِرام سے ایسا ہی کرتا ہے مگر تم صِرف اَصحابِ یمین میں ہی شمار ہوتے ہو کیونکہ اس ذات کی طرف سے تمہیں ظاہری اَعمال سے ہی حِصّہ ملا ہے جو عام لوگوں کو بھی حاصِل ہے۔

بسا اَوقات ایک شخص اپنے مقام میں صاحبِ اِخلاص ہوتا ہے خواہ اس سے بلند دَرَجات بھی ہوں۔

ایک توجہ طلب نکتہ

حضرت سَیِّدُنا **عبد اللہ** بن محیریز رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ کا شُمار شام کے عابدین و عُلَمائے کِرام میں ہوتا ہے۔ آپ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ سے مُخالَفَتِ باری تعالیٰ کے مفہوم میں ایک انتہائی دقیق اور توجہ طلب نکتہ مروی ہے۔ اگرچہ آپ نے اس کی شرح بھی بیان کر دی مگر اس وقت آپ کے پاس موجود لوگ اور دیگر وہ لوگ جنہوں نے آپ کی یہ بات سنی اس کا مفہوم نہ سمجھ سکے۔ لہٰذا آپ کی بات سمجھنے کے لئے مزید وضاحت کی حاجت پیش آئی۔ چنانچہ آپ اِرشَاد فرماتے ہیں: تم میں سے ہر ایک **اللہ** پاک سے (اس کی تصدیق کرتے ہوئے) ملے گا جبکہ ہو سکتا ہے کہ اس نے تکذیب کی ہو اور یہ اس لئے کہ اگر تم میں سے کسی کی انگلی سونے کی ہو تو اس سے اشارہ

کرتا پھرتا ہے اور اگر اس میں کوئی عیب ہو تو اس کو چھپاتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ سونا دنیا کی زینت ہے اور **اللہ** پاک نے دنیا کی مَذمّت بیان کی ہے جبکہ مصیبت اہلِ آخرت کی زینت ہے اور **اللہ** پاک نے آخرت کی تعریف فرمائی ہے۔ یعنی جب **اللہ** پاک تمہیں کسی دنیاوی زینت سے نوازتا ہے تو تم اس کا اِظہار کرتے ہو اور اس پر فخر کرتے ہو مگر جب وہ تمہیں کسی اُخروی زینت سے نوازتا ہے یعنی تم پر کوئی مصیبت و آزمائش آتی ہے تو تم اسے ناپسند کرتے ہو اور چھپاتے ہو تاکہ اس کی وجہ سے لوگ تم پر کوئی عیب نہ لگائیں۔ یہی کافی ہے کہ تم دنیا اور اس کی زینت سے مَحبّت کرتے ہو اور **اللہ** پاک کی پسند کو جھٹلاتے ہوئے اِبتلا و آزمائش کو پسند نہیں کرتے اور جس نے اس کی تعریف کی ہے اس کی بات کو تسلیم نہیں کرتے۔

اظہارِ دنیا ریاکاری کی قوی علامت ہے

اس بات کا تعلّق زہد و رضا سے ہے اور یہ حالت اس شخص کی ہے جو فقر و آزمائش کو لوگوں سے حَیا کی بنا پر چھپاتا ہے تاکہ وہ اسے عیب نہ جانیں۔ یہ اس کے یقین کی کمزوری اور مخلوق کے دِکھاوے کے قَوِی ہونے کی عَلامت ہے۔ نیز یہ حالت اس شخص کی بھی ہے جو غِنا کا اِظہار کرے مگر اس کی اچھی نِیّت ہو نہ **اللہ** پاک کی کسی نعمت کا اِظہار کرنا اس کا مقصود ہو، بلکہ اس کا سَبَب بھی دنیا کی مَحبّت کے دِکھلاوے کا قَوِی ہونا ہے۔

زہد، ورع اور رضا

اسی طرح حضرت سَیِّدُنا ابو سلیمان دارانی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں: تین مقامات کی کوئی حد نہیں: زہد، ورع اور رضا۔ جبکہ آپ کے صاحبزادے حضرت سَیِّدُنا سلیمان رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ کا قول آپ کے بر عکس ہے، آپ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ کے یہ صاحبزادے بھی عارف تھے اور بعض لوگ انہیں ان کے والدِ ماجد سے بھی مرتبے میں بلند قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ یہ فرماتے ہیں: یقیناً جس نے ہر شے میں تقویٰ اِختیار کیا وہ ورع کی حد تک پہنچ جاتا ہے اور جو ہر شے سے بے رَغبت ہو جائے وہ زہد کی حد پالیتا ہے اور جو ہر شے میں **اللہ** پاک سے راضی ہو وہ رضا کی حد پالیتا ہے۔

ان باتوں کا بیان جو اہلِ رضا کے لیے نقصان دہ نہیں

﴿1﴾ دنیا و آخرت کی بھلائی مانگنا نقصان دہ نہیں

اللہ پاک کی رضا پر راضی رہنے والے شخص کا **اللہ** پاک سے اُخْرَوِی دَرَجات میں اِضافے اور دنیاوی اُمور کی بہتری کا سوال کرنا اس کے مَقامِ رضا میں کمی نہیں کرتا، بشرطیکہ اس سوال سے اس کا مقصود عِبادَت اور **اللہ** پاک کو ہر شے میں اپنا حاجَت رَوا سمجھنا ہو۔ بلکہ اس میں بھی **اللہ** پاک کی رضا ہے جو **اللہ** پاک سے اس کی مخلوق مانگنے کے قابلِ تعریف ہونے کی متقاضی ہے، اگر بندہ اپنے رب سے اپنا مُقرَّرہ حِصّہ مانگے، اس کا قرب و مَحبَّت چاہے اور اسے ہر شے پر ترجیح دے تو یہ بات فضیلت کا باعث ہے۔ اس لیے کہ اس نے اپنے دل کو یادِ الٰہی میں مگن رکھا اور اپنی فکر کو منتشر نہیں ہونے دیا۔ یہ مقربین کا مقام اور اس کے حال کا تقاضا ہے جو رضائے الٰہی پر راضی رہنے والے کو اس کے مُشاہدے کی بنا پر اسی قدر حاصِل ہوتا ہے جس قدر وہ اپنے رب کی مَعْرِفَت رکھتا ہے۔ کیونکہ اس سے ہر اس عَمَل کے مُتَعَلِّق پوچھا جائے گا جسے وہ اپنے علم کے مُطابِق اپنے اَحْوال میں سے کسی وَقْت میں سر اَنجام دیتا ہے جیسا کہ اس سے ان تمام اَعمال کے مُتَعَلِّق بھی پوچھا جائے گا جو اس نے اپنے علم کے مُطابِق ساری عمر میں سر انجام دیئے ہیں۔

صوفیوں کا طریقہ

(صاحبِ کتاب حضرت سَیِّدُنا شیخ ابُو طالِب مَکّی رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں) یہی حقیقت ہے اسے خوب جان لیجئے کہ یہی صوفیوں کا طریقہ ہے اور اس پر سَلَف صالحین میں سے عارفین کا عَمَل رہا ہے۔ چنانچہ ان کے نزدیک دنیوی واُخْرَوِی اُمور کی بہتری کا سوال رضا کے لیے نقصان دہ نہیں۔ البتہ بعض کا اس میں اختلاف ہے۔ لیکن اگر **اللہ** پاک کی رضا پر راضی رہنے والے کی دعا اپنے رب کی عَظَمت بیان کرنے، اس کی حمد و ثنا کرنے، اس کی یاد میں مشغول ہونے، اس کے علاوہ ہر ایک کو بھول جانے اور اس کی مَحبَّت میں ہو (تو یہ بھی باعِثِ فضیلت ہے)، اس لیے کہ یہ اس کے حال کا تقاضا ہے اور اس پر واجِب ہے، لہٰذا اس نے وہی کام کیا جو اس پر لازِم تھا، چنانچہ یہی افضل ہے اور یہ محبین کا مقام ہے جو اپنے مُشاہدے میں مگن رہتے ہیں۔ اس طرح اس کا شمار ان

لوگوں میں ہونے لگے گا جن کے مُتعلّق ہم نے ذکر کیا ہے کہ ان کا حال اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ وہ اپنے علم کے مُطابِق اپنے وَقْت میں عَمَل کریں۔

تین میں سے افضل کون؟

عُلَمائے کِرام کا اس بارے میں اِختِلاف ہے کہ درج ذیل تین مختلف مقامات والے لوگوں میں سے افضل کون ہے؟

﴿1﴾ اللہ پاک کے دیدار کے شوق میں موت کو محبوب جاننے والا۔

﴿2﴾ اللہ پاک کی عِبادَت کے لئے زندہ رہنے کو پسند کرنے والا۔

﴿3﴾ وہ بندہ جو یہ کہے: میں خود کسی شے کو پسند نہیں کرتا بلکہ میرا رب میرے لیے جو پسند کرے میں اس پر راضی رہتا ہوں۔ اگر وہ چاہے تو مجھے ہمیشہ زندہ رکھے اور چاہے تو کل ہی موت دیدے۔

لوگ ایک عارف کے پاس یہ مسئلہ لے کر حاضر ہوئے (کہ مذکورہ تین افراد میں سے افضل کون ہے؟) تو انہوں نے اِرشَاد فرمایا: رضائے الٰہی پر راضی رہنے والا ان سب سے افضل ہے کیونکہ وہ ان سب سے کم فضولیات میں مبتلا ہوتا ہے۔

افضل ہونے کی وجہ

(صاحبِ کتاب فرماتے ہیں:) مُعامَلہ بھی ایسا ہی ہے جیسا کہ رِضائے الٰہی پر راضی رہنے والے نے اِعْتِراض واِختیار کو ترک کرنے کے اعتبار سے کہا، کیونکہ وہ بغیر اِختیار کے دنیا میں آیا اور اسی طرح بغیر اِختیار کے یہاں سے جائے گا۔ اس لیے کہ مقامِ رضا مقامِ شوق سے اعلیٰ ہے۔ اس کے بعد فضیلت اس شخص کی ہے جو دیدارِ باری تعالیٰ کے شوق میں موت کو پسند کرے، یہ مقامِ مَحبَّت ہے اور زِندَگی میں حقیقی زہد اپنانے کا بھی ایک مقام ہے۔ جیسا کہ ایک حدیثِ پاک میں ہے کہ سرورِ کائنات صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اِرشَاد فرمایا: جو اللہ پاک سے ملاقات پسند کرتا ہے اللہ پاک بھی اس سے ملاقات پسند کرتا ہے۔[1]

وہ شخص جو عِبادَت کی خاطر زندہ رہنا چاہتا ہے وہ فضیلت میں ان دو کے بعد ہے، اس کا مقام عصمت

---

[1]......مسلم، کتاب الذکر والدعاء...الخ، باب من احب لقاء اللہ...الخ، ص ۱۴۴۱، حدیث: ۲۶۸۳

میں حُسنِ ظن اور رجا کے قوی ہونے کا ہے، نیز اسے قرب و اُنس کے مُشاہدات بھی حاصل ہیں، اس کے سبَب اس کا مقام عمدہ، اس کا نفس ساکن اور اس کی سختیاں کم ہو جاتی ہیں۔

سب سے افضل یا کامل مومن کون؟

سرورِ کائنات صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا فرمانِ عالیشان ہے: ایمان کے اعتبار سے سب سے افضل مومن یا ایمان کے اعتبار سے سب سے کامل مومن وہ ہے جس کی عمر طویل اور عمل اچھا ہو۔[1]

شرحِ حدیث

اللہ پاک کے محبوب صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ایمان کے اعتبار سے مومن کے افضل یا کامل ہونے کے مُتعلّق اس لیے اِرشاد فرمایا کہ اَعمال ایمان کے متقاضی ہوتے ہیں، کیونکہ اِیمان کی حقیقت یہ ہے کہ وہ قول و عمل کے مجموعے کا نام ہے۔[2] اس کے بعد قابلِ فرحت، قابلِ رشک اور قابلِ مدح کوئی مقام نہیں۔ کیونکہ زِندگی کی خواہش نفسانی لذّت و خواہش کی مُوافَقت کے لئے ہوتی ہے، چنانچہ بسا اَوقات اس راہ پر چلنے والے کمزور لوگوں کا نفس اس بات کی طرف مائل ہو جاتا ہے اور یوں اس میں ایک مخفی عِلّت پیدا ہو جاتی ہے، مراد یہ ہے کہ تین چیزیں یعنی نفس، دنیاوی راحت اور زِندگی سے محبّت جن باتوں کا تقاضا کرتی ہیں بندہ ان سے لطف اَندوز ہونے کی خاطِر زندہ رہنا چاہتا ہے۔ نیز وہ موت کو طبیعت کے پسند نہ کرنے اور طُولِ اَمَل کی وجہ سے ناپسند جانتا ہے۔ مگر وہ اس وہم کا شِکار ہوتا ہے کہ وہ **اللہ** پاک اور اس کی عِبادَت و طاعت کی خاطِر زندہ

[1]......ترمذی، کتاب الزھد، باب ما جاء فی طول العمر للمؤمن، ۴/۱۴۸، حدیث: ۲۳۳۷، بتغیر قلیل

[2]......فقیہ اعظم ہند شارح بخاری حضرت سیِّدُنا شریف الحق امجدی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ تحریر فرماتے ہیں: ایمان کے سلسلے میں کثیر اختلافات ہیں ۔ ان میں بنیادی اختلاف دو ہیں: اعمال و اقوال ایمان کے جز ہیں یا نہیں؟ ایمان گھٹتا بڑھتا ہے یا نہیں؟ امام مالک، امام شافعی، امام احمد و جمہور محدثین اعمال و اقوال کو ایمان کا جز مانتے ہیں اور امام اعظم اور جمہور متکلمین و محققین محدثین اعمال و اقوال کو ایمان کا جز نہیں مانتے ۔ اسی کی فرع ایمان کے گھٹنے بڑھنے کا بھی مسئلہ ہے۔ فریق اول کے نزدیک اعمال و اقوال کی زیادتی سے ایمان بڑھتا ہے اور کمی سے گھٹتا ہے اور فریق ثانی کے نزدیک ایمان نہ گھٹتا ہے نہ بڑھتا ہے۔ صحیح اور راجح یہی ہے کہ اعمال و اقوال ایمان کے جز نہیں اور ایمان نہ گھٹتا ہے نہ بڑھتا ہے۔ (نزہۃ القاری، ۱/۲۹۱)

رہنا چاہتا ہے۔ حالانکہ یہ وہم اس کی اس مخفی خواہش کی پیداوار ہوتا ہے جو اسے زہد کی حقیقت سے دور کر دیتی ہے اور اس تیسرے طریق میں کوئی عارِف، زاہد اور یقین کا دائمی مُشاہدہ کرنے والا ہی فضیلت کا حق دار بنتا ہے اور جو شخص خواہشِ نفس اور محبّتِ دنیا کا مریض ہو اس کا اس راستے میں کوئی اعتبار ہے نہ کوئی مقام۔

ربِّ کعبہ کی قسم! یہی روحانیت ہے

ایک دن حضرت سیِّدُنا وُہَیب بن وَرد، حضرت سیِّدُنا سفیان ثوری اور حضرت سیِّدُنا یُوسُف بن اَسباط رَحِمَہُمُ اللہ ایک جگہ جمع ہوئے تو حضرت سیِّدُنا سُفیان ثوری رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ نے فرمایا: میں آج سے پہلے اچانک آنے والی موت کو ناپسند کرتا تھا مگر آج چاہتا ہوں کہ موت آجائے۔ حضرت سیِّدُنا یوسُف بن اَسباط رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ نے آپ سے اس کی وجہ پوچھی تو ارشاد فرمایا: کیونکہ مجھے فتنے کا خوف ہے۔ اس پر حضرت سیِّدُنا یوسف بن اَسباط رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ نے فرمایا: لیکن میں طویل زندگی سے نفرت نہیں کرتا۔ حضرت سیِّدُنا سُفیان ثوری رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ نے موت کو اچھا نہ سمجھنے کی وجہ دریافت کی تو آپ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ نے فرمایا: ہوسکتا ہے مجھے کوئی ایسا دن مل جائے جس میں توبہ کی توفیق نصیب ہو جائے اور عملِ صالح کرلوں۔ پھر حضرت سیِّدُنا وُہیب بن وَرد رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ سے پوچھا گیا کہ آپ کیا فرماتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا: میں کچھ بھی پسند نہیں کرتا مجھے تو وہی پسند ہے جو **اللہ** پاک کو پسند ہے۔ یہ سُن کر حضرت سیِّدُنا سفیان ثوری رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ نے ان کی پیشانی کو چوما اور فرمایا: ربِّ کعبہ کی قسم! یہی روحانیت ہے۔

(صاحبِ کتاب حضرت سیِّدُنا شیخ ابو طالب مکّی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں) یہ لوگ مقربین اہلِ روح و ریحان اور اہلِ محبّت و رضوان ہیں۔ جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

فَرَوْحٌ وَّ رَیْحَانٌ ۙ (پ ۲۷، الواقعۃ: ۸۹) ترجمۂ کنزالایمان: تو راحت ہے اور پھول۔

یعنی انہیں قربِ بادِ نسیم کی راحت اور محبّت کی عمدہ خوشبو حاصل ہے، نیز جب **اللہ** پاک نے اَصحابِ یمین کے مُتعلّق اِرشاد فرمایا کہ انہیں ہر شدّت و ہولناکی میں سلامتی حاصل ہے اور مقربین کا درجہ سب سے بلند تر ہے تو اس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ مقربین کے لیے ہر ہولناکی میں ان کے **اللہ** پاک کا مُشاہدہ کرنے کے باعث راحت ہے اور قربِ حبیب کی وجہ سے ہر قرب میں خوشبو ہے، اسی لیے انہیں بُلندی و

فضیلت حاصل ہوئی۔

اسی طرح کسی صوفی بزرگ کا قول ہے کہ عارِف کا راز یہ ہے کہ وہ اشیاء میں اس طرح ٹھہرا ہوتا ہے جیسا کہ پانی کنویں میں ٹھہرا ہوتا ہے کہ کسی مقام کو اِختیار نہیں کرتا بلکہ جب بھی (اپنے مقام سے) نکالا جاتا ہے (دوسرے مقام کی طرف) نکل آتا ہے۔

﴿2﴾ اہلِ رضا کا کسی چیز کو بُرا جاننا

اگر **اللہ** پاک کی رضا پر راضی رہنے والا شخص بھی اس شے کی مَذمَّت بیان کرے جس کی مَذمَّت **اللہ** پاک نے کی بیان ہے یا **اللہ** پاک کی ناپسند شے کو ناپسند جانے تو یہ بات بھی اس کے مقامِ رضا کے لیے مضر نہیں بلکہ **اللہ** پاک کی مُوافقت کی وجہ سے وہ اپنے فعل میں نیکو کار سمجھا جائے گا۔ البتہ! اگر وہ اپنے حال پر راضی نہ ہو تو یہ بات اس کے دین و آخرت کے لیے مضر ہے یا اگر وہ دنیاوی مال کی کثرت اور مال جمع وذخیرہ کرنا پسند نہ کرے تو بھی اس کا ایسا کرنا اس کی رضا میں عیب کا باعث نہیں، اس لیے کہ یہ بات زہد سے تعلّق رکھتی ہے اور وہ ان تمام باتوں میں اپنے علم کے مُوافِق عَمَل کر رہا ہے۔

اللہ پاک اپنے بندے سے مُتَعَلِّق اپنے اَحکام کو بخوبی جانتا ہے، وہ اپنی ذات پر سب سے زیادہ غیرت والا ہے، تمام مخلوق سے اس کا مُشاہدہ اعلیٰ ہے اور اس کی شان سب سے بلند ہے۔ لہٰذا وہ اپنے اَحکام کو دیکھتا رہتا ہے اور جو بندہ اس کے اَحکام کی حُدُود سے تجاوُز کرتا ہے تو وہ اس کی مَذمَّت بیان کرتا ہے اور اس پر اپنی مَشِیَّت کے مُطابِق اپنا علم نافِذ کرتا ہے اور اس نے جس کام سے منع کیا تھا اس کے اِرْتِکاب پر نافرمانوں سے اپنی حِکْمت اور عَدْل کی بنا پر ناراضی کا اِظْہار کرتا ہے۔

عطاو بخشش میں وہ اپنے دستِ قدرت کا مُشاہدہ کرتا ہے اور خرچ کرنے والوں کی تعریف کرتا ہے، اپنی قضا کی توفیق عطا فرما کر اپنے ارادے کو جاری فرماتا ہے اور اپنے فضل و کرم سے نیک عَمَل کرنے والوں کا شکر قبول فرماتا ہے۔

رضائے خداوندی پر راضی رہنے والے کے چند کام

اللہ پاک کی رضا پر راضی رہنے والا درج ذیل کام کرتا ہے:

- اللہ پاک کے حکم میں اس کی مُوافقت کرتا ہے۔
- اس کے فرامین کی پیروی کرتا ہے۔
- اس کی تقدیر کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیتا ہے۔
- اس کی جن باتوں پر حِفَاظَت کی ضرورت ہو ان کا خوب خیال رکھتا ہے۔
- اس کی ہر طرح کی تدبیر پر راضی رہتا ہے۔
- اس نے جو باتیں مشروع کی ہیں صرف ان پر ہی عمل پیرا ہوتا ہے۔
- اس کے پیارے حبیب صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی سُنّتوں کی پیروی کرتا ہے۔
- اس نے جس شے کی مَذَمَّت بیان کی ہے یہ بھی اسے مَذمُوم جانتا ہے۔
- اس نے جس شے کی مدح کی یہ بھی اس کی مدح اس لیے کرتا ہے کہ اس کے رب نے ایسا کیا ہے اور اس میں اپنے کسی قسم کے نفع کو ملحوظِ خاطر نہیں رکھتا۔

﴿3﴾ دکھ درد کا اظہار اہل رضا کے لئے مضر نہیں

رضائے خداوندی پر راضی رہنے والے شخص کا کسی کو اپنے دکھ بتانا اور اپنے مصائب سے آگاہ کرنا بھی اس کے حال کے لیے مضر نہیں بشرطیکہ وہ ان دکھوں اور مصیبتوں کو اللہ پاک کی نعمت سمجھے اور ان پر اللہ پاک کا شکر بجالائے۔ اس کے دل میں تسلیم و رضا ہو اور وہ قضائے باری تعالیٰ پر برہم و ناراض نہ ہو۔

حُصولِ رضا میں متفرق مقامات کی ترتیب

رضا کی اِبتدا صبر سے ہوتی ہے، پھر قناعت، اس کے بعد زہد، پھر مَحَبَّت اور پھر تَوَکُّل کی باری آتی ہے، (جب بندے کو یہ سب باتیں نصیب ہو جائیں تو اس وقت) رضا مُتَوَکِّل کا حال اور تَوَکُّل رضا کا ایک مقام بن جاتا ہے۔

بندہ کب مقامِ رضا پر فائز ہوتا ہے؟

حضرت سَیِّدُنا فُضَیل بن عِیاض رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں کہ جب بندے کے نزدیک کسی شے کے ملنے اور نہ ملنے کی حیثیت یکساں ہو تو یہ مقامِ رضا ہے۔

کسی صوفی بزرگ کا قول ہے کہ جب بندے کے دل کی حالت کسی شے کے ہونے و نہ ہونے اور بیماری و صحت میں مختلف نہ ہو تو وہ بندہ اپنے رب کی رضا پر راضی رہنے والا شمار ہوتا ہے۔

منع بھی عطا کی صورت ہے

حضرت سَیِّدُنا سفیان ثوری رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں: **اللہ** پاک کی منع (یعنی اس کا بندے سے اپنی کوئی نعمت روک لینا) حقیقت میں اس کی عطا ہے، اس لیے کہ جب وہ کسی سے کوئی نعمت روکتا ہے تو اس میں وہ بخل سے کام نہیں لیتا اور نہ ہی اسے کسی قسم کے اِفلاس کا خدشہ ہوتا ہے، بلکہ اس کے کسی کو نعمت نہ دینے کا سبب یہ ہے کہ اس نے اسے نعمت سے نوازنا پسند کیا نہ اچھا جانا۔

(صاحبِ کتاب حضرت سَیِّدُنا شیخ ابو طالب مکی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں) بات بھی ایسی ہی ہے جیسا کہ حضرت سَیِّدُنا سفیان ثوری رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ نے اِرشاد فرمایا ہے، اس لیے کہ حقیقی منع سے مُراد یہ ہے کہ آپ کی کسی کے پاس کوئی شے ہو اور وہ آپ کو نہ دے یا آپ کا کسی پر کوئی حق لازِم ہو اور وہ اَدا نہ کرے۔ **اللہ** پاک پر چونکہ آپ کا کوئی حق لازِم ہے نہ آپ کی کوئی شے اس کے پاس ہے، کیونکہ وہی اَوّل ہے، اس سے پہلے کوئی شے نہ تھی، وہی ہر شے کو ظاہِر کرنے والا ہے اور جو کچھ اس نے ظاہِر کیا ہے وہی اس کا مالِک بھی ہے اور اپنی پیدا کردہ تمام اشیاء میں اِختیار بھی اسے ہی حاصِل ہے۔ لہٰذا اس کی مخلوق میں سے کسی کو کوئی اِختیار حاصِل ہے نہ کوئی اس کے حکم میں شریک ہے، پیدا کرنا اور حکم دینا اسی کو زیبا ہے، کوئی اس کے حکم میں شریک نہیں۔ بندے کی حیثیت چونکہ کسی قابلِ ذکر شے جیسی بھی نہیں لہٰذا اس کا مالِک اس کے لیے جو بات بھی پسند کرے وہ اس کی جانب سے عطا ہی ہے۔ البتہ! مقادیر، اَقسامِ اَحکام، تغیراتِ تدبیر میں فرق ممکن ہے، کہیں اس میں مٹھاس ہے تو کہیں کڑواہٹ، کہیں لطف و عنایت کی برسات تو کہیں غضب کا اِظہار، کہیں سختی و شِدّت تو کہیں نرمی و آسانی، کہیں طبیعت کے غیر مُوافِق خواہشِ نفس کی مُخالَفت تو کہیں نفس کے مُوافِق مُعاملہ۔ الغرض اَحکام پر صبر کرنا مؤمنین کا مقام اور اَحکام پر راضی رہنا اہلِ یقین کا مقام ہے۔ جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

وَ مَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ ﴿۵۰﴾ (پ ۶، المآئدۃ: ۵۰)

ترجمۂ کنز الایمان: اور **اللہ** سے بہتر کس کا حکم یقین والوں کے لئے۔

دوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

وَ اصْبِرْ حَتّٰى یَحْكُمَ اللّٰهُ ۚ وَ هُوَ خَیْرُ الْحٰكِمِیْنَ ﴿۱۰۹﴾ (پ ۱۱، یونس: ۱۰۹)

ترجمۂ کنز الایمان: اور صبر کرو یہاں تک کہ **اللہ** حکم فرمائے اور وہ سب سے بہتر حکم فرمانے والا ہے۔

رضا کا اَفعالِ باری تعالیٰ سے تعلق

یاد رکھئے! رضا کا تعلق مقاماتِ یقین، اَحْوالِ محبین اور مُشاہدۂ مُتوکّلین سے ہے اور یہ سب کچھ اَفعالِ باری تعالیٰ میں داخل ہے۔ چنانچہ،

- **اللہ** پاک کے تمام اَفعال چونکہ اس کی قضا سے واقع ہوتے ہیں اور اس کی سلطنت میں کوئی ایسا کام نہیں جو اس کی قضا سے جاری نہ ہو، لہٰذا عارفین پر لازم ہے کہ وہ اپنے رب کی قضا پر راضی رہیں۔
- پھر اَحکام کی ترتیب اور علم کی تفصیل کو پیشِ نظر رکھا جائے اور جو بات خیر و بھلائی کی ہو اس کے بجا لانے کا حکم دیا گیا ہو یا اس پر عمل کرنا مستحب ہو، بندہ اس پر راضی رہے اور شرع و فعل کے اعتبار سے اسے پسند کرے اور اس پر ضرور شکر بجالائے۔
- جو بات شر سے مُتعلّق ہو اور اس سے منع کیا گیا ہو اور اس پر وعید بھی مروی ہو تو بندے پر لازِم ہے کہ وہ عدل و تقدیر کے اعتبار سے اس پر راضی رہے، اسے اپنے رب کی حِکْمت اور حکم پر محمول کرتے ہوئے اس کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دے۔
- بندے پر لازِم ہے کہ خود کو (گناہوں سے) باز رکھے، (اگر کسی گناہ کا مُرتکِب ہو جائے تو) اپنے گناہ کا اِقرار کرنے کے ساتھ ساتھ نفس پر ظلم کرنے کا اِعْتِراف بھی کرے اور اَحکامِ سزا کے نفاذ پر راضی رہے۔
- اس بات کا اقرار بھی کرے کہ اس نے یہ گناہ اپنے ظاہری اعضاء سے کیا ہے، لہٰذا وہ اس پر راضی رہے کہ **اللہ** پاک کو اس پر حجتِ بالغہ حاصِل ہے اور اس کے پاس اپنے گناہ میں مبتلا ہونے کا کوئی عذر نہیں۔
- وہ اس بات پر بھی راضی رہے کہ یہ بات **اللہ** پاک کی مَشِیَّت میں ہے کہ اگر وہ چاہے تو اپنے رحم و کرم سے اس کا گناہ مُعاف فرما دے یا اگر چاہے تو اپنے عَدل و حق کی بنا پر اسے سزا دے۔

الغرض بندہ فعل کے اعتبار سے نہیں بلکہ نِیَّت و اِرادے کے اعتبار سے بُری تقدیر پر راضی رہے، **اللہ**

پاک کی اس قضا پر راضی تو رہے مگر اس کے سبب اپنے نفس سے راضی نہ ہو، کیونکہ اہلِ یقین و محبت اَمْرٌ بِالْمَعْرُوْف وَ نَھْیٌ عَنِ الْمُنْکَر کو ساقِط نہیں کرتے اور گناہوں سے بیزار رہتے ہیں نیز ان کی نظر میں دل اور زبان سے گناہوں سے نفرت کا سبب یہ ہے کہ ایمان نے اسے فرض قرار دیا اور شریعتِ مطہرہ نے اس کا حکم دیا ہے اور اس لئے کہ محبوب اللہ پاک اسے ناپسند فرماتا ہے چنانچہ اس کی ناپسندیدگی کے معاملے میں یہ لوگ اس کی موافقت کرتے ہیں جیسے اس کی پسندیدہ چیزوں کے معاملے میں اس کی موافقت کرتے ہیں۔

اصلی و نقلی ولی میں پہچان کا اُصول

مقامِ یقین ایمان کے فرائض کو ختم کرتا ہے نہ مُشاہدۂ توحید رسولِ کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی شریعت کو باطل قرار دیتا ہے اور نہ اس کی پیروی کو ساقِط کرتا ہے، لہٰذا جو یہ گمان رکھے اس نے اللہ پاک اور اس کے رسولِ مقبول صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم پر جھوٹ باندھا اور اہلِ یقین و محبت کو بھی جھٹلایا، کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ پاک نے اس قوم کی مذمت بیان کی ہے جو دنیا و مَعاصی پر راضی ہوئی اور وہ آگے بڑھ جانے والوں سے پیچھے رہ جانے پر خوش ہوئے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

وَرَضُوْا بِالْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا (پ ۱۱، یونس: ۷)

ترجمۂ کنز الایمان: اور دنیا کی زندگی پسند کر بیٹھے اور اس پر مطمئن ہو گئے۔

اس آیتِ مبارکہ میں ان لوگوں کی مذمت بیان کی۔ جبکہ ایک مقام پر ارشاد فرمایا:

وَلِتَصْغٰۤی اِلَیْهِ اَفْـٕدَةُ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَلِیَرْضَوْهُ وَلِیَقْتَرِفُوْا مَا هُمْ مُّقْتَرِفُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ (پ ۸، الانعام: ۱۱۳)

ترجمۂ کنز الایمان: اور اس لئے کہ اس کی طرف ان کے دل جھکیں جنہیں آخرت پر ایمان نہیں اور اسے پسند کریں اور گناہ کمائیں جو انہیں گناہ کمانا ہے۔

اس آیتِ مبارکہ میں ان کے عیب کو بیان کیا اور ایک مقام پر ارشاد فرمایا:

رَضُوْا بِاَنْ یَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ (پ ۱۰، التوبۃ: ۸۷)

ترجمۂ کنز الایمان: انہیں پسند آیا کہ پیچھے رہنے والی عورتوں کے ساتھ ہو جائیں۔

مُراد یہ ہے کہ وہ عورتوں کے ساتھ پیچھے بیٹھے رہیں اور جہاد نہ کریں۔ اسی طرح ایک مقام اِرشاد فرمایا:

وَ طُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ﴿۸۷﴾ ترجمۂ کنز الایمان: اور ان کے دلوں پر مُہر کر دی گئی تو وہ کچھ نہیں سمجھتے۔ (پ۱۰، التوبۃ: ۸۷)

گناہ پر راضی رہنا کیسا؟

جو شخص اپنے گناہوں اور ناپسندیدہ باتوں پر راضی ہوا یا وہ کسی کے گناہوں پر راضی ہوا اور اس نے اس کے گناہوں کی وجہ سے اس سے مَحبّت کی، اسے دوست سمجھا اور اس کی مَدَد کی یا یہ دعوٰی کیا کہ یہ مقامِ رضا میں ہے جس پر اَجر و ثواب دیا جائے گا یا یہ دعوٰی کیا کہ اس کا حال ان لوگوں جیسا ہے جو رضائے خداوندی پر راضی رہتے ہیں اور **اللہ** پاک نے ان کی تعریف و توصیف فرمائی ہے، تو اس کا شُمار بھی ان لوگوں کے ساتھ ہو گا جن کی مَذمّت **اللہ** پاک نے بیان کی ہے اور ان پر ناراضی کا اِظْہار کیا ہے۔

حدیثِ پاک میں ہے کہ **اللہ** پاک کے محبوب صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اِرشاد فرمایا: اَلدَّالُّ عَلَى الشَّرِّ كَفَاعِلِهٖ۔ یعنی بُرائی کا راستہ دکھانے والا برائی کرنے والے کی طرح ہے۔[1]

حضرت سیِّدُنا عبد**اللہ** بن مسعود رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہ کا فرمان ہے کہ بے شک ایک بندہ گناہ کے وَقْت موجود نہیں ہوتا لیکن اس پر اتنا ہی گناہ ہوتا ہے جتنا گناہ کرنے والے موجود شخص پر۔ عرض کی گئی: وہ کیسے؟ اِرشاد فرمایا: اس کو گناہ کی خبر پہنچتی ہے تو وہ اس پر راضی ہوتا ہے۔

ایک حدیثِ پاک میں ہے کہ سرورِ کائنات صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اِرشاد فرمایا: اگر کوئی بندہ مشرق میں قتل ہو اور دوسرا بندہ مغرب میں اس کے قتل پر راضی ہو تو وہ بھی اس کے قتل میں شریک ہے۔[2]

مُرسل طریق سے **اللہ** کے حبیب صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے ایک حدیثِ حَسَن مروی ہے کہ جس نے دین میں اپنے سے بلند تر شخص کی طرف اور دنیا میں اپنے سے کم تر شخص کی طرف دیکھا تو **اللہ** پاک اسے صابر و شاکر لکھ دیتا ہے اور جو دین میں اپنے سے کم تر اور دنیا میں اپنے سے بلند تر شخص کی طرف دیکھتا ہے تو **اللہ** پاک اسے صابر و شاکر نہیں لکھتا۔[3]

---

[1] ....مسند الفردوس، ۱/ ۳۹۶، حدیث: ۲۹۴۳

[2] ....تفسیر کشاف، پ۵، سورۃ النسآء، تحت الآیۃ: ۹۳، ۱/ ۵۵۱

[3] ....ترمذی، کتاب صفۃ القیامۃ والرقائق والورع، باب رقم: ۵۸، ۴/ ۲۲۹، حدیث: ۲۵۲۰

رضا کا غلط مفہوم

متاخرین میں سے بعض ایسے غافلین نے بابِ رضا میں سخت غلطی کی جن کے پاس علم کی دولت تھی نہ یقین کی قوت۔ چنانچہ انہوں نے رضا کو اس بات پر محمول کیا کہ ان کے تمام مَعاصی اور نفسانی خواہشات بھی **اللہ** پاک کی رضا سے ہیں، ایسا ان لوگوں نے اس لیے کیا کیونکہ وہ رضا کی تفصیل نہیں جانتے تھے، علم تاویل کو بہت کم سمجھنے والے تھے اور قرآنِ کریم کے متشابہات کی پیروی کرنے والے تھے تاکہ فتنہ برپا کرسکیں اور قول و فعل میں کسی بِدْعَت کو اپنا سکیں۔ بے شک ایسے لوگوں کا وَقْت برباد ہوچکا ہے اب وہ دوسروں کا وَقْت بھی برباد کرنا چاہتے ہیں۔

رضا کا درست مفہوم

(صاحبِ کتاب حضرت سَیِّدُنا شیخ ابوطالب مکی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں) عُلَمائے کِرام کے نزدیک اس قول کا باطِل ہونا اس کے دُرُست ہونے پر کوئی دلیل قائم کرنے اور اس بے کار کام میں مشغول ہونے سے زیادہ واضح ہے۔ کیونکہ رضا کا تعلق درج ذیل اُمُور سے ہے:

﴾1﴿ جن اُمُور میں **اللہ** پاک کی مُخالَفَت ہو نہ اس کی کوئی نافرمانی۔ مثلاً دنیا اور مال و جان یعنی بیوی بچوں میں نقصان پایا جائے۔

﴾2﴿ جن اُمُور کی وجہ سے نفس کو مَشَقَّت برداشت کرنا پڑتی ہے اور وہ اسے پسند نہیں کرتا۔

﴾3﴿ جو اُمُور آخِرت کے دَرَجات میں اِضافے کا باعث بنتے ہیں، ان کی بجاآوری پر **اللہ** پاک کی طرف سے سزا ملتی ہے نہ ان پر کوئی وعید ہے اور نہ ان کے کرنے والے کی مَذمَّت مروی ہے۔

رضا کا ایک اور غلط مفہوم

بسااوقات ایک سست و کاہل اور غافل انسان اپنے بخل اور غم خواری و خرچ میں کمی کی دلیل یہ دیتا ہے یا اپنے دنیاوی اُمُور میں وُسعَت اور غنا کو فقر پر ترجیح دینے کی علت یہ بیان کرتا ہے کہ جس شے نے اسے خرچ کرنے، فقر کو ترجیح دینے، دنیاوی مال و دولت میں زہد اِختیار کرنے اور مال خرچ کرنے سے روک رکھا ہے وہ

اس کا اپنے حال پر راضی رہنا اور اس پر جاری ہونے والے اَحکامِ خداوندی پر بہت کم اِعتراض کرنا ہے اور یہ چونکہ مَقاماتِ رضا کا ایک مَقام ہے جسے اس نے اپنے لیے اِختیار کیا ہے۔

مذکورہ غلط مفہوم پر صاحب کتاب کا تبصرہ

(صاحبِ کتاب فرماتے ہیں:) یہ قول لَہْو ولَعَب کے شِکار نفس پرست شخص کا ہے، اس کا ایسا سمجھنا حقیقت میں نفسانی دھوکے اور شیطانی مکر و فریب کا سَبَب ہے۔ اس لیے کہ رضا فقر و تنگی اِختیار کرنے سے مانع نہیں، کیونکہ **اللہ** پاک کی رضا پر راضی رہنے والا شخص زہد کی فضیلت اور اَوصاف کو بخوبی جانتا ہے کہ اس کی کیفیت کیسی ہوگی جبکہ اس کا مولا فقر کو اور اس کا کثرت پر تنگی اختیار کرنے کو پسند فرماتا ہے۔

معلوم ہوا کہ رضا خود کو ترجیح دینے کا حکم نہیں دیتی اور نہ ہی وسعت اختیار کرنے کا حکم دیتا ہے کیونکہ نعمتوں میں اضافہ اور کثرت کی چاہت مکروہ ہے چنانچہ رضا اسی چیز کا حکم دیتی ہے جس کا ایمان نے حکم دیا ہے کیونکہ رضا ایمان کا ایک مقام ہے اس لئے یہ بندے کو احکام شرع سے نہیں روکتی اور نہ ہی ناپسندیدہ چیزوں یعنی دنیا کی فضولیات میں مبتلا کرتی ہے بلکہ خواہشات کا غلبہ بندے کو احکام شرع پر عمل سے روکتا اور دنیا کی محبت میں مبتلا کرتا ہے نیز علمائے کرام کے نزدیک علم کی راہ میں یہ دونوں چیزیں قابل مذمت ہیں اور خواہشات کے غلبے کے باعث نفس امارہ بُرائی کا حکم دیتا ہے اور اسی کی وجہ سے دشمن اندیشوں میں مبتلا کرتا اور گناہوں کے وسوسے ڈالتا ہے اور یہ چیزیں قابل مذمت ہیں، بندہ اپنی جہالت کے باعث خواہشات اور دنیا کی محبت کا انحصار رضا پر کرتا ہے حالانکہ یہ نفس کا بہانہ اور لوگوں کو فریب دینا ہے تاکہ بندہ مخلوق سے محفوظ رہے مگر یہ سب کچھ مالکِ حقیقی کے سامنے عذر نہیں بن سکتا اور نہ ہی وہ ان کی وجہ سے اپنے خالق سے سلامتی پا سکتا ہے۔

مذکورہ باتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ رضا انہی اُمور میں دُرُست ہوتی ہے جن پر صبر کا دامَن بخوبی تھامے رکھا جائے اور ان پر شکر بجا لایا جائے، کیونکہ رضا کا مقام صبر و شکر سے بالاتر اور صابرین و شاکرین کے دَرَجات میں اِضافے کا باعث ہے۔

گناہ پر راضی رہنا بدترین عمل ہے

اگر بندے کے دین میں نقصان اور دنیا میں اِضافہ ہو رہا ہو تو بندے کا اپنے حال پر راضی رہنا اس کا

بدترین عمل ہو گا کیونکہ اس نے اَحکامِ خداوندی کی مُخالفت کی ہے۔ جیسا کہ ذیل میں اس کے مُتعلّق چند فرامینِ باری تعالیٰ مذکور ہیں:

《1》← اِتَّقُوا اللّٰهَ وَ ابْتَغُوْۤا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ (پ ۶، المآئدۃ: ۳۵)
ترجمۂ کنزالایمان: **اللہ** سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلہ ڈھونڈو۔

《2》← یَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِیْلَةَ اَیُّهُمْ اَقْرَبُ (پ ۱۵، بنی اسرآئیل: ۵۷)
ترجمۂ کنزالایمان: وہ آپ ہی اپنے رب کی طرف وسیلہ ڈھونڈتے ہیں کہ ان میں کون زیادہ مقرب ہے۔

《3》← سَابِقُوْۤا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ (پ ۲۷، الحدید: ۲۱)
ترجمۂ کنزالایمان: بڑھ کر چلو اپنے رب کی بخشش کی طرف۔

《4》← وَ سَارِعُوْۤا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ (پ ۴، ال عمرٰن: ۱۳۳)
ترجمۂ کنزالایمان: اور دوڑو اپنے رب کی بخشش کی طرف۔

《5》← وَ فِیْ ذٰلِكَ فَلْیَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ ﴿۲۶﴾ (پ ۳۰، المطففین: ۲۶)
ترجمۂ کنزالایمان: اور اسی پر چاہیے کہ للچائیں للچانے والے۔

《6》← یُسٰرِعُوْنَ فِی الْخَیْرٰتِ وَ هُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ ﴿۶۱﴾ (پ ۱۸، المؤمنون: ۶۱)
ترجمۂ کنزالایمان: بھلائیوں میں جلدی کرتے ہیں اور یہی سب سے پہلے انہیں پہنچے۔

ان آیاتِ مُبارَکہ میں **اللہ** پاک نے نیکی کے کاموں میں جلدی کرنے اور ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کو مستحب قرار دیا اور پیچھے رہ جانے اور دیگر رکاوٹوں سے چپک جانے کی مَذمَّت بیان کی ہے۔ اس بنا پر معلوم ہوا کہ ان باتوں پر عَمَل مؤمنین کا طریقہ ہے اور اس میں اَہلِ یقین کے مقامات ہیں۔

سیدنا سری سقطی کو مقامِ رضا کیسے ملا؟

حضرت سَیِّدُنا سری سقطی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ کے بازار کو چھوڑنے اور دنیا میں زہد اپنانے کا سَبَب آپ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ کا اَلْحَمْدُ لِلّٰه کہنا ہے، اس لیے کہ یہ کلمہ رضا کا ہے جو آپ کے منہ سے مصیبت کے وَقْت "اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّاۤ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ" پڑھنے کے بجائے نکل گیا۔ واقعہ کچھ یوں ہوا کہ ایک مرتبہ حضرت سَیِّدُنا سری سقطی رَحْمَۃُ اللہِ

عَلَیْه کو بتایا گیا کہ بازار میں آگ لگ گئی ہے اور آپ کی دکان بھی جل گئی ہے۔ چنانچہ رات کے کسی پہر آپ باہر نکلے تو راستے میں چند لوگ ملے جنہوں نے عرض کی: اے ابوالحسن! آپ کے سوا سب لوگوں کی دکانیں جل گئی ہیں۔ تو آپ نے "اَلْحَمْدُ لِلّٰه" کہا، پھر غور کیا تو فرمانے لگے کہ اپنا مال بچ جانے اور اپنے مسلمان بھائیوں کے مال برباد ہو جانے پر میں نے کیسے "اَلْحَمْدُ لِلّٰه" کہہ دیا؟ چنانچہ بطورِ کفارہ آپ رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْه نے اپنی دکان میں موجود تمام آلات و اَسباب صدقہ کر کے بازار کو ہمیشہ کے لیے خیر آباد کہہ دیا۔ اس پر **اللہ** پاک نے ان کے فعل کو شَرَفِ قبولیت سے نوازا اور انہیں دنیا میں زہد کی دولت سے مالا مال کر کے مقامِ مَحبَّت تک رِفعت عطا فرمائی، نیز انہیں اپنی مرضی ترک کرنے کی وجہ سے مقامِ رضا تک رسائی بھی عطا فرمائی۔

(صاحبِ کتاب حضرت سَیِّدُنا شیخ ابو طالب مکّی رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْه فرماتے ہیں) مجھے ان کے مُتعلّق یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ آپ رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْه فرمایا کرتے تھے: میں نے ایک کلمہ کہا، اب 30 سال سے اس سے توبہ کر رہا ہوں۔ یعنی ان کی مُراد اَلْحَمْدُ لِلّٰه کہنا تھا۔

اُمُورِ مسلمین کی اہمیت

ایک حدیثِ پاک میں ہے کہ حضور نبی پاک صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اِرشاد فرمایا: جس نے مسلمانوں کے اُمُور کا خیال نہ رکھا وہ مسلمان نہیں۔[1]

اِیمان کا سب سے مضبوط حلقہ

ایک مشہور حدیثِ پاک میں ہے کہ **اللہ** پاک کے محبوب صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اِرشاد فرمایا: ایمان کا سب سے مضبوط حلقہ (یعنی کڑا) **اللہ** پاک کے لئے مَحبَّت کرنا اور **اللہ** پاک کے لئے بُغض رکھنا ہے۔[2]

شرحِ حدیث

(صاحبِ کتاب حضرت سَیِّدُنا شیخ ابو طالب مکّی رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْه فرماتے ہیں) **اللہ** پاک کے پیارے حبیب صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ان دونوں باتوں کو سب سے مضبوط حلقے اس لیے قرار دیا کیونکہ یہ دونوں آپس میں ایمان (کی

[1] ......معجم اوسط، ۵/ ۲۱۲، حدیث: ۷۴۷۳

[2] ......مسند طیالسی، البراء بن عازب، ص ۱۰۱، حدیث: ۷۴۷

مضبوط رسی) کے ساتھ بندھے ہوتے ہیں، شیطان اس بندھن کو کھول سکتا ہے نہ اسے اس پر کسی قسم کا کوئی تسلط حاصِل ہے، جیسا کہ اسے اِیمان کی گرہیں کھولنے پر قدرت حاصِل نہیں، کیونکہ اس صورت میں **اللہ** پاک بندے اور شیطان کے درمیان حائل ہوتا ہے اور اس نے اپنی رحمت کے ساتھ دلوں میں یہ بات نقش فرما دی ہے کہ جن دلوں میں اِیمان کا بسیرا ہے وہ ہمیشہ راحت میں رہیں گے۔

اللہ کی خاطر محبت و نفرت سے مراد

اللہ پاک کی خاطِر مَحبَّت کرنے سے مُراد کسی سے دوستی کرنا اور جان و مال اور قول و فعل میں اس کی مَدَد کرنا جبکہ **اللہ** پاک کی خاطِر بغض سے مُراد ان باتوں کا ترک کرنا ہے۔ چنانچہ بدعتی، اِعلانیہ فسق و فجور کے مُرتکِب اور حد سے تجاوُز کرنے والے ظالم شخص سے نفرت کرنا اور ان لوگوں کی دوستی کو ترک کرنا اور ان کی کسی بھی طرح کی مَدَد نہ کرنا مومنین پر واجِب ہے۔

شیطان کو بندے پر کس قدر غلبہ حاصِل ہے؟

یہی وجہ ہے کہ دوستی کو **اللہ** پاک کے اَولیائے کِرام اور دشمنی کو **اللہ** پاک کے دشمنوں کے لیے ہونے کو اِیمان کے سب سے مضبوط حلقے (یعنی کڑے) قرار دیا گیا ہے۔ کیونکہ بسا اوقات آپ نفسانی خواہش کے غَلَبہ اور شیطانی تَسَلُّط کی وجہ سے اپنے پروردگار کی مُخالَفت و مَعْصِیَّت میں مبتلا ہو جاتے ہیں مگر پھر بھی گناہ گاروں سے نفرت کرتے ہیں اور ان سے دوستی کو پسند کرتے ہیں نہ ان کے گناہوں کی وجہ سے ان سے مَحبَّت کرتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ شیطان کو ان اُمُور پر غَلَبہ حاصِل نہیں جیسا کہ اسے آپ کے نفس سے گناہ کروانے پر غلبہ حاصِل ہے۔

اسی طرح شیطان کو آپ کے ایمان کی گرہیں کھولنے پر بھی غلبہ حاصِل نہیں جیسا کہ اسے یہ تَسَلُّط حاصِل ہے کہ وہ آپ کے دل سے خوفِ الٰہی دُور کر دے اور آپ کے مُراقبے کی کیفیت خَتْم ہو جائے۔ نیز شیطان کو آپ پر یہ غلبہ بھی حاصِل نہیں کہ آپ حرام کو حلال جانیں اور اسے اچھا خیال کریں، اسے دین کا حِصّہ سمجھیں، گناہوں پر توبہ کرنا چھوڑ دیں اور گناہوں پر راضی ہوں۔ البتہ! اسے آپ پر یہ غلبہ ضرور حاصِل ہے کہ آپ گناہوں میں مبتلا ہو جائیں۔

کافروں اور فاسقوں سے محبت کا انجام

اگر شیطان کو آپ پر ان جیسے اُمور میں غلبہ حاصِل ہو جائے یہاں تک کہ آپ فاسقوں سے مَحبَّت کرنے لگیں، انہیں اپنا دوست جانیں اور ان کے فسق پر ان کی (قول و فعل سے) مَدد کریں یا حرام کا اِرتِکاب کر کے اسے حلال جانیں یا اس پر راضی ہوں یا اسے دین کا حِصّہ سمجھیں تو دین آپ سے اس طرح جدا ہو جائے گا جس طرح دن رات سے جدا ہوتا ہے۔ آپ کا ایمان سے کوئی تعلق نہ رہے گا، نہ تھوڑا نہ زیادہ، اس لیے کہ یہ تمام باتیں ایمان کے حلقوں سے وابستہ ہیں۔ یعنی یہ تمام باتیں اور ایمان ایک ہی زمانے میں ملے ہوئے ہیں۔

کافروں اور فاسقوں کو دوست نہ بنانے سے متعلق چند آیاتِ مبارکہ

کیا آپ نے اللہ پاک کا یہ فرمانِ عالیشان نہیں سنا:

لَا یَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَۚ وَ مَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَیْسَ مِنَ اللّٰهِ فِیْ شَیْءٍ (پ ۳، اٰل عمران: ۲۸)

ترجمۂ کنز الایمان: مسلمان کافروں کو اپنا دوست نہ بنا لیں مسلمانوں کے سوا اور جو ایسا کرے گا اسے اللہ سے کچھ علاقہ (تعلق) نہ رہا۔

یا آپ کی سماعت سے یہ فرمانِ باری تعالیٰ نہیں ٹکرایا:

لَا تَتَّخِذُوا الْیَهُوْدَ وَ النَّصٰرٰۤى اَوْلِیَآءَ ﳕ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍؕ وَ مَنْ یَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْؕ (پ ۶، المآئدۃ: ۵۱)

ترجمۂ کنز الایمان: یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں اور تم میں جو کوئی ان سے دوستی رکھے گا تو وہ انہیں میں سے ہے۔

اسی طرح ایک مقام پر اِرشاد فرمایا:

لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَؕ اَتُرِیْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَیْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِیْنًا ﴿۱۴۴﴾ (پ ۵، النسآء: ۱۴۴)

ترجمۂ کنز الایمان: کافروں کو دوست نہ بناؤ مسلمانوں کے سوا کیا یہ چاہتے ہو کہ اپنے اوپر اللہ کے لیے صریح حُجت کر لو۔

مُراد یہ ہے کہ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اپنے اوپر اللہ پاک کے لیے صریح حجت کر لو کہ وہ تمہیں اور انہیں نارِ جہنّم میں جمع فرما دے۔

اسی طرح چند دیگر مقامات پر اس طرح ارشاد ہوتا ہے:

﴿1﴾ ← وَاِنَّ الظّٰلِمِیْنَ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ ۚ وَاللّٰهُ وَلِیُّ الْمُتَّقِیْنَ ﴿۱۹﴾ (پ۲۵، الجاثیۃ: ۱۹)

ترجمۂ کنز الایمان: اور بے شک ظالم ایک دوسرے کے دوست ہیں اور ڈر والوں کا دوست اللہ۔

﴿2﴾ ← وَكَذٰلِكَ نُوَلِّیْ بَعْضَ الظّٰلِمِیْنَ بَعْضًۢا بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ﴿۱۲۹﴾ (پ۸، الانعام: ۱۲۹)

ترجمۂ کنز الایمان: اور یونہی ہم ظالموں میں ایک کو دوسرے پر مسلّط کرتے ہیں بدلا اُن کے کیے کا۔

﴿3﴾ ← وَیَتَّبِعْ غَیْرَ سَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ (پ۵، النسآء: ۱۱۵)

ترجمۂ کنز الایمان: اور مسلمانوں کی راہ سے جُدا راہ چلے ہم اسے اس کے حال پر چھوڑ دیں گے اور اُسے دوزخ میں داخل کریں گے۔

مؤمنین و منافقین سے عہد

حدیثِ پاک میں ہے کہ سرکارِ مدینہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اِرشَاد فرمایا: بے شک اللہ پاک نے ہر مومن سے اس بات کا عہد لیا ہے کہ وہ ہر مُنَافِق سے بُغض رکھے اور ہر مُنَافِق سے عہد لیا ہے کہ وہ ہر مومن سے بُغض رکھے۔[1]

بروزِ قیامت ہر ایک اپنے محبوب کے ساتھ ہو گا

ایک مشہور حدیثِ پاک میں ہے کہ اللہ پاک کے پیارے حبیب صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اِرشَاد فرمایا: آدمی اسی کے ساتھ ہو گا جس سے مَحبَّت رکھے اور اس کے لیے وہی ہے جس کا اس نے گمان کیا۔[2]

ایک رِوایت میں مکی مَدَنی سرکار صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا فرمانِ عظمت نِشان ہے: جو دنیا میں کسی قوم سے مَحبَّت اور دوستی رکھے گا بروزِ قیامت انہی کے ساتھ (بارگاہِ خداوندی میں) آئے گا۔[3]

---

[1] ....مسلم، کتاب الایمان، باب الدلیل علی ان حب الانصار...الخ، ص ۵۵، حدیث: ۷۵، بتغیر
تاریخ بغداد، ۹/ ۳۴۸، الرقم: ۴۸۹۵ ضرار بن سھل الضراری، بتغیر

[2] ....بخاری، کتاب الادب، باب علامة الحب فی اللہ...الخ، ۴/ ۱۴۷، حدیث: ۶۱۶۸
الاصابة فی تمییز الصحابه، رقم: ۸۷۷۷ النعمان بن قوقل، ۶/ ۳۵۲

[3] ....معجم کبیر، ۳/ ۱۹، حدیث: ۲۵۱۹، بتغیر قلیل

حضور نبی پاک صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا فرمانِ عالیشان ہے: اِیمان کا سب سے مضبوط حلقہ (یعنی کڑا) **اللہ** پاک کے لئے مَحبّت کرنا اور **اللہ** پاک کے لئے بُغض رکھنا ہے۔[1]

حدیثِ پاک کی ایک توجیہہ

(صاحب کتاب حضرت سَیِّدُنا شیخ ابو طالب مکّی رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں:) اس فرمانِ عَظمت نِشان کے مفہوم میں ایک مخفی توجیہہ یہ ہے کہ اہلِ ایمان آپ سے مَحبّت کریں اور منافقین بُغض رکھیں تو یہ آپ کے اِیمان کے حلقے کی مضبوطی کی علامت ہے۔ کیونکہ مکی مَدَنی سرکار صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے اس فرمانِ عالیشان کی وجہ سے ممکن ہے منافقین آپ سے بُغض رکھنے لگیں جیسا کہ آپ ان سے بُغض رکھتے ہوں گے۔ گویا کہ آپ مومنین سے مَحبّت کریں گے تو وہ بھی آپ سے مَحبّت کریں گے اور منافقین سے نفرت کریں گے تو وہ بھی آپ سے نفرت کریں گے، یعنی آپ کا ان سے دُوری کا اِظْہار کرنا، ان کی دوستی اور خیر خواہی کو ترک کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ آپ کا اِیمان قوی ہے اور آپ کو کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی کوئی پروا نہیں، جیسا کہ **اللہ** پاک نے اپنے ان بندوں کے اَوصاف بیان کیے ہیں جن سے وہ مَحبّت کرتا ہے اور وہ اس سے مَحبّت کرتے ہیں۔ ایسا کرنا آپ کو مُدَاھَنَت (چاپلوسی و حق پوشی) اور نفاق سے دُور جبکہ ورع و اِخلاص کے قریب کر دے گا۔ جب آپ ان سے ایسا سُلُوک کریں گے تو وہ بھی آپ سے نفرت کرنے لگیں گے یا آپ پر ناراضی کا اِظْہار کریں گے۔ چنانچہ اسی مفہوم کو **اللہ** پاک نے قرآنِ کریم میں کچھ یوں بیان فرمایا ہے:

اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ ترجمۂ کنزالایمان: کافروں پر سخت ہیں اور آپس میں نرم دل۔ (پ۲۶، الفتح: ۲۹)

ایک مقام پر اِرشاد ہوتا ہے:

اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِیْنَ٘ ترجمۂ کنزالایمان: مسلمانوں پر نرم اور کافروں پر سخت۔ (پ۶، المآئدۃ: ۵۴)

جیسا کہ اپنے محبوب کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کو حکم اِرشاد فرمایا:

---

[1] ......مسند طیالسی، البراء بن عازب، ص ۱۰۱، حدیث: ۷۴۷

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً ؕ (پ ۱۱، التوبۃ: ۱۲۳)

ترجمۂ کنز الایمان: جہاد کرو ان کافروں سے جو تمہارے قریب ہیں اور چاہیے کہ وہ تم میں سختی پائیں۔

اللہ کے محبوب اور مبغوض بندے

حضرت سَیِّدُنا عیسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام سے مروی ہے کہ **اللہ** پاک اِرشاد فرماتا ہے: مجھے اپنے وہ بندے سب سے زیادہ پسند ہیں جو سحری کے وَقْت میرا ذکر کرتے ہیں اور فاجروں کو میرا مبغوض بناتے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ وہ ان سے بُغض کا اِظْہار کرتے ہیں اور عَدَاوت کا اِعلان کرتے ہیں تو وہ بھی ان سے بغض کرنے لگتے ہیں۔ چنانچہ جب یہ ان سے بُغض کرتے ہیں تو **اللہ** پاک کے مبغوض بن جاتے ہیں اور ان کے **اللہ** پاک کا مبغوض ہونے سے مُراد یہ ہے کہ **اللہ** پاک ان کے اپنے محبوب بندوں سے بُغض کرنے اور ان پر ناراض ہونے کو ان کی سزا کا سَبَب بنا دیتا ہے۔

حضرت سَیِّدُنا سفیان ثوری رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرمایا کرتے تھے کہ جب تو کسی شخص کو دیکھے کہ اس کے پڑوسی اس سے مَحَبَّت کرتے ہیں تو جان لو کہ وہ مُنَافِق ہے۔

حضرت سَیِّدُنا کعب الاحبار رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ نے عُلَمائے شام میں سے حضرت سَیِّدُنا ابوادریس خولانی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ سے پوچھا: آپ کا اپنی قوم میں مرتبہ کیسا ہے؟ تو انہوں نے عرض کی: وہ مجھ سے مَحَبَّت کرتے اور میری عزت کرتے ہیں۔ اس پر آپ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ نے اِرشاد فرمایا: تب تو تورات میرے قول کی تصدیق نہیں کرتی۔ انہوں نے عرض کی: تورات میں کیا ہے؟ اِرشاد فرمایا: میں نے تورات میں لکھا ہوا پایا ہے کہ نیکیاں کرنے اور نیکی کا حکم دینے والے عالم سے اس کے پڑوسی مَحَبَّت نہیں کرتے۔ اس پر حضرت سَیِّدُنا ابوادریس خولانی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ بولے: تورات نے آپ کی تصدیق کی ہے مگر میرے نفس نے مجھ سے جھوٹ بولا ہے، کیونکہ ایک عالم اپنے پڑوسیوں کو نیکی کا حکم دیتا اور برائی سے منع کرتا ہے اور انہیں گاہے گاہے نصیحت کرتا رہتا ہے مگر وہ اسے پسند نہیں کرتے۔

اللہ کا محبوب بندہ بننے کا طریقہ

کسی مرید کا قول ہے کہ میں نے ایک عارِف سے عرض کی: میں **اللہ** پاک سے حد درجہ غافل اور اس کی رضا کے کاموں کی طرف بہت کم متوجہ ہوتا ہوں، مجھے کوئی ایسا کام بتائیے جس پر عمل کرکے میں اپنے گزشتہ

اَعمال کی تلافی کر سکوں۔ اس عارِف نے اِرشَاد فرمایا: اے میرے بھائی! اگر تیرا **اللہ** پاک کے اَولیائے کِرام سے مَحبّت کرنا اور ان کے دلوں کے قریب ہونا ممکن ہے تو ضرور ایسا کر، ممکن ہے وہ بھی تجھ سے مَحبّت کرنے لگیں، اس لیے کہ **اللہ** پاک اپنے اَولیائے کِرام کے قلوب کی طرف ہر روز 70 بار نگاہِ کرم فرماتا ہے، ہو سکتا ہے کہ ان کے دلوں میں تیری مَحبّت کی وجہ سے وہ تیری طرف بھی نگاہِ کرم فرمادے۔ اس طرح تجھے دنیا و آخرت میں اپنی پناہ دے دے، کیونکہ تیرا شُمار ان بندوں میں نہیں ہوتا جن پر اس کی نگاہِ کرم براہِ راست ہو۔

اسی طرح منقول ہے کہ **اللہ** پاک اپنے اَولیائے کِرام یعنی صدیقین و شہدا رَحِمَہُمُ اللہ کے قلوب پر براہِ راست نگاہِ کرم فرماتا ہے، پھر ان لوگوں کے دلوں پر نگاہِ کرم فرماتا ہے جو اَولیائے کِرام کے دلوں میں بستے ہیں، اس کے بعد ان لوگوں کے دلوں میں بسنے والوں پر نگاہِ کرم فرماتا ہے۔

صاحبِ کتاب کے نزدیک حُصُولِ وِلایت کے اسباب

(صاحبِ کتاب حضرت سَیِّدُنا شیخ ابُو طالب مکّی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں) میرے نزدیک دین کی عَزیمت اور اہلِ ورع کا طریقہ یہی ہے کہ **اللہ** پاک کے دشمنوں سے بغض رکھا جائے اور بد عتی و ظالم لوگوں سے نفرت کی جائے تاکہ وہ بھی آپ سے بغض رکھیں اور آپ سے نفرت کریں، اس سے آپ کو قربِ الٰہی نصیب ہو گا جیسا کہ **اللہ** پاک کے اولیائے کرام کا آپ سے مَحبّت رکھنا اور آپ کا انہیں محبوب سمجھنا قرب کا باعث ہے۔ پس یہی وہ اسباب ہیں جو **اللہ** پاک کی وِلایَت کے حُصُول کے لیے درکار ہیں۔

فاجر کے احسان سے پناہ

مروی ہے کہ سرکارِ مدینہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے یہ دُعا مانگی: اے **اللہ** پاک! کسی فاجر شخص کو مجھ پر احسان کرنے والا نہ بنانا کہ میرا دل اسے پسند کرنے لگے۔[1]

فاجر کا تحفہ قبول نہ کرو

کسی حاکم نے حضرت سَیِّدُنا ابو ہریرہ رَضِیَ اللہُ عَنْہ کی خِدْمَت میں ہزار دینار اور 10 کپڑے (تحفۃً) بھیجے مگر آپ نے قبول نہ فرمائے اور اِرشَاد فرمایا: میں اس شخص کا مال قبول نہیں کرتا جو ایسا مال کمائے جو اس کے لیے

[1]......شرح اصول اعتقاد اھل السنۃ والجماعۃ للالکائی، ۱/ ۱۳۵، حدیث: ۲۷۵، "فاجر" بدلہ "صاحب بدعۃ"

حلال نہیں اور پھر اسے ناحق جگہ خرچ کرے۔ ایک رِوایَت میں بھی اسی طرح مروی ہے کہ رسولِ اَکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اِرشاد فرمایا: فاجر کا تحفہ اسے لوٹا دو، وہ یہ نہ سمجھ بیٹھے کہ تم اس کے عَمَل پر راضی ہو۔[1]

گناہوں میں کسی کی مدد کرنا

اس مُعامَلے میں آپ کے لیے کم از کم صورت یہ ہے کہ آپ زہد اپنالیں کہ یہ دین کے دروازوں میں سے ایک بہت بڑا دروازہ ہے کیونکہ کسی کو ظاہری طور پر خوش کرنا اور اس کے گناہوں میں اس کی مَدَد کرنا دنیا کے بہت بڑے دروازے ہیں، اس لیے کہ اس کے ذریعے دنیاداروں کا عیش و آرام کمال کو پہنچ جاتا ہے اور یہ مکی مَدَنی سرکار صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے اس فرمانِ عالیشان "مَحبَّت و نفرت **اللہ** پاک کے لیے ہے"[2] کا ایک دوسرا مفہوم ہے۔ یہ اگرچہ ایک دقیق مفہوم ہے جس سے مُراد یہ ہے کہ جب جلی و ظاہر کا اِظہار ہوا تو عُلَمائے آخرت نے اس کے وُجُود کو پالیا کیونکہ یہ ان کے اِختیار کردہ راستے کا زادِ راہ تھا، مگر عُلَمائے دنیا اسے نہ پاسکے کیونکہ دنیا سے مَحبَّت کی بنا پر انہیں اسے پانے کی قدرت حاصل نہ تھی۔

نفاق کی دو علامتیں

جو لوگ فاسقوں سے مَحبَّت رکھتے، ان میں خود کو محفوظ پاتے، ظالموں کے ظلم کے ڈر کی وجہ سے حق پوشی کرتے اور ان کی پیروی کرتے ہیں **اللہ** پاک نے ایسے لوگوں کے ان اَوصاف کو نفاق کی دو علامتیں قرار دیا ہے۔ چنانچہ پہلے وصف کے مُتعلّق اِرشاد فرمایا:

سَتَجِدُوْنَ اٰخَرِیْنَ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّاْمَنُوْكُمْ وَ یَاْمَنُوْا قَوْمَهُمْؕ كُلَّمَا رُدُّوْۤا اِلَى الْفِتْنَةِ اُرْكِسُوْا فِیْهَاۚ

(پ ۵، النسآء: ۹۱)

ترجمۂ کنزالایمان: اب کچھ اور تم ایسے پاؤ گے جو یہ چاہتے ہیں کہ تم سے بھی امان میں رہیں اور اپنی قوم سے بھی امان میں رہیں جب کبھی ان کی قوم انہیں فساد کی طرف پھیرے تو اس پر اوندھے گرتے ہیں۔

---

[1] ....آداب الملوک، الباب الثامن والاربعون فی الھدایا، ص ۱۲۵۔نوٹ: دار الکتب العلمیۃ

سلوۃ العارفین، باب الحب فی اللہ، ص ۷۔نوٹ: دار الکتب العلمیۃ

[2] ....مسند طیالسی، البراء بن عازب، ص ۱۰۱، حدیث: ۷۴۷

دوسرے وصف کے مُتعلّق یوں اِرشاد فرمایا:

فَتَرَى الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يُّسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ (پ۶، المآئدۃ:۵۲)

ترجمۂ کنز الایمان: اب تم انہیں دیکھو گے جن کے دلوں میں آزار (بیماری) ہے کہ یہود و نصاریٰ کی طرف دوڑتے ہیں۔

مُراد یہ ہے کہ تم منافقین کو دیکھو گے کہ وہ کافروں کے پاس چھپ کے جاتے ہیں اور کہتے ہیں:

يَقُوْلُوْنَ نَخْشٰۤى اَنْ تُصِيْبَنَا دَآئِرَةٌ ؕ (پ۶، المآئدۃ:۵۲)

ترجمۂ کنز الایمان: کہتے ہیں ہم ڈرتے ہیں کہ ہم پر کوئی گردش آجائے۔

یعنی ہمیں اس بات کا ڈر ہے کہ کافر مسلمانوں پر غالب نہ آجائیں۔ چنانچہ **اللہ** پاک نے ایسے لوگوں کو اِرشاد فرمایا:

فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَ بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ (پ۶، المآئدۃ:۵۲)

ترجمۂ کنز الایمان: تو نزدیک ہے کہ **اللہ** فتح لائے یا اپنی طرف سے کوئی حکم۔

اہلِ سُنّت سے محبت کی علامت

جو شخص اہلِ ایمان اور اہلِ سُنّت پر بھروسا کرے اور ان سے مَحبّت رکھے اسے چاہئے کہ وہ منافقین اور بدعتی لوگوں (یعنی بدمذہبوں اور گمراہوں) کے مُعَاملے میں ڈرتا رہے اور ان سے نفرت کرے، نیز جو شخص اہلِ ایمان کی پیروی میں جلدی کرتا ہے اسے چاہئے کہ وہ ظالم لوگوں کی چاپلوسی کرنے اور ان کی پیروی کرنے سے دُور رہے یہاں تک کہ اس کا ایمان نفاق سے پاک ہو جائے اور وہ راہِ حق پر گامزن ہو کر گمراہی سے محفوظ ہو جائے۔ اس لیے کہ **اللہ** پاک نے اس شخص کے ایمان کی نفی فرمائی ہے جو اس کے دشمنوں سے مَحبّت کرے اور اس شخص کے ایمان و یقین کی تائید و تصدیق فرمائی ہے جو اس کے دشمنوں سے نفرت کرے۔ چنانچہ اِرشاد فرمایا:

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ (پ۲۸، المجادلۃ:۲۲)

ترجمۂ کنز الایمان: تم نہ پاؤ گے ان لوگوں کو جو یقین رکھتے ہیں **اللہ** اور پچھلے دن پر کہ دوستی کریں ان سے جنھوں نے **اللہ** اور اس کے رسول سے مخالفت کی۔

رضا کا تیسرا غلط مفہوم

جو جاہل یہ کہتا ہے کہ رضا کا تعلق بسا اوقات اس کے یا دیگر لوگوں کے گناہوں سے بھی ہو سکتا ہے جیسا کہ اس کا تعلق نیکیوں سے ہے تو اس طرح درحقیقت وہ گناہوں اور **اللہ** پاک کی نافرمانی کو اس کی قربت قرار دے رہا ہوتا ہے اور (اپنے اس لغو خیال کے مُطابِق) ان دونوں باتوں کو یکساں سمجھتا ہے۔ حالانکہ یہ صورت انبیائے کِرام کی شریعتوں کو منہدم کرنے، **اللہ** پاک کی بیان کردہ حلال و حرام کی تفصیل کو باطل قرار دینے اور اس کے اَوَامِر و نَوَاہی کو جھٹلانے کے مُتَرادِف ہے۔ چنانچہ،

بری باتوں کی پیروی کرنے والا شخص

ایک حدیثِ پاک میں مروی ہے کہ سرورِ کائنات صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اِرشَاد فرمایا: **اللہ** پاک کے نزدیک اس شخص کا مرتبہ سب سے بدتر ہے جو مومن کی بری بات کی پیروی کرے اور نیکی کو چھوڑ دے۔[1] کسی عالم کا قول ہے کہ جس نے عُلَمائے کرام کی شاذ باتوں پر عَمَل کیا گویا اس نے بدترین برائی پر عَمَل کیا۔

نیک یا برا کام کرنے پر کیا کہنا چاہئے؟

نیک کاموں کے مُعَامَلہ میں حُسْنِ اَدَب یہ ہے کہ جب آپ کوئی نیک کام کریں تو بارگاہِ خداوندی میں یوں عرض کیجئے: اے میرے مالِک! تو نے مجھ سے یہ کام کروایا اور میں نے تیری عطا کردہ قوت و طاقت اور حُسْنِ توفیق سے تیری فرمانبرداری کی، کیونکہ میرے اعضاء تیرے لشکر ہیں۔ اسی طرح اگر کوئی برا کام کر بیٹھے تو یوں عرض کرے: اے میرے مالِک! میں نے اپنی جان پر ظلم کیا ہے اور میں نے اپنی نفسانی خواہش و شہوت کی بنا پر اپنے اعضاء سے یہ جرم کیا ہے، یہ میری بری صفات ہیں۔

اس کے بعد یہ یقین رکھئے کہ اس مُعَاملے میں **اللہ** پاک کا جو بھی فیصلہ تھا وہ اس کی قدرت و مشیّت سے نافذ ہو گا۔ اس طرح دونوں صورتوں میں آپ اپنے رب کی مرضی کی مُوَافَقت کریں گے اور دونوں حالتوں میں قول و عقیدہ کے ساتھ اس کی مرضی پر عَمَل کرنے والے ہوں گے، آپ سے نیک اَعمال میں خود پسندی کی

---

[1] ......جزء فیہ احادیث لابی علی الحسن بن موسی الاشیب، ص ۷۴، حدیث: ۲۱

نفی ہو جائے گی اور جان پر ظلم کر بیٹھنے کی صورت میں آپ کا اپنے نفس پر ناراض ہونا اور اپنے ظلم کا اِعْتِراف کرنا بھی دُرُسْت ہو گا۔ مگر جاہل پر یہ مُشاہَدہ بسا اوقات بر عکس صورت اِخْتِیار کر جاتا ہے، یعنی جب وہ کوئی نیک عَمَل کرتا ہے تو اپنے نفس کی جانِب دیکھتا ہے اور اسے اپنی قوت و طاقت خیال کرتا ہے، یوں تکبر کے باعث ہلاک ہو جاتا ہے اور اس کا عَمَل خود پسندی کے سَبَب برباد ہو جاتا ہے اور جب کوئی بُرا عَمَل کرتا ہے تو اپنے گناہ کا اِعْتِراف کرتا ہے نہ اپنے نفس پر ظلم کا اِقرار کرتا ہے، لہٰذا اس کی توبہ دُرُسْت ہوتی ہے نہ اسے اپنے عَمَل پر رضائے خداوندی حاصِل ہوتی ہے۔

ہم گمراہوں کے مُشاہَدے سے **اللہ** پاک کی پناہ مانگتے ہیں۔ (اٰمین)

نیک و بد عَمَل میں حُصُولِ رضا کی صورت

حضرت سَیِّدُنا ابو محمد سہل تُسْتَری رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں: بندہ جب کوئی نیکی کر کے یہ کہتا ہے کہ اے میرے رب! تو نے مجھے اس پر عَمَل کی توفیق عطا فرمائی تو **اللہ** پاک اس کا یہ عَمَل اس کے شکرانے کے طور پر قبول فرمالیتا ہے اور اِرشَاد فرماتا ہے کہ تو نے واقعی عَمَل کیا۔ مگر جب بندہ اپنے نفس کی جانِب دیکھ کر کہے کہ میں نے یہ کام کیا ہے تو **اللہ** پاک اِرشَاد فرماتا ہے: نہیں! بلکہ میں نے تجھے اس کام کی توفیق دی۔ اسی طرح جب بندہ کوئی بُرا عَمَل کر کے کہے کہ اے میرے مالِک! میں نے ایسا تیری لکھی گئی تقدیر اور ارادے سے کیا تو **اللہ** پاک اِرشَاد فرماتا ہے: تو نے (اپنی جان پر) ظلم کیا اور اپنی شہوت و نفسانی خواہش کی بنا پر نافرمانی کی۔ لیکن اگر بندہ یوں کہے کہ اے میرے مالِک! میں نے اپنی جان پر ظلم کیا اور اپنی جَہالَت کی بنا پر تیری نافرمانی کا مُرتکِب ہوا تو **اللہ** پاک اس سے حیا کرتا ہے اور اِرشَاد فرماتا ہے: نہیں! بلکہ یہ میری قضا و تقدیر سے ہوا ہے اور میں نے تجھے اپنی جان پر ظلم کا اِعْتِراف کرنے کے سَبَب بخش دیا۔

آدابِ معرفت

یہ عاملین و عابدین کے آداب اور عُلَمائے کِرام کے مُشاہَدات ہیں جو تاجدارِ رسالت صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے اس فرمانِ عالیشان میں شامِل ہیں: تم میں سب سے زیادہ اپنے رب کی مَعْرِفَت رکھنے والا وہ ہے جو سب سے زیادہ اپنے نفس کی مَعْرِفَت رکھتا ہے۔

اسی طرح لوگ بھی اس شخص کو پسند کرتے ہیں جو اِعْتِراف وتَواضُع سے کام لے۔ نیز یہ **اللہ** پاک کے درج ذیل فرمانِ عالیشان کی تفسیر میں منقول مَعانی ومفاہیم کی ایک صورت ہے:

وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَیِّئًا (پ ۱۱، التوبۃ: ۱۰۲)

ترجمۂ کنزالایمان: اور کچھ اور ہیں جو اپنے گناہوں کے مُقِر (اقراری) ہوئے اور ملایا ایک کام اچھا اور دوسرا بُرا۔

منقول ہے کہ اس سے مُراد بُرے عَمَل کے فوراً بعد گناہ کا اِعْتِراف کرنا ہے، جیسا کہ پہلے تذکرہ ہو چکا ہے، گویا گناہ کے بعد نیکی کرنا گناہ کا اِعْتِراف کرنا ہے۔

ایک حدیثِ پاک اور اس سے ماخوذ چار مَدَنی پھول

ابھی گزشتہ صفحات میں یہ حدیثِ پاک بیان ہوئی ہے کہ **اللہ** پاک کے پیارے حبیب صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اِرشَاد فرمایا: جس نے دین میں اپنے سے بالاتر شخص کی طرف اور دنیا میں اپنے سے کم تر کی طرف دیکھا **اللہ** پاک اسے صابر و شاکر لکھ دیتا ہے اور جو دین میں اپنے سے کم تر کی طرف اور دنیا میں اپنے سے بالاتر کی طرف دیکھے اسے صابر لکھتا ہے نہ شاکر۔[1]

اس رِوایَت سے چار باتیں معلوم ہوتی ہیں، جو ان میں غور و فکر کرے گا انہیں پالے گا کیونکہ وہ متقدمین کی سیرت پر عَمَل کے باعث ان باتوں کو اپنی آنکھ سے دیکھے گا یا اپنے دل سے۔ چنانچہ،

﴿1﴾ جو شخص دنیا میں اپنے سے بالاتر شخص کی طرف دیکھ کر اپنے حال پر **اللہ** پاک کا شکر ادا کرے اور اس کے عطا کردہ رزق پر قَناعَت کرے تو وہ صابر و شاکر ہو گا کیونکہ وہ اس بات کی مَعْرِفَت رکھتا ہے جس پر اس نے قَناعَت کی اور زائد مال کے دُور ہونے پر راضی رہا۔

﴿2﴾ دینی مُعَاملے میں اپنے سے بالاتر کی طرف دیکھ کر نیکیوں میں جلدی کرے گا کیونکہ وہ خود کو ان نیکیوں کے لیے آمادہ پائے گا اور یوں اسے نیک اَعمال اور اچھے کاموں کی بجا آوری پر ترغیب ملے گی۔ جس کا سب سے کم فائدہ اسے یہ حاصِل ہو گا کہ وہ نفس کی کوتاہی و سستی پر ناراض ہو گا اور اسے بُرا بھلا کہے گا۔

---

[1] ...... ترمذی، کتاب صفۃ القیامۃ والرقائق والورع، باب رقم: ۵۸، ۴/ ۲۲۹، حدیث: ۲۵۲۰

پھر دوسرے دو اُمور پر ایک نئے انداز سے غور کرے گا:

﴿3﴾ دنیا میں اپنے سے کم تر بھوکے و حاجت مند شخص کی طرف دیکھے گا تو اللہ پاک کی حمد و ثنا بیان کرے گا کہ اس نے اس پر فضل فرمایا اور اسے ایسی حالت سے بچایا، نیز اس کی نعمت کا شکر ادا کرے گا کہ اس نے اس پر اپنے اِحسان کا فضل فرمایا اور اس کی کفایت فرمائی۔

﴿4﴾ پھر دوسرے مفہوم کے اِعتبار سے جب دینی مُعاملے میں اپنے سے کم تر کسی فاجر و ظالم اور بدعتی و گمراہ شخص کو دیکھے گا تو اللہ پاک کے فضل و کرم پر خوش ہو گا اور اس بات پر اپنے رب کا شکر ادا کرے گا کہ اس نے اسے حُسنِ اسلام کی توفیق دی، مذکورہ لوگوں کی طرح اسے آزمائش میں مبتلا نہیں کیا۔ لہٰذا یہ بھی صابر و شاکر ہو گا۔

رشک کس پر جائز ہے؟

(صاحب کتاب فرماتے ہیں:) اس طرح اللہ پاک کے بصیرت اور عبرت عطا فرمانے کی وجہ سے لوگوں کے ان چار طبقات میں بندے کے لیے چار مُعاملات ہوں گے۔ جس کی تائید ہماری ذکر کردہ اس رِوایت سے بھی ہوتی ہے کہ حسد (بمعنی رشک) صِرف دو قسم کے بندوں میں ہی جائز ہے:

﴿1﴾ وہ شخص جسے اللہ پاک حِکمت و دانائی کی دولت سے مالا مال فرمائے تو وہ اسے لوگوں میں پھیلائے اور انہیں بھی دانائی کی باتیں سکھائے۔

﴿2﴾ وہ شخص جسے اللہ پاک مال و دولت کی فراوانی عطا فرمائے تو وہ اسے راہِ حق میں خرچ کرنے پر لگا دے۔[1] ایک رِوایت میں یہ الفاظ ہیں: وہ شخص جسے اللہ پاک قرآنِ کریم عطا فرمائے تو وہ رات دن اس کی تلاوت کرتا رہے۔

اب اگر کوئی شخص ان لوگوں کو دیکھ کر یوں عرض کرے: اگر اللہ پاک مجھے بھی وہی نعمت عطا فرمائے جو اسے دی ہے تو میں بھی ویسا ہی کروں جیسا یہ کر رہا ہے۔[2] تو اس صُورت میں نیک اَعمال پر حسد (یعنی

[1] ......مسلم، کتاب صلاة المسافرین، باب فضل من یقوم بالقرآن... الخ، ص ۴۰۷، حدیث: ۱۸۱۲، بتغیر قلیل

[2] ......بخاری، کتاب التمنی، باب تمنی القرآن والعلم، ۴/ ۴۸۵، حدیث: ۷۲۳۲

رشک) مستحب ہے اور **اللہ** پاک کو جو نیک اَعمال پسند ہیں ان میں حسد کرنے والوں کے لیے فضیلت ہے۔ چنانچہ جس نے ایسے کاموں پر کسی سے حسد کیا تو یہ اس کے رشک اور طَلَبِ خیر کے باعث اس کے مَقامِ رضا میں زِیادَتی کا سَبَب ہو گا۔

غفلت و جہالت کے غلبہ کے اثرات

جس شخص پر یہ مَعانی و مَفاہیم الٹ ہو جائیں تو وہ اُمُور کے انجام سے آگاہ نہیں ہوتا، بلکہ اس پر غفلت غالِب ہوتی ہے اور جہالَت اس کا اِحاطہ کیے ہوتی ہے، لہٰذا وہ دنیا میں اپنے سے بالاتر کی طرف دیکھ کر اس کے حال پر رشک کرے گا یا اس کی جگہ پر فائز ہونے کی تمنا کرے گا یا اس کی جانِب دیکھنے سے خود پر **اللہ** پاک کی نعمتوں کو معمولی خیال کرے گا اور **اللہ** پاک نے اس کی قسمت میں جو لکھا ہے اس کے کم ہونے کو عیب جانے گا۔ پھر دین میں اپنے سے کم تر کسی عام مومن کو دیکھ کر اپنے دَرَجات کی کمی پر راضی ہو جائے گا اور اپنے دَرَجات میں کمی کا کوئی عذر و حجت بیان کر کے نیک کاموں کی طرف جلدی کرنے سے باز رہے گا۔ عین ممکن ہے کہ وہ خود پسندی و تکبر میں مبتلا ہو جائے یہاں تک کہ خود کو اپنے حال کی بنا پر اس عام مومن سے اَفضل سمجھنے لگے یا اپنے نفس کے اَعمال پر نگاہ رکھے کہ کوئی اور اس جیسا کام کرنے سے قاصِر ہے، چنانچہ اس صورت میں اسے لکھا جائے کہ وہ صبر سے گھبرانے والا اور کُفرانِ نعمت (یعنی نعمت کی ناشکری) کا مُرتَکِب ہے کیونکہ وہ صابر ہے نہ شاکر۔ یہ منافقین کے اَوصاف ہیں جو کہ ہلاک ہونے والوں کا مقام ہے، اس لیے کہ صبر و شکر مومنین کی صفات اور متقین کا حال ہیں۔

اہلِ بغداد کے متعلق بزرگانِ دین کی کچھ باتیں

(صاحبِ کتاب حضرت سَیِّدُنا شیخ ابُو طالِب مَکّی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں) مذکورہ جو باتیں بیان ہوئی ہیں ان کی مثل باتیں بغداد شہر[1] کے لوگوں کے اوصاف بتائی جاتی ہیں۔ چنانچہ،

---

[1]......لوگوں کو گناہوں سے نفرت دلانے کے لیے گناہوں کے اسباب اور ان مقامات کی برائی بیان کرنا جہاں برائیاں جڑ پکڑ چکی ہوں، مذمُوم نہیں بلکہ قابلِ صد تحسین ہے اور سلف صالحین ہمیشہ سے ایسے اسباب اور جگہوں کی نشاندہی کرتے رہے ہیں۔ صاحبِ کتاب حضرت سَیِّدُنا شیخ ابُو طالِب مَکّی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ نے بھی یہاں جو بحث ذکر کی ہے اس سے

سیدنا عبد اللہ بن مبارک کی نظر میں اہلِ بغداد کی حالت

حضرت سیِّدُنا عبد اللہ بن مُبارَک رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں کہ میں مشرق و مغرب گھوما مگر بغداد سے بُرا کوئی شہر نہیں دیکھا۔ عرض کی گئی: وہ کیسے؟ اِرشَاد فرمایا: اس شہر میں اللہ پاک کی نعمتوں کو حقیر اور مَعْصِیَّت کو معمولی سمجھا جاتا ہے۔

یونہی جب آپ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ خُراسان تشریف لائے تو عرض کی گئی: آپ نے بغداد کے لوگوں کو کیسا پایا؟ اِرشَاد فرمایا: میں نے وہاں پر یا تو سپاہی کو دیکھا کہ حالتِ غضب میں ہے یا تاجر کو دیکھا کہ حسرت اور افسوس کر رہا ہے یا پھر قاری کو دیکھا کہ حیرت زدہ ہے۔

منقول ہے کہ حضرت سیِّدُنا ابن مبارک رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ (حج پر روانگی کے وقت) مکہ مکرمہ کی طرف کوچ کرنے تک بغداد میں اپنے قیام کی وجہ سے ہر روز ایک دینار صدقہ کیا کرتے۔ (صاحبِ کتاب حضرت سیِّدُنا شیخ ابو طالب مکّی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں) مجھے یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ آپ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ 16 دینار تک صدقہ کیا کرتے تھے۔

سیدنا امام شافعی کی بغداد کے متعلق رائے

حضرت سیِّدُنا امام شافعی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ نے بغداد کے اوصاف بیان کرتے ہوئے اِرشَاد فرمایا کہ بغداد ہی دنیا ہے۔ ایک رِوایَت میں ہے کہ آپ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ نے اِرشَاد فرمایا: تمام دنیا ایک دیہات کی طرح ہے اور بغداد اس دنیا کا شہر ہے۔

حضرت سیِّدُنا یونس بن عبد الاعلیٰ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے حضرت سیِّدُنا امام شافعی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ نے فرمایا: اے یونس! کیا تو نے بغداد دیکھا ہے؟ میں نے عرض کی: نہیں۔ تو اِرشَاد فرمایا: تو نے دنیا دیکھی ہے نہ لوگ۔

مقصود شہر بغداد کی مَذَمَّت بیان کرنا نہیں بلکہ اپنے دور کے اہلِ بغداد کی ابتر حالت ذکر کرنا ہے۔ حالانکہ اس شہر کی عَظَمَت کے مُتَعَلِّق حضرت سیِّدُنا علامہ سید محمد بن محمد حسینی زَبِیدی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ نے حضرت سیِّدُنا معروف کرخی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ کا جو یہ قول اپنی کتاب **اتحاف السادۃ المتقین** میں نقل کیا ہے ہی کافی ہے۔ آپ فرماتے ہیں: مجھے تو بغداد میں مرنے کا حکم دیا گیا ہے کیونکہ اس شہر کے نیک لوگ سچے ابدالوں میں سے ہیں۔ (اتحاف السادۃ المتقین، ۱۲/ ۵۲۱)

عراق مصیبت کی جگہ ہے

ایک جماعت نے عراق کی بھی مَذَمَّت کی ہے جن میں حضرت سیِّدُنا عمر بن عبد العزیز اور حضرت سیِّدُنا کعب الاحبار رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِمَا بھی شامل ہیں۔ چنانچہ،

حضرت سیِّدُنا عمر بن عبد العزیز رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْه سے مروی ہے کہ ایک بار آپ نے اپنے ایک آزاد کردہ غلام سے پوچھا: کہاں رہتے ہو؟ اس نے عرض کی: عراق میں۔ اِرشاد فرمایا: وہاں کیا کر رہے ہو! مجھے معلوم ہوا ہے کہ جو عراق میں رہتا ہے اس کے لیے کوئی مصیبت مقدر کر دی جاتی ہے۔

حضرت سیِّدُنا کعب الاحبار رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْه نے ایک دن عراق کا ذکر کرتے ہوئے اِرشاد فرمایا: وہاں بُرائی کے 10 حصّوں میں سے نو حصّے ہیں اور وہاں لاعلاج بیماری ہے۔

حد درجہ برائیوں والے شہر میں رہنے کا حکم

جو شخص کسی ایسے شہر میں رہائش اِختیار کرے جہاں حد درجہ برائیاں ہوں اور کھلم کھلا گناہوں کا اِرتِکاب ہوتا ہو تو وہ اس شہر میں پریشان رہے گا اور مطمئن نہ ہو گا، وہاں سے نکلنے کے لیے اسے **اللہ** پاک کی طرف راغب ہونا پڑے گا تاکہ وہ اس کے لیے کوئی اچھی راہ پسند فرمائے۔ لیکن اگر وہ اس شہر میں رہنے پر مجبور ہو، اس وجہ سے کہ اس کا خاندان بہت بڑا ہے اور وہ وہاں سے نکلنے کا کوئی حیلہ پاتا ہے نہ اسے کوئی اور طریقہ معلوم ہے، مگر اسے اپنے دین کی سلامتی کا قطعی یقین ہے تو وہ **اللہ** پاک کے فضل و کرم کے باعث اس کے ہاں معذور ہے، نیز وہ اس شخص کے مقابلے میں معافی و سلامتی کے زیادہ قریب ہے جو اس شہر میں رہنے پر رشک کرے اور اپنے حال پر مطمئن و راضی ہو یا اس کا وہاں قیام خواہشِ نفس کی بنا پر ہو یا وہ اس شہر میں مختلف اَسبابِ فتنہ اور دنیا کی وجہ سے رہائش اِختیار کیے ہو۔

کس شہر سے نکلنا واجب ہے؟

فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِیْهَا ؕ (پ۵، النسآء: ۹۷)

ترجمۂ کنزالایمان: کیا **اللہ** کی زمین کشادہ نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کرتے۔

اس آیتِ مُبارَکہ کی تفسیر میں ہے کہ جب آپ کسی ایسے شہر میں ہوں جہاں گناہوں کا اِرْتِکاب ہوتا ہو تو وہاں سے نکل کر کسی دوسرے شہر میں چلے جائیں۔ ایک قول میں ہے کہ جب بندہ کسی ایسے شہر میں ہو جہاں کے دین دار اور نیکوکار لوگ اگرچہ بہت کم بُری باتوں اور نافرمانیوں کے مُرتکِب ہوں مگر ان باتوں کو بُرا نہ سمجھا جاتا ہو تو وہاں سے نکلنا واجب ہے۔

شہر نہ چھوڑنے کی رخصت مگر کس کو؟

(ہجرت کے حکم کے بعد ہجرت نہ کر سکنے والے) کمزور لوگوں نے بارگاہِ خداوندی میں اپنا عذر پیش کیا اور اپنے مُعاملے پر مُعافی کی اُمّید کا اِظْہار کیا، جسے اللہ پاک نے یوں بیان فرمایا ہے:

وَالْمُسْتَضْعَفِیْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْیَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَاۚ

ترجمۂ کنز الایمان: اور کمزور مردوں اور عورتوں اور بچوں کے واسطے جو یہ دعا کر رہے ہیں کہ اے رب ہمارے ہمیں اس بستی سے نکال جس کے لوگ ظالم ہیں۔

(پ۵، النسآء: ۷۵)

ایک مقام پر ان لوگوں کے اوصاف اور انہیں دوسروں سے مُستَثْنیٰ قرار دیتے ہوئے اِرشَاد فرمایا:

لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ حِیْلَةً وَّلَا یَهْتَدُوْنَ سَبِیْلًاۙ﴿۹۸﴾ فَاُولٰٓىٕكَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ یَّعْفُوَ عَنْهُمْؕ (پ۵، النسآء: ۹۸، ۹۹)

ترجمۂ کنز الایمان: جنہیں نہ کوئی تدبیر بن پڑے نہ راستہ جانیں تو قریب ہے کہ اللہ ایسوں کو معاف فرمائے۔

رضا کی پہلی سیڑھی

رضا تمام نفسانی خواہشات سے چھٹکارا پائے بغیر دُرُست نہیں ہوتی اور اس کی ابتدا قناعَت سے ہوتی ہے۔

بندہ قناعت والا کب کہلاتا ہے؟

کسی عارِف کا قول ہے کہ بندہ قناعَت والا اس وَقْت ہی کہلاتا ہے جب اس کے دروازے پر ایسی فراخی و نعمت آئے جس کی خواہش دنیادار رکھتا ہے تو وہ اس کی طرف نگاہ بھی نہ اٹھائے، بلکہ اپنے حال پر قناعَت

کرتے ہوئے دروازہ تک نہ کھولے۔

رضا کی دلیل

برائیوں اور نفسانی خواہشات سے بچنا رضائے خداوندی پر راضی رہنے والے شخص کا حال ہے جو اس پر ظاہری نعمت ہے۔ جبکہ رحمت **اللہ** پاک کی رضا کی ابتدا ہے۔ جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْؕ (پ ۱۳، یوسف: ۵۳)

ترجمۂ کنزالایمان: بے شک نفس تو برائی کا بڑا حکم دینے والا ہے مگر جس پر میرا رب رحم کرے۔

دوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

لَا عَاصِمَ الْیَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَۚ (پ ۱۲، ھود: ۴۳)

ترجمۂ کنزالایمان: آج **اللہ** کے عذاب سے کوئی بچانے والا نہیں مگر جس پر وہ رحم کرے۔

معلوم ہوا **اللہ** پاک کی طرف سے کسی بندے کا گناہوں سے محفوظ رہنا اس پر **اللہ** پاک کی رحمت کی دلیل ہے، پھر یہ رحمت بندے کو مقامِ محبّت میں داخل کر دیتی ہے اور اس وقت یہ محبوبین کی رحمت کہلاتی ہے۔ اس کے بعد محبّت بندے کو رضا تک بلند کرتی ہے اور یوں محبّت مُشاہدۂ محبوب کی سعادت ملنے کے باعث اس کا مقام بن جاتی ہے اور باقی تمام اُمور کے تصرفات میں رضا اس کا حال بن جاتی ہے۔

یہ کتاب الرضا کا اختتام ہے۔

❀❀ ❀❀ ❀❀

اللہ، رسول اور اہلبیت کی محبت میں ترتیب

حضرت سیِّدُنا عبدُ اللہ بن عباس رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: اَحِبُّوا اللّٰهَ لِمَا يَغْذُوْكُمْ بِهٖ مِنْ نِعَمِهٖ وَاَحِبُّوْنِيْ لِحُبِّ اللّٰهِ وَاَحِبُّوْا اَهْلَ بَيْتِيْ لِحُبِّيْ یعنی **اللہ** پاک سے محبت کرو کیونکہ وہ تمہیں اپنی نعمتیں کھلاتا ہے اور محبتِ الٰہی کے لئے مجھ سے محبت کرو اور میری محبت کے لئے میرے اہلِ بیت سے محبت کرو۔ (ترمذی، ۵/ ۴۳۴، حدیث: ۳۸۱۴۔ مستدرک حاکم، ۳/ ۱۳۱، حدیث: ۴۷۷۰)

مقاماتِ یقین کانواں مقام

مقامِ مَحبّت کے اَحکام اور اَہلِ مَحبّت کے اَوصاف کا بیان

اہلِ محبت ہونا فضلِ خداوندی ہے

مَحبّت مقاماتِ عارفین میں سب سے اعلیٰ مقام ہے، دراصل یہ **اللہ** پاک کی جانب سے اس کے مخلص بندوں پر خاص کرم اور فَضلِ عظیم ہے۔ چنانچہ عظیم الشان قدرت کے مالک ہمارے پروردگار کا فرمانِ ہے:

يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ (پ۶، المآئدۃ: ۵۴) ترجمۂ کنزالایمان: وہ **اللہ** کے پیارے اور **اللہ** ان کا پیارا۔

ایک مقام پر اِرشاد ہوتا ہے:

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ (پ۶، المآئدۃ: ۵۴) ترجمۂ کنزالایمان: یہ **اللہ** کا فضل ہے جسے چاہے دے۔

یہ خبر ہے جس کا مبتدا مفہوم کے اعتبار سے پہلی آیتِ مُبارکہ ہے، کیونکہ **اللہ** پاک نے اہلِ مَحبّت مومنین کا یہ وصف بیان فرمایا ہے کہ وہ اس کے فضل و کرم سے مَحبّت کے پیکر ہیں اور ان دونوں (یعنی مبتدا و خبر) کے درمیان جس قدر معترضہ کلام ہے وہ حقیقت میں محبوبین کی صِفت ہے۔

محبوب کی شان

اللہ پاک کے پیارے حبیب صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا فرمانِ عَظمت نِشان ہے: **اللہ** پاک کی شان یہ نہیں کہ وہ اپنے محبوب بندے کو آگ کے عذاب میں مبتلا کرے۔[1] چنانچہ **اللہ** پاک نے اپنے محبوب صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے قول کی صداقت میں محض مَحبّت کا دعویٰ کرنے والوں کو جھٹلاتے ہوئے اور ان پر حجت قائم کرتے ہوئے اِرشاد فرمایا:

قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ؕ (پ۶، المآئدۃ: ۱۸) ترجمۂ کنزالایمان: تم فرمادو پھر تمہیں کیوں تمہارے گناہوں پر عذاب فرماتا ہے بلکہ تم آدمی ہو اس کی مخلوقات سے۔

---

[1] ......مسند احمد، مسند انس بن مالک، ۴/ ۲۰۹، حدیث: ۱۲۰۱۸، بتغیر قلیل

محبت کے ایک خاص مقام پر مژدۂ جانفزا

حضرت سَیِّدُنا زید بن اَسلم رَحْمَۃُ اللهِ عَلَیْہ فرماتے ہیں: **اللہ** پاک بندے سے مَحبّت کرتا ہے حتّٰی کہ اس کی محبت میں یہاں تک اِرشاد فرماتا ہے: توجو چاہے کر، میں نے تجھے بخش دیا ہے۔ (1)

حضرت سَیِّدُنا انس رَضِیَ اللهُ عَنْہ سے مروی ہے کہ سرورِ کائنات صَلَّی اللهُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اِرشاد فرمایا: اِذَا اَحَبَّ اللهُ عَبْدًا لَمْ یَضُرَّہٗ ذَنْبٌ۔ یعنی **اللہ** پاک جب کسی بندے سے مَحبّت کرتا ہے تو اسے (سابقہ زندگی میں ہونے والا) کوئی گناہ نقصان نہیں دیتا، (کیونکہ) اَلتَّآئِبُ مِنَ الذَّنْبِ کَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَہٗ۔ یعنی گناہ سے توبہ کرنے والا اس شخص جیسا ہے جس کا کوئی گناہ ہی نہیں۔ پھر آپ صَلَّی اللهُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے یہ آیتِ مُبارکہ تلاوت فرمائی:

اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ وَ یُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِیْنَ ﴿۲۲۲﴾ (پ ۲، البقرۃ: ۲۲۲)

ترجمۂ کنزالایمان: بے شک **اللہ** پسند رکھتا ہے بہت توبہ کرنے والوں کو اور پسند رکھتا ہے ستھروں کو۔ (2)

محبوبانِ الٰہی کے گناہوں کی معافی

اللہ پاک نے مَحبّت کے لئے گناہوں کی مُعافی کو شرط ٹھہرایا ہے۔ چنانچہ اِرشاد فرمایا:

یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ یَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْؕ (پ ۳، اٰل عمرٰن: ۳۱)

ترجمۂ کنزالایمان: **اللہ** تمہیں دوست رکھے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔

درجاتِ محبت میں فرق

اللہ پاک پر ایمان رکھنے والا ہر شخص اس سے مَحبّت بھی کرتا ہے مگر اس کی یہ مَحبّت بقدرِ ایمان، مُشاہدے کے کشف کے مُطابِق اور باری تعالٰی کے اپنے مخصوص وصف کے ساتھ اس پر تجلّی فرمانے کے اعتبار سے ہوتی ہے، جو اس بات کی دلیل ہے کہ اس کی توحید مقبول ہے اور وہ اَحکامِ خداوندی کو بجالانے اور اس کے اَوامِر پر عَمَل کرنے والا ہے۔ نیز یہ اس بات کی بھی دلیل ہے کہ توحید کے مُشاہدات اور اَوامِر کی اَنجام دہی واَحکام کی بجاآوری میں لوگوں کے دَرَجات مختلف ہوتے ہیں اور یہ باتیں صِرف مَحبّت سے حاصل

1 ......طبقات المحدثین باصبهان، الطبقة التاسعة، ۳/ ۱۷۱، الرقم: ۳۰۰: احمد بن اصرم، عن عبد الرحمن بن زید بن اسلم

2 ......ذیل تاریخ بغداد لابن نجار، الرقم: ۵۷۵ علی بن احمد بن عبد الله السروری، ۱۸/ ۵٦

ہو سکتی ہیں، اگرچہ اہلِ محبّت بھی اپنے حصّے کے مُطابِق دَرَجات میں مختلف ہوتے ہیں۔ مگر (یاد رکھئے!) محبّت سے کسی کم حیثیت شخص کی حیثیت بھی کم نہیں ہوتی (بلکہ عند اللہ بڑھتی ہے) جیسا کہ عِرفانِ خداوندی کی دولت سے مالا مال شخص کی حیثیت مَعْرِفَت سے کم ہوتی ہے نہ کسی بلند مرتبہ شخص کا مرتبہ توبہ سے مزید بلند ہوتا ہے خواہ وہ تمام علوم سے آگاہ ہو جائے۔ کیونکہ **اللہ** پاک نے مومنین کی یہ صِفَت ذکر فرمائی ہے کہ وہ اس سے حد درجہ مَحبّت کرتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ ترجمۂ کنز الایمان: اور ایمان والوں کو **اللہ** کے برابر کسی کی محبّت نہیں۔ (پ۲، البقرۃ: ۱۶۵)

(صاحبِ کتاب حضرت سَیِّدُنا شیخ ابو طالب مکّی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں:) اس آیتِ مُبارَکہ میں **اَشَدُّ** کا اِستعمال اس بات پر دلیل ہے کہ مَحبّت میں ان کے دَرَجات مختلف ہیں کیونکہ مفہوم یہ بنتا ہے کہ ان کی محبّت سب سے بڑھ کر ہے، یہی وجہ ہے کہ یہاں ﴿ شَدِيْدُ الْحُبِّ لِلّٰهِ ﴾ نہیں ذکر فرمایا۔ اسی سے ملتا جلتا مفہوم ایک جگہ پر یوں ذکر فرمایا:

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ ترجمۂ کنز الایمان: بے شک **اللہ** کے یہاں تم میں زیادہ عزت والا وہ جو تم میں زیادہ پرہیز گار ہے۔ (پ۲۶، الحجرات: ۱۳)

یہ آیتِ مُبارَکہ بھی اس بات پر دلیل ہے کہ **اللہ** پاک کے ہاں عزت پانے میں لوگوں کے دَرَجات میں اسی قدر فرق موجود ہے جس قدر وہ پرہیز گاری میں فضیلت رکھتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ یہاں یہ اِرشَاد نہیں فرمایا گیا کہ عزت والے متقین ہیں۔

مروی ہے کہ نبیِ پاک صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اِرشَاد فرمایا: بے شک **اللہ** پاک اس شخص کو بھی دنیا عطا کرتا ہے جس سے مَحبّت کرتا ہے اور اسے بھی جس سے مَحبّت نہیں کرتا مگر ایمان صِرف اسی کو عطا فرماتا ہے جس سے مَحبّت کرتا ہے۔[1]

الغرض اہلِ ایمان کی **اللہ** پاک سے مَحبّت میں اتنا ہی اِضافہ ہوتا ہے جتنا انہیں عرفانِ خداوندی و

---

[1] ......مصنف ابن ابی شیبة، کتاب الزھد، کلام ابن مسعود، ۸/۱۶۱، حدیث: ۳۰

مُشاہدہ کی دولت نصیب ہوتی ہے۔

ایمان کی اوّلین شرط

رسول پاک صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے **اللہ** پاک کی مَحبّت کو ایمان کی شرط ٹھہراتے ہوئے اِرشاد فرمایا: ایمان یہ ہے کہ **اللہ** پاک اور اس کا رسول صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم بندے کو سب سے زیادہ محبوب ہوں۔[1]

ایک رِوایَت میں ہے کہ **اللہ** پاک کے پیارے حبیب صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اِرشاد فرمایا: تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ **اللہ** پاک اور اس کا رسول صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم اسے سب سے زیادہ محبوب نہ ہو جائیں۔[2]

ایک رِوایَت میں مذکورہ دونوں روایتوں سے زیادہ تاکید اور وضاحت مروی ہے۔ جس میں آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم اِرشاد فرماتے ہیں: **اللہ** پاک کی قسم! بندہ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اسے اس کے اہل، مال اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔[3] ایک رِوایَت میں یہ الفاظ ہیں: اور اس کی جان سے بھی زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔[4]

مَحبّتِ باری تعالیٰ فرض ہے

سرکارِ مدینہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے شرعی اَحکام میں **اللہ** پاک سے مَحبّت کرنے کا حکم دیتے ہوئے اِرشاد فرمایا: **اللہ** پاک سے مَحبّت کرو کیونکہ وہ تمہیں اپنی نعمتوں سے نوازتا ہے اور **اللہ** پاک سے مَحبّت کی وجہ سے مجھ سے بھی مَحبّت کرو۔[5]

(صاحبِ کتاب حضرت سَیِّدُنا شیخ ابو طالب مکی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں) یہ حدیثِ پاک **اللہ** پاک کی مَحبّت کے فرض ہونے پر دلالت کرتی ہے خواہ اہلِ ایمان کے دَرَجات فضائل کی انتہا میں ایک دوسرے سے مختلف ہی

---

[1] ......مسند احمد، مسند انس بن مالک، ۴/۱۲۴، حدیث: ۱۳۱۵۰

[2] ......مسند احمد، مسند انس بن مالک، ۴/۱۲۴، حدیث: ۱۳۱۵۰

[3] ......مسلم، کتاب الایمان، باب وجوب محبۃ رسول اللہ... الخ، ص ۴۲، حدیث: ۴۴

[4] ......بخاری، کتاب الایمان والنذور، باب کیف کانت یمین النبی، ۴/۲۸۳، حدیث: ۶۶۳۲

[5] ......ترمذی، کتاب المناقب، باب مناقب اھل بیت النبی، ۵/۴۳۴، حدیث: ۳۸۱۴

ہوں۔ چنانچہ **اللہ** پاک نے ہمیں اپنی سب سے افضل جو نعمت عطا فرمائی وہ یہ ہے کہ اس نے ہمیں اپنی مَعْرِفَت کی دولت سے مالامال کیا، لہٰذا جنہیں مُشاہَدہ کی توفیق ملی تو ان کی مَحَبَّت سب سے افضل ہو گی۔

سب سے زیادہ مَحَبَّتِ باری تعالیٰ کا پیکر کون؟

مَحَبَّتِ باری تعالیٰ میں سرشار لوگوں کے دَرَجات میں فرق ہوتا ہے، بعض بعض سے اعلیٰ مراتب پر فائز ہوتے ہیں، مگر ان میں سب سے زیادہ مَحَبَّتِ باری تعالیٰ کا پیکر وہ ہے جو سب سے زیادہ اوصاف و اَخلاقِ باری تعالیٰ سے مزین ہو یعنی وہ علم، حلم، عفو و درگزر، حُسنِ خُلق اور مخلوق کی پردہ پوشی کرنے والا ہو، نیز وہ سب سے زیادہ صفاتِ باری تعالیٰ کے مفاہیم کی مَعْرِفَت رکھتا ہو اور جن صِفات کے مَعانی و مَفاہیم کے اپنانے سے اس پر کوئی اِعتِراض ممکن ہو تو وہ ان سے سب سے زیادہ دُور رہنے والا ہو تاکہ لوگ اسے ان صِفات کا پیکر نہ سمجھیں، یعنی وہ تکبر، حسد، مدح و تعریف اور غنا و عزت کی چاہت اور اپنی شہرت سے دُور رہے۔

خدا کے بعد کس کی مَحَبَّت افضل؟

اللہ پاک کے بعد بندے کو سب سے زیادہ مَحَبَّت **اللہ** پاک کے رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے ہونی چاہئے، اس لیے کہ آپ حبیبِ باری تعالیٰ ہیں۔ نیز سب سے زیادہ بندے کو آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی سنتوں پر عَمَل کرنے والا اور اَخلاق و عادات اپنانے والا ہونا چاہئے۔ چنانچہ،

مروی ہے کہ ایک شخص نے بارگاہِ نبوت میں عرض کی: **یارسولَ اللہ** صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! اِنِّیْ اُحِبُّکَ۔ یعنی میں آپ سے مَحَبَّت کرتا ہوں۔ تو آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اِرشَاد فرمایا: فقر کے لیے تیار ہو جاؤ۔[1] (ایک رِوایت میں ہے کہ اس نے) عرض کی: میں **اللہ** پاک سے مَحَبَّت کرتا ہوں۔ ارشاد فرمایا: آزمائشوں کے لیے تیار ہو جاؤ۔[2]

آزمائش اور فقر

اللہ پاک کی مَحَبَّت میں مبتلا ہو کر ابتلا و آزمائش کے لیے تیار رہنے اور رسولِ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی

---

1 ......ترمذی، کتاب الزھد، باب ماجاء فی فضل الفقر، ۴/۱۵۶، حدیث: ۲۳۵۷

2 ......ابن حبان، کتاب الجنائز، باب ماجاء فی الصبر... الخ، ۴/۲۵۴، حدیث: ۲۹۱۱

مَحبَّت میں مبتلا ہو کر فقر کے لیے تیار رہنے میں فرق ہے۔ چنانچہ،

ابتلا و آزمائش میں مبتلا کرنا **اللہ** پاک کی صِفَت ہے، یہی وجہ ہے کہ جب اس شخص نے **اللہ** پاک سے اپنی مَحبَّت کا تذکرہ کیا تو آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اسے ابتلا و آزمائش کے بارے میں خبر دار کیا تاکہ وہ اخلاقِ باری تعالیٰ کا سامنا کرنے پر صبر کا دامَن ہاتھ سے نہ چھوڑے۔ جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ بھی ہے:

وَ لِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ؕ (پ ۲۹، المدثر: ۷) ترجمۂ کنز الایمان: اور اپنے رب کے لیے صبر کئے رہو۔

در حقیقت آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اس شخص کی رہنمائی فرمائی تاکہ وہ **اللہ** پاک کے اَحکام اور ابتلا و آزمائش سے بخوبی آگاہ ہو جائے۔

فقر **اللہ** پاک کے محبوب صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی صِفَت ہے، یہی وجہ ہے کہ جب اس شخص نے آپ سے اپنی مَحبَّت کا اِظْہار کیا تو آپ نے اسے اپنے اوصافِ حمیدہ کا اِتِّباع کرنے کا حکم دیا تاکہ وہ آپ کے اس فرمان کی پیروی کر سکے: **اَحْیِنِیْ مِسْکِیْنًا وَّ اَمِتْنِیْ مِسْکِیْنًا وَّ احْشُرْنِیْ فِیْ جُمْلَةِ الْمَسَاکِیْن**۔ یعنی اے **اللہ** پاک مجھے مسکین زندہ رکھ اور مسکینی کی حالت میں موت عطا فرما اور بروزِ قیامت مجھے مسکینوں میں اُٹھا۔[1]

مَحبَّت کی علامت

مَحبَّت کی عَلامَت یہ ہے کہ محبوب کا ذِکر کثرت سے کیا جائے اور یہ بات **اللہ** پاک کی اپنے بندے سے مَحبَّت کی دلیل ہے یعنی کسی بندے کو اس کے محبوب (خدا و رسول) کی یاد میں مگن رہنے کی توفیق ملنا اس پر **اللہ** پاک کا سب سے بڑا اِحسان ہے۔ چنانچہ،

ایک حدیثِ پاک میں ہے کہ سرورِ کائنات صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اِرشَاد فرمایا: ہر دن میں **اللہ** پاک کا ایک صدقہ ہوتا ہے جس کے ذریعے وہ اپنی مخلوق پر احسان فرماتا ہے اور کسی بندے پر کیے گئے صدقہ میں سب سے افضل یہ ہے کہ اس کے دل میں ذکر کی توفیق ڈال دی جاتی ہے۔[2]

---

[1] ......ترمذی، کتاب الزھد، باب ماجاء ان فقراء المھاجرین... الخ، ۴/۱۵۷، حدیث: ۲۳۵۹

[2] ......موسوعۃ ابن ابی الدنیا، کتاب کلام اللیالی والایام، ۸/۲۳۲، حدیث: ۴

الدعاء للطبرانی، باب ماجاء فی فضل ذکر اللہ، ص ۵۲۰، حدیث: ۱۸۵۷

ذکرِ الٰہی اور اس کی اہمیت

حضرت سَیِّدُنا سفیان ثوری رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ کی حضرت سَیِّدُنا مالِک بن مِغْوَل رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ سے مروی رِوایَت میں ہے کہ بارگاہِ نبوی میں عرض کی گئی: **یارسول اللہ** صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم ! کون سا عمل سب سے افضل ہے؟ اِرشَاد فرمایا: **اللہ** پاک کی حرام ٹھہرائی گئی اشیاء سے دُور رہنا[1] اور تیری زبان کا ہر وقت یادِ الٰہی سے تر رہنا۔[2]

حضور نبی پاک صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے کثرت سے **اللہ** پاک کا ذکر کرنے کا حکم دیا جیسا کہ **اللہ** پاک سے مَحبَّت کرنے کا حکم اِرشَاد فرمایا تھا۔ اس لیے کہ ذکر مَحبَّت کا تقاضا کرتا ہے۔ چنانچہ مروی ہے کہ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اِرشَاد فرمایا: **اللہ** پاک کا ذکر اس کثرت سے کرو کہ لوگ تمہیں دیوانہ کہنے لگیں۔[3] ایک رِوایَت میں ہے کہ **اللہ** پاک کا ذکر اس کثرت سے کرو کہ منافقین یہ کہنے لگیں کہ تم ریاکار ہو۔[4]

حضرت سَیِّدُنا ابو سلمہ مَدَنی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ اپنے والدِ ماجد سے اور وہ اپنے دادا سے رِوایَت کرتے ہیں کہ ایک دن رسولِ اَکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم ہمارے پاس مسجد قبا میں تشریف لائے اور ایک طویل حدیث بیان کرتے ہوئے آخر میں اِرشَاد فرمایا:

- مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰہِ رَفَعَہٗ۔ یعنی جو شخص **اللہ** پاک کے لئے عاجزی اِختیار کرتا ہے **اللہ** پاک اس کو بلندی عطا فرماتا ہے۔
- وَمَنْ تَکَبَّرَ وَضَعَہٗ۔ اور جو تکبر کرتا ہے **اللہ** پاک اس کو پست کر دیتا ہے۔
- وَمَنْ اَکْثَرَ ذِکْرَ اللّٰہِ اَحَبَّہُ اللّٰہُ۔ اور جو **اللہ** پاک کا ذکر کثرت سے کرتا ہے **اللہ** پاک اس سے مَحبَّت فرماتا ہے۔[5]

ایک رِوایَت میں آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے خبر دی کہ ذکرِ الٰہی میں مگن رہنے والے لوگ ہی سبقت

---

[1]......تاریخ الیعقوبی، خطب رسول اللہ . . . الخ، ۲/۱۰۰ تا ۱۰۱

[2]......ترمذی، کتاب الدعوات، باب ماجاء فی فضل الذکر، ۵/۲۴۵، حدیث: ۳۳۸۶

[3]......مسند احمد، مسند ابی سعید الخدری، ۴/۱۳۷، حدیث: ۱۱۶۵۳

[4]......الزھد لابن المبارک، باب فضل ذکر اللہ، ص ۳۶۲، حدیث: ۱۰۲۲

[5]......موسوعۃ ابن ابی الدنیا، کتاب التواضع والخمول، ۳/۵۵۲، حدیث: ۷۷

لے جانے والے مُفْرِدون ہیں۔[1] نیز آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ان لوگوں کا مقام ومرتبہ یہ بیان فرمایا کہ وہ گناہوں سے بچنے اور ذکرِ الٰہی میں نبیوں جیسے ہیں، کیونکہ ذکر ہی مَحبّت کا باعث بنتا ہے۔ چنانچہ اِرشَاد فرمایا: چلو! مفردون سبقت لے گئے ہیں۔ عرض کی گئی: یہ مفردون کون ہیں؟ اِرشَاد فرمایا: وہ لوگ جو اللہ پاک کے ذکر میں کھوئے ہوئے ہیں اور ذکر نے ان کے گناہوں کے بوجھ اتار دیئے ہیں، قیامت کے دن وہ اس حال میں آئیں گے کہ ہلکے پھلکے ہوں گے۔[2]

ملاقاتِ باری تعالیٰ کی چاہت

مَحبّت کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ بندہ دارُ السَّلام (یعنی جنّت) اور مقامِ قُرب میں اپنے پروردگار سے براہِ راست ملاقات کو پسند کرے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ مرنا پسند کرے، اس لیے کہ موت ملاقات کا سَبَب اور دیدارِ باری تعالیٰ کی طرف لے جانے والا دروازہ ہے۔

ایک حدیثِ پاک میں ہے کہ رسولِ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اِرشَاد فرمایا: جو اللہ پاک سے ملاقات پسند کرتا ہے اللہ پاک بھی اس سے ملاقات پسند کرتا ہے۔[3]

حضرت سَیِّدُنا حُذَیفہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہ نے اس جہانِ فانی سے کوچ کے وقت اِرشَاد فرمایا: (حبیب سے ملاقات کرانے والی) موت بڑے انتظار کے بعد آئی ہے، (اس پر) شرم محسوس کرنے والا فلاح نہیں پائے گا۔

کسی بزرگ کا فرمان ہے کہ اللہ پاک سے ملنے کی چاہت کے بعد بندے میں پائی جانے والی کوئی بھی خصلت ایسی نہیں جو اللہ پاک کو کثرتِ سجود سے بڑھ کر محبوب ہو۔

تمام اوصاف پر مقدم صفت

الغرض بندے کے تمام اوصاف پر مقدم اس کی یہ صِفَت ہے کہ وہ ملاقاتِ باری تعالیٰ کی چاہت رکھتا ہو، یہی وجہ ہے کہ اللہ پاک نے حقیقتِ صدق کے لیے اپنی راہ میں شہید ہونے کو شرط ٹھہرایا اور اس بات

---

[1] ......مسلم، کتاب الذکر والدعاء... الخ، باب الحث علی ذکر الله... الخ، ص ۱۴۳۹، حدیث: ۲۶۷۶

[2] ......ترمذی، کتاب الدعوات، باب فی العفو والعافیة، ۵/۳۴۲، حدیث: ۳۶۰۷

[3] ......بخاری، کتاب الرقاق، باب من احب لقاء الله... الخ، ۴/۲۴۹، الحدیث ۶۵۰۸

کی خبر دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ وہ اپنے محبوب کی شہادت کو پسند فرماتا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْیَانٌ مَّرْصُوْصٌ ﴿۴﴾ (پ ۲۸، الصف: ۴)

ترجمۂ کنزالایمان: بے شک **اللہ** دوست رکھتا ہے انہیں جو اس کی راہ میں لڑتے ہیں پرا (صف) باندھ کر گویا وہ عمارت ہیں رانگا (سیسہ) پلائی۔

یہ قول اس وقت **اللہ** پاک نے اِرشاد فرمایا جب لوگوں نے یہ کہا کہ ہم **اللہ** پاک سے مَحبَّت کرتے ہیں تو پہلے یہ قول نازِل فرمایا:

لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۲﴾ (پ ۲۸، الصف: ۲) ترجمۂ کنزالایمان: کیوں کہتے ہو وہ جو نہیں کرتے۔

اس کے بعد انہیں اپنے محبوب بندوں کے کاموں سے آگاہ کرتے ہوئے مذکورہ آیتِ مُبارَکہ نازل فرمائی اور اپنی راہ میں شہید ہو جانے کو مَحبَّت کا امتحان قرار دیا۔ جبکہ ایک مقام پر اپنے پسندیدہ بندے سے اس کی جان ومال واپس لینے کو مَحبَّت کی عَلامت قرار دیتے ہوئے اِرشاد فرمایا:

یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَیَقْتُلُوْنَ وَ یُقْتَلُوْنَ قف (پ ۱۱، التوبۃ: ۱۱۱)

ترجمۂ کنزالایمان: **اللہ** کی راہ میں لڑیں تو ماریں اور مریں۔

امیر المومنین حضرت سیِّدُنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللہُ عَنْہ نے حضرت سیِّدُنا عُمَر فاروقِ اعظم رَضِیَ اللہُ عَنْہ کو وَصِیَّت فرمائی: حق ثقیل (بھاری) ہوتا ہے مگر یہ اپنے بوجھل ہونے کے باوُجود خوشگوار اور عمدہ ہوتا ہے جبکہ باطل خفیف (ہلکا) ہوتا ہے مگر یہ اپنے ہلکے پن کے باوُجود ناموافق اور برا ہوتا ہے۔ اگر آپ نے میری وَصِیَّت کو یاد رکھا تو موت سے بڑھ کر آپ کو کوئی بھی غائب (یعنی آنکھ سے اوجھل) چیز محبوب نہ ہو گی اور وہ آپ کو آ کر ہی رہے گی اور اگر آپ نے میری وصیّت ضائع کر دی تو موت سے بڑھ کر کوئی بھی غائب چیز آپ کو ناپسند نہ ہو گی اور آپ اس سے ہر گز بچ نہ پائیں گے۔

حضرت سیِّدُنا سفیان ثوری رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ اور حضرت سیِّدُنا بِشْر حافی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ ارشاد فرماتے ہیں: موت کو وہی ناپسند کرتا ہے جس کو شک ہو۔

(صاحبِ کتاب حضرت سیِّدُنا شیخ ابو طالب مکّی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں) حقیقت میں ایسا ہی ہے جیسا کہ ان دونوں

بزرگوں نے اِرشاد فرمایا کیونکہ حبیب تو کسی بھی حال میں اپنے محبوب کی ملاقات کو ناپسند نہیں کرتا اور یہ مقام صِرف وہی بندہ حاصِل کر پاتا ہے جو **اللہ** پاک سے کامل مَحبَّت رکھتا ہے کہ مَحبَّت ہو گی تو اس کا پروردگار بھی اسے پسند فرمائے گا اور یوں دل **اللہ** پاک کے شوق میں مُضْطَرِب رہے گا اور اپنے پروردگار سے ملنا پسند کرے گا۔

مروی ہے کہ جب حضرت سَیِّدُنا ابو حذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہ نے اپنی بہن فاطمہ بنت عتبہ کا نکاح اپنے آزاد کردہ غلام حضرت سَیِّدُنا سالم رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہ سے کیا تو قریش ان سے اس بات پر ناراض ہوئے اور کہنے لگے: آپ نے قریش کی ایک معزز خاتون کا نکاح ایک آزاد کردہ غلام سے کر دیا؟! تو آپ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہ نے فرمایا: خدا کی قسم! میں نے سالم کا نکاح فاطمہ سے کیا ہے کیونکہ میں جانتا ہوں کہ سالم فاطمہ سے بہتر ہے۔ قریش کو آپ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہ کا یہ جواب بڑا سخت لگا تو وہ کہنے لگے: یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ فاطمہ تمہاری بہن ہے اور سالم تمہارا غلام ہے۔ فرمایا کہ میں نے **اللہ** پاک کے حبیب صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کو اِرشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ مَنْ اَرَادَ اَنْ یَّنْظُرَ اِلٰی رَجُلٍ یُّحِبُّ اللهَ بِكُلِّ قَلْبِهٖ فَلْيَنْظُرْ اِلٰى سَالِمٍ۔ یعنی جو شخص ایسے بندے کو دیکھنا چاہے جو سچے دل سے **اللہ** پاک سے مَحبَّت کرتا ہے تو وہ سالِم کو دیکھ لے۔ (1)

(صاحبِ کتاب حضرت سَیِّدُنا شیخ ابُو طالِب مکی رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں) یہ روایت اس بات پر بھی دلیل ہے کہ کچھ مومنین ایسے ہیں جو **اللہ** پاک سے ادھورے دل سے محبت کرتے ہیں اور اس مُعاملے میں **اللہ** پاک کو اتنی ہی ترجیح دیتے ہیں مگر بعض مؤمنین ایسے بھی ہیں جو کامل دل سے **اللہ** پاک سے محبت کرتے ہیں اور اسے ہر شے پر ترجیح دیتے ہیں۔ یہی لوگ اس کے عابد اور ایسے محبوب بندے ہیں جن کا اس کے سوا کوئی معبود ہے نہ کوئی پروردگار۔

نیز مذکورہ رِوایَت اس بات پر بھی دلیل ہے کہ دلوں میں کامل اور بعض حصوں کے درمیان جلوہ گر ہونے والی صفاتِ باری تعالیٰ کے مشاہدات کے معانی و مفاہیم سے پیدا ہونے والی مَحبَّت میں لوگوں کے درجات و مقامات مختلف ہوتے ہیں۔

---

1 ......تاریخ المدینة المنورة، مقتل عمر بن الخطاب، الجزء الثالث، ۲/ ۸۸۶، بتغیر عن عمر

حضرت سَیِّدُنا نُعَیمان (بن عَمْرو انصاری) رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہ کو ایک گناہ کا بار بار مُرتکب ہونے پر بارگاہِ رسالت میں پیش کیا جاتا تو آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم انہیں سزا دیتے، یہاں تک کہ ایک دن جب انہیں لایا گیا اور آپ نے ان پر شرعی سزا نافذ فرمائی تو کسی شخص نے ان پر لعنت کی اور کہا: ان کو کتنا زیادہ بارگاہِ رسالت میں لایا جاتا ہے! اس پر آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اِرشَاد فرمایا: لَا تَفْعَلْ فَاِنَّہٗ یُحِبُّ اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗ۔ یعنی ایسا مت کر، کیونکہ یہ **اللہ** پاک اور اس کے رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے مَحبَّت کرتا ہے۔[1] چنانچہ آپ نے احکامِ خداوندی کی مُخالَفت کرنے کے باوجود انہیں مَحبَّت سے خارج نہ فرمایا۔

ایمان کا دل سے تعلق

کسی عارِف کا قول ہے کہ جب ایمان قلب کے ظاہِر یعنی فُؤاد میں ہو تو مومن **اللہ** پاک سے درمیانی درجے کی مَحبَّت کرے گا مگر جب ایمان دل کے باطنی حصے میں داخِل ہو جائے تو دل کے اندرونی حصے میں کامل مَحبَّت جلوہ گر ہو گی اور یہی مَحبَّت دیکھنے کے قابل ہے۔

دل میں مَحبَّت کب پیدا ہوتی ہے؟

(صاحِبِ کتاب حضرت سَیِّدُنا شیخ ابُو طالب مَکّی رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں کہ) اگر بندہ اپنی تمام خواہشات پر **اللہ** پاک کو ترجیح دے اور یوں مَحبَّتِ باری تعالیٰ بندے کی تمام خواہشات پر غالِب آجائے یہاں تک کہ مَحبَّتِ باری تعالیٰ ہی ہر شے میں بندے کی مَحبَّت بن جائے تو اس وَقْت وہ **اللہ** پاک سے حقیقی مَحبَّت کرنے والا بن جاتا ہے جیسا کہ وہ اس پر حقیقی ایمان لانے والا ہے۔ لیکن اگر دل کی حالت اس سے کم درجہ کی ہو تو مَحبَّت بھی اسی حساب سے ہو گی۔ لہٰذا اعلاماتِ مَحبَّت میں سب سے زیادہ واضح علامَت یہ ہے کہ بندہ دل میں پائی جانے والی تمام باتوں پر اپنے پروردگار کو ترجیح دے۔ یہی وجہ ہے کہ **اللہ** پاک نے مُحِبِّین کے اوصاف میں ان کے ایثار سے مُتَّصِف ہونے کا تذکرہ فرمایا اور عارفین نے بھی اس وصف سے مُتَّصِف ہونے کی تعریف فرمائی۔ چنانچہ،

اللہ پاک نے مُحِبِّین کے اوصاف کے مُتعلق ایک مقام پر اِرشَاد فرمایا ہے:

یُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَیْهِمْ وَ لَا یَجِدُوْنَ ترجمۂ کنزالایمان: دوست رکھتے ہیں انہیں جو ان کی طرف

[1] ......مصنف عبد الرزاق، باب حد الخمر، ۷/۳۰۵، حدیث: ۱۳۲۲۲

فِیۡ صُدُوۡرِهِمۡ حَاجَةً (پ ۲۸، الحشر: ۹) ہجرت کر کے گئے اور اپنے دلوں میں کوئی حاجت نہیں پاتے۔

اس کے بعد اِرشاد فرمایا:

وَيُؤۡثِرُوۡنَ عَلٰۤى اَنۡفُسِهِمۡ (پ ۲۸، الحشر: ۹) ترجمۂ کنزالایمان: اور اپنی جانوں پر ان کو ترجیح دیتے ہیں۔

ایک مقام پر اِرشاد فرمایا:

تَاللّٰهِ لَقَدۡ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيۡنَا (پ ۱۳، یوسف: ۹۱) ترجمۂ کنزالایمان: خدا کی قسم بے شک **اللہ** نے آپ کو ہم پر فضیلت دی۔

دل کے ظاہر و باطن میں سے افضل کون؟

کسی عالِم کا فرمان ہے کہ دل کا ظاہر اسلام کا محل ہے اور باطن ایمان کی جگہ ہے۔(صاحبِ کتاب حضرت سَیِّدُنا شیخ ابو طالب مکّی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں) اس قول سے اَہْلِ مَحبَّت کے درمیان فرق واضح ہو جاتا ہے کیونکہ ایمان اسلام سے اور باطن ظاہر سے افضل ہوتا ہے۔

قلب اور فواد میں فرق

عُلَمائے بصرہ میں سے کوئی صاحبِ علم قلب اور فُواد میں فرق بیان کرتے ہوئے اِرشاد فرماتے ہیں: فُواد دل کا ابتدائی اور کافی چھوٹا حصہ ہے جبکہ قلب دل کا اصلی اور وسیع حصہ ہے۔

ایک مرتبہ یوں اِرشاد فرمایا: دل کے دو جوف ہوتے ہیں، ظاہر جوف کو فواد کہتے ہیں اور یہ جائے عقل ہے جبکہ باطنِ جوف کو قلب کہتے ہیں اور اس میں سننے و دیکھنے کی قوتیں پائی جاتی ہیں جو فہم و مُشاہدہ کے حُصُول کا باعث بنتی ہیں، نیز یہ ایمان کا بھی محل ہے۔ جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

كَتَبَ فِیۡ قُلُوۡبِهِمُ الۡاِيۡمَانَ (پ ۲۸، المجادلۃ: ۲۲) ترجمۂ کنزالایمان: جن کے دلوں میں **اللہ** نے ایمان نقش فرمادیا۔

ایک مقام پر اِرشاد ہوتا ہے:

اِنَّ فِیۡ ذٰلِكَ لَذِكۡرٰى لِمَنۡ كَانَ لَهٗ قَلۡبٌ اَوۡ ترجمۂ کنزالایمان: بے شک اس میں نصیحت ہے اس کے

اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ ﴿۳۷﴾ (پ ۲۶، ق: ۳۷) لیے جو دل رکھتا ہو یا کان لگائے اور متوجہ ہو۔

مَحبّت کی دو اقسام

(صاحبِ کتاب حضرت سَیِّدُنا شیخ ابُو طالب مَکّی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ یہاں عام و خاص قسم کی محبت کا تذکرہ کرتے ہوئے اِرشاد فرماتے ہیں:) اسلام کی مَحبّت مخلوق پر فرض ہے اور اس کا تعلّق اللہ پاک کی مَحبّت و طاعت کی بنا پر اس کے فرائض کی ادائیگی اور مَحارِم سے اِجْتِنَاب کے ساتھ ہے۔ جبکہ مقربین کی مَحبّت صفاتِ باری تعالیٰ کے معانی و مفاہیم کے مُشاہدے سے حاصل ہوتی ہے اور وہ بھی اوصافِ ذاتِ باری تعالیٰ کی خصوصی مَعْرِفَت کے مقام پر فائز ہونے کے بعد۔ یہ مَحبّت مخصوص لوگوں کا ہی خاصہ ہے اور اس کی اصل یہ ہے کہ جب مَحبّت مَعْرِفَت سے حاصل ہوتی ہو اور مَعْرِفَت عام بھی ہو اور خاص بھی تو خواص عارفین کو خاص مَحبّت اور عام کو عام مَحبّت حاصل ہو گی۔

گزشتہ قوموں کے مُتَعَلّق مروی روایات میں ہے کہ حضرت سَیِّدَتُنا زلیخا رَضِیَ اللہُ عَنْہَا جب ایمان لائیں اور حضرت سَیِّدُنا یوسف عَلَیْہِ السَّلَام کی زَوجِیَّت میں داخل ہوئیں تو اللہ پاک کی عِبَادَت کے لیے سب سے جدا ہو کر گوشہ نشین ہو گئیں۔ حضرت سَیِّدُنا یوسف عَلَیْہِ السَّلَام دن کے وَقْت بلاتے تو آپ رَضِیَ اللہُ عَنْہَا رات (کو حاضر ہونے) کا وعدہ کرتیں اور جب رات کے وَقْت بلاتے تو دن پر ٹال دیتیں، (آخر ایک دن) آپ رَضِیَ اللہُ عَنْہَا نے حضرت سَیِّدُنا یوسف عَلَیْہِ السَّلَام سے عرض کی: بے شک میں اللہ پاک کی مَعْرِفَت حاصِل ہونے سے قبل آپ سے مَحبّت کرتی تھی مگر جب سے مجھے عرفانِ خداوندی کی دولت ملی ہے، ذاتِ باری تعالیٰ کی مَحبّت نے میرے دل سے دیگر ہر ایک کی مَحبّت نکال دی ہے، اب میں اس مَحبّت کا بدل نہیں چاہتی۔ اس پر آپ عَلَیْہِ السَّلَام نے ان سے ارشاد فرمایا: مجھے اللہ پاک نے ہی اس کا حکم دیا ہے اور مجھے خبر دی ہے کہ تیرے بطن سے دو لڑکے پیدا فرما کر انہیں مَنصَبِ نبوت عطا فرمائے گا۔ یہ سُن کر انہوں نے عرض کی: اگر اللہ پاک نے آپ کو اس کا حکم دیا ہے اور مجھے اس کا ذریعہ بنایا ہے تو حُکْمِ الٰہی کے سامنے سرِ تسلیم خَم ہے۔ یوں آپ رَضِیَ اللہُ عَنْہَا حضرت سَیِّدُنا یوسف عَلَیْہِ السَّلَام کی خدمت میں حاضر ہو گئیں۔

یقین کیا ہے؟

ایک عارفِ ربانی کا قول ہے کہ جب توحید کامل ہوتی ہے تو مَحبّت بھی کامل ہو جاتی ہے اور جب مَحبّت

اپنے کمال کو پہنچتی ہے تو توکُّل بھی کامل ہو جاتا ہے اور یوں ایمان مرتبۂ کمال تک پہنچتا ہے تو فرض خالص ہو جاتا ہے اور اسے ہی یقین کہتے ہیں۔

حضرت سیِّدُنا فضیل بن عِیاض رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرض مَحَبَّت کے مُتعلّق اِرشاد فرماتے ہیں کہ جب تم سے پوچھا جائے: کیا تم اللہ سے محبَّت کرتے ہو؟ تو خاموش رہو کیونکہ اگر تم نے "نہیں" کہا تو کافر ہو جاؤ گے اور اگر "ہاں" کہا تو تمہارا حال محبین جیسا نہیں (اور یوں تم جھوٹ کے مُرتکِب ہو گے) لہٰذا غضبِ الٰہی سے ڈرو۔

سب سے بڑی نعمت اور سب سے بڑا عذاب

(صاحبِ کتاب حضرت سیِّدُنا شیخ ابو طالب مکّی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں:) ہمارے ایک عالم کا قول ہے کہ جنّت میں کوئی نعمت اَہلِ مَعْرِفَت اور اَہلِ مَحَبَّت کی نعمت سے بڑھ کر نہیں اور جہنّم میں کوئی عذاب اس شخص کے عذاب سے بڑھ کر نہیں جو مَعْرِفَت اور مَحَبَّت کا دعویٰ کرے مگر اس میں مَحَبَّت و مَعْرِفَت کا کوئی نشان نہ ہو۔

عارفین و محبین کا حال

مذکورہ عالم سے علم و مرتبہ میں بالاتر ایک عالم کا قول ہے کہ ہر صاحبِ مقام یہ اُمّید رکھتا ہے کہ اسے معاف کر دیا جائے گا اور اس سے درگزر سے کام لیا جائے گا مگر جن لوگوں نے مَعْرِفَت و محبَّت کا دعویٰ کیا ہو گا ان سے ان کے ہر ہر بال، ہر ہر حرکت و سکون اور ہر ہر نظر و فکر کے مُتعلّق پوچھا جائے گا کہ آیا یہ سب کچھ اللہ پاک کے لیے تھا اور ان میں رضائے خداوندی و معیتِ خداوندی شامل تھی۔

اللہ کی بندے سے محبت کی حقیقت

جان لیجئے! اللہ پاک اپنے بندے سے جو محبَّت فرماتا ہے وہ مخلوق کی مَحَبَّت جیسی نہیں، اس لیے کہ مخلوق کی محبَّت سات باتوں میں سے کسی ایک کے پائے جانے سے پیدا ہوتی ہے اور وہ سات باتیں یہ ہیں:

﴿1﴾ طبیعت ﴿2﴾ جنس ﴿3﴾ نفع ﴿4﴾ وصف ﴿5﴾ نفسانی خواہش

﴿6﴾ رحم کا جذبہ اور ﴿7﴾ قربِ خداوندی کا حُصُول۔

یہ سب چیزیں ایک ایسی چیز کی حدود ہیں جو دوسری چیز سے مشابہت رکھتی ہے جبکہ اللہ پاک ان تمام

باتوں سے بالاتر ہے، اسے ان میں سے کسی بات سے مُتَّصِف نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ کوئی بھی شے اس کے اوصاف میں اس کی مثل نہیں۔ نیز اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ یہ اسباب مخلوق میں حادِث (یعنی فانی وغیر دائمی) مَعانی و مَفاہیم کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں اور محبین میں ان باتوں کے پائے جانے کی وجہ ان پر اَسباب کا داخِل ہونا ہے۔ مگر بسا اوقات زمانے اور اَوصاف کے بدلنے کی وجہ سے یہ مُعَامَلہ بھی بدل جاتا ہے، البتہ! **اللہ** پاک کی مَحبَّت لوگوں سے بھلائی کے وعدے کے نتیجے میں پیدا ہونے والے اَسباب اور اس کی بلند پایہ عنایات سے حاصِل ہونے والی نعمتوں سے بھی پہلے کی ہے، جس میں کبھی کوئی تغیر و تبدل نہ ہو گا۔ اس لیے کہ اس کا فرمانِ عالیشان ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰۤىۙ ترجمۂ کنزالایمان: بے شک وہ جن کے لئے ہمارا وعدہ بھلائی کا ہو چکا۔ (پ ۱۷، الانبیآء: ۱۰۱)

لہٰذا ایسا نہیں ہو سکتا کہ اس وعدے کے پورا ہونے سے پہلے کوئی اور بات پوری ہو بلکہ ہر بات سے پہلے بھلائی کا یہ وعدہ ہی پورا ہو گا۔ جیسا کہ ایک مقام پر فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

وَ لَقَدْ اٰتَیْنَاۤ اِبْرٰهِیْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَ كُنَّا بِهٖ عٰلِمِیْنَۚ(۵۱) (پ ۱۷، الانبیآء: ۵۱) ترجمۂ کنزالایمان: اور بے شک ہم نے ابراہیم کو پہلے ہی سے اس کی نیک راہ عطا کر دی اور ہم اُس سے خبر دار تھے۔

اسی طرح ایک مقام پر اِرشَاد فرمایا:

هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِیْنَ۬ۙ مِنْ قَبْلُ ترجمۂ کنزالایمان: **اللہ** نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے اگلی کتابوں میں۔ (پ ۱۷، الحج: ۷۸)

ایک مقام پر اِرشَاد ہوتا ہے:

لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْؕ (پ ۱۱، یونس: ۲) ترجمۂ کنزالایمان: ان کیلئے ان کے رب کے پاس سچ کا مقام ہے۔

اسی طرح دوسری جگہ اِرشَاد فرمایا:

فِیْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِیْكٍ مُّقْتَدِرٍ۠(۵۵) ترجمۂ کنزالایمان: سچ کی مجلس میں عظیم قدرت والے بادشاہ کے حضور۔ (پ ۲۷، القمر: ۵۵)

(صاحبِ کتاب حضرت سیِّدُنا شیخ ابُو طالب مَکّی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں:) ایسا ممکن نہیں کہ ان کے لیے **اللہ** پاک کے ہاں جو سچ کا ایک خاص مقام متعین ہے وہ اس پر فائز ہونے سے پہلے کسی اور مقام پر فائز ہو جائیں جیسا کہ یہ ممکن نہیں کہ وہ کسی شے کے **اللہ** پاک کے علم میں آنے سے پہلے اس پر عمل کرلیں، کیونکہ **اللہ** پاک کا علم ہر معلوم شے سے پہلے ہے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ اس کی اپنے اَوْلِیائے کِرام سے مَحبَّت اِن کی اپنے پروردگار سے مَحبَّت وعِبادَت سے پہلے کی ہے۔

اللہ کی بندے سے مَحبَّت کی خصوصیات

اللہ پاک کی اپنے بندے سے مَحبَّت کی چند خصوصیات یہ ہیں:

﴿1﴾ یہ مَحبَّت اس کے اَحکام میں سے کسی حکم کی خاصیت ہے۔

﴿2﴾ اس کے فضل وکرم کی زیادتی ہے۔

﴿3﴾ اس کے بے پایاں انعام واکرام کی اصل ہے۔

﴿4﴾ اہلِ خُلوص کے لیے پُرخلوص اور اہلِ ایثار کے لیے پُرتاثیر ہے۔

﴿5﴾ اہلِ خُلوص کے مقامِ سچ پر فائز ہونے کا فیصلہ ازلی ہے۔

﴿6﴾ ان کے لوٹنے کی جگہ انہیں مقامِ سچ پر فائز کرنے والی ہستی کی بارگاہ ہے۔

محبت ایک راز ہے

(صاحبِ کتاب حضرت سیِّدُنا شیخ ابُو طالب مَکّی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں) مَحبَّتِ باری تعالیٰ کے حُصُول کا نہ کوئی ایسا سَبَب ہے جو بظاہر سمجھ میں آجائے اور نہ کوئی ایسا عمل ہے جسے اِختیار کیا جاسکے۔ بلکہ یہ تو رازِ قدرت اور قادر مطلق پاک کا خاص لطف وکرم ہے اور قدرت کے اس راز (کی نعمت سے مالامال لوگوں کا اس) کو ظاہر کرنا کفرانِ نعمت ہے۔ اس راز سے کوئی آگاہ نہیں سوائے نبیوں اور صدیقوں کے یا ان لوگوں کے جنہیں خود **اللہ** پاک اس راز سے آگاہ کردے۔ البتہ! بزرگانِ دین کی روایات میں مَحبَّتِ باری تعالیٰ کی جو علامات مروی ہیں وہ اس کے حُصُول کے اَسباب اور محبین کا طریقہ ہیں۔ جبکہ اہلِ عقل و دانش میں سے مقربین کے مقامات بارگاہِ خدا وندی کی جانب رُجُوع کرنے والوں کے لیے نصیحت اور عابدین کو ان کی منزلِ مقصود تک پہنچانے کے لیے

زادِ راہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔

اللہ پاک کی بندے سے مَحبَّت کا اِظْہار اس کی دی ہوئی بہترین توفیق، عصمت کی حِفَاظَت اور علمی غرائب کی تعلیم کی لطافت حاصِل کرنے اور اس کے مخفی لطف و کرم سے واضح ہوتا ہے۔ چنانچہ،

- اس کے یہ محبوب بندے ہر مُعَاملے میں اس کی جانِب ہی رُجُوع کرتے ہیں۔
- (ہر شے سے منہ موڑ کر) اس کی بارگاہ میں ٹھہرنا پسند کرتے ہیں۔
- اپنی نگاہوں کو ہر شے سے ہٹا کر بس اس کی بارگاہ کی طرف دیکھتے رہتے ہیں۔
- ہر شے سے بڑھ کر اس کا قرب چاہتے ہیں۔
- حد درجہ اس کی پسندیدہ باتوں پر عمل کرتے ہیں۔
- اس کی صفات کے معانی و مفاہیم سے آگاہی حاصِل کرنے میں لگ جاتے ہیں۔
- وہ ان کی کسی خوبی کی تعریف کرے تو یہ اس تعریف کی لطافت کو اپنے لیے اس کے اسرار کا خزانہ جانتے ہیں۔
- اس کا ان کی فکر کو جِلا بخشنا گویا باطنی نعمت سے نوازنا ہے۔
- یہ اس کا خالص شکر اور حقیقی ذکر بجالاتے ہیں۔

یہ سب محبین کے طریق ہیں جو انہیں عین الیقین کے مرتبہ پر فائز ہونے کے باعث اپنے محبوب یعنی **اللہ** پاک کے مکاشفہ سے حاصِل ہوتے ہیں۔

منقول ہے کہ جب **اللہ** پاک بندے سے مَحبَّت کرتا ہے تو اسے اپنی عِبادَت میں لگا دیتا ہے اور جب وہ کسی بندے کو اپنی عِبادَت میں مصروف کر دیتا ہے تو اس کا تعلّق ہر شے سے ختم کر دیتا ہے۔

ایک قول میں ہے کہ جب **اللہ** پاک کسی کو اپنا محبوب بناتا ہے تو اسے (کرم کی نگاہ سے) دیکھتا ہے اور جب **اللہ** پاک کسی بندے کو (کرم کی نگاہ سے) دیکھتا ہے تو کبھی اسے عذاب میں مبتلا نہیں فرماتا۔

ایسی باتیں احادیثِ مُبارَکہ میں بھی مروی ہیں۔ چنانچہ،

اللہ پاک کے پیارے حبیب صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا فرمانِ عالیشان ہے: جب **اللہ** پاک کسی بندے سے

مَحبَّت کرتا ہے تو اسے کسی آزمائش میں مبتلا کر دیتا ہے اور جب کسی بندے سے بہت زیادہ مَحبَّت فرماتا ہے تو اسے خالص کر لیتا ہے۔[1] عرض کی گئی: خالص کرنے سے کیا مُراد ہے؟ اِرشَاد فرمایا: اس کے اہل وعیال باقی چھوڑتا ہے نہ مال۔

(صاحب کتاب حضرت سَیِّدُنا شیخ ابُو طالب مَکّی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں:) بندے کے پاس اس کے اہل وعیال اور مال باقی نہ چھوڑنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ ان کی طرف مائل نہ ہو اور اس کا دل اہل وعیال کی مَوجُودَگی کی وجہ سے خوشی یا مال کی کمی کی وجہ سے حسرت کا شِکار نہ ہو۔ چنانچہ مَحبَّت مُحبِّ اول یعنی **اللہ** پاک کی طرف سے اپنے بندے کے لیے ایثار میں زِیادَتی اور ان اَحکام کا باعث ہوتی ہے جو محبوب یعنی بندے سے اپنے پروردگار کے ساتھ حُسْنِ مُعَاملہ کی صورت میں یا اس کے عطا کردہ حقیقی علم سے ظاہِر ہوتے ہیں۔ جیسا کہ قرآنِ کریم میں ہے کہ جب حضرت سَیِّدُنا یوسف عَلَیْہِ السَّلَام کے بھائیوں کو یہ بات معلوم ہوئی کہ **اللہ** پاک ان سب پر آپ عَلَیْہِ السَّلَام کو محبوب رکھتا ہے تو انہوں نے اس بات کا اِظْہار کچھ یوں کیا:

تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَیْنَا ترجمۂ کنزالایمان: خدا کی قسم بے شک **اللہ** نے آپ کو ہم پر فضیلت دی۔ (پ ۱۳، یوسف: ۹۱)

اس کے بعد کہنے لگے:

وَ اِنْ كُنَّا لَخٰطِـٕیْنَ ﴿۹۱﴾ (پ ۱۳، یوسف: ۹۱) ترجمۂ کنزالایمان: اور بے شک ہم خطاوار تھے۔

(صاحب کتاب حضرت سَیِّدُنا شیخ ابُو طالب مَکّی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں:) حضرت سَیِّدُنا یوسف عَلَیْہِ السَّلَام کے بھائیوں نے یہاں اپنی گزشتہ غلطیوں کو یاد کیا اور دوسرا یہ کہ انہوں نے **اللہ** پاک کے حضرت سَیِّدُنا یوسف عَلَیْہِ السَّلَام کو ان پر ترجیح دینے کا بھی ذکر کیا ہے۔ چنانچہ **اللہ** پاک نے حضرت سَیِّدُنا یوسف عَلَیْہِ السَّلَام کے اوصاف بیان کرتے ہوئے اِرشَاد فرمایا:

قَالَ اجْعَلْنِیْ عَلٰى خَزَآىٕنِ الْاَرْضِۚ اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ ﴿۵۵﴾ (پ ۱۳، یوسف: ۵۵) ترجمۂ کنزالایمان: یوسف نے کہا مجھے زمین کے خزانوں پر کر دے بے شک میں حفاظت والا علم والا ہوں۔

---

[1] ......مسند الفردوس، ۱/ ۱۵۱، حدیث: ۹۷۳

ایک مقام پر انہیں اپنی عنایات سے نوازنے کا ذکر یوں فرمایا:

اٰتَیْنٰهُ حُكْمًا وَّ عِلْمًا ؕ وَ كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۲۲﴾ (پ۱۲، یوسف: ۲۲) ترجمۂ کنزالایمان: ہم نے اسے حکم اور علم عطا فرمایا اور ہم ایسا ہی صلہ دیتے ہیں نیکوں کو۔

یعنی حضرت سَیِّدُنا یوسف عَلَیْہِ السَّلَام پر کیے گئے گزشتہ احسانات کا ذکر کیا جن کی وجہ سے انہیں دیگر بھائیوں پر ترجیح دی۔ اسی احسان کا ذکر کرتے ہوئے ایک مقام پر رسولوں کا یہ قول مذکور ہے:

اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ یَمُنُّ عَلٰى مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ (پ۱۳، ابراھیم: ۱۱) ترجمۂ کنزالایمان: ہم ہیں تو تمہاری طرح انسان مگر اللہ اپنے بندوں میں جس پر چاہے احسان فرماتا ہے۔

اور اللہ پاک کا بھی اس حوالے سے اِرشاد موجود ہے:

اَللّٰهُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰٓىٕكَةِ رُسُلًا وَّ مِنَ النَّاسِ ؕ (پ۱۷، الحج: ۷۵) ترجمۂ کنزالایمان: اللہ چن لیتا ہے فرشتوں میں سے رسول اور آدمیوں میں سے۔

ایک حدیثِ پاک میں ہے: اللہ پاک جب کسی بندے سے مَحبّت کرتا ہے تو اس کو آزمائش میں مبتلا کر دیتا ہے، پھر اگر بندہ صبر کرے تو وہ اسے برگزیدہ کر لیتا ہے اور بندہ اس پر راضی رہے تو وہ اُسے چن لیتا ہے۔[1]

کسی عالم کا فرمان ہے کہ جب تم خود کو دیکھو کہ تم تو اللہ پاک سے مَحبّت کرتے ہو مگر وہ تمہیں آزمائش میں مبتلا کرتا ہے تو جان لو کہ وہ تمہیں برگزیدہ بنانا چاہتا ہے۔

کسی مرید نے اپنے شیخ سے عرض کی: میں کچھ کچھ مَحبّتِ باری تعالیٰ سے آگاہی محسوس کر رہا ہوں۔ شیخ نے فرمایا: بیٹا! کیا (کبھی کوئی ایسا لمحہ بھی آیا ہے کہ) اللہ پاک نے تمہیں اپنے علاوہ کسی اور کی مَحبّت سے بھی آزمایا اور تم نے اللہ پاک کو اس پر فوقیت دی؟ مرید نے جواب دیا: نہیں۔ تو شیخ نے فرمایا: تب تم مَحبّت کی طمع نہ کرو کیونکہ اللہ پاک آزمائش میں ڈالے بغیر کسی بندے کو مَحبّت (کی دولت) عطا نہیں فرماتا۔

محبت کی ایک اور علامت

مَحبّتِ باری تعالیٰ کی علامات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ بندہ اپنے محبوب یعنی پروردگار کے کلام کو بھی

---

[1] ......مسند الفردوس، ۱/ ۱۵۱، حدیث: ۹۷۶

محبوب جانے اور بار بار اسے سننا چاہے۔ جیسا کہ راہِ طریقت کے ایک مسافر سے منقول ہے کہ میں ابتدائے سُلوک میں مُناجات کی لذّت پاتا تھا، لہٰذا میں نے دن رات تلاوتِ قرآن کو اپنا معمول بنالیا، پھر (بدقسمتی سے) سستی کے سَبَب تلاوتِ قرآن چھوٹ گئی تو میں نے خواب میں کسی کو یہ کہتے سنا: اگر تمہارا یہ گمان ہے کہ تم مجھ سے مَحبّت کرتے ہو تو تم نے میری کتاب سے جفا کیوں کی؟ کیا تم نے اس میں ایسی آیات نہیں دیکھیں جن میں ہمارے لطیف عِتاب کا ذکر موجود ہے؟ فرماتے ہیں کہ میں بیدار ہوا تو میرا دل قرآنِ پاک کی مَحبّت سے لبریز ہو چکا تھا اور یوں میں اپنی سابقہ حالت پر لوٹ آیا۔

کسی عارف کا قول ہے کہ کوئی بھی شخص اس وقت تک راہِ سلوک کا حقیقی مسافر نہیں بن سکتا جب تک کہ وہ قرآنِ کریم میں ہر وہ چیز نہ پالے جو وہ چاہتا ہے۔

حضرت سیِّدُنا عبداللہ بن مسعود رَضِیَ اللہُ عَنْہ فرماتے ہیں: تم میں ہر ایک پر لازم ہے کہ وہ اپنے نفس سے قرآنِ پاک کے سوا کچھ نہ مانگے کیونکہ اگر وہ قرآن سے مَحبّت کرتا ہو گا تو **اللہ** پاک سے بھی مَحبّت کرتا ہو گا اور اگر اسے قرآن سے مَحبّت نہ ہو گی تو **اللہ** پاک سے بھی مَحبّت نہ ہو گی۔

قرآنِ پاک سے مَحبّت کی علامت

قرآنِ پاک سے مَحبّت کی علامت یہ ہے کہ بندہ اہلِ قرآن کو محبوب جانے اور دن رات کثرت سے تلاوت کیا کرے۔ جیسا کہ حضرت سیِّدُنا سہل تُستَری رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ ارشاد فرماتے ہیں:

- **اللہ** پاک سے مَحبّت کی علامت یہ ہے کہ بندہ قرآنِ کریم سے مَحبّت کرے۔
- خدا و قرآن سے مَحبّت کی علامت یہ ہے کہ رسولِ کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے مَحبّت کرے۔
- سرکارِ دو عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے مَحبّت کی علامت یہ ہے کہ سنّتوں کو محبوب جانے۔
- سنّت سے مَحبّت کی علامت یہ ہے کہ آخرت سے مَحبّت کرے۔
- آخِرت سے مَحبّت کی علامت یہ ہے کہ دنیا سے نفرت کرے۔
- دنیا سے نفرت کی علامت یہ ہے کہ اس میں سے توشۂ آخِرت کے علاوہ اور کچھ نہ لے۔

فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِیْنِهٖ فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰهُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّهُمْ وَ یُحِبُّوْنَهٗۤ (پ ۶، المآئدۃ: ۵۴)

ترجمۂ کنزالایمان: اے ایمان والو تم میں جو کوئی اپنے دین سے پھرے گا تو عنقریب **اللہ** ایسے لوگ لائے گا کہ وہ **اللہ** کے پیارے اور **اللہ** ان کا پیارا۔

مُراد یہ ہے کہ وہ مرتد نہ ہوں گے کیونکہ وہ تو مرتدین کا بدل ہوں گے۔ لہٰذا ان کی طرح دین سے پھرنے والے نہ ہوں گے۔ جیسا کہ ایک مقام پر اِرشاد ہوتا ہے:

یَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَكُمْۙ ثُمَّ لَا یَكُوْنُوْۤا اَمْثَالَكُمْ۠ (۳۸) (پ ۲۶، محمد: ۳۸)

ترجمۂ کنزالایمان: وہ تمہارے سوا اور لوگ بدل لے گا پھر وہ تم جیسے نہ ہوں گے۔

محبت کی دیگر علامات

یہ بھی مَحبَّتِ باری تعالیٰ کی علامات ہیں:

- بارگاہِ خداوندی کا قرب بخشنے والے اُمُورِ آخِرَت کو نفسانی خواہشات پر مبنی اُمُورِ دنیا پر ترجیح دے۔
- نفسانی لذتوں کے حُصُول کے بجائے اَحکامِ باری تعالیٰ پر عمل پیرا ہونے میں جلدی کرے۔
- اپنی نفسانی خواہشات پر مَحبَّتِ باری تعالیٰ کو ترجیح دے۔
- اَوَامِر و نَوَاہِی میں **اللہ** پاک کے پیارے حبیب صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی پیروی کرے۔
- اَولیائے کِرام یعنی عُلَمائے ربانیین و عابدین کے سامنے تواضُع اِختیار کرے۔
- دنیاداروں اور دنیا کو ترجیح دینے والوں پر سختی کرے۔

حضرت سَیِّدُنا **عبداللہ** بن مبارک رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ سے عرض کی گئی: تواضع کیا ہے؟ تو آپ رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ نے اِرشاد فرمایا: متکبرین کے سامنے تکبر کا اِظہار کرنا۔[1]

---

[1]...... متکبر کے سامنے تکبُّر کا اظہار بھی تواضع ہے۔ چنانچہ فرمانِ نبوی ہے کہ "جب تم میری امت کے تواضُع کرنے والوں کو دیکھو تو ان سے تواضُع سے پیش آؤ اور متکبرین کو دیکھو تو ان سے تکبُّر کرو کیونکہ یہ ان کے لئے تحقیر اور ذلت ہے۔" (اتحاف السادۃ المتقین، کتاب الذم الکبر، ج ۱۰، ص ۲۵۸) اور حضرت سَیِّدُنا بشر حافی رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ کا فرمان ہے: متکبِّر کے ساتھ تکبُّر سے پیش آنا بھی تواضُع کی ایک قسم ہے۔ (المستطرف، الباب الثلاثون، ۱/ ۲۵۱)

حضرت سیِّدُنا ابوالفتح بن شَخْرَف رَحْمَۃُ اللهِ عَلَیْه فرماتے ہیں کہ میں نے امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا علیُّ المرتضیٰ رَضِیَ اللهُ عَنْه کو خواب میں دیکھا تو عرض کی: اے ابوالحسن! مجھے کوئی نصیحت فرمایئے۔ آپ نے فرمایا: یہ بات بھی اچھی ہے کہ فقرا کے لیے کوئی مال دار شخص ثواب کی نیّت سے عاجزی کرے مگر اس سے بھی زیادہ اچھی بات یہ ہے کہ فقرا اللہ پاک پر اِعْتِماد کرتے ہوئے مال داروں پر تکبر کریں۔

(صاحبِ کتاب حضرت سیِّدُنا شیخ ابُو طالب مکّی رَحْمَۃُ اللهِ عَلَیْه فرماتے ہیں:) بے شک اللہ پاک نے اپنے محبوب بندوں کے جو یہ اَوصاف بیان فرمائے ہیں کہ وہ اس کے اَوْلیائے کِرام کی خاطر تواضع اِختیار کرتے ہیں جبکہ اس کے دشمنوں کے سامنے فخر سے کام لیتے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے محبوب بندوں کے بہترین اوصاف ہی بیان کرتا ہے۔ چنانچہ محبوب بندے کے لیے عاجزی اِختیار کرنا اور دُشْمنِ باری تعالیٰ کے سامنے فخر کا اِظْہار کرنا اچھا تو ہے مگر محبوب بندے کے سامنے فخر و غرور کا اِظْہار کرنا اتنا ہی برا ہے جتنا دشمنِ باری تعالیٰ کی خاطر تواضع اِختیار کرنا برا ہے اور اللہ پاک اپنے اَوْلیائے کِرام کو برے اوصاف سے یاد نہیں فرماتا۔

محبت کی ایک اور علامت

مَحبّتِ باری تعالیٰ کی علامات میں سے یہ بھی ہے کہ بندہ اپنے محبوب کی راہ میں جان و مال کی قربانی پیش کرے تاکہ اس کا قرب حاصِل کر سکے اور اس کی رضا پاسکے۔ چنانچہ وہ ہر اس واسطے اور ذریعے کو ختم کردے جو اسے اپنے محبوب کے قرب تک جلد پہنچانے سے روکے۔ جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

وَعَجِلْتُ اِلَیْكَ رَبِّ لِتَرْضٰى ۸۴ ترجمۂ کنزالایمان: اور اے میرے رب تیری طرف میں جلدی کر کے حاضر ہوا کہ تو راضی ہو۔ (پ ۱۶، طٰہٰ: ۸۴)

اسی طرح ایک مقام پر اپنے محبوب، دانائے غیوب صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم کو حکم دیتے ہوئے کچھ یوں اِرشاد فرمایا:

وَتَبَتَّلْ اِلَیْهِ تَبْتِیْلًا ۸ؕ (پ ۲۹، المزمل: ۸) ترجمۂ کنزالایمان: اور سب سے ٹوٹ کر اسی کے ہو رہو۔

(صاحبِ کتاب حضرت سیِّدُنا شیخ ابُو طالب مکّی رَحْمَۃُ اللهِ عَلَیْه فرماتے ہیں:) اس آیتِ مُبارَکہ کے دو مفہوم ہیں۔ ایک یہ کہ آپ ہر شے سے منہ موڑ کر خالص اپنے رب کی طرف متوجہ ہو جائیں اور اسے ہر ایک شے پر ترجیح

دیں۔ دوسرا یہ کہ ہر وہ شے جو آپ کا تعلق آپ کے رب سے توڑے آپ اس سے اپنا ناطہ توڑ لیں یعنی ایسی ہر رکاوٹ سے جدا ہو کر بارگاہِ خداوندی تک رسائی حاصل کریں۔ یہ دونوں باتیں محبّت پر بہت بڑی دلیل کی حیثیت رکھتی ہیں۔ چنانچہ (راہِ محبّت اختیار کرنے والے) بندے کو محبّتِ باری تعالیٰ کے مُعَاملے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے ڈرنا نہیں چاہئے۔ خواہ مخلوق میں سے کوئی اسے اس کی محبّت پر ملامت کرے یا اس راہِ محبّت میں نفس کو مشقّت میں ڈالنے، گھر بار چھوڑنے اور مال و اسباب کو دھتکارنے پر ملامت کرے۔ بلکہ اپنی محبّت کے اس مُعَاملے میں کسی سے تعریف کی اُمّید رکھے نہ اہل وعیال اور مال و دولت پر اپنے رب کو ترجیح دینے کی بنا پر بندوں کی ستائش چاہے۔ چنانچہ مجاہدین وانصار اسی وجہ سے صاحبِ فضلِ عظیم ہوئے کہ انہوں نے راہِ خدا میں اپنے گھر بار سب کچھ وار دیا تھا۔

محبت کی مزید علامات

یہ باتیں بھی محبّتِ باری تعالیٰ کی علامات ہیں: ❀ تنہائی وخلوت میں اُنس وراحت ❀ مُناجات میں آہ وزاری کا لطف ❀ کلامِ باری تعالیٰ سے آسودہ حالی ❀ اَحکامِ خداوندی کے نفاذ پر خوشی ❀ عِبادَت کی حلاوت پانا اور ❀ مصیبت و آزمائش کو نعمت سمجھنا۔

حضرت سیِّدُنا ثابت بنانی رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں کہ میں نے 20 سال تک قرآنِ کریم میں مشقّت اٹھائی اور اب 20 سال ہوئے اس سے لطف اندوز ہو رہا ہوں۔

محبت کی ایک اور علامت

محبّت کی ایک علامت یہ ہے کہ بندہ اپنے محبوب کے سوا کہیں سکون نہ پائے، کیونکہ اس کا محبوب ہی اس کے لیے سکون کا باعث ہوتا ہے۔ جیسا کہ حضرت سیِّدُنا ابو محمد سہل تُستَری رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں: محبّتِ باری تعالیٰ کا دم بھرنے والے کسی شخص کا جُرم **اللہ** پاک کے نزدیک عام لوگوں کی مَعْصِیَّت سے زیادہ شدید ہوتا ہے اور وہ جرم یہ ہے کہ ایسا شخص **اللہ** پاک کے سوا کسی اور سے سکون محسوس کرے اور اس کے سوا کسی اور سے مانوس ہو۔ چنانچہ،

مروی ہے کہ حضرت سیِّدُنا موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام نے بُرخ نامی ایک حبشی غلام کے وسیلے سے بارش کی دعا کی،

تو اللہ پاک نے حضرت سَیِّدُنا موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام سے اِرشاد فرمایا: بُرخ میرا کتنا اچھا بندہ ہے لیکن اس میں ایک عیب ہے۔ عرض کی: اے میرے رب! وہ عیب کیا ہے؟ اِرشاد فرمایا: اس کو بادِ نسیم (صبح کی ہَوا) اچھی لگتی ہے اور یہ اس سے سکون پاتا ہے حالانکہ جو مجھ سے مَحبَّت کرتا ہے وہ کسی اور شے سے سکون نہیں پاتا۔

سکون سے مُراد

اس موقع پر سکون سے مُراد بندے کا کسی شے سے راحت وانس پانا ہے، جبکہ اس کے سوا دیگر مواقع پر سکون کا مطلب یہ ہے کہ بندے کی نگاہ کسی شے کی جانب اٹھے اور وہ اس پر ناز کرتے ہوئے مطمئن ہو کر باقی ہر شے سے منہ موڑ لے۔ (صاحبِ کتاب حضرت سَیِّدُنا شیخ ابو طالب مکّی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں) میں نے مذکورہ حِکایَت ایک عارِف کے سامنے ذکر کی تو وہ فرمانے لگے: مذکورہ حکایت میں فرمانِ باری تعالیٰ "جو مجھ سے مَحبَّت کرتا ہے وہ کسی اور شے سے سکون نہیں پاتا" کا مقصود سَیِّدُنا برخ نہ تھے، بلکہ اس سے حضرت سَیِّدُنا موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام کو سمجھانا مقصود تھا کیونکہ وہ مقامِ مَحبَّت پر فائز تھے اور اللہ پاک نے حَیا کے باعث انہیں براہِ راست مخاطب نہ فرمایا، بلکہ انہیں سَیِّدُنا برخ کی مِثال دی۔ فرماتے ہیں کہ پھر میں نے ان سے عرض کی: اللہ پاک نے حضرت سَیِّدُنا موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام کو براہِ راست ان کا عیب بتائے بغیر اس عیب سے کیوں آگاہ فرمایا، حالانکہ وہ بھی اللہ پاک کے محبوب تھے؟ تو انہوں نے جواب دیا: اَہْلِ مَحبَّت مقربین کی زِندَگی کی بہاریں اپنے پروردگار کے کرم سے وابستہ ہوتی ہیں، وہ راحت و آرام پاتے ہیں تو بھی اسی بارگاہ سے اور ابتلا و آزمائش میں مبتلا ہوتے ہیں تو بھی ان کی نگاہوں کا مرکز بارگاہِ خداوندی ہی ہوتا ہے۔ لہٰذا جب یہ لوگ یہی سب کچھ اپنے محبوب یعنی رب کے علاوہ کسی اور کی طرف سے پائیں تو یہ باتیں ان کے حق میں گناہ شُمار ہوتی ہیں اور اس کا سَبَب وہ غفلت بنتی ہے جو ان لوگوں پر طاری کر دی جاتی ہے تاکہ وہ اس سے چھٹکارا پانے کے لیے بارگاہِ خداوندی کی طرف متوجہ ہوں تو وہ ان کی مَغْفِرَت فرمادے۔ چنانچہ،

عابد کا پرندوں کی آواز سے سکون پانے کا نقصان

منقول ہے کہ ایک عابد کسی جنگل میں طویل عرصہ تک اللہ پاک کی عِبادَت کرتا رہا۔ ایک مرتبہ اس نے کسی پرندے کو دیکھا کہ جس نے ایک درخت میں گھونسلا بنا رکھا تھا، وہ پرندہ وہاں چہچہاتا رہتا، عابد (کو اس

کا چہچہانا اس قدر پسند آیا کہ اس) نے دل میں کہا: کیا ہی اچھا ہو جو میں اپنی جائے عِبادت اس درخت کے قریب بنالوں تاکہ اس پرندے کی آواز سے راحت پاتا رہوں۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا تو **اللہ** پاک نے اس وَقْت کے نبی پر وحی نازِل فرمائی کہ فلاں عابد سے فرمادو: تم مخلوق سے مانوس ہوئے میں نے تمہارا درجہ ایسا کم کر دیا ہے کہ اب کسی بھی عَمَل سے اسے نہیں پاسکو گے۔

محبت کی ایک اور علامت

خالص اور سچی مَحَبَّت کی ایک عَلامَت یہ ہے:

- رب تعالٰی سے مانوس ہونے کے باعث ہر شے سے اپنا ناطہ توڑ کر بس اسی کا بن جانا۔
- براہِ راست (اس کے کرم سے) حاصِل ہونے والی راحت سے سکون محسوس کرنا۔
- کسی محفل میں ہو تو اسی کی باتوں سے لطف اندوز ہونا۔
- تنہائی میں ہو تو اس سے مناجات کرتے رہنا۔
- موافقت کی مَحَبَّت کے غلبہ کی وجہ سے ترکِ مُخالَفَت جیسی نعمت کی حلاوت سے لطف اندوز ہونا۔

(صاحبِ کتاب حضرت سیِّدُنا شیخ ابو طالب مکی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں:) مَحَبَّتِ باری تعالٰی سے سرشار ایک محب نے مجھے کسی کا یہ شعر سنایا:

اَلَذُّ جَمِیْلَ الصَّبْرِ عَمَّا اَلَذُّہٗ   وَاَھْوٰی لِمَا اَھْوَاہُ تَرْکًا فَاَتْرُکُہٗ

ترجمہ: میں اپنی پسندیدہ شے پر صبرِ جمیل سے لطف اٹھاتا ہوں اور میرا محبوب کسی شے کو چھوڑنا چاہتا ہے تو میں بھی اس کی وجہ سے اس شے کو چھوڑ دیتا ہوں۔

اسی طرح کسی اور سے یوں مروی ہے:

وَاَتْرُكُ مَا اَھْوٰی لِمَا قَدْ ھَوِیْتَہٗ   فَاَرْضٰی بِمَا تَرْضٰی وَ اِنْ سَخِطَتْ نَفْسِیْ

ترجمہ: تیری خواہش کے لیے میں اپنی خواہش چھوڑ دیتا ہوں، پس میں تیری رضا پر راضی ہوں اگرچہ میرا نفس اس پر ناراض ہی ہو۔

نظر و فکر میں بس محبوب ہی محبوب ہو

(صاحبِ کتاب حضرت سَیِّدُنا شیخ ابُو طالب مکّی رَحْمَۃُ اللهِ عَلَیْه فرماتے ہیں:) بارگاہِ حبیب میں ہی دل کو اطمینان حاصل ہونا، فکر کا اس کے قرب کے حُصُول میں مگن رہنا اور نظر کا ہمیشہ اسی کی جانِب لگی رہنا بھی محبت کی علامات میں سے ہے۔ اس لیے کہ جسے اس کے عرفان کی دولت مل جائے وہ اس کا محب بن جاتا ہے اور جو اس کا محب بن جاتا ہے اس کی نگاہوں میں بس وہی سما جاتا ہے اور جس کی نگاہوں میں اس کے جلوے ہوں وہ بس وہیں کا ہو کر رہ جاتا ہے۔ کیا آپ یہ مفہوم اس فرمانِ باری تعالیٰ سے نہیں سمجھ پائے؟

وَانْظُرْ اِلٰۤى اِلٰهِكَ الَّذِیْ ظَلْتَ عَلَیْهِ عَاكِفًاؕ (پ۱۶، طٰهٰ: ۹۷)

ترجمۂ کنزالایمان: اور اپنے اس معبود کو دیکھ جس کے سامنے تو دن بھر آسن مارے (پوجا کے لیے بیٹھا) رہا۔

مَحَبَّت کے فرائض و فضائل

محبت کا پہلا فرض

مَحَبَّتِ باری تعالیٰ کا سب سے پہلا فرض یہ ہے کہ محب اپنے حبیب کی مَحَبَّت کی وجہ سے اس کی ہر پسند کی مُوافقت کرے۔ جیسا کہ امیر المومنین حضرت سَیِّدُنا عُمر فاروقِ اعظم رَضِیَ اللهُ عَنْه نے حضرت سَیِّدُنا صُہیب رومی رَضِیَ اللهُ عَنْه کے بارے میں اِرشاد فرمایا کہ **اللہ** پاک صہیب پر رحم فرمائے! اگر ان کے دل میں خوفِ الٰہی نہ بھی ہوتا تو بھی وہ **اللہ** پاک کی نافرمانی نہ کرتے۔

(صاحبِ کتاب حضرت سَیِّدُنا شیخ ابُو طالب مکّی رَحْمَۃُ اللهِ عَلَیْه فرماتے ہیں) امیر المومنین حضرت سَیِّدُنا عُمر فاروقِ اعظم رَضِیَ اللهُ عَنْه کے اس فرمان سے مراد یہ ہے کہ حضرت سَیِّدُنا صہیب رَضِیَ اللهُ عَنْه کی **اللہ** پاک سے مَحَبَّت ہی انہیں بغیر کسی خوف کے اپنے رب کی نافرمانی سے باز رکھتی ہے۔ چنانچہ وہ **اللہ** پاک کی اطاعت (اس کے خوف سے نہیں بلکہ) اس کی مَحَبَّت کی بنا پر کرتے ہیں۔ حضرت سَیِّدُنا صہیب رَضِیَ اللهُ عَنْه خود بھی اِرشاد فرمایا کرتے تھے: اپنے رب سے میری مَحَبَّت نے میرے دل سے ہر وہ شے نکال دی ہے جو کوئی اور شے نہیں نکال سکتی تھی۔ یعنی خوف دِلانے والی صِفات اور اُمّید دلانے والے اَفعال۔

محبت کا دوسرا فرض

ایک عالم فرماتے ہیں: ایثار مَحَبَّت کا شاہد ہے۔ چنانچہ مَحَبَّتِ باری تعالیٰ کی عَلامت یہ ہے کہ بندہ اپنے نفس پر اسے ترجیح دے۔ نیز فرماتے ہیں: ایسا نہیں کہ جو شخص **اللہ** پاک کی اَطاعت کرے وہ اس کا محبوب بھی بن جائے بلکہ جو شخص اس کی منع کردہ باتوں سے بچتا ہے وہی اس کا محبوب بنتا ہے۔

(صاحبِ کتاب حضرت سَیِّدُنا شیخ ابو طالب مکّی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں:) حقیقت میں بھی ایسا ہی ہے جیسا کہ اس عالم نے فرمایا ہے، اس لیے کہ مَحَبَّت ترکِ مُخالَفت سے عَیاں ہوتی ہے نہ کہ کثرتِ اَعمال سے۔ جیسا کہ منقول ہے: نیک اعمال تو نیک وبد سبھی کرتے ہیں مگر گناہوں کو صدیق یعنی سچے لوگوں کے سوا کوئی ترک نہیں کرتا۔

نیکیوں پر استقامت اور ترکِ گناہ کا اجر وثواب

ایک قول میں ہے کہ نیکیوں کا سب سے افضل مرتبہ ان پر ڈٹ جانا ہے، کیونکہ نیکیوں پر اِستِقامت اِختیار کرنا اور گناہوں سے بچنا دونوں ثواب کو 700 گنا تک بڑھا دیتے ہیں۔ گویا کہ ایسا شخص راہِ خدا میں جہاد کرنے والے کی طرح ہے۔ اس لیے کہ اس کا نفس **اللہ** پاک اور اس کا اپنا بھی دشمن ہے، چنانچہ اس کا اپنی نفسانی خواہشات کی مُخالَفت کرنا راہِ خدا میں جہاد کرنا ہی ہے۔ کیونکہ وہ **اللہ** پاک کی جانب سے آزمائش میں مبتلا ہوا، لہٰذا جب اس نے اپنی نفسانی خواہش پر کوئی توجہ نہ دی تو گویا اس نے اپنے نفس پر توجہ نہ دی تو اس کا ایسا کرنا کم از کم دو باتوں پر ضرور مشتمل ہو گا کہ اس نے دنیا سے بے رغبتی اِختیار کی اور راہِ خدا میں جہاد کیا۔ اس وجہ سے اس کی نیکیوں میں 700 گنا اِضافہ ہوا تو ترکِ مُخالَفت کے سَبَب وہ مَحَبَّتِ باری تعالیٰ کا حق دار بھی بن گیا۔ کیونکہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

وَ لِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ﴿۴۶﴾ ترجمۂ کنز الایمان: اور جو اپنے رب کے حضور کھڑے ہونے سے ڈرے اس کے لیے دو جنتیں ہیں۔ (پ ۲۷، الرحمن: ۴۶)

(صاحبِ کتاب حضرت سَیِّدُنا شیخ ابو طالب مکّی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں: اس آیتِ مُبارکہ میں جس شخص کے اَوصاف بیان کیے گئے ہیں کہ) اسے اپنے غیر پر یہ فضیلت مَحَبَّتِ باری تعالیٰ کا پیکر ہونے کی وجہ سے حاصل ہے۔

اس سے بھی عجیب تر بات میں نے یہ سنی کہ حضرت سَیِّدُنا موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام نے حضرت سَیِّدُنا خضر عَلَیْہِ السَّلَام سے پوچھا: یہ مرتبہ آپ کو کس وجہ سے نصیب ہوا؟ تو انہوں نے بتایا: ہر قسم کی نافرمانیاں چھوڑ کر۔

فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ (پ ۱۱، التوبۃ: ۱۱۱)

ترجمۂ کنز الایمان: بے شک اللہ نے مسلمانوں سے ان کے مال اور جان خرید لئے ہیں۔

اس آیتِ مُبارَکہ کی تفسیر میں حضرت سَیِّدُنا ابو محمد سہل تُسْتَرِی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں: یہاں مسلمانوں کے جان و مال سے مُراد ان کے فانی نفسوں کا عیش و آرام ہے، یعنی اللہ پاک نے ان کے نفسوں کی نفسانی لذتوں کو خرید لیا۔

محبت کی دیگر علامات

درج ذیل باتیں بھی مَحبّت کی علامات ہیں:

- بارگاہِ خداوندی میں اپنی فریاد پیش کر کے راحت پانا۔
- وحدتِ خداوندی کی حقیقت تک رسائی پانے پر مطمئن ہونا۔
- رضائے خداوندی کے حُصُول کی خاطر عِبَادات وغیرہ میں خلوص اِختیار کرنا۔
- بارگاہِ خداوندی میں حسنِ ادب سے کام لینا یعنی اپنے خاص مُعَاملہ کو مخفی رکھنا۔
- بارگاہِ خداوندی سے ملنے والی تنگی اور سختی کے فیصلوں کا لوگوں کے سامنے ذکر نہ کرنا، البتہ! لطف و کرم اور اِنعام واِکرام کا خوب چرچا کرنا۔
- اللہ پاک کی نعمتوں، اس کے مخفی لطف و کرم، اس کی قدرت و صنعت کے عجائب و غرائب میں خوب غور و فکر سے کام لینا۔
- ہر حال میں اس کی حمد و ثنا بیان کرتے رہنا۔
- اس کے فضل و کرم اور انعامات سے دوسروں کو بھی فیض یاب کرنا۔
- اس کی طرف سے آنے والی آزمائشوں پر صبر واِستِقَامَت کا دامَن تھامے رکھنا۔

(صاحبِ کتاب حضرت سَیِّدُنا شیخ ابُو طالِب مکّی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں:) مذکورہ باتوں کے علاماتِ مَحبَّت ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جب کوئی بندہ ان باتوں کو اپنا لیتا ہے تو وہ **اللہ** پاک کے اَولیائے کِرام میں شُمار ہونے لگتا ہے، حالانکہ اَولیائے کاملین و محبوبانِ ربُّ الْعٰلَمِیْن کے **اللہ** پاک کے ہاں مقام و مرتبہ کے باوجود **اللہ** پاک ان پر سختی سے کام لیتا ہے، کیونکہ وہ بخوبی جانتا ہے کہ یہ لوگ اس کا بدل نہیں چاہتے اور نہ ہی کسی اور کے طالب ہیں، اس لیے کہ بارگاہِ خداوندی کے سوا ان لوگوں کو کہیں سکون نہیں ملتا اور نہ ہی یہ لوگ اپنے رب کے سوا کچھ اور چاہتے ہیں، بلکہ ان کی نظر و فکر میں اس کے سوا کوئی دوسرا آتا ہی نہیں۔ جیسا کہ کسی محب کا قول ہے: (اے میرے رب!) میری ہلاکت کا تعلق تجھ سے ہے اور میری اس حالت کا سَبَب بھی تیری مَحبَّت ہی ہے۔ میں تجھ سے ڈرتا و گھبراتا بھی ہوں مگر تیرا ہی مشتاق ہوں، اگر میں تجھ سے تیرا دیدار مانگتا ہوں تَو تُو مجھے (اپنی راہِ مَحبَّت میں) تھکا دیتا ہے اور اگر میں تجھ سے دور ہوتا ہوں تَو تُو مجھے بُلا لیتا ہے، یوں مجھے تیرے ساتھ (دیدار نہ ہونے کے باعث) نہ چین ملتا ہے اور نہ ہی تیرے سوا کہیں راحت مل سکتی ہے۔

محبت کی مزید علامات

درج ذیل باتیں بھی مَحبَّت کی علامات ہیں:

- شرحِ صدر اور وجودِ حلاوت کے باعث ہر قسم کے مستحب اَعمالِ خیر پر عَمَل کرنے میں جلدی کرنا۔
  جیسا کہ ایک رِوایَت میں ہے کہ بندہ نوافل کے ذریعے میرا قرب حاصِل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے مَحبَّت کرنے لگتا ہوں۔[1]
- قضائے باری تعالیٰ پر راضی رہنا۔ اس لیے کہ بندے کا یہ فعل **اللہ** پاک کے اَفعال کو پسند کرنے کے مُتَرادِف ہے۔
- اس کے ذکر کا دیوانہ ہونا۔
- اس کا ذکر کرنے والوں سے مَحبَّت کرنا۔
- ہر وَقت اس کی یاد میں مصروف رہنے والوں کا ہم نشین رہنا۔

---

[1] ......بخاری، کتاب الرقاق، باب التواضع، ۴/۲۴۸، حدیث: ۶۵۰۲

- ہمیشہ اسی کی بار گاہ میں اپنے دکھ درد اور شوق و مَحبّت کا اِظہار کرنا۔
- دل کا مخلوق کی یاد سے خالی ہونا۔
- ہر شے میں اپنے خالق ومالک پاک پر نگاہ رکھنا۔
- ہر شے کے مُعاملے میں اسی بار گاہ کی طرف رُجُوع کرنا۔
- ہر شے کے پائے جانے کے باوجود اسی سے اُنس پانا۔
- کثرت سے اور ہر شے کے ساتھ اس کا ذکر کرنا۔

تہجد بھی محبت کی علامت ہے

تہجد بھی مَحبّت کی عَلامَت ہے، ایک حدیثِ قدسی میں مروی ہے کہ **اللہ** پاک اِرشاد فرماتا ہے: وہ شخص جھوٹا ہے جو مجھ سے مَحبّت کا دعوٰی کرے مگر رات آنے پر میرے ذکر سے غافل ہو کر سورہے۔[1]

(صاحبِ کتاب حضرت سَیِّدُنا شیخ ابو طالب مکی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں:) **البتہ! بعض** بزرگانِ دین نے شب بیداری کو ایک خاص مقام قرار دیا ہے۔ چنانچہ جب ایک بزرگ کے سامنے مذکورہ رِوایَت ذکر کی گئی تو انہوں نے اِرشاد فرمایا: یہ حال اس شخص کا ہے جو مقامِ شوق پر فائز ہو کہ جب اس پر سکینہ نازل ہوتا ہو اور وہ قرب کی منازل میں اُنس و مَحبّت کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا چکا ہو تو ایسے شخص کا رات بھر سونا اور جاگنا یکساں ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد مزید فرمانے لگے کہ میں نے محبین کے ایک گروہ کو دیکھا ہے جن کا رات کو سونا جاگنے سے زیادہ ہوتا تھا۔ جبکہ اس مُعاملے میں محبین کے امام اور محبوبین کے آقا **اللہ** پاک کے پیارے حبیب صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا معمول یہ تھا کہ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم رات کے وَقْت جس قدر قیام فرماتے اسی قدر آرام بھی فرماتے اور **بعض** اوقات تو آپ کا آرام فرمانا قیام سے زیادہ ہو جاتا، بلکہ کوئی بھی رات ایسی نہیں گزری جس میں آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے آرام نہ فرمایا ہو۔

زہد بھی محبت کی علامت ہے

یہ دو باتیں بھی مَحبّت کی علامت ہیں:

---

[1] ......عیون الاخبار، کتاب الزھد، التھجد، ۲/ ۳۲۳

دنیا میں زہد اختیار کرنے کے باعث مالِ دنیا سے نجات پا کر اپنے رب کی طرف رُجوع کرنا۔

تمام نفسانی خواہشات پر حق کو ترجیح دینے کے باعث نفس سے منہ موڑ کر رب کی طرف رُجوع کرنا۔

محب کبھی تھکتا نہیں

سَیِّدُ الطائفہ حضرت سَیِّدُنا جنید بغدادی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ اِرشاد فرماتے ہیں: مَحَبَّت کی علامت نفسانی شہوت سے چھٹکارا پانے کے لیے ہر وَقْت تازہ دم رہنا اور ایسی کوشش و مَشَقَّت کرتے رہنا ہے کہ بدن تو سست اور کمزور ہو جائے مگر دل سست اور کمزور نہ ہو۔

کسی اور بزرگ کا قول ہے: مَحَبَّت کے سَبَب کیے جانے والے عَمَل میں سستی و کمزوری پیدا نہیں ہوتی۔

کسی اور عالم کا قول ہے: بخدا! **اللہ** پاک سے مَحَبَّت کرنے والا اس کی فرمانبرداری سے کبھی سیر نہیں ہوتا خواہ وہ اس کے قرب کی بلند منازِل پر ہی پہنچ جائے۔

حق کی وصیت

حق کی وَصِیَّت و نصیحت کرنا اور اس پر صبر کا دامَن ہاتھ سے جانے نہ دینا بھی مَحَبَّت کی علامت ہے۔ جیسا کہ **اللہ** پاک نے تجارت میں نفع پانے والے صالحین کا تذکرہ کرتے ہوئے اِرشاد فرمایا ہے:

اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍۙ(۲) اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ تَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ﳔ وَ تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ۠(۳) (پ ۳۰، العصر: ۲، ۳)

ترجمۂ کنزالایمان: بے شک آدمی ضرور نقصان میں ہے مگر جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے اور ایک دوسرے کو حق کی تاکید کی اور ایک دوسرے کو صبر کی وَصِیَّت کی۔

اس لیے کہ محبین ان لوگوں کی طرح نہیں جن کے مُتَعَلِّق اِرشاد ہوتا ہے:

یُؤْتِكُمْ اُجُوْرَكُمْ وَ لَا یَسْــٴَـلْكُمْ اَمْوَالَكُمْ(۳۶) اِنْ یَّسْــٴَـلْكُمُوْهَا فَیُحْفِكُمْ تَبْخَلُوْا وَ یُخْرِجْ اَضْغَانَكُمْ(۳۷) (پ ۲۶، محمد: ۳۶، ۳۷)

ترجمۂ کنزالایمان: وہ تم کو تمہارے ثواب عطا فرمائے گا اور کچھ تم سے تمہارے مال نہ مانگے گا اگر انہیں تم سے طلب کرے اور زیادہ طلب کرے تم بخل کرو گے اور وہ بخل تمہارے دلوں کے میل ظاہر کر دے گا۔

آیتِ مُبارَکہ کی تفسیر

یہاں اس آیتِ مُبارَکہ میں ﴿ اِنْ یَّسْــَٔلْكُمُوْهَا ﴾ سے مُراد یہ ہے کہ اگر تم سے تمہارا محبوب یعنی اللہ پاک تمہارے اموال کا مطالبہ کرے اور اس مُعامَلے میں سختی سے کام لے تو تمہارے دلوں کا بُغض ظاہر ہو جائے گا۔ چنانچہ حضرت سَیِّدُنا ابن عباس رَضِیَ اللہُ عَنْہُمَا کی ایک قراءت میں بھی یہاں ﴿ اَضْغَانَكُمْ ﴾ سے مُراد اَموال ہی ہیں۔

(صاحبِ کتاب حضرت سَیِّدُنا شیخ ابو طالب مکی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں:) محبّتِ باری تعالیٰ کے مُعامَلے میں اگر مذکورہ آیاتِ مُبارَکہ میں مذکور کمزور درجے کے لوگ صرف اَموال کے شرک میں ہی مبتلا اور ذکرِ خداوندی سے غافِل ہوتے تو یہی بات ان کے لیے کافی تھی کہ وہ مخلص محبین کو ملنے والے نفع سے اور صادقین کو ملنے والے اِنعام واِکرام سے محروم ہو گئے۔

راہِ محبت کا امتحان

اللہ پاک اہلِ محبّت سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اپنے جان ومال اس کی راہ میں قربان کر دیں یہاں تک کہ ان کے پاس اپنے محبوب کے سوا کچھ باقی نہ رہے اور وہ تین باتوں کی وجہ سے صرف اسی کی عبادت میں مشغول رہیں، یعنی صرف اس سے محبّت کریں، اس سے اپنی محبّت کا اِظہار کریں اور ان کے (محبّتِ باری تعالیٰ کے دعویٰ میں) صادق ہونے اور (راہِ محبّت میں آنے والی آزمائشوں پر) صابر ہونے کا امتحان بھی ہو جائے۔ اس لیے کہ اللہ پاک جواد وکریم بھی ہے اور مالک بھی۔ چنانچہ وہ چاہتا ہے کہ اس کی بارگاہ میں صرف کامل شے ہی پیش کی جائے، نیز وہ غیور بھی ہے اور پسند نہیں فرماتا کہ اس کی محبّت میں کسی اور کو بھی شریک کیا جائے۔ لہٰذا جو شخص عرفانِ خداوندی کی دولت سے مالامال ہو وہی راہِ محبّت میں اِستِقامت کا دامَن تھام سکتا ہے اور جو شخص اِستِقامت کا دامَن تھام لے وہی محبّت کی نعمت سے سرشار ہوتا ہے۔ مگر اَحکامِ باری تعالیٰ پر وہی شخص راضی رہتا ہے جسے اپنے رب پر کامل یقین ہو، البتہ! اللہ پاک صرف اسی شخص سے ہر شے قربان کرنے کا مُطالَبہ کرتا ہے جسے اپنی محبّت کی دولت سے مالامال کرتا ہے کہ یہی اس کا نظامِ حکمت ہے۔ چنانچہ،

محب کا محبوب کے لیے سب کچھ وار دینا

محبتِ باری تعالیٰ سے سرشار ایک بزرگ نے اپنی جان اور مال سب کچھ راہِ خدا میں لگا دیا یہاں تک کہ ان کے پاس کچھ باقی نہ رہا تو ان سے عرض کی گئی: مَحَبَّت میں آپ نے جو یہ حال اَپنایا ہے، اس کا سَبَب کیا ہے؟ تو انہوں نے اِرشَاد فرمایا: میرے اس حال کو اپنانے کا سَبَب وہ بات ہے جو میں نے ایک بندے سے سنی جو اس نے دوسرے بندے سے کہی تھی۔ عرض کی گئی: وہ بات کیا تھی؟ اِرشَاد فرمایا: میں نے ایک دن کسی محب کو اپنے محبوب سے یہ کہتے سنا: بخدا! میں سچے دل سے تمہیں چاہتا ہوں اور تم ہو کہ مجھ سے بے رُخی برت رہے ہو۔ تو محبوب نے اس سے کہا: اگر تمہیں مجھ سے مَحَبَّت ہے تو تم مجھ پر کیا کچھ وار سکتے ہو؟ محب بولا: اے میرے آقا! میں آپ کو اپنی ہر چیز کا مالک بناتا ہوں، بلکہ اپنی رُوح بھی آپ پر قربان کر دوں گا یہاں تک کہ یہ جہانِ فانی سے کوچ کر جائے۔ (یہ بات سن کر) میں نے دل میں کہا: مخلوق کا مخلوق کے ساتھ اور بندے کا بندے کے ساتھ یہ مُعاملہ ہے تو مخلوق کا خالق کے ساتھ اور بندے کا معبود کے ساتھ مُعاملہ کیسا ہونا چاہئے؟ بس اس حالت کا سَبَب یہی بات ہے۔

(صاحبِ کتاب حضرت سَیِّدُنا شیخ ابو طالب مکی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں:) اَموال نفسوں میں خرید و فروخت کے تحت داخِل ہوئے تو محبین نے مَحَبَّتِ باری تعالیٰ کی خاطر اپنے نفسوں اور دیگر ہر شے کو بارگاہِ خداوندی میں بیچنے کے لیے پیش کر دیا اور اللہ پاک نے ان کی تمام چیزوں کو عمدہ قرار دیتے ہوئے خرید لیا۔ پس اس کی اپنے ان بندوں سے مَحَبَّت کی عَلامَت یہ ہے کہ وہ اِن کے جان و مال کو خرید لیتا ہے اور اس کے خریدنے کی عَلامَت یہ ہے کہ وہ اُن چیزوں کو اِن سے دور کر دیتا ہے اور جب وہ اُن چیزوں کو اِن سے دور کر دیتا ہے اور ان کے دلوں میں اس کے سوا کوئی نفسانی خواہش باقی نہیں رہتی تو یوں وہ انہیں خرید لیتا۔

نفسانی امراض اور ان سے بچاؤ کا طریقہ

یاد رکھئے! نفسانی آفات ہی نفس کے امراض ہیں اور نفس کو ان امراض سے پاک کرنا ہی ان کا علاج ہے۔ جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ۪ۙ (۹) (پ ۳۰، الشمس: ۹) ترجمۂ کنزالایمان: بے شک مُراد کو پہنچا جس نے اُسے ستھرا کیا۔

الغرض جب اللہ پاک نے اپنے بندوں کے نفوس کو آفات سے پاک فرمایا تو گویا انہیں اپنی مَحبَّت کے لیے خالص فرمالیا اور جب انہیں شہوات سے پاک کر کے تقوٰی کی خاطِر کسی آزمائش میں مبتلا کیا تو گویا ان کے نفوس کو خرید لیا۔

نفس کی ہر بیماری چھوٹی یا بڑی ہونے کے اعتبار سے قابلِ علاج ہے، چنانچہ مرض کے لاحق ہوتے ہی اس کا عِلاج بھی کر لیجئے، وہ اس طرح کہ جس مرض (مثلاً بخل) میں مبتلا ہوں تو اس کی ضد (مثلاً سخاوت) کو اپنا لیجئے یا اس مرض کو ہی جڑ سے کاٹ دیجئے۔

بکے ہوئے نفوس کی چند علامات

اللہ پاک جن نفوس کو خرید لیتا ہے ان کی علامات یہ ہیں:

- وہ نفوس مرتبۂ محبوبیت پر فائز ہو جاتے ہیں اور اللہ پاک انہیں اپنے لیے منتخب فرمالیتا ہے۔
- وہ نفوس اپنے محبوب کی عبَادت بجالاتے ہوئے اس کی بارگاہ کی طرف ہی رجوع کرتے ہیں۔
- اس کی خاطِر روزے رکھ کر کثرت سے اس کی حمد و ثنا بیان کرتے ہیں۔
- اس کی بارگاہ میں حُسنِ اَدَب کا خیال رکھتے ہوئے ہمیشہ نماز قائم کرتے ہیں۔
- جس بات کو وہ پسند کرتا ہے اس پر عَمَل کرنے کا حکم دیتے ہیں۔
- جس بات کو وہ پسند نہیں کرتا اس سے روکتے ہیں۔
- اس کی بیان کردہ و مُقرَّر کردہ حُدُود کی حِفَاظَت کرتے ہیں۔
- مدارِجِ عقل کے اعتبار سے علم کو ترتیب دیتے ہیں۔ یعنی علم توحید اور قدرت کے دیگر اَسرار کو مخفی رکھتے ہیں۔

(صاحبِ کتاب حضرت سَیِّدُنا شیخ ابو طالب مکی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں:) عقل کی ایک حد ہے، جس تک رسائی علمِ مَحبَّت کو چھپا کر حاصل کی جا سکتی ہے اور یہ مقام اہلِ مَحبَّت کے نزدیک اسی طرح ہے جیسا کہ ظاہری اَعضاء پر ان حُدُود کی حِفَاظَت کرنا لازم ہے جو انبیا و رُسل عَلَیْہِمُ السَّلَام نے بیان کی ہیں۔ جیسا کہ درج ذیل فرامینِ باری تعالیٰ سے ظاہِر ہے:

﴿1﴾ وَ مَنْ یَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ؕ (پ ۲۸، الطلاق: ۱)
ترجمۂ کنزالایمان: اور جو اللہ کی حدوں سے آگے بڑھا بے شک اس نے اپنی جان پر ظلم کیا۔

﴿2﴾ وَ مَنْ لَّمْ یَتُبْ فَاُولٰٓىٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۱۱﴾ (پ ۲۶، الحجرات: ۱۱)
ترجمۂ کنزالایمان: اور جو توبہ نہ کریں تو وہی ظالم ہیں۔

﴿3﴾ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ وَ یُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِیْنَ ﴿۲۲۲﴾ (پ ۲، البقرة: ۲۲۲)
ترجمۂ کنزالایمان: بے شک اللہ پسند رکھتا ہے بہت توبہ کرنے والوں کو اور پسند رکھتا ہے ستھروں کو۔

﴿4﴾ فَاِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُتَّقِیْنَ ﴿۷۶﴾ (پ ۳، ال عمران: ۷۶)
ترجمۂ کنزالایمان: اور بے شک پرہیز گار اللہ کو خوش آتے ہیں۔

محبوبِ باری تعالیٰ بننے کا طریقہ

اللہ پاک کے محبوب صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا فرمانِ عالیشان ہے: جو یہ چاہے کہ **اللہ** پاک اس سے مَحَبَّت کرے اسے چاہئے کہ وہ دنیا میں زہد اختیار کرے۔[1]

(صاحبِ کتاب حضرت سَیِّدُنا شیخ ابُو طالب مَکّی رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں:) معلوم ہوا مَحَبَّتِ باری تعالیٰ کے خواہش مند کو دنیا میں زہد اپنانے سے پہلے ہر گز اس مَحَبَّت کی خواہش نہیں کرنی چاہئے کہ یہ عَلامت اہلِ مَحَبَّت کے تمام اوصاف کا خلاصہ ہے۔

محبت کی ایک اور علامت

مَحَبَّت کی ایک عَلامت یہ ہے کہ بندہ ہر وَقْت اپنے رب کی عِبادَت میں لگا رہے اور قلب و نظر کو اسی کی مَحَبَّت پر مصروف رکھے، صِرف اسی شے کو چاہے جس میں اس کے رب کی رضا و قضا ہو۔

کسی عالم سے مروی ہے کہ جب تو دیکھے کہ **اللہ** پاک تجھے اپنی مخلوق سے ڈرا رہا ہے تو جان لے کہ وہ تجھے خود سے مانوس کرنا چاہتا ہے۔

اللہ پاک نے حضرت سَیِّدُنا داود عَلَیْہِ السَّلَام کی طرف وحی فرمائی: میرے نزدیک محبوب ترین بندہ وہ

---

[1] ....ابن ماجه، كتاب الزهد، باب الزهد في الدنيا، ۴/ ۴۲۲، حديث: ۴۱۰۲، ماخوذاً

ہے جو بغیر کسی عِوَض کے میری عِبادَت کرے مگر رُبوبیّت کا حق بھی ضرور ادا کرے۔

حضرت سَیِّدُنا وہب بن منبہ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ سے منقول ہے کہ زبور شریف میں ہے: اس سے بڑھ کر ظالم کون ہو سکتا ہے جو جنّت یا جہنّم کی وجہ سے میری عِبادَت کرے، (گویا) اگر میں جنّت اور جہنّم کو پیدا نہ کرتا تو میری اِطاعت نہ کی جاتی؟

سَیِّدُنا عیسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام کے فرامین

مَحبّتِ باری تعالیٰ کے حوالے سے حضرت سیِّدُنا عیسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام سے کئی اقوال مروی ہیں، (چنانچہ یہاں صاحبِ کتاب حضرت سَیِّدُنا شیخ ابو طالب مکی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ نے آپ عَلَیْہِ السَّلَام سے مروی درج ذیل دو قول اور ایک حِکایت نقل کی ہے:)

- جب تم کسی متقی شخص کو اپنے رب کی جستجو میں مُستَغرَق دیکھو تو جان لو کہ اس جستجو نے اسے اپنے رب کے سوا ہر شے سے غافل کر دیا ہے۔
- مَحبّتِ باری تعالیٰ کا پیکر بارگاہِ خداوندی میں قیام کرنا پسند کرتا ہے۔
- ایک بار آپ عَلَیْہِ السَّلَام عابدین کی ایک جماعت کے پاس سے گزرے جن کے بدن کثرتِ عِبادَت کے باعث کسی بوسیدہ لکڑی کی مانند حد درجہ کمزور ہو چکے تھے، آپ عَلَیْہِ السَّلَام نے ان سے دریافت فرمایا: تم کون ہو؟ انہوں نے عرض کی: ہم عابدین ہیں۔ استفسار فرمایا: کس وجہ سے تم اس قدر کثرت سے عِبادَت کر رہے ہو؟ عرض کی: **اللہ** پاک نے ہمیں نارِ جہنّم سے ڈرایا تو ہمارے دل میں دوزخ کی آگ کا خوف پیدا ہو گیا۔ چنانچہ آپ عَلَیْہِ السَّلَام نے ان سے اِرشاد فرمایا: **اللہ** پاک پر حق ہے کہ تمہیں اس شے سے اَمان عطا فرمائے جس سے تم ڈر رہے ہو۔

پھر آپ عَلَیْہِ السَّلَام کا گزر ان سے بھی زیادہ عِبادَت گزار اور کمزور اشخاص پر ہوا تو آپ عَلَیْہِ السَّلَام نے ان سے بھی استفسار فرمایا: تمہاری اس قدر کثرت سے عِبادَت کا سَبَب کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا: ہمیں **اللہ** پاک نے جنّت اور اس میں اس نے اپنے اولیائے کرام کے لیے جو نعمتیں تیار کر رکھی ہیں ان کا شوق دلایا تو ہم بھی اس سے ان کی اُمّید رکھتے ہیں۔ اِرشاد فرمایا: **اللہ** پاک پر حق ہے کہ تمہیں

وہ عطا کرے جس کی تم اُمّید رکھتے ہو۔

پھر آپ عَلَیْہِ السَّلَام مزید آگے بڑھے تو ایسے عابدین کے پاس سے گزرے (جن کی حالت سابقہ دونوں گروہوں سے زیادہ کمزور تھی)، تو آپ عَلَیْہِ السَّلَام نے ان سے بھی ان کی اس حالت کا سَبَب دریافت فرمایا۔ چنانچہ انہوں نے عرض کی: ہم **اللہ** پاک سے مَحبَّت کرتے ہیں۔ ہمیں اس کی دوزخ کا کوئی خوف ہے نہ جنت کا کوئی شوق، بلکہ ہم تو اس کی عَظمت و جلالت اور اس کی مَحبَّت کی وجہ سے اس کی عِبادَت کر رہے ہیں۔ اس پر آپ عَلَیْہِ السَّلَام نے اِرشَاد فرمایا: تم ہی حقیقت میں **اللہ** پاک کے ولی ہو اور مجھے تمہارے ساتھ ہی ٹھہرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ چنانچہ آپ عَلَیْہِ السَّلَام ان کے ساتھ ٹھہر گئے۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ عَلَیْہِ السَّلَام نے سب سے پہلے گروہ سے اِرشَاد فرمایا تھا: مخلوق ہونے کے اعتبار سے تمہیں خوف لاحق ہوا اور مخلوق ہونے کے اعتبار سے تم نے یہ راہ پسند کی۔ جبکہ اس آخری گروہ سے یہ اِرشَاد فرمایا: تم ہی مقربین ہو۔

بُزرگانِ دین سے منقول مَحبَّتِ باری تعالٰی کی باتیں

(صاحبِ کتاب حضرت سَیِّدُنا شیخ ابُو طالِب مَکّی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں:) حضرت سَیِّدُنا عیسٰی عَلَیْہِ السَّلَام سے منقول ان اَقوال جیسے اقوال تابعین کی ایک جماعت سے بھی مروی ہیں جو اسی مقام پر فائز تھی۔ چنانچہ،

مجھے حیا آتی ہے

حضرت سَیِّدُنا ابو حازِم مَدَنی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرمایا کرتے تھے: مجھے اس بات سے حَیا آتی ہے کہ میں عذاب کے خوف سے **اللہ** پاک کی عِبادَت کروں اور ایسا بُرا غلام بن جاؤں کہ اگر اسے مزدوری نہ دی جائے تو کام نہ کرے۔ بلکہ میں تو اس کی مَحبَّت کی وجہ سے اس کی عِبادَت کرتا ہوں۔

بُرا غلام کون؟

یہی مفہوم ایک حدیثِ پاک میں بھی مروی ہے۔ چنانچہ سرورِ کائنات صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا فرمانِ عالیشان ہے: تم میں سے کوئی اس بُرے غلام کی طرح نہ ہو جسے ڈر نہ ہو تو کام نہ کرے اور نہ اس بُرے اجیر

(مزدور) کی طرح ہو جسے مزدوری نہ دی جائے تو کام نہ کرے۔

جب معرفت کا تعلق استوار ہو جائے تو...

حضرت سیِّدُنا معروف کرخی رَحْمَۃُ اللهِ عَلَیْہ سے ان کے کسی دوست نے عرض کی: مجھے بتایئے کہ آپ کو کس چیز نے مخلوق سے علیحدگی اور عِبادَتِ اِلٰہی پر آمادہ کیا؟ آپ رَحْمَۃُ اللهِ عَلَیْہ نے کوئی جواب نہ دیا تو وہ خود ہی (قیاس آرائی کرتے ہوئے) کہنے لگے: کیا موت کی یاد نے؟ تو آپ رَحْمَۃُ اللهِ عَلَیْہ نے اِرشَاد فرمایا: موت کیا چیز ہے؟ عرض کی: تو کیا قبر اور برزخ کی یاد نے؟ اس پر آپ رَحْمَۃُ اللهِ عَلَیْہ نے (پہلے کی طرح) اِرشَاد فرمایا: قبر کیا شے ہے؟ پھر عرض کی: تو کیا جہنّم کے خوف اور جنّت کی اُمّید نے؟ تو آپ رَحْمَۃُ اللهِ عَلَیْہ نے (بالآخر حقیقت سے پردہ اٹھاتے ہوئے) اِرشَاد فرمایا: یہ کیا چیز ہے؟ بے شک یہ تمام چیزیں تو **الله** پاک کے قبضے میں ہیں اگر تم اس سے مَحبَّت کرو تو وہ تمہیں یہ سب کچھ بھلا دے گا اور اگر تمہارے اور اس کے درمیان مَعْرِفَت (کا تعلق اُسْتوار) ہو جائے تو وہی تمہیں ان تمام کے مُقابل کافی ہے۔

دائمی دیدار کا حق صرف محبین کو ہے

حضرت سیِّدُنا ابو الحسن علی بن مُوَفَّق رَحْمَۃُ اللهِ عَلَیْہ فرماتے ہیں کہ (ایک بار) میں نے خواب میں دیکھا گویا کہ میں جنّت میں ہوں، وہاں میں نے ایک شخص کو دستر خوان پر بیٹھے ہوئے دیکھا جس کے دائیں بائیں دو فرشتے اُسے ہر قسم کی عمدہ عمدہ چیزیں کھلا رہے ہیں اور وہ کھا رہا ہے اور جنت کے دروازے پر کھڑے ایک شخص کو دیکھا جو لوگوں کے چہروں کو دیکھ کر بعض کو داخِل ہونے دیتا ہے اور بعض کو واپس لوٹا دیتا ہے۔ فرماتے ہیں: پھر میں ان دونوں سے آگے حَظِیْرَۃُ الْقُدُس کی جانب بڑھا تو عرش کے خیموں میں میں نے ایک شخص کو دیکھا جو دیدارِ اِلٰہی میں مستغرق تھا اور آنکھ بھی نہیں جھپک رہا تھا۔ میں نے (جنّت کے نگران) حضرت سیِّدُنا رِضوان عَلَیْہِ السَّلَام سے پوچھا: یہ کون ہیں؟ تو انہوں نے بتایا کہ یہ حضرت سیِّدُنا معروف کرخی رَحْمَۃُ اللهِ عَلَیْہ ہیں جنہوں نے **الله** پاک کی عِبادَت جہنّم کے خوف سے کی نہ جنّت کے شوق سے، بلکہ محض اس کی مَحبَّت کی وجہ سے کی، لہٰذا **الله** پاک نے انہیں قِیامَت تک اپنی طرف دیکھنے کی اِجازَت عطا فرما دی ہے۔ پھر میں نے دیگر دو اَفراد کے مُتَعَلِّق پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ وہ حضرت سیِّدُنا بشر حافی رَحْمَۃُ اللهِ عَلَیْہ اور حضرت سیِّدُنا امام

احمد بن حنبل رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ ہیں۔

مقامِ ابدال تک رسائی کی شرائط

(صاحبِ کتاب حضرت سَیِّدُنا شیخ ابو طالب مکی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں:) یہ صدیقین میں سے ابدالوں کا مقام ہے اور ان ابدالوں اور شہیدوں کا مرتبہ اسی وَقْت حاصل ہو سکتا ہے جب درج ذیل باتیں ان میں پائی جائیں:

- مَحَبَّتِ باری تعالیٰ ان کے دلوں پر ہر حال میں غالب رہے۔
- وہ بس اپنے رب کے ہو جائیں۔
- اس کے علاوہ سب کچھ بھول جائیں۔
- اس کی عِبَادَت صِرف اسی کی خاطر کریں۔

مقربین و ابرار میں فرق

الغرض (مذکورہ صفات کے حامل) یہی لوگ مقربین ہیں اور ان کے لیے ہی جنت میں اعلیٰ نعمتیں ہوں گی اور وہ ان نعمتوں سے لطف اندوز ہوں گے جبکہ اصحابِ یمین کو عطا کردہ نعمتیں مقربین کو عطا کی گئی نعمتوں سے قدرے مختلف ہوں گی۔ جیسا کہ اللہ پاک نے نیک لوگوں کو عطا کردہ نعمتوں کے اوصاف بیان کرتے ہوئے اِرشَاد فرمایا:

اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ ﴿۲۲﴾ عَلَى الْاَرَآىِٕكِ یَنْظُرُوْنَ ﴿۲۳﴾ تَعْرِفُ فِیْ وُجُوْهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِیْمِ ﴿۲۴﴾ یُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِیْقٍ مَّخْتُوْمٍ ﴿۲۵﴾

ترجمۂ کنزالایمان: بے شک نکوکار ضرور چین میں ہیں تختوں پر دیکھتے ہیں تو اُن کے چہروں میں چین کی تازگی پہچانے ستھری (خالص و پاک) شراب پلائے جائیں گے۔

(پ ۳۰، المطففین: ۲۲ تا ۲۵)

اس کے بعد ان نیک لوگوں اور مقربین کے لیے تیار کردہ مشروب کے مُتَعَلِّق اِرشَاد فرمایا:

وَمِزَاجُهٗ مِنْ تَسْنِیْمٍ ﴿۲۷﴾ عَیْنًا یَّشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُوْنَ ﴿۲۸﴾ (پ ۳۰، المطففین: ۲۷، ۲۸)

ترجمۂ کنزالایمان: اور اس کی ملونی (ملاوٹ) تسنیم سے ہے وہ چشمہ جس سے مُقرَّبان بارگاہ پیتے ہیں۔

مُراد یہ ہے کہ نیک لوگوں کے مشروب میں تسنیم کا پانی ملا ہو گا جبکہ مقربین اس چشمے سے خالص مشروب پئیں گے۔ یوں معلوم ہوا نیک لوگوں کا مشروب مقربین کے مشروب کی آمیزش سے ہی لذت والا

ہو گا۔ (صاحبِ کتاب حضرت سیِّدُنا شیخ ابو طالب مکی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں) یہاں **اللہ** پاک نے صرف مشروب کا ذکر کیا ہے مگر مُراد جنت کی تمام نعمتیں ہیں جیسا کہ صرف کتاب (یعنی نامۂ اعمال) کا ذکر کیا مگر اس سے مُراد تمام علوم و اعمال ہیں۔ چنانچہ نیک لوگوں کے نامۂ اعمال کے مُتَعَلِّق اِرشاد فرمایا:

كَلَّاۤ اِنَّ كِتٰبَ الْاَبْرَارِ لَفِیْ عِلِّیِّیْنَ ﴿۱۸﴾ ترجمۂ کنزالایمان: ہاں ہاں بے شک نیکوں کی لکھت سب سے اونچے محل عِلِّیِّین میں ہے۔ (پ ۳۰، المطففین: ۱۸)

پھر اس کے بعد اِرشاد فرمایا:

یَّشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُوْنَ ﴿۲۱﴾ (پ ۳۰، المطففین: ۲۱) ترجمۂ کنزالایمان: کہ مُقرب جس کی زیارت کرتے ہیں۔

یہاں سے واضح ہے کہ نیکوکاروں کے علم کا اچھا ہونا، ان کے اعمال کا ستھرا ہونا اور اُن کے نامہ اعمال کا بلند ہونا مقربین کی گواہی سے ہوتا ہے کیونکہ **اللہ** پاک کی رحمت اُن سے قریب ہے اور وہ اُس کے حضور حاضر ہیں۔ اس لیے کہ **اللہ** پاک نے اپنے قرب کا مرتبہ عطا فرما رکھا ہے اور وہ اس کی بارگاہ میں حاضر رہتے ہیں۔ اسی طرح دنیا میں نیک لوگوں کے علوم جہاں ان مقربین کے علم سے آراستہ ہوتے ہیں وہیں ان کے اعمال بھی ان کے مُشاہدے سے ہی رِفعت پاتے ہیں۔ چنانچہ یہ لوگ جس قدر ان مقربین کے قریب ہوں گے اپنے نفوس میں مزید انعاماتِ باری تعالیٰ پائیں گے۔ جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

كَمَا بَدَاْنَاۤ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِیْدُهٗ ترجمۂ کنزالایمان: ہم نے جیسے پہلے اُسے بنایا تھا ویسے ہی پھر کر دیں گے۔ (پ ۱۷، الانبیآء: ۱۰۴)

ایک مقام پر اِرشاد فرمایا:

جَزَآءً وِّفَاقًا ﴿۲۶﴾ (پ ۳۰، النبا: ۲۶) ترجمۂ کنزالایمان: جیسے کو تیسا بدلہ۔

یعنی انہیں جزا بھی ان کے اَعمال کے مُطابِق ملے گی۔ جیسا کہ ایک مقام پر ان کے دنیاوی اَعمال کی جزا کا تذکرہ کرتے ہوئے اِرشاد فرمایا:

سَیَجْزِیْهِمْ وَصْفَهُمْ اِنَّهٗ حَكِیْمٌ عَلِیْمٌ ﴿۱۳۹﴾ (پ ۸، الانعام: ۱۳۹) ترجمۂ کنزالایمان: قریب ہے کہ **اللہ** انھیں ان کی ان باتوں کا بدلہ دے گا بے شک وہ علم حکمت والا ہے۔

مُراد یہ ہے کہ اللہ پاک انہیں ویسی ہی جزا دے گا جیسے دنیا میں ان کے اَعمال ہوں گے۔

جیسی دنیا کی مشغولیت ویسی آخرت کی

آج اس دارِ فانی میں جس کی نعمتیں عمدہ ہوں گی کل دارِ آخرت میں بھی اس کی نعمتیں عمدہ ہوں گی اور اس جہان میں جس کی نعمتوں اور راحتوں کا مرکز اللہ پاک ہو گا وہی کل اس کے حضور سچ کی مجلس میں ہو گا۔ جیسا کہ حضرت سَیِّدُنا ابو سلیمان دارانی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں: جو آج اپنے نفس میں مشغول ہے وہ کل بھی اسی میں مشغول ہو گا اور جو آج اپنے رب کے ساتھ مشغول ہے وہ کل بھی اسی کے ساتھ مشغول رہے گا۔

سَیِّدَتُنا رابعہ عدویہ اور مَحَبَّتِ باری تعالٰی

حضرت سَیِّدَتُنا رابعہ عدویہ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہَا اَہْلِ مَحَبَّت میں سے تھیں، ان سے مَحَبَّتِ الٰہی کے مُتَعَلِّق کئی اَقوال مروی ہیں۔ یہاں ذیل میں پانچ اَقوال پیشِ خِدمَت ہیں:

﴿1﴾ حضرت سَیِّدُنا سفیان ثوری رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ ان کی خِدمَت میں حاضِر ہو کر عرض کیا کرتے: ہمیں بھی حِکْمَت کی وہ عجیب باتیں بتایئے جن سے اللہ پاک نے آپ کو نوازا ہے۔ تو آپ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہَا فرمایا کرتیں: اے سفیان! آپ کتنے اچھے ہیں! اے کاش! آپ دنیا کو پسند نہ کرنے لگیں۔ حالانکہ آپ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ زاہد و عالم تھے، مگر حضرت سَیِّدَتُنا رابعہ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہَا کتبِ احادیث کو ترجیح دینے اور لوگوں سے میل جول رکھنے کو ابوابِ دنیا شمار کرتی تھیں، چنانچہ ایک دن حضرت سَیِّدُنا سفیان ثوری رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ نے آپ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہَا سے پوچھا: ہر شخص کی ایک شرط اور ہر ایمان کی ایک حقیقت ہوتی ہے، آپ کے ایمان کی کیا حقیقت ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا: میں نے اللہ پاک کی عِبادَت جہنّم کے خوف کی وجہ سے نہیں کی کہ میری حالت اس بُرے مزدور جیسی ہو جسے ڈر ہو تو کام کرے اور نہ جنّت کی مَحَبَّت کی وجہ سے کی ہے کہ میری حالت اس بُرے مزدور جیسی ہو جسے کچھ دیا جائے تو وہ کام کرے بلکہ میں نے تو اس کی عِبادَت صرف اس کی مَحَبَّت اور اس کے شوق کی وجہ سے کی ہے۔

﴿2﴾ حضرت سَیِّدُنا حماد بن زید رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں کہ ایک بار میں نے حضرت سَیِّدَتُنا رابعہ عدویہ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہَا سے عرض کی: اگر آپ کی کوئی حاجت ہے تو بتایئے میں پوری کر دوں تو آپ نے فرمانے

لگیں: میں جب اس ہستی سے دنیا مانگنے میں حیا محسوس کرتی ہوں جو دنیا کا مالک ہے تو اس سے کیوں مانگوں جو اس کا مالک ہی نہیں۔

﴿3﴾ ایک بار حضرت سَیِّدُنا عبد الواحد بن زید رَحْمَۃُ اللهِ عَلَیْہ نے آپ رَحْمَۃُ اللهِ عَلَیْہَا کو پیغامِ نکاح دیا تو آپ نے فرمایا: اے شہوت والے! اپنے جیسی شہوت والی تلاش کر، تو نے مجھ میں شہوت کی کیا چیز دیکھی ہے؟

﴿4﴾ اسی طرح جب بصرہ شہر کے حاکم محمد بن سلیمان نے آپ کو نکاح کا پیغام دیا کہ حق مہر ایک لاکھ اور ہر ماہ دس ہزار کا خرچ بھی دے گا تو آپ رَحْمَۃُ اللهِ عَلَیْہَا نے اسے جواب دیا: تو میرا غلام بن جائے اور تیری ملکیت میں جو کچھ ہے وہ سب میرا ہو جائے تو پھر بھی میں اس قدر بات سے بھی راضی نہ ہوں گی کہ تو مجھے میرے پرور دگار سے پلک جھپکنے کی مقدار غافل کر دے۔

﴿5﴾ آپ رَحْمَۃُ اللهِ عَلَیْہَا نے مَحبّتِ باری تعالٰی کے مفہوم میں کچھ اشعار کہے جو شرح کے محتاج ہیں اور انہیں اہلِ بصرہ و دیگر لوگوں نے آپ سے رِوایت کیا ہے۔ مثلاً حضرت سَیِّدُنا جعفر بن سلیمان ضبعی، حضرت سَیِّدُنا سفیان ثوری، حضرت سَیِّدُنا حماد بن زید اور حضرت سَیِّدُنا عبد الواحد بن زید رَحِمَہُمُ الله۔ وہ اَشعار یہ ہیں:

اُحِبُّكَ حُبَّيْنِ حُبَّ الْهَوٰى وَ حُبًّا لِاَنَّكَ اَهْلٌ لِذَاكَا

فَاَمَّا الَّذِىْ هُوَ حُبُّ الْهَوٰى فَشُغْلِىْ بِذِكْرِكَ عَمَّنْ سِوَاكَا

وَاَمَّا الَّذِىْ اَنْتَ اَهْلٌ لَهٗ فَكَشْفُكَ لِىَ الْحُجُبَ حَتّٰى اَرَاكَا

لَا الْحَمْدُ فِىْ ذَا وَلَا ذَاكَ لِىْ وَلٰكِنْ لَكَ الْحَمْدُ فِىْ ذَا وَ ذَاكَا

❁ میں تجھ سے دو طرح کی مَحبّت کرتی ہوں، ایک عشق ہے اور دوسرا یہ کہ تُو ہی مَحبّت کا اہل ہے۔

❁ عشق والی مَحبّت یہ ہے کہ میں تیرے سوا سب کو چھوڑ کر تیرے ذکر میں مشغول ہوں۔

❁ اور جس مَحبّت کا صرف تو ہی اہل ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ تو نے حجابات و پردے اٹھا کر مجھے اپنا دیدار عطا فرمایا۔

❁ میرے لئے اِس مَحبّت میں کوئی تعریف ہے نہ اُس میں بلکہ دونوں میں تعریف تیرے ہی لئے ہے۔

اَشعار کی وضاحت

(صاحبِ کتاب حضرت سَیِّدُنا شیخ ابو طالب مکی رَحْمَۃُ اللهِ عَلَیْہ فرماتے ہیں:) حضرت سَیِّدَتُنا رابعہ عدویہ رَحْمَۃُ اللهِ عَلَیْہَا

نے اپنے ان اشعار میں مَحبَّت کی دو قسمیں بیان کی ہیں۔ یعنی ایک مَحبَّت کا تعلق عشق سے ہے اور دوسری وہ مَحبَّت کا جس کا رب کے سوا کوئی اہل نہیں۔ آپ رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهَا نے جو مَحبَّت کی یہ دو قسمیں بیان کی ہیں یہ وضاحت کی محتاج ہیں تاکہ وہ شخص بھی اس بات کی حقیقت سے آگاہ ہو جائے جو جانتا نہیں اور وہ شخص بھی باخبر ہو جائے جسے مُشاہدے کی قوت نصیب نہیں۔ مَحبَّت کے اس نام اور اس کے اوصاف کا انکار وہی ذوی العقول کر سکتے ہیں جنہوں نے اس کا ذائقہ چکھا ہے نہ ان کا اس میں کوئی عَمَل دخل ہے، البتہ! جو جاننا چاہتا ہے اس کی ہم اس کی حقیقت تک رہنمائی بھی کریں گے اور اسے اس کے اپنانے پر مائل بھی کریں گے۔ چنانچہ،

محبت کی پہلی قسم

عشق سے جو مَحبَّت حضرت سَیِّدَتُنا رابعہ رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهَا نے مُراد لی ہے، اس سے گویا کہ آپ یہ کہنا چاہتی ہیں: اے میرے پروردگار! میں نے تیرا دیدار کیا تو تجھ سے مَحبَّت کر بیٹھی جس کا سَبَب وہ مُشاہدہ ہے جو مجھے عین الیقین سے حاصِل ہوا، میں نے کسی سے سن کر یا کسی کے بتانے سے تجھ سے مَحبَّت کی ہے نہ اس تصدیق کی بنا پر کی ہے جو تیرے عطا کردہ انعامات و احسانات سے مجھے حاصِل ہوئی کہ افعال کے بدلنے سے میری مَحبَّت بھی بدلتی رہتی، بلکہ تجھ سے میری مَحبَّت کا سَبَب تیرا دیدار ہے، چنانچہ میں تیرے قریب ہوئی، ہر شے سے منہ موڑ کر تیری بارگاہ کی طرف بھاگ کھڑی ہوئی اور خود کو تیری عِبادَت میں مشغول کر کے ہر ایک سے ناطہ توڑ لیا۔ اے میرے پروردگار! تیری مَحبَّت سے قبل میری مختلف خواہشات تھیں مگر جب میں نے تیرا دیدار کیا تو سب خواہشیں گویا مل کر ایک ہی خواہش بن گئیں اور تو ہی میرے دل کے تمام گوشوں اور جملہ مَحبَّتوں کا محور بن گیا، پھر تو نے میرے دل سے اپنے سوا ہر ایک کی یاد بھلا دی، اس کے باوجود میں اس مَحبَّت پر کسی حق کی طلب گار ہوں نہ اس بات کی اہل ہوں کہ آخِرت میں مَقامِ رضوان پر کھلے عام تیری طرف اپنی نظر اٹھا سکوں۔ اس لیے کہ میری تجھ سے مَحبَّت تجھ پر کوئی جزا لازم نہیں کرتی بلکہ تیرا مجھے ہر شے سے نوازنا مجھ پر ایک ایسے حق کو لازم کرتا ہے کہ جس کی ادائیگی کی مجھ میں طاقت ہے نہ کبھی میں وہ حق ادا کر پاؤں گی، کیونکہ میں تجھ سے مَحبَّت کرتی ہوں اور مجھ پر ہر لمحہ حق کی ادائیگی میں کوتاہی کا خوف لازم ہے تو ایفائے عہد کی کمی کی بنا پر حیا واجب ہے۔ چنانچہ تو مجھ پر اپنا خاص فضل و کرم فرما۔

محبت کی دوسری قسم

حضرت سَیِّدَتُنا رابعہ عدویہ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہَا نے تیسرے شعر میں جس مَحبّت کا تذکرہ کیا ہے کہ اس کا اہل صرف **اللہ** پاک ہی ہے تو اس کی وجہ یہ ہے، گویا کہ آپ کہنا چاہتی ہیں: اے میرے رب! میری جس مَحبّت کا اہل صِرف تو ہے اس کا سَبَب تیرا مجھے اپنے خاص فضل و کرم سے نوازنا ہے، یعنی جس طرح تو نے یہاں آج دنیا میں مجھے اپنے دیدار کی نعمت سے سرشار فرمایا ہے آخِرت میں بھی اپنے دیدار عطا فرمانے کے اس خاص فضل و کرم سے محروم نہ فرمانا۔ لہٰذا دنیا میں جو تو نے مجھ پر اپنا یہ خاص فضل فرمایا اس پر بھی تیرے لیے ہی حمد و ستائش ہے اور جب آخِرت میں تو مجھ پر اپنا یہ فضل فرمائے گا تو بھی حمد تیرے لیے ہی ہے۔ اس فضل کے پانے پر یہاں دنیا میں میرے لیے کچھ ستائش ہے نہ وہاں آخِرت میں کچھ تعریف ہے، کیونکہ دنیا و آخِرت میں میری اس فضل تک رسائی تیرے ہی کرم کے باعث ممکن ہے۔ لہٰذا حقیقت میں ان دونوں جگہوں پر تو ہی حمد کے لائق ہے کیونکہ تو ہی مجھے اپنے دیدار کی دولت سے مالا مال کرنے والا ہے۔

الحاصل

(صاحب کتاب فرماتے ہیں:) ہم نے حضرت سَیِّدَتُنا رابعہ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہَا کے قول سے گمان کرتے ہوئے مذکورہ اشعار کی جو وضاحت کی ہے وہ سب اہْلِ تحقیق محبین کا وِجدان ہے، کیونکہ مقامِ مَحبّت میں حضرت سَیِّدَتُنا رابعہ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہَا ایک خاص مقام کی حامل تھیں۔ جسے **اللہ** پاک ہی بہتر جانتا ہے، ہم نے یہاں اجمالی طور پر اس کا ذکر کیا ہے مگر اس کتاب میں اس کی کامل وضاحت کرنا ہمارے لیے ممکن ہے نہ ہم اس کی وضاحت کریں گے۔ جو شخص حضرت سَیِّدَتُنا رابعہ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہَا کے پائے کے اہْلِ مَحبّت سے نہ ہو کہ اس کی مَحبّت پر ناز کیا جاسکے بلکہ وہ محبوب سے اپنی مَحبّت کا بدل چاہے اور اپنی مَحبّت کے باعث محبوب پر کوئی چیز لازم کرے تو وہ مَحبّت کے فریب میں مبتلا ہے اور اس کی آنکھوں پر حجاب ہے۔ اس کا مقام رجا ہے جس کی ضد خوف ہے اور مَحبّت سے اس کا کوئی بھی تعلق نہیں۔

محبت کب صحیح ہوتی ہے؟

مَحبّت اس وَقْت صحیح ہوتی ہے جب مَحبّت میں محبوب کی ناراضی کا خوف دامن گیر ہو۔ چنانچہ کسی عارف

کا قول ہے: جو یہ گمان کرتا ہے کہ اس نے مَعْرِفَتِ باری تعالیٰ کی دولت کو پالیا ہے تو وہ حقیقت میں عارف ہی نہیں اور جو یہ سمجھتا ہے کہ وہ مَحَبَّتِ باری تعالیٰ کا پیکر ہے تو گویا وہ سچا محب نہیں۔

اہلِ محبت کو لاحق خوف اور خوف میں ان کی درجہ بندی

محبین کو سات طرح کے خوف لاحق ہوتے ہیں جبکہ اہْلِ مقامات ان سے بری ہیں۔ ان میں سے بعض خوف بعض سے زیادہ سخت ہیں۔ چنانچہ،

﴿1تا3﴾ اِعراض، حجاب اور بُعد کا خوف

سب سے پہلا خوف اِعراض (یعنی محبوب کے رخ پھیر لینے کا) ہے۔ دوسرا حجاب (یعنی محبوب کے دیدار نہ کرانے کا) ہے جو اِعراض سے زیادہ سخت ہے۔ پھر بُعد و دُوری کا خوف ہے اور یہ (یعنی بارگاہِ خداوندی کے قرب سے دور کر دیئے جانے کا) خوف پہلے دونوں خوفوں سے زیادہ سخت ہے۔ سورۂ ہود میں یہی وہ مفہوم ہے جس نے **اللہ** پاک کے پیارے حبیب صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کو بوڑھا کر دیا جب آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اپنے محبوب یعنی **اللہ** پاک سے یہ فرمان سنا:[1]

اَلَا بُعْدًا لِّثَمُوْدَ ﴿۶۸﴾ (پ۱۲، ھود: ۶۸) ترجمۂ کنز الایمان: ارے لعنت ہو ثمود پر۔

مزید اِرشاد ہوا:

اَلَا بُعْدًا لِّمَدْیَنَ كَمَا بَعِدَتْ ثَمُوْدُ ﴿۹۵﴾ (پ۱۲، ھود: ۹۵) ترجمۂ کنز الایمان: ارے دور ہوں مدین جیسے دور ہوئے ثمود۔

(صاحبِ کتاب حضرت سَیِّدُنا شیخ ابو طالب مکی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں:) یہاں اس آیتِ مُبارَکہ میں **اللہ** پاک نے بعد و دوری کا تذکرہ کرتے ہوئے اپنے قرب سے دُور کرنے کا بیان فرمایا ہے جو کہ حالتِ قرب میں مقربین کو بوڑھا کر دیتا ہے۔

---

[1] ......ترمذی، کتاب التفسیر، باب ومن سورۃ الواقعۃ، ۵/ ۱۹۳، حدیث: ۳۳۰۸ بتغیر قلیل

﴿4﴾ سلب وُقُوف کا خوف

اس کے بعد اہلِ محبت کو درجات میں اضافہ رُک جانے کا خوف ہوتا ہے اور ایک ہی مقام پر ٹھہر جانے کا خوف لاحق ہوتا ہے۔ اِظْہَار و اِخْتِیار کے مُعَاملے میں اس خوف کا تعلق خواص سے ہوتا ہے، لہٰذا (بسا اوقات) ان سے اس خوف کی حقیقت بطورِ سزا سلب کر لی جاتی ہے۔ جبکہ بعض اوقات یہ خوف اس وَقْت لاحق ہوتا ہے جب کوئی مَحبَّت کا دعویٰ کرتا ہے اور اس کا نفس اس کی حقیقت سے آگاہ ہوتا ہے۔ اگرچہ اس خوف سے اہلِ مَحبَّت کے دَرَجات میں کمی تو آجاتی ہے مگر وہ اس کی وجہ سے (اپنے رب کی رحمت سے) مایوس نہیں ہوتے کیونکہ (وہ جانتے ہیں کہ) یہ خوف **اللہ** پاک کی خفیہ تدبیر ہے۔

﴿5﴾ ناقابلِ تلافی معاملات کے فوت ہو جانے کا خوف

پھر ایسے مُعَامَلات کے فوت ہو جانے کا خوف لاحق ہوتا ہے جن کا تدارُک ممکن نہ ہو۔ جیسا کہ اہلِ مَحبَّت میں سے حضرت سَیِّدُنا ابراہیم بن ادہم رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ نے دورانِ سیاحت کسی کو یہ اشعار پڑھتے سنا:

كُلُّ شَيْءٍ لَكَ مَغْفُوْرٌ سِوَى الْاِعْرَاضِ عَنِّي

قَدْ وَهَبْنَا مِنْكَ مَا فَا تَ بَقِيْ مَا فَاتَ مِنِّي

ترجمہ: مجھ سے اعراض کرنے کے سوا تیرے لیے ہر شے قابلِ مُعافی ہے۔ جو تجھ سے فوت ہوا ہم نے بخش دیا اور جو مجھ سے فوت ہوا وہ باقی ہے۔

یہ سن کر آپ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ تڑپ اٹھے اور بے ہوش ہو گئے اور ایک رات دن تک ہوش میں نہ آئے۔ یہ ایک طویل واقعہ ہے جس میں ہے کہ کئی حالات و واقعات سے گزرنے کے بعد آپ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ اس جگہ تک پہنچے یہاں تک کہ اس واقعے کے آخر میں آپ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں: پہاڑ سے میں نے کسی کو یہ کہتے سنا: يَا اِبْرَاهِيْمُ! كُنْ عَبْدًا۔ اے ابراہیم! عبد (بندہ) بن جا۔ چنانچہ میں عبد (بندہ) ہو گیا تو مجھے راحت مل گئی۔

﴿كُنْ عَبْدًا﴾ کی وضاحت

(صاحبِ کتاب حضرت سَیِّدُنا شیخ ابو طالب مکی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں:) یہاں ﴿کن عبدا﴾ کا مطلب یہ ہے کہ تمہارا مالک صِرف ایک ہو اور تم اس کے غلام بن کر اس کے سوا سب سے آزاد ہو جاؤ۔ خود کسی چیز کے مالِک مت

بنو، کیونکہ اشیاء تو اپنے حقیقی مالک کے خزانے میں ہیں۔ لہٰذا ہرگز ان کا مالک نہ بننا ورنہ یہی اشیاء تمہارے مالک سے تمہارے لیے حجاب بن جائیں گی اور جس قدر تم ان کے مالک بنو گے اسی قدر ان کے قیدی ہو کر رہ جاؤ گے۔

دو قسم کے غلام

اللہ پاک نے اپنے اور مخلوق (کے بندے یعنی غلام) کے مابین فرق بیان کرتے ہوئے قرآنِ کریم میں دو بندوں کی مثال ذکر فرمائی ہے کہ ان میں سے ایک تو کئی آقاؤں کا غلام ہو جو اس کے اہل و عیال، مال و دولت اور خواہشات میں باہم جھگڑتے رہیں جبکہ دوسرا مکمل طور پر خالص ایک کا ہو تو یقیناً وہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔ جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلًا فِیْهِ شُرَكَآءُ مُتَشٰكِسُوْنَ وَ رَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍؕ هَلْ یَسْتَوِیٰنِ مَثَلًاؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۲۹﴾ (پ ۲۳، الزمر: ۲۹)

ترجمۂ کنز الایمان: اللہ ایک مثال بیان فرماتا ہے ایک غلام میں کئی بدخو آقا شریک اور ایک نرے ایک مولیٰ کا کیا ان دونوں کا حال ایک سا ہے سب خوبیاں اللہ کو بلکہ ان کے اکثر نہیں جانتے۔

یہاں "ان کے اکثر نہیں جانتے" سے مُراد یہ ہے کہ اکثر لوگ فردِ واحد جیسے عالم نہیں ہوتے۔

﴿6﴾ فراموشی و غفلت کا خوف

ناقابلِ تلافی معاملات کے فوت ہو جانے کے خوف سے زیادہ سخت فراموشی و غفلت کا خوف ہے۔ اہلِ مَحبَّت کو سب سے زیادہ یہی (یعنی کسی بھی لمحے اپنے رب کو بھول جانے یا اس سے غافل ہو جانے کا) خوف لاحق ہوتا ہے، اس لیے کہ ان کی مَحبَّتِ باری تعالیٰ کا سَبَب خود باری تعالیٰ ہے نہ کہ وہ خود ہیں اور یہ ایک بہت عظیم نعمت ہے جس کی قدر و منزلت نہیں جانی جا سکتی، لہٰذا کیسے اس کا شکر ادا ہو سکتا ہے؟ اور کیسے کوئی چیز اس کے قائم مقام ہو سکتی ہے؟

ربّ تعالیٰ سے غفلت کا سبب

اہلِ مَحبَّت کے اپنے محبوب یعنی اللہ پاک سے غافل ہو جانے کا سَبَب بھی ان کا ربّ ہی ہے جیسا کہ وہ اس

سے محبّت خاص اسی کی محبّت کی وجہ سے کرتے ہیں۔ چنانچہ ان پر فراموشی وغفلت کی حالت اس طرح طاری ہوتی ہے کہ انہیں احساس تک نہیں ہوتا، جیسا کہ یہ اس کی محبّت میں مبتلا ہوئے تھے مگر انہیں معلوم بھی نہ ہونے پایا تھا۔ لہٰذا جب آپ اچانک خود کو اپنے محبوب سے غافل پائیں جیسا کہ اس کی محبّت میں مشغول ہوئے تھے تو جان لیجئے کہ آپ اپنے محبوب کو بھلا بیٹھے ہیں اور آپ کو معلوم بھی نہیں ہو سکا کہ یہ فراموشی کی حالت کیسے طاری ہوئی؟ اس لیے کہ وہ آپ پر اپنی حِکْمت کی لطافتوں کے ذریعے بتدریج یہ حالت طاری کرتا ہے جیسا کہ آپ اس سے محبّت کرنے لگے تھے اور آپ کو معلوم بھی نہ ہوا تھا، کیونکہ اس نے آپ کو اپنی قدرت کی آگاہی کے ذریعے اپنی رحمت سے تعلق رکھنے والے اوصافِ حمیدہ کا مُشاہدہ کروایا تو آپ اس سے محبّت کرنے لگے۔

محبت نہ رہے تو کیا ہوتا ہے؟

(صاحبِ کتاب حضرت سیِّدُنا شیخ ابو طالب مکی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں:) محبّت جس طرح آتی ہے اسی طرح لوٹ جائے تو آپ کو **اللہ** پاک کی خفیہ تدبیر وجبریت کے مُشاہدے سے روک دیتی ہے اور یوں آپ کا دل اپنے رب کی قوت وطاقت اور تدبیر حاصل نہ ہونے کے باعث اس کی یاد سے غافل ہو جاتا ہے۔ اس بات کو وہی شخص بیان کر سکتا ہے جو اس آزمائش کی باریکیوں کو خوب جانتا ہے اور وہی بچ سکتا ہے جو **اللہ** پاک کی خفیہ تدبیر اور اس کی ابتلاو آزمائش سے ڈرتا ہے۔ چنانچہ،

یاد رکھئے! جب آپ اسے اس کی وجہ سے فراموش کر بیٹھیں تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس نے آپ کو اپنی بارگاہ سے نکال باہر پھینکا ہے اور آپ کو دھتکار دیا ہے جیسا کہ جب آپ اس سے محبّت کرتے تھے تو آپ کی محبّت کا سَبَب بھی وہی تھا (اور یوں آپ کی اس بارگاہ تک رسائی تھی)۔ یہی وہ سریع الاثر خفیہ تدبیر ہے جو **اللہ** پاک کی اس قدرتِ کاملہ کے ساتھ پائی جاتی ہے جو فریب میں مبتلا دلوں کی حالت بہت تیزی سے بدل دیتی ہے اور یہی وہ بدبختی وشقاوت ہے جس کا شِکار فریب میں مبتلا شخص ہوتا ہے کہ اسے اس کے اس قدر جلد پہنچنے کی وجہ سے اس کا احساس ہوتا ہے نہ اس کے مخفی ہونے کی وجہ سے اس کا گمان ہوتا ہے۔ جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

اِذَا لَهُمْ مَّكْرٌ فِیْۤ اٰیَاتِنَاؕ ترجمۂ کنز الایمان: جبھی وہ ہماری آیتوں کے ساتھ داؤں چلتے ہیں۔ (پ ۱۱، یونس: ۲۱)

یعنی وہ انعامات سے نوازنے پر نافرمانی کے مُرتکِب ہوتے ہیں۔ جبکہ ایک مقام پر ہے:

قُلِ اللّٰهُ اَسۡرَعُ مَكۡرًا ؕ ترجمۂ کنزالایمان: تم فرمادو **اللہ** کی خفیہ تدبیر سب سے جلد ہو جاتی ہے۔ (پ ۱۱، یونس: ۲۱)

مُراد یہ ہے کہ اس کا دلوں کی حالت بدلنا بہت مخفی ہوتا ہے، اس نے ان پر اپنی نعمتیں ظاہِر فرمائیں تو وہ انہیں پسند کرنے لگے، حالانکہ نعمتوں کا یہ ظہور ان پر بطورِ سزا ہے جو کہ ظاہِری نعمتوں کے لبادے میں مخفی ہے مگر یہ ہیں کہ آہستہ آہستہ (ان ظاہری نعمتوں کے بھنور میں پھنس کر) آگے ہی بڑھتے چلے جاتے ہیں اور انہیں (قربِ خداوندی سے دور ہو کر اپنے ڈوبنے کا) علم تک نہیں ہوتا۔

﴿7﴾ خوفِ استبدال

مذکورہ (یعنی محبوب سے غافل ہو جانے کے) خوف سے بھی بڑا خوف یہ ہے کہ اس کا محبوب بدل جائے (یعنی اس کی محبّتوں کا مرکز کوئی اور بن جائے)، حالانکہ محبّتِ باری تعالیٰ میں کسی اور کی شرکت ممکن نہیں۔

(صاحبِ کتاب حضرت سیِّدُنا شیخ ابُو طالب مکّی رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں:) یہ استدراج کی حقیقت ہے اور یہ حالت اس وَقْت واقع ہوتی ہے جب محبوب شدید ناراض ہو اور اسے حد درجہ ناپسند کرے۔ غفلت و فراموشی اس مقام کا مقدمہ ہے جبکہ اس حالت کی ابتدا اِعراض وحجاب سے ہوتی ہے۔

حالتِ استدراج کے اَسباب

ذکرِ خداوندی سے رک جانا اور نیکیاں کرنے سے تنگ دل ہو جانا قربِ خداوندی سے دور کرنے والی باتوں کے اَسباب ہیں اور بندے کے یہ (استدراجی) مَدارِج و مَراتِب جب قَوِی و زیادہ ہوں تو وہ اسے مذکورہ آفات کی طرف لے جاتے ہیں مگر جب کم ہوں اور ان کی جگہ نیک اور اچھے اَعمال لے لیں تو وہ اسے مقامِ محبّت و قرب میں داخِل کر دیتے ہیں۔ جیسا کہ ایک روایت میں ہے کہ توبہ کرنے والا **اللہ** پاک کا دوست ہے۔[1] اسی طرح کلامِ الٰہی سے بھی یہ بات ثابت ہے کہ نفسانی خواہشات میں گم ہو جانے والا شخص **اللہ** پاک کو پسند نہیں۔

(صاحبِ کتاب حضرت سیِّدُنا شیخ ابُو طالب مکّی رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں:) ان استدراجی اوصاف کا آپ میں پایا جانا

---

[1] ......نوادر الاصول، الاصل السادس والمائتان، ۲/۲۰۷، حدیث: ۱۰۳۰ مفهوماً

اس بات کی دلیل ہے کہ آپ استبدال و اسقاط کے شکار ہیں۔ مگر دل میں ان باتوں کا خوف پایا جانا اس بات کی علامت ہے کہ آپ ان اخلاق و عادات کو برباد کرنے والی باتوں سے خوب آگاہ ہیں۔ مگر اس کتاب میں ان سب باتوں کی وضاحت کرنا مناسب ہے نہ اس کی تفصیل بیان کرنے کی کوئی گنجائش ہے۔ البتہ! جو دل شرح کی دولت سے پہلے ہی مالا مال ہو اس میں اس کے یقین کے باعث ان باتوں کی تفصیل بیان کی جاسکتی ہے اور اسی طرح اگر بندے پر پہلے ہی رب کا فضل و کرم ہو تو اسے بھی ان باتوں سے آگاہ کیا جاسکتا ہے۔ مگر وہ دل جس میں دیگر چیزوں کی مَحبَّت بھی موجود ہو اور وہ بندہ جو اپنی نفسانی خواہشات میں مگن ہو ان باتوں کو سمجھنے کا اہل نہیں اور اگر سمجھنا چاہے تو **اللہ** پاک سے مدد طَلَب کرے۔

مقام محبت کا آٹھواں خوف

(صاحبِ کتاب فرماتے ہیں:) مذکورہ سات خوفوں کے سوا ایک آٹھواں خوف بھی ہے جو بلند و برتر ذات کی مَحبَّت کے مُشاہدے سے پیدا ہوتا ہے۔ اس کا نام قدرے اجنبی سا ہے جس کے باعث اِلْتِبَاس پیدا ہو جاتا ہے اور اس کے متعلق بہت کم سننے کی وجہ سے اس کے اوصاف بھی مخفی ہیں، یہی وجہ ہے کہ عام لوگ اسے نہیں جانتے، ہم بھی اسے کوئی نام نہیں دیں گے کیونکہ یہ ایک ایسے مقام کا خوف ہے جس کا نام مَحبَّت ہے۔ چنانچہ،

بہت سے سننے والے اسے ناپسند جان کر اس کا انکار کر دیتے ہیں جبکہ اس محبت کا مشاہدہ نہ کرنے والوں کے لئے اس خوف کا تصور انتہائی دشوار ہوتا ہے چنانچہ وہ اس کی محبت کو مخلوق کی محبت کے مشابہ سمجھ لیتے ہیں کیونکہ مخلوق کی صِفات کے ناموں سے خالق کی صفات کے معانی کا وہم ہوتا ہے اور وہ صفات باری تعالیٰ کو محض اپنے علم کے مطابق جانتے ہیں، اب جبکہ ان کے لئے ان کا علم رکاوٹ ہے تو وہ صفات باری تعالیٰ کا مشاہدہ کیسے کر سکتے ہیں؟ لہٰذا اگر ہم اس خوف کو بیان کریں اور اس کے مقام پر اس کا تذکرہ کر دیں تو اس سے یہ ظاہِر تو ہو جائے گا مگر اس کا مخفی رکھنا اس کے اِظْہار سے افضل ہے حتّٰی کہ اس محبت میں مبتلا کوئی شخص اس کے متعلق سوال کرے پھر اس محبت سے سیر اب ہو کر اس سے اس خوف کا صدور ہو، اس لیے کہ مَحبَّت کے تمام مقامات اس ایک مقام کے مقابل ایسے ہیں جیسا کہ سمندر کے مقابل کوئی چھوٹی سی نہر ہو اور یہ ایسے ہی ہے جیسا کہ تمام مشاہداتِ یقین توحید کی بنا پر مشاہدہ توحید کے مقابل ہوں۔

یہ محبّت کا ایک معروف وصف ہے کیونکہ اس کا تعلق حبیب کے اس شوق سے ہوتا ہے جو وہ اپنے محب سے رکھتا ہے اور یہی مفہوم ابھی گزشتہ صفحات میں حضرت سَیِّدَتُنا رابعہ عدویہ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہَا کے قول **عشق والی محبّت** کے ضمن میں بیان ہوا ہے اور اس کے علاوہ اُمُّ المؤمنین حضرت سَیِّدَتُنا عائشہ صدیقہ رَضِیَ اللہُ عَنْہا سے بھی ایک قول میں یہی مفہوم مُراد ہے۔ چنانچہ آپ رَضِیَ اللہُ عَنْہا نے **اللہ** کے پیارے حبیب صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی خِدمَت میں عرض کی: میں دیکھتی ہوں کہ آپ کا رب بہت جلد آپ کی خواہش پوری فرما دیتا ہے۔[1]

محبوب محب بن جائے

الغرض جو شخص مقامِ محبّت پر آنے کے بعد مقامِ محب کو بھی پالے اس کو اس مقام تک رِفعت عطا کر دی جاتی ہے، کیونکہ اب وہ اعلیٰ مُشاہداتِ یقین کے باعث محبوب بن جاتا ہے۔ چنانچہ،

حضرت سَیِّدُنا جنید بغدادی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ یہ دو اَشعار کثرت سے پڑھتے تھے:

وَ مِنْ بَعْدِ ھٰذَا مَا تَدُقُّ صِفَاتُهٗ   وَمَا كَتْمُهٗ اَحْظٰى لَدَيْهِ وَ اَعْدَلُ

اَلَا اَنَّ لِلرَّحْمٰنِ سِرًّا يُسِرُّهٗ   اِلٰى اَهْلِهٖ فِى السِّرِ وَ السَّتْرُ اَجْمَلُ

ترجمہ: اسکے بعد وہ ہے جس کی صِفات انتہائی دقیق ہیں اور جس کا چھپانا اسکے نزدیک زیادہ مناسب اور قرینِ انصاف ہے۔ خبردار! **اللہ** پاک کا ایک راز ایسا بھی ہے جو وہ اس کے اہل کو ہی عطا فرماتا ہے اور اس کا چھپانا ہی بہتر ہے۔

یہی مفہوم کسی اہلِ محبّت نے ان دو اشعار میں بھی بیان کیا ہے:

فَمِنْكَ بَدَا حُبٌّ بِعِزٍّ تَمَازَجَا   بِمَاءِ وِصَالٍ كُنْتَ اَنْتَ وَصَلْتَهٗ

ظَهَرْتَ لِمَنْ اَبْقَيْتَ بَعْدَ فَنَائِهٖ   فَكَانَ بِلَا كَوْنٍ لِاَنَّكَ كُنْتَهٗ

ترجمہ: تجھ سے محبّتِ باری تعالیٰ ظاہر ہوئی جس میں تیرے عطا کردہ وصال کا پانی ملا ہوا تھا۔ تو اس کیلئے ظاہر ہوا جسے تو نے فنا کے بعد بقا دی تو اب وہ بلا کون[2] کے ہے کیونکہ تو اس کا ہو گیا ہے۔

---

[1] ......مسلم، کتاب الرضاع، باب جواز ھبتھا نوبتھا لضرتھا، ص ۷۷۱، حدیث: ۱۴۶۴

[2] ......ایسی تمام اشیاء جنہیں مُکَوِّن یعنی **اللہ** عَزَّوَجَلَّ نے کلمہ کن (یعنی کاف اور نون) کے درمیان پیدا کیا تھا، ان کا مجمل نام "کون" ہے۔ (اللمع مترجم، ص ۵۳۶)

حصولِ معرفت کے ذرائع وراستے

کسی عالِم کا قول ہے: جسے بغیر خوف کے راہِ مَحبَّت پر (چلتے ہوئے) اللہ پاک کی مَعْرِفَت حاصِل ہو وہ بسط وناز کی وجہ سے ہلاک ہو جاتا ہے اور جسے بغیر مَحبَّت کے صِرف خوف کی وجہ سے خدا کی معرفت حاصل ہو وہ بُعد (دوری) اور وحشت کی وجہ سے اس سے دور ہو جاتا ہے مگر جسے خوف ومَحبَّت دونوں کی وجہ سے مَعْرِفَت کی دولت نصیب ہو اللہ اسے اپنا محبوب ومُقرَّب بنانے کے ساتھ ساتھ قدرت وعلم کی نعمتوں سے بھی سرفراز فرما دیتا ہے۔

تعجب! مگر کس پر؟

تعجب اس پر نہیں کہ اہْلِ خوف اپنے رب سے ڈرتے ہیں، کیونکہ وہ تو اللہ پاک کی وہی صِفات جانتے ہیں جو خوف میں مبتلا کرنے والی ہیں اور انہیں صِرف انہی افعالِ باری تعالیٰ کی مَعْرِفَت حاصِل ہے جو ہلاکت میں مبتلا کرنے والے ہیں۔ بلکہ تعجب تو ان اہْلِ مَحبَّت پر ہے جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں باوجود اس کے کہ انہیں اس کے اَخلاق ومَحبَّت کی مَعْرِفَت اور اس کے لطف وکرم کا وہ مُشاہَدہ بھی حاصِل ہے جس سے اہْلِ خوف آگاہ نہیں۔ وہ اس سے اپنی مَحبَّت کے باوجود ڈرتے ہیں اور اسی خوف کے ساتھ اس سے مَحبَّت بھی کرتے ہیں، اس سے گھبراتے بھی ہیں مگر شوق اسی کا رکھتے ہیں، اس کی بارگاہ میں حالتِ بسط میں بھی قبض[1] محسوس کرتے ہیں، اس کی بارگاہ میں اپنا مرتبہ جاننے کے باوجود اس کی خاطر تواضع سے کام لیتے ہیں۔

---

[1] ...... قبض وبسط دو عمدہ روحانی احوال ہیں جن کے ظہور کا ایک خاص وقت متعین ہے۔ جب کوئی بندہ عام مَحبَّت سے ترقی کر کے خاص مَحبَّت کی ابتدائی منزل میں پہنچتا ہے تو وہ صاحبِ حال، صاحبِ قلب اور صاحبِ نفس لوامہ بن جاتا ہے، اس وقت اس پر قبض وبسط کی کیفیات یکے بعد دیگرے طاری ہونا شروع ہو جاتی ہیں، چنانچہ جب اس پر مَحبَّتِ خاص کا حال طاری ہونے لگتا ہے تو اللہ پاک اس کے اندر کبھی قبض اور کبھی بسط کی کیفیت پیدا کر دیتا ہے۔ شیخ واسطی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں: "اللہ پاک قبض سے تمہارے فائدے میں کمی کرتا اور بسط سے اس کو بڑھاتا ہے۔" قبض کا وجود صفاتِ نفس کے غلبہ کے باعث اور بسط کا ظہور صفاتِ قلب کے غلبہ کے باعث ہوتا ہے، جب تک نفس لوامہ رہتا ہے یہ کبھی مغلوب ہوتا ہے تو کبھی غالب اور اسی کے نتیجے میں قبض وبسط کی کیفیات پیدا ہوتی ہیں۔ صاحبِ نفس اپنے نفس کی وجہ سے تاریک پردے میں اور صاحبِ قلب اپنے قلب کی وجہ سے نورانی حجاب میں ہوتا ہے، لیکن جب کوئی صاحبِ قلب اپنے حجاب سے نکل کر ترقی کرتا ہے تو وہ حال کی قید میں نہیں رہتا ہے اور اس پر قبض وبسط کا کوئی تصرف باقی نہیں رہتا، بلکہ جب تک وہ قلب کے نورانی وجود سے آزاد رہ کر بارگاہِ قرب میں رہتا ہے نفس و

اس لیے کہ جس پر حالتِ قبض طاری ہونے کے بعد غالب آجائے تو اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں، بلکہ تعجب تو اس پر ہے کہ جسے عزت واِکرام سے نوازا جائے وہ عاجزی و تواضع اِختیار کرے۔

اہل محبت کی محبت

اَہلِ مَحبَّت حالتِ بسط میں اور اہلِ خوف قبض میں بھی منقبض رہتے ہیں، چنانچہ اہلِ مَحبَّت کو عزت واکرام اور اہلِ خوف کو ہیبت و دہشت کے ساتھ ساتھ عاجزی وانکساری بھی اِختیار کرنا چاہئے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اہلِ مَحبَّت کی مَعْرِفَت سب سے عظیم ہے۔ اس لیے کہ ان کی سب سے پہلی حالت خوف ہوتی ہے۔ چنانچہ ہر محب خوف والا ہوتا ہے مگر ہر خوف والا محب نہیں ہوتا، کیونکہ اس نے مَحبَّت کا ذائقہ ہی نہیں چکھا جس کی وجہ یہ ہے کہ عام مسلمان مَحبَّت کے جس ذائقے سے آشنا ہوتے ہیں اس کا مقاماتِ خواص میں کوئی اعتبار نہیں ہوتا، کیونکہ اس مَحبَّت سے اَحوال کے وِجدان حاصل ہوتے ہیں نہ ایک سے دوسرے مقام پر منتقل ہونے کے مشاہدات میں اس کے ذریعے دَرَجات بُلَند ہوتے ہیں۔ کیونکہ مَحبَّت حقیقت میں ایمان کی قوت ہے جس کی صحت اور وجود ایمان کی صحت و وجود کے ساتھ مشروط ہے۔

اوصافِ محبت

مَحبَّت ہیبت کو خَتْم نہیں کرتی، یہی وجہ ہے کہ محب کا شُمار اہلِ خوف میں بھی ہوتا ہے کیونکہ اس کا محبوب ہیبت والا ہے مگر خائف بسا اوقات اپنے گزشتہ وصف میں مصروفیت کے باعث مَحبَّت سے دور ہو جاتا ہے، یہ

قلب کے حجابات سے بھی آزاد رہتا ہے۔ مگر جب فنا و بقا کے مقام سے لوٹ کر پھر وجود کی جانب آتا ہے تو اس کا نورانی وجود یعنی قلب بھی لوٹ آتا ہے اور اس کے ساتھ ہی قبض و بسط کی کیفیات بھی ظاہر ہونے لگتی ہیں اور جب پھر فنا و بقا کے مقام پر پہنچتا ہے تو یہ کیفیات دوبارہ ختم ہو جاتی ہیں۔ درحقیقت حالتِ قبض و بسط میں افراط کی سزا ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ جب وارداتِ غیبی کے نزول پر قلب بسط سے معمور ہو جاتا ہے تو نفس بھی اس سے کچھ چرا لیتا ہے اور جب اس کے روحانی اثرات نفس پر پڑتے ہیں تو وہ بالطبع خوش ہو جاتا ہے، یوں بسط کی یہ افراط نشاط کی شکل اختیار کر لیتی ہے تو اس کے مقابل قبض کی کیفیت پیدا کر کے اس کو سزا دی جاتی ہے۔ حالتِ قبض کی تحقیق کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نفس کی حرکات و صفات کے ظہور کا نتیجہ ہے، پس اگر نفس کی اصلاح کر کے اسے حالتِ اعتدال پر رکھا جائے یعنی وہ سرکشی و بغاوت سے باز رہے تو کوئی صاحب قلب قبض کی کیفیت میں مبتلا نہ ہو بشرطیکہ اس کی روح اُنس کے ساتھ اعتدال کی رعایت کو پیشِ نظر رکھے۔ (ماخوذ از عوارف المعارف مترجم، ۷۳۱، ۷۳۲)

اَبرار (یعنی نیک لوگوں) کا کشف جبکہ مقربین کا حجاب ہے۔ البتہ! اہلِ محبّت خوف سے تقویت اور محبّت سے وسعت پاتے ہیں جبکہ اہلِ خوف خوف سے وسعت اور محبّت سے تقویت پاتے ہیں۔ یہ ایسے ہی ہے جیسا کہ ہم نے خوف ورجا کے باب میں بیان کیا ہے کہ یہ دونوں ایمان کے وصف تو ہیں مگر صاحبِ خوف آہستہ آہستہ رجا کی طرف جاتا ہے جبکہ صاحبِ رجا اپنی رجا میں خوف کو بھی سمیٹ لیتا ہے۔

ترتیبِ مقامات میں حکمت

ترتیبِ مقامات میں کون سا مقام پہلے ہو اس میں بھی **اللہ** پاک کی ایک عجب حکم اور حِکمت کار فرما ہے، جسے صِرف وہی جان سکتا ہے جسے مُشاہدے کا یقین عطا کیا گیا ہو۔ یعنی اگر وہ بندے تک مقامِ خوف کے ذریعے پہنچے تو اس کی محبّت عارفین و مقربین کی طرح ہوگی اور اگر مقامِ محبّت کے ذریعے پہنچے تو اس کی محبت اہلِ یمین کی طرح ہوگی، اسے مقاماتِ مقربین میں اہلِ اُنس و محبّت کے مقامات حاصِل ہوں گے نہ اہلِ شوق کے۔ یہ سب لوگ اہلِ یقین وصالح ہیں۔ اگرچہ ان کے اَحوال اہلِ ظاہر کے علوم کی ترتیب سے خارِج ہیں۔ کیونکہ انہیں نہ ماننے والے ماننے والوں سے زیادہ ہیں۔ چنانچہ فرامینِ باری تعالیٰ ہیں:

وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰۤى اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۲۱﴾ (پ۱۲، یوسف: ۲۱)

ترجمۂ کنز الایمان: اور **اللہ** اپنے کام پر غالب ہے مگر اکثر آدمی نہیں جانتے۔

هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِیْرٌۢ بِمَا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶۳﴾ (پ۴، اٰل عمرٰن: ۱۶۳)

ترجمۂ کنز الایمان: وہ **اللہ** کے یہاں درجہ درجہ ہیں اور **اللہ** ان کے کام دیکھتا ہے۔

عاملین و عالمین کی محبت میں فرق

بسا اوقات محبّت خوف کا ثواب اور انعام ہوتی ہے اور یہ عاملین کے مقام میں ہوتا ہے اور بسا اوقات خوف محبّت کا ثواب اور انعام ہوتا ہے اور یہ علما کے مقام میں ہوتا ہے۔ چنانچہ خوف کے بعد محبّت جس کا انعام ہو وہ محبوب مقربین میں شمار ہوتا ہے اور جس کے لیے خوف اس کی محبّت کا انعام ہو وہ محبین اَبرار (یعنی نیک لوگوں) میں شُمار ہوتا ہے اور یہی لوگ اصحابِ یمین ہیں۔

محبت افضل ہے یا حیا

ہمارے کسی بصری عالِم سے عرض کی گئی: مَحَبَّت افضل ہے یا حیا؟ تو انہوں نے اِرشاد فرمایا: جو مَحَبَّت خوف سے پیدا ہو حیا اس سے افضل ہے اور جو مَحَبَّت حیا پیدا کرے وہ حیا سے افضل ہے اور یہی (مَحَبَّت) شوق ہے۔

محبت کیا ہے؟

حضرت سَیِّدُنا جُنَید بغدادی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں: مَحَبَّت بذاتِ خود نور و فرحت کے ذریعے دل میں اللہ پاک کا قرب پانے کا نام ہے۔

محبت کہاں سے حاصل کی جائے؟

(صاحبِ کتاب حضرت سَیِّدُنا شیخ ابو طالِب مَکّی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں) ہم نے ابھی تک باطنی اَسمائے باری تعالیٰ سے حاصِل ہونے والی صِفات کی تجلّی کی مَحَبَّت کا ذکر نہیں کیا، بلکہ ہم نے صِرف ظاہری اسمائے باری تعالیٰ سے حاصل ہونے والے اَخلاق کی مَحَبَّت کا ذکر کیا ہے اور میرے خیال میں جس مَحَبَّت کا یہاں ذکر نہیں اسے اس کتاب میں بیان کرنا مناسب ہے نہ اسے عام لوگوں پر ظاہِر کرنا بہتر ہے۔ اس لیے کہ یہ ایک مَحَبَّت کا راز ہے جسے صِرف اسی پر ظاہِر کیا جاسکتا ہے جو اس نعمت سے مالا مال ہو اور اس کی باتیں بھی وہی کر سکتا ہے جسے یہ دولت میسر ہو۔ میں نے کسی کو نہیں دیکھا کہ اس نے کسی کتاب میں اس مَحَبَّت کا ذکر کیا ہو، کیونکہ یہ مَحَبَّت کسی کتاب سے حاصِل نہیں کی جاسکتی بلکہ یہ تو عُلَمائے ربانیین کے کلام سے حاصِل ہوتی ہے اور ایک دل سے دوسرے دل میں (یعنی سینہ بہ سینہ) مُنتقل ہوتی ہے۔ (البتہ! اس کے مُتَعَلِّق اتنا کہہ دینا ہی کافی ہے کہ) یہ مَحَبَّت بھی ویسی ہی ہے جیسا کہ ابھی ہم نے اہلِ مَحَبَّت کو لاحق آٹھویں خوف میں ذکر کیا ہے کہ ہم اس کی حقیقت اس شخص کو نہیں بتاسکتے جو اس کے عرفان کی دولت سے مالا مال نہیں۔

محبت کی لذت بیان سے باہر ہے

بزرگانِ دین سے جو اس حوالے سے روایات منقول ہیں ان میں ہے کہ بعض لوگ ایسے بھی ہیں جنہوں نے اس مَحَبَّت کی لذّت چکھی مگر انہوں نے اس کے اوصاف کی وضاحت نہیں کی۔ چنانچہ ایسی ہی ایک

رِوایَت میں ہے کہ ایک اَبدال نے کسی صدیق سے عرض کی: **اللہ** پاک سے دعا کریں کہ وہ مجھے اپنی مَحبّت کا ایک ذرّہ عطا فرمادے۔ چنانچہ انہوں نے دعا کی (اور وہ قبول ہوئی) تو وہ اَبدال پہاڑوں میں سرگرداں پھرنے لگے، ان کی عقل حیران اور دل پریشان تھا۔ سات روز اسی بے قراری (اور دیوانگی کے عالَم) میں گزر گئے، انہوں نے کسی سے نفع اٹھایا نہ کسی نے ان سے کوئی نفع اٹھایا۔ (ان کی یہ حالت دیکھ کر) اس صدیق نے ان کے لیے **اللہ** پاک سے دُعا کرتے ہوئے عرض کی: الٰہی! اس کے ذرّۂ مَحبّت میں آدھا کم کردے۔ تو **اللہ** پاک نے اپنے صدیق کو یہ اِلہام فرمایا کہ ہم نے تو اسے (ابھی) مَعْرِفَت کے ذرّے کا لاکھواں حِصّہ عطا فرمایا تھا اور اس کی بھی وجہ یہ تھی کہ جس وَقْت تم نے مجھ سے دعا کی تھی اس وَقْت ایک لاکھ دیگر بندوں نے بھی مجھ سے تھوڑی سی مَحبّت مانگی تھی مگر میں نے ان سب کی دعا کو مؤخر کر دیا، یہاں تک کہ تم نے اس کے لئے سفارش کی تو میں نے تمہاری دعا کو قبول کر کے جیسے اسے نوازا اسی طرح دوسروں کو بھی نواز دیا اور اپنی مَحبّت کا ایک ذرّہ ایک لاکھ آدمیوں میں تقسیم فرمایا، جس کی وجہ سے اس اَبدال کی یہ حالت ہوئی ہے۔ صدیق نے پھر عرض کی: اے اَحْکَمُ الْحَاکمین! تو پاک ہے، تو نے اسے جس قدر نوازا ہے اس میں سے مزید کچھ کم فرما دے۔ چنانچہ **اللہ** پاک نے ذرّۂ مَحبّت کے تمام اَجزا سلب کر کے عُشْرِ عَشِیر یعنی ہزارواں حِصّہ باقی رہنے دیا تو اس کا خوف و مَحبّت اور علم و رجا حالتِ اِعْتِدَال پر آ گئے اور وہ (پُرسکون ہو کر) دیگر عارفین کی طرح ہو گیا۔

محبت کی دیگر علامات

یہ باتیں بھی محبت کی علامت ہیں:

بارگاہِ خداوندی میں مناجات کی خاطر رات بھر جاگنا۔

محبوب کے ساتھ خلوت کے شوق میں غروبِ آفتاب کا مشتاق رہنا۔

مناجات کیا ہے؟

دل کی مُنَاجَات اصل میں وِجدانی راز اور غیب سے آگاہ ہونے کا ذریعہ ہیں، جبکہ اہْلِ صفا کے نزدیک مُنَاجَات کا تعلق صِرف دل سے ہوتا ہے اور یہ غیب کے مخفی خزانوں سے دلوں کے آگاہ ہونے، رازِ ملکوت کے مُعَاملے میں دلوں کے ولولہ انگیز ہونے اور انوارِ ارواح کے ذریعے جبروت کے مَعانی و مَفاہیم میں دلوں

کے رِفعت و بلندی پانے کا نام ہے، اس وَقْت انوارِ باری تعالیٰ کی شعاعیں ان دلوں کو اٹھا کر اَسرارِ باری تعالیٰ کے خزائن میں لے جاتی ہیں۔

(صاحبِ کتاب حضرت سَیِّدُنا شیخ ابو طالب مکی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں: یاد رکھئے!) مُناجات اصل میں رویتِ قرب کی دلیل اور وجودِ انس و مَحبَّت کی نشانی ہے۔ جیسا کہ ایک حدیثِ قدسی میں مروی ہے: وہ شخص جھوٹا ہے جو مجھ سے مَحبَّت کا دعویٰ کرے مگر رات ہونے پر مجھے بھول جائے (اور غفلت میں سوتا رہے)۔[1] کیا ہر محب اپنے محبوب سے خَلْوَت پسند نہیں کرتا؟ یہ میں ہی ہوں جو اپنے چاہنے والوں کے قریب ہوں، ان کی سرگوشیاں و مُناجات سنتا ہوں اور ان کی زاری و فریاد کا بھی مُشاہَدہ کرتا ہوں۔

اہلِ مناجات پر رب کی کرم نوازیاں

عُلَمائے متقدمین سے مروی ہے کہ اللہ پاک نے اپنے ایک صدیق کو اِلہام فرمایا کہ ❀ بیشک میرے کچھ بندے ایسے ہیں جو مجھ سے مَحبَّت رکھتے ہیں اور میں بھی ان سے مَحبَّت رکھتا ہوں۔ ❀ وہ میرے مشتاق ہیں اور میں بھی ان کا مشتاق ہوں۔ ❀ وہ میرا ذکر کرتے ہیں اور میں بھی ان کا چرچا کرتا ہوں۔ ❀ وہ میری رَحْمَت کی جانب دیکھتے ہیں اور میں ان پر نظرِ رحمت فرماتا ہوں۔

اگر تو بھی ان کے طریقے پر چلے گا تو میں تجھے بھی اپنا محبوب بنالوں گا اور اگر تو ان کے طریقے سے ہٹ جائے گا تو میں تجھ سے ناراض ہو جاؤں گا۔

اس صدیق نے عرض کی: اے میرے رب! ان بندوں کی علامات کیا ہیں؟ اللہ پاک نے ارشاد فرمایا: وہ دن کے وَقْت بھی اندھیرے کا اس طرح خیال رکھتے ہیں جس طرح ایک مہربان چرواہا اپنی بھیڑ بکریوں کا خیال رکھتا ہے اور غروبِ آفتاب کے اس طرح مشتاق ہوتے ہیں جس طرح پرندے غروب کے وَقْت اپنے گھونسلوں کی جانِب جانا پسند کرتے ہیں، جب ان پر رات آتی ہے اور اندھیرا چھا جانے پر بستر بچھ جاتے ہیں، قیدی قید کر دیئے جاتے ہیں اور ایک دوسرے کو چاہنے والے خَلْوَت اِختیار کر لیتے ہیں تو وہ اپنے قدموں پر کھڑے ہو جاتے ہیں، اپنے چہروں کو میری بارگاہ میں بچھا دیتے ہیں، مجھ سے میرے ہی کلام کے ذریعے

---

[1] ......عیون الاخبار، کتاب الزھد، التھجد، ۲ / ۳۲۳

مُناجات کرتے ہیں اور میں نے انہیں جن اِنعامات واِکرامات سے نوازا ہے، میری بارگاہ میں ان کا ذکر کر کے میری حمد بجالاتے ہیں، اس وَقْت ان کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ وہ کبھی زور زور سے چلا کر روتے ہیں اور کبھی آہستہ آواز سے، کبھی تو آہیں بھرتے ہیں اور کبھی (مَحبّت بھری) التجائیں کرتے ہیں، کبھی حالتِ قیام میں ہوتے ہیں تو کبھی حالتِ قعدہ میں اور کبھی رُکُوع میں تو کبھی سجدے میں۔ میری خاطر جو لوگ مَصائب برداشت کرتے ہیں وہ سب میرے سامنے ہوتے ہیں اور وہ میری مَحبّت میں مبتلا ہونے کی جو التجائیں کرتے ہیں میں وہ بھی سنتا ہوں۔ لہٰذا میں سب سے پہلے انہیں اس اِنعام سے نوازتا ہوں کہ ان کے دلوں میں اپنا خاص نور ڈالتا ہوں جس سے وہ میری خبریں دینے لگتے ہیں جس طرح میں ان کی باتیں بتاتا ہوں۔ دوسرا انعام یہ کرتا ہوں کہ ساتوں آسمان وزمین اور جو کچھ ان میں ہے سب کے وزن کو ان کے مقابلے میں کم سمجھتا ہوں اور تیسرا انعام یہ ہے کہ میں ان کی طرف خاص توجہ کرتا ہوں اور تو جانتا ہے کہ میں جس کی جانب یوں متوجہ ہوں، اسے جو کچھ عطا کروں گا اسے کوئی نہیں جان سکتا۔

مقامِ شوق

مقاماتِ مَحبّت میں مقامِ شوق ایک بلند حیثیت کا حامل ہے جو بندے کے لیے اس کے مشتاق کے بغیر کوئی راحت باقی چھوڑتا ہے نہ اسے کسی اور نعمت سے لطف اندوز ہونے دیتا ہے۔ بلکہ اَہلِ شوق واشتیاق اپنے مشتاق کے مُشاہدۂ شوق کی بنا پر مقربین میں شُمار ہوتے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جن کے ہاں حبیب تعالیٰ کو تلاش کرنے کا حکم دیا گیا ہے، جیسا کہ حضرت سَیِّدُنا موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام کو جب ان لوگوں کی قربت کا شوق دلایا گیا تو **اللہ** پاک نے اِرشاد فرمایا: مجھے ان لوگوں کے پاس تلاش کرو جن کے دل میری وجہ سے شکستہ ہیں، وہی لوگ اہلِ مَحبّت میں سے اَہلِ شوق ہیں۔ وَاللہُ اَعْلَمُ وَاَحْکَمُ۔

(صاحبِ کتاب حضرت سَیِّدُنا شیخ ابُو طالب مکّی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ اس کے بعد ایسے لوگوں کے مقربانِ بارگاہِ خداوندی ہونے کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:) اس کی وجہ یہ ہے کہ **اللہ** پاک نے ان پر کرم فرماتے ہوئے جب انہیں اپنے قرب کی دولت سے مالامال کیا تو نہ صِرف اس کا مقرب بننے پر وہ خوش ہوئے بلکہ اس کا مُشاہدہ ہی ان کی زندگی کا سہارا بن گیا اور وہ اس کی بارگاہ میں حضوری کو ایک نعمت جاننے لگے۔ مگر اس کے بعد جب وہ اپنی

عزت وجلالتِ شان کی وجہ سے غیرت کے باعث ان سے حجاب میں ہوا تو ان کے دل شکستہ ہو گئے اور وہ اپنی سابقہ کیفیت وحالت کے لوٹنے کے مشتاق رہنے لگے، یوں وہ بارگاہِ الٰہی میں عزت والے ہو گئے تو **اللہ** پاک نے اپنے ولیوں کو ان کی تلاش کا حکم اِرشاد فرمایا اور اپنی بارگاہ میں ان کے مقام ومرتبہ کے باعث اپنی ذاتی مَحبّت کا انہیں شَرَف عطا فرمایا۔ چنانچہ یہ اہلِ مَحبّت وشوق اس کا یہ قرب پاکر اس قدر خوش ہوئے جسے بیان نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی **اللہ** پاک کی بارگاہ میں ان کے عجز اور غم کی کیفیت معلوم کی جاسکتی ہے۔

محبین سے اِعراض کی وجہ

بسا اوقات **اللہ** پاک اپنے محبین کو مزید عزت عطا فرمانے کی وجہ سے بھی اِعراض فرماتا ہے تاکہ ان کی آتشِ شوق کو مزید بھڑکائے اور (اس فراق پر) ان کے اِضْطِرَاب وقلق میں اِضافہ ہو، مگر اس حالتِ اِعراض میں بھی وہ ان کی طرف اس طرح متوجہ رہتا ہے کہ انہیں اس کی نظرِ کرم کا علم نہیں ہوپاتا، تاکہ اپنے علم کے مُطابِق ان کی نگاہیں اس کے کرم پر لگی رہیں تو اس کی بارگاہ کے آداب کو ملحوظِ خاطر رکھنے کے باعث راحت پاتے رہیں۔

بارگاہِ خداوندی کا ادب ملحوظ رکھنا

حضرت سیِّدُنا ابراہیم بن اَدْہَم رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ کا شُمار ان اہلِ شوق اور ابدالوں میں ہوتا ہے جن کی ہم باتیں کر رہے ہیں اور جن کے طریقوں کی وضاحت کر رہے ہیں۔ آپ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ مَحبّتِ باری تعالیٰ میں ایک بلند مقام کے حامل تھے اور آپ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ کو قرب میں اعلیٰ مکاشفات حاصل تھے۔ آپ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں: ایک دن میں نے عرض کی: اے میرے رب! اگر تو نے اپنے محبین میں سے کسی کو اپنے دیدار سے قبل کوئی ایسی نعمت عطا فرمائی ہو جس سے اس کے دل کو تسکین ملی ہو تو وہ مجھے بھی عطا فرما کیونکہ بے قراری و اِضْطِرَاب نے مجھے بہت پریشان کر رکھا ہے۔ فرماتے ہیں کہ پھر میں نے خواب میں دیکھا کہ **اللہ** پاک نے مجھے اپنے سامنے کھڑا کر کے اِرشاد فرمایا: اے ابراہیم! کیا تمہیں مجھ سے یہ سوال کرتے ہوئے حیا نہیں آئی کہ میں اپنے دیدار سے پہلے تمہیں وہ نعمت عطا کر دوں جس سے تیرے دل کو تسکین ملے؟ کیا کبھی کسی مشتاق کو اپنے محبوب کے دیدار سے پہلے بھی سکون ملتا ہے؟ یا کبھی کبھی کسی عاشق کو اپنے معشوق کے علاوہ بھی کہیں

راحت ملتی ہے؟ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کی: اے میرے رب! میں تیری مَحبّت میں سرگرداں و سرمست تھا، اس لئے مجھے پتہ نہ چلا کہ کیا بول رہا ہوں، مجھے مُعاف فرما دے اور مجھے سکھا دے کہ میں کیا کہوں؟ اس پر **اللہ** پاک نے اِرشَاد فرمایا: اس طرح کہو کہ **یا اللہ**! مجھے اپنی قضا پر راضی رکھ اور اپنی آزمائش پر صبر عطا فرما اور اپنی نعمتوں پر شکر کرنے کی توفیق عطا فرما۔

سماع اور آدابِ سماع

حضرت سَیِّدُنا احمد بن عیسٰی خراز رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ کے مُتَعَلِّق مروی ہے کہ آپ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ کا سماع[1] کے وَقْت بہت زیادہ تڑپنا و پھڑکنا مشہور تھا۔ چنانچہ حضرت سَیِّدُنا سہل تُستَرِی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ کے کسی ساتھی (یا مرید) کا کہنا ہے کہ میں نے حضرت سَیِّدُنا احمد بن عیسٰی خراز رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ کو جہانِ فانی کے کوچ کرنے کے بعد خواب میں دیکھا تو عرض کی: **اللہ** پاک نے آپ سے کیسا سلوک فرمایا ہے؟ فرمانے لگے: **اللہ** پاک نے مجھے اپنی بارگاہ میں کھڑا کر کے ارشاد فرمایا: اے احمد! تو نے تو میرے اَوصاف کو لیلٰی وسُعدٰی پر محمول کر لیا تھا، اگر میں نے ایک مقام پر تجھے کرم کی نگاہ سے نہ دیکھا ہوتا کہ جب تو نے مجھے خُلوص سے چاہا تھا تو میں تجھے ضرور عذاب میں مبتلا کرتا۔ فرماتے ہیں: اس کے بعد **اللہ** پاک نے مجھے حجابِ خوف کے پیچھے کھڑا کر دیا تو جب تک اس نے چاہا میں خوف سے کانپتا رہا اور گھبراتا رہا، پھر اس نے مجھے حجابِ رضا کے پیچھے کھڑا کیا تو میں نے عرض کی: اے میرے مالِک! میں نے کسی چیز کو نہیں پایا کہ وہ مجھے تیرے سوا کسی اور شے کی طرف مائل کر سکے اور تجھ سے دور ہو کر اس کی طرف متوجہ ہو جاؤں۔ تو **اللہ** پاک نے اِرشَاد فرمایا: تو نے سچ کہا، تجھے کون مل سکتا تھا جو تجھے میرے سوا کسی اور کی طرف مائل کرتا؟

سماع کا اہل کون؟

(صاحب کتاب حضرت سَیِّدُنا شیخ ابو طالب مکی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں:) اس حکایت سے ان لوگوں کو ڈرنا چاہئے جو مشابہت کی بنا پر سماع کرتے ہیں اور عقل و فہم کی باتیں بتانے والوں سے دور رہتے ہیں، اس لیے کہ سماع

[1] ...... سماع کہ بے مزامیر ہو اور مسمع نہ عورت ہو نہ امرد اور مسموع نہ فحش نہ باطل اور سامع نہ فاسق ہو نہ شہوت پرست تو اس کے جواز میں شبہ نہیں قادریہ چشتیہ سب کے نزدیک جائز ہے ورنہ سب کے نزدیک ناجائز۔ (فتاوی رضویہ، ۲۴/۱۳۳)

ایک ایسا علم ہے جو صرف انہی لوگوں کو زیبا ہے جن کے قلوب پاک وصاف ہوں، لہٰذا جس کے دل میں کدورت ہو اور وہ سماع سنے تو یہ اس کے لیے نقصان دہ ہے۔

سماع نقصان دہ مگر کس کے لیے؟

جب کوئی نغمہ واچھی آواز کے ساتھ سماع سنتا ہے تو اس پر یہ آفت آتی ہے کہ اس کے مشاہدات میں وہی کمی واقع ہو جاتی ہے جو عطاو بخشش میں ہاتھوں پر نظر رکھنے والے کی عطا میں ہوتی ہے، کیونکہ اچھی آواز جس طرح مَعانی ومفاہیم کے لیے ظرف کی حیثیت رکھتی ہے اسی طرح عطاو بخشش پانے میں ہاتھ بھی ظرف کی حیثیت رکھتے ہیں۔ چنانچہ صاحبِ نظر ویقین بظاہر اپنا رزق مخلوق کے ہاتھوں سے وُصول کرتا ہے مگر مخلوق کے ہاتھوں کو اپنی نگاہوں کا مرکز نہیں بناتا۔ اسی طرح اہلِ حق میں سے سماع کا سننے والا آواز سے مَعانی و مَفاہیم تو اَخذ کرتا ہے مگر آواز کی نغمگی کی طرف متوجہ نہیں ہوتا۔ لہٰذا (جان لیجئے!) جس نے مشابہت و مماثلت کی غرض سے سماع کیا گویا اس نے اِلحاد کیا اور جس نے نفسانی خواہش وشہوت کی غرض سے سماع کیا گویا وہ لہو ولعب کا شکار ہوا۔ مگر جس نے صِفاتِ حق کے مَعانی ومفاہیم کی غرض سے نظر وفکر اور فہم وادراک کے حُصُول اور آیاتِ صِدق پر رہنمائی پانے کی خاطر سماع کیا تو گویا اس کا سماع دَرَجات کی بلندی کا باعث ہے اور اہلِ توحید کا یہی طریقہ رہا ہے۔

سماع کا حکم

سماع حرام بھی ہوتا ہے، حلال بھی اور مشتبہ بھی۔ چنانچہ،

- جس نے نفسانی خواہش وشہوت کے مُشاہدے کی غرض سے سماع سنا تو یہ حرام ہے۔
- جس نے اپنی عقل کے مُطابِق اپنی بیوی یا لونڈی سے مُباح طریقے پر سماع سنا تو اس میں لَہو ولَعب کے شامل ہونے کی وجہ سے یہ مشتبہ کے حکم میں ہے۔ اگرچہ تابعین میں سے بعض اَسلاف نے ایسے ہی کیا ہے۔
- جس کا سماع سے مقصود یہ ہو کہ قلب ان مَعانی و مَفاہیم کا مُشاہدہ کرے جو اسے بارگاہِ خداوندی کی طرف لے جانے میں رہنمائی کریں اور اسے اس بارگاہ کی طرف جانے والے راستے دکھائیں تو ایسا

سماع مباح وجائز ہے۔

(صاحبِ کتاب حضرت سیِّدُنا شیخ ابُو طالب مکی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں:) سماع کی یہ آخری صورت صِرف اسی کو زیبا ہے جو اس کا اہل ہو، مَعْرِفَتِ خداوندی کا کچھ حِصّہ اسے نصیب ہو اور ایسا قلبی وجدان رکھتا ہو جس کی وجہ سے بندے کو وہ مقام مل جائے جو حزن یا شوق کے مقامات کے قائم مقام یا مَحَبّت وخوف کے مقامات کے برابر ہو، چنانچہ سماع ایسے شخص کے دل میں تحریک پیدا کر کے اسے مُشاہدے کی طرف لے جاتا ہے تاکہ سماع اس کے لیے مُشاہدۂ باری تعالیٰ میں زیادَتی کا باعث بنے۔ مگر جو شخص بطورِ نغمہ سماع سنے یا اچھی آواز کو پسند کرے یا لہو ولعب و تفریحِ طبع کی خاطِر سماع سنے تو ایسا شخص لہو ولعب میں مبتلا ہے، اس کے لیے سماع کسی طور مناسب نہیں کیونکہ سماع کا مقصود یہ باتیں نہیں۔

گروہِ اصفیا کی علامات

سَیِّدُ الطائفہ حضرت سیِّدُنا جنید بغدادی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں: اس گروہِ اَصفیا پر تین اوقات میں رحمت کا نزول ہوتا ہے:

﴿1﴾ کھانے کے وَقْت، کیونکہ یہ حضرات بغیر بھوک کے نہیں کھاتے۔

﴿2﴾ علمی مذاکرے کے وَقْت، کیونکہ یہ حضرات نبیوں کے اَحْوَال اور صدیقوں کے مقامات کے علاوہ گفتگو نہیں کرتے۔

﴿3﴾ سماع کے وَقْت، اس لیے کہ یہ حضرات وَجْدِ صادِق کے ساتھ سماع کی محفل سجاتے اور حق کا مُشاہدہ کرتے ہیں۔

اسی طرح کسی عارِف کا قول ہے: عارفین کے وِجدان تین چیزوں میں پہچانے جاسکتے ہیں: مسائل، غَضَب اور سماع کے وَقْت۔

سماع کی بحث ذکر کرنے کی وجہ

(صاحبِ کتاب حضرت سیِّدُنا شیخ ابُو طالب مکی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں) ہم نے جو سماع کی بحث ذکر کی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ بھی بعض محبین کا طریقہ اور بعض مشتاقین کا حال رہا ہے، اگر ہم بالکل ہی اس کا انکار کر دیتے

تو گویا اُمّت کے 90 فیصد بلند پایہ صادقین کا انکار کر بیٹھتے، اگرچہ اب سماع میں ایسے لوگ بھی شریک ہو گئے ہیں جو اس کے اہل نہیں اور انہوں نے اسے اس کی اصل حالت سے بدل کر اپنے مقصود کی طرف پھیر دیا ہے۔

سماع اہلِ سماع کی خوراک تھی، بلکہ وہ اسے اپنی غذا بنا لیتے تاکہ دَرَجات طے کرنے میں قوت حاصِل کر سکیں، بعض تو ایسے بھی تھے جو دو دو تین تین دن تک بھوکے رہتے اور جب ان کا نفس کھانے کا مشتاق ہوتا تو اسے کھانا کھلانے کے بجائے سماع سننے لگتے، اس سے ان کی وِجدانی کیفیات بھڑک اٹھتیں اور دلوں میں ذکرِ خداوندی کا سمندر موجزن ہو جاتا جو انہیں کھانے سے بے پروا اور نیند سے غافل کر دیتا۔ مگر یہ کیفیت صِرف اسی بندے کی ہوتی ہے جس کا دل کدورتوں اور گناہوں سے پاک صاف ہو۔ لہٰذا جس نے سماع میں مخلوق کا مُشاہدہ کیا تو یہ اس کے دل کے مکدر ہونے کی علامت ہے اور جس نے سماع میں لہو و لعب کو شامل کیا تو یہ اس کی عقل کے ناقص ہونے کی دلیل ہے۔

سماع کی حقیقت

(صاحبِ کتاب حضرت سَیِّدُنا شیخ ابو طالب مکّی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں:) مجھے کسی شیخ نے اپنے شیخ کی یہ بات بتائی کہ انہیں ابو العباس حضرت سَیِّدُنا خضر عَلَیْہِ السَّلَام کی زیارت ہوئی تو فرماتے ہیں کہ میں نے ان سے عرض کی: آپ عَلَیْہِ السَّلَام اس سماع کے مُتَعَلِّق کیا کہتے ہیں جس میں ہمارے اَصحاب کا اِخْتِلاف ہے؟ تو فرمانے لگے: یہ وہ خالص اور صاف و شیریں پانی ہے جس (کے حُصُول) پر عُلَما ہی ثابِت قدم رہ سکتے ہیں۔

آقا کا امت پر سب سے زیادہ خوف

حضرت سَیِّدُنا خضر عَلَیْہِ السَّلَام کا قول واقعی سچ ہے، اس لیے کہ سرکارِ مدینہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا فرمانِ عالیشان ہے: مجھے اپنی اُمّت پر سب سے زیادہ خوف مخفی شہوت اور غافل کر دینے والے نغمے کا ہے۔[1]

گانے کا دل پر اثر

حضرت سَیِّدُنا حماد رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ حضرت سَیِّدُنا ابراہیم رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ کے حوالے سے یہ رِوایت بیان کرتے

[1] ....الزھد للمعافی بن عمران، باب فی التنعم واتباع الھوی...الخ، ص ۲۹۴، حدیث: ۲۰۰، "النغمة" بدله "نعمة" مسند احمد، حدیث شداد بن اوس، ۶/ ۷۷، حدیث: ۱۷۱۲۰

ہیں کہ گانا دل میں نفاق پیدا کرتا ہے۔

فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (پ ۲۱، لقمان: ۶)

ترجمۂ کنز الایمان: اور کچھ لوگ کھیل کی بات خریدتے ہیں کہ اللہ کی راہ سے بہکا دیں۔

اس آیتِ مبارکہ کی تفسیر میں حضرت سَیِّدُنا مجاہد رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں: یہاں کھیل کی بات خریدنے سے مراد گانا ہے۔

گانے کا شرعی حکم

حقیقت بھی یہی ہے جیسا کہ حضرت سَیِّدُنا ابراہیم اور حضرت سَیِّدُنا مجاہد رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِمَا نے اِرشاد فرمایا کہ گانا سننا حرام ہے اور گانے والی عورتوں کی اجرتیں اور قیمت بھی حرام ہے۔

قصیدے و گانے میں فرق

گانوں اور قصیدوں میں فرق ہے، اس لیے کہ گانا وہ ہوتا ہے جس کے ذریعے عورتوں کے محاسن و خوبیاں بیان کی جائیں، اس میں غزل ہو، نفسانی خواہش کی دعوت اور لہو و لعب کی ترغیب ہو۔ جس نے ان باتوں کے پیشِ نظر سماع سنا تو اس پر سماع حرام ہے۔ جبکہ قصائد وہ ہوتے ہیں جو اللہ کی یاد دلائیں، ان میں بارگاہِ خداوندی تک رسائی کی ترغیب پر مشتمل رہنمائی ہو، شوقِ الٰہی پیدا کریں، ایمانی وجدان کو ابھاریں، مشاہداتِ علوم کو بھڑکائیں اور راہِ آخرت و مقاماتِ صادقین کی یاد دلائیں۔ جس نے ان باتوں کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے سماع سنا تو وہ سماع سننے کا اہل ہے، کیونکہ وہی سماع سے اپنا حصّہ پاتا ہے۔

کلام کی اقسام

فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۹﴾ (پ ۲۷، الذّٰریٰت: ۴۹)

ترجمۂ کنز الایمان: اور ہم نے ہر چیز کے دو جوڑ بنائے کہ تم دھیان کرو۔

(معلوم ہوا) کلام کے بھی دو جز ہیں۔ ایک کو نثر جبکہ دوسرے کو نظم کہتے ہیں۔ نثری کلام عام لوگوں کا ہوتا ہے جبکہ منظوم کلام شاعروں کا ہوتا ہے۔ مگر جس کلام کے ذریعے **اللہ** پاک کو یاد کیا جائے اور وہ کلام یادِ الٰہی کا باعث بھی ہو تو وہ کلام بارگاہِ خداوندی کی طرف جانے والا راستہ و ذریعہ ہوتا ہے۔

سماع کی مختصر تاریخ

(صاحبِ کتاب حضرت سیِّدُنا شیخ ابو طالب مکی رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں:) ہمارے ہاں مکۂ مکرمہ میں سال کے افضل دنوں میں اہلِ حجاز سماع کی محفلیں سجاتے رہے ہیں۔ حالانکہ یہ دن تو وہ ہیں جن میں **اللہ** پاک نے اپنے بندوں کو حکم اِرشاد فرمایا ہے کہ وہ اس کی یاد میں مگن رہیں، یعنی حضرت سیِّدُنا عطا بن ابی رَباح رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ کے زمانے سے لے کر ہمارے اس دور تک ایامِ تشریق میں یہ محفلیں سجتی رہی ہیں اور کسی اہلِ علم نے اس بات کو ناپسند نہیں کیا۔[1]

سماع کے جواز کی ایک صورت

سماع کی حرمت و جواز کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ جس نے سماع سنا اور اس پر نفسانی صِفات ظاہر ہوں اور اسے دنیاوی لذتیں یاد آئیں تو اس صورت میں سماع حرام ہے، مگر جس سماع کی وجہ سے **اللہ** پاک یاد آئے، اس میں ایسے اوصاف پیدا ہو جائیں جو اسے بارگاہِ خداوندی اور ان مَراتِب کے حُصُول کا شوق دلائیں جن کے عطا کرنے کا **اللہ** پاک نے اپنے اَولیائے کرام سے وعدہ فرما رکھا ہے تو ایسا سماع بھی اس کے لئے ایک ذکر ہی ہے۔

جوازِ سماع کی شرط

ہمارے ایک عالم (یعنی صاحبِ کتاب حضرت سیِّدُنا شیخ ابو طالب مکی رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ کے مرشد حضرت سیِّدُنا ابو الحسن بن سالم رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ) سے عرض کی گئی: ہمیں معلوم ہوا ہے کہ آپ سماع کو پسند نہیں کرتے۔ حالانکہ حضرت سیِّدُنا جنید بغدادی، سری سقطی اور ذوالنون مصری رَحِمَہُمُ اللّٰہ بھی سماع سنتے تھے۔ تو آپ نے اِرشاد فرمایا: میں

---

[1]......یہاں سے کچھ عبارت کا ترجمہ متروک ہے جسے اہل علم احباب کے لئے کتاب کے آخر میں دے دیا گیا ہے۔

سماع کا منکر کیسے ہو سکتا ہوں؟ جبکہ حضرت سَیِّدُنا جعفر طیار رَضِیَ اللہُ عَنْہ کے شہزادے حضرت سَیِّدُنا **عبد اللّٰہ** رَضِیَ اللہُ عَنْہ سماع سنتے تھے، بلکہ مجھے سماع ناپسند ہونے کی وجہ اس میں لہو ولعب کا شامل ہونا ہے۔

میری عمر کی قسم! جن شیوخ کا ابھی ذکر ہوا ہے وہ سب سماع سنا کرتے تھے، بعض اعلانیہ سننے کے بجائے چھپ کے سنتے تھے اور بعض اپنے پیروکاروں اور مریدوں کے بجائے صرف خاص دوستوں کے ساتھ سنا کرتے تھے، ان کا کہنا تھا کہ سماع صرف ایک پختہ عارف کے لیے ہی زیبا ہے اور راہِ سلوک پر چلنے والے کسی نئے مرید کے لیے بالکل دُرُست نہیں۔

سماع کس سے اور کس کے ساتھ سنا جائے؟

ایک بار کسی صاحبِ علم کے سماع ترک کرنے کے بعد ان سے سماع کی درخواست کی گئی تو انہوں نے پوچھا: کس سے سنیں گے؟ عرض کی گئی: آپ سے۔ فرمایا: کن کے ساتھ؟ مشائخ سماع سنتے تھے مگر صرف انہی لوگوں سے اور انہی لوگوں کے ساتھ مل کر جو اس کے اہل ہوں۔

تین چیزیں ختم ہو گئی ہیں

مروی ہے کہ حضرت سَیِّدُنا یحییٰ بن مُعاذ رازی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں: ہم نے تین چیزوں کو کھو دیا ہے اور اب ہم انہیں نہیں دیکھتے، حالانکہ میرے خیال میں یہ عزت میں اضافہ ہی کرتی ہیں:

﴿1﴾ پاکدامنی کے ساتھ خوبصورت چہرہ۔ ﴿2﴾ دیانت داری کے ساتھ حسنِ کلام۔

﴿3﴾ وفاداری کے ساتھ اچھی دوستی۔

صحابۂ کرام میں سے حضرت سَیِّدُنا **عبد اللّٰہ** بن جعفر رَضِیَ اللہُ عَنْہ کے علاوہ حضرت سَیِّدُنا **عبد اللّٰہ** بن زبیر اور حضرت سَیِّدُنا مُغیرہ بن شُعْبَہ رَضِیَ اللہُ عَنْہُم بھی سماع سنتے تھے۔

حضرت سَیِّدُنا ابراہیم بن اَدْہَم رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں: ایک رات میں اکیلا طواف میں مصروف تھا، وہ رات شدید تاریک تھی اور بارش بھی زوروں پر تھی، جب میں بابِ کعبہ کے قریب (ملتزم میں) پہنچا تو میں نے عرض کی: اے میرے رب! مجھے گناہوں سے اس طرح محفوظ فرما کہ میں کبھی تیری نافرمانی نہ کروں۔ فرماتے ہیں: اچانک **بیتُ اللّٰہ** سے ہاتفِ غیبی کی آواز آئی: اے ابراہیم! تم گناہوں سے محفوظ رہنے کی

درخواست کر رہے ہو جبکہ میرا ہر بندہ مجھ سے یہی چاہتا ہے، اگر میں نے سب کو گناہوں سے محفوظ فرما دیا تو اپنا فضل کس پر فرماؤں گا اور کس کی مَغْفِرَت فرماؤں گا؟

شوق اور اہلِ شوق کا بیان

اہلِ شوق کی فضیلت

حضرت سَیِّدُنا وہب بن منبہ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ سے مروی ہے کہ **اللہ** پاک نے حضرت سَیِّدُنا داود عَلَیْہِ السَّلَام کی طرف وحی فرمائی: **اے داود!** تم مجھ سے کثرت سے سوال کرتے ہو مگر مجھ سے یہ سوال کب کرو گے کہ میں تمہیں شوق کی نعمت سے مالا مال کروں؟ عرض کی: اے میرے رب! یہ شوق کیا ہے؟ اِرشاد فرمایا: میں نے اہلِ شوق کے دلوں کو اپنی رضا سے پیدا کیا ہے، اپنے وجہِ کریم کے نور سے انہیں مرتبۂ کامل عطا کیا ہے، ان کے اَسرار کو زمین میں اپنی نگاہِ کرم کا محل بنایا ہے اور ان کے دلوں میں ایک ایسا راستہ رکھا ہے جس کے ذریعے وہ میری قدرت کے عجائبات کی طرف دیکھتے ہیں تو ہر روز ان کے شوق میں اِضافہ ہوتا ہے۔ پھر میں اپنے خاص و منتخب فرشتوں کو بلاتا ہوں، وہ آتے ہی سجدہ ریز ہو جاتے ہیں تو میں ان سے کہتا ہوں: میں نے تمہیں اپنی عِبَادَت کے لیے نہیں بلایا، بلکہ اپنے سر اٹھاؤ تا کہ میں تمہیں اپنے مشتاق لوگوں کے دل دکھاؤں، میری عزت و جلال کی قسم! بے شک میرے آسمان ان کے دلوں کے نور سے اس طرح روشن ہوتے ہیں جس طرح سورج اہلِ زمین کو روشن کرتا ہے۔

انبیا تمام عارفین سے افضل ہیں

(صاحب کتاب حضرت سَیِّدُنا شیخ ابو طالب مکی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں:) اس رِوایت میں چند باتوں کی وضاحت ضروری ہے۔ چنانچہ حضرت سَیِّدُنا داود عَلَیْہِ السَّلَام سے یہ فرمانا کہ تم مجھ سے شوق کا سوال نہیں کرتے، اس سے مُراد یہ نہیں ہے کہ **اللہ** پاک اپنے اَولیائے کِرام کو جو نعمتیں اور سرفرازیاں عطا فرماتا ہے وہ اپنے انبیائے کِرام عَلَیْہِمُ السَّلَام کو عطا نہیں فرماتا، جیسا کہ بعض (نادان) لوگ اس غلط فہمی کا شِکار ہیں اور عارف کو نبی سے بھی افضل سمجھ بیٹھتے ہیں۔ حالانکہ حضرت سَیِّدُنا داود عَلَیْہِ السَّلَام سے اس بات کا ذکر محض اس لیے تھا کہ

وہ **اللہ** پاک سے مقامِ شوق طلب کریں گے تو وہ انہیں فوراً عطا فرمائے گا۔ چنانچہ جونہی انہیں اس بات کی خبر ہوئی اور انہوں نے سوال کیا تو **اللہ** پاک نے انہیں مقامِ شوق پر فائز فرما دیا اور یوں مقاماتِ شوق میں عارفین سے بھی آگے بڑھ گئے۔

نیز اس کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ **اللہ** پاک جہاں حضرت سَیِّدُنا داود عَلَیْہِ السَّلَام کی زبان سے اس کی فضیلت ظاہر کرنا چاہتا تھا وہیں اس کا مقصود یہ بھی تھا کہ ان کے سوال کرتے ہی فوراً اسے قبول کر کے مقامِ شوق کی فضیلت و شرافت بھی ظاہر فرمائے۔

اسی طرح حضرت سَیِّدُنا داود عَلَیْہِ السَّلَام نے جو یہ عرض کی تھی: شوق کیا ہے؟ تو اس سے مُراد یہ نہیں کہ وہ مقامِ شوق سے آگاہ نہیں تھے، حالانکہ انہیں حِکْمت و نبوت کی دولت عطا کی گئی تھی، بلکہ وہ بارگاہِ خداوندی میں (آدابِ حاضری کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے) حَیا کے باعث خاموش رہے اور انہوں نے اپنی کم علمی کا اِعْتِراف کیا کیونکہ وہ عَلَّامُ الْغُیُوْب کی بارگاہ میں حاضر تھے اور اس وصف کی حقیقت اسی سے سننا چاہتے تھے، اس لیے کہ وہی اَصْدَقُ الْقَائِلِیْن یعنی سب سے زیادہ سچ بولنے والا اور اَمْدَحُ الواصفین یعنی سب سے زیادہ کسی شے کے بہترین اوصاف بیان کرنے والا ہے۔

اہل شوق و محبت کا حال غیرت

غیرت اَہلِ مَحبَّت کا ایک بلند پایہ حال ہے، کیونکہ **اللہ** پاک نے ان پر ایسے نفیس معانی و مفاہیم ظاہر فرما رکھے ہیں کہ وہ ٹس سے مس نہیں ہوتے، اس لیے کہ ان کی وجہ سے ان کے دل (مَعْرِفَتِ الٰہی سے) لبریز اور عقلیں حیران ہیں۔ ان لوگوں کا شُمار خاص اصحابِ یمین میں ہوتا ہے اور یہ عام اہلِ مَحبَّت ہیں۔ مگر جب **اللہ** پاک انہیں مقامِ توحید تک بلندی عطا فرماتا ہے تو وہ انہیں اس بات کا مشاہدہ کرواتا ہے کہ ساری مخلوق کو اُس نے اکیلے بنایا ہے اور کسی کام میں اُس کا کوئی شریک نہیں تو یوں وہ غور و فکر کرتے ہیں اور ان کی حالت یہ ہو جاتی ہے کہ **اللہ** پاک کے سوا انہیں کوئی کچھ عطا کرتا دکھائی دیتا ہے نہ اس کے اوصاف بیان کرتا کوئی نظر آتا ہے، یوں ان کی توحید میں غیرت سما جاتی ہے اور جب وہ یَقینِ توحید کے ذریعے مَعْرِفَت کا یہ مقام پاتے ہیں کہ **اللہ** پاک کے سوا کسی کو دیکھتے ہیں نہ اس کے سوا کسی کو جانتے ہیں تو ان کے دیگر ہر قسم کے

خیالات اس پر غیرت کی وجہ سے خَتْم ہو جاتے ہیں اور یوں وہ اس کی عطا کردہ مَعْرِفَت کی وجہ سے ہر قسم کی ظاہِری اَنواع واقسام میں موجود اس کی حِکْمَت سے بھی آگاہ ہو جاتے ہیں اور اس بات سے بھی آگاہ ہو جاتے ہیں کہ وہ غیب در غیب ہے جسے اس کے سوا کوئی ظاہِر نہیں کر سکتا اور اس راز در راز میں اس کے سوا کسی کا مُشاہَدہ بھی نہیں ہو سکتا، الغرض توحید کی وجہ سے ان لوگوں کو حاصِل مَعْرِفَت کا مقام ان کے مقامِ غیرت کے قائم مقام ہو جاتا ہے بشرطیکہ پہلے وہ صدیقین میں سے مقامِ توحید پر فائز لوگوں کے مقام سے آگاہ ہو جائیں۔

اہلِ شوق ومحبت کی علامات

حضرت سَیِّدُنا یحییٰ بن معاذ، حضرت سَیِّدُنا ابو تراب نَخْشَبی اور حضرت سَیِّدُنا ابو سعید خراز رَحِمَهُمُ الله سے محبّت کے دلائل واوصاف کے مُتَعَلِّق ایک جیسے معنیٰ ومفہوم پر دلالت کرنے والے ایک ہی وزن پر چند اَشعار مروی ہیں، ان اشعار میں بڑے مختصر اور جامع انداز میں اہلِ محبّت مریدین اور اہلِ عِبادَت مُرادین کے اوصاف ان کے قرب وانقطاع کے اعتبار سے بیان کئے گئے ہیں۔ چنانچہ،

سَیِّدُنا ابو تراب نَخْشَبی سے مروی اشعار

حضرت سَیِّدُنا ابو تراب نَخْشَبی رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْه سے علاماتِ محبّت کے مُتَعَلِّق درج ذیل اَشعار مروی ہیں:

لَا تَخْدَعَنَّ فَلِلْحَبِيْبِ دَلَائِلُ ۔۔۔ وَلَدَيْهِ مِنْ تُحَفِ الْحَبِيْبِ وَسَائِلُ
مِنْهَا تَنَعُّمُهُ بِمُرِّ بَلَائِهِ ۔۔۔ وَ سُرُوْرُهُ فِيْ كُلِّ مَا هُوَ فَاعِلُ
فَالْمَنْعُ مِنْهُ عَطِيَّةٌ مَقْبُوْلَةٌ ۔۔۔ وَ الْفَقْرُ اِكْرَامٌ وَّ بِرٌّ عَاجِلُ
وَ مِنَ الدَّلَائِلِ اَنْ تَرٰى مِنْ عَزْمِهِ ۔۔۔ طَوْعَ الْحَبِيْبِ وَ اِنْ اَلَحَّ الْعَاذِلُ
وَ مِنَ الدَّلَائِلِ اَنْ يُّرٰى مُتَبَسِّمًا ۔۔۔ وَالْقَلْبُ فِيْهِ مِنَ الْحَبِيْبِ بَلَابِلُ
وَ مِنَ الدَّلَائِلِ اَنْ يُّرٰى مُتَفَهِّمًا ۔۔۔ لِكَلَامِ مَنْ يُّحْظٰى لَدَيْهِ السَّائِلُ
وَ مِنَ الدَّلَائِلِ اَنْ يُّرٰى مُتَقَشِّفًا ۔۔۔ مُتَحَفِّظًا مِنْ كُلِّ مَا هُوَ قَائِلُ

ترجمہ: ہرگز دھوکے میں نہ رہنا، ہر عاشق کی کچھ علامات ہیں اور محبوب کے تحفوں کے اس کے پاس کئی وسائل ہیں۔

ان میں سے ایک علامت یہ ہے کہ محبوب کی ہر آزمائش کو نعمت جانے اور اس کے ہر سلوک پر خوش رہے۔ اس کا (اپنی نعمتیں)

روک لینا مقبول عطیہ ہے جبکہ فقر و محتاجی اکرام اور فوری بھلائی ہے۔ ایک علامت یہ ہے کہ تو محب کو اطاعتِ محبوب پر پُرعزم دیکھے گا خواہ ملامت کرنے والا مسلسل ملامت کرے۔ ایک علامت یہ ہے کہ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دکھائی دے گی جبکہ دل میں محبوب کا اِضْطِراب ہو گا۔ ایک علامت یہ بھی ہے کہ وہ اس شخص کی بات سمجھنے والا دکھائی دے گا جس کے ہاں سائل کو ترجیح دی جاتی ہے۔ ایک علامت یہ ہے کہ وہ زاہدانہ زندگی بسر کرتا اور منہ سے نکلنے والی ہر بات کا خیال رکھتا نظر آئے گا۔

سیِّدُنا یحییٰ بن مُعاذ سے مروی اشعار

حضرت سیِّدُنا یحییٰ بن مُعاذ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ سے مروی اشعار درج ذیل ہیں:

وَ مِنَ الدَّلَائِلِ اَنْ تَرَاهُ مُشَمِّرًا ۔۔۔ فِيْ خِرْقَتَيْنِ عَلٰى شُطُوْطِ السَّاحِلِ

وَ مِنَ الدَّلَائِلِ حُزْنُهُ وَ نَحِيْبُهُ ۔۔۔ جَوْفَ الظَّلَامِ فَمَا لَهُ مِنْ عَاذِلِ

وَ مِنَ الدَّلَائِلِ اَنْ تَرَاهُ مُسَافِرًا ۔۔۔ نَحْوَ الْجِهَادِ وَ كُلِّ فِعْلٍ فَاضِلِ

وَ مِنَ الدَّلَائِلِ زُهْدُهُ فِيْمَا يَرٰى ۔۔۔ مِنْ دَارِ ذُلٍّ وَالنَّعِيْمِ الزَّائِلِ

وَ مِنَ الدَّلَائِلِ اَنْ تَرَاهُ بَاكِيًا ۔۔۔ اَنْ قَدْ رَاٰهُ عَلٰى قَبِيْحِ فَاعِلِ

وَ مِنَ الدَّلَائِلِ اَنْ تَرَاهُ مُسَلِّمًا ۔۔۔ كُلَّ الْاُمُوْرِ اِلَى الْمَلِيْكِ الْعَادِلِ

وَ مِنَ الدَّلَائِلِ اَنْ تَرَاهُ رَاضِيًا ۔۔۔ بِمَلِيْكِهٖ فِيْ كُلِّ حُكْمٍ نَازِلِ

وَ مِنَ الدَّلَائِلِ ضِحْكُهُ بَيْنَ الْوَرٰى ۔۔۔ وَ الْقَلْبُ مَحْزُوْنٌ كَقَلْبِ الثَّاكِلِ

ترجمہ: ایک علامت یہ ہے کہ تو مُحِب کو ساحل کے کنارے پر دو پرانے کپڑوں میں (ملبوس محبت کے سمندر میں غوطہ زن ہونے کے لیے ہر وقت) تیار کھڑا دیکھے گا۔ ایک علامت یہ ہے کہ جب آدھی رات کے وقت اس پر حزن و محبت کا غلبہ ہو تو کوئی اسے ملامت کرنے والا نہ ہو۔ ایک علامت یہ ہے کہ تو اس کو جہاد اور ہر باعثِ فضیلت کام کے لئے تیار دیکھے گا۔ ایک علامت یہ ہے کہ وہ ذلت والے گھر اور ناپائیدار نعمتوں سے بے رغبت ہو گا۔ ایک علامت یہ ہے کہ بُرے فعل کے اِرتکاب پر تو اسے روتا ہوا دیکھے گا۔ ایک علامت یہ ہے کہ تو اس کو تمام اُمور عادل بادشاہ (یعنی اللہ پاک) کے حوالے کرتا دیکھے گا۔ ایک علامت یہ ہے کہ تو اسے اپنے پروردگار کے ہر حکم پر راضی دیکھے گا۔ ایک علامت یہ ہے کہ وہ لوگوں کے درمیان ہنستا ہے مگر اس کا دل گمشدہ بچے کی ماں کی مثل غمگین ہوتا ہے۔

صاحبِ قوت کا تبصرہ

حضرت سَیِّدُنا ابو سعید خراز رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ سے مروی اشعار مذکورہ اشعار میں ہی مذکور ہیں اور میرا خیال یہ ہے کہ آپ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ کے اشعار حضرت سَیِّدُنا ابو تراب نَخْشَبِی اور حضرت سَیِّدُنا یحییٰ بن مُعاذ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِمَا سے ماخوذ ہیں، کیونکہ یہ دونوں حضرات آپ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ سے پہلے کے ہیں، البتہ! آپ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ سے صرف 11 اشعار ہی مروی ہیں۔ بہرحال ہمارے ذکر کردہ تمام اَشعار میں جو علامات و نشانیاں بیان کی گئی ہیں وہ سب اہلِ مَحبَّت کے اوصاف ہیں، (مگر یاد رکھئے!) **اللہ** پاک سے مَحبَّت کرنے والے ہر شخص کی مَحبَّت **اللہ** پاک کی عطا کردہ ہوتی ہے، کیونکہ بندے کے دل میں مَحبَّتِ باری تعالیٰ کا پایا جانا اس بات کی عَلامَت ہے کہ **اللہ** پاک بھی اس سے غیب میں مَحبَّت فرماتا ہے اور وہ غیب اس کے لیے اس عالَمِ شہود یعنی دنیا میں ہی ظاہِر ہو گیا ہے۔

محبت کے دو مقام

مَحبَّت میں دو مَقام ہیں: ایک مَقامِ تعریف اور دوسرا مَقامِ تَعَرُّف۔ مَقامِ تعریف عام لوگوں کی مَعرِفَت ہے اور یہ خاص مَحبَّت سے پہلے کا مَقام ہے۔ جبکہ مَقامِ تَعَرُّف خواص کی مَعرِفَت ہے اور یہ مَقام عوام کی مَحبَّت کے بعد آتا ہے اور پہلی مَحبَّت میں اِضافے کا باعث ہے، یہ خواص کی مَحبَّت ہے۔

محب و محبوب میں فرق

اسی طرح مَحبَّت میں دو خاص مَقام یہ بھی ہیں: مَقامِ محبّ اور اس سے اعلیٰ مَقامِ محبوب۔ ان کا حکم بزرگانِ دین کے قول مرید و مُراد کی طرح ہی ہے۔ حقیقت میں **اللہ** پاک کا ہر مرید اس کا مُراد بھی ہے، البتہ! مشائخ نے مُراد کو ایک ایسے وصف سے مُتَّصِف قرار دیا ہے جس سے نہ صِرف اس کی پہچان ہو جاتی ہے بلکہ اس کے ساتھ مبتدی و مبادی میں، منیب و مجتبیٰ میں، طالب و مطلوب میں، راغب و مرغوب میں اور حافظ و محفوظ میں بخوبی فرق بھی کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح میری عمر کی قسم! نوکر مالک کی طرح ہو سکتا ہے نہ زیارت کرنے والا اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جس کی زیارت کی جاتی ہے۔ اشتیاق حضور کی طرح ہو سکتا ہے نہ محب محبوب کے مثل ہو سکتا ہے۔

شوق کا تعلق صِرف غائب سے ہے

حضرت سَیِّدُنا ابو موسیٰ دبیلی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت سَیِّدُنا بایزید بسطامی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ کی خِدمَت میں شیخ عبد الرحیم رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ کی اخلاص کے موضوع پر لکھی ہوئی کتاب پیش کی تو اس میں سے آپ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ کو صِرف حضرت سَیِّدُنا ابو عاصم شامی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ کی شوق والی حکایت ہی پسند آئی، یعنی حضرت سَیِّدُنا عبد الرحیم رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ اپنی کتاب میں اخلاص کی باتیں ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اہلِ شام کے وفد میں شریک حضرت سَیِّدُنا ابو عاصم شامی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ سے عرض کی گئی: کیا آپ **اللہ** پاک کے مشتاق ہیں؟ فرمایا: نہیں! عرض کی گئی: وہ کیوں؟ ارشاد فرمایا: شوق تو صِرف غائب چیز کا ہوا کرتا ہے مگر جب غائب حاضِر ہو جائے تو شوق کس کا ہو گا؟

(صاحبِ کتاب حضرت سَیِّدُنا شیخ ابو طالب مکی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں:) میرے خیال میں حضرت سَیِّدُنا ابو عاصم شامی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ اس مقام پر فائز تھے جہاں شوق کی حد خَتْم ہو جاتی ہے اور بندہ مَقامِ محبوب پر فائز ہو جاتا ہے۔

مشاہدہ کے دو مقام

مُشاہَدہ کے بھی دو مَقام ہیں: مَقامِ شوق اور مَقامِ اُنس۔

شوق، قلق و اِضطِراب کے اس حال کا نام ہے جو عزتِ باری تعالیٰ کا مُشاہَدہ کرنے اور اس کے مخفی لطف و کرم کے ذریعے حجابِ غیب سے اس کے غیبی اَوصاف کا دیدار کرنے سے پیدا ہوتا ہے۔ یہ مقام حزن اور عاجزی و انکساری کا مقام ہے۔ جبکہ انس، قرب کے اس حال کا نام ہے جو قدرت کے لطائف کی بنا پر مُکاشَفہ حُضوری سے پیدا ہوتا ہے اور یہ مَقام سرور اور خوش خبری و بشارت پانے کا ہے۔

حضرت سَیِّدُنا ضَیغم رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ بارگاہِ خداوندی میں مناجات کرتے ہوئے عرض کرتے ہیں: (اے باری تعالیٰ!) مجھے مخلوق پر تعجب ہے کہ وہ تیرا بدل کیسے چاہتے ہیں اور لوگوں کی اس بات پر بھی میں حیران ہوں کہ وہ تیرے سوا دوسروں سے کیسے انس پاتے ہیں؟

کمالِ حب کی علامات

حضرت سَیِّدُنا جنید بغدادی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں: کمالِ حب کی علامات یہ ہیں:

❁☚ دل فرحت و سرور کے ساتھ ہمیشہ ذکرِ باری تعالیٰ میں مصروف رہے۔

❁☚ اس میں رب کا شوق و انس کوٹ کوٹ کر بھرا ہو۔

❁☚ محبّتِ باری تعالیٰ کو نفسانی محبّت پر ترجیح دی جائے۔

❁☚ **اللہ** پاک کے ہر کام پر راضی رہا جائے۔

انس کی علامت

اُنسِ باری تعالیٰ کی عَلامَت یہ ہے: ❁☚ خَلْوَت میں مزہ آئے ❁☚ مُناجات میں حلاوت و شیرینی پائے اور ❁☚ ہر ایک سے جدا ہو کر اس کا بن جائے یہاں تک کہ اسے دنیا ومافیہا کی کوئی سمجھ نہ رہے۔

اس انس کو مخلوق کے انس پر محمول نہیں کرنا چاہئے کہ عقلی مراتب پر اسے ترتیب دیا جاسکے، جیسا کہ محبّتِ باری تعالیٰ کو مخلوق کی محبّت پر محمول نہیں کیا جاسکتا کہ جس کا وجود ہی عقلی باتوں پر ہوتا ہے، اس لیے کہ انس تو محبّت کا ایک حال ہے یا پھر یہ **اللہ** پاک کی عطا سے اطمینان و سکون، حلاوت و راحت اور وجدان کے پائے جانے کا نام ہے۔

بعض لوگ انس کی حقیقت نہیں مانتے کیونکہ انہیں یہ مقام نصیب نہیں جیسا کہ محبّت کے منکر وہی ہیں جنہیں اس کی مَعْرِفَت نہیں، اس لیے کہ وہ اسے بھی مخلوق کی محبّت جیسا خیال کرتے ہیں اور اس کی مثالیں مخلوق کے اوصاف سے دیتے ہیں، چنانچہ ایسے ہی کسی فرد کا قول ہے کہ محبّت صرف مخلوق سے ہی پہچانی اور سمجھی جاسکتی ہے جبکہ **اللہ** پاک کا خوف وہیبت ہی ہو سکتا ہے۔ ان انکاری لوگوں میں سے ایک احمد بن غالب ہے جو غلام خلیل کے نام سے مشہور ہے، اس نے حضرت سیِّدُنا جنید بغدادی، حضرت سیدنا ابو سعید اور حضرت سیِّدُنا سفیان ثوری رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِم کی محبّت کے بارے میں کی جانے والی باتوں پر اِعْتِراض کیا۔ حالانکہ یہ سلف کا مذہب ہے نہ عارفین کا طریقہ، بلکہ حضرت سیِّدُنا عامر بن **عبد اللہ** رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ نے اپنے کسی دوست یا بھائی کو ایک مکتوب میں یہ دعا دی: **اللہ** پاک تجھے اپنا انس عطا فرمائے۔

اسی طرح منقول ہے کہ حضرت سیِّدُنا ابراہیم بن اَدْہَم رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ پہاڑ سے اتر رہے تھے کہ کسی نے عرض کی: کہاں سے آرہے ہیں؟ جواب دیا: **اللہ** پاک سے اُنس حاصِل کر کے آرہا ہوں۔

مشائخ نے کسی عارِف کے یہ اشعار نقل کئے ہیں:

اَلْاُنْسُ بِاللهِ لَا يَحْوِيْهِ بَطَّالٌ   وَلَيْسَ يُدْرِكُهُ بِالْحَوْلِ مُحْتَالٌ

وَ الْاٰنِسُوْنَ رِجَالٌ كُلُّهُمْ نُجُبٌ   وَ كُلُّهُمْ صَفْوَةٌ لِلّٰهِ عُمَّالٌ

ترجمہ: کوئی باطل پرست اُنسِ باری تعالیٰ کا اِحاطہ کر سکتا ہے نہ کوئی حیلہ ساز اس کا اِدراک کر سکتا ہے۔ اُنس رکھنے والے تمام لوگ شریف اور **اللہ** پاک کے مخلص و باعمل بندے ہوتے ہیں۔

مقامِ انس کی فضیلت

فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ تَطْمَىٕنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ؕ (پ ۱۳، الرعد: ۲۸)

ترجمۂ کنز الایمان: وہ جو ایمان لائے اور ان کے دل **اللہ** کی یاد سے چین پاتے ہیں۔

حضرت سیِّدُنا سعید بن ابی عروبہ رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْه حضرت سیِّدُنا قتادہ رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْه سے اس آیتِ مُبارکہ کی تفسیر میں روایت فرماتے ہیں کہ یہاں وہ دل مُراد ہیں جو **اللہ** پاک کے ذکر سے راحت و سکون پائیں اور اس سے اُنس محسوس کریں۔

مقامِ اُنس میں تملّق و مُناجات کے ساتھ ساتھ مُحادَثت و مُجالَست بھی پائی جاتی ہیں اور کسی قدر بسط کا مفہوم بھی پایا جاتا ہے۔ **اللہ** پاک مقامِ انس کے سوا کسی اور مقام میں ناز کو پسند نہیں فرماتا، بلکہ یہ ناز اہلِ انس کو ہی بھاتا ہے۔ چنانچہ،

اھلِ انس کے ناز کی مثالیں

پہلی مثال

حضرت سیِّدُنا موسیٰ عَلَيْهِ السَّلَام مقامِ انس پر فائز ہونے کے بعد عرض کرنے لگے: اے میرے رب! میرے پاس جو کچھ ہے وہ تیرے پاس نہیں۔ **اللہ** پاک نے دریافت فرمایا: اور وہ کیا ہے؟ عرض کی: میرے لیے تو اے میرے پروردگار! تیرے جیسا مالک ہے مگر تیرے پاس تیرے جیسا کوئی اور نہیں۔ تو **اللہ** پاک

نے اِرشاد فرمایا: تو نے سچ کہا۔

(صاحبِ کتاب حضرت سَیِّدُنا شیخ ابو طالب مکّی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں:) حضرت سَیِّدُنا موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام کی "میرے لیے تیرے جیسا مالک ہونے" سے مُراد یہ تھی کہ اے میرے رب میرے لیے تو ہے۔ جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ بھی ہے:

لَیْسَ كَمِثْلِهٖ شَیْءٌ (پ۲۵، الشورٰی: ۱۱) ترجمۂ کنزالایمان: اس جیسا کوئی نہیں۔

مُراد یہ ہے کہ اس جیسا کوئی نہیں کیونکہ اس کی مثل کوئی نہیں کہ اس کی مثل کی مثال ہوتی، اس لیے کہ وہ بے مثل ہے اور (اگر اس کی مثل ہوتی تو کوئی اور خدا بھی ہوتا، یہاں اسی بات کی نفی کی گئی ہے کیونکہ) عرب مثل سے کسی شے کی ذات مُراد لیتے ہیں۔

دوسری مثال

ناز کی اس مثال سے زیادہ بسطِ کلام وہ ہے جس کی خبر دیتے ہوئے **اللہ** پاک نے قرآنِ کریم میں ذکر فرمایا ہے کہ حضرت سَیِّدُنا موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام نے رب کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے عرض کی:

اِنِّیْ قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا فَاَخَافُ اَنْ یَّقْتُلُوْنِ ﴿۳۳﴾ (پ۲۰، القصص: ۳۳) ترجمۂ کنزالایمان: میں نے اُن میں ایک جان مار ڈالی ہے تو ڈرتا ہوں کہ مجھے قتل کر دیں۔

تیسری مثال

اس سے بھی بڑھ کر ناز کی مثال یہ ہے کہ **اللہ** پاک نے آپ عَلَیْہِ السَّلَام سے اِرشاد فرمایا:

اِذْهَبْ اِلٰی فِرْعَوْنَ (پ۱۶، طٰہٰ: ۲۴) ترجمۂ کنزالایمان: فرعون کے پاس جا۔

تو بارگاہِ خداوندی میں عرض کرنے لگے:

فَاَرْسِلْ اِلٰی هٰرُوْنَ ﴿۱۳﴾ وَ لَهُمْ عَلَیَّ ذَنْۢبٌ (پ۱۹، الشعراء: ۱۳، ۱۴) ترجمۂ کنزالایمان: تو تُو ہارون کو بھی رسول کر اور ان کا مجھ پر ایک الزام ہے۔

اسی کی مثل آپ عَلَیْہِ السَّلَام کا یہ قول بھی ہے:

اِنِّیْۤ اَخَافُ اَنْ یُّكَذِّبُوْنِ ﴿۱۲﴾ؕ وَ یَضِیْقُ ترجمۂ کنزالایمان: میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے جھٹلائیں گے اور

صَدۡرِیۡ (پ ۱۹، الشعراء: ۱۲، ۱۳) میرا سینہ تنگی کرتا ہے۔

ناز صرف اہلِ اُنس کو زیبا ہے

(صاحب کتاب حضرت سَیِّدُنا شیخ ابو طالب مکی رَحۡمَۃُاللهِعَلَیۡہ فرماتے ہیں:) حضرت سَیِّدُنا موسیٰ عَلَیۡہِ السَّلَام کو ہی مذکورہ باتیں زیبا تھیں، اس لیے کہ اللہ پاک نے انہیں اپنی بارگاہ میں مقامِ بسط پر فائز فرما کر اُنس کی دولت سے بھی مالا مال کر رکھا تھا، نیز ایک وجہ یہ بھی تھی کہ آپ عَلَیۡہِ السَّلَام مقامِ محبوب کے بھی حامل تھے۔ چنانچہ انہوں نے یہ باتیں اللہ پاک کی مَحَبَّت پر ناز کرتے ہوئے کہیں تو اللہ پاک نے بھی ان پر کرم نوازی کی۔ لہٰذا حضرت سَیِّدُنا موسیٰ عَلَیۡہِ السَّلَام جس مقام پر فائز تھے اس مقام کے علاوہ کوئی اور مقام ہوتا تو ان باتوں کو بے ادبی شمار کیا جاتا۔ جیسا کہ حضرت سَیِّدُنا یونس عَلَیۡہِ السَّلَام سے اس قسم کی بات کا خیال بھی روا نہیں رکھا کیونکہ وہ مقامِ قبض و خوف پر فائز تھے یہاں تک کہ انہیں سمندر میں مچھلی کے پیٹ کے اندر تین اندھیروں میں بند کر کے قیامت تک کے لیے (اس مقام پر فائز لوگوں کی رہنمائی کی خاطر) یہ اعلان کر دیا:

لَوۡلَاۤ اَنۡ تَدٰرَكَهٗ نِعۡمَةٌ مِّنۡ رَّبِّهٖ لَنُبِذَ بِالۡعَرَآءِ وَهُوَ مَذۡمُوۡمٌ ﴿۴۹﴾ (پ ۲۹، القلم: ۴۹)

ترجمۂ کنز الایمان: اگر اس کے رب کی نعمت اس کی خبر کو نہ پہنچ جاتی توضرور میدان پر پھینک دیا جاتا الزام دیا ہوا۔

یہی وجہ ہے کہ اللہ پاک نے اپنے پیارے حبیب صَلَّی اللهُ عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کو قول و فعل میں حضرت سَیِّدُنا یونس عَلَیۡہِ السَّلَام کی پیروی کرنے سے منع کرتے ہوئے اِرشاد فرمایا:

فَاصۡبِرۡ لِحُكۡمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنۡ كَصَاحِبِ الۡحُوۡتِ ۘ اِذۡ نَادٰى وَهُوَ مَكۡظُوۡمٌ ﴿ؕ۴۸﴾ (پ ۲۹، القلم: ۴۸)

ترجمۂ کنز الایمان: تو تم اپنے رب کے حکم کا انتظار کرو اور اس مچھلی والے کی طرح نہ ہونا جب اس حال میں پکارا کہ اس کا دل گھٹ رہا تھا۔

(یہ اللہ کا فضل ہے کہ وہ جسے چاہے جو چاہے مقام و مرتبہ عطا فرمائے، چنانچہ) ایک مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

مِنۡهُمۡ مَّنۡ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعۡضَهُمۡ دَرَجٰتٍ ؕ (پ ۳، البقرة: ۲۵۳)

ترجمۂ کنز الایمان: ان میں کسی سے اللہ نے کلام فرمایا اور کوئی وہ ہے جسے سب پر درجوں بلند کیا۔

چنانچہ اس نے آپ صَلَّی اللهُ عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کو ہم کلامی سے مشرف کیا اور فرمایا:

وَ رَفَعَ بَعۡضَهُمۡ دَرَجٰتٍ ؕ (پ ۳، البقرۃ: ۲۵۳) ترجمۂ کنزالایمان: اور کوئی وہ ہے جسے سب پر درجوں بلند کیا۔

یعنی قرب میں اضافہ فرمایا حالانکہ حضرت سَیِّدُنا عیسیٰ بن مریم عَلَیْہِ السَّلَام اللہ پاک سے ہم کلامی کی فضیلت سے شرف یاب لوگوں میں سے تھے، جب آپ عَلَیْہِ السَّلَام نے "سلام" (یعنی اللہ پاک) کی طرف متوجہ رہتے ہوئے لفظ "سلام" کے ساتھ اپنی مدح کرتے ہوئے فرمایا:

وَ السَّلٰمُ عَلَیَّ یَوۡمَ وُلِدۡتُّ وَ یَوۡمَ اَمُوۡتُ وَ یَوۡمَ اُبۡعَثُ حَیًّا ﴿۳۳﴾ (پ ۱۶، مریم: ۳۳) ترجمۂ کنزالایمان: اور وہی سلامتی مجھ پر جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن مروں گا اور جس دن زندہ اٹھایا جاؤں گا۔

آپ عَلَیْہِ السَّلَام نے خود کو حال اور مستقبل میں سلام کرتے ہوئے اپنی دائمی سلامتی کی خبر دی اور ایسا انتہائی لطف و کرم والے مقام سے خوش ہونے کے سبب ہوا جبکہ یہ معاملہ آپ کے بھائی حضرت سَیِّدُنا یحییٰ بن زکریا عَلَیْہِمَا السَّلَام کے ساتھ نہ تھا بلکہ وہ خاموش رہے انہوں نے گفتگو نہیں کی اور وہ خوف اور حیا کے سبب آنسو بہاتے رہے حتّٰی کہ ان کے پروردگار نے اس پر ان کی تعریف کی، ان کے گزشتہ احوال ظاہر فرمائے اور آپ کی تعریف کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

وَ سَلٰمٌ عَلَیۡهِ یَوۡمَ وُلِدَ وَ یَوۡمَ یَمُوۡتُ وَ یَوۡمَ یُبۡعَثُ حَیًّا ﴿۱۵﴾ؑ (پ ۱۶، مریم: ۱۵) ترجمۂ کنزالایمان: اور سلامتی ہے اس پر جس دن پیدا ہوا اور جس دن مرے گا اور جس دن زندہ اٹھایا جائے گا۔

حضرت سَیِّدُنا یوسف عَلَیْہِ السَّلَام کے بھائیوں نے آپ کے خلاف منصوبہ بنا کر اسے پختہ کیا اور آپ عَلَیْہِ السَّلَام کے ساتھ جو کرنا تھا اس کا اظہار اپنے اس قول سے کیا:

اُقۡتُلُوۡا یُوۡسُفَ اَوِ اطۡرَحُوۡهُ اَرۡضًا یَّخۡلُ لَكُمۡ وَجۡهُ اَبِیۡكُمۡ (پ ۱۲، یوسف: ۹) ترجمۂ کنزالایمان: یوسف کو مار ڈالو یا کہیں زمین میں پھینک آؤ کہ تمہارے باپ کا منہ صرف تمہاری ہی طرف رہے۔

آپ کے مُتَعَلِّق اس قسم کی دیگر باتوں اور سلوک پر اللہ پاک نے ان کی پکڑ نہیں فرمائی۔ میں نے برادرانِ یوسف کی ایسی باتوں اور کاموں کو شمار کیا تو آیتِ مُبارَکہ ﴿ لَیُوۡسُفُ وَ اَخُوۡهُ اَحَبُّ اِلٰۤی اَبِیۡنَا مِنَّا (پ ۱۲، یوسف: ۸) ترجمۂ کنزالایمان: کہ ضرور یوسف اور اس کا بھائی ہمارے باپ کو ہم سے زیادہ پیارے ہیں۔ ﴾ سے لے کر ﴿ وَ كَانُوۡا فِیۡهِ مِنَ الزّٰهِدِیۡنَ ﴿۲۰﴾ؑ (پ ۱۲، یوسف: ۲۰) ترجمۂ کنزالایمان: اور انہیں اس میں

کچھ رغبت نہ تھی۔ ﴾ آیتِ مُبارَکہ تک ان کی 40 سے زائد چھوٹی بڑی غلطیاں پائیں، لیکن اگر مزید باریک بینی سے دیکھا جائے اور مخفی گناہوں کی مَعْرِفَت بھی حاصل ہو تو ایک ایک کلمے میں چار پانچ غلطیاں بھی شمار کی جا سکتی ہیں۔ اس کے باوجود اللہ پاک نے انہیں تو مُعاف فرمادیا کیونکہ وہ سب مقامِ محبوب پر فائز تھے مگر حضرت سَیِّدُنا عزیر عَلَیْہِ السَّلَام کے اس ایک سوال سے درگزر نہ فرمایا جو انہوں نے تقدیر کے مُتَعَلِّق پوچھا تھا۔[1]

مذکورہ تمام مثالوں سے بڑھ کر یہ مثال دی جاسکتی ہے کہ بنی اسرائیل کو بچھڑے کی عِبادَت کرنے کے باوجود معاف فرمادیا۔ جیسا کہ اِرشَاد ہوتا ہے:

ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَیِّنٰتُ فَعَفَوْنَا عَنْ ذٰلِكَ ۚ (پ ۶، النسآء: ۱۵۳)

ترجمۂ کنزالایمان: پھر بچھڑا لے بیٹھے بعد اس کے کہ روشن آیتیں ان کے پاس آچکیں تو ہم نے یہ معاف فرمادیا۔

اس کی مرضی جسے چاہے معاف کرے

پس اگر وہ معاف کرنا چاہے تو بڑی بڑی باتوں کو معاف فرما دیتا ہے اور اس پر کوئی شے بڑی نہیں اور اگر چاہے تو چھوٹی چھوٹی چیزوں پر پکڑ کرلے اور حساب کا مطالبہ کرنے لگے اور کوئی ذرہ و رائی کا دانہ اس کے مطالبے سے بچ نہ سکے۔ درحقیقت بارگاہِ خداوندی میں کیا جانے والا کوئی گناہ چھوٹا کیونکر ہو سکتا ہے؟ کیا آپ نہیں جانتے کہ اگر کوئی شخص کسی نبی کے سامنے اپنی شرم گاہ کھول دے تو اس کے حرمتِ نبوت کا پردہ چاک کر دینے کی وجہ سے اس کا یہ فعل کفر شُمار ہو گا۔ لہٰذا اگر اللہ پاک کا فضل اور رحمت شاملِ حال نہ ہو تو اللہ پاک جو عظیم و اکبر ہے اس کی بارگاہ میں سرانجام دیا جانے والا گناہ کس قدر بڑا ہو گا۔ چنانچہ اس کا فرمانِ عالیشان ہے:

یَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ وَ یُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ ؕ (پ ۴، اٰل عمرٰن: ۱۲۹)

ترجمۂ کنزالایمان: جسے چاہے بخشے اور جسے چاہے عذاب کرے۔

اس آیتِ مُبارَکہ کی تفسیر میں منقول ہے کہ اگر چاہے تو بڑے گناہوں کو معاف فرمادے اور چاہے تو چھوٹے گناہوں پر عذاب میں مبتلا کردے۔

ایک قول میں ہے کہ اگر ایک پوری جماعت کسی مَعْصِیَّت میں شریک ہو تو وہ ان میں سے بعض کو

---

[1] ......یہاں سے کچھ عبارت کا ترجمہ متروک ہے جسے اہل علم احباب کے لئے کتاب کے آخر میں دے دیا گیا ہے۔

معاف فرمادے اور ان کے گناہوں کو اس طرح نیکیوں سے بدل دے کہ ان کی مَعْصِیَّت ان کے لیے نقصان دہ نہ رہے بلکہ اس کا انجام ان کی خوشی کا باعث بنے اور دوسروں کو اسی گناہ کی وجہ سے عذاب میں مبتلا کر دے اور ان کی مغفرت نہ فرمائے، ان کا کوئی عمل ان کے لیے مفید نہ ہو تو بھی اس سے اس کے افعال کے بارے میں نہیں پوچھا جاسکتا، بلکہ لوگوں سے ہی پوچھا جائے گا۔ مخلوق بھی اسی کی ہے اور حکم بھی اسی کا نافذ ہے، وہ اپنی مخلوق میں جو چاہے جیسا چاہے حکم نافذ کر سکتا ہے، اس کی مدد کے بغیر نہ کسی میں کوئی نیکی کرنے کی طاقت ہے نہ بدی سے بچنے کی کوئی قوت۔ لہٰذا جو ہماری ان ذکر کردہ باتوں پر ایمان لائے تو اس پر لازم ہے کہ دل میں اس کے خوف کو جگہ دے اور اس کی نافرمانی سے بچے اور جو ان باتوں کو نہ مانے تو وہ ضرور کفر میں مبتلا ہو جائے گا اور یہ بات اس پر سب سے زیادہ نقصان دہ ہو گی۔

عفوِ باری تعالٰی کی سب سے قوی مثال

حضرت سَیِّدُنا آصف بن برخیا رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ سے **اللہ** پاک نے جو درگزر فرمایا وہ مذکورہ سب مثالوں سے بڑھ کر ہے، چنانچہ منقول ہے کہ آپ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ مسرفین میں سے تھے مگر ان کے علمی مرتبہ اور ان پر **اللہ** پاک کے فضل و کرم کے پیشِ نظر ان کے گناہوں کا تذکرہ کرنا مُناسِب نہیں، پھر **اللہ** پاک نے (ان پر کرم فرماتے ہوئے) ان سے درگزر فرمایا اور انہیں اپنے خاص بندوں میں منتخب فرما کر علم و فضل کی دولت عطا فرمائی، نیز ان کے ذریعے اپنے نبی اور خلیفہ کی مدد فرمائی، انہیں اپنے نبی کا وزیر بنایا اور اسمِ اعظم کا علم عطا کیا، حالانکہ وہ اس سے قبل بڑے بڑے گناہوں میں مبتلا تھے، ان پر اس قدر لطف و عنایت کا سبب یہ تھا کہ کوئی محب اس کے لطف و عنایت سے ناامید و مایوس نہ ہو مگر حضرت سَیِّدُنا آصف بن برخیا رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ کے برعکس بَلعم بن باعورا کا ایک گناہ بھی معاف نہ فرمایا، کیونکہ بَلعم بن باعورا نے دین کے عوض دنیا کمائی اور علم میں نفسانی خواہش کو بھی شامل کر دیا تو اس کی وجہ سے وہ گمراہ و ہلاک بھی ہوا اور **اللہ** پاک کو بھی شدید ناراض کر بیٹھا۔ جبکہ حضرت سَیِّدُنا آصف بن برخیا رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ کے گناہ ان کے اور ان کے رب کے درمیان ظاہری اعضاء سے مُتَعَلِّق تھے۔ لہٰذا بلعم کے مقابلے میں سَیِّدُنا آصف رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ کی حالت بدل گئی کیونکہ بلعم کو جو آیات دکھائی گئی تھیں وہ انہیں عبادات کے بعد چھوڑ بیٹھا تھا، اس لیے کہ اس نے ان عبادات کی حقیقت کا

ارادہ کیا تھا نہ اس کی نیّت ان عبادات کو بجالانے کی تھی۔ بلکہ ایک قول میں ہے کہ اسے جو اسمِ اعظم عطا کیا گیا تھا وہ **اللہ** پاک کے کلمۂ کُن کی تاثیر رکھتا تھا اور ایک قول میں ہے کہ اس سے بھی بڑھ کر تاثیر کا حامل تھا، مگر اس نے ان آیات کو چھوڑ دیا اور دنیا کی طرف مائل ہو کر ہلاکتوں کی وادیوں میں گرتا چلا گیا، اس کی عِبادَت وزہد نے اسے کوئی فائدہ نہ دیا تاکہ کوئی عِبادَت گزار **اللہ** پاک کی خفیہ تدبیر سے بے خوف ہو نہ کوئی عالم اپنے عطا کردہ علم کی بنا پر اس کی بارگاہ میں کسی جرأت کا مُظاہرہ کرے۔

حضرت سیِّدُنا آصف بن برخیا رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ بڑے بڑے گناہوں میں مبتلا تھے، مگر **اللہ** پاک نے انہیں ان سے بچانے کے بعد اپنی خاص آیات سے نوازا، اس لیے کہ وہ وصفِ مُراد سے مُتَّصِف اور مقامِ محبوب پر فائز تھے اور یہ سب کچھ ایک نبی یعنی حضرت سیِّدُنا سلیمان عَلَیْہِ السَّلَام کی موجودگی میں ہوا جو کہ **اللہ** پاک کی زمین میں اس کے خلیفہ بھی تھے۔

بلعم بن باعورا کا قصہ مشہور ہے، اس کے لیے کئی مقدمات ہیں، یہ قصہ طویل بھی ہے، ہم یہاں اس کا ذکر نہیں کریں گے، البتہ حضرت سیِّدُنا آصف بن برخیا رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ کی وہ بات ضرور بیان کریں گے جو ہمیں معلوم ہے، کیونکہ ہر کوئی ان کے قصے سے واقف نہیں۔ چنانچہ،

سیدنا آصف بن برخیا پر کرم کیسے ہوا؟

مروی ہے کہ **اللہ** پاک نے حضرت سیِّدُنا سلیمان عَلَیْہِ السَّلَام کی طرف وحی فرمائی: اے عابدین کے سردار و راہنمائے زاہدین کے لختِ جگر! تیری خالہ کا بیٹا آصف کب تک میری نافرمانی کرتا رہے گا اور میں بار بار اس سے درگزر کرتا رہوں گا، مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم! اگر میں اپنی نوازشات میں سے کسی ایک کا مواخذہ کرلوں تو ضرور اسے اس کے ساتھیوں کے لیے ایک مثال اور بعد والوں کے لیے عِبرت بنا دوں۔ چنانچہ جب آصف بن برخیا رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ حضرت سیِّدُنا سلیمان عَلَیْہِ السَّلَام کی خِدمَت میں حاضر ہوئے اور آپ عَلَیْہِ السَّلَام نے انہیں وحی الٰہی کے مُتَعَلِّق بتایا تو وہ اٹھ کر باہر چلے گئے یہاں تک کہ ریت کے ایک ٹیلے پر چڑھ کر انہوں نے اپنے ہاتھوں کو آسمان کی طرف بلند کیا اور عرض گزار ہوئے: اے میرے معبود و میرے مالک! تُو تُو ہے اور میں میں ہوں۔ اگر تو مجھے توبہ کی توفیق نہیں دے گا تو میں کیسے توبہ کروں گا اور اگر تو مجھے نہیں

بچائے گا تو میں کیسے بچ پاؤں گا، بلکہ میں تو ضرور دوبارہ گناہ کی طرف لوٹ جاؤں گا۔ اس پر اللہ پاک نے (حضرت سیِّدُنا سلیمان عَلَیْہِ السَّلَام کے ذریعے) ان کی طرف پیغام بھیجا: اے آصف! تو نے سچ کہا تُو تُو ہے اور میں میں ہوں، توبہ کی خاطر میری طرف متوجہ ہو جا، میں نے تیری توبہ قبول کرلی ہے، کیونکہ میں ہی توبہ قبول کرنے اور رَحم فرمانے والا ہوں۔

حضرت سیِّدُنا آصف بن برخیا رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ کا یہ کلام ناز کے ساتھ کلام کرنے والے کے علاوہ اس شخص کی طرح ہے جو ہر طرف سے منہ موڑ کر بارگاہِ خداوندی کی طرف دوڑ پڑے اور بس اسی کی بارگاہ سے اپنا تعلق قائم رکھے۔

اہلِ ناز کی ایک اور مثال

اہلِ ناز محبوبین کی مثال میں بَرُخُ الْاَسْوَد کی مُناجات بھی ہے کہ جن کے مُتَعلّق اللہ پاک نے حضرت سیِّدُنا موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام کو حکم اِرشاد فرمایا تھا کہ ان سے جا کر بنی اسرائیل کے لیے بارش کی دعا کرنے کا فرمایئے، یہ حکم اس وَقْت اِرشاد فرمایا تھا جب بنی اسرائیل سات سال تک قحط سالی کا شکار رہے اور حضرت سیِّدُنا موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام نے 70 ہزار آدمیوں کی موجودگی میں ان کے لئے بارش کی دعا کی تو اللہ پاک نے آپ عَلَیْہِ السَّلَام کی طرف وحی فرمائی: میں ان لوگوں کی دعا کیسے قبول کروں حالانکہ ان پر ان کے گناہوں کی تاریکی چھائی ہوئی ہے، ان کے باطن خبیث ہیں، بغیر یقین کے مجھ سے دعا مانگتے ہیں اور میری خفیہ تدبیر سے بے خوف ہیں۔ لوٹ جایئے اور میرے ایک بندے سے جسے برخ کہا جاتا ہے کہئے کہ وہ باہر نکل کر بارش کی دعا کرے تاکہ میں اس کی دعا قبول کروں۔ یہ سن کر حضرت سیِّدُنا موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام نے بنی اسرائیل سے برخ کے بارے میں پوچھا لیکن پتا نہ چل سکا۔ (چنانچہ بحکمِ خداوندی لوٹ آئے، پھر) ایک دن آپ عَلَیْہِ السَّلَام کسی راستے پر جا رہے تھے کہ اچانک سامنے سے ایک حبشی غلام کو آتے دیکھا جس کی دونوں آنکھوں کے درمیان سجدہ کی مٹی لگی ہوئی تھی اور شملہ گردن پر لپیٹا ہوا تھا۔ چنانچہ حضرت سیِّدُنا موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام نے اللہ پاک کے عطا کردہ نور سے اسے پہچان لیا اور سلام کر کے پوچھا: تمہارا نام کیا ہے؟ اس نے عرض کی: میرا نام برخ ہے۔ اس پر آپ عَلَیْہِ السَّلَام نے فرمایا: ایک مدت سے ہم تمہاری تلاش میں تھے، اب چلو اور ہمارے لئے

بارش کی دعا کرو۔

پس وہ باہر نکلے اور بارگاہِ خداوندی میں یوں عرض کرنے لگے: الٰہی! نہ یہ تیرا کام ہے اور نہ یہ تیرا حلم ہے، پھر ایسا کیوں ہے! کیا تیرے ہاں بادل کم ہو گئے ہیں یا ہواؤں نے تیری اطاعت سے انکار کر دیا ہے یا تیرے خزانے ختم ہو گئے ہیں یا گناہگاروں پر تیرا غضب شدید ہو گیا ہے؟! کیا تو خطاکاروں کو پیدا کرنے سے پہلے غفار نہیں تھا؟ تو نے رحمت کو پیدا کیا اور مہربانی کا حکم دیا، اب خود اس حکم کے برعکس کر رہا ہے یا ہمیں یہ دکھا رہا ہے کہ تیرا حُصُول ناممکن ہے یا تجھے فنا کا خوف ہے اس لئے عذاب میں جلدی فرماتا ہے۔ بَرُخُ الاَسْوَد اس طرح کی باتیں کرتے رہے یہاں تک کہ بنی اسرائیل بارش میں بھیگ گئے اور اللہ پاک نے آدھے دن میں ہی گھاس کو اُگا دیا یہاں تک کہ وہ گھٹنوں تک پہنچ گئی۔ اس کے بعد برخ واپس لوٹ گئے۔ واپسی پر برخ کی ملاقات حضرت سَیِّدُنا موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام سے ہوئی تو عرض کرنے لگے: دیکھا آپ نے! میں نے اپنے رب سے جھگڑا کیا تو اس نے مجھ سے کیسا انصاف فرمایا؟ اس پر حضرت سَیِّدُنا موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام نے اسے بارگاہِ خداوندی کے آداب کو ملحوظِ خاطر رکھنے کے متعلق سمجھانا چاہا تو اللہ پاک کی طرف سے وحی نازل ہوئی: برخ روزانہ مجھے تین بار خوش کرتا ہے۔

حبیب کا محاسبہ نہیں کیا جاتا

(صاحبِ کتاب حضرت سَیِّدُنا شیخ ابو طالب مکی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں:) اس حکایت میں اہلِ رجا کے لیے نصیحت، اہلِ شوق کے لیے انس، اہلِ علم کے لیے طمع اور اَطاعت گزاروں کے لیے مَحَبَّت ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسا کہ کسی عارف کا قول ہے: حبیب کا محاسبہ کیا جاتا ہے نہ دشمن کو شمار کیا جاتا ہے۔

ایک حدیثِ قدسی میں ہے کہ ایک بندہ ہلاکت کی وادیوں میں گرنے کے قریب تھا کہ اللہ پاک نے اس کی دست گیری فرمائی اور اس کی طرف الہام فرمایا: کتنے ہی گناہ تو نے میرے سامنے کئے مگر میں نے تجھے مُعاف فرما دیا حالانکہ اس سے بھی کم درجے کے گناہوں کی وجہ سے میں نے ایک امت کو ہلاک کر ڈالا۔

بسا اوقات دو بندے ایک ہی مَعْصِیَّت میں شریک ہوتے ہیں، مگر اجتبا (چننے) اور عصمت (بچانے) میں دونوں مختلف ہوتے ہیں، جیسا کہ حضرت سَیِّدُنا آدم عَلَیْہِ السَّلَام اور ابلیس ملعون کا واقعہ ہے، اس میں اللہ پاک

نے حضرت سَیِّدُنا آدم عَلَیْہِ السَّلَام کو چن لیا کیونکہ ازل سے ہی ان کے لیے برگزیدگی اور اچھے کلمات لکھ دیئے گئے تھے جبکہ ابلیس رحمتِ باری تعالیٰ سے مایوس ہو گیا اور اس نے سرکشی کر لی کیونکہ اس کی قسمت میں بدبختی و بری تقدیر لکھی تھی۔

اسی طرح **اللہ** پاک نے ایک شخص سے اِعراض فرمانے کے باعث اپنے پیارے حبیب صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم پر عتاب فرمایا اور دوسرے شخص کی طرف متوجہ ہونے کو پسند نہ فرمایا۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

وَ اَمَّا مَنْ جَآءَكَ یَسْعٰىۙ(۸) وَ هُوَ یَخْشٰىۙ(۹) فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰىۚ(۱۰) (پ۳۰، عبس: ۸ تا ۱۰)

ترجمۂ کنزالایمان: اور وہ جو تمہارے حضور ملکتا (نازسے دوڑتا) آیا اور وہ ڈر رہا ہے تو اسے چھوڑ کر اور طرف مشغول ہوتے ہو۔

اور دوسرے کے بارے میں فرمایا:

اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰىۙ(۵) فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰىؕ(۶) (پ۳۰، عبس: ۵، ۶)

ترجمۂ کنزالایمان: وہ جو بے پروا بنتا ہے تم اس کے تو پیچھے پڑتے ہو۔

حالانکہ ان دونوں بندوں کا رب ایک ہی ہے۔ اسی طرح **اللہ** پاک نے آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کو لوگوں کی ایک جماعت کے ساتھ بیٹھنے اور انہیں سلام کرنے کا حکم ان الفاظ میں اِرشاد فرمایا:

وَ اِذَا جَآءَكَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِاٰیٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَۙ (پ۷، الانعام: ۵۴)

ترجمۂ کنزالایمان: اور جب تمہارے حضور وہ حاضر ہوں جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں تو ان سے فرماؤ تم پر سلام تمہارے رب نے اپنے ذِمّۂ کرم پر رحمت لازم کر لی ہے۔

ایک مقام پر اِرشاد فرمایا:

وَ اصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَ الْعَشِیِّ (پ۱۵، الکھف: ۲۸)

ترجمۂ کنزالایمان: اور اپنی جان ان سے مانوس رکھو جو صبح و شام اپنے رب کو پکارتے ہیں۔

جبکہ دوسری جماعت کے ساتھ نہ بیٹھنے اور ان سے اِعراض کرنے کا حکم یوں اِرشاد فرمایا:

وَ اِذَا رَاَیْتَ الَّذِیْنَ یَخُوْضُوْنَ فِیْۤ اٰیٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى یَخُوْضُوْا فِیْ حَدِیْثٍ

ترجمۂ کنزالایمان: اور اے سننے والے جب تو انھیں دیکھے جو ہماری آیتوں میں پڑتے ہیں تو ان سے منہ پھیر لے جب

غَیۡرِہٖ ؕ وَ اِمَّا یُنۡسِیَنَّکَ الشَّیۡطٰنُ فَلَا تَقۡعُدۡ بَعۡدَ الذِّکۡرٰی مَعَ الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۶۸﴾ تک اور بات میں پڑیں اور جو کہیں تجھے شیطان بھلا دے تو یاد آئے پر ظالموں کے پاس نہ بیٹھ۔

(پ ۷، الانعام: ۶۸)

حالانکہ یہ سب **اللہ** پاک کے ہی بندے ہیں۔ (مگر حکم ہر ایک کا ان کی حالت کے اعتبار سے الگ ہے)

محب اور محبوب میں فرق

محب اور محبوب کے مقام میں جو فرق ہے اسے سمجھنے کے لیے رسولِ اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم اور حضرت سَیِّدُنا موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام کے مقامات میں موجود فرق سے مثال دی جاسکتی ہے۔ چنانچہ،

پہلا فرق

حضرت سَیِّدُنا موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام نے شرحِ صدر کی دعا ان الفاظ میں خود مانگی:

رَبِّ اشۡرَحۡ لِیۡ صَدۡرِیۡ ﴿ۙ۲۵﴾ ترجمۂ کنزالایمان: اے میرے رب میرے لیے میرا سینہ کھول دے۔ (پ ۱۶، طٰہٰ: ۲۵)

مگر رسولِ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کو بن مانگے خود ہی شرحِ صدر کی دولت سے مالا مال فرما دیا اور ارشاد فرمایا:

اَلَمۡ نَشۡرَحۡ لَکَ صَدۡرَکَ ۙ﴿۱﴾ (پ ۳۰، الم نشرح: ۱) ترجمۂ کنزالایمان: کیا ہم نے تمہارے لئے سینہ کشادہ نہ کیا۔

دوسرا فرق

اسی طرح حضرت سَیِّدُنا موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام نے (تبلیغِ رسالت میں معاونت کے لیے) عرض کی:

وَاجۡعَلۡ لِّیۡ وَزِیۡرًا مِّنۡ اَہۡلِیۡ ﴿ۙ۲۹﴾ ہٰرُوۡنَ اَخِی ﴿ۙ۳۰﴾ (پ ۱۶، طٰہٰ: ۲۹، ۳۰) ترجمۂ کنزالایمان: اور میرے لیے میرے گھر والوں میں سے ایک وزیر کر دے وہ کون میرا بھائی ہارون۔

جبکہ سرورِ کائنات صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے متعلق ارشاد فرمایا:

وَرَفَعۡنَا لَکَ ذِکۡرَکَ ؕ﴿۴﴾ (پ ۳۰، الم نشرح: ۴) ترجمۂ کنزالایمان: اور ہم نے تمہارے لیے تمہارا ذکر بلند کر دیا۔

یعنی توحید کی شہادت واعلان میں مجھے ہی اپنا معاون سمجھے کہ میں اپنے سوا کسی کو آپ کا معاون نہیں بناؤں گا۔ اس لیے کہ آپ میرے اہل سے (یعنی چنے ہوئے خاص بندے) ہیں چونکہ وزیر کا مطلب ساتھی ومددگار ہوتا ہے لہٰذا **اللہ** پاک نے ارشاد فرمایا کہ آپ میرے اہل سے ہیں اس لیے میں نے اپنے ذکر سے آپ کا ساتھ بھی دیا اور مدد بھی فرمائی۔ میں ہی آپ کا ساتھی ومددگار ہوں اور اپنے علاوہ کسی کو آپ کا مددگار نہ بناؤں گا۔

اسی قسم کا مفہوم **اللہ** پاک کے اس فرمانِ عالیشان سے بھی ملتا ہے:

عَسٰۤى اَنْ یَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ﴿۷۹﴾ ترجمۂ کنز الایمان: قریب ہے کہ تمہیں تمہارا رب ایسی جگہ کھڑا کرے جہاں سب تمہاری حمد کریں۔ (پ ۱۵، بنی اسرآئیل: ۷۹)

اس آیتِ مُبارَکہ کی تفسیر میں حضرت سَیِّدُنا مجاہد رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں: (بروزِ قیامت) **اللہ** پاک آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کو عرش پر بٹھائے گا، جبکہ عرش مَشِیَّتِ باری تعالیٰ کے مُطابِق دنیا میں مکانِ رَبُوبِیَّت ہے، حالانکہ وہ اپنی قدرت کے باعث اس سے مستغنی ہے۔ لہٰذا آخِرت میں وہ یہ عرش اپنے حبیب صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کو عطا کر کے فضل وشَرَف کے اعتبار سے بلند مرتبہ عطا فرمائے گا تاکہ دیگر رسولوں سے آپ کی جلالتِ شان بڑھ جائے۔ جیسا کہ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم دنیا میں سب سے آخری رسول بن کر تشریف لائے۔

تیسرا فرق

حضرت سَیِّدُنا موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام کو ایک مقام پر فائز فرمانے کے بعد اِرشاد فرمایا:

قَدْ اُوْتِیْتَ سُؤْلَكَ یٰمُوْسٰى ﴿۳۶﴾ وَ لَقَدْ مَنَنَّا عَلَیْكَ مَرَّةً اُخْرٰۤى ﴿۳۷﴾ ترجمۂ کنز الایمان: تیری مانگ تجھے عطا ہوئی اور بے شک ہم نے تجھ پر ایک بار اور احسان فرمایا۔ (پ ۱۶، طٰہٰ: ۳۶، ۳۷)

اس میں ایک حد کا ذکر ہے جبکہ اپنے محبوب صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کو کئی مقامات پر فائز فرمانے کے بعد اِرشاد فرمایا:

وَ قُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا ﴿۱۱۴﴾ ترجمۂ کنز الایمان: اور عرض کرو کہ اے میرے رب مجھے علم زیادہ دے۔ (پ ۱۶، طٰہٰ: ۱۱۴)

یعنی آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے لیے کسی قسم کی کوئی حد مُقرَّر نہ فرمائی کہ یہی زِیادَتی کی غایت بھی ہے۔

چوتھا فرق

اسی طرح حضرت سَیِّدُنا موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام نے تو دیدارِ خداوندی کی خواہش کا اِظْہار یوں کیا:

رَبِّ اَرِنِیۡۤ اَنۡظُرۡ اِلَیۡكَ ؕ (پ ۹، الاعراف: ۱۴۳) ترجمۂ کنزالایمان: اے رب میرے مجھے اپنا دیدار دکھا کہ میں تجھے دیکھوں۔

یعنی مَحَلِ عُبُودِیَّت میں تیرا دیدار کروں، جبکہ سرورِ دوعالَم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے اِرشاد فرمایا گیا:

مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَ مَا طَغٰی ﴿۱۷﴾ (پ ۲۷، النجم: ۱۷) ترجمۂ کنزالایمان: آنکھ نہ کسی طرف پھری نہ حد سے بڑھی۔

اور دوسرے مقام پر اِرشاد ہوا:

فَکَانَ قَابَ قَوۡسَیۡنِ اَوۡ اَدۡنٰی ﴿۹﴾ ج (پ ۲۷، النجم: ۹) ترجمۂ کنزالایمان: تو اس جلوے اور اس محبوب میں دو ہاتھ کا فاصلہ رہا بلکہ اس سے بھی کم۔

اور وہ بھی مکانِ رَبُوبِیَّت میں (یعنی عرش پر)۔(1)

محب و محبوب کے دیدارِ باری تعالیٰ میں فرق

محب و محبوب تقلیب میں بھی ایک دوسرے سے مختلف ہیں جیسا کہ حضرت سَیِّدُنا موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام اور حضور نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے درمیان تقلیب میں فرق ہے۔ دونوں ہستیوں کے دیدارِ باری تعالیٰ میں کس قدر فرق ہے کہ ملاحظہ فرمایئے:

حضرت سَیِّدُنا موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام نے اپنے رب کو اپنے مَقام میں اپنے پاس دیکھا اور محبوبِ باری صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اپنے رب کا رِفْعَت وبُلَندی میں دیدار کیا۔

---

[1]...... حضور نبی پاک صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کو رب تعالیٰ کا دیدار عرش پر ہوا یا لامکاں پر اس حوالے سے امام اہل سنت سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں: دونوں اقوال میں کوئی اختلاف نہیں ہے کیونکہ عرش تک مکان کی حد ہے اس سے آگے لا مکاں ہے اور جسم مکان میں ہی رہتا ہے چنانچہ رسول پاک صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم جسم مبارک کے ساتھ عرش کی انتہا تک تشریف لے گئے اور آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے مبارک روح نے وراء الوراء ترقی فرمائی جسے ان کا رب جانے جو لے گیا یا پھر وہ جائیں جو تشریف لے گئے۔ (ماخوذ از فتاوی رضویہ، ۳۰/۶۴۸)

حضرت سَیِّدُنا موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام نے شوقِ دیدارِ باری تعالیٰ میں جلدی کی تاکہ اللہ پاک ان سے راضی ہو اور ادھر اللہ پاک نے اپنے محبوب صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے شوقِ ملاقات میں سبقت کی تاکہ انہیں راضی کرے کیونکہ وہ خود ان سے راضی ہے۔

حضرت سَیِّدُنا موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام باری تعالیٰ کے انوار و تجلیات کو دیکھ کر خود پر قابو نہ رکھ سکے اور شرحِ صدر کی دولت میسر نہ ہونے کی وجہ سے انوار و تجلیات ان کے سینے میں جذب نہ ہو سکے۔ جبکہ محبوبِ باری تعالیٰ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم دیدارِ باری تعالیٰ پر نہ صرف ثابت قدم رہے بلکہ شرحِ صدر کی دولت سے مالامال ہونے کی وجہ سے آپ ان انوار و تجلیات میں غوطہ زن ہو گئے۔

پانچواں فرق

مقامِ تمکین میں بھی محبوب، محب سے آگے بڑھ جاتا ہے جیسا کہ سرورِ دو عالَم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم مقام و مرتبہ میں حضرت سَیِّدُنا موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام سے اعلیٰ و برتر ہیں۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ اللہ پاک نے جب حضرت سَیِّدُنا موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام کا تذکرہ فرمایا تو اِرشاد فرمایا:

وَ اصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِیْ ﴿۴۱﴾ (پ ۱۶، طٰهٰ: ۴۱) ترجمۂ کنز الایمان: اور میں نے تجھے خاص اپنے لیے بنایا۔

جبکہ اپنے محبوب کا ذکر کرتے ہوئے اِرشاد فرمایا:

اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَكَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰهَ ؕ (پ ۲۶، الفتح: ۱۰) ترجمۂ کنز الایمان: وہ جو تمہاری بیعت کرتے ہیں وہ تو اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں۔

یعنی حضرت سَیِّدُنا موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام کو خاص اپنے لیے بنایا جبکہ اپنے محبوب صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی فضیلت و عَظَمَت کا اِظہار کرتے ہوئے انہیں اپنا بدل قرار دیا۔

چھٹا فرق

حضرت سَیِّدُنا موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام کی تعریف کرتے ہوئے ان کا ذکر فصل کے ساتھ (یعنی اپنے ذکر سے جدا کر کے) کچھ یوں اِرشاد فرمایا:

وَ اَلْقَیْتُ عَلَیْكَ مَحَبَّةً مِّنِّیْ ۚ۬ ترجمۂ کنز الایمان: اور میں نے تجھ پر اپنی طرف کی محبت

وَ لِتُصۡنَعَ عَلٰی عَیۡنِیۡ ﴿۳۹﴾ (پ۱۶، طٰہٰ: ۳۹) ڈالی اور اس لیے کہ تو میری نگاہ کے سامنے تیار ہو۔

جبکہ اپنے محبوب صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا ذکر اپنے ذکر کے ساتھ ملا کر یوں اِرشاد فرمایا:

لِّتُؤۡمِنُوۡا بِاللّٰہِ وَ رَسُوۡلِہٖ وَ تُعَزِّرُوۡہُ وَ تُوَقِّرُوۡہُ ؕ (پ۲۶، الفتح: ۹) ترجمۂ کنزالایمان: تاکہ اے لوگو تم **اللہ** اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور رسول کی تعظیم و توقیر کرو۔

اسی طرح ایک مقام پر اپنے حبیب کے مُتَعَلِّق یوں اِرشاد فرمایا:

وَ اللّٰہُ وَ رَسُوۡلُہٗۤ اَحَقُّ اَنۡ یُّرۡضُوۡہُ (پ۱۰، التوبۃ: ۶۲) ترجمۂ کنزالایمان: اور **اللہ** و رسول کا حق زائد تھا کہ اسے راضی کرتے۔

جبکہ حضرت سَیِّدُنا موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام کے مُتَعَلِّق اِرشاد فرمایا:

یٰمُوۡسٰۤی اِنِّی اصۡطَفَیۡتُکَ عَلَی النَّاسِ بِرِسٰلٰتِیۡ وَ بِکَلَامِیۡ ۫ۖ فَخُذۡ مَاۤ اٰتَیۡتُکَ وَ کُنۡ مِّنَ الشّٰکِرِیۡنَ ﴿۱۴۴﴾ (پ۹، الاعراف: ۱۴۴) ترجمۂ کنزالایمان: اے موسیٰ میں نے تجھے لوگوں سے چن لیا اپنی رسالتوں اور اپنے کلام سے تو لے جو میں نے تجھے عطا فرمایا اور شکر والوں میں ہو۔

مراد یہ ہے کہ اے موسیٰ! میں نے تمہیں جو کلام دیا ہے اسے مضبوطی سے پکڑ، کہ میں نے اس کے باعث تمہیں لوگوں سے چنا، لہٰذا اس پر شکر ادا کر، جبکہ دیدار کے مُعَامَلے کو میں نے اپنے حبیب (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم) کے ساتھ خاص فرما دیا ہے۔

دیدار و کلام کے شرف کا تقسیم کرنا

حضرت سَیِّدُنا ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا اور حضرت سَیِّدُنا کعب الاحبار رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ سے مروی ہے کہ **اللہ** پاک نے اپنے کلام اور دیدار کو حضرت سَیِّدُنا موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام اور حضرت سَیِّدُنا محمد مصطفےٰ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے درمیان تقسیم فرما دیا۔ چنانچہ حضرت سَیِّدُنا موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام کو کلام کا شرف عطا فرمایا جبکہ اپنے محبوب صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کو دیدار کی دولت سے مالا مال فرمایا۔(1)

---

1 ......مصنف ابن ابی شیبۃ، کتاب الفضائل، ماذکر فی موسی من الفضل، ۷/ ۴۵۱، حدیث: ۳

السنۃ لابن ابی عاصم، باب ماذکر من رؤیۃ النبی ربہ تعالی، ص ۹۹، حدیث: ۴۴۵

(صاحبِ کتاب حضرت سَیِّدُنا شیخ ابو طالب مکّی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں:) اس قول کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت سَیِّدُنا موسٰی عَلَیْہِ السَّلَام کو کلام کی دولت ملی تو وہ اس پر ثابت قدم بھی رہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے مُتَعَلِّق اللہ پاک کا یہی ارادہ تھا، کیونکہ اللہ پاک جب کسی بندے سے کسی شے کا ارادہ فرماتا ہے تو اسے ثابت قدمی کے ساتھ ساتھ قوت و طاقت سے بھی نوازتا ہے، یہی وجہ ہے کہ جب اللہ پاک نے اپنے محبوب صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کو اپنے دیدار کی دولت عطا فرمائی تو اس کے لیے قوت و طاقت سے بھی نوازا کیونکہ اللہ پاک کا ارادہ آپ کو اپنے دیدار کی نعمت سے نوازنا تھا۔

مقامِ محبوب کا وصف بزبانِ شیرِ خدا

امیر المؤمنین حضرت سَیِّدُنا علی المرتضٰی رَضِیَ اللہُ عَنْہ کی خدمت میں عرض کی گئی: ہمیں اپنے دوستوں کے اوصاف کے مُتَعَلِّق کچھ بتائیے؟ تو آپ رَضِیَ اللہُ عَنْہ نے دریافت فرمایا: تم کن کے مُتَعَلِّق پوچھ رہے ہو؟ لوگوں نے عرض کی: حضرت سَیِّدُنا سلمان فارسی رَضِیَ اللہُ عَنْہ کے بارے میں۔ اِرشاد فرمایا: انہوں نے اول و آخر کا علم پایا۔ پھر عرض کی: حضرت سَیِّدُنا عمار بن یاسر رَضِیَ اللہُ عَنْہ کے مُتَعَلِّق بھی کچھ اِرشاد فرمایئے؟ تو فرمایا: وہ ایمان سے مکمل لبریز تھے۔ عرض کی: حضرت سَیِّدُنا حذیفہ رَضِیَ اللہُ عَنْہ۔ فرمایا: وہ رازدانِ مصطفٰے تھے جنہیں منافقین کا علم عطا کیا گیا تھا۔ پھر لوگوں نے عرض کی: کچھ اپنے مُتَعَلِّق بھی بتایئے؟ تو فرمایا: کیا خاص میرے بارے میں پوچھتے ہو؟ تو جان لو کہ میں جب بھی بارگاہِ خداوندی سے کچھ طلب کرتا ہوں تو مجھے عطا کیا جاتا ہے اور جب میں خاموش ہوتا ہوں تو بھی میرے دل و دماغ میں اسی کا خیال رہتا ہے۔

(صاحبِ کتاب حضرت سَیِّدُنا شیخ ابو طالب مکّی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں:) یہی مقامِ محبوب ہے، کیونکہ جب محبوب بارگاہِ خداوندی میں کچھ عرض کرتا ہے تو اس کا پروردگار نہ صِرف اس کی بات کو سنتا ہے بلکہ اسے شَرَفِ قبولیت بھی عطا فرماتا ہے اور جب وہ خاموش ہوتا ہے تو اس کی طرف نگاہِ کرم فرماتا ہے اور اسے اپنی مہربانیوں اور شفقتوں سے نوازتا ہے۔

کسی کی حقیقت جانے بغیر اس سے محبت کرنا کیسا؟

امیر المؤمنین حضرت سیدنا علی المرتضٰی رَضِیَ اللہُ عَنْہ سے ہی یہ بھی منقول ہے کہ جو شخص کسی سے مَحَبَّت تو

کرے مگر اس کی حقیقت سے بے خبر ہو تو گویا وہ اپنے نفس سے مذاق کرتا ہے۔

(صاحبِ کتاب حضرت سَیِّدُنا شیخ ابُو طالب مَکّی رَحۡمَۃُ اللہِ عَلَیۡہ فرماتے ہیں:) آپ رَضِیَ اللہُ عَنۡہ کے اس فرمان سے مُراد یہ ہے کہ جو شخص اپنے محبوب کی صِفات، اَخلاق، اَفعال اور اَحکام جانے بغیر اس سے مَحبَّت کرتا ہے تو گویا وہ اپنے آپ سے مذاق کرتا ہے کیونکہ اگر وہ ان باتوں سے آگاہ ہونے کے بعد اس سے مَحبَّت کرتا تو اس کی رضا کے حُصُول اور اس کی ناراضی سے بچنے میں جلدی کرتا۔ یعنی وہ لہو و لعب کا شکار ہے، اس میں اہلِ مَحبَّت والی کوئی بات ہے نہ عارفین کی کوئی حقیقت۔ کیونکہ ایسا شخص اس بات سے محفوظ نہیں کہ اس کے محبوب کے افعال بدلنے کی وجہ سے اس کی مَحبَّت بھی بدل جائے اور نہ اس بات سے محفوظ ہے کہ اس کا محبوب اسے کسی آزمائش میں مبتلا کرے یا اس کے احکام کسی بارے میں مختلف ہوں تو اس کی مَحبَّت بھی بدل جائے۔ گویا یہ شخص اپنی مَحبَّت میں مذاق کر رہا ہے اور سچا عاشق نہیں۔ چنانچہ اس جیسے مقام پر حقیقت سے بے خبر اہلِ مَحبَّت اَفعالِ باری تعالیٰ سے بہت بڑے دھوکے میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

محبت کی ایک اور علامت

مَحبَّت کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ محبوب کی جلالتِ شان، ہیبت، عزت، عَظَمت اور حیا کے باعث اس کی مَحبَّت کو چھپایا جائے۔ یہ وَصف خواص اَہلِ مَحبَّت و عقل کا ہے جو کہ اَہلِ صفا کے ہاں وفا کی عَلامت ہے۔ کیونکہ مَحبَّت دلوں کی گہرائیوں میں بسنے والا محبوب کا ایسا راز ہے جس کا اِظْہار اور اعلان جہاں خِیانت شُمار ہوتا ہے وہیں اس کی جانب خود کو منسوب کرنا اور اس سے فیض یاب ہونے کا کوئی اشارہ کرنا ادب و حیا کے برعکس ہے۔ اس لیے کہ اظہارِ مَحبَّت میں طلبِ شہرت پائی جاتی ہے جس سے بندہ دعویٰ و تکبر کے دقیق مسائل کا شکار ہو سکتا ہے۔ چنانچہ،

ایک عارِف کا قول ہے: **اللہ** پاک سے زیادہ دور وہ شخص ہے جو اس کی طرف زیادہ اِشارے کرے۔ مطلب یہ ہے کہ جو ہر چیز میں کثرت سے ذات باری تعالیٰ کی طرف اشارے کرے اور جب کسی کے پاس **اللہ** پاک کا نام لے تو بناوٹ و تَصَنُّع ظاہر کرے۔ ایسا شخص محبین اور عارفین کے نزدیک ناپسندیدہ ہے۔

حضرت سَیِّدُنا ذُوالنُّون مصری رَحۡمَۃُ اللہِ عَلَیۡہ اپنے ایک مسلمان بھائی کے ہاں تشریف لے گئے جو لوگوں

سے مَحبَّت کا ذکر کرتا تھا آپ نے اس کو آزمائشوں میں مبتلا دیکھا تو فرمایا: جو اللہ پاک کی طرف سے دی گئی تکلیف پر درد محسوس کرے وہ اس سے مَحبَّت نہیں کرتا۔ اس نے عرض کی: میں کہتا ہوں جو اللہ پاک کی طرف سے پہنچنے والی تکلیف کی لذّت نہیں پاتا وہ اس سے مَحبَّت نہیں کرتا۔ اس پر حضرت سیِّدُنا ذُو النُّون مصری رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ نے جب فرمایا کہ میں کہتا ہوں جو خود کو اللہ پاک کا محب مشہور کرتا ہے وہ اس سے مَحبَّت نہیں رکھتا۔ تو اس نے عرض کی: میں اللہ پاک سے توبہ کرتا ہوں اور اس کی طرف رُجُوع لاتا ہوں۔

محبت کو چھپانا اس کے خالص ہونے کی علامت ہے

(صاحب کتاب حضرت سیِّدُنا شیخ ابو طالب مکّی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں:) حقیقت بھی یہی ہے جیسا کہ حضرت سیِّدُنا ذو النون مصری رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ نے اِرشاد فرمایا ہے کہ مَحبَّت کا چھپانا مَحبَّت میں خالص ہونے کی عَلامت ہے، کیونکہ مَحبَّت کا تعلق اَعمالِ قلوب سے ہے، لہٰذا اس بات سے ڈرنا و بچنا چاہئے کہ کہیں اِظْہارِ مَحبَّت سے یہ سلب نہ ہو جائے یا بدل نہ جائے۔ نیز اللہ پاک کی خفیہ تدبیر اور استدراج کا شکار ہو جانے کا خوف لاحق رہنا مَحبَّت کے متحقق ہونے کی، جبکہ مَحبَّت کو اپنے آپ سے اور دوسروں سے چھپانا اور ظاہر نہ کرنا مَحبَّت میں کامیابی کی عَلامت ہے، کیونکہ محبوب غیور ہوتا ہے اور اس کی غیرت اپنے نفس پر اور اپنی مَحبَّت کے ظُہور پر اس غیرت سے شدید ہوتی ہے جو اسے اپنی مَحبَّت کے اِظْہار پر ہوتی ہے اور جمیع اہلِ مَحبَّت کے سامنے مَحبَّت کے اِظْہار سے بھی بڑھ کر اس کی غیرت اس بات پر ہوتی ہے کہ اس کی مَحبَّت کا اِظْہار ان لوگوں کے سامنے کیا جائے جو اس کی مَحبَّت کا ادراک نہیں رکھتے۔

(صاحب کتاب حضرت سیِّدُنا شیخ ابو طالب مکّی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں:) یہ تمام کلام اس شخص کے مُتَعَلِّق ہے جو اہلِ علم اور صاحبِ خرد ہو اور مقامِ خِرد پر متمکن ہو۔ البتہ! جو شخص اپنے حال میں مدہوش ہو اور وجد ان میں مست ہو تو اس کی عقل مغلوب ہوتی ہے اور جس کی عقل مغلوب ہو تو اَحکامِ شرعیہ پر عَمَل کرنے سے معذور ہوتا ہے۔ جیسا کہ ایک شخص نے کسی اہلِ مَحبَّت میں ایک ایسی شے دیکھی جو اس کی عقل میں نہ آئی تو اس نے حضرت سیِّدُنا ابو محفوظ معروف کرخی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ کی خِدمَت میں اس بات کا تذکرہ کیا، آپ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ یہ سن کر مسکرا دیئے اور اِرشاد فرمایا: اے میرے بھائی! اللہ پاک کے محبین بہت زیادہ ہیں، ان میں چھوٹے

بھی ہیں اور بڑے بھی۔ عقل مند بھی ہیں اور دیوانے و مجنون بھی۔ اور تم نے جس کو دیکھا ہے وہ ان دیوانوں میں سے ایک ہے۔

محبت کی ایک اور علامت

اللہ پاک کی رضا پر راضی رہتے ہوئے اس کی طرف سے آنے والی آزمائشوں کو چھپانا بھی مَحبّت کی عَلامَت ہے۔ کیونکہ ایسا کرنا نہ صرف اس کے ہاں راز شُمار ہوتا ہے بلکہ اس کی بارگاہ کے حُسنِ اَدَب میں سے بھی ہے۔ جیسا کہ حضرت سیِّدُنا سہل تُستَری رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْه ایک ایسی مہلک بیماری کی آزمائش میں مبتلا ہوئے کہ اگر لوگ اس میں مبتلا ہو جاتے تو آپ علاج کی ترکیب بنایا کرتے مگر خود اس کا علاج نہ کرتے تھے، جب آپ سے اس کے مُتَعَلِّق عرض کی گئی تو اِرشَاد فرمایا: ضَرْبُ الْحَبِيْبِ لَا يُوْجِعُ۔ یعنی محبوب کی ضرب سے تکلیف نہیں ہوتی۔ نیز آپ رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْه فرمایا کرتے تھے کہ محب ہونے کی عَلامَت یہ ہے کہ مَصائب اور بیماریوں کا شکار ہو تو اس کی مَحبّت میں شدت پیدا ہو جائے اور جب کسی آزمائش میں مبتلا ہو تو اپنے محبوب یعنی اللہ پاک کا ذکر کثرت سے کرے۔ کیونکہ یہ بھی اس کے آقا و مالِک رب تعالیٰ کی مہربانی و عِنایَت ہے، اس میں اس کا قرب ہے اور ہر لاحق مصیبت میں تکلیف کی کمی کا سَبَب دل میں مَحبّت کا غالب ہونا ہے۔ چنانچہ ایک اہْلِ مَحبّت عارِف فرماتے ہیں کہ میں سب سے زیادہ خالص ذکر اس وَقْت کرتا ہوں جب مجھے بخار ہوتا ہے۔

محب کا دیدار سے مشرف ہونا

اسی طرح منقول ہے کہ مَحبّتِ باری تعالیٰ کا پیکر ہونے کا دعویٰ کرنے والے شخص سے کسی حقیقی اہْلِ مَحبّت نے پوچھا: جناب! آپ جس ذات کی مَحبّت کا ذکر کرتے رہتے ہیں کیا کبھی اس کے علاوہ بھی کسی کا خیال دل میں آیا ہے؟ اثبات میں جواب ملا تو پھر دریافت فرمایا: کیا کبھی رات میں دو تین مرتبہ اس کے دیدار سے بھی مشرف ہوئے ہیں؟ عرض کی: نہیں۔ تو فرمانے لگے: اگر مجھے حیا نہ ہوتی تو میں ضَرور آپ کو بتا دیتا کہ آپ کی مَحبّت کمزور ہے، یہی وجہ ہے کہ آپ کے دل میں اپنے محبوب کے علاوہ کسی اور کا بھی خیال آتا ہے اور آپ اپنے محبوب کے دیدار سے محروم ہیں۔ مجھے دیکھئے! میں نے کبھی اس کی مَحبّت کا دعویٰ نہیں کیا اس کے باوجود جب سے اس کے عرفان کی دولت سے مالا مال ہوا ہوں کسی اور کا خیال تک دل میں نہیں آیا اور بسا اوقات

میں ایک ہی رات میں سات سات مرتبہ اس کے دیدار سے مشرف ہوتا ہوں۔

محبوب کی باتیں عام لوگوں کی سمجھ سے بالاتر ہیں

حضرت سَیِّدُنا اِبراہیم بن اَدْہَم رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ کے مقام و مرتبہ والے لوگوں میں سے ایک اہْلِ مَحبَّت عارِف کا شُمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جنہوں نے اپنے علمِ طریقت اور اپنے حال کے اوصاف بیان کیے ہیں، چنانچہ وہ مَحبَّتِ باری تعالیٰ کا ذکر کرتے ہوئے ایک طویل قصے میں فرماتے ہیں: میں نے اپنے رب کا 120 بار دیدار کیا اور 70 باتیں معلوم کیں، ان میں سے صِرف چار باتوں کا اِظْہار میں نے عام لوگوں کے سامنے کیا تو انہوں نے انہیں ماننے سے انکار کر دیا لہٰذا باقی باتیں میں نے ظاہر نہ کیں۔

محب کی شان

(صاحبِ کتاب حضرت سَیِّدُنا شیخ ابو طالب مکّی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں) محب کے جو اوصاف بیان ہو چکے ہیں وہی کافی ہیں کہ محبوب کے اوصاف مخفی ہوتے ہیں جن کا بیان کرنا ہمارے لیے ممکن نہیں، کیونکہ محب کا حال خود ہی محبوب کے اوصاف بیان کر دیتا ہے اور ویسے بھی اس شخص کے اوصاف کس طرح بیان ہو سکتے ہیں جو اپنے محبوب کا کلام سنتا ہے، اس کے شربتِ دیدار سے سیراب ہوتا ہے، اپنے محبوب کے واسطے سے چیزوں کو پکڑتا و سمجھتا ہے گویا کہ وہی اس کے کان، آنکھ، دل اور ہاتھ بلکہ ہر کام میں مدد کرنے والا بن جاتا ہے۔ جیسا کہ ایک حدیثِ قُدسی میں ہے کہ **اللہ** پاک اِرشاد فرماتا ہے: (بندہ نوافل کے ذریعے میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے مَحبَّت کرنے لگتا ہوں اور) جب میں اس سے مَحبَّت کرنے لگتا ہوں تو میں اس کے کان بن جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھیں بن جاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا ہے اور اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں جن سے وہ پکڑتا ہے، اس کا دل بن جاتا ہوں جس سے وہ سمجھتا ہے، اگر وہ مجھ سے کچھ مانگتا ہے تو میں اسے عطا کرتا ہوں اور اگر وہ کچھ نہیں مانگتا تو بھی میں اس کی خاطر ذخیرہ کر دیتا ہوں، اگر اس کا نور تمام زمین والوں پر تقسیم کر دیا جائے تو سب کو کافی ہو۔[1]

---

[1] ......بخاری، کتاب الرقاق، باب التواضع، ۴/۲۴۸، حدیث: ۶۵۰۲ مختصرا

معجزہ و کرامت حقیقت میں کیا ہے؟

(صاحبِ کتاب حضرت سیِّدُنا شیخ ابو طالب مکی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں:) یہ سب باتیں مقامِ محبوب میں ہوتی ہیں۔ بلکہ منقول ہے کہ یہ تمام آیات، اَسرارِ غیب اور عالَمِ باطن کی پوشیدہ باتیں جنہیں عام لوگ معجزات و آیات اور عُلَمائے کِرام کرامات و اجابات کہتے ہیں۔ در حقیقت یہ نشانیاں ہیں جو زمین میں اللہ پاک کی ودیعت، اس کے بندوں میں جاری اس کی قدرت اور اس کی سلطنت میں اس کی مُقرّرہ عنایات کی علامت ہیں۔

کرامت کا ظہور کب اور کس پر ہوتا ہے؟

بندوں کا ان آیات میں کچھ حصّہ نہیں، البتہ! جب وہ مقامِ محبوب سے مقامِ اُنس پر فائز ہوتے ہیں تو یہ سب باتیں ان پر منکشف ہو جاتی ہیں اور وہ اپنی آنکھوں سے انہیں دیکھتے ہیں۔ ایک قول کے مُطابق یہ سب باتیں مقاماتِ مَعْرِفَت کے 17 ویں مقام پر پائی جاتی ہیں۔ جب بندہ مَعْرِفَت کے اس مقام پر فائز ہوتا ہے تو اس پر یہ ظاہِر ہوتی ہیں، (مگر یاد رکھئے! صرف یہی مقام نہیں ہیں بلکہ) مزید 83 مقاماتِ عارِفین ان سے افضل بھی ہیں۔ جن کے مُتعلّق منقول ہے کہ وہ صدیقین میں سے مرسلین کے اَبدال[1] کے لیے نہیں بلکہ صالحین میں

[1] ......یہ ہر دور میں سات ہوتے ہیں۔ ان کے ذریعے اللہ پاک سات زمینوں کی حِفاظت فرماتا ہے۔ ان میں سے ہر ایک کے لیے ایک زمین ہوتی ہے جہاں اسکی وِلایت ہوتی ہے۔ یہ ساتوں بالترتیب ان سات انبیائے کرام عَلَیْہِمُ السَّلَام کے قدم پر ہوتے ہیں: حضرت سیِّدُنا ابراہیم، حضرت سیِّدُنا موسیٰ، حضرت سیِّدُنا ہارون، حضرت سیِّدُنا ادریس، حضرت سیِّدُنا یوسف، حضرت سیِّدُنا عیسیٰ اور حضرت سیِّدُنا آدم عَلَیْہِمُ السَّلَام۔ انہیں ابدال اس لیے کہتے ہیں کہ وہ جب کسی جگہ کو چھوڑتے ہیں تو اپنا قائم مقام اس جگہ مُقرّر کرتے ہیں اور یہ تبدیلی کسی مصلحت و قربت کے پیشِ نظر ہوتی ہے تو ایسے آدمی کو اپنی جگہ نامزد کرتے ہیں جو بالکل ان کا ہم شکل ہوتا ہے کسی کو بھی یہ شک تک نہیں گزرتا کہ یہ اصل نہیں حالانکہ یہ جانشین ایک روحانی شخصیت ہوتا ہے جو قصداً اور عملاً ابدال اپنی جگہ چھوڑ کر جاتا ہے۔ جس ہستی میں بدلنے کی قوت ہو وہ بدل ہوتا ہے۔ اگر اللہ پاک کوئی بدل کسی جگہ متعین فرمادے اور اصل بدل کو اس کا علم نہ ہو تو وہ ابدال میں شامل نہیں ہوتا۔ ایسا اکثر ہوتا ہے۔ امام المحقق حضرت سیِّدُنا علامہ یوسف نبہانی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں: ہم نے خود ایسا ہوتا دیکھا ہے، ہم نے حنبلیوں کے حطیم کے پیچھے مکہ مکرمہ میں یہ ساتوں حضرات دیکھتے تھے، ان کے ساتھ مل بیٹھے، ان سے زیادہ حسین صورت والا کوئی آدمی میں نے نہیں دیکھا۔ حضرت سیِّدُنا معاذ بن اشرص رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ بھی ایک عظیم بدل تھے، ان سے عرض کی گئی: یہ مرتبہ کس عمل کے ذریعے ملتا ہے؟ تو

سے نبیوں کے اَبدال کو عطا کیے جاتے ہیں۔ رسولوں کے اَبدال کی فضیلت نبیوں کے ابدال پر ویسی ہی ہے جو رسولوں کی نبیوں پر اور صدیقین کی دیگر صالحین پر ہے اور ایسا کیوں کر نہ ہو کہ اہلِ علم میں سے کسی کا قول ہے: میں نے یہ کرامات صِرف انہی صادقین کے ہاتھوں ہی وُقُوع پذیر ہوتے دیکھی ہیں جو شر سے غافل اور خیر کے پیکر ہیں۔ اور ایک رِوایت میں ہے کہ سرکارِ مدینہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اِرشَاد فرمایا: جنتیوں میں سے اکثر لوگ سادہ لوح اور بھولے ہونگے جبکہ مقامِ علیین پر بسنے والے سب عقل مند ہونگے۔[1]

(صاحبِ کتاب حضرت سَیِّدُنا شیخ ابو طالب مکی رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں:) اُولُو الاَلْبَاب یعنی صاحبانِ عقل ہی کلامِ باری تعالیٰ کے اصل مخاطب ہیں اور وہی اس کے گواہ و محافظ ہیں۔ جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَ كَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ ۚ (پ ۶، المآئدة: ۴۴)

ترجمۂ کنزالایمان: ان سے کتاب اللہ کی حِفاظت چاہی گئی تھی اور وہ اس پر گواہ تھے۔

عام لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ کرامات مَعْرِفَت کے اعلیٰ مقامات سے تعلق رکھتی ہیں۔ حالانکہ غیب کے وہ تمام اَسرار جو حجاب و پردے میں ہیں ان کا ظُہور اسی وَقت ہوتا ہے جب ان کا ظُہور مطلوب ہو۔ مگر مطلوب بذاتِ خود حجاب میں ہوتا ہے یعنی نفس اس سے محروم ہوتا ہے۔ چنانچہ جس پر اس کے نفس کا کچھ بھی حِصّہ باقی رہ گیا یا اس نے اپنے نفس کی حرکت و سکون کی طرف مخفی طور پر ہی دیکھا تو اللہ پاک اس پر مہربانی کرتے ہوئے ان کرامات کو مخفی فرما دیتا ہے۔ کیونکہ اگر یہ اس پر ظاہِر کر دی جائیں تو وہ حیرت میں مبتلا ہو کر اور دنیا کے سمندر میں ڈوب کر ہلاک ہو جائے۔ نیز نفس کا ان کرامات کو پسند کرنا اور صِرف انہی کی طلب میں رہنا اس کے لیے حِجاب و ستر کا باعث بن سکتا ہے یہاں تک کہ وہ ان کے ظُہور کو اسی طرح ناپسند کرنے لگے جیسا کہ وہ اپنی کسی مَعْصِیَّت کا مخلوق کے سامنے ظاہِر ہونا ناپسند کرتا ہے، نیز ان کرامات کے ظُہور سے اسی طرح خوف محسوس کرنے لگے جیسا کہ وہ ان کے ظُہور کے باعث اپنے نفس کی ہلاکت سے ڈرتا ہے۔

انہوں نے ارشاد فرمایا: ان چار باتوں کے ذریعے جو حضرت سَیِّدُنا شیخ ابو طالب مکی رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ نے ذکر کی ہیں: یعنی (۱) بھوک (۲) بیداری (۳) خاموشی اور (۴) تنہائی۔ (جامع کرامات اولیاء، ۱/ ۵۸)

[1] ......الزهد للمعافی بن عمران، باب فی فضل التواضع... الخ، ص ۲۴۶، حدیث: ۱۰۶

مقامِ محبت ایک آزمائش ہے

الغرض مَقامِ مَحبَّت پر بندے کو کرامات سے آزمایا جاتا ہے تاکہ دیکھا جاسکے کہ وہ کیا کرتا ہے، لہٰذا جو بندہ ثابِت قدم رہے اور **اللہ** پاک کی عطا کردہ حیات کے تقاضوں کے مُطابِق زِندَگی بسر کرے اور اس کے سوا ہر شے سے منہ موڑلے، کسی شے کی خواہش کرے نہ کسی شے کو دیکھے، کسی سَبَب کی تلاش میں رہے نہ اس کے حُصُول کی فکر کرے تو اس کے لیے **اللہ** پاک اپنے عجائب و غرائب کے خزانے کھول دیتا ہے اور یہ **اللہ** پاک ہی ہے جو چاہے کرتا ہے۔

محبت باری تعالیٰ سے سرشار فرشتے

مُشاہَدۂ باری تعالیٰ کے کشف کی نعمت سے مالا مال ہونے والے عارفین رَحِمَہُمُ اللہ میں سے ایک عارِف بیان فرماتے ہیں: میں نے 30 سال تک دل اور ظاہری اعضاء کے ساتھ مقدور بھر کوشش اور طاقت صَرف کرکے **اللہ** پاک کی عِبادَت کی، یہاں تک کہ مجھے گمان ہونے لگا کہ بارگاہِ خداوندی میں میرا ابھی کچھ مَقام ہے۔ اس کے بعد انہوں نے اَسرارِ سماوی کے مکاشفات سے متعلق کچھ باتیں ذکر کیں اور ایک طویل قصہ بیان کرکے آخر میں فرمایا: میں ملائکہ کی ایک صف تک پہنچا جن کی تعداد تمام مخلوقات کی تعداد کے برابر تھی، میں نے ان سے پوچھا: تم کون ہو؟ انہوں نے جواب دیا: ہم **اللہ** پاک کے محبین ہیں اور تین لاکھ سال سے یہاں اس کی عِبادَت کررہے ہیں، ہمارے دلوں میں اس کے سوا کسی کا خیال آیا نہ ہم نے اس کے سوا کسی کا ذکر کیا۔ فرماتے ہیں: مجھے اپنے اعمال سے بہت حیا آئی، لہٰذا میں نے تمام اَعمال ان لوگوں کو بخش دیئے جن پر جہنّم کا عَذاب واجِب ہوچکا تھا تاکہ ان پر جہنّم میں تخفیف ہو۔

مقامِ محبت کی تعبیر ممکن نہیں

ایک عالم فرماتے ہیں: میں مَقامِ مَحبَّت کے سوا ہر مقام کی تعبیر بیان کرسکتا ہوں۔ جب ان سے وجہ پوچھی گئی تو فرمانے لگے: اس لیے کہ ہر شے کی تعبیر اس سے زیادہ لطیف شے سے کی جاتی ہے مگر مَحبَّت سے بڑھ کر لطیف شے کوئی نہیں۔

محبت کون سکھاتا ہے؟

حضرت سیدنا معروف کرخی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ کی خِدمَت میں عرض کی گئی کہ ہمیں محبّت کے بارے میں کچھ بتایئے کہ وہ کیا شے ہے؟ تو آپ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ نے اِرشاد فرمایا: محبّت لوگوں کے سکھانے سے نہیں بلکہ محبوب کے سکھانے سے آتی ہے۔

مقامِ محبت کے متعلق چند مفید باتیں

علوم و فنون میں مہارتِ تامہ رکھنے والے عُلَمائے کرام رَحِمَہُمُ اللہ چار مقامات کی حقیقت نہیں بتاتے۔ یعنی توحید، مَعْرِفَت، مَحبّت اور اخلاص کی حقیقت سے کسی کو آگاہ نہیں کرتے۔

ایک عارِف فرماتے ہیں: ہر مَقام اَفعال وصِفاتِ باری تعالیٰ کے انوار سے فیض یاب ہوتا ہے مگر مَحبّت وہ مَقام ہے جو ذاتِ باری تعالیٰ کے نورِ حقیقی سے فیض یاب ہوتا ہے۔

(صاحبِ کتاب حضرت سَیِّدُنا شیخ ابو طالب مکّی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں:) یہی وجہ ہے کہ اس مَقام کے اَوصاف اور علم دشوار و مشکل ہیں اور بہت کم اہلِ ایمان کا اس مقام پر فائز ہونا ثابت ہے، جس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ یہ مَعْرِفَت کی طرح ایک راز ہے، جب محبوب جلوہ گر ہوتا ہے تو آپ اس کی مَحبّت میں گرفتار ہو جاتے ہیں جیسا کہ جب آپ کسی جانی پہچانی چیز کو دیکھتے ہیں تو فوراً پہچان لیتے ہیں۔ یہ مُعَامَلہ بھی کچھ ایسا ہی ہے، یعنی وہ ظاہری مَعْرِفَت و مَحبّت رکھنے والوں کے لیے ظاہِر اور باطنی مَحبّت والوں کے لیے باطِن کی حیثیت رکھتا ہے۔ جبکہ مَعْرِفَت باطنی اَوصاف سے ہی حاصِل ہوتی ہے۔

محب کے لیے صرف مقام محبت ہی کافی ہے

جو مَحبّتِ باری تعالیٰ کے مقام پر فائز ہو اسے کسی اور مقام کے فوت ہو جانے سے کوئی ضرر نہیں ہوتا مگر جو مَقامِ مَحبّت کھو بیٹھے وہ کوئی اور شے پاکر خوش نہیں ہوتا۔ چنانچہ،

فرمانِ باری تعالیٰ: ﴿ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ﴾ (پ ۲۸، الطلاق: ۳) ترجمۂ کنز الایمان: اور جو اللہ پر بھروسا کرے تو وہ اُسے کافی ہے۔ ﴾ کی تفسیر میں ایک قول یہ بھی مروی ہے کہ یہاں حَسْبُهٗ کی ضمیر کا

مرجع توکل ہے۔ اس صورت میں معنٰی یوں ہو گا کہ توکل ہی بندے کو تمام مقامات کے لیے کافی ہے۔ جبکہ توکل خود مقامِ مَحبَّت کا ایک حال ہے۔

محبتِ الٰہی سب سے بڑی نعمت ہے

فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُؕ (پ ۱۰، التوبۃ: ۷۲) ترجمۂ کنزالایمان: اور اللہ کی رضا سب سے بڑی۔

رضا چونکہ مَحبَّت کا ایک مقام ہے، لہٰذا مَحبَّت توصیف و بیان اور عقلی عُلُوم کے ذریعے پہچان سے بالاتر ہے۔ یہ علم باری تعالیٰ کی مثل ہے، اسی طرح جس قلب کا محبوب باری تعالیٰ ہو اس سے بڑھ کر کوئی قلب ہے نہ اس کے علم (جو کہ علمِ باری تعالیٰ پر مشتمل ہے) سے بڑھ کر کسی کا علم ہے۔

محبت کو محبت کہنے کی وجہ

منقول ہے کہ دل میں ایک حبہ (دانے کی مثل حِصّہ) ایسا ہے جس کے باطن میں مَحبَّت پائی جاتی ہے اور مَحبَّت کو مَحبَّت اسی کی وجہ سے کہتے ہیں، کیونکہ یہ لفظ حَبَّةُ الْقَلْب (یعنی دل کا وہ باطنی حِصّہ جس میں مَحبَّت پائی جاتی ہے) سے مشتق ہے اور یہی وہ حِصّہ ہے جسے سُوَیدائے قلب بھی کہتے ہیں۔

(لفظِ مَحبَّت کے شروع میں میم کے متعلق صاحبِ کتاب حضرت سَیِّدُنا شیخ ابو طالب مکّی رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں) اِسموں کی ابتدا میں جو میم ہوتی ہے بسا اوقات وہ وصف میں مبالغہ کا مفہوم پیدا کرنے کے لیے زیادہ کی جاتی ہے۔ جیسا کہ درج ذیل فرمانِ باری تعالیٰ سے بھی ظاہر ہے (کہ مَحبَّت کو حب کہا گیا ہے):

قَدْ شَغَفَهَا حُبًّاؕ (پ ۱۲، یوسف: ۳۰) ترجمۂ کنزالایمان: بے شک ان کی مَحبَّت اس کے دل میں پیر (سا) گئی ہے۔

آیتِ مبارکہ کی تفسیر

یہاں اس آیتِ مُبارَکہ میں مَحبَّت کا انتہائی وصف بیان کیا گیا ہے یعنی مَحبَّت دل کے غلاف کو پھاڑ کر اس کے باطنی حصے تک جا پہنچی۔ جبکہ یہاں دل کے غلاف کو پھاڑنے سے مُراد دل کا حِجاب دُور کرنا ہے۔ ایک تفسیر میں

ہے کہ یہاں لفظِ مَحبَّت کو منصوب ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ گویا جب فرمایا گیا: **قَدۡ شَغَفَهَا** یعنی دل کے غلاف کو چیر دیا تو عرض کی گئی کہ کس کی خاطر؟ ارشاد فرمایا گیا: مَحبَّت کی خاطر۔ چنانچہ جب مَحبَّت بندے کے دل کے اس حصے تک پہنچتی ہے تو اسے خود پر قابو نہیں رہتا، بلکہ اس کے دل میں اس کا محبوب سما کر گھر کر جاتا ہے۔ البتہ! ہم نے جو باتیں ابھی ذکر کی ہیں ان کا اسی ترتیب سے واقع ہونا ضروری نہیں، کیونکہ بسااوقات دل میں بے قراری وشدید اِضطِراب پیدا ہو جاتا ہے اور بندہ تصریف واَذکار میں عقلی حُدود سے تجاوُز کر جاتا ہے۔[1]

ایک قراٴت میں مذکورہ آیتِ مبارکہ میں **شغف** کو **شعف** بھی پڑھا گیا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ مَحبَّت دل کے اعلیٰ وانتہائی حصے تک جا پہنچی، کیونکہ **شعف** کسی شے کے اعلیٰ وانتہائی حصّے کو کہتے ہیں۔ مُراد یہ ہے کہ مَحبَّت اپنی انتہا کو پہنچ کر اس پر اس طرح قابض ہو گئی کہ وہ مَحبَّت کا اَسیر بن گیا اور اس پر محبوب کا غلبہ ہو گیا۔ اب یہ اسی کا اسیر ہے اس پر اسی کا حکم چلتا ہے اور یہ اس سے تجاوز نہیں کرتا، اس کا دل ہر شے سے خالی ہو کر اسی کی مَحبَّت سے لبریز ہے، اس میں کچھ باقی رہتا ہے نہ وہ محبت کے غلبہ کی وجہ سے جھوٹ پر قادر ہوتا ہے، اس وَقْت دل پر پڑا حجاب دور ہوتا ہے اور اسے مَحبَّت کے میدان میں دوڑنے کی آزادی ملتی ہے تو وہ اوصافِ مَحبَّت کو مَحبَّت کی زبان سے بیان کرنے لگتا ہے مگر محبوب کے خوف سے خاموش ہوتا ہے، اپنے محبوب کے سوا کسی سے کلام نہیں کرتا۔ مگر یہ سب باتیں مقامِ شکر اور حالِ شکر میں واقع ہوتی ہیں۔ لہٰذا جو شخص اس مقام کی حقیقت سے بخوبی آگاہ نہیں وہ ان باتوں کو تسلیم نہیں کرے گا۔ اس کے ان باتوں کے ماننے کی بس یہی صورت ہے کہ اس کا دل **اللہ** پاک کی تائید سے مَربُوط ہو اور وہ اس کی عطا کردہ قوت و طاقت سے اس کے راز کی حِفَاظت کرے۔ جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

وَ اَصۡبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوۡسٰی فٰرِغًا ؕ اِنۡ کَادَتۡ لَتُبۡدِیۡ بِهٖ لَوۡ لَاۤ اَنۡ رَّبَطۡنَا عَلٰی قَلۡبِهَا لِتَکُوۡنَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۱۰﴾

ترجمۂ کنزالایمان: اور صبح کو موسیٰ کی ماں کا دل بے صبر ہو گیا ضرور قریب تھا کہ وہ اس کا حال کھول دیتی اگر ہم نہ ڈھارس بندھاتے اس کے دل پر کہ اُسے ہمارے وعدہ پر یقین رہے۔ (پ ۲۰، القصص: ۱۰)

---

[1] ......یہاں سے کچھ عبارت کا ترجمہ متروک ہے جسے اہل علم احباب کے لئے کتاب کے آخر میں دے دیا گیا ہے۔

یہاں مُراد یہ ہے کہ حضرت سَیِّدُنا موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام کی والدہ ماجدہ **اللہ** پاک کے اس وعدے کی تصدیق فرمانے والوں میں سے رہیں کہ **اللہ** پاک ان کے بیٹے کو ان کے پاس واپس لوٹا دے گا اور یہ ظاہر نہ کریں کہ یہ ان کا بیٹا ہے تا کہ اسے قتل نہ کر دیا جائے۔ اسی طرح **اللہ** پاک نے اہلِ ایمان اصحابِ کہف پر کرم فرمایا کہ جب ان کے دلوں پر ایمان کی مَحبَّت نے غلبہ کیا اور ان کے دلوں پر قابض ہو گئی تو شہر سے نکل کھڑے ہوئے اور انہوں نے اپنے اہل و عیال کو خیر باد کہہ دیا۔ چنانچہ ان کے اوصاف بیان کرتے ہوئے **اللہ** پاک نے ارشاد فرمایا:

اِذْ قَامُوْا فَقَالُوْا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ (پ ۱۵، الکہف: ۱۴) ترجمۂ کنزالایمان: جب کھڑے ہو کر بولے کہ ہمارا رب وہ ہے جو آسمان اور زمین کا رب ہے۔

یعنی (**اللہ** پاک نے ان کے دلوں کی ڈھارس بندھائی کہ) جب ان پر **اللہ** پاک کی مَحبَّت نے غلبہ کیا تو انہوں نے (دقیانوس بادشاہ کے سامنے) اپنا ایمان ظاہر نہ کیا تا کہ قتل نہ کر دیئے جائیں۔

الغرض یہ سب باتیں حکیم تعالیٰ کے لطائف اور علیم پاک کی مخفی صنعت کی نشانیاں ہیں کہ اس سے مَحبَّت کرنے والے قابلِ حِفَاظَت باتوں کو مخفی رکھ کر حِفَاظَت کرتے ہیں۔

محبتِ الٰہی کی باتیں باعث فرحت ہیں

حضرت سَیِّدُنا سمنون رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ نے کسی فقیر سے ایک طویل قصہ بیان کرتے ہوئے اِرشاد فرمایا: محب محبوب کی مَحبَّت اور تذکرۂ مَحبَّت سے فرحت پاتا ہے۔

اہلِ محبت کے دلوں کی کیفیت

محبین کے اوصاف بیان کرتے ہوئے کسی نے ارشاد فرمایا: اہلِ مَحبَّت کو مقامِ مَحبَّت پر فائز کیا گیا تو اب ان کے دلوں میں دنیا کی مَحبَّت ایک ذرے کے برابر بھی نہیں۔

الغرض **اللہ** پاک کی مَحبَّت میں کسی اور کو شریک کرنا اہلِ مَحبَّت کے نزدیک شرک ہے۔ جبکہ بعض کے نزدیک مَحبَّت میں **اللہ** پاک کے ساتھ کسی اور کو شریک کرنا خیانت یعنی بد عہدی اور وفا کی کمی کی علامت ہے۔ اسی طرح حضرت سیدنا سہل بن **عبد اللہ** تُسْتَرِی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں: جس نے درہم سے مَحبَّت کی وہ آخرت سے مَحبَّت نہیں کرتا اور جس نے روٹی سے مَحبَّت کی وہ **اللہ** پاک سے مَحبَّت نہیں کرتا۔

خالق و مخلوق کی محبت میں فرق

والدین و اولاد کی مَحبّت کسی کو مَحبّتِ باری تعالیٰ سے خارج نہیں کرتی (یعنی ان کی محبت، محبتِ باری کے منافی نہیں) کیونکہ یہ **اللہ** پاک نے ہی دلوں میں پیدا فرمائی ہے، اسی طرح بیوی کی مَحبّت یعنی اس سے نرمی و مہربانی سے پیش آنا بندے کو مَحبّتِ باری تعالیٰ سے خارج کرتا ہے نہ دلوں میں پائے جانے والے وہ دنیاوی فوائد بندے کو محبتِ باری تعالیٰ سے خارج کرتے ہیں کہ جن کے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ در حقیقت ان سب باتوں کا محل وہ نہیں جہاں مَحبّتِ باری تعالیٰ پائی جاتی ہے، کیونکہ مَحبّتِ باری تعالیٰ کا محل توانوارِ ایمان ہے جبکہ ان اشیاء کی مَحبّت کا محل عقل ہے۔ میرے نزدیک خالق و مخلوق کی مَحبّت میں یہی فرق ہے۔ جبکہ سَلَف صالحین میں سے بعض محبین کے نزدیک یہ سب باتیں بندے کو مَحبّتِ باری تعالیٰ سے نکال دیتی ہیں۔ جبکہ رضائے الٰہی کے حُصُول کے بجائے ان اشیاء کو ترجیح دیتے ہوئے ان میں مشغول ہونا اور مَحبّتِ باری کو چھوڑ کر ان اشیاء کی خواہش میں مصروف ہونا سب کے نزدیک بندے کو مَحبّت سے خارج کر دیتا ہے مگر میرے نزدیک بندے کا **اللہ** پاک کے سوا کسی اور کی طرف متوجہ ہونا، اس کے سوا کسی سے راحت پانا اور کسی شے کے فوت ہو جانے پر دکھ میں مبتلا ہو جانا اسے مَحبّت کی حقیقت سے ہی خارج کر دیتا ہے۔

محبین کے چند واقعات

تعجب مگر کس پر؟

مرتبۂ اَبدال پر فائز کسی عارِف سے عرض کی گئی کہ لوگ کہتے ہیں آپ محب ہیں (کیا واقعی! یہ دُرُست ہے)؟ انہوں نے جواب دیا: میں محب نہیں کہ محب معتوب ہوتا ہے، میں تو محبوب ہوں۔ پھر عرض کی گئی کہ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ آپ سات (ابدالوں) میں سے ایک ہیں۔ اِرشاد فرمایا: میں پورا سات ہوں۔ مزید فرمایا: جب تم نے مجھے دیکھ لیا تو بے شک تم نے 40 ابدالوں کو دیکھ لیا۔ عرض کی گئی: یہ کیسے ہو سکتا ہے حالانکہ آپ تو فردِ واحد ہیں؟ اِرشاد فرمایا: اس لئے کہ میں نے 40 ابدالوں کو دیکھا ہے اور ہر ابدال کے اَخلاق میں سے ایک خُلق پایا ہے۔ پھر عرض کی گئی: ہمیں خبر پہنچی ہے کہ آپ نے حضرت سیِّدُنا خضر عَلَیْہِ السَّلَام کی زیارت کی ہے۔

انہوں نے مسکراتے ہوئے فرمایا: اس شخص پر تعجب نہیں جو حضرت سیِّدُنا خضر عَلَیْہِ السَّلَام کو دیکھتا ہے بلکہ تعجب تو اس پر ہے کہ جس کو حضرت سیِّدُنا خضر عَلَیْہِ السَّلَام دیکھنا چاہیں اور وہ ان سے چھپ جائے۔

انس وملائک کی نگاہوں سے اوجھل شخص

(صاحب کتاب حضرت سیِّدُنا شیخ ابو طالب مکی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں:) میری عمر کی قسم! جو شخص بارگاہِ خداوندی میں حاضر ہو اسے کوئی انسان دیکھ سکتا ہے نہ کوئی فرشتہ۔ چنانچہ،

منقول ہے کہ حضرت سیِّدُنا امام حسن بصری رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ حجاج بن یوسف کے ڈر سے حضرت سیِّدُنا حبیب عجمی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ کے ہاں چھپ گئے، سپاہی آپ کی تلاش میں جب وہاں آئے تو آپ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ گھبرا گئے اور دیوار پھلانگ کر بھاگنے لگے تو حضرت سیِّدُنا حبیب عجمی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ نے ارشاد فرمایا: اے ابو محمد! یہیں بیٹھے رہیے تاکہ ہم بھی دیکھیں یہ کیسے آپ کو تلاش کرتے ہیں۔ سپاہیوں نے داخل ہو کر جب امام حسن بصری رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ کے بارے میں پوچھا کہ وہ کہاں ہیں؟ ہمیں بتایا گیا ہے کہ وہ آپ کے ہاں ہیں۔ تو آپ نے فرمایا: کیا تم کچھ دیکھ رہے ہو؟ انہوں نے پورے گھر کی تلاشی لی اور (بالآخر ناکام ہو کر) چلے گئے مگر امام حسن بصری رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ کو نہ دیکھ سکے۔ (ان کے جانے کے بعد) آپ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ نے حضرت سیِّدُنا حبیب عجمی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ سے پوچھا: یہ لوگ مجھے کیوں نہ دیکھ سکے؟ عرض کی: اس لیے کہ اس وقت آپ **اللہ** پاک کے ہاں تھے، لہٰذا وہ آپ کو دیکھ نہ سکے، اگر میرے پاس ہوتے تو یقیناً وہ آپ کو دیکھ لیتے۔ پھر امام حسن بصری رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ نے فرمایا: میں دیکھ رہا تھا کہ جب وہ اندر آئے تو آپ نے کچھ پڑھا تھا، کیا اسمِ اعظم پڑھا تھا؟ عرض کی: نہیں! بلکہ میں نے تو بس یہ دعا کی تھی کہ اے **اللہ** پاک! انہیں اپنے پاس رکھ لے تاکہ یہ لوگ انہیں دیکھ نہ سکیں۔

(صاحب کتاب حضرت سیِّدُنا شیخ ابو طالب مکی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں:) حضرت سیِّدُنا حبیب عجمی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ امام حسن بصری رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ کے شاگرد ہیں مگر **اللہ** پاک نے آپ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ کو ان کا محتاج بنا دیا حالانکہ آپ کا اپنا مرتبہ ان سے کئی گنا زیادہ تھا۔

کوہِ قاف کے علاوہ دیگر تین پہاڑ

حضرت سیِّدُنا بایزید بسطامی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ سے عرض کی گئی: کیا آپ کوہِ قاف پر گئے ہیں؟ تو آپ رَحْمَۃُ اللہِ

عَلَیْہ نے ارشاد فرمایا: کوہ قاف کا مُعامَلہ تو کوہِ کاف، کوہِ عین اور کوہِ صاد سے چھوٹا ہے۔ عرض کی گئی: اور یہ کیا ہیں؟ اِرشاد فرمایا: یہ سب بھی پہاڑ ہیں جو نیچے کی تمام زمینوں کا احاطہ کیے ہوئے ہیں۔ ہر زمین کے گرد ایک پہاڑ ہے جیسا کہ اس زمین کے گرد کوہِ قاف ہے حالانکہ یہ پہاڑ تو باقیوں کی نسبت سب سے چھوٹا اور یہ زمین بھی دوسری زمینوں کی نسبت چھوٹی ہے۔

ولیوں کی سیر

(صاحبِ کتاب حضرت سَیِّدُنا شیخ ابو طالب مکّی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں کہ ہمارے دادا مرشد) حضرت سَیِّدُنا ابو محمد سہل بن عبد اللہ تُستَرِی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ بتایا کرتے تھے کہ وہ نہ صرف کوہِ قاف پر جاچکے ہیں بلکہ انہوں نے وہاں حضرت سَیِّدُنا نوح عَلَیْہِ السَّلَام کی کشتی کو بھی دیکھا ہے۔ نیز آپ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرمایا کرتے تھے کہ بصرہ میں ایک شخص ایسا ہے جو بیٹھے بیٹھے اپنا قدم اٹھا کر کوہِ قاف پر رکھ دیتا ہے۔

ایک قول میں ہے کہ ساری دنیا ولی کا ایک قدم ہے، اس لیے کہ اللہ پاک کا ایک ولی اپنا ایک قدم اٹھاتا ہے تو 500 سال کی مسافت طے کر لیتا ہے۔ یعنی ایک پاؤں اٹھا کر کوہِ قاف پر رکھتا ہے اور دوسرا پاؤں دوسرے پہاڑ پر رکھ کر پوری دنیا کو عبور کر لیتا ہے۔

عادِ اِرَم کا شہر اور اس کا مختصر تعارف

(اوتاد میں سے) حضرت سَیِّدُنا ابو زید رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ سے عرض کی گئی: کیا آپ کبھی حد سے زیادہ طول رکھنے والی قوم عادِ اِرَم کے شہر میں بھی گئے ہیں؟ اِرشاد فرمایا: میں اللہ پاک کی سلطنت میں ایک ہزار شہروں میں جاچکا ہوں اور ان میں سب سے چھوٹا شہر یہی ہے۔ اس کے بعد آپ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ نے تمام شہروں کے نام گنوانے شروع کر دیئے (جن میں سے چند کے نام یہ ہیں): اَلْبَیْت وتَأْوِیْل وبَارِیْس (یاتَارِیْس) وجَابلق وجَابرس ومسلك (یامنسك)۔ ممکن ہے کوئی یہ اعتراض کر دے کہ اللہ پاک نے قومِ ارم کے مُتعلّق اِرشاد فرمایا ہے:

اَلَّتِیۡ لَمۡ یُخۡلَقۡ مِثۡلُهَا فِی الۡبِلَادِ ۪ۙ﴿۸﴾ ترجمۂ کنز الایمان: ان جیسا شہروں میں پیدا نہ ہوا۔

(پ ۳۰، الفجر: ۸)

تو اسے جاننا چاہئے کہ یہاں مراد یہ ہے کہ بلادِ یمن میں ان کی مثل کوئی اور شہر پیدا نہیں فرمایا۔ اس لیے

کہ یہ خطاب صرف اسی شہر میں رہنے والوں سے ہے۔ جیسا کہ ایک مقام پر اِرشاد ہوتا ہے:

اَوْ یُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِؕ (پ ۶، المآئدۃ: ۳۳) ترجمۂ کنز الایمان: یا زمین سے دور کر دیئے جائیں۔

مراد ان کا اپنے ملک کی زمین سے دور کر دیا جانا ہے۔

ذاتِ عماد یمن میں اِبَتر و شَحَر کے درمیان واقع قومِ عاد کا ایک شہر تھا، جس کے مُتَعَلِّق منقول ہے کہ اس شہر کی فصیل کے ایک ہزار دروازے تھے، ہر دو دروازوں کے درمیان ایک فرسخ کا فاصلہ تھا، یہ شہر سونے، چاندی، یاقوت اور زمرد کے ستونوں پر کھڑا تھا۔ جہاں ایک لاکھ ستون تھے اور اسے عاد بن شداد بن سام بن نوح کے لیے جنوں نے بنایا تھا۔ جنوں نے یہ ستون سمندروں اور میدانوں کی گہرائیوں سے اٹھائے تھے۔ (اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ) جن حضرت سَیِّدُنا سلیمان عَلَیْہِ السَّلَام سے چار ہزار سال قبل عاد بن شداد کے لیے مسخر کر دیئے گئے تھے۔ اس شہر میں جمعہ کی راتوں اور عیدین کے موقع پر تمام اَبدال جمع ہوتے ہیں۔ نیز اس شہر کے مُتَعَلِّق یہ بھی منقول ہے کہ یہاں پتھر کے بہُت سے صندوق ہیں، ہر صندوق کی لمبائی دس گز ہے۔ یہاں کئی انبیائے کرام عَلَیْہِمُ السَّلَام کی قبریں ہیں۔ جن کے جسم مبارک آج بھی صحیح وسالم موجود ہیں۔ مگر یہ سب کچھ عام بندوں کی نگاہوں سے پوشیدہ ہے۔ حضرت سیدنا سہل بن عبد اللہ تستری رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ ہر جمعہ کو ان قبروں کی زیارت کیا کرتے تھے۔

(صاحبِ کتاب حضرت سَیِّدُنا شیخ ابُو طالب مَکّی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں:) یہ اللہ پاک کے محبوب بندوں میں سے ایک بندے کا حال اور اللہ پاک کی قدرت عظیمہ کی چھوٹی چھوٹی نشانیاں ہیں۔

بایزید بسطامی عَلَیْہِ الرَّحْمَہ کے راہِ سلوک کا ابتدائی مجاہدہ

حضرت سَیِّدُنا بایزید بسطامی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ سے عرض کی گئی: اپنے مُشاہدۂ باری تعالیٰ کے مُتَعَلِّق ہمیں بھی کچھ بتایئے۔ پہلے تو آپ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ کافی پریشان ہو گئے مگر بعد میں اِرشاد فرمایا: تمہارا برا ہو! تمہارے لیے اسے جاننا مُناسِب نہیں۔ عرض کی گئی: تو پھر راہِ خدا میں اپنے نفس پر غلبہ پانے کی خاطر آپ نے جو انتہائی سخت مجاہدہ کیا اس کے بارے میں ہی کچھ بتا دیجئے۔ تو آپ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ نے اس بات پر بھی یہی اِرشاد فرمایا کہ اس بات سے بھی تمہیں آگاہ کرنا بہتر نہیں۔ عرض کی گئی: (اگر ایسا ہے تو کم از کم) راہِ سُلوک کی ابتدا میں اپنے نفس کی

ریاضت کے بارے میں ہی بتا دیجئے۔ اِرشاد فرمایا: ہاں! (یہ بہتر ہے، چنانچہ) میں نے بعض اُمور میں اپنے نفس کو اللہ پاک کی طرف بلایا تو اس نے میری بات نہ مانی، لہٰذا میں نے پختہ ارادہ کر لیا کہ سال بھر پانی پیوں گا نہ نیند کا مزہ چکھوں گا تو نفس نے میرا یہ عہد پورا کر دیا۔

سیدنا بایزید بسطامی عَلَیْہِ الرَّحْمَہ کی عظمت وشان

حضرت سیِّدُنا یحییٰ بن معاذ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ حضرت سیِّدُنا بایزید بسطامی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ کے مُتَعَلِّق اپنا ایک آنکھوں دیکھا حال کچھ یوں بیان فرماتے ہیں کہ ایک بار انہوں نے حضرت سیِّدُنا بایزید بسطامی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ کو دیکھا کہ نمازِ عشا کے بعد صبح تک بیٹھے رہے۔ انداز یہ تھا کہ پنجوں کے بل بیٹھ کر ایڑیاں اور پاؤں کے تلوے اٹھائے ہوئے، ٹھوڑی سینے سے لگائے تھے اور دونوں آنکھیں کھلی تھیں، پلکیں بھی نہ جھپکا رہے تھے۔ پھر سحر کے وَقْت سجدہ کیا اور (وہیں حالتِ تشہد میں) بیٹھ کر بارگاہِ الٰہی میں عرض گزار ہوئے: اے میرے رب! کچھ لوگوں نے تجھ سے سوال کیا تو تُو نے ان کو (مختصر وَقْت میں کثیر) مسافت طے کرنے کی قوت عطا فرمائی اور وہ اس پر راضی ہو گئے مگر میں اس بات سے تیری پناہ مانگتا ہوں اور کچھ لوگوں نے تجھ سے مانگا اور تو نے ان کو پانی اور ہوا پر چلنے کی صلاحیت عطا فرمائی تو وہ بھی اس پر راضی ہو گئے مگر میں ان باتوں سے بھی تیری پناہ مانگتا ہوں اور بعض لوگوں نے تجھ سے مانگا تو تو نے انہیں زمین کے خزانے عطا کئے تو زمین نے سب کچھ ان کے سامنے انڈیل دیا جس پر وہ راضی ہو گئے لیکن میں اس سے بھی تیری پناہ مانگتا ہوں۔ یہاں تک کہ آپ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ نے اسی طرح 20 سے زائد کراماتِ اَولیا کے مَقامات شُمار کئے، پھر میری طرف متوجہ ہوئے تو مجھے دیکھ کر دریافت فرمایا: کیا تم یحییٰ ہی ہو؟ میں نے عرض کی: جی ہاں! میرے آقا۔ تو دریافت فرمایا: تم یہاں کب سے ہو؟ میں نے عرض کی: نمازِ عشا سے لے کر اب تک یہیں حاضِر ہوں۔ یہ سن کر آپ خاموش ہو گئے تو میں نے عرض کی: حُضُور! مجھے کوئی بات بیان کریں۔ چنانچہ آپ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ نے فرمایا: میں تجھے تیرے حال کے مُناسِب بات بیان کرتا ہوں، لہٰذا سنو! اللہ پاک نے مجھے نچلے آسمان میں داخل کیا اور سِفْلی مَلَکُوت میں گھمایا، تمام زمینیں تَحْتُ الثَّرٰی تک دِکھائیں پھر مجھے فَلَکِ عُلْوِی میں داخِل کیا اور تمام آسمانوں میں پھرایا اور جنّت سے لے کر عرش تک جو کچھ اس میں تھا مجھے دِکھایا۔ پھر مجھے اپنے سامنے کھڑا کیا اور فرمایا: جو کچھ تو نے دیکھا

ان میں سے (جو چاہے) مانگ لے تاکہ میں تجھے بھی کچھ عطا کروں۔ میں نے عرض کی: اے میرے رب! میں نے کوئی شے ایسی نہیں دیکھی جسے اچھا سمجھ کر تجھ سے مانگوں۔ اس پر **اللہ** پاک نے اِرشاد فرمایا: تو میرا سچا بندہ ہے اور خالص میرے لئے ہی میری عِبادَت کرتا ہے۔ میں تیرے ساتھ ایسا ایسا کروں گا۔ چنانچہ آپ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ نے کئی باتیں ذکر کیں۔

حضرت سیِّدُنا یحییٰ بن مُعاذ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں: میں اس بات سے گھبرا گیا اور میرا دل بھر گیا اور مجھے تعجب ہوا تو میں نے عرض کی: میرے آقا! آپ نے **اللہ** پاک سے اس کی مَعْرِفَت کا سوال کیوں نہیں کیا؟ حالانکہ اُس شہنشاہ نے فرما دیا تھا کہ مجھ سے جو چاہو مانگو۔ یہ سن کر آپ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ نے ایک زور دار چیخ ماری اور فرمایا: خاموش رہو! تیرا بُرا ہو! مجھے غیرت کے باعث بارگاہِ خداوندی میں کچھ مانگنے سے شرم محسوس ہو رہی تھی۔

رازِ دل کا بوجھ جان لے گیا

منقول ہے کہ حضرت سیِّدُنا ابو تُراب نَخْشَبِی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ اپنے ایک مرید کو بہُت چاہتے تھے۔ اسے اپنے پاس بٹھاتے اور اس کی ضَروریات کا خیال رکھتے جبکہ وہ مرید اپنی عِبادَت اور وجد میں مشغول رہتا۔ ایک دن آپ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ نے اس سے فرمایا: اگر تم بایزید بسطامی کی زیارت کر لو تو بہتر ہے۔ مرید نے عرض کی: میں مصروف ہوں (مجھے ان کی حاجت نہیں)۔ جب آپ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ نے اپنی بات کو بار بار دہرایا تو اس کا وجد جوش میں آیا اور بولا: آپ پر بھی افسوس ہے! میں بایزید کو کیا کروں گا؟ میں تو دیدارِ باری تعالیٰ کر چکا ہوں جس نے مجھے بایزید سے مُسْتَغْنِی کر دیا ہے۔ سیِّدُنا ابو تراب نَخْشَبِی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں: یہ سُن کر میری طبیعت میں بھی اِضْطِراب پیدا ہو گیا اور مجھے خود پر قابو نہ رہا تو میں نے کہا: تیری ہلاکت ہو! اگر تو ایک بار سیِّدُنا بایزید بسطامی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ کی زیارت کر لے گا تو یہ تیرے لیے 70 بار دیدارِ باری تعالیٰ سے زیادہ سود مند ہو گا۔ اس بات سے مرید بہُت حیران ہوا اور انکاری لہجے میں کہنے لگا: یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ تو میں نے اسے کہا: تیرا ناس ہو! تو اپنے ہاں باری تعالیٰ کے ان جلووں کو دیکھتا ہے جو تجھ پر تیرے مقام کے لحاظ سے ظاہِر ہوتے ہیں مگر وہاں حضرت سیِّدُنا بایزید رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ کے پاس ظُہورِ باری تعالیٰ کو ان کے مقام کے اعتبار سے

دیکھے گا۔ مرید بات سمجھ گیا اور بولا: مجھے ان کے پاس لے چلئے۔ اس کے بعد ایک طویل واقعہ بیان کیا جس کے آخر میں فرماتے ہیں: ہم ایک ٹیلے پر کھڑے ہو کر ان کا انتظار کرنے لگے کہ وہ نہر کی جانب سے ہماری طرف ہی تشریف لائیں گے۔ اسی دوران وہ تشریف لے آئے، انہوں نے اپنی کمر پر ایک پوستین ڈال رکھی تھی۔ میں نے فوراً اس جوان سے کہا: یہ بایزید ہیں، ان کی زیارت کر لے۔ جیسے ہی جوان نے ان کی طرف دیکھا تو بے ہوش ہو کر گر پڑا ہم نے اس کو ہلایا تو وہ مر چکا تھا۔ ہم نے مل کر اس کو دفنا دیا۔ پھر میں نے حضرت سیِّدُنا بایزید بسطامی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ سے عرض کی: اے میرے آقا! یہ جوان آپ کی طرف دیکھنے سے ہی مر گیا۔ تو آپ نے فرمایا: نہیں! بلکہ تمہارا مرید سچا تھا مگر اس کے دل میں ایک راز چھپا ہوا تھا جس کی حقیقت و صفت اس پر واضح نہ تھی، مگر جب اس نے ہمیں دیکھا تو اس کے دل کا وہ راز اس پر منکشف ہو گیا لیکن یہ اس کا بوجھ نہ برداشت سکا کیونکہ وہ کمزور مریدوں کے مقام میں تھا اور اس بوجھ نے اس کی جان لے لی۔

محبوب و محب کا تعلق

(صاحب کتاب حضرت سیِّدُنا شیخ ابو طالب مکی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں:) یہ سب باتیں نہ صرف مقامِ مُراد پر فائز محبوب کے جملہ اَوصاف ہیں بلکہ یہ **اللہ** پاک کی طرف سے بلا حساب اور آسانی سے عطا ہونے والا وسیع رزق اور محبوب پر محب تعالیٰ کی عنایات بھی ہیں۔ اپنے بندوں پر غیرتِ خداوندی کی وجہ سے مقامِ حبیب کے ظاہِر ہونے اور پہچانے جانے سے بہتر ہے کہ وہ مخفی ہی رہے کہ **اللہ** پاک نے اپنے بندوں کو ان کے اَفعال واَوصاف کے پردے میں چھپا رکھا ہے۔ اہلِ مقامات اس کے مشتاق ہیں تو وہ بھی ان کا مشتاق ہے، اہلِ قرب ہر دم اس کی جانِب دیکھتے رہتے ہیں اور وہ بھی ان پر نگاہِ کرم فرمائے رہتا ہے، اہلِ مَحبّت اس کا کلام سننا پسند کرتے ہیں اور وہ بھی ان کی باتیں (یعنی مناجات وغیرہ) سننا پسند کرتا ہے، اہلِ احوال اس کی بارگاہ میں دستِ سوال دراز کرتے ہیں اور وہی انہیں کافی ہے، اہلِ آخِرت اگرچہ آخِرت میں اس کے دیدار کی دولت سے مُشَرَّف ہوں گے مگر وہ دنیا میں ہی ان پر کرم فرما ہے۔

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ ترجمۂ کنزالایمان: یہ **اللہ** کا فضل ہے جسے چاہے دے۔

(پ ۲۸، الجمعۃ: ۴)

محبوب کو تحفہ

(صاحبِ کتاب حضرت سَیِّدُنا شیخ ابُو طالب مکّی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں:) جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ حضرت سَیِّدُنا داود عَلَیْہِ السَّلَام رسول ہونے کے علاوہ بادشاہ بھی تھے، کیونکہ **اللہ** پاک نے انہیں اپنے 14 اَولیائے کِرام کی طرف بھیجا تاکہ وہ ان سے پوچھ کر ان کی حاجت ہو تو پوری فرمادیں۔ مگر جب ان اَولیائے کِرام نے حضرت سَیِّدُنا داود عَلَیْہِ السَّلَام کو دیکھا تو بھاگ کھڑے ہوئے تاکہ آپ عَلَیْہِ السَّلَام ان کے باری تعالیٰ سے (لمحہ بھر کے لیے بھی) غافل ہو جانے کا سَبَب نہ بنیں۔ یہ واقعہ ہم پہلے بھی بیان کر چکے ہیں، لہٰذا اس میں کسی شے کا اِنکار مت کیجئے، کیونکہ **اللہ** پاک اپنے محبوب کو دنیا میں ہی اس نعمت سے سرفراز فرما دیتا ہے جو وہ اہلِ آخِرت کو سب سے پہلے عطا فرمائے گا، یعنی انہیں کَلِمَۂ کُن کی صِفَت عطا فرماتا ہے۔

تحفے کی قدر

اللہ پاک کے وہ محبوب بندے جنہیں اس نے صِفَتِ کُن سے نوازا ہے وہ اس صِفَت کے اِستعمال میں بے رَغْبَتی کا مُظاہرہ کرتے ہیں اور مَحَبَّتِ باری تعالیٰ کے سَبَب اس (کے اِستعمال) کو پسند نہیں کرتے۔ کیونکہ ان کی مَعْرِفَت دوسروں سے بالاتر ہوتی ہے، اس لیے کہ **اللہ** پاک نے جب انہیں اس صِفَت سے نوازا تو یہ حکم بھی اِرشَاد فرمایا کہ وہ اُمُورِ آخِرت کے مُتَعَلِّق تو اس صِفَت کا اِستعمال کر لیں مگر اس سے ملاقات سے قبل جنّت و جہنّم سے پردے ہٹانے اور ان کے علاوہ دیگر کون و مکان کی مخفی اشیاء کو ظاہر کرنے کے لیے اِستعمال نہ کریں۔ اگرچہ یہ سب اشیاء باطن میں تو ظاہِر ہیں مگر ان کی صنعت یقین و ایمان کے لیے مخفی، وہم و گمان سے منقطع اور سوچ و فکر سے دور ہے۔ چنانچہ ان سے یہ مُطالَبہ بھی کیا کہ وہ کسی ایسی شے کو ظاہِر نہیں کریں گے جس کے اِخفا میں کوئی حِکْمَت ہو۔ کیونکہ ایسی شے کا ظُہُور مخلوق کے لیے مُناسِب نہیں کہ تقدیر کے ہر صُورَت میں نافِذ ہونے کی بنا پر اُمُورِ سلطنت کا قیام ممکن ہو گا نہ ان کی تدبیر میں کوئی نظم قائم رہے گا۔ نیز اَحکامِ شریعت کے ساقِط ہونے کے ساتھ ساتھ کثیر مخلوق بھی ہلاکت کا شِکار ہو گی۔ لہٰذا جب ان اَولیائے کِرام نے **اللہ** پاک کے کرم سے ان تمام باتوں اور ان چیزوں کا بھی مُشاہدہ کر لیا کہ جن کے اِظْہار و اِخفا سے انہیں مُسْتَثْنیٰ قرار دیا تو انہوں نے اس کے ہر حکم کو قبول کیا اور اس پر فوراً لبیک کہتے ہوئے اس کے اُمُورِ رضا

کو بھی خوب پہچان لیا، یعنی انہوں نے ہر شے کا اِظہار ترک کر دیا تاکہ وہی ظاہر کرے تو ظاہر ہو، یہی نہیں بلکہ انہوں نے اس کی رضا کے حُصُول کی خاطر ہر معنٰی و مفہوم کے اعتبار سے کامل زہد اِختیار کر لیا اور اس کی حِکْمت کے جاری ہونے میں اس کی قدرت کے تَصَرُّف پر راضی ہو گئے۔

یہی مُجاہَدَہ، زہد اور مَحبَّت کی انتہا ہے، یہی وجہ ہے کہ **اللہ** پاک بھی ان کے شُکر کو شَرَفِ قَبولِیَّت عطا فرماتا ہے اور اپنے ہاں ان کے لیے اجر و ثواب کا بہترین ذخیرہ جمع رکھتا ہے۔

ولی بد دعا کر دیں تو کوئی ظالم زندہ نہ رہے

جب (سوڈان کے) حبشیوں نے بصرہ میں داخِل ہو کر قتل و غارت گری کا بازار گرم کیا تو حضرت سیِّدُنا سَہل بن **عبد اللہ** تُستَرِی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ کے مریدین آپ کی خِدْمَت میں حاضِر ہوئے اور عرض کی: اگر آپ ان حبشیوں سے نجات کے بارے میں بارگاہِ خداوندی میں دعا کریں تو **اللہ** پاک یقیناً اسے قبول فرمائے گا۔ مگر آپ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ کچھ دیر خاموش رہے پھر اِرشَاد فرمایا: اس شہر میں **اللہ** پاک کے ایسے بندے بھی ہیں کہ اگر ظالموں کے لئے بد دعا کریں تو رُوئے زمین پر صبح تک کوئی ظالم نہ رہے بلکہ وہ سب ایک ہی رات میں مر جائیں لیکن وہ ایسا نہیں کرتے۔ عرض کی گئی: کیوں؟ اِرشَاد فرمایا: اس لیے کہ وہ اس چیز کو پسند نہیں کرتے جس کو **اللہ** پاک پسند نہیں فرماتا۔ پھر آپ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ نے ان کی دعا کی قَبولِیَّت کی کچھ باتیں ذکر کیں جنہیں بیان کرنا ممکن نہیں، یہاں تک کہ اِرشَاد فرمایا: اگر وہ **اللہ** پاک سے یہ عرض کریں کہ وہ قِیامَت قائم نہ کرے تو **اللہ** پاک قِیامَت قائم نہیں فرمائے گا۔

کوئی ولی تدبیرِ الٰہی کے خلاف نہیں چاہتا

(صاحبِ کتاب حضرت سیِّدُنا شیخ ابو طالب مَکّی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں:) یاد رکھئے! جب بندے کو **اللہ** پاک کی طرف سے یہ مَقام نصیب ہو، یہاں تک کہ وہ کلمۂ کُن کی قوت سے بھی سرفراز ہو تو اس کا حال اس سے اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ وہ بارگاہِ خداوندی میں یوں عرض کرے: اے میرے رب! مجھے اس بات کی توفیق عطا فرما جو تجھے پسند ہے اور ہر اس بات سے بچا جو تجھے ناپسند ہے، کیونکہ میں ایسا بندہ ہوں جو تیری رضا سے بخوبی آگاہ ہے نہ حُسْنِ تدبیر و مَعْرِفَتِ تقدیر رکھتا ہے اور نہ اُمور کے انجام کو جانتا ہے، بلکہ مجھے اپنے قول میں

تفاوت اور ارادے میں اِضطِراب کے وُقُوع کا اندیشہ ہے۔ چنانچہ،

مقامِ توکل ورضا کے حصول کا طریقہ

جب **اللہ** پاک بندے کی مذکورہ دعا قبول فرمالیتا ہے تو وہ خاموشی سادھ لیتا ہے، کچھ نہیں بولتا، تدبیرِ الٰہی کو تسلیم کرکے اور اس پر راضی رہتے ہوئے سر کو جھکا دیتا ہے، کیونکہ جو بندہ **اللہ** پاک سے مَحبّت کرتا ہے وہ یہی چاہتا ہے کہ اُمُور اپنی تقدیر کے مُطابِق ہی وُقُوع پذیر ہوں، اس لیے کہ ان کا وُقُوع اُس تدبیرِ الٰہی سے ہوتا ہے جو ان میں موجود خیر و شر کے مَعانی و مَفاہیم کے ذریعے ظاہِر ہوتی ہے، جس کا سَبَب یہ ہے کہ تدبیر کا اِختیار **اللہ** پاک نے اپنے پاس رکھا جیسا کہ اس نے عرش پر اپنے اَوصاف وشان کے مُطابِق اِسْتِوا فرمایا۔[1] اس طرح اس نے بندوں پر عالَمِ ظاہِر کی تدبیر لازم نہ کی بلکہ انہیں اس سلسلے میں صبر و رضا کا پیکر بننے کا حکم دیا۔ لہٰذا بندے کا کام یہ ہے کہ تقدیر جیسی بھی ہو اس کے جاری ہونے پر خاموشی واَدَب کو ملحوظِ خاطر رکھے اور فضول باتوں اور اعتراضات کو چھوڑ دے۔ جس نے ایسا کیا وہ مقامِ تَوَکُّل و رضا پانے میں کامیاب ہو گیا۔

یہی وجہ ہے کہ جب حضرت سَیِّدُنا ابو محمد سہل بن **عبد اللہ** تُسْتَرِی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ سے عرض کی جاتی: **اللہ** پاک مخلوق سے کیا چاہتا ہے؟ تو آپ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ اِرشاد فرماتے: وہی چاہتا ہے جس پر مخلوق ہے، مگر تم وہ بات کیوں چاہتے ہو جو وہ نہیں چاہتا؟ حالانکہ وہ اپنی ان صِفات کو پسند فرماتا ہے جن سے اس کے ارادے اور اَحکام ظاہِر ہوتے ہیں (مگر تم ہو کہ اس کے برعکس چاہتے ہو لہٰذا یاد رکھو) جو ہونے والا ہے وہ ہو کر رہے گا جیسا کہ جو ہونا تھا ہو کر رہا، کیونکہ "کُنْ" "کَانَ" کے پردے میں اس طرح بند ہے کہ اگر "کَانَ" نہ ہوتا تو "کُنْ" بھی نہ ہوتا۔ لہٰذا اہلِ مَحبّت "کُنْ" سے زیادہ "کَانَ" کو پسند کرتے ہیں، کیونکہ "کُنْ" **اللہ** پاک کا حکم ہے اور ان

---

[1] ......یہاں صاحبِ قوت کا اشارہ قرآنِ کریم کی ان آیاتِ مبارکہ کی طرف ہے جن میں ہے کہ **اللہ** پاک نے عرش پر اپنی شان کے لائق استوا فرمایا۔ چنانچہ اس استوا کی وضاحت کرتے ہوئے صدر الافاضل حضرتِ علامہ مولانا سید محمد نعیم الدین مُراد آبادی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں: اِستواء متشابہات میں سے ہے، ہم اس پر ایمان لاتے ہیں کہ **اللہ** کی اس سے جو مراد ہے حق ہے۔ حضرت امام ابو حنیفہ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ نے فرمایا کہ اِستواء معلوم ہے اور اس کی کیفیت مجہول اور اس پر ایمان لانا واجب۔ اعلیٰ حضرت رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ نے فرمایا: اس کے معنٰی یہ ہیں کہ آفرینش (کائنات) کا خاتمہ عرش پر جا ٹھہرا۔ وَاللہُ اَعْلَمُ بِاَسْرَارِ کِتَابِہٖ۔ (خزائن العرفان، پ۸، الاعراف، حاشیہ نمبر ۹۹، ص۲۹۷)

کے لیے اس جیسی بہت سی مثالیں موجود ہیں، مگر "کَانَ" کی مثل کوئی نہیں۔ چنانچہ یہی وہ لوگ ہیں جن کے مُتَعلِّق اِرشَاد ہوتا ہے:

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّاۤ اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ ۚ (پ۲۱، السجدة: ۱۷)

ترجمۂ کنزالایمان: تو کسی جی کو نہیں معلوم جو آنکھ کی ٹھنڈک ان کے لیے چھپا رکھی ہے۔

مرتبۂ صدیقیت

اللہ پاک کے بندوں میں سے یہی وہ اہلِ مَحبّت ہیں جنہوں نے اپنے رب کی مَحبّت کی خاطر ملکوت میں ہر شے سے منہ موڑ لیا اور یہی کام انہوں نے اس وَقت بھی کیا جب انہیں دوسروں کے اَموال کا جانشین بنایا گیا اور انہوں نے اپنے رب کا یہ فرمانِ عالیشان سنا:

وَ اَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِیْنَ فِیْهِ ؕ (پ۲۷، الحدید: ۷)

ترجمۂ کنزالایمان: اور اس کی راہ (میں) کچھ وہ خرچ کرو جس میں تمہیں اَوروں کا جانشین کیا۔

تو انہوں نے اس کی خاطر سارا مال خرچ کر دیا۔ گویا کہ جب انہیں اللہ پاک کے سوا ہر شے سے منہ موڑ لینے کے بعد مالِ دنیا کا جانشین بنایا گیا تو انہوں نے اس مال کو بارگاہِ خداوندی میں اپنا نائب بنا کر پیش کر دیا اور یوں جس طرح اللہ پاک نے انہیں دوسروں کا وکیل بنایا تو خود ان کا وکیل بن گیا۔ یہی وجہ ہے کہ جب انہوں نے عرض کی:

حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِیْلُ ﴿۱۷۳﴾

ترجمۂ کنزالایمان: اللہ ہم کو بس ہے اور کیا اچھا کارساز۔

(پ۴، ال عمران: ۱۷۳)

تو اللہ پاک نے انہیں جواب اِرشَاد فرمایا:

فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ فَضْلٍ لَّمْ یَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ۙ وَّ اتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ؕ

ترجمۂ کنزالایمان: تو پلٹے اللہ کے احسان اور فضل سے کہ انہیں کوئی برائی نہ پہنچی اور اللہ کی خوشی پر چلے۔

(پ۴، ال عمران: ۱۷۴)

ان کا رب ان سے راضی اور وہ اس سے راضی ہو گئے، کیونکہ انہوں نے جیسا کہا ویسے عمل کر کے اپنے

ایمان کو بھی ثابِت کر دیا۔ اس لیے کہ منقول ہے: ایمان قول و عَمَل کے مجموعے کا نام ہے اور صِرف قول عَمَل کا نائب نہیں بن سکتا۔ اسی طرح جب انہوں نے عرض کی:

اِیَّاكَ نَعۡبُدُ وَ اِیَّاكَ نَسۡتَعِیۡنُ ؕ﴿۴﴾ ترجمۂ کنزالایمان: ہم تجھی کو پوجیں اور تجھی سے مدد چاہیں۔

(پ ۱، الفاتحۃ: ۴)

تو **اللہ** پاک نے اِرشاد فرمایا: تم نے سچ کہا۔

(صاحبِ کتاب حضرت سَیِّدُنا شیخ ابُو طالب مَکّی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں:) **اللہ** پاک کے ان کے اس قول کی تصدیق کی وجہ یہ ہے کہ وہ اس کے سوا کسی کی عِبَادَت کرتے ہیں نہ کسی کے لیے عاجزی اِخْتِیار کرتے ہیں، مصائب میں اس کے سوا کسی سے رُجُوع کرتے ہیں نہ اس کے سوا کسی سے مدد طَلَب کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ صادق تعالٰی کی تصدیق کی بنا پر مرتبۂ صدیق پر فائز ہو گئے۔ جیسا کہ ایک رِوایَت میں ہے کہ جب بندہ اس آیتِ مُبارَکہ ﴿ اِیَّاكَ نَعۡبُدُ وَ اِیَّاكَ نَسۡتَعِیۡنُ ؕ﴿۴﴾ ﴾ کی تلاوت کرتا ہے تو **اللہ** پاک اسے اِرشاد فرماتا ہے: تو جھوٹا ہے، اگر تو میری عِبَادَت کرتا تو میرے سوا کسی سے ڈرتا نہ کسی سے اُمّید رکھتا اور اگر مجھ سے ہی مَدَد کا طالِب ہوتا تو اپنے اہل و عیال اور مال و دولت سے سکون حاصِل نہ کرتا۔

اسی طرح مروی ہے کہ بندہ جب قرآنِ کریم کی کسی سورت کی تلاوت کرتا ہے تو وہ سورت اس کے فارغ ہونے تک اس کے لیے دعائے رحمت کرتی رہتی ہے، جب وہ اس پر عَمَل بھی کرے تو یہی صدیق ہے اور وہ بندہ جو قرآنِ کریم کی کسی سورت کی تلاوت تو کرتا ہے مگر وہ سورت مکمل ہونے تک اس پر لعنت کرتی رہتی ہے، (ایسا اس وَقْت ہوتا ہے) جب بندہ ان باتوں پر عَمَل نہ کرے جو اس سورت میں پڑھتا ہے تو وہ جھوٹوں میں شُمار ہوتا ہے۔ (غور فرمائیے!) ایمان کہاں ہے؟ چونکہ ایمان عَمَل کے بغیر کامل نہیں ہوتا، لہٰذا یہ حقیقی مومن نہیں۔

ایمان کہاں ہے؟

(صاحبِ کتاب حضرت سَیِّدُنا شیخ ابُو طالب مَکّی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں:) یہ اَولیائے کِرام ہی ہیں جو اپنے قول کو عَمَل سے ثابِت کرتے اور یقین کے ساتھ ایمان کی گواہی دیتے ہیں۔ چنانچہ جب وہ یہ کہتے ہیں کہ حَسۡبُنَا اللّٰهُ

وَنِعۡمَ الۡوَكِيۡلُ وَالۡحَمۡدُ لِلّٰهِ وَلَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكۡبَرُ[1] تو وہ اس پر توکُّل بھی رکھتے ہیں، اس سے راضی بھی ہوتے ہیں، اسی کی جانِب رُجوع کرتے ہیں اور ان کے سینوں میں اس کے سوا کوئی نہیں ہوتا۔ لہٰذا **اللہ** پاک ان سے اِرشَاد فرماتا ہے: تم نے سچ کہا۔ اس طرح وہ صدیقین بن جاتے ہیں۔ یہ ایسے ہی ہے جیسا کہ وہ کسی شے سے اِرشَاد فرماتا ہے:

كُنۡ فَيَكُوۡنُ ﴿۱۱۷﴾ (پ ۱، البقرۃ: ۱۱۷) ترجمۂ کنزالایمان: ہو جا وہ فوراً ہو جاتی ہے

اس آیتِ مُبارَکہ میں غور فرمایئے! نیز یہ بھی یاد رکھئے کہ جب ان اولیائے کرام نے بارگاہِ خداوندی میں عرض کی کہ **اللہ** پاک ہی ہمارا بہترین کارساز ہے تو وہ یہ کہتے ہی مقامِ تَوَکُّل پر فائز ہو گئے، یوں وہ صدق میں کئی مقامات کے حامل ہو جاتے ہیں۔ مثلاً جب **اللہ** پاک ان سے اِرشَاد فرماتا ہے کہ تم نے سچ کہا تو وہ صدیقین بن جاتے ہیں اور پھر جب **اللہ** پاک ان سے اِرشَاد فرماتا ہے کہ اے میرے بندو! تم مجھے چاہنے والوں میں سے بہترین بندے ہو اور میں ہی تمہارا کارساز ہوں، تم مجھ سے راضی ہو جاؤ کہ میں ہی تمہیں کافی ہوں۔ تو ان کا شُمار ان لوگوں میں ہونے لگتا ہے جن کے اوصاف اس فرمانِ باری تعالیٰ میں بیان کیے گئے ہیں:

فَانۡقَلَبُوۡا بِنِعۡمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضۡلٍ لَّمۡ يَمۡسَسۡهُمۡ سُوۡٓءٌ ۙ وَّاتَّبَعُوۡا رِضۡوَانَ اللّٰهِ ؕ ترجمۂ کنزالایمان: تو پلٹے **اللہ** کے احسان اور فضل سے کہ انہیں کوئی برائی نہ پہنچی اور **اللہ** کی خوشی پر چلے۔

(پ ۴، اٰل عمران: ۱۷۴)

اس طرح **اللہ** پاک انہیں چار قسم کی جزائیں عطا فرماتا ہے: نعمت و فضل، اس پر توکل، برائی سے حِفَاظَت اور **اللہ** پاک سے راضی ہو کر اس کی رضا کی پیروی۔ چنانچہ،

یاد رکھئے! حبیب کا عذر تو قبول کر لیا جاتا ہے مگر دشمن کا عذر قبول نہیں کیا جاتا، محبوب کا محاسبہ نہیں کیا جاتا اور مبغوض کو کچھ دیا نہیں جاتا۔ اس مفہوم کو کسی ادیب نے کیا خوب بیان کیا ہے:

مَنۡ لَمۡ يَكُنۡ لِلۡوِصَالِ اَهۡلًا فَكُلُّ اِحۡسَانِهٖ ذُنُوۡبٌ

ترجمہ: جو شخص وصال کا اہل نہ ہو اس کا ہر احسان گناہ ہوتا ہے۔

[1] ......یعنی ہمیں **اللہ** پاک ہی کافی ہے اور وہی بہترین کارساز ہے، تمام تعریفیں اسی کے لیے ہیں، اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور وہ سب سے بڑا ہے۔

اسی طرح کسی اور نے اس مفہوم کو یوں بیان کیا:

فِیْ وَجْھِہٖ شَافِعٌ یَمْحُوْ اِسَاءَتَہٗ　　مِنَ الْقُلُوْبِ وَیَأْتِیْ بِالْمَعَاذِیْرِ

ترجمہ: اس کے چہرے میں ایک ایسا سفارشی ہے جو دل سے اس کی برائیوں کو مٹاتا اور اس کے لیے عذر خواہی کرتا ہے۔

اسی طرح کسی اہلِ حق مرید نے اس مفہوم کو یوں بیان کیا:

اِنِّیْ جَعَلْتُ مَنْظَرِیْ فِیْ مُھْجَتِیْ　　وَجَعَلْتُ وُدَّكَ لِیْ اِلَیْكَ شَفَاعَۃ

وَلَوْ اِنَّ وَقْتًا مِنْكَ بِالدَّھْرِ كُلِّہٖ　　لَكَانَ قَلِیْلًا اَلْفَ عَامٍ بِسَاعَۃ

ترجمہ: میری نگاہیں میری زندگی پر ہیں اور تیری بارگاہ میں میرا شفیع میری تجھ سے مَحَبَّت ہے، اگر تیری قربت کا وَقْت کُل زمانہ ہو جائے تو بھی ہزار برس ایک ساعت کے مقابل کم ہی ہو گا۔

اللہ پاک نے جس بندے کو مذکورہ باتوں سے آگاہ نہ کیا ہو، اس کے دل میں **اللہ** پاک کا خوف ہونا چاہیے تاکہ وہ زہد اِختیار کرے، ظاہری و باطنی طور پر کثیر نشانیوں کو دیکھنے اور اس کی عظیم قدرت کا مشاہدہ کرنے کے باعث بلند ہمت بنے۔ نیز مَعْرِفَت کا دعویٰ کرنے یا دل میں مَحَبَّت کا خیال لانے سے بھی اسے ڈرنا چاہیے۔ کیونکہ اس کے پاس اُمّیدوں، خیالوں اور دھوکے و فریب کے سوا کچھ نہیں۔

اللہ پاک بعض لوگوں کو گمان عطا فرماتا ہے جیسا کہ وہ اپنے اَولیائے کِرام کو یقین عطا فرماتا ہے اور بعض لوگوں کو ان کے دلوں کی بیماری کی وجہ سے باطل و بے حقیقت باتیں عطا فرماتا ہے جیسا کہ اپنے محبوب بندوں کو مقامِ محبوب میں قرآن وحدیث کے ثبوت اور مُشاہدۂ یقین کے ذریعہ پختہ و حقیقی باتوں کی توفیق توعنایت کرتا ہے مگر ان پر کَلِمَۂ کُن اس وَقْت تک ظاہر نہیں فرماتا جب تک کہ ان کے دلوں سے کون[1] کا حجاب نہیں اٹھ جاتا۔ کون میں جو عمدہ و نفیس ملکوت اور عظیم و بڑی بڑی رغبتیں ہیں ان کا یہاں ذکر کرنا مُناسِب نہیں۔

حجاب کی مختلف صورتیں

(صاحبِ کتاب حضرت سَیِّدُنا شیخ ابو طالب مکی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں:) جان لیجئے!

[1]......ایسی تمام اشیاء جنہیں مُکَوَّن یعنی **اللہ** پاک نے کلمہ کن (یعنی کاف اور نون) کے درمیان پیدا کیا تھا، ان کا مجمل نام "کون" ہے۔ (اللمع مترجم، ص۵۳۶)

- نفسانی آفات اور دنیوی زیب وزینت عام لوگوں کے دلوں کا حِجاب ہے۔
- عقلی لذات اور اُخروی مرغوبات سے اَرواح کی خواہشات خواص کے دلوں کا حِجاب ہیں۔
- دل کا دَرَجات کے ان مَعانی و مَفاہیم تک بلند ہونا جن کا یہ مُشاہدہ کرتا ہے اور وہاں اس کا خاص رحمتوں اور رغبتوں سے آگاہی کی بنا پر ٹھہر جانا محبوبین کے دِلوں کا حِجاب ہے، اس لیے کہ جب وہ نفسانی خواہشات سے تجاوُز کرتے ہیں اور ان کی **اللہ** پاک سے مَحبَّت کی بنا پر ان کی عقلوں سے حجابات اٹھتے ہیں تو وہ روحانی لذتوں میں کھو جاتے ہیں۔ یوں وہ مُشاہدۂ باری تعالیٰ کر پاتے ہیں نہ اَوصافِ باری تعالیٰ کا معائنہ کر پاتے ہیں۔
- پھر جب وہ ان رُوحانی لذّتوں سے بھی تجاوُز کر جاتے ہیں اور ان سے اَنوار و تجلیات کے حِجابات بھی دور کر دیئے جاتے ہیں تو وہ اپنے اَحوال کو پیچھے چھوڑ دیتے اور اپنی امتیازی پہچان کی عَلامت کو بھی بدل دیتے ہیں۔ چنانچہ جب مَقامات منکشف ہوتے، فضائل انجام کو پہنچتے، مشاہدات حقیقت کا روپ دھار لیتے اور منازل ودَرَجات ساقط ہو جاتے ہیں تو طالب کا وجود خَتْم ہو جاتا ہے اور مطلوب غالب آ جاتا ہے، راغب فنا ہو جاتا ہے اور مرغوب باقی رہتا ہے، اس وَقْت **اللہ** پاک ان کے لیے اپنے نام سے ان کا تعلّق ظاہر فرماتا ہے اور یہ مقام حِجاب کی انتہا اور قرب کی ابتدا کا ہے۔ اس مقام سے **اللہ** پاک اپنے اَولیائے کِرام کو آزماتا ہے تا کہ دیکھے کہ وہ کیسے اَعمال سر انجام دیتے ہیں۔ اس وَقْت یہ حقیقت ان پر عَیاں ہوتی ہے:

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ﴿۲۶﴾ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ﴿۲۷﴾ (پ۲۷، الرحمٰن: ۲۶، ۲۷)

ترجمۂ کنزالایمان: زمین پر جتنے ہیں سب کو فنا ہے اور باقی ہے تمہارے رب کی ذات عظمت اور بزرگی والا۔

اب ایسے فرد کے لیے یہ مفہوم ومَقام دُرُست ہے۔ جیسا کہ کسی نے کہا ہے:

ظَهَرْتَ لِمَنْ اَفْنَيْتَ بَعْدَ بَقَآئِهٖ　　　فَكَانَ بِلَا كَوْنٍ لِاَنَّكَ كُنْتَهٗ

ترجمہ: تو اس کے لئے ظاہر ہوا جسے تو نے بقا کے بعد مقام فنا پر فائز فرمایا تو اب وہ بلا کون کے ہے کیونکہ تو اس کا ہو گیا ہے۔

(صاحبِ کتاب حضرت سیِّدُنا شیخ ابو طالب مکی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں:) یہ وہ مقام ہے کہ رب تعالیٰ کی صفت

"کون" کو پانے اور اس کی صفت "قیام" کے ساتھ قائم ہونے کے بعد بندے کے وجود کا تعلق باری تعالیٰ کے "اسمِ موجود" کے ساتھ اور اس کا قیام باری تعالیٰ کے "اسمِ قیوم" سے متعلق ہو جاتا ہے۔

حضرت سیِّدُنا بایزید بسطامی رَحْمَۃُ اللهِ عَلَیْه فرمایا کرتے: اگر اللہ پاک تمہیں مُناجاتِ موسوی، رُوحانیَّتِ عیسوی اور خلَّتِ ابراہیمی عطا فرمائے تو بھی تم اس سے مزید طلب کرو، کہ اس کے پاس اس سے کئی گنا زیادہ ہے، اگر تم اسی پر مطمئن ہوگئے تو یہی تمہارا حجاب بن جائے گا۔ (یاد رکھو!) یہ ان لوگوں کی آزمائش ہے جن کی حالت ان انبیائے کرام عَلَیْہِمُ السَّلَام جیسی ہو، کیونکہ اولیائے کرام اپنی حالت میں جن انبیائے کرام و رسل عظام عَلَیْہِمُ السَّلَام کی مثل ہوں انہی کے دَرَجات پاتے ہیں۔

طالبانِ حق کا مقام

جب بندہ اپنی تمام مطلوب چیزوں کی طرف دیکھے نہ کسی مرغوب شے پر توقف کرے تو اس وَقت وہ مقامِ محبوب پر فائز ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اللہ اسے اپنے سایۂ رحمت میں پناہ عطا فرماتا، اپنی عنایت و مہربانی سے نوازتا، اس پر اپنی خاص نگاہِ کرم فرماتا اور اپنی بارگاہ میں حاضری کا شَرَف عطا فرماتا ہے تو بندہ اس کے دیدار کی دولت پاکر کسی اور طرف متوجہ نہیں ہوتا، بلکہ اس کا قرب پانے کی جلدی کرتا ہے اور کسی قسم کی سستی کا مُظاہرہ نہیں کرتا، اس وَقت وہ اس کی ذات میں کسی اور ذات کا مُشاہدہ کرتا ہے نہ اس کے ہاتھ میں کوئی اور ہاتھ دیکھتا ہے، بلکہ اس کے قیُّوم ہونے کا مُشاہدہ کر کے اس کی گواہی دیتا ہے۔ عارفین میں سے طالبانِ حق کا مقصود بس یہی مقام ہے۔

ایک نظر کا قصور

کسی عارف اہلِ مَحبَّت کا بیان ہے کہ میں نے حالتِ کشف میں 40 حوروں کو ہوا میں اڑتے دیکھا، ان پر سونے، چاندی اور جواہر سے مزین لباس تھے جن کی جھنکار سنائی دے رہی تھی، میرے ان کو ایک نظر دیکھنے کی وجہ سے مجھے 40 دن تک سزا دی گئی۔ پھر حُسن و جَمال میں اُن سے بھی بڑھ کر 80 حوروں کا مکاشفہ ہوا اور مجھے کہا گیا کہ انہیں دیکھو۔ تو میں سجدہ ریز ہو گیا اور اپنی آنکھیں بند کرلیں تاکہ ان کی طرف دیکھ نہ سکوں اور بارگاہِ الٰہی میں عرض کی: اے اللہ پاک! میں تیرے غیر سے تیری پناہ مانگتا ہوں، مجھے ان کی کوئی حاجت نہیں۔ میں مسلسل گڑگڑاتا رہا یہاں تک کہ وہ مجھ سے دور کر دی گئیں۔

اِخلاص کی حقیقت کے متعلق مختلف آرا

(صاحبِ کتاب حضرت سَیِّدُنا شیخ ابُو طالب مکی رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں:) مذکورہ عارِف کی مثل بندے ہر زمانے میں کثیر تعداد میں موجود ہیں جو مختلف شہروں میں پھیلے ہوئے اور اس کے بندوں کے درمیان اسی کی رحمت کے پردے میں گمنام و پوشیدہ ہیں۔ انسانی عقل اپنی کمزوری کی بنا پر ان کے اوصاف بیان نہیں کر سکتی ہے اور نہ ہی دلوں میں ان کے اوصاف کی حقیقت اجاگر ہو سکتی ہے، ان کی سب سے چھوٹی صِفَت یہ بیان کی جاتی ہے کہ یہ ہر قسم کی حرکت و سکون میں اخلاص کا مظاہرہ کرتے ہیں، حالانکہ ہمارے نزدیک یہ صِفَت بھی بہُت بڑی ہے۔

(مختلف لوگوں کے نزدیک اخلاص کی حقیقت میں اختلاف ہے۔ چنانچہ ذیل میں چند آرا پیشِ خدمت ہیں:)

اہلِ اخلاص کے نزدیک اخلاص

اہلِ اخلاص کے نزدیک خالق کے مُعَاملہ سے مخلوق کو نکالنا اخلاص ہے، لہٰذا جب وہ اس مُعَاملے میں مخلوق کو داخِل ہی نہیں کریں گے تو نکالیں گے کیسے؟ مثلاً سب سے پہلی مخلوق تو ان کا اپنا نفس ہے، جب ان کا دل نفس سے مُکَدَّر ہی نہ ہو گا تو اسے اس سے پاک کیسے کریں گے؟

اہلِ مَحَبَّت کے نزدیک اخلاص

اہلِ مَحَبَّت کے نزدیک اخلاص یہ ہے کہ بندہ کوئی بھی کام نفس کی خاطِر کرے نہ اس کام میں کوئی طبعی لذّت شامل ہو، بلکہ اس کی ادائیگی میں ہمیشہ عَظَمَتِ باری تعالیٰ کو پیشِ نظر رکھے، نیز **اللہ** پاک کی مَحَبَّت میں کسی اور کی مَحَبَّت کو شریک کرے نہ کسی کے حُسن و جَمال کے ساتھ کوئی قلبی تعلق پیدا کرے، کیونکہ اس کا دل تو پہلے ہی ذاتِ باری تعالیٰ کے انتہائی حسن وجمال سے لبریز ہوتا ہے اور ایسا اسی وَقْت ممکن ہے جب وہ عرفانِ الٰہی کی دولت سے مالا مال ہو، مگر عرفان کی یہ دولت مُشاہَدے کی نعمت سے قبل حاصِل نہیں ہو سکتی، کیونکہ خبر مُشاہَدے کی طرح نہیں ہوتی اور مُشاہَدہ صرف نُورِ یقین سے ہی ملتا ہے اور حقیقی یقین خواہشِ نفس کی مَوجُودَگی میں پایا نہیں جاتا۔ لہٰذا جب حِجاب اٹھتا اور خواہشِ نفس فنا ہوتی ہے تو یقین کی آنکھ کھل جاتی ہے، پھر عین الیقین میں حُسن و جَمال اور کمال کی صِفات کے اَنوار یکے بعد دیگرے اس طرح ظاہر ہوتے ہیں

جیسا کہ ایک نور کے بعد دوسرا نور پیدا ہوتا ہے یہاں تک کہ نور ہی نور ہو جاتا ہے۔

مُوَحِّدِین کے نزدیک اِخلاص

مُوَحِّدِین کے نزدیک اِخلاص یہ ہے کہ ہر قسم کے اَفعال میں مخلوق سے نظریں ہٹ جائیں اور ہر قسم کے اَحْوال میں اس سے راحت و سکون خَتْم ہو جائے۔

صِدِّیقِین کے نزدیک اِخلاص

صدیقین کے نزدیک صدق میں اخلاص سے مُراد یہ ہے کہ بندہ یہ دعا کرے کہ لوگوں کے دلوں پر حجاب پڑا رہے (تا کہ وہ اس کے تعلق باللہ کی حقیقت نہ جان سکیں)۔ جیسا کہ حضرت سیِّدُنا بِشر حافی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ سے جب عرض کی گئی کہ آپ اس مَقام تک کیسے پہنچے؟ تو آپ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ نے اِرشاد فرمایا: میں **اللہ** پاک سے اپنے حال کی پردہ پوشی چاہتا تھا، یعنی یہ دعا کیا کرتا تھا کہ وہ مجھے پوشیدہ رکھے اور میرے مُعاملے کو (مخلوق پر) مخفی رکھے۔

آپ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ کے متعلق منقول ہے کہ ایک بار آپ نے حضرت سیِّدُنا خضر عَلَیْہِ السَّلَام کی زیارت کی اور اپنے لیے دعا کی اِلتجا کی تو حضرت سیِّدُنا خضر عَلَیْہِ السَّلَام نے یہ دعا فرمائی: **اللہ** پاک آپ پر اپنی عِبادَت کو آسان فرمائے۔ آپ نے مزید دعا کے لئے عرض کی تو انہوں نے یہ دعا کی: اور اس عِبادَت کو آپ پر پوشیدہ رکھے۔

اس دعا کے یہ دو مفہوم بیان کیے گئے ہیں۔ بعض افراد کا کہنا ہے کہ اطاعت و عِبادَت کو پوشیدہ رکھنے سے مُراد یہ ہے کہ آپ کو مخفی کر دے تا کہ آپ اس عِبادَت و اطاعت کی وجہ سے پہچانے نہ جائیں جیسا کہ ابھی ہم نے ذکر کیا اور دوسرا مفہوم یہ منقول ہے کہ اس کو آپ سے پوشیدہ رکھے تا کہ آپ اس کی طرف نہ دیکھیں۔

گمنام ہونے کی نرالی دعا

ایک بزرگ فرماتے ہیں: مجھے حضرت سیِّدُنا خضر عَلَیْہِ السَّلَام سے ملاقات کا شوق ہوا تو ایک بار میں نے **اللہ** پاک سے دعا کی کہ وہ مجھے ان کی زیارت سے مُشَرَّف فرمائے تا کہ وہ مجھے کوئی ایسی بات سکھائیں جس کا جاننا میرے لیے ضروری ہو۔ چنانچہ مجھے ان کی زیارت ہوئی تو میرے دل و دماغ میں صِرف یہی بات آئی کہ میں ان سے عرض کروں: اے ابو العباس! مجھے کوئی ایسی چیز سکھا دیجئے کہ جب میں پڑھوں تو لوگوں کے

دلوں سے پوشیدہ ہو جاؤں اور میری ان میں کوئی قدر و منزلت رہے، نہ کوئی شخص میری نکوکاری اور دیانت کو جانے۔ تو انہوں نے فرمایا کہ اس طرح دعا کیا کرو: اَللّٰهُمَّ اَسْبِلْ عَلَيَّ كَثِيْفَ سِتْرِكَ وَحَطَّ عَلَيَّ سُرَادِقَاتِ حُجُبِكَ وَاجْعَلْنِي فِي مَكْنُوْنِ غَيْبِكَ وَاحْجُبْنِي عَنْ قُلُوْبِ خَلْقِكَ یعنی اے **اللہ** پاک! مجھ پر اپنا دبیز پردہ ڈال کر اپنے حجابات کے پردے بھی نازل فرمادے اور مجھے اپنے مخفی غیب میں کر کے اپنی مخلوق کے دلوں سے چھپادے۔ فرماتے ہیں: اتنا فرما کر وہ غائب ہوگئے اور میں نے انہیں پھر کبھی دیکھا نہ دوبارہ کبھی ان سے ملنے کا شوق ہوا، البتہ! میں ان (کے بتائے ہوئے) کلمات کو روزانہ پڑھتا رہا۔

خضری دعا کی تاثیر

منقول ہے کہ اس دعا کی تاثیر یہ ہوئی کہ اس قدر ان کی ذِلّت و اہانت کی جاتی کہ ذِمّی کافر بھی ان کا مذاق اڑاتے اور بغیر اجرت کے ان سے اپنا سامان اٹھواتے کیونکہ ان کی نظروں میں ان کی کوئی وقعت نہ تھی اور بچے ان کے ساتھ کھیلتے تھے۔ اَلْغَرَض ان کا راحت و آرام، دل کا چین اور حال کی دُرستی ذِلّت اور گمنامی میں تھی۔

تواضع

سَلَف صالحین کی ایک جماعت کا یہی طریقہ رہا اور بعد میں آنے والے صادقین میں سے ایک گروہ کی حالت بھی یہی تھی۔ انہوں نے اپنے آپ کو مخفی رکھا اور اپنی قدر و منزلت کو خَتم کر دیا، انہیں اہلِ خِرد مجنوں کہا جاتا ہے۔ ایسا صرف اس وَقْت ہوتا ہے جب نفس سے بے رغبت ہو کر تواضُع کی حقیقت کو اپنایا جائے، البتہ! تواضع کی یہ صُورَت صِرف مجذوب اولیائے کرام اور ضعیف صادقین نے ہی اِختیار کی۔

تکبر کی تین مخفی صورتیں

تکبر کی (بظاہر نظر نہ آنے والی) تین صورتیں ہیں:

﴿1﴾ خود پسندی کی بنا پر خود کو بڑا سمجھنا۔

﴿2﴾ لوگوں کے دلوں میں اپنی قدر و منزلت کو بڑا جاننا۔ یعنی بندے کا لوگوں کے دلوں میں اپنی بڑائی کو پسند کرنا بھی تکبر کی علامت ہے۔

﴿3﴾ اپنی نیکی و دینداری کو دیکھتے ہوئے دل میں اسے بڑا سمجھنا۔ یعنی اپنی نیکیوں اور دینداری کو بڑا سمجھتے ہوئے اس پر ناز کرنا بھی تکبر ہے۔ تکبر کی یہ صورت علم یقین کی کمی کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے اور یہ تکبر کی انتہائی دقیق صورت ہے جس سے صِرف صحیح العقیدہ، صادق الیقین اور مخلص صالح شخص ہی نجات پا سکتا ہے۔

تکبر کی واضح صورت

البتہ جو تکبر بالکل واضح و ظاہر ہوتا ہے اس سے مُراد وہ تکبر ہے جو فخر و غرور اور دکھاوے و خلافِ حقیقت باتوں کے اِظہار پر مشتمل ہوتا ہے، تکبر کی یہ صورت بڑی واضح ہوتی ہے اور دل کے حجابات میں سب سے کثیف حجاب اور نفس کی سب سے قوی صِفَت کی حیثیت رکھتی ہے۔

تکبر سے بچنے کا طریقہ

عُلَمائے کِرام تکبر کی مخفی صورتوں سے ڈرتے ہیں کیونکہ وہ اس (کی تباہ کاریوں) کو خوب جانتے ہیں، لہٰذا وہ نفس کے لیے خفت و ذِلّت کے اوصاف اپنے اندر پیدا کر لیتے ہیں تاکہ مخفی تواضُع کے ذریعے نفس کو آزمائیں، تکبُّر کی مخفی صورتیں ان سے دور ہوں اور ان کے اعمال میں اخلاص پیدا ہو۔

تواضع کی حقیقت

اہلِ تواضع کے نزدیک تواضع کی حقیقت یہ ہے کہ بندہ اپنے اندر عجز و انکساری کے اوصاف پیدا کرے اور قصداً و عمداً خود پر عجز و انکساری کا لبادہ نہ اوڑھے، نیز دل سے عاجزی و انکساری اختیار کرے اور خود کو حقیر جانے اور اپنے نفس کے چھوٹا و حقیر ہونے کا یقین رکھے، محض دکھاوے کے لیے یہ سب کچھ نہ کرے۔

تواضع کی علامت

تواضُع کی عَلامَت یہ ہے کہ جب کوئی اس کا عیب یا خامی بیان کرے تو اسے غصہ نہ آئے اور اسی طرح اگر کوئی اس پر کبیرہ گناہوں میں مبتلا ہونے کی تہمت لگائے یا اس کی مَذمَّت بیان کرے تو اسے بُرا نہ سمجھے۔

حالَتِ وِجدَان میں اس بات کی وضاحت یوں کی جا سکتی ہے:

﴿1﴾ وہ بندہ جو ذِلَّت کے وَقْت ذِلَّت کا مزہ پائے نہ تواضُع کے موقع پر دل میں کچھ کینہ محسوس کرے تو تواضُع اس کی صِفَت اور فطرت بن جاتی ہے۔

﴿2﴾ جو بندہ ذلیل کیا جائے اور وہ ذِلَّت کا مزہ محسوس کرے تو وہ بتکلف تواضُع کا لبادہ اوڑھے ہوئے ہے۔

﴿3﴾ جو بندہ ذلیل کیا جائے اور وہ ذِلَّت میں خِفَّت محسوس کرے تو وہ مغرور ہے جس کی علامَت اس کے نفس میں اَنانِیَت (غرور، خود پرستی وخود ستائی) کا باقی ہونا ہے۔ اس کے علاوہ وہ اپنی مَذمَّت پر ناراض و غضب ناک ہو گا اور تعریف پر خوش وراضی ہو گا۔

(صاحبِ کتاب فرماتے ہیں:) جس بندے میں یہ علامات پائی جائیں وہ ہمارے ذکر کردہ تمام مقاماتِ مَعْرِفَت سے حِجاب میں ہے۔ جب کوئی شخص اپنے نفس کی تذلیل کے وَقْت تواضُع سے کام لے اور ذِلَّت کا مزہ پائے نہ دل میں کوئی کینہ رکھے تو اس وقت وہ تواضُع کا پیکر بن جاتا ہے، لہٰذا وہ اپنے نفس میں موجود کسی خامی و نقص پر مخلوق کی مَذمَّت کو بُرا جانے گا نہ اپنے نفس کی قدر و مَنْزِلَت مفقود ہونے کی بنا پر لوگوں کی تعریف سے خوش ہو گا۔ اس وَقْت ذِلَّت وخِفَّت اس کی ایسی صِفات بن جائیں گی جو اس سے کبھی جدا نہ ہوں گی، بلکہ یہ اس کے لیے اسی طرح لازم ملزوم کی حیثیت اِختیار کر جائیں گی جس طرح ایک بھنگی کا کوڑا کرکٹ اٹھانا اور خاکروب کا جھاڑو دینا ان کے لیے لازم ملزوم کی حیثیت رکھتا ہے، کوڑا کرکٹ اٹھانا اور جھاڑو دینا ان دونوں کے پیشے ہیں بلکہ بسا اوقات یہ لوگ اس پر فخر کرتے ہیں کیونکہ ان کی نظر میں یہ کام عیب نہیں۔ چنانچہ تواضُع اپنانے والے شخص کے لیے یہ ایک بہُت بڑی وِلایَت ہے جو اسے نفس کا والی وحاکم بنا کر اس پر غلبہ عطا کرتی ہے۔

حکمت کے چشموں کا منبع

یہ مَقامِ محبوب ہے اور اس کے بعد باقی تمام غیوب بھی منکشف ہو جاتے ہیں۔ جس کی ابتدا یہاں سے ہوتی ہے کہ دل میں حِکْمَت کا نور پیدا ہوتا ہے اور پھر دل سے حِکْمَت کے چشمے پھوٹنے لگتے ہیں جیسا کہ مروی ہے کہ حضرت سیِّدُنا عیسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام نے بنی اسرائیل سے پوچھا: کھیتی کہاں اُگتی ہے؟ تو انہوں نے عرض کی: مٹی میں۔ اس پر آپ عَلَیْہِ السَّلَام نے اِرشَاد فرمایا: میں تمہیں سچ کہتا ہوں کہ (کھیتی کے زرخیز) مٹی (میں اُگنے) کی طرح حِکْمَت بھی صِرف دل میں ہی پیدا ہوتی ہے۔

عاجزو مغرور شخص میں فرق

جس کا بارگاہِ خداوندی میں یہ حال ہو کہ وہ ذلت چاہتا ہے اور اس میں اسے مزہ آتا ہے جیسا کہ متکبر عزت چاہتا ہے اور عزت ملنے پر لذت محسوس کرتا ہے، تو اگر کسی لمحے ایسے شخص کی یہ ذلت دور ہو جاتی ہے تو اپنے حال سے جُدا ہونے کے باعث وہ گھبرا جاتا ہے جیسا کہ عزت والے کی عزت اگر کسی لمحے چلی جاتی ہے تو اس کی زندگی اجیرن ہو جاتی ہے کیونکہ یہی تو اس کے نفس کی زندگی ہے۔

تواضع کی چند مثالیں

(صاحبِ کتاب فرماتے ہیں:) ہمیں بہُت سے بزرگانِ دین کے مُتَعَلِّق معلوم ہوا کہ ہے انہوں نے تواضُع کو اپناتے ہوئے لوگوں کے ہاں اپنی قدر و مَنزِلَت کو خَتْم کر دیا، ان کے دلوں سے اپنے جاہ و مرتبہ کو مٹا دیا اور اپنی تذلیل کے اس قدر طریقے اپنائے جو شُمار سے باہَر ہیں کہ یہاں ان کا تذکرہ طویل ہو جائے گا۔ اس کا سَبَب یہ تھا کہ ان کا حال سچا تھا جو اس بات کا تقاضا کرتا تھا کہ وہ یہ کام کریں، لہٰذا ان کے لیے اس پر عَمَل کے سوا کوئی صورت نہ تھی۔ (چنانچہ ذیل میں ایسے ہی بزرگانِ دین کی چند مثالیں پیشِ خدمت ہیں:)

پہلی مثال: تواضع کی انتہا

کسی شیخ نے مجھے حضرت سیِّدُنا جنید بغدادی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ کے استاذ حضرت سیِّدُنا ابوالحسن کرنبی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ کے مُتَعَلِّق بتایا کہ ان کو ایک شخص نے تین بار کھانے کی دَعْوَت دی، جب آپ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ جاتے تو وہ لوٹا دیتا بالآخر چوتھی مرتبہ انہیں اپنے گھر لے گیا اور آپ سے بار بار لوٹائے جانے کے باوُجُود ناراض نہ ہونے کی وجہ پوچھی تو آپ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ نے اِرشَاد فرمایا: میں 20 سال تک اپنے نفس کو ذِلَّت پر راضی رہنے کا عادی بناتا رہا یہاں تک کہ اب اس کی حالت کتے کی سی ہو گئی ہے کہ جب اس کو دھتکارا جائے تو چلا جاتا ہے اور جب بلا کر ہڈی ڈالی جائے تو لوٹ آتا ہے۔ تم اگر مجھے 50 مرتبہ بھی لوٹا دیتے اور اس کے بعد پھر بلاتے تو میں چلا آتا۔

دوسری مثال: حمام کا چور

اسی طرح ایک اور شیخ نے مجھے بتایا کہ حضرت سیِّدُنا جنید بغدادی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ کے انہی استاذِ محترم سے

منقول ہے کہ میں نے ایک محلے میں قیام کیا تو وہاں میری نیکو کاری کی شہرت ہونے لگی جس سے میرا دل پریشان ہو گیا۔ چنانچہ میں محلے کے وسط میں موجود ایک حمام میں داخل ہوا اور وہاں موجود قیمتی کپڑے چرا کر پہن لئے، پھر ان کے اوپر اپنی گدڑی پہن کر وہاں سے نکل آیا اور آہستہ آہستہ چلنے لگا تاکہ لوگ مجھے چور سمجھیں۔ پس لوگوں نے مجھے پکڑ کر میری گدڑی اتاری اور اپنے کپڑے لے لئے اور مجھے خوب مارا پیٹا۔ اس کے بعد میں حمام کا چور مشہور ہو گیا، تب میرے دل کو سکون ملا۔

تیسری مثال: ہاتھ پھیلانا

ایک صوفی بزرگ کے مُتَعَلِّق مروی ہے کہ انہوں نے کھانے میں مشغول ایک شخص کے پاس کھڑے ہو کر اللہ پاک کے نام پر دستِ سوال دراز کیا تو اس شخص نے عرض کی: آیئے! بیٹھ کر آپ بھی تناوُل فرمایئے۔ تو فرمانے لگے کہ مجھے میرے ہاتھ میں ہی دیدیجئے۔ چنانچہ اس نے ان کے ہاتھ پر کھانا رکھا تو وہ وہیں بیٹھ کر تناوُل فرمانے لگے۔ اس پر اس شخص نے عرض کی: میرے ساتھ بیٹھ کر کھانے میں کیا رُکاوٹ درپیش تھی؟ فرمانے لگے: اللہ پاک کے ساتھ میرا حال ذِلّت وانکساری اپنانے کا ہے لہٰذا میں نے اپنے حال سے جدا ہونا پسند نہ کیا۔ بسا اوقات یہی بزرگ ہریسہ بیچنے والے شخص کے سامنے اپنا ہاتھ پھیلا دیتے تو وہ آپ کی ہتھیلی پر کچھ ہریسہ رکھ دیتا۔

عزت نفس کے منافی کام کرنا

(صاحبِ کتاب حضرت سَیِّدُنا شیخ ابو طالب مکی رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْه فرماتے ہیں:) اہلِ عرب عزتِ نفس کی وجہ سے ہاتھ پر کوئی شے لینے میں عار محسوس کرتے تھے۔ یہاں تک کہ دورِ نبوت کے ابتدائی زمانے میں مہاجرینِ اولین میں سے ایک صحابی فرماتے ہیں: میں تین دن سے بھوکا تھا، کچھ بھی نہ کھایا تھا، پھر مجھے معلوم ہوا کہ کوئی شخص کشمش صدقہ کر رہا ہے۔ میں نے بھی اس سے سوال کیا تو اس نے ہاتھ آگے بڑھانے کا کہا، جس پر میں نے اس سے کہا: میں ایک عرب ہوں، ہتھیلی پر نہ لوں گا بلکہ کسی چیز پر رکھ کر مجھے دے دو۔ چنانچہ اس نے ایک برتن میں مجھے کشمش دی تو میں نے کھائی اور فارغ ہونے کے بعد اس کا برتن بھی اسے واپس کر دیا کہ اس میں عزتِ نفس کا مسئلہ تھا۔ (ان کی یہ بات معلوم ہونے پر) سرورِ کائنات صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم نے ان سے اِرشاد فرمایا: تم ایسے شخص ہو جس میں ابھی تک جاہلیت کی عادات مَوجود ہیں۔ اس پر انہوں نے عرض کی: کیا

میرے عمر رسیدہ ہونے کے باوُجود ابھی تک یہ عادات مجھ میں مَوجود ہیں؟ ارشاد فرمایا: ہاں۔

آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ایسا اس لیے ارشاد فرمایا تھا کہ اس صحابی نے ایک شخص سے جھگڑا کیا تھا اور اس پر اپنی برتری خیال کی تھی۔[1]

(صاحبِ کتاب حضرت سَیِّدُنا شیخ ابُو طالب مکی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں:) ہم نے یہ باتیں بیدار عقلوں کی تنبیہ اور زندہ دلوں کی تحریک کے لیے ذکر کی ہیں تاکہ جو زندہ رہنا چاہے وہ اہلِ صدق کے اَوصاف اور اہلِ اِخلاص کے طریقوں کے تذکرے سے رہنمائی حاصل کر سکے، نیز اسے چند مثالوں کے تذکرہ سے دوسری کثیر صورتوں پر رہنمائی بھی ملے۔

عزت جانے سے عزت ملتی ہے

منقول ہے کہ اہلِ بسطام کا ایک معزز شخص حضرت سَیِّدُنا بایزید بسطامی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ کی مجلس سے کبھی جدا نہ ہوتا۔ ایک دن اس نے آپ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ سے عرض کی: میں 30 سال سے مسلسل روزے رکھ رہا ہوں، (ممنوع ایام کے علاوہ) کبھی روزہ نہیں چھوڑتا، پوری رات قیام میں گزارتا ہوں، لمحہ بھر کے لیے نہیں سوتا، اس کے باوُجود میں اپنے دل میں وہ علم نہیں پاتا جو آپ بیان کرتے ہیں حالانکہ میں اس کی تصدیق کرتا اور اسے پسند کرتا ہوں۔ تو آپ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ نے اِرشاد فرمایا: اگر تم 300 سال بھی دن میں روزے رکھو اور رات میں قیام کرو پھر بھی اس کا ایک ذرّہ نہ پا سکو گے۔ اس نے عرض کی: ایسا کیوں ہے؟ اِرشاد فرمایا: اس لیے کہ تم اپنے نفس کی وجہ سے حِجاب میں ہو۔ اس نے عرض کی: کیا اس کی کوئی دوا ہے؟ اِرشاد فرمایا: ہاں۔ عرض کی: مجھے بتایئے تاکہ میں اس پر عمل کر سکوں۔ اِرشاد فرمایا: تم اسے قبول نہیں کرو گے۔ اس نے پھر عرض کی: آپ مجھے بتائیں تو سہی۔ اِرشاد فرمایا: ابھی حجام کے پاس جا کر اپنا سر اور داڑھی منڈواؤ، پھر یہ لباس اتار کر بغیر آستین والا چوغہ پہنو اور اپنی گردن میں اخروٹوں سے بھرا تھیلا لٹکا کر اپنے ارد گرد بچوں کو جمع کر کے کہو: جو بچہ مجھے ایک تھپڑ مارے گا میں اسے ایک اخروٹ دوں گا۔ اسی طرح بازار میں مَوجُود لوگوں کے پاس چکر لگاؤ، نیز جو تمہارے جاننے والے ہیں ان کے پاس بھی اسی حالت میں جاؤ۔

[1] ...... یہ تخریج نہیں ملی۔

یہ سن کر اس شخص نے کہا: سُبْحٰنَ اللہ! آپ مجھ سے ایسی بات کہتے ہیں؟ اس پر حضرت سَیِّدُنا بایزید بسطامی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ نے فرمایا: تمہارا (اس وقت) سُبْحٰنَ اللہ کہنا ایک طرح سے شرک ہے۔ اس نے عرض کی: وہ کیسے؟ اِرشاد فرمایا: اس لیے کہ تم نے اپنے نفس کو بڑا سمجھ کر اس کی تسبیح بیان کی ہے (اور اپنے رب کی پاکی بیان نہیں کی)۔ اس نے عرض کی: یہ کام تو میں نہیں کروں گا۔ ہاں! کچھ اور بتائیے۔ اِرشاد فرمایا: سب سے پہلے یہی کرنا ہوگا۔ اس نے پھر یہی عرض کی کہ میں یہ نہیں کر سکتا تو آپ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ نے اِرشاد فرمایا: میں نے تم سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ تم قبول نہیں کرو گے۔

ایک بات کی وضاحت

جب اس شخص نے حضرت سَیِّدُنا بایزید بسطامی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ کے سامنے سُبْحٰنَ اللہ کہا تو وہ ان نزدیک مشرک[1] ہو گیا، اس کی وجہ یہ تھی کہ اس نے اپنے نفس کی وجہ سے ایسا کہا تھا، حالانکہ حضرت سَیِّدُنا بایزید بسطامی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ خود یہ فرمایا کرتے تھے: سُبْحَانِیْ مَا اَعْظَمَ شَانِیْ۔ یعنی میں پاک ہوں، میری شان کس قدر عظیم ہے۔ کیونکہ ان کا شمار ان اَہلِ توحید میں ہوتا ہے جنہوں نے اپنے رب کی وحدت کا اقرار اس کی ذات کی اُس اَوَّلِیَّت کی وجہ سے کیا جو ان پر آشکار تھی۔

مذکورہ علاج کس کس کے لیے مفید ہے؟

حضرت سَیِّدُنا بایزید بسطامی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ کا تجویز کردہ یہ علاج ہر اس شخص کے لیے مفید ہے جس کی نگاہیں اپنے نفس پر مرکوز ہوں، پھر وہ اس مرض میں مبتلا ہو جائے کہ دیگر لوگ بھی اس کی طرف دیکھیں۔ لہٰذا ایسے شخص کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی نظر کو لوگوں کی نگاہوں سے بچائے اور اس کے لیے **اللہ** پاک سے مدد طلب کرے۔ کیونکہ،

---

[1]......یہاں وہ شرک مراد نہیں ہے جس کا مرتکب دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے بلکہ یہاں وہ شرک مراد ہے جو صوفیائے کرام کی اصطلاح میں شرک خفی ہے چنانچہ تفسیر رازی میں ہے: صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ شرک کی دو قسمیں ہیں: (۱)...شرک جلی اور یہ وہ ہے جو مشرکین کرتے ہیں اور (۲)...شرک خفی اور یہ دل کو واسطوں اور ظاہری اسباب کے ساتھ وابستہ کر دینا ہے۔ (تفسیر رازی، پ ۱۳، سورۃ ابراھیم، تحت الآیۃ: ۵-۳-۷، ۶/۳/ ۱۰۱)

لَیۡسَ لَهَا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ كَاشِفَةٌ ﴿۵۸﴾ ترجمۂ کنزالایمان: اللہ کے سوا اس کا کوئی کھولنے والا نہیں۔

(پ ۲۷، الرحمٰن: ۵۸)

مگر یہ علاج مجذوبوں کا ہے جو صرف کمزور یقین والوں کے لیے ہی دُرُست ہے اور اگر کوئی ماہر طبیبِ حاذق عین الیقین کا ایک ذرّہ دل میں ڈال دے تو اس کی وجہ سے دل سے ہر طرح کی نظر دور ہو جاتی ہے اور بندہ ہر قسم کی دوا اور علاج سے مستغنی ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

وَ لٰكِنۡ لِّيَقۡضِيَ اللّٰهُ اَمۡرًا كَانَ مَفۡعُوۡلًا ۙ لِّيَهۡلِكَ مَنۡ هَلَكَ عَنۡۢ بَيِّنَةٍ وَّيَحۡيٰى مَنۡ حَىَّ عَنۡۢ بَيِّنَةٍ ؕ (پ ۱۰، الانفال: ۴۲) ترجمۂ کنزالایمان: لیکن یہ اس لئے کہ اللہ پورا کرے جو کام ہونا ہے کہ جو ہلاک ہو دلیل سے ہلاک ہو اور جو جئے دلیل سے جئے۔

یعنی جس کام کو ہو کر رہنا ہے اللہ پاک اسے پورا کر دے تاکہ جو ہلاک ہو وہ مخلوق کی طرف متوجہ ہونے کی وجہ سے ہلاک ہو اور جو زندہ رہے وہ حق کی طرف دیکھنے کی وجہ سے زندہ رہے۔

عِلمِ معرفت کے درجات

(صاحبِ کتاب حضرت سیِّدُنا شیخ ابو طالب مکی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں) یاد رکھئے!

وَيَتۡلُوۡهُ شَاهِدٌ مِّنۡهُ (پ ۱۲، ھود: ۱۷) ترجمۂ کنزالایمان: اور اس پر اللہ کی طرف سے گواہ آئے۔

لہٰذا ہم نے جو باتیں ذکر کی ہیں ان کا ہر گز انکار مت کیجئے گا، ورنہ خسارہ اٹھائیں گے اور اہلِ ایمان کے علمِ تقدیر و یقین کے ادنیٰ درجہ سے بھی محروم رہ جائیں گے۔ کیونکہ مومنین کے اس علم میں کئی درجات ہیں۔ مثلاً ❁ ہماری ذکر کردہ باتوں کا مُشاہَدہ ❁ ہم نے جن باتوں کو اشاروں اور کنایوں میں ذکر کیا ہے انکی حقیقت کا ادراک ❁ وجد و حال ❁ مُعامَلہ و مُنازَلہ (مقابلے میں آمنا سامنا ہونا) ❁ ذوق و احساس اور ❁ تصدیق و قبول۔ چنانچہ،

علمِ مَعرِفت کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ اگر مُشاہَدہ کی دولت میسر نہ ہو تو اس کا انکار بھی نہ کرے اور اگر عرفانِ خداوندی سے مالا مال نہ ہو تو اس کے حُصُول کے لیے کوشش کرے اور عقل سے اسے تسلیم بھی کرے کہ اس کے سوا اور کوئی مقام نہیں۔

الحاصل

ہم نے جن مقامات کی (اس 32ویں فصل میں) شرح بیان کی ہے وہ سب مقاماتِ یقین ہیں۔ ان میں پہلا مقام توبہ اور آخری مَحَبَّت ہے۔ یہ سب آپس میں ایک دوسرے سے مربوط ہیں۔ اگر کسی بندے کو کسی مقام کی حقیقت عطا کی جاتی ہے تو اسے دیگر تمام مقامات کا حال بھی عطا ہوتا ہے، ہر حال کے ساتھ ایک مُشاہدہ ہوتا ہے اور ہر مُشاہدے کے لیے ایک علم ہوتا ہے۔ جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَ هُمْ یَعْلَمُوْنَ ﴿۸۶﴾ ترجمۂ کنزالایمان: جو حق کی گواہی دیں اور علم رکھیں۔

(پ ۲۵، الزخرف: ۸۶)

مقاماتِ یقین کا مجموعہ

الغرض مذکورہ تمام مقامات کا مجموعہ ایمان کی حقیقت ہے۔ اگر بندے کو ایمان و یقین کی حقیقت عطا کر دی جائے یہاں تک کہ وہ ایسا حقیقی مومن بن جائے کہ عِلْمِ باری تعالیٰ میں اس کے مرتد ہونے یا حالت سے بدلنا نہ ہو تو اس کا ایمان اس پر اللہ پاک کا ایک احسان اور تحفہ ہے، ایسا نہیں کہ اللہ پاک نے ایمان اسے بطورِ عاریت و امانت عطا کیا ہو کہ جسے وہ واپس لے لے اور بندے سے اس کا ایمان آزمائش و ابتلا کے وقت شکوک و شبہات میں مبتلا ہونے کی وجہ سے یا خفیہ تدبیر کا شِکار ہونے کی بنا پر سلب کر لے۔ چنانچہ جب ایسا نہ ہو تو بندے کو یکے بعد دیگرے تمام حال اور مشاہدات عطا کر دیئے جاتے ہیں، اگرچہ لوگوں کے درجات علوم کے اعتبار سے مختلف ہوتے ہیں اور اسی لحاظ سے قرب میں رِفْعَت پاتے ہیں اور یہی کامل ایمان ہے۔

کامل ایمان کی شرائط

ان اَحْوال و اَفعال کی اساس و بنیاد کے طور پر کامل ایمان کے اوصاف پر مبنی اللہ پاک کے پیارے حبیب صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے مروی تین روایات پیشِ خدمت ہیں:

پہلی حدیث مبارکہ

فرمانِ مصطفےٰ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم ہے: بندے کا ایمان اس وقت تک کامل نہیں ہو سکتا جب تک شے کی

قِلَّت اس کے ہاں کثرت سے زیادہ محبوب نہ ہو اور جب تک غیر مشہور ہونا اس کے نزدیک مشہور ہونے سے زیادہ پسندیدہ نہ ہو۔[1]

(صاحبِ کتاب حضرت سَیِّدُنا شیخ ابو طالب مکی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں:) یہ دونوں حالتیں سچے زاہد کی ہیں۔ نیز یہ دونوں حالتیں حقیقت تک رسائی پانے کا پہلا زینہ اور رِفعت کی بنیاد ہیں۔

دوسری حدیث مبارکہ

فرمانِ مصطفےٰ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم ہے: (جس میں تین باتیں پائی جائیں اس کا ایمان کامل ہے:)

﴿1﴾ اللہ پاک کے بارے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈرے۔

﴿2﴾ اپنے کسی عمل میں ریاکاری نہ کرے۔

﴿3﴾ جب اس پر دو باتیں پیش کی جائیں جن میں سے ایک کا تعلق دنیا سے اور دوسری کا آخرت سے ہو تو وہ آخرت کی بات کو دنیا کی بات پر ترجیح دے۔[2]

(صاحبِ کتاب حضرت سَیِّدُنا شیخ ابو طالب مکی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں:) یہ اَحْوال اہلِ مَحبّت و اہلِ اخلاص اور اس شخص کے ہیں جو اللہ پاک کے انعام واکرام میں رَغْبت رکھتا ہے۔

تیسری حدیث مبارکہ

فرمانِ مصطفےٰ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم ہے: تم میں سے کسی کا ایمان اس وَقْت تک کامل نہیں ہو سکتا جب تک اس میں تین خصلتیں نہ ہوں:

﴿1﴾ جب وہ غصّے میں ہو تو اس کا غُصّہ اس کو حق سے نہ نکالے۔

﴿2﴾ جب راضی ہو تو اس کی رضا اس کو باطل میں داخل نہ کرے۔

﴿3﴾ جب کسی چیز پر قادر ہو تو اپنے حق سے زائد نہ لے۔[3]

---

[1] ......الزھد للمعافی بن عمران، باب فی خمول الذکر... الخ، ص ۲۱۸، حدیث: ۵۵

[2] ......ابن عساکر، ۳۸/ ۱۳، حدیث: ۷۵۷۷، الرقم: ۴۴۶۴، ابو زرعة عبید اللہ بن عبد الکریم الرازی

[3] ......المعجم الصغیر، ص ۲۱، حدیث: ۱۶۴

(صاحب کتاب حضرت سیِّدُنا شیخ ابو طالب مکی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں:) اس حدیثِ پاک میں بیان کی گئی خصلتیں عدل و فضل اور مراقبہ و زہد کے احوال کی جامع ہیں اور یہی تمام مقامات کی اصل ہیں۔ نیز اس فرمانِ مصطفےٰ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے مشابہ ایک اور روایت بھی ہے جس میں سرکارِ مدینہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم ارشاد فرماتے ہیں: تین باتیں ایسی ہیں کہ جس کو عطا کی گئیں اس کو آلِ داود کی مثل نعمتیں عطا کی گئیں: ﴿1﴾ رضا اور غصے کی حالت میں انصاف کرنا۔ ﴿2﴾ تونگری اور فقر کی حالت میں میانہ روی اختیار کرنا۔ ﴿3﴾ ظاہر و باطن میں اللہ پاک سے ڈرنا۔[1]

مقاماتِ یقین کا باہمی ربط

(صاحب کتاب حضرت سیِّدُنا شیخ ابو طالب مکی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں:) ہم نے ابھی تھوڑی دیر پہلے جو یہ ذکر کیا ہے کہ یہ تمام مقامات ایک دوسرے سے مربوط ہیں اور جسے ان میں سے کوئی ایک مقام عطا کیا جاتا ہے اسے باقی تمام حالوں سے بھی نوازا جاتا ہے۔ اس کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:

پہلا حال: توبہ

یہ سب مقامات (توبہ، صبر، شکر، رجا، خوف، زہد، توکل، رضا اور محبت) اللہ پاک پر ایمان لانے میں شامل ہیں تاکہ بندہ اپنے رب کے ساتھ ساتھ اس کے وعدہ و وعید کی طرف رُجوع کرے جس سے اس کا ایمان ثابت ہو، یقین دُرُست ہو اور اسے توحید میں اِستِقامت ملے۔ جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا

ترجمۂ کنزالایمان: بے شک وہ جنھوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے پھر اس پر قائم رہے۔ (پ ۲۴، حم السجدۃ: ۳۰)

ایک مقام پر اِرشاد فرمایا:

فَاسْتَقِمْ كَمَاۤ اُمِرْتَ وَ مَنْ تَابَ مَعَكَ

ترجمۂ کنزالایمان: تو قائم رہو جیسا تمھیں حکم ہے اور جو تمہارے ساتھ رجوع لایا ہے۔ (پ ۱۲، ھود: ۱۱۲)

---

[1] ......نوادر الاصول، الاصل الثانی والتسعون ۱/ ۳۹۵، حدیث: ۵۱۷

ایک مقام پر ہے:

فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ ۘ وَقَالَ اِنِّیْ مُهَاجِرٌ اِلٰى رَبِّیْ ؕ (پ ۲۰، العنکبوت: ۲۶)

ترجمۂ کنز الایمان: تو لوط اس پر ایمان لایا اور ابراہیم نے کہا میں اپنے رب کی طرف ہجرت کرتا ہوں۔

لہٰذا جب وہ ایمان لائے گا تو اس نے اپنے رب کی طرف رُجوع کیا اور اسے ہی توبہ کہتے ہیں۔

دوسرا حال: زہد

بندہ جب اپنے رب کی طرف رُجوع کرتے ہوئے جن اُمور سے توبہ کرتا ہے اگر ان میں اپنی نفسانی خواہشات سے بے رغبتی کا مُظاہرہ کرے تاکہ اس کی توبہ دُرُست ہو اور نیّت میں خلوص کا اِظہار ہو تو اس کی توبہ سچی توبہ بن جاتی ہے۔ جیسا کہ اِرشَاد ہوتا ہے:

مَا عِنْدَكُمْ یَنْفَدُ وَ مَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ ؕ (پ ۱۴، النحل: ۹۶)

ترجمۂ کنز الایمان: جو تمہارے پاس ہے ہو چکے گا اور جو **اللہ** کے پاس ہے ہمیشہ رہنے والا ہے۔

ایک مقام پر اِرشَاد ہوتا ہے:

وَالْاٰخِرَةُ خَیْرٌ وَّ اَبْقٰى ﴿۱۷﴾ (پ ۳۰، الاعلیٰ: ۱۷)

ترجمۂ کنز الایمان: اور آخرت بہتر اور باقی رہنے والی۔

اور ایک مقام پر ہے:

وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍۭ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُوْدَةٍ ۚ وَكَانُوْا فِیْهِ مِنَ الزّٰهِدِیْنَ ﴿۲۰﴾ (پ ۱۲، یوسف: ۲۰)

ترجمۂ کنز الایمان: اور بھائیوں نے اسے کھوٹے داموں گنتی کے روپوں پر بیچ ڈالا اور انہیں اس میں کچھ رغبت نہ تھی۔

یعنی جب برادرانِ یوسف نے حضرت سَیِّدُنا یوسف عَلَیْهِ السَّلَام کو اپنے قبضے سے نکال کر ان سے اپنا تعلق توڑ لیا اور اپنے والدِ ماجد حضرت سَیِّدُنا یعقوب عَلَیْهِ السَّلَام کی طرف لوٹے تو انہوں نے حضرت سَیِّدُنا یوسف عَلَیْهِ السَّلَام سے بے رغبتی کا اِظہار کیا (اور کسی شے سے بے رغبت ہونا ہی زہد ہے)۔

تیسرا حال: صبر

زہد کے بعد بندہ جس شے سے بے رَغبت ہوتا ہے اس کے مفقود ہونے پر صبر کا دامَن تھام لیتا ہے تاکہ وہ زہد کی حقیقت پر قائم رہے۔ جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

وَ تَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ۬ وَ تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ﴿۳﴾ ترجمۂ کنزالایمان: اور ایک دوسرے کو حق کی تاکید کی اور ایک دوسرے کو صبر کی وَصیّت کی۔ (پ ۳۰، العصر: ۳)

اور ایک مقام پر اِرشَاد ہوتا ہے:

وَ لِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ﴿۷﴾ (پ ۲۹، المدثر: ۷) ترجمۂ کنزالایمان: اور اپنے رب کے لیے صبر کیے رہو۔

چوتھا حال: شکر

اس کے بعد بندہ صبر میں کمال پانے کے لیے اپنے رب کا شکر ادا کرتا ہے کہ اس نے اسے صبر کی دولت سے مالا مال کیا۔ جیسا کہ اِرشَاد ہوتا ہے:

لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ۚ (پ ۱۵، الکہف: ۳۹) ترجمۂ کنزالایمان: ہمیں کچھ زور نہیں مگر **اللہ** کی مدد کا۔

سورۂ نحل میں ہے:

وَ مَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ترجمۂ کنزالایمان: اور تمہارے پاس جو نعمت ہے سب **اللہ** کی طرف سے ہے۔ (پ ۱۴، النحل: ۵۳)

ایک اور مقام پر یوں اِرشَاد ہوتا ہے:

وَ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ (پ ۶، المآئدۃ: ۷) ترجمۂ کنزالایمان: اور یاد کرو **اللہ** کا احسان اپنے اوپر۔

پانچواں حال: رجا

شکر کے بعد بندہ رجا سے وابستہ ہو جاتا ہے تاکہ اس پر **اللہ** پاک اپنے فضل کی زِیادَتی فرمائے اور اسے اس کے حُسنِ ظن کی بنا پر اس کے سوال سے بھی زائد عطا فرمائے۔ جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

وَ يَرْجُوْا رَحْمَةَ رَبِّهٖ ؕ (پ ۲۳، الزمر: ۹) ترجمۂ کنزالایمان: اور اپنے رب کی رحمت کی آس لگائے۔

جو بندہ اس کی رحمت سے مایوس ہوتا ہے اس کی مَذَمَّت بیان کرتے ہوئے اِرشَاد ہوتا ہے:

وَ لَىٕنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنٰهَا مِنْهُ ۚ اِنَّهٗ لَیَـٔوْسٌ كَفُوْرٌ ﴿۹﴾ (پ ۱۲، ھود: ۹) ترجمۂ کنزالایمان: اور اگر ہم آدمی کو اپنی کسی رحمت کا مزہ دیں پھر اسے اس سے چھین لیں ضرور وہ بڑا ناامید ناشکرا ہے۔

چھٹا حال: خوف

اس کے بعد بندہ اس خوف میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ اسے جس بات کے حُصُول کی اُمّید ہے کہیں وہ اس سے محروم ہی نہ رہ جائے اور جن باتوں کا شکر ادا کرنا اس پر ضَروری ہے ان میں کوتاہی نہ ہو جائے۔ تاکہ اس کا اپنی رجا میں رَغْبَت رکھنا ثابت ہو اور تغیر و تبدل سے اس کا ڈر کامل ہو۔ نیز اسے دَرَجات میں اضافے کی کمی کا ڈر بھی لاحق ہو۔ جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّ طَمَعًا ۫ ترجمۂ کنزالایمان: اور اپنے رب کو پکارتے ہیں ڈرتے اور اُمّید کرتے۔ (پ ۲۱، السجدة: ۱۶)

ایک مقام پر **اللہ** پاک نے اپنے اولیائے کرام رَحِمَهُمُ الله کے مُتَعَلِّق اِرشَاد فرمایا:

اِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِیْۤ اَهْلِنَا مُشْفِقِیْنَ ۲۶ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَیْنَا (پ ۲۷، الطور: ۲۶، ۲۷) ترجمۂ کنزالایمان: بے شک ہم اس سے پہلے اپنے گھروں میں سہمے ہوئے تھے تو **اللہ** نے ہم پر احسان کیا۔

یاد رکھئے! **اللہ** پاک نے اس شخص کی مَذمَّت بیان کی ہے جس کی خاطِر کچھ ظاہِر ہو اور وہ اس پر خوش ہو اور فخر کرنے لگے، حالانکہ اسے ایک آزمائش میں مبتلا کیا گیا ہو مگر وہ یہ بھول جائے کہ اسے آزمایا گیا ہے۔ جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

وَ لَىٕنْ اَذَقْنٰهُ نَعْمَآءَ بَعْدَ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَیَقُوْلَنَّ ذَهَبَ السَّیِّاٰتُ عَنِّیْ ؕ اِنَّهٗ لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ ۱۰ۙ (پ ۱۲، هود: ۱۰) ترجمۂ کنزالایمان: اور اگر ہم اسے نعمت کا مزہ دیں اس مصیبت کے بعد جو اسے پہنچی تو ضرور کہے گا کہ برائیاں مجھ سے دور ہوئیں بیشک وہ خوش ہونے والا بڑائی مارنے والا ہے۔

ساتواں حال: توکل

اس کے بعد بندہ جس ہستی سے ڈرتا ہے اسی پر توکل کرتا ہے اور نہ صرف خود کو اس کے حوالے کر دیتا ہے، بلکہ اس کی بارگاہ میں اس طرح اپنا سر جھکا دیتا ہے کہ وہ جو چاہے اس پر اپنا حکم نافذ کرے۔ جیسا کہ اس کا فرمانِ عالیشان ہے:

وَ عَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْۤا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۲۳﴾ (پ ۶، المائدۃ: ۲۳)

ترجمۂ کنزالایمان: اور **اللہ** ہی پر بھروسا کرو اگر تمہیں ایمان ہے۔

ایک مقام پر اِرشَاد ہوتا ہے:

نِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِیْنَ ﴿۵۸﴾ الَّذِیْنَ صَبَرُوْا وَ عَلٰى رَبِّهِمْ یَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۵۹﴾ (پ ۲۱، العنکبوت: ۵۹،۵۸)

ترجمۂ کنزالایمان: کیا ہی اچھا اجر کام والوں کا وہ جنہوں نے صبر کیا اور اپنے رب ہی پر بھروسا رکھتے ہیں۔

آٹھواں حال: رضا

اس کے بندہ اپنے رب سے راضی ہو جاتا ہے کہ جس پر اس نے تَوَکُّل کیا اور جس کی خاطر کیا، کیونکہ وہ اس کی حِکمَتِ بالغہ اور حُسنِ تدبیر سے بخوبی آگاہ ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ اِرشَاد ہوتا ہے:

رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ ؕ (پ ۳۰، البینۃ: ۸)

ترجمۂ کنزالایمان: **اللہ** ان سے راضی اور وہ اس سے راضی۔

ایک مقام پر ہے:

وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ یَّشْرِیْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ؕ (پ ۲، البقرۃ: ۲۰۷)

ترجمۂ کنزالایمان: اور کوئی آدمی اپنی جان بیچتا ہے **اللہ** کی مرضی چاہنے میں۔

نواں حال: محبت

اس کے بعد بندہ **اللہ** پاک سے مَحبَّت کرنے لگتا ہے کہ جس پر اور جس سے راضی ہوا تھا، کیونکہ اب وہ اپنے رب کو اس کے ماسوا پر ترجیح دینے لگتا ہے اور گویا وہی اس کے لیے کافی ہوتا ہے۔

مقاماتِ تسعہ کی ارکانِ خمسہ سے مشابہت

(صاحبِ کتاب حضرت سَیِّدُنا شیخ ابو طالب مکی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں:) اس طرح یہ مقاماتِ تسعہ ایک دوسرے سے مربوط ہو کر گویا ایک ہی مقام بن جاتے ہیں جس کی دلیل قرآنِ کریم کی آیاتِ بینات ہیں اور جو حق الیقین اور نورِ مبین ہے، اس میں باطل کسی اپنے کی نفسانی خواہش سے شامل ہو سکتا ہے نہ کسی دشمن کی کارستانی سے۔ یوں ان مقاماتِ تسعہ کی راہِ طریقت میں خواص کے لیے وہی حیثیت ہے جو راہِ اسلام میں عوام

کے لیے اسلام کے بنیادی ارکانِ خمسہ کی ہے۔ اس لیے کہ وہ بھی ان مقامات کی طرح ایک دوسرے سے مربوط ہوتے ہیں۔

مقامِ محبت وحالِ رضا کا باہمی تعلق

جب بندہ مقامِ مَحبّت کے بعد بقدرِ قوت و طاقت حالِ رضا کی طرف رُجوع کرتا ہے تو مقامِ مَحبّت میں درجہ بدرجہ آگے بڑھتا ہے۔ کیونکہ حالِ رضا سے بالاتر کوئی معروف مقام ہے نہ مقامِ مَحبّت سے بالاتر کوئی معلوم حال۔ یہ رضا اور مَحبّت ہی ہیں جو بندے کو عرفان کی اس دولت سے مالا مال کرنے کا سَبَب بنتے ہیں کہ جس کی انتہا وہ ہستی ہوتی ہے جس کی مَعرِفَت کے حُصُول کے لیے کوشش کی جاتی ہے اور جس کا قرار وہ ذات ہوتی ہے جس کی مَحبّت میں عشاق بیقرار ہوتے ہیں، جیسا کہ اِرشاد ہوتا ہے:

وَ اَنَّ اِلٰى رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى ﴿۴۲﴾ ترجمۂ کنزالایمان: اور یہ کہ بے شک تمہارے رب ہی کی طرف انتہا ہے۔ (پ ۲۷، النجم: ۴۲)

دوسرے مَقام پر اِرشاد ہوتا ہے:

اِلٰى رَبِّكَ یَوْمَىٕذِ ﹰالْمُسْتَقَرُّ ﴿۱۲﴾ ترجمۂ کنزالایمان: اس دن تیرے رب ہی کی طرف جا کر ٹھہرنا ہے۔ (پ ۲۹، القیمۃ: ۱۲)

مقامات کی کوئی انتہا نہیں

درج ذیل باتوں کی کوئی انتہا نہیں:

- مقامِ رضا کی، کیونکہ محبوب تعالیٰ کی کوئی انتہا نہیں، بلکہ جنّت میں اہلِ جنّت کا انعام بھی رضائے خداوندی ہی ہو گی۔
- مَحبّت کی، کیونکہ اس کا تعلّق صِفاتِ باری تعالیٰ سے ہے اور صِفات کی بھی کوئی انتہا نہیں۔
- مُحبّ کی طَلَب کی، کیونکہ یہ قُرب سے پیدا ہوتی ہے اور جب قرب کی انتہا نہیں تو اس کی بھی نہ ہو گی، اس لیے کہ قرب کا تعلّق اللہ پاک کے وصف "قریب" سے ہے جس کی کوئی حد نہیں۔

الغرض اہلِ ایمان مَحبّت میں مقامات پر اسی قدر رِفعَت پاتے ہیں جس قدر حبیب تعالیٰ اپنی صِفات کے

معانی و مفاہیم کے ساتھ ان پر تجلّی فرماتا ہے۔ اسی طرح اہلِ رضا کے درجاتِ رضا بھی اسی قدر رِفعت پاتے ہیں جس قدر انہیں عُلُوِّ مُشاہدہ نصیب ہوتا ہے۔ نیز اہلِ علیین بھی بلندی میں اسی قدر ترقی پاتے ہیں جس قدر انہیں ایمان کی قوت اور خالص یقین حاصل ہوتا ہے۔ جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

وَ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۹﴾ (پ ۴، اٰل عمران: ۱۳۹) ترجمۂ کنز الایمان: تمہیں غالب آؤ گے اگر ایمان رکھتے ہو۔

یہاں اہلِ ایمان کو اللہ پاک نے اپنے اوصافِ رُبُوبِیّت میں سے عُلُوّ (شان و شوکت) سے سرفراز فرمایا، پھر ایک مقام پر ان کے اوصاف کے پیشِ نظر ان کا حِصّہ یوں بیان کیا:

كَلَّاۤ اِنَّ كِتٰبَ الْاَبْرَارِ لَفِيْ عِلِّيِّيْنَ ﴿۱۸﴾ وَ مَاۤ اَدْرٰىكَ مَا عِلِّيُّوْنَ ﴿۱۹﴾ (پ ۳۰، المطففین: ۱۸، ۱۹) ترجمۂ کنز الایمان: ہاں ہاں بے شک نیکوں کی لکھت سب سے اونچے محل عِلِّیِّین میں ہے اور تو کیا جانے عِلِّیِّین کیسی ہے۔

مقامِ علیون کے بلند مرتبہ ہونے کی کوئی حد نہیں، کیونکہ یہ وصف میں اسمائے مبالغہ سے ہے، جبکہ ایک قول کے مُطابِق یہ لفظ اسم جنس ہے جس کا واحد نہیں۔ پس اللہ پاک کا وصف **اَلْعَلِیُّ** (بلند مرتبہ) ہونا ان کے علو میں شامل ہے اور وہ دار الابد (یعنی جنّت) میں ہمیشہ ان کے علو کے علو میں رِفعت پاتا رہے گا۔ چنانچہ ان کا بلند مرتبہ ہونا اس لیے ہے کہ سب سے بلند مرتبہ ذات ان کے ساتھ ہے، لہٰذا یہ بھی اس کی وجہ سے بلند مرتبے والے ہو جائیں گے اور اس طرح مقامِ علیون کے درجات میں اضافہ ان کی وجہ سے ہوتا رہے گا اور یہ سب کچھ اس وجہ سے ہو گا کہ اعلیٰ و برتر ذات کا ساتھ انہیں حاصل ہو گا۔ جیسا کہ اس کا فرمان ہے:

وَ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ ۖۗ وَ اللّٰهُ مَعَكُمْ (پ ۲۶، محمد: ۳۵) ترجمۂ کنز الایمان: اور تم ہی غالب آؤ گے اور اللہ تمہارے ساتھ ہے۔

مقامِ خُلّت کیا ہے؟

وہ اِبتدائی رَضا جو مَحبّت سے پہلے حاصل ہوتی ہے وہ مقامِ توکُّل پر فائز ہونے کے بعد نصیب ہوتی ہے، اس وَقت محب کا حال مَحبُوب ہوتا ہے، مگر وہ دوسری رَضا جو مَحبّت کے بعد حاصل ہوتی ہے وہ مقامِ مَعرِفت پر فائز ہونے کے بعد نصیب ہوتی ہے، اس وَقت مَحبُوب کا حال توکُّل ہوتا ہے۔ مَحبّت اگرچہ تمام مقامات

سے اَشرف ہے مگر **مقامِ خُلّت** اس سے بھی بڑا مقام ہے۔ یہ حقیقت میں مَعرِفت کا ایک خاص مقام ہے جس میں (قلب پر) اَسرارِ غیب لگاتار وارِد ہوتے ہیں اور بندہ مُشاہدۂ محبوب سے اس طرح سرفراز ہوتا ہے کہ اسے اپنے رب کی مَشِیَّت کے ذریعے عِلمِ باری تعالیٰ میں سے کچھ عطا کیا جاتا ہے جس کا اِنحصار اس کے رب کی نہ بدلنے والی مَشِیَّت اور اس کے غَیر مُتَغَیَّر عِلمِ قدیم پر ہے۔

مقامِ خُلّت پر فائز بندے کی کیفیت

اس مقام پر بندے کی نِگاہیں جہاں غیبی سمندروں، ماضی میں وُقُوع پذیر ہونے والے رازوں اور آئندہ پیش آمدہ عَواقِب کو دیکھ لیتی ہیں، وہیں بندہ اپنے حال کے مُکاشَفَہ کے ساتھ ساتھ مَحبَّت میں اپنے مقام کا مُشاہدہ بھی کرلیتا ہے، نیز وہ دیگر بندوں کے اَنجام اور اَبد میں ان کے ایک حال سے دوسرے حال میں ہونے والے تغیر سے بھی بخوبی آگاہ ہو جاتا ہے۔

مقامِ خُلّت پر فائز چند بزرگانِ دین کے نام

حضرت سَیِّدُنا بایزید بسطامی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ اور حضرت سَیِّدُنا ابو محمد سَہل تُستَری رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ نے خود بیان کیا کہ وہ اس مقام پر فائز ہوئے اور انہوں نے اپنے حال کی چند باتیں بھی بیان کیں۔ حضرت سَیِّدُنا شقیق اور حضرت سَیِّدُنا ابراہیم بن اَدْہَم رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ بھی ان مَعانی و مَفاہیم سے آگاہ تھے۔ مگر جب حضرت سَیِّدُنا ابو الفیض کو اس راہ پر چلایا گیا تو ان سے ایسی حیرت انگیز باتوں کا ظُہور ہوا کہ نظریں اور فکریں دنگ رہ گئیں۔

مقامِ خُلّت کا حصول کیسے ممکن ہے؟

یہ سب باتیں عُقُول کی وجہ سے قلبی تَخَیُّلات سے حِجاب میں اور رُوحانی ہونے کی وجہ سے پردۂ غیب میں پوشیدہ ہیں۔ چنانچہ نَفْس (اپنی خواہشات سمیت) جب رُوح (کے غلبہ) سے خَتْم ہوتا ہے تو بندہ رُوحانی بن جاتا ہے، جیسا کہ جب ظُہورِ دِن سے (تکلیف دہ) رات خَتْم ہوتی ہے تو کَرْب میں مُبْتَلا مریض سُکھ کا سانس لیتا ہے۔ اسی طرح جب عَقْل دِل سے اپنا ناطہ توڑ لیتی ہے تو وہ رَبّانی ہو جاتا ہے اور ہر قِسْم کے دُکھ درد سے نجات پا جاتا ہے۔ جیسا کہ کسی عارِف نے کیا خوب کہا ہے:

بِحَيَاتِيْ يَا حَيَاتِيْ لَا تُبْعِدْ قُرُبَاتِيْ

اَخْرِجِ النَّفْسَ مِنَ الرُّوْ حِ وَرَوِّحْ كُرُبَاتِيْ

ترجمہ: اے میری زندگی! تجھے تیری قسم! میری قُربات کو مجھ سے دور نہ کر، بلکہ میرے نَفْس کو رُوح سے جُدا کر دے اور غموں سے مجھے راحت دیدے۔

فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖۤ اِلَّا بِمَا شَآءَ ۚ (پ۳، البقرۃ: ۲۵۵)

ترجمۂ کنز الایمان: اور وہ نہیں پاتے اس کے عِلْم میں سے مگر جتنا وہ چاہے۔

یہاں اس آیتِ مُبارَکہ میں جس عِلْم کو مُسْتَثْنٰی قرار دیا گیا ہے اس سے مُراد یہ ہے اگر **اللہ** پاک چاہے تو بندے کو اپنی ذات و صِفات کے اَنْوار و تَجَلِّیات سے مُنَوَّر عِلْم کا مُشاہَدہ عطا فرماتا ہے۔ یہ عِلْم (در حقیقت) توحید کا سربستہ راز ہے جو صِرف یقین کی آنکھ سے مُنْکَشِف ہوتا ہے اور ہم پر بھی یہ اسی صُورت میں ظاہِر ہوتا ہے جب کوئی ایسا عارِفِ رَبّانی ہم پر اسے ظاہر کرتا ہے جس پر اس راز کی حقیقت نہ صِرف مُنْکَشِف ہوتی ہے بلکہ وہ اس سے بخوبی آگاہ بھی ہوتا ہے۔ چنانچہ اس وَقْت نَظَر سے نَظَر ٹکراتی ہے اور مِشْکٰوۃِ قَلْب کے جوہَر میں روشن سِتارہ ٹِم ٹِمانے لگتا ہے۔

شیخ ابو الحسن بن سالم کا مقام

(صاحِبِ کتاب حضرت سَیِّدُنا شیخ ابو طالب مکّی رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ اپنے مُرشِدِ کامل کے مُتَعَلِّق فرماتے ہیں:) حضرت سَیِّدُنا شیخ ابو الحسن بن سالِم رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ کو اس راہ سے کئی مُشاہَدات و مُطالَعات اور غیبی سِیاحتیں حاصِل ہوئیں، ان کے سامنے دُنیاوِی اَشیا کی حقیقت بدَل جاتی اور وہ اپنی حقیقت کے مُطابِق ان پر ظاہِر ہوتیں، ان کے لیے زمین کو سمیٹ دیا جاتا (اور وہ ایک قدم میں کثیر مَسافت طے کر لیتے)، انہوں نے **اللہ** پاک کے ایک ہزار اَوْلیائے کِرام کی زِیارَت کی اور ہر ایک سے عِلْم حاصِل کیا۔

مقامِ خُلّت کا ناپید ہونا

حضرت سَیِّدُنا شیخ ابو الحسن بن سالِم رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ کے جہانِ فانی سے کوچ فرما جانے کے بعد گویا یہ طریق

ہی خَتم ہو گیا ہے اور اس کے اثرات و نشاناتِ منزل بھی مٹ کر ختم ہو گئے ہیں۔ اب **اللہ** پاک ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ اس طریق اور اہلِ طریق کے ساتھ کیا کرنے والا ہے۔ کیا وہ اس طریق کے لیے کسی اہل کو پیدا کرے گا اور اس کے لیے اس طریق کی رموز ظاہر فرمائے گا؟ یا وہ اس طریق کی بساط لپیٹ دے گا اور اپنے علم ازلی میں اس طریق اور اہلِ طریق کو مخفی و پوشیدہ کر دے گا؟

(صاحبِ کتاب حضرت سیِّدُنا شیخ ابُو طالب مکّی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں:) ہم اس بارے میں وہی بات کہیں گے جو امام الائمہ، امیر المومنین حضرت سیِّدُنا علی المرتضیٰ رَضِیَ اللہُ عَنْہ نے فرمائی تھی۔ چنانچہ انہوں نے ایک بار خطبہ دیتے ہوئے قِیامِ قیامت اور اہلِ جنّت و جہنّم کے جنّت و جہنّم میں داخِل ہونے کا ذکر کرنے کے بعد اِرشَاد فرمایا: اس کے بعد **اللہ** پاک ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ دنیا کے ساتھ کیا کرنے والا ہے؟ یہ اس کا سربستہ راز ہے جو جاننے والوں کے پاس اس کی امانت ہے۔

مقامِ نبوت و خُلَّت میں فرق

- مقامِ نبوت کے سوا مقامِ خُلَّت سے بالاتر کوئی مقام نہیں۔
- مقامِ نبوت ہر طرح کے دلوں سے پوشیدہ ہے مگر مقامِ خلت عام لوگوں کے دلوں سے پوشیدہ ہے۔
- مقامِ نبوت کسی سے فوت نہیں ہوا کہ اس کا عطا کرنے والا **اللہ** پاک ہے اور نہ کوئی اس (کے نہ ملنے) پر غم زدہ ہوا ہے کیونکہ کوئی اسے (اپنی عبادت و ریاضت کے ذریعے) حاصِل نہیں کر سکتا، مگر مقامِ خُلَّت پر صِرف وہی فائز ہوتا ہے جو ہر حال میں مقامِ محبوب پر فائز ہو۔

مقامِ خُلَّت کی پہچان

(صاحبِ کتاب حضرت سیِّدُنا شیخ ابُو طالب مکّی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں:) میں نے عُلَمائے باطن اور عارفین رَحِمَہُمُ اللہ میں سے کسی سے مقامِ خلت کے مُتَعَلِّق کوئی بات سنی نہ قرآنِ مجید میں اَوصافِ محبوب کا کچھ تذکرہ دیکھا اور نہ کوئی اشارہ۔ البتہ! روایات و آثار میں اس حوالے سے کچھ اشارات ضرور ملتے ہیں۔

میں بس اتنا جانتا ہوں کہ مقامِ خلت کے مُتَعَلِّق کلام قرآنِ مجید میں ضرور ہے مگر یہ مخفی ہے اور قرآن کے اسلوبِ بیان میں پوشیدہ ہے۔ نیز یہ کلام دلوں اور آنکھوں سے اس کی قدرت کے حجاب میں قرآنی

آیاتِ مُبارکہ کے اندر چھپا ہوا ہے جو صرف اس کی بارگاہ میں جبینِ ناز کو جھکانے والوں پر ہی منکشف ہوتا اور رازداں عارِفین پر ہی ظاہر ہوتا ہے۔ جیسا کہ اس کا فرمانِ عالیشان ہے:

اَلَّا یَسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِیْ یُخْرِجُ الْخَبْءَ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ (پ۱۹، النمل: ۲۵)

ترجمۂ کنزالایمان: کیوں نہیں سجدہ کرتے **اللہ** کو جو نکالتا ہے آسمانوں اور زمین کی چھپی چیزیں۔

اور ایک مقام پر اِرشاد ہوتا ہے:

قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِیْ یَعْلَمُ السِّرَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِؕ (پ۱۸، الفرقان: ۶)

ترجمۂ کنزالایمان: تم فرماؤ اُسے تو اُس نے اُتارا ہے جو آسمانوں اور زمین کی ہر چھپی بات جانتا ہے۔

مقامِ خُلّت کی علامت

حضرت سَیِّدُنا حسن رَحْمَةُ اللهِ عَلَیْه سے مقامِ خُلّت کے بارے میں چند روایات مروی ہیں۔ چنانچہ ان میں سے ایک روایت میں ہے کہ **اللہ** پاک نے اپنے ایک ولی کو الہام فرمایا کہ میں اسی کو اپنا خلیل بناتا ہوں جو میرے ذکر سے غافل ہو نہ میرے سوا کسی کی طرف متوجہ ہو اور نہ میری مخلوق میں سے کسی کو مجھ پر ترجیح دے، اگر اسے آگ میں جلایا جائے تو آگ کی جلن سے تکلیف نہ پائے اور اگر آروں سے چیرا جائے تو درد محسوس نہ کرے۔

مقامِ خُلّت کرمِ خداوندی کی علامت ہے

سرکارِ مدینہ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم جو **اللہ** پاک کے پیارے حبیب بھی ہیں اور خلیل بھی، سے مروی ہے: **اللہ** پاک کی خاطر ایک دوسرے سے مَحبّت رکھو، باہمی مَحبّت میں خلوص کا مُظاہرہ کرو، ایک دوسرے پر خرچ کرو اور اس کی خاطر ایک دوسرے سے میل جول کو بڑھاؤ۔ کیا یہ **اللہ** پاک کا کرم نہیں ہے کہ اس نے اپنے بندوں میں سے ایک بندے کو اپنا خلیل بنایا ہے۔[1]

شرحِ حدیث

اس حدیثِ پاک میں سرکارِ مدینہ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم نے ہمیں یہ بات بتائی ہے کہ **اللہ** پاک کی طرف

[1] ......نوادر الاصول، الاصل التاسع والستون والمائتان، ۲/ ۱۱۶۰، حدیث: ۱۴۵۹ مختصراً

سے اس کے اولیائے کرام کو مقامِ خلت پر فائز فرمانا اس کے بے حد فضل و کرم کی علامت ہے، یعنی اس نے انہیں اپنے کرم سے نوازا اور اپنے فضل سے اس مقام کا اہل بنا کر اس مقام کی وجہ سے عَظَمَت بخشی۔ بے شک اللہ پاک ہی وسیع کرم والا اور صاحبِ فضل عظیم ہے۔ جب وہ کسی بندے کو رِفعَت عطا فرماتا ہے تو بندہ حد سے زیادہ تجاوز کر جاتا ہے اور جب وہ کسی کو نیچے گراتا ہے تو وہ حد سے زیادہ نیچے گر جاتا ہے۔

مقامِ خُلّت کی شرح بزبانِ جنید بغدادی

حضرت سَیِّدُنا جنید بغدادی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ سے جب اس مقام کی اہلیت رکھنے والوں کے مُتَعَلِّق پوچھا گیا تو آپ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ نے اِرشَاد فرمایا: یہ مقام مَحبَّت کی انتہا اور اس قدر رفیع الشان ہے کہ جہاں عقلیں ششدر اور نفوس خود فراموشی کی کیفیت میں ہوتے ہیں۔ نیز یہ مَعْرِفَتِ باری تعالیٰ کا سب سے اعلیٰ علم ہے۔ مزید اِرشَاد فرمایا: اس مقام پر بندہ جان لیتا ہے کہ اللہ پاک اس سے مَحبَّت فرماتا ہے، لہٰذا بندہ اس وَقْت بارگاہِ خداوندی میں عرض کرتا ہے: اے میرے پروردگار! اس حق کے صدقے جو میرا تجھ پر ہے اور اس جاہ و مرتبہ کا واسطہ جو میرا تیرے نزدیک ہے اور اس مَحبَّت کے واسطہ جو تجھے مجھ سے ہے۔

حضرت سَیِّدُنا جنید بغدادی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں: یہی حضرات بارگاہِ خداوندی میں ناز کا مُظاہرہ کرنے اور اللہ پاک سے اُنس پانے والے ہیں۔ یہی نفوسِ قدسیہ اللہ پاک کے خاص مقربین ہیں۔ اللہ پاک کی ہیبت ان سے اٹھا دی جاتی ہے اور ان کے اور ان کے رب کے درمیان کوئی خوف باقی نہیں رہتا۔ اس حال میں (بسا اوقات) یہ لوگ ایسی باتیں کر جاتے ہیں کہ عام لوگ انہیں کفر جانتے ہیں۔ اس لیے کہ یہ بخوبی جانتے ہیں کہ اللہ پاک ان سے مَحبَّت کرتا ہے اور یہ اس کے ہاں جاہ و مرتبہ والے ہیں۔ پھر آپ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ نے کسی عالم ربانی کے حوالے سے ارشاد فرمایا کہ بارگاہِ خداوندی میں اُنس رکھنے والے حضرات کی مَعْرِفَت کا کوئی ذریعہ نہیں۔

جنید بغدادی کی مثل کلام

یہ کلام حضرت سَیِّدُنا جنید بغدادی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ کا ہے اور اسی مفہوم پر دلالت کرنے والی باتیں حضرت سَیِّدُنا خاقانی مقری رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ نے بھی مجھ سے فرمائیں۔ اگر ہم نے حضرت سَیِّدُنا جنید بغدادی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ کا کلام ذکر کرنا نہ ہوتا تو ہم اہلِ عقل کے خوف سے ان لوگوں کے حال کی شرح بھی بیان نہ کرتے۔ جیسا کہ مکّی

کا قول ہے:

وَ اَنْ اَشْرَحَ ثَنَاءَكَ غَيْرَ اَنِّيْ اُجِلُّكَ عَنْ كِتَابٍ فِيْ كِتَابٍ

ترجمہ: اور یہ کہ میں تیری ثنا کی تشریح نہیں کر رہا بلکہ میں تو تیری عَظَمت کو ایک کتاب سے دوسری میں نقل کر رہا ہوں۔

میرے ایک شیخ حضرت سَیِّدُنا شیخ ابو بکر بن جلا رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ نے میرے دوسرے شیخ حضرت سَیِّدُنا ابو الحسن بن سالم رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ کو ایک مکتوب لکھا، جس میں انہوں نے اسرارِ مَعْرِفَت کے مفہوم پر دلالت کرنے والے چند مسائل دریافت فرمائے۔ ایک عینی شاہد نے مجھے بتایا کہ حضرت سَیِّدُنا شیخ ابو الحسن بن سالم رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ نے یہ پڑھ کر مکتوب کو ایک طرف پھینک دیا اور اِرشَاد فرمایا: ان مسائل کا پوچھنے والا خود کہاں ہے؟ جب عرض کی گئی کہ وہ تو مکہ مکرمہ میں ہیں تو اِرشَاد فرمایا: میں ایسی باتیں تحریر میں نہیں بتایا کرتا، ان سے کہیے کہ اگر وہ یہ سب جاننا چاہتے ہیں تو یہاں آجائیں۔

مقامِ خُلَّت کے بارے میں صاحب کتاب کا نظریہ

حضرت سَیِّدُنا شیخ ابو بکر بن جلا رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ نے بھی مجھ سے اس حوالے سے یہی اِرشَاد فرمایا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ مَقامِ خُلَّت کو ہم نے بھی مخفی رکھا اور اس کی عَظَمت کو تسلیم کیا۔ یہ مقام بندے کو کسی اور مَقام پر فائز ہوئے بغیر نہیں دیا جاتا، مثلاً اس کا سب سے پہلا مقام وہ خاص مَعْرِفَت ہے جس کا ادراک باطنی اوصاف کے کشف سے ہوتا ہے۔ اس کے بعد اس پر وہ خاص مَحَبَّت داخل ہوتی ہے جو مقامِ محبوب بھی ہے۔ پھر جا کر بندہ مقامِ مَحَبَّت سے مَقامِ خُلَّت پر ترقی پاتا ہے، یعنی بالائے عرش کے اَسرارِ غیوب اور حجاباتِ قدس وغیرہ سے آگاہ ہو جاتا ہے۔ حالانکہ اس ضمن میں حقیقت وہی ہے جو ہم نے ذکر کی ہے کہ **اللہ** پاک مقامِ عارِف پر کئی مقاماتِ مَعْرِفَت سے نوازتا ہے مگر مقامِ محبوب عطا نہیں فرماتا۔ بلکہ بسا اوقات مقامِ محب پر مَحَبَّت کے کئی مقامات تو عطا فرماتا ہے مگر خلیل عارِف کے سوا کسی اور کو مَقامِ خُلَّت عطا نہیں فرماتا۔ البتہ! جب مقامِ مَعْرِفَت کے ساتھ مقامِ مَحَبَّت بھی جمع ہو جائے تو **اللہ** پاک بندے کو ہمارا بیان کردہ مَقامِ خُلَّت بھی عطا فرما دیتا ہے۔ یاد رکھئے! یہ کائنات میں ظاہر ہونے والے مخفی خزانوں میں سب سے زیادہ قیمتی خزانہ ہے۔

سرکارِ مدینہ کا مقامِ خُلّت

مروی ہے کہ **اللہ** پاک کے پیارے حبیب صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے جہانِ فانی سے پردہ فرمانے سے تین دن قبل ایک خطبہ میں اِرشاد فرمایا: **اللہ** پاک نے تمہارے صاحب کو اپنا خلیل بنایا ہے[1] جیسا کہ اس نے حضرت ابراہیم (عَلَیْہِ السَّلَام) کو اپنا خلیل بنایا۔[2]

الغرض **اللہ** پاک کے محبوب صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کو مقامِ محبوب سے مقامِ خلیل کے مرتبہ تک رِفعت عطا کی گئی جیسا کہ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کو محب کے مقام سے محبوب کے حال میں منتقل کیا گیا اور جیسا کہ مقامِ مصطفےٰ پر فائز فرما کر مقامِ مَحبّت کا اضافہ فرما دیا گیا۔ چنانچہ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اس پہلے مقام کے مُتعلّق اِرشاد فرمایا: **اللہ** پاک نے حضرت موسیٰ (عَلَیْہِ السَّلَام) کو صفی اور مجھے حبیب بنایا۔[3]

درجاتِ سرکار میں بتدریج اضافے پر ایک نظر

(صاحبِ کتاب حضرت سیِّدُنا شیخ ابو طالب مکی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں:) سب سے **پہلی عطا** آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

---

1 ....مشہور مُفَسِّر، حکیم الاُمَّت مفتی احمد یار خان رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ اس حدیث پاک کی شرح میں فرماتے ہیں: **صاحبکم** سے مراد خود حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی ذات گرامی ہے، یعنی **اللہ** نے مجھے اپنا خلیل اپنا دوست بنالیا ہے تو میں نے بھی اس کو اپنا خلیل بنالیا اس کے سوا کوئی نہیں بنایا۔ خیال رہے کہ حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ہر مومن کے صاحب یعنی ساتھ رہنے والے ہیں، رب فرماتا ہے: **وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُوْنٍ** (پ۳۰، التکویر: ۲۲) اور فرماتا ہے: **مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى** (پ۲۷، النجم: ۲) کیونکہ حضور انور ہر مومن کے دل میں، ایمان میں، جان میں، سفر میں، قبر میں، حشر میں ساتھ رہتے ہیں، حضور ہر مومن کے ہر وقت ہر جگہ کے ساتھی ہیں جیسے جان جسم کی ساتھی، خیال رہے کہ حضرت ابراہیم بھی **خلیل اللہ** ہیں اور حضور انور بھی، مگر ان دونوں خلتوں میں فرق ہے۔ خلت محمدی اعلیٰ و اکمل ہے خلت ابراہیمی سے، جناب ابراہیم **اللہ** کے ایسے خلیل ہیں کہ جو رب کہتا ہے وہ آپ کرتے ہیں مگر حضور **اللہ** کے ایسے خلیل کہ جو آپ کہتے ہیں وہ رب کرتا ہے، دیکھو فرماتا ہے: **فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا** (پ۲، البقرۃ: ۱۴۴) اور فرماتا ہے **فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ** (پ۳، ال عمرٰن: ۳۱) اسی لیے حضور کا لقب ہے **حبیب اللہ** جو حضور انور کا ہو جاوے وہ بھی **اللہ** کا دوست ہو جاتا ہے: مسجد کی چٹائی، لوٹا وغیرہ سب مسجد کی طرح **اللہ** کی ہو جاتی ہیں یعنی وقف۔ (مراٰۃ المناجیح، ۸/ ۳۴۸)

2 ....مسلم، کتاب المساجد ومواضع الصلاۃ، باب النھی عن بناء المساجد... الخ، ص ۲۷۰، حدیث: ۵۳۲

3 ....دارمی، المقدمۃ، باب ما اعطی النبی من الفضل، ۱/ ۴۲، حدیث: ۵۴

کو یہ ہوئی کہ خواہشِ نفس سے چھٹکارا ملا۔

☜ پھر اس طہارت و پاکیزگی کے بعد محبت کا تاج سر پر سجایا گیا۔

☜ پھر اس محبت سے بھی بالاتر مقامِ محبوب سے مُتَّصِف کیا گیا۔

☜ پھر بلندی کی قوت عطا کرنے کے بعد اس بلندی سے نواز بھی دیا گیا اور آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے (شبِ معراج) اپنے رب تعالیٰ کی بارگاہ کا قصد کیا اور آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم اپنے رب کے دیدار سے فیض یاب ہونے کے لیے قریب ہوئے تو اللہ پاک نے بھی اس قرب میں اضافہ فرمایا، یہاں تک کہ آپ اس قدر قریب ہو گئے کہ دو ہاتھ یا اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا[1] اور حالت یہ تھی کہ ہر طرح کے وسیلے پیچھے رہ گئے اور آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم اپنے رب کی بارگاہ میں بلاوسیلہ وواسطہ موجود رہے۔

وَكَانَ مَا كَانَ مِمَّا لَسْتُ اَذْكُرُهٗ　　فَظُنَّ خَيْرًا وَلَا تَسْاَلْ عَنِ الْخَبَرِ

ترجمہ: وہی ہوا جو ہونا تھا، میں اس کا ذکر نہیں کرتا یقین رکھ اچھا ہی ہوا ہوگا، البتہ تم حقیقت مت پوچھنا۔

اس لیے کہ بعض علوم ایسے ہیں جن کے مُتَعَلِّق سوال کرنا مناسب وزیبا نہیں ہوتا جب تک کہ کوئی اہلِ علم خود اسے بیان نہ کرے۔ لہٰذا یہ واقعہ معراج بھی اسی قسم سے ہے اور صاحبِ معراج صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم اسے اسی قدر بیان فرماتے جس قدر اللہ پاک نے اسے ظاہر فرمایا اور آپ اس مقام سے واپس پلٹ آئے جہاں سے اللہ پاک نے واپس لوٹایا۔ حالانکہ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم اللہ پاک کے خلیل تھے جیسا کہ آپ اس کے قریب تھے۔ یوں خُلَّت مقامِ محبوب بن گیا جو کہ انعام واکرام کی انتہا ہے، جیسا کہ مقامِ محب پر مقامِ محبوب کی زیادتی فرمائی گئی اور جیسا کہ نفسانی آلائشوں سے پاکیزگی وطہارت کے بعد آپ کو مقامِ محبت پر فائز فرمایا گیا۔

امتیوں کی رفعت

(صاحبِ کتاب فرماتے ہیں:) اے (حقیقت کے کانوں سے) سننے اور (چشمِ بصیرت سے) دیکھنے والے انسان! قلبی

---

[1] ...... یہ واقعہ قرآنِ کریم کے 27ویں پارے کی سورہ نجم میں کچھ یوں مذکور ہے: ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ۙ﴿۸﴾ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ۚ﴿۹﴾ فَاَوْحٰۤى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى ؕ﴿۱۰﴾ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ﴿۱۱﴾ اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى ﴿۱۲﴾ ترجمۂ کنز الایمان: پھر وہ جلوہ نزدیک ہوا پھر خوب اتر آیا تو اس جلوے اور اس محبوب میں دو ہاتھ کا فاصلہ رہا بلکہ اس سے بھی کم، اب وحی فرمائی اپنے بندے کو جو وحی فرمائی دل نے جھوٹ نہ کہا جو دیکھا تو کیا تم ان سے ان کے دیکھے ہوئے پر جھگڑتے ہو۔

طہارت وپاکیزگی کے بعد تجھے بھی اللہ پاک کی طرف سے تیرے نصیب کے مُطابق مُشاہدہ، وجدان اور تزکیۂ نفس کی دولت مل سکتی ہے کہ اس کا نبیوں کو کثیر انعامات سے نوازنا تجھے قلیل نعمتوں سے نوازنے کو مانع نہیں، کیونکہ اللہ پاک نے تو اپنے اور اپنے رسولِ کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے اطاعت شعاروں کو نبیوں اور صدیقوں کے مقام تک رِفعت عطا فرمائی ہے اور یہ صدیقین حضرت سَیِّدُنا عیسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام کے نزول تک باقی رہیں گے، انہیں ابدال بھی کہتے ہیں، ان کی کل تعداد پوری دنیا میں 300 یا اللہ پاک کی مشیَّت کے مُطابِق ہے۔

مختلف اولیائے کرام کے ایمان کا وزن

اللہ و رسول کے ان فرمانبرداروں میں سے بعض شہدا ہیں اور بعض صالحین۔ بہر حال ان کے کل تین طبقات ہیں اور سب کے سب مقربین سابقین ہیں۔ ان میں سے ایک صدیق کا ایمان تمام شہدا کے ایمان کے برابر، جبکہ ایک شہید کا ایمان کل صالحین کے ایمان کے برابر اور ایک صالح کا ایمان ایک ہزار عام مسلمانوں کے ایمان کے برابر ہے۔

مقامِ خُلَّت کی انفرادیت

(صاحبِ کتاب فرماتے ہیں:) مقامِ خُلَّت میں خلیل کے علاوہ کوئی اور اس کے خلیل کے ساتھ شریک نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ یہ ایسا حال ہے جو ذاتِ واحد و یکتا کے لیے ہر اِک سے جدا ہو کر تنہا و اکیلا ہونے کا تقاضا کرتا ہے۔ اگر اس مقام کی کوئی نظیر و مثال ممکن ہوتی اور کسی کو صاحبِ مقام کا وزیر بنانا ممکن ہوتا تو اس اُمّت میں سب سے زیادہ اس بات کے حق دار امیر المومنین حضرت سَیِّدُنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللہُ عَنْہ تھے۔

مقامِ صدیقِ اکبر

اللہ پاک نے امیر المؤمنین حضرت سَیِّدُنا صدیقِ اکبر رَضِیَ اللہُ عَنْہ کو تین ایسی نعمتوں سے نوازا جن سے کسی اور کو نہ نوازا۔ چنانچہ،

پہلی نعمت

مروی ہے کہ رسولِ پاک صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے انہیں مخاطب کر کے اِرشاد فرمایا: (اے ابو بکر!) بے شک

اللہ پاک نے تجھے مجھ پر ایمان لانے والے میری امت کے تمام افراد کی مثل ایمان عطا کیا اور مجھے کل اولادِ آدم میں سے ایمان لانے والوں کی مثل ایمان عطا کیا۔[1]

دوسری نعمت

ایک روایت میں ہے کہ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اِرشَاد فرمایا: **اللہ** پاک کے 300 خُلُق ہیں، جو شخص عقیدۂ توحید کے ساتھ ساتھ ان میں سے کسی ایک خُلُق کے ساتھ بھی **اللہ** پاک سے ملے گا جنّت میں جائے گا۔[2] حضرت سَیِّدُنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللہُ عَنْہ نے عرض کی: **یارسول اللہ** صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! کیا اُن میں سے کوئی خُلُق مجھ میں بھی ہے؟ اِرشَاد فرمایا: اے ابو بکر! تم میں وہ تمام خُلُق موجود ہیں اور ان میں **اللہ** پاک کے ہاں سب سے زیادہ محبوب سخاوت ہے۔[3]

تیسری نعمت

سرورِ کائنات صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا فرمانِ عالیشان ہے: میں نے آسمان سے لٹکا ہوا ایک ترازو دیکھا۔ اس کے ایک پلڑے میں مجھے اور دوسرے میں میری اُمت کو رکھا گیا تو میرا پلڑا بھاری ہو گیا اور پھر ابو بکر کو ایک پلڑے میں اور میری اُمت کو دوسرے پلڑے رکھا گیا تو ابو بکر کا پلڑا بھاری ہو گیا۔[4]

اولیائے کرام کے مختلف درجات

(صاحبِ کتاب فرماتے ہیں:) امیر المؤمنین حضرت سَیِّدُنا صدیق اکبر رَضِیَ اللہُ عَنْہ اور رسولِ کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے درمیان صِرف درجۂ نبوت کا فرق ہے۔ اس وقت کا قطب جو کہ تین اَثافی (گروہ)، سات اوتاد اور 40 یا 70 سے لے کر 300 تک ابدالوں کا امام ہے، سب اس کے میزان میں ہیں اور ان سب کے ایمان کا مجموعہ اس قطب کے ایمان کے برابر ہے۔ جبکہ یہ قطب بذاتِ خود امیر المؤمنین حضرت سَیِّدُنا صدیقِ اکبر

[1] ......المجالسة وجواهر العلم، الجزء السادس والعشرون، ۲۸۸/۳، حدیث: ۳۶۵۵

[2] ......المعجم الاوسط، ۳۰۷/۱، حدیث: ۱۰۹۳

[3] ......المحاسن والمساوئ لابراهیم البیهقی، محاسن ابی بکر، ص ۳۳

[4] ......مسند احمد، حدیث ابی امامة الباهلی، ۲۸۹/۸، حدیث: ۲۲۲۹۵ بتغیر قلیل

رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہ کا بدل ہے اور اس کے بعد تینوں اَثافی باقی تینوں خلفائے راشدین کے ابدال ہیں۔ سات او تاد سات سے دس تک کے ابدال، پھر 313 اَبدال اَنصار و مُہاجرین میں سے اَصحابِ بدر کے اَبدال ہیں۔

امیر المؤمنین حضرت سَیِّدُنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہ کی اس قدر فضیلت کے باوجود **اللہ** پاک کے حبیب صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے انہیں مقامِ خُلَّت میں شریک نہ فرمایا جیسا کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے انہیں مقامِ اُخُوَّت میں شریک کر لیا تھا، حالانکہ اس مقام میں آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے امیر المؤمنین حضرت سَیِّدُنا علی المرتضٰی رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہ کو بھی شامل فرمایا تھا۔ چنانچہ مروی ہے کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: علی میرے لیے ایسے ہی ہیں جیسے حضرت موسیٰ کے لیے حضرت ہارون تھے۔[1] یہ مقامِ اُخُوَّت تھا (کہ جس میں دوسروں کو شریک کر لیا)، مگر مقامِ خُلَّت کی اِنْفِرادِیَت کے مُتَعَلِّق اِرشاد فرمایا: اگر میں لوگوں میں سے کسی کو خلیل بناتا تو ابو بکر کو خلیل بناتا لیکن تمہارے صاحب **اللہ** پاک کے خلیل ہیں۔[2] یعنی اپنی ذات کی طرف اشارہ فرمایا کیونکہ آپ ہی خدائے وحدہٗ لاشریک کے اکیلے حبیب و خلیل ہیں۔

معرفت کی بنیاد

پس اہل عقل و دانش اسی قدر بحث کو غنیمت جانو اور اس سے نصیحت حاصل کرو۔ کیونکہ جسے دل کی پاکیزگی و طہارت عطا کی جاتی ہے اسے مَحبَّت سے بھی نوازا جاتا ہے، پھر اس کی مَحبَّت کی قوت کے مُطابِق اسے مَعْرِفَت کی دولت سے مالامال کیا جاتا ہے۔

وہ مَعْرِفَتِ اصلیہ جو تمام مقامات کی اصل اور تمام مشاہدات کا مرکز ہے تمام بزرگانِ دین رَحِمَہُمُ اللّٰہ کے نزدیک ایک ہی ہے۔ کیونکہ جس ذات کی مَعْرِفَت حاصِل کی جاتی ہے وہ ایک ہے۔ البتہ! اس کے کچھ درجات انتہائی اعلیٰ اور کچھ ابتدائی ہیں۔ لہٰذا خواص مؤمنین اس کے اعلیٰ درجات میں ہیں اور یہ درجات مقاماتِ مقربین ہیں۔ جبکہ عوام مؤمنین اس کے ابتدائی دَرَجات میں ہیں اور یہ مقاماتِ ابرار ہیں جنہیں اصحابِ یمین کہتے ہیں، ان میں سے ہر ایک کا اپنا ایک طریق ہے:

[1] ......مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب ومن فضائل علی بن ابی طالب، ص۱۳۰۹، حدیث: ۲۴۰۴

[2] ......مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل ابی بکر الصدیق، ص۱۳۰۰، حدیث: ۲۳۸۳

☜ بعض صفاتِ خوف کی وجہ سے اہلِ خوف میں شمار ہوتے ہیں۔

☜ بعض صفاتِ رجا کی وجہ سے اہلِ رجا میں شمار ہوتے ہیں۔

☜ بعض افعال و املاک کی بنا پر اہلِ صبر و شکر میں سے ہیں۔

☜ بعض صفاتِ ذات کے معانی و مفاہیم سے وابستگی کی بنا پر اہلِ محبت و اہلِ توکل شمار ہوتے ہیں۔

جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ؕ

ترجمۂ کنزالایمان: اور ہر ایک کے لیے توجہ کی ایک سمت ہے کہ وہ اسی کی طرف منہ کرتا ہے تو یہ چاہو کہ نیکیوں میں اوروں سے آگے نکل جائیں۔ (پ ۲، البقرۃ: ۱۴۸)

محبین میدانِ محشر میں

منقول ہے کہ جو جس سے مَحبَّت رکھتا ہے بروزِ محشر اسی کے ساتھ ہو گا۔[1] ایک اور رِوایَت میں ہے کہ انسان اپنے محبوب کے ساتھ ہو گا اور اس کی جزا بھی اس کے اپنے گمان کے مطابق ہی ہو گی۔[2] جبکہ ایک رِوایَت میں ہے: جو شخص جس مرتبہ پر مرے گا اسی مرتبے پر قیامَت کے دن دوبارہ زندہ ہو گا۔[3]

محبین کے بارہ مقامات

(صاحبِ کتاب حضرت سَیِّدُنا شیخ ابُو طالب مکی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں:) قرآنِ مجید میں محبین کے تمام مقامات کا ذکر موجود ہے اور یہ کل 12 ہیں۔ اس میں سے پانچ مقام آیاتِ قرآنیہ میں غور و فکر کرنے سے ملتے ہیں جبکہ سات مقام ظاہری مفہوم کے ساتھ صریح آیاتِ مُبارَکہ میں مذکور ہیں۔

صراحۃً مذکور سات مقامات

وہ سات مقامات جو صراحت سے قرآنِ کریم میں مذکور ہیں، یہ ہیں:

---

[1] ......الکامل لابن عدی، ۱/ ۴۹۲، الرقم: ۱۲۹، اسماعیل بن یحیی التیمی مدنی

[2] ......ترمذی، کتاب الزھد، باب ما جاء ان المرء مع من احب، ۴/ ۱۷۲، حدیث: ۲۳۹۳

[3] ......مسند احمد، مسند فضالۃ بن عبید الانصاری، ۹/ ۲۴۶، حدیث: ۲۴۰۰۰

﴿1،2﴾ (اللہ پاک توبہ کرنے والوں اور پاکیزہ رہنے والوں کو پسند فرماتا ہے، جیسا کہ اس کا فرمان ہے:)

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ﴿۲۲۲﴾ (پ۲، البقرة:۲۲۲) ترجمۂ کنزالایمان: بے شک اللہ پسند رکھتا ہے بہت توبہ کرنے والوں کو اور پسند رکھتا ہے ستھروں کو۔

﴿3﴾ (اللہ پاک صبر کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے، جیسا کہ اس کا فرمان ہے:)

وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۴۶﴾ ترجمۂ کنزالایمان: اور صبر والے اللہ کو محبوب ہیں۔

(پ۴، آل عمران: ۱۴۶)

﴿4﴾ (اللہ پاک شکر کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے، جیسا کہ اس کا فرمان ہے:)

وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۴﴾ ترجمۂ کنزالایمان: اور عنقریب اللہ شکر والوں کو صلہ دے گا۔

(پ۴، آل عمران: ۱۴۴)

﴿5﴾ (اللہ پاک پرہیز گاروں کو پسند فرماتا ہے، جیسا کہ اس کا فرمان ہے:)

فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۷۶﴾ (پ۳، آل عمران: ۷۶) ترجمۂ کنزالایمان: اور بے شک پرہیز گار اللہ کو خوش آتے ہیں۔

﴿6﴾ (اللہ پاک نیک لوگوں کو پسند فرماتا ہے، جیسا کہ اس کا فرمان ہے:)

وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳۴﴾ (پ۴، آل عمران: ۱۳۴) ترجمۂ کنزالایمان: اور نیک لوگ اللہ کے محبوب ہیں۔

﴿7﴾ (اللہ پاک توکل والوں کو پسند فرماتا ہے، جیسا کہ اس کا فرمان ہے:)

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ﴿۱۵۹﴾ (پ۴، آل عمران: ۱۵۹) ترجمۂ کنزالایمان: بے شک توکل والے اللہ کو پیارے ہیں۔

اشارۃً مذکور پانچ مقامات

وہ پانچ مقامات جو غور و فکر سے معلوم ہوتے ہیں، وہ یہ ہیں:

﴿1﴾ اللہ پاک موحدین کو پسند فرماتا ہے (اور کافرین کو ناپسند) جیسا کہ اس کا فرمان ہے:

لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۲﴾ (پ۳، آل عمران: ۳۲) ترجمۂ کنزالایمان: اللہ کو خوش نہیں آتے کافر۔

﴿2﴾ اللہ پاک عدل کرنے والوں کو پسند (اور ظلم کرنے والوں کو ناپسند) فرماتا ہے جیسا کہ اس کا فرمان ہے:

لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۷﴾ (پ۳، آل عمران: ۵۷) ترجمۂ کنزالایمان: ظالم اللہ کو نہیں بھاتے۔

﴿3﴾ اللہ پاک نیکی کی راہ پر ثابت قدمی رہنے والوں کو پسند (اور فسق وجور کی راہ اپنانے والوں کو ناپسند) فرماتا ہے جیسا کہ اس کا فرمان ہے:

وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ ترجمۂ کنز الایمان: اور اللہ بے حکموں کو راہ نہیں دیتا۔

(پ۷، المآئدۃ: ۱۰۸)

﴿4﴾ اللہ پاک تواضع کرنے والوں کو پسند (اور متکبرین کو ناپسند) فرماتا ہے جیسا کہ اس کا فرمان ہے:

لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِيْنَ ﴿۲۳﴾ (پ۱۴، النحل: ۲۳) ترجمۂ کنز الایمان: وہ مغروروں کو پسند نہیں فرماتا۔

﴿5﴾ اللہ پاک اپنے وعدے کو پورا کرنے والوں کو پسند (اور دھوکا دینے والوں کو ناپسند) فرماتا ہے جیسا کہ اس کا فرمان ہے:

لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ ﴿۵۸﴾ (پ۱۰، الانفال: ۵۸) ترجمۂ کنز الایمان: دغا والے اللہ کو پسند نہیں۔

مقاماتِ یقین کی حقیقت

یہ مذکورہ بارہ طبقات سب کے سب اہلِ مَحبّت کے ہیں، جو اشارۃً وصراحۃً قرآنِ کریم میں مذکور ہیں اور ان سب اوصاف کی شرح ہی مقاماتِ یقین کہلاتی ہے۔ (چنانچہ جان لیجئے کہ)

- ان میں سے ہر مقام میں کثیر اَحْوال ہوتے ہیں۔
- اور ہر حال بارگاہِ خداوندی تک جانے والا ایک طریق ہے۔
- اور ہر طریق سے اہلِ محبت کا ایک طبقہ وابستہ ہے۔
- اور ان کی مَحبّت انہیں حاصل مَعْرِفَت کے مُطابِق ہوتی ہے۔
- اور ان کی مَعْرِفَت کا معیار یہ ہے کہ انہیں کس قدر اللہ پاک کی مَعْرِفَت حاصل ہے اور اللہ پاک نے انہیں کس قدر عرفان کی دولت سے نوازا ہے، یہی ان کی مَعْرِفَت کا مفہوم ہے۔
- یہ سب لوگ اپنے یقین کے وزن کے اعتبار سے دَرَجات پر فائز ہوتے ہیں۔
- اور ان کا یقین ان کے ایمان کی پاکیزگی پر منحصر ہوتا ہے۔
- اور ان کے ایمان کا انحصار ان پر اللہ پاک کے فضل وکرم کے حساب سے ہوتا ہے۔

اور اس کے بعد رازِ تقدیر ہے جو کہ اللہ پاک کا ایک مخفی خزانہ ہے۔

ترتیب مقامات میں ابتدائی مقام

محبّت سے بالاتر کوئی مقام مشہور ہے نہ توبہ سے بڑھ کر کوئی حال مذکور ہے۔ سب سے پہلا مقام توبہ ہے کہ جس کے ذریعے بندہ ظلم سے نجات پاتا ہے، جبکہ ظلم شرک کا ایک حال ہے۔ جیسا کہ فرمانِ باری ہے:

اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ ﴿۱۳﴾ (پ۲۱، لقمان: ۱۳) ترجمۂ کنزالایمان: بے شک شرک بڑا ظلم ہے۔

ظلم کے مُتَعَلِّق ایک مقام پر اِرشاد ہوتا ہے: ﴿ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ لَمْ یَلْبِسُوْۤا اِیْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓىٕكَ لَهُمُ الْاَمْنُ (پ۷، الانعام: ۸۲) ترجمۂ کنزالایمان: وہ جو ایمان لائے اور اپنے ایمان میں کسی ناحق کی آمیزش نہ کی انہیں کے لیے امان ہے۔ ﴾ یعنی یہ لوگ آخرت میں امن والے ہوں گے۔ پھر اِرشاد فرمایا: ﴿ وَ هُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۸۲﴾ (پ۷، الانعام: ۸۲) ترجمۂ کنزالایمان: اور وہی راہ پر ہیں۔ ﴾ یعنی دنیا میں یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔ مگر اس آیتِ مُبارَکہ کے مخاطب یہ لوگ ہی نہیں بلکہ وہ بھی ہیں جو ایمان نہ لائے اور اگر لائے بھی تو انہوں نے اپنے ایمان میں ناحق کی آمیزش کر دی۔ چنانچہ ایک دوسرے کے برعکس دو قسم کے لوگوں کے مُتَعَلِّق اس سے پہلی آیتِ مُبارَکہ میں کچھ یوں اِرشاد فرمایا:

فَاَیُّ الْفَرِیْقَیْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ۚ ترجمۂ کنزالایمان: تو دونوں گروہوں میں امان کا زیادہ سزاوار کون ہے۔ (پ۷، الانعام: ۸۱)

پھر اس کا جواب بعد میں یوں ذکر کیا:

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ لَمْ یَلْبِسُوْۤا اِیْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓىٕكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَ هُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۸۲﴾ ترجمۂ کنزالایمان: وہ جو ایمان لائے اور اپنے ایمان میں کسی ناحق کی آمیزش نہ کی انہیں کے لیے امان ہے اور وہی راہ پر ہیں۔ (پ۷، الانعام: ۸۲)

اور باقی رہے دوسرے لوگ تو ان کے مُتَعَلِّق ایک مقام پر یوں اِرشاد فرمایا:

وَ مَنْ لَّمْ یَتُبْ فَاُولٰٓىٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۱۱﴾ ترجمۂ کنزالایمان: اور جو توبہ نہ کریں تو وہی ظالم ہیں۔ (پ۲۶، الحجرات: ۱۱)

الغرض ❁ ظلم کا اختتام ہوتا ہے تو توبہ کی ابتدا ہوتی ہے۔ ❁ اور توبہ کی انتہا ہوتی ہے تو مَحبَّت کی ابتدا ہوتی ہے۔ ❁ اور جب مَحبَّت کی انتہا ہوتی ہے تو مَعْرِفَت کی ابتدا ہوتی ہے اور یہی مَعْرِفَت ہی ایک عارِف کا مقصود ہوتی ہے اور یہی وہ خاصیت ہے جو بندے کی ابتدائی مَحبَّت میں اِضافے کا باعث بنتی ہے اور مَعْرِفَت میں آخری اور اس توحید کا ابتدائی حِصّہ ٹھہرتی ہے جس کا تعلق اَہْلِ مُشاہَدہ سے ہے اور اس کی کوئی انتہا نہیں۔

ترتیب مقامات میں درمیانی مقام

ترتیبِ مقامات میں درمیانی مقام زہد ہے ❁ جس کی ابتدا نفسانی خواہشات کے خاتمے پر ہوتی ہے اور ❁ اس کی انتہا پر علم کی ابتدا ہوتی ہے اور ❁ علم کی انتہا پر خوف کی ابتدا ہوتی ہے اور ❁ خوف کی انتہا پر مَحبَّت کی ابتدا ہوتی ہے اور یہی محبوب کی مَحبَّت ہے۔

ظالم کا مقام

ظالم کا کوئی مقام نہیں اور جس کا کوئی مقام نہ ہو اس کا کوئی جاہ و مرتبہ بھی نہیں ہوتا اور جس کا جاہ و مرتبہ نہ ہو وہ شفاعت سے بھی محروم رہے گا اور جو شفاعت سے محروم ہو گا وہ شہادت (یعنی توحید و رسالت کی گواہی) کی دولت بھی نہ پاسکے گا اور جسے شہادت نصیب نہ ہو اس کے پاس یقین بھی نہ ہو گا۔ ہاں اگر اسے مثقال بھر ایمان کی دولت بھی مل جاتی تو یہ نتیجہ بر آمد نہ ہوتا۔ اس لیے کہ **اللہ** پاک کے محبوب صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے نارِ جہنّم میں داخِل ہونے والوں کے مُتَعَلِّق بتاتے ہوئے ایک فرمانِ مغفرت نشان میں اِرشاد فرمایا: جہنّم سے ہر اس شخص کو نکال دو جس کے دل میں ذرّہ بھر بھی ایمان ہے۔[1] ایک اور رِوایت میں ہے کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اِرشَاد فرمایا: سخاوت یقین سے ہے اور اَہْلِ یقین جہنّم میں داخِل نہ ہوں گے۔[2] چنانچہ،

ہماری بیان کردہ اس تفصیل کی تائید میں قرآنِ مجید کی آیاتِ بینات بھی شاہد ہیں۔ چنانچہ ظلم کے بارے میں اِرشَاد ہوتا ہے:

لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۲۴﴾ (پ ۱، البقرۃ: ۱۲۴) ترجمۂ کنزالایمان: میرا عہد ظالموں کو نہیں پہنچتا۔

---

[1] ......بخاری، کتاب التوحید، باب قول اللہ: وجوہ یومئذ ناضرۃ الی ربہا ناظرۃ، ۴/ ۵۵۳، حدیث: ۷۴۳۹

[2] ......نوادر الاصول، الاصل الثامن عشر والمائۃ ۱/ ۴۷۷، حدیث: ۶۸۵

پھر دوسری جگہ شفاعت کے مُتَعَلِّق اِرشاد ہوتا ہے:

لَا يَمْلِكُوْنَ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ﴿۸۷﴾ (پ ۱۶، مریم: ۸۷)

ترجمۂ کنزالایمان: لوگ شفاعت کے مالک نہیں مگر وہی جنھوں نے رحمٰن کے پاس قرار کر رکھا ہے۔

تیسری جگہ شہادتِ توحید کی وضاحت میں اِرشاد ہوتا ہے:

وَ لَا يَمْلِكُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَ هُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۸۶﴾ (پ ۲۵، الزخرف: ۸۶)

ترجمۂ کنزالایمان: اور جن کو یہ **اللہ** کے سوا پوجتے ہیں شفاعت کا اختیار نہیں رکھتے ہاں شفاعت کا اختیار اُنھیں ہے جو حق کی گواہی دیں اور علم رکھیں۔

پھر حقیقت منکشف ہونے کے بعد کھلی آنکھوں سے دیدار کرنے کے بعد مرتبۂ یقین پا لینے کے مُتَعَلِّق اِرشاد فرمایا:

وَ كَذٰلِكَ نُرِيْۤ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ لِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ﴿۷۵﴾ (پ ۷، الانعام: ۷۵)

ترجمۂ کنزالایمان: اور اسی طرح ہم ابراہیم کو دکھاتے ہیں ساری بادشاہی آسمانوں اور زمین کی اور اس لیے کہ وہ عین الیقین والوں میں ہو جائے۔

پھر ایک مقام پر اِرشاد فرمایا: ﴿ بِنَبَاٍ يَّقِيْنٍ ﴿۲۲﴾ اِنِّيْ وَجَدْتُّ (پ ۱۹، النمل: ۲۳، ۲۲) ﴾ یعنی مُشاہدے کے بعد یقین اسی طرح حاصل ہوتا ہے جیسا کہ یقین کے بعد وجدان۔ جبکہ یقین ہی ایمان کی حقیقت اور کمال ہے۔ جیسا کہ رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا فرمانِ عالیشان ہے: صبر نصف ایمان ہے اور شکر بھی نصف ایمان ہے، جبکہ یقین پورا ایمان ہے۔[1]

آیتِ مبارکہ کی تفسیر

اللہ پاک کے فرمانِ عالی شان ﴿ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۲۴﴾ (پ ۱، البقرۃ: ۱۲۴) ترجمۂ کنزالایمان: میرا عہد ظالموں کو نہیں پہنچتا۔ ﴾ کی تفسیر میں مروی ہے کہ یہاں ایک قول کے مُطابِق یہ مراد ہے کہ انہیں جاہ و مرتبہ نہ ملے گا۔ ایک قول میں ہے انہیں شفاعت نہ ملے گی جبکہ ایک قول کے مُطابِق ولایت سے محروم رہیں گے

[1] ......الشکر لابن ابی الدنیا، ص ۹۳، حدیث: ۵۷

اور ایک قول میں ہے کہ امامت سے محروم رہیں گے اور ظالم شخص متقین کا امام نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کہ اہلِ ایمان جس کا اِتّباع کریں وہی متقین کا امام ہوتا ہے اور ظالم کے لیے تو نارِ جہنّم کی وعید ہے اور اس کے برے انجام کا وعدہ کیا گیا ہے۔ یہ خود شفاعت کا محتاج ہے تو دوسروں کا شفیع کیسے بن سکتا ہے؟ جب اس پر حجابات طاری ہیں تو مُشاہدہ کی دولت سے کیسے فیض یاب ہو سکتا ہے؟ کیا آپ نے یہ فرمانِ باری تعالیٰ نہیں سنا:

وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا یَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ ۬ؕ (پ ۱۳، ابراھیم: ۴۲)

ترجمۂ کنزالایمان: اور ہرگز اللہ کو بے خبر نہ جاننا ظالموں کے کام سے۔

اور کیا یہ فرمانِ باری تعالیٰ بھی نہیں سنا:

وَسَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْۤا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ ﴿۲۲۷﴾ (پ ۱۹، الشعرآء: ۲۲۷)

ترجمۂ کنزالایمان: اور اب جانا چاہتے ہیں ظالم کہ کس کروٹ پر پلٹا کھائیں گے۔

اس کے ساتھ ساتھ اس کا یہ اِرشاد بھی ہے:

فَتَكُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ۚ وَ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِیْنَ ﴿۲۹﴾ۚ (پ ۶، المآئدۃ: ۲۹)

ترجمۂ کنزالایمان: تو تو دوزخی ہو جائے اور بے انصافوں کی یہی سزا ہے۔

اور ان سب باتوں کو مجمل طور پر اس آیتِ مُبارکہ میں یوں بیان فرمایا:

وَمَنْ لَّمْ یَتُبْ فَاُولٰٓىٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۱۱﴾ (پ ۲۶، الحجرات: ۱۱)

ترجمۂ کنزالایمان: اور جو توبہ نہ کریں تو وہی ظالم ہیں۔

توبہ کیسی ہونی چاہئے؟

ظلم کے چھوٹا ہونے کی وجہ سے چھوٹے چھوٹے مظالم سے توبہ بھی چھوٹی ہوتی ہے اور ظلم کے بڑا ہونے کی وجہ سے بڑے بڑے مظالم سے توبہ بھی بڑی ہوتی ہے۔ یہ ظلم کرنا آج دنیا میں دل پر چھائے اندھیرے کا باعث ہے تو کل بروزِ قیامت بھی اندھیرے ہی کا سبَب ہو گا۔ لہٰذا یہ توبہ ہی ہے جو بندے کو ظلم سے نجات دے سکتی ہے اور پھر بندہ ظلم سے نجات پانے کے بعد درجاتِ عہد میں داخل ہو جاتا ہے۔

اصلاحِ نفس کا طریقہ

جب بندہ اپنے وعدوں کی پاسداری کا خیال رکھتے ہوئے اصلاحِ نفس کی کوشش کرتا ہے تو **اللہ** پاک بھی اصلاح کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں فرماتا جیسا کہ وہ فسادیوں کے عَمَل کی اصلاح نہیں فرماتا۔ چنانچہ جب بندہ توبہ کے ذریعے اپنی اصلاح کی کوشش کرتا ہے تو کبھی بھی نفسانی خواہش کے سبب اپنی اس کوشش کو برباد نہ کرے گا، بلکہ وہ نیک عَمَل بجالانے میں مصروف ہو جائے گا کیونکہ وہ اب نیک بن چکا ہے، لہٰذا جب وہ نیکیاں کرے گا تو نیک لوگوں میں شامل کر دیا جائے گا، اس لیے کہ اسے اب دوسروں پر فضیلت حاصل ہو گئی ہے۔ جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

وَيُؤْتِ كُلَّ ذِي فَضْلٍ فَضْلَهُ ۗ (پ ۱۱، ھود: ۳) ترجمۂ کنزالایمان: اور ہر فضیلت والے کو اس کا فضل پہنچائے گا۔

اور نیک اعمال کی وجہ سے نیکوکاروں میں شمولیت کا ذکر اس فرمانِ خداوندی میں ہے:

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِي الصّٰلِحِيْنَ ⑨ (پ ۲۰، العنکبوت: ۹) ترجمۂ کنزالایمان: اور اچھے کام کئے ضرور ہم اُنھیں نیکوں میں شامل کریں گے۔

اصلاحِ نفس کے اثرات

جو شخص اپنی اصلاح کی کوشش کرتا ہے تو **اللہ** پاک اسے اپنا دوست بنالیتا ہے اور جسے **اللہ** پاک اپنا دوست بناتا ہے اسے علم کی دولت سے سرفراز فرماتا ہے، اسے اپنی مَحبّت عطا کرتا ہے، اس کے نفس کی حقیقت اس پر منکشف کرتا، اسے عافیت سے نوازتا اور اسے اپنا محبوب بنالیتا ہے۔ اس کے بعد وہی اس کے لیے کافی ہو جاتا ہے، اسے اپنے کرم کے سائے میں لے کر اپنی پناہ میں لے لیتا ہے، یوں بندہ ظاہری حالت میں گناہوں سے محفوظ ہو جاتا ہے تو اسے یہ اعلیٰ مرتبہ ملتا ہے کہ وہ اپنے مولائے کریم کا یقین کی آنکھ سے دیدار کرتا ہے۔

ظلم وفساد کے اثرات

- جو کسی ظلم کا مُرتکِب ہو وہ ظالم بن جاتا ہے۔
- جو ظلم کی راہ اپناتا ہے وہ اپنے ہی جیسے ظالم کو اپنا دوست بناتا ہے۔

☜ جو اپنے جیسے ظالم کو دوست بناتا ہے وہ اپنے پروردگار سے منہ موڑ لیتا ہے۔

☜ جو اپنے رب سے منہ موڑتا ہے فسادی بن جاتا ہے۔

☜ جو فسادی بن جاتا ہے وہ اس تعلق کو ختم کر دیتا ہے جسے **اللہ** پاک نے جوڑنے کا حکم دیا تھا۔

☜ جو یہ تعلق توڑ بیٹھتا ہے وہ اس کی رحمت سے دور ہو جاتا ہے۔

☜ جو اس کی رحمت سے دور ہو جاتا ہے وہ ملعون اور اس کی بارگاہ سے دھتکارا ہوا ہو جاتا ہے۔

☜ جسے اس کی بارگاہ سے دھتکار دیا جائے وہ اندھا و بہرا کر دینے والی نفسانی خواہشات کے غلبہ کی وجہ سے اندھا و بہرا ہو جاتا ہے۔

☜ جو اندھا و بہرا ہو جاتا ہے وہ حق کی بات سنتا ہے نہ دیکھ سکتا ہے۔

الغرض وہ شخص **اللہ** پاک کے کلام میں غور و فکر کیسے کر سکتا ہے جس کے دل پر قفل اور فکر پر نفسانی خواہشات کا غلبہ ہو اور وہ اس قفل کو کھولنے والی ذات یعنی **اللہ** پاک سے اعراض کیے ہو؟

اس ساری بحث کی تفصیل قرآنِ کریم میں کچھ یوں مذکور ہے:

نُوَلِّیْ بَعْضَ الظّٰلِمِیْنَ بَعْضًۢا بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ۠(۱۲۹) (پ۸، الانعام: ۱۲۹)

ترجمۂ کنزالایمان: ہم ظالموں میں ایک کو دوسرے پر مسلّط کرتے ہیں بدلہ اُن کے کئے کا۔

دوسرے مقام پر ہے:

اِنْ تَوَلَّیْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ (پ۲۶، محمد: ۲۲)

ترجمۂ کنزالایمان: اگر تمہیں حکومت ملے تو زمین میں فساد پھیلاؤ۔

توبہ کرنے والوں کے درجات میں فرق

ہر توبہ کرنے والے کے لیے مَحبّت کی ابتدا میں ایک حال ہوتا ہے جبکہ بہت توبہ کرنے والے کے لیے مَحبّت کی حقیقت کا مقام ہوتا ہے۔ چنانچہ توبہ میں لوگوں کے مقام کا اعتبار اِتِّباعِ نفس میں ان کے طبقات کے مُطابِق اور مَحبّت میں ان کے درجات کا اعتبار محاسنِ صفات میں ان کے مُشاہدے کے مُطابِق ہوتا ہے۔ لہٰذا ہر ایک کے لیے وہ اس کے ارادے و مرتبہ کے حسن کے مُطابِق تجلّی فرماتا ہے۔ یہ حالت (آج دنیا میں) دلوں

میں پائے جانے والے محاسنِ ایمان کے سَبَب پیدا ہوتی ہے اور آخِرت میں اس کا اعتبار مُشاہدہ میں محاسنِ وُجوہ سے ہو گا۔ لہٰذا اس دن **اللہ** پاک کا فیصلہ ان کے حق میں یا ان کے خلاف انہیں دنیا میں حاصل وجدان کے اعتبار سے اس کی مَشِیَّت کے مُطابِق ہو گا۔ پس پاک ہے وہ ذات جس کی قدرت اس کے اِرادے سے تعلّق رکھتی ہے اور وہ ہر شے کا اپنی رحمت اور علم سے اِحاطہ کئے ہوئے ہے۔

عافیتِ کامِلہ اور نعمتِ تامّہ

ہر شخص پر اسی قدر مُجاہَدہ لازِم ہے جس قدر اسے نفسانی خواہشات سے آزمایا جاتا ہے اور اسے مَحبَّت بھی اسی قدر ملتی ہے جس قدر اس کی توبہ دُرُست ہوتی ہے۔ پھر جس قدر وہ مُشاہدہ کی دولت پاتا جاتا ہے اسی اعتبار سے اس سے مُجاہَدہ کم ہوتا جاتا ہے۔ یعنی اس کا مُشاہدہ اس کے مُجاہَدہ کی مشقتوں کو کم کر دیتا ہے اور یوں بندہ ابتلاو آزمائش کو برداشت کرنے والا بن جاتا ہے اور اس کا یقین اس مشاہدہ کے باعث اسے منزل تک پہنچا دیتا ہے۔ **یہ عافیتِ کامِلہ اور نعمتِ تامّہ ہے**، یہی وہ لوگ ہیں جن پر **اللہ** پاک نے اپنا خاص انعام فرمایا یعنی نبیوں، صدیقوں اور شہدا۔ انہی کے مُتعلّق سرورِ کائنات صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اِرشاد فرمایا: بے شک **اللہ** پاک کے کچھ بندے اس کی مخلوق میں سے خواص ہیں، وہ انہیں اپنی رحمت سے رزق پہنچاتا ہے اور انہیں اپنی عافیت کے سائے میں رکھتا ہے، وہ انہیں قتل و بلا سے بچاتا، اپنی عافیت میں زندہ رکھتا ہے، عافیت میں ہی انہیں موت دیتا ہے اور عافیت کے ساتھ ہی جنت میں داخِل فرمائے گا۔ یہی وہ لوگ ہیں جن پر فتنے تاریک رات کی طرح آکر گزر جاتے ہیں مگر وہ ان سے عافیت میں ہی رہتے ہیں۔ [1]

حصولِ معرفت و طریقت کا بہترین راستہ

(صاحبِ کتاب حضرت سَیِّدُنا شیخ ابوطالب مکّی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں:) اس کے بعد افضل یہ ہے کہ ہر بندہ اپنے حال کے مُطابِق اپنے پروردگار پاک کی مَعْرِفَت رکھے، اپنی حد کو پہچانے، اپنے مقام میں صدق کو لازم جانے اور اپنی ہر قسم کی حرکات و سکنات میں تکلف و دعویٰ کو چھوڑ دے، کیونکہ یہ اس کے مقصود و مطلوب تک پہنچنے کا سب سے بہترین راستہ و ذریعہ ہے۔ اس لیے کہ عُلَمائے کرام کا علم اسے مَعْرِفَتِ باری تعالٰی کے علم

---

[1] ......نوادر الاصول، الاصل الثانی والتسعون والمائتین، ۲/۱۲۸۶، حدیث: ۱۷۶۱، ۱۷۵

سے ذرّہ برابر کفایت نہیں کر سکتا، کیونکہ اس سے ان کے علوم کے مُتعَلِّق پوچھا جائے گا نہ ان سے اس کے علم کے مُتعَلِّق کوئی سوال ہوگا۔

یہ ایک ایسا طریق ہے جس کا سرمایہ صدق، زادِ راہ صبر اور خوراک تقویٰ ہے۔ لہٰذا جس کے پاس صدق کا سرمایہ نہ ہو وہ نفع نہ پائے گا، جس نے صبر کو زادِ راہ نہ بنایا وہ اس راستے سے جدا ہو جائے گا اور جس نے تقویٰ کو اپنی خوراک نہ بنایا وہ ہلاک ہو جائے گا۔ پس صدق اور صبر کا ایک ایک ذرّہ مثقال بھر عَمَل سے زیادہ نفع دینے والا ہے اور اسی طرح تقویٰ کا ایک ذرّہ مثقال بھر ایمان سے زیادہ نفع مند ہے۔ کیونکہ ظن حق سے مستغنی نہیں کر سکتا۔ بلکہ فرائض کی ادائیگی اور محارم سے اِجْتِنَاب کے باعث **اللہ** پاک بندے کو مقاماتِ یقین میں سے کوئی مقام عطا فرماتا ہے جس سے بندہ اعلیٰ علیین تک رِفْعَت پا جاتا ہے اور بسا اوقات اسے ان دونوں (یعنی فرائض کی ادائیگی اور محارم سے اِجْتِنَاب) کے باعث ابدال جیسا ثواب عطا فرماتا ہے، بشرطیکہ اس نے یہ دونوں کام رضائے خداوندی کے حُصُول کے لیے سر انجام دیئے ہو۔ اگرچہ آج تک اس نے کبھی کسی اَبدال کی طریقت کا مسلک اپنایا ہو نہ کبھی کسی کی زیارت سے مُشَرَّف ہوا ہو۔

رب کی بے نیازی

جسے **اللہ** پاک نے یقین کی دولت سے نوازا ہو اس کے اس حالت سے بدلنے کا کوئی خدشہ نہیں رہتا، کیونکہ حالت کی یہ تبدیلی اسے دیگر اَحْوال کی تبدیلی پر بھی مجبور کرے گی جبکہ مُشاہدہ اس پر افعال کو پختہ کر دیتا ہے۔ بسا اوقات **اللہ** پاک بندے کو اس کے حُسْنِ ظن، قوتِ رجا اور نیکی کی طمع کے باعث وہ تمام انعامات عطا فرما دیتا ہے جن کا ہم نے تذکرہ کیا ہے، بشرطیکہ بندہ حُسْنِ یقین کی دولت سے مالا مال ہو۔ بسا اوقات ایسا بھی ہوا کہ بندے نے اخلاقِ رَبُوبِیَّت میں سے کسی ایک کو اپنایا تو **اللہ** پاک نے اسے اس کی وجہ سے ہی مقامِ صدیقین پر فائز فرما دیا اور بسا اوقات کسی ایک شے کو اس کی رضا کی خاطر ترک کرنے یا کسی شے پر اسے ترجیح دینے کی وجہ سے شہدا کا مرتبہ عطا کر دیا، کیونکہ وہی بہت بخشنے اور شکر قبول کرنے والا ہے۔

اخلاص اور اس کی اہمیت

(صاحبِ کتاب حضرت سَیِّدُنا شیخ ابُو طالب مَکّی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں:) بندے کے لیے سب سے زیادہ نقصان دہ چیز

اس کا اپنے رب کی مَعْرِفَت کی کمی ہے۔ اس لیے کہ بسا اوقات بندہ نو گناہوں کا مرتکب ہوتا ہے مگر دسواں گناہ رب کی رضا کے لیے چھوڑ دیتا ہے، اس کی یہ ایک خصلت اگرچہ گناہوں کے نو پہاڑوں کے مقابل ذرّہ کی حیثیت رکھتی ہے مگر خالص **اللہ** پاک کی رضا کے لیے اس ایک چھوٹے سے گناہ کو چھوڑنے کی بنا پر **اللہ** پاک اس پر اپنی ایسی نگاہِ کرم فرماتا ہے کہ گناہوں کے وہ پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جاتے ہیں۔ بسا اوقات بندے کا کسی صِفَت سے مُتَّصِف ہونا **اللہ** پاک کو اس قدر پسند آتا ہے کہ وہ اس کی سو ایسی خامیاں دور فرما دیتا ہے جو لوگ بیان کرتے رہتے ہیں۔

رحمتِ خداوندی سے مایوسی

بندے کو اپنے رب کے فضل سے نا امید نہیں ہونا چاہیے، بالخصوص جب وہ اس کی مَعْرِفَت کی دولت سے مالا مال ہو تو پھر کبھی اپنی اُمّید کو خَتْم نہ ہونے دے۔ کیونکہ وہی سب کا آقا ہے اور وہی سب پر رحم و کرم فرمانے والا ہے۔ لہٰذا بندے کو کبھی بھی اس کے بابِ رحمت سے نہیں ہٹنا چاہئے خواہ وہ اس کی نافرمانی کا مُرتَکِب ہی ہو اور نہ کبھی اسے اس کے دامَنِ رحمت سے دور ہونا چاہئے خواہ وہ اس کی رحمت سے دور کرنے والے اوصاف ہی سے کیوں نہ مُتَّصِف ہو، اسی طرح اگر کبھی ایسے کاموں اور باتوں کا مُرتَکِب ہو جنہیں **اللہ** پاک پسند نہیں کرتا تو بھی اس کی پسندیدہ باتوں کے ذریعہ اس کی قربت کے حُصُول سے وحشت زدہ نہ ہو کہ **اللہ** پاک اپنے بندوں سے ایسا ہی چاہتا ہے۔

معرفت ہی سب کچھ ہے

اسی طرح **اللہ** پاک بندوں سے یہ پسند کرتا ہے کہ وہ پہلے اس کی مَعْرِفَت حاصل کریں، پھر اس کے اَحْکام پر عَمَل کریں۔ کیونکہ وہ جس ذات کی مَعْرِفَت کے حُصُول کی کوشش کریں گے وہ حد سے زیادہ کرم اور وسیع فضل و رحم والی ہے۔ اگر اس نے اپنی مَعْرِفَت عطا کر دی تو گویا اس نے سب کچھ عطا کر دیا اور اگر کچھ عطا نہیں بھی کیا وہ نقصان دہ نہیں، لیکن اگر اس نے مَعْرِفَت ہی نہ دی تو گویا کچھ عطا نہ کیا اور اس کی عطا کردہ باقی چیزوں کا بھی کوئی فائدہ نہیں۔

محبتوں کا التباس

بسا اوقات محبتوں میں اِلْتِباس (یعنی ایک محبّت پر دوسری محبّت ہونے کا شبہ) ہو جاتا ہے، یعنی نعمتوں کی محبّت

منعمِ حقیقی کی محبّت میں شامل ہو جاتی ہے اور نفس کی محبّت خالق کی محبّت سے مل جاتی ہے۔ ایسا شبہ ان عام محبین کو ہوتا ہے جن پر ابھی تک عین الیقین کا مرتبہ منکشف نہیں ہوا ہوتا۔ لہٰذا بندہ نعمتوں سے محبّت کر رہا ہوتا ہے اور اپنے وہم کے مطابق یہ گمان کرتا ہے کہ وہ منعم سے محبّت کر رہا ہے اور اسی طرح وہ اپنے نفس سے محبّت کر رہا ہوتا ہے اور سمجھتا یہ ہے کہ وہ اپنے رب سے محبّت کر رہا ہے۔

التباس کی پہچان

محبتوں میں اس التباس و اشتباہ کی عَلامَت یہ ہے کہ بندہ اشیا سے سکون پاتا ہے، ہر قسم کی موجودات (یعنی اسباب وسامان وغیرہ) سے خوش ہوتا ہے اور اپنی نفسانی خواہش کی تکمیل میں راحت ولذت محسوس کرتا ہے۔

یہ التباس کون پہچانتا ہے؟

بسا اوقات **اللہ** پاک بندے کی اس حالت کا انکشاف اس پر اس کی موت سے پہلے پہلے کر دیتا ہے اور بسا اوقات اس کے حال کی پردہ پوشی فرماتا ہے اور اسے رسوا نہیں کرتا یہاں تک کہ وہ اس کی بارگاہ میں جاحاضر ہو گا اور وہ اسے اس کی محبت کی مثل ثواب اور جزا عطا فرمائے گا۔ البتہ! یہ فرق صِرف انہی اہلِ مراد و اہلِ یقین پر ظاہِر ہوتا ہے جن کے دل قَیُّومِیَّت و توحید کے مُشاہدے ومُعائنے سے حاصِل شدہ خالص یقین، پختہ علم اور نور سے منوّر ہوں۔ کیونکہ یہ صِفَت افعالِ ملکوتیہ اور صفاتِ غیبیہ کے مُشاہدہ سے پیدا ہوتی ہے اور یہی وہ مرتبۂ فرقان ہے جس کا **اللہ** پاک نے اہلِ ایمان میں سے متقین سے یوں وعدہ فرمایا:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا (پ ۹، الانفال: ۲۹)

ترجمۂ کنزالایمان: اے ایمان والو اگر **اللہ** سے ڈرو گے تو تمہیں وہ دے گا جس سے حق کو باطل سے جدا کرلو۔

منقول ہے کہ اس سے مُراد یہ ہے کہ **اللہ** پاک تمہیں ایسے نور سے نوازے گا جس کی روشنی میں تم شبہات کے درمیان فرق کر سکو گے۔ نیز یہی نجات کی وہ راہ ہے جس کی **اللہ** پاک نے اہلِ تقویٰ کو ضمانت دیتے ہوئے اِرشاد فرمایا:

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۙ (پ ۲۸، الطلاق: ۲)

ترجمۂ کنزالایمان: اور جو **اللہ** سے ڈرے **اللہ** اس کے لیے نجات کی راہ نکال دے گا۔

ایک قول کے مُطابِق یہاں یہ مراد ہے کہ اللہ پاک متقین کو ہر اس مُعاملے سے نکال دے گا جو دیگر لوگوں پر دشوار ہو گا۔

صاحبِ قوت کا تبصرہ

اہلِ نظر کے شواہد سے توحید کے معانی و مفاہیم کی تفصیل بیان کرنا ایک انتہائی مشکل ترین مُعاملہ ہے اور فنا میں بقا[1] اور تفرقہ میں جمع[2] کی شہادت اس سے بھی مخفی مُعاملہ ہے۔ اگر ہم ان کی شرح کرنے لگیں تو طویل ہو جائے گی اور ہم جس علم کی باتیں کر رہے ہیں، ہمیں اس سے ہٹا کر ایسی باتوں میں مشغول کر دے گی جن کے مُتَعَلِّق کسی نے نہ سنا ہو گا۔ یوں ہر وہ فرد ہماری ان ذکر کردہ باتوں کا بھی انکار کر دے گا جو ان کی حقیقت

---

[1] ......فنا و بقا تصوف کی دو اصطلاحات ہیں۔ جن کے مُتَعَلِّق سید شریف جرجانی حنفی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ (متوفی ۸۱۶ھ) فرماتے ہیں: برے اوصاف کا خاتمہ فنا اور اچھے اوصاف سے مُتَّصِف ہونا بقا ہے۔ فنا کی دو صورتیں ہیں ایک تو برے اوصاف کا خاتمہ ہے اور یہ صورت عبادت و ریاضت کی کثرت سے حاصل ہوتی ہے اور دوسری صورت یہ ہے کہ بندہ مُشاہدۂ حق میں اس طرح کھو جائے کہ اسے کسی شے کا ہوش نہ رہے۔ (کتاب التعریفات، ص۱۲۰) جبکہ حضرت سیِّدُنا شہاب الدین سہروردی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ ان اصطلاحات کے مُتَعَلِّق فرماتے ہیں: فنا کا مطلب ہے لذات کا اس طرح خَتْم کر دینا کہ کسی شے میں کوئی لذت نہ رہے، صرف یہی نہیں بلکہ ذاتِ خداوندی میں اس طرح خود کو لگا دینا کہ کسی اور شے میں مصروفیت باقی نہ رہے۔ جبکہ بقا کا مطلب یہ ہے کہ بندہ اپنی ہر شے سے ناطہ توڑ لے اور خود کو صرف اپنے رب کی رضا کے لیے باقی رکھے۔ (عوارف المعارف، ۲/ ۱۲۳ط دار المعارف قاہرہ) مزید تفصیلات کے لیے کشف المحجوب، عوارف المعارف اور رسالہ قشیریہ وغیرہ کتبِ تصوف کا مطالعہ کیجئے۔

[2] ......جمع و تفرقہ بھی تصوف کی اصطلاحات ہیں، جن کے مُتَعَلِّق عوارف المعارف میں ہے کہ معرفتِ خداوندی کا علم جمع اور احکامِ خداوندی کا علم تفرقہ کہلاتا ہے اور یہ دونوں ایک دوسرے کو لازم و ملزوم ہیں۔ کیونکہ لَا جَمْعَ اِلَّا بِتَفْرِقَۃٍ۔ یعنی جمع کی درستی تفرقہ پر اور تفرقہ کی درستی جمع پر موقوف ہے۔ مزید فرماتے ہیں کہ ان کی تعریفات میں منقول تمام اقوال کا خلاصہ یہ ہے کہ کائنات تفرقہ کا باعث اور خالق کائنات جمع کا موجب ہے، لہٰذا جو خالق کا ہو جائے وہ حالت جمع میں اور جو مخلوق یعنی کائنات کا ہو جائے وہ تفرقہ میں ہے۔ یعنی توحید جمع اور بندگی تفرقہ ہے۔ پس جو شخص بندگی کے وقت اپنے اعمال کو دیکھے وہ تفرقہ میں اور جو ہر شے کو حق تعالیٰ کے لیے جانے وہ جمع میں ہے اور اگر وہ ذاتِ الٰہی میں بالکل فنا ہو جائے تو یہ جمع الجمع ہے۔ اسے یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ مُشاہدۂ افعال تفرقہ، مُشاہدۂ صفات جمع اور مُشاہدۂ ذات جمع الجمع ہے۔ (عوارف المعارف، ۲/ ۳۱۷) مزید تفصیلات کے لیے اللمع، کشف المحجوب، عوارف المعارف اور رسالہ قشیریہ وغیرہ کتبِ تصوف کا مطالعہ کیجئے۔

سے آگاہ نہ ہو گا۔ البتہ! جو شخص عرفانِ خداوندی کی دولت سے مالامال ہو گا وہ ہماری ذکر کردہ باتوں کا مشاہدہ کرے گا اور اس پر وہ باتیں بھی منکشف ہوں گی جنہیں ہم نے دانستہ پوشیدہ رہنے دیا ہے۔ البتہ! وہ یہ بھی جان لے گا کہ قلب پر دو میں سے کوئی ایک صورت ہی غالب ہوتی ہے۔ چنانچہ

خواص کی محبت

خواص اپنے رب سے محبت اس کی صفات کے مُشاہَدہ کے طریقے سے کرتے ہیں۔ لہٰذا ان حضرات کی مَحبَّت کا تعلق قلب و وجدان سے ہونے کی وجہ سے وہ کبھی بدلتی نہیں اور وہ اس میں ثابت قدم رہتے ہیں یہاں تک کہ اپنے رب سے جا ملتے ہیں۔ وہ اپنے رب کی محبت میں اس کی عَظَمت، مَحبَّت، جلالتِ شان اور کبریائی کو پیشِ نظر رکھتے ہیں۔ انہی لوگوں میں اہلِ قرب و مَحبَّت، اہلِ خوف، عاملین اور اہلِ تَوَکُّل و رضا پائے جاتے ہیں اور یہی لوگ آخِرت میں اپنے رب کے ہاں اعلیٰ دَرَجات پر فائز ہوں گے۔

عوام کی محبت

عوام کی اپنے رب سے مَحبَّت اس کی کرم نوازیوں پر منحصر ہوتی ہے، یعنی وہ اس کی نعمتیں، احسان، فضل و کرم اور اس کی عطا کردہ ظاہری عافیتوں کو دیکھ کر اس سے مَحبَّت کرتے ہیں۔ ان کی عِبادَت میں بھی نفسانی خواہش اور حاجت مخفی ہوتی ہے، وہ اپنے رب سے مَحبَّت کرتے بھی ہیں تو محض اس کی طرف سے ملنے والے فوائد اور آسائشوں کی وجہ سے اور اس کی ملکیت میں خزانوں اور دیگر نعمتوں کی وجہ سے۔ ان لوگوں کی مَحبَّت بھی اَحکام کے بدلنے سے بدل جاتی ہے، یہ لوگ اخلاص اور زہد کی دولت سے محروم ہوتے ہیں۔ بلکہ ان میں نفسانی خواہشات بدرجۂ اتم موجود ہوتی ہیں جو انہیں اللہ پاک کی خالص مَحبَّت اور صفائے قلب سے محروم و دور رکھتی ہیں۔ یہی ان لوگوں کے اوصاف ہیں جن کا انجام ان کے حق میں یا ان کے خلاف ہو گا۔ ان لوگوں کی مَحبَّت میں مُتَلَوِّن مزاجی پائی جاتی ہے (یعنی وہ ایک حالت پر قائم نہیں رہتے)، کیونکہ وہ اللہ پاک سے چونکہ اس کے افعال کی وجہ سے مَحبَّت کرتے ہیں لہٰذا ان کے بدلنے سے ان کی حالت بھی بدلتی رہتی ہے اور اس کے علاوہ ناپسندیدہ حالات و اَحوال درپیش آنے پر بھی یہ بدل جاتے ہیں۔ مریدین، عاملین، اہلِ رجا و طمع اور تائبین انہی لوگوں میں ہوتے ہیں بلکہ اصحابِ یمین کا شُمار بھی ان ہی لوگوں میں ہوتا ہے۔

(صاحب کتاب حضرت سیِّدُنا شیخ ابو طالب مکی رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں:) کسی عارِف کا قول ہے کہ ہر محبَّت عِوَض کے مُقابِل ہوتی ہے جب عِوَض جاتا رہے تو محبَّت بھی جاتی رہتی ہے۔

خواص کی محبت میں خدشات

بعض لوگ اپنے مقام میں اپنی حالت کو پہچان لیتے ہیں اور اپنی محبَّت کی کمی اور مشاہدہ کی کوتاہی کا اِعْتِراف کر کے توبہ و اِستِغفار کرنے لگتے ہیں مگر بعض لوگ ایسے بھی ہیں جن پر ان کی محبَّت اور یقین کی کمی ملتبس ہو جاتی ہے تو وہ ان صفات سے محبَّت کرنے لگتے ہیں جن کا تعلق ذاتِ باری تعالیٰ کے ساتھ ہوتا ہے۔ ایسے لوگوں کے مُتَعَلِّق حقیقت کے منکشف ہونے پر حالت کی تبدیلی کا خدشہ رہتا ہے، اس لیے کہ وہ فریب، آزمائش اور التباس و شبہ کا شِکار ہونے کے ساتھ ساتھ مکر و ہلاکت کی راہ پر گامزن ہوتے ہیں۔ ہاں! اگر ان کے پروردگار کی رحمت ان کا ساتھ دے تو وہ اپنے مقام پر اپنی حد میں ہی رہتے ہیں اور جب اپنے مقام و مرتبہ کے مُطابِق اپنے حال کی طرف رُجوع کرتے ہیں تو اللہ پاک کی محبَّت اور مُشاہدہ کے باعث اس کی بارگاہ میں توبہ و استغفار کرنے لگتے ہیں۔ یوں اللہ پاک بھی اس وقت ان پر رحم فرماتا ہے اور انہیں اہلِ عفو و درگزر میں شامل فرما دیتا ہے اور یوں دنیا میں جس طرح ان پر اپنی رحمت کا پردہ فرماتا ہے، آخِرت میں بھی ان کی پردہ پوشی فرمائے گا۔ گویا کہ اللہ پاک ان لوگوں کو دنیا و آخِرت دونوں جگہ اپنی صِفَتِ سَتّاری کی دولت عطا فرماتا ہے۔ یہی وہ چند باتیں ہیں جن سے صادق اہلِ محبَّت ڈرتے ہیں، کیونکہ ان میں محبَّت کا اِظْہار ہوتا ہے نہ کہ ظُہور۔ لہٰذا جس شخص میں یہ باتیں پائی جائیں وہ دھوکے میں مبتلا ہے اور اس کے محبَّت میں بدلنے کا خدشہ ہے۔

عوام کی محبت میں خدشات

افعالِ باری تعالیٰ کی بنیاد پر محبَّت کرنے والوں کی بھی دو صورتیں ہیں۔ ان میں بعض صرف اپنے رب کے افعال کی وجہ سے اس سے محبَّت کرتے ہیں مگر جب وہ اس کے کرم سے ان افعال کی حقیقت کا مُشاہدہ کرتے ہیں تو ہر فعل میں انہیں اسی کے جلوے کار فرما نظر آتے ہیں اور یوں جب انہیں بصیرت کی دولت ملتی ہے تو اپنی اس حالت پر باقی رہنے کے لیے محبَّت کو خالص کرنے کی کوششوں میں خوب مصروف ہو جاتے ہیں۔ یہ صورت دوسری سے اعلیٰ ہے اور یہ ان اہلِ آخِرت عوام کی محبَّت ہے جو آخِرت کی بہتری کے سوا کچھ

دیکھتے ہیں نہ کچھ طَلَب رکھتے ہیں۔ جبکہ ان عوام میں سے بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو اَفعالِ باری تعالیٰ کے بدلنے سے اپنے روز مرہ معمولات و عادات تک ترک کر بیٹھتے ہیں۔ جب ان پر لگاتار آزمائشوں کی بوچھاڑ ہوتی ہے اور مال و جان کی عافیتوں میں کمی واقع ہوتی ہے تو ان کی اصل صِفَت ابھر کر سامنے آجاتی ہے اور وہ اپنی ناراضی و بیزاری کا اِظْہار کرنے لگتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو اپنی مَحبَّت کے دعویٰ میں رسوا ہوتے ہیں اور جب **اللہ** پاک ان کی پوشیدہ حالت کو ان پر منکشف کرتا ہے تو ان کا وزن اہلِ مَحبَّت میں ذرہ برابر بھی نہیں رہتا۔ یہ ان اہلِ دنیا کی مَحبَّت ہے جو دنیا کی خاطر مَشَقَّت اٹھاتے ہیں اور صرف اسی کی طَلَب میں رہتے ہیں۔

خواص و عوام کی محبت میں فرق

حضرت سیِّدُنا جنید بغدادی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ سے جب مَحبَّت کے متعلق پوچھا گیا تو آپ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ نے اِرشاد فرمایا: مَحبَّتِ باری تعالیٰ میں لوگوں کی دو قسمیں ہیں: عوام اور خواص۔ عوام نے **اللہ** پاک کے دائمی احسان اور کثرتِ نعمت میں اس کی مَعْرِفَت کے ذریعے اسے پایا تو وہ اسے راضی کرنے سے اپنے آپ کو روک نہ سکے مگر ان کی مَحبَّت میں ان پر ہونے والے انعام واحسان کے مُطابِق کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔ جبکہ خواص کو یہ مَحبَّت **اللہ** پاک کی قدر و قدرت اور علم و حکمت کی عظمت اور سلطنت میں یکتائی کی وجہ سے حاصِل ہوئی۔ جب انہیں **اللہ** پاک کی صفاتِ کاملہ اور اس کے اسمائے حُسْنٰی کی معرفت نصیب ہوئی تو وہ اس سے مَحبَّت کئے بغیر نہ رہ سکے کیونکہ انہیں معلوم ہو گیا کہ وہی مُستَحِقِ مَحبَّت اور وہی اس کا اہل ہے، خواہ وہ ان سے اپنی تمام نعمتیں زائل فرمادے۔

شیطان کا حبیب و دوست

(صاحبِ کتاب حضرت سیِّدُنا شیخ ابو طالب مکّی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں:) بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو نفسانی خواہش اور **اللہ** پاک کے دشمن ابلیس سے مَحبَّت کرتے ہیں اور اپنے دھوکے اور جہالت میں مبتلا ہونے کے باوُجود یہ گمان کرتے ہیں کہ وہ **اللہ** پاک کے محب ہیں۔ جیسا کہ مجھے میرے مشائخ میں سے کسی نے بتایا کہ حضرت سیِّدُنا ابو محمد سَہل بن **عبد اللہ** تُستَرِی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ پر یہ اِعْتِراض ہوا کہ وہ ہر کسی کو دوست کہتے ہیں۔ تو میں نے آپ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ سے عرض کی: ہو سکتا ہے مخاطب آپ کے کہنے کے مُطابِق دوست اور حبیب نہ ہو؟ تو آپ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ نے میرے کان میں آہستہ سے فرمایا: وہ دو حال سے خالی نہ ہو گا یا تو مومن ہو گا یا منافق۔ اگر

مومن ہوا تو وہ اللہ پاک کا حبیب و دوست ہو گا اور اگر منافق ہوا تو شیطان لعین کا حبیب و دوست ہو گا۔

نفس سے محبت کی علامت

نفسانی خواہشات سے مَحبّت کی عَلامَت یہ ہے کہ بندہ نفس کی دنیاوی لذتوں کو آخِرت کی ان نعمتوں پر ترجیح دے جن کا وعدہ کیا گیا ہے اور نفس کی مَحبّت کو اللہ پاک کی مَحبّت پر مقدم جانے۔

نفس کی فطرت

(یاد رکھئے!) نفس کی فطرت میں یہ چیزیں شامل ہیں: ﴿1﴾ نفس کی مَحبّت ﴿2﴾ حق بات سے نفرت ﴿3﴾ پوشیدہ برائیوں کا بہت زیادہ حکم دینا اور ﴿4﴾ ظاہر نیکیوں کو جھٹلانا۔ جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

وَعَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَیْــٴًـا وَّ هُوَ خَیْرٌ لَّكُمْۚ وَ عَسٰۤى اَنْ تُحِبُّوْا شَیْــٴًـا وَّ هُوَ شَرٌّ لَّكُمْؕ (پ ٢، البقرۃ: ٢١٦)

ترجمۂ کنزالایمان: اور قریب ہے کہ کوئی بات تمہیں بری لگے اور وہ تمہارے حق میں بہتر ہو اور قریب ہے کہ کوئی بات تمہیں پسند آئے اور وہ تمہارے حق میں بری ہو۔

یہاں اس آیتِ مُبارَکہ میں نفس کی چاہت کا ذکر برائی کے ساتھ اور اس کی کراہت کا ذکر نیکی کے ساتھ کیا ہے۔

نفس کے اوصاف

﴿1﴾ عرب لوگ بطورِ مبالغہ نفس کو کَذَّابَۃٌ کہتے ہیں یعنی نفس وہ چیز ہے جس سے کثرت سے جھوٹ کا اِرتکاب ہوتا ہے۔

﴿2﴾ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

وَیْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِۙ۝۱ (پ ٣٠، الھمزۃ: ١)

ترجمۂ کنزالایمان: خرابی ہے اس کے لیے جو لوگوں کے منہ پر عیب کرے پیٹھ پیچھے بدی کرے۔

اس آیتِ مُبارَکہ میں هُمَزَة بطورِ مبالغہ اس شخص کو کہتے ہیں جو کسی کے منہ پر کثرت سے اس کے عیب بیان کرے اور اسے طعنے دے جبکہ لُمَزَة اس شخص کو کہتے ہیں جو پیٹھ پیچھے کثرت سے یہی کام کرے۔

﴿3﴾ اسی طرح **اللہ** پاک نے نفس کے اوصاف بیان کرتے ہوئے بطورِ مبالغہ اسے برائیوں کا کثرت سے حکم دینے والا قرار دیا اور ارشاد فرمایا:

لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ (پ ۱۳، یوسف: ۵۳) ترجمۂ کنزالایمان: برائی کا بڑا حکم دینے والا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ نفس کثرت سے اور بار بار ایک ہی کام کرنے کا حکم دیتا ہے۔

شیطان سے محبت کی علامت

شیطان سے مَحبّت کی عَلامت یہ ہے کہ نفس اس کی اَطاعت و مُوافقت کرے۔ کیونکہ اِتّباعِ شیطان میں **اللہ** پاک کی نافرمانی ہے اور **اللہ** پاک کی پسند کے برعکس کام کرنا نفس کی فطرت میں شامل ہے۔ جبکہ **اللہ** پاک نفس و شیطان کی مُخالَفت پسند کرتا ہے اور اس نے شیطان کو اور ہمیں اس نفس کے ذریعے آزمائش میں مبتلا کیا ہے۔ چنانچہ،

صاحب کتاب کی نصیحت

جان لیجئے! **اللہ** پاک کی طرف سے جو آپ کو تھوڑا سا ایمان اور صحیح توحید کی دولت ملی ہے اور اخلاص، صِدق اور حُسْنِ مُعامَلہ کا جو کچھ حِصّہ نصیب ہوا ہے وہ اس کثیر سے زیادہ مفید اور نفع والا ہے جو اس نے آپ پر ظاہِر کیا اور جس سے آپ کو آگاہ فرمایا۔ کیونکہ آپ کے لیے صرف وہی چیز ہے جو آپ نے دیکھی اور حاصِل کرنا چاہی، پھر اسے پا بھی لیا بشرطیکہ اس کا آپ کو مالک بھی بنایا گیا ہو اور اس پر غلبہ بھی عطا کیا گیا ہو۔ جبکہ وہ اشیا جن کو آپ نے طَلَب کیا نہ وہ آپ کے ہاتھ آئیں وہ دوسروں کی ہیں۔ جیسا کہ آپ آسمان تو دیکھتے ہیں مگر اسے پا نہیں سکتے، جبکہ زمین ہر اس شخص کی ہے جس کے لیے اسے مسخر کیا گیا ہے۔ لہٰذا یاد رکھئے کہ آپ کا ان اشیا کو دیکھنا جو دوسروں کے لیے بنائی گئی ہیں آپ کو نفع دے گا نہ کفایت کرے گا، بلکہ یہ اشیا اسی شخص کے لیے نافع ہوں گی جسے ان پر قبضہ دیا گیا اور وہ ان کا مالک بن گیا۔ بعض لوگوں کو یہ وہم ہو جاتا ہے کہ کسی شے کا اِظْہار اس کے ملنے کی علامت ہے اور جو کچھ وہ دیکھتے ہیں اور جانتے ہیں وہ سب کچھ گویا ان کی ملکیت اور قبضے میں ہے (یہ محض ان کی خام خیالی ہے)۔

خیال، حال اور مقام میں فرق

جان لیجئے کہ ایک ہزار خیالات کے آنے سے ایک حال نہیں ملتا اور ایک ہزار حال مل جائیں تب بھی ایک مقام حاصِل نہیں ہو سکتا، اس لیے کہ مقام وہ ہوتا ہے جو مستقل اور دائمی ہو۔ خیالات کی آمد کی مثال تو ہواؤں میں بادلوں کے گزرنے جیسی ہے۔ ایک قول کے مُطابِق یہ موسم گرما کے ان تھوڑے سے بادلوں کی مثل ہیں جو (بڑی شدت سے آتے ہیں، پھر فوراً) منتشر ہو جاتے ہیں۔ اَحْوال کے گزرنے کی مثال ایسی ہے جیسے زمانے میں موسم گزرتے ہیں۔ یعنی ہر سال میں چار موسم آتے ہیں: کبھی سردی ہوتی ہے تو کبھی گرمی، کبھی بہار تو کبھی خزاں۔

تحفۂ خداوندی

اللہ پاک کی طرف سے اپنے بندوں کو سب سے پہلے یہ تحفہ ملتا ہے کہ ان کے قلوب میں مشاہدات پیدا ہوتے ہیں اور ان کے نیک اعمال ان کے دَرَجات کا تعین کرتے ہیں۔ پھر ان بندوں کو کسی خاص علم سے یا مقربین کے مُشاہَدات، عارِفین کے عُلوم، متقین کی علامات اور صالحین کے اَخلاق میں سے کسی عمدہ صِفَت یا بہترین حال یا پسندیدہ خلق سے نوازا جاتا ہے۔

چند ضروری باتیں

(صاحب کتاب حضرت سیِّدُنا شیخ ابو طالب مکی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ اس فصل کا اختتام کرتے ہوئے فرماتے ہیں:)

- اس علم کی باتیں صِرف اسے ہی بتانا مُناسِب اور بہتر ہے جسے مُشاہَدہ کی دولت نصیب ہو بشرطیکہ اس علم کا تعلق علومِ قدرت و توحید سے ہو یا وہ کوئی ایسا درجہ ہو جو نیک اعمال کرنے، اَحْوال کی تبدیلی، دنیا میں زہد اپنانے اور طَلَبِ آخِرت کی سعی کرنے کی وجہ سے ملا ہو۔
- اگر یہ علم وعظ و نصیحت اور حصولِ فضائل و مستحبات پر مشتمل ہو تو اس کا بتانا بھی اسی وقت مفید ہو گا جب بندہ توبہ کے بعد اپنے حال میں اِستِقامَت اِختیار کر لے اور یہ صفت رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی سنتوں اور علم اُصول سے بخوبی آگاہی کے بعد علمِ حدیث میں کمال حاصِل کرنے سے پیدا ہوتی ہے۔ ورنہ وہ شخص تکلف کرنے والا اور خالی دعویٰ کرنے والا ہی شُمار ہو گا۔ البتہ! اگر اس نے کوئی سنی

ہوئی بات کی تو وہ اس کی حکایت بیان کرنے والا کہلائے گا یا اگر اس نے اپنے حال کی نسبت کسی کے حال کی طرف کی تو وہ راوی کہلائے گا۔

☜ نمود و زیبائش یعنی ظاہری لباس ایسا پہننا اور محض تصنع اِختیار کرنا دنیاوی زینت اور نفسانی خواہش کی زیبائش ہے۔

☜ اسی طرح تمنا و امید کا حال ہے، یعنی جو بات عقل گمان کرتی ہے یا نفس اس کا وہم کرتا ہے اور پھر وہ وہم پختہ ہوتا جاتا ہے یا وہ خیال شیطان لعین کے وسوسے سے پیدا ہوتا ہے تو اس کا تعلق ایمان سے ہے نہ علم الیقین سے، بلکہ یہ تو شیطانی وسوسے اور خیالات ہیں، اس لیے کہ یہ دلوں کی بیماری ہے جو گناہوں کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔

☜ فرمانِ مصطفےٰ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم ہے: جس نے خود کو طبیب ظاہر کیا حالانکہ اس نے علم طب حاصِل نہ کیا ہو اور اس نے کسی کو مار ڈالا تو وہ اس کا ضامن ہوگا۔ لہٰذا لوگوں کو قتل کا حکم دینے والا بھی قاتل ہی ہے۔ (1)

☜ جن باتوں کا اظہار انسان کو دھوکے و فریب میں مبتلا کر سکتا ہے وہ شمار سے باہر ہیں اور جن باتوں کا اِظہار حق کو ثابت کرتا ہے وہ پوشیدہ ہیں۔

☜ **اللہ** پاک ہی اپنی سلطنت کے خزانہ سے جو چاہتا ہے زبانوں اور دیگر اعضا پر ظاہِر فرماتا ہے، یہ باتیں زمین کے خزانوں کی مثل ہیں۔ ان میں اس کی تدبیر و حِکْمت کار فرما ہوتی ہیں اور ان خزانوں کے علوم ظاہری علوم ہیں جو زمین میں اس کے بندوں پر اس کی حجت ہیں۔

☜ **اللہ** پاک ہی اپنی پسند کے مطابق ملکوتی خزائن ظاہِر فرماتا ہے جو کہ قلوب، بصائر، کنوز اور ذخائر کہلاتے ہیں۔ یہ ملکوتی خزانوں کی مثل ہیں جو آسمان کے خزانے ہیں، یعنی ان میں تقدیر و نشانیاں ہیں جیسا کہ آسمانوں میں عَیاں ہیں۔ ان خزانوں کے علوم کا تعلق علم الیقین سے ہے اور اس سے مراد وہ باطنی علم نافع ہے جو وہ خاص ان لوگوں کو دیتا ہے جنہیں پسند فرماتا ہے اور وہ اس کے مقرب اولیائے کرام ہیں۔

مذکورہ تمام باتوں پر دلیل اس کا یہ فرمانِ عالیشان ہے:

---

1 ......ابو داود، کتاب الدیات، باب فیمن تطبب بغیر علم فاعنت، ۴/ ۲۵۹، حدیث: ۴۵۸۶

اِنِ الۡحُکۡمُ اِلَّا لِلّٰہِ ؕ (پ۷، الانعام: ۵۷) ترجمۂ کنزالایمان: حکم نہیں مگر اللہ کا۔

ایک مقام پر اِرشَاد ہوتا ہے:

وَّ لَا یُشۡرِکُ فِیۡ حُکۡمِہٖۤ اَحَدًا ﴿۲۶﴾ (پ۱۵، الکھف: ۲۶) ترجمۂ کنزالایمان: اور وہ اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں کرتا۔

جبکہ ایک مقام پر وہ اِرشَاد فرماتا ہے:

یَخۡتَصُّ بِرَحۡمَتِہٖ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ (پ۳، اٰل عمران: ۷۴) ترجمۂ کنزالایمان: اپنی رحمت سے خاص کرتا ہے جسے چاہے۔

وَلَا حَوۡلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الۡعَلِیِّ الۡعَظِیۡمِ۔

یہ مقامِ محبّت کی شرح کی انتہا ہے اور یہ یقین کے نو مقامات کی شرح کی بھی انتہا ہے۔

❀❀ ❀❀ ❀❀

اللہ، رسول اور اہلبیت کی محبت میں ترتیب

حضرت سیِّدُنا عبدُ اللہ بن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنۡہُمَا سے مروی ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے پیارے حبیب، حبیبِ لبیب صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: اَحِبُّوا اللہَ لِمَا یَغۡذُوۡکُمۡ بِہٖ مِنۡ نِعَمِہٖ وَاَحِبُّوۡنِیۡ لِحُبِّ اللہِ وَاَحِبُّوۡا اَھۡلَ بَیۡتِیۡ لِحُبِّیۡ یعنی اللہ عَزَّوَجَلَّ سے محبت کرو کیونکہ وہ تمہیں اپنی نعمتیں کھلاتا ہے اور محبّتِ الٰہی کے لئے مجھ سے محبت کرو اور میری محبت کے لئے میرے اہلِ بیت سے محبت کرو۔

(ترمذی، ۵/ ۴۳۴، حدیث: ۳۸۱۴۔ مستدرک حاکم، ۴/ ۱۳۱، حدیث: ۴۷۷۰)

مشہور مفسر، حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رَحۡمَۃُ اللہِ عَلَیۡہ **مراٰۃ المناجیح، جلد 8، صفحہ 493** پر اس حدیث شریف کی شرح میں فرماتے ہیں: میری محبت حاصل کرنے کے لئے میرے گھر والوں اولادِ پاک ازواج مطہرات سے محبت کرو کیونکہ وہ میرے محبوب ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ ان محبتوں میں ترتیب یہ ہے کہ اہلِ بیت کی محبت زینہ ہے حضور (صَلَّی اللہُ عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم) کی محبت کا اور حضور (صَلَّی اللہُ عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم) کی محبت ذریعہ ہے رب تعالٰی کی محبت کا۔ (از مرقات) مطلب یہ ہے کہ محبّتِ اہلِ بیت اس لئے چاہئے کہ وہ محبّتِ رسول کا ذریعہ ہے اس لئے نہیں کہ وہ بغضِ صحابہ کا ذریعہ بنے۔

فصل نمبر 33

اسلام کے پانچ بُنْیادِی اَرْکان

اسلام کا سب سے پہلا بنیادی رُکن

سب سے پہلے اَہلِ اِیمان کے لیے شہادتِ توحید کی فَرْضِیَّت اور اس کے فَضَائل بیان کیے جائیں گے یعنی مُقَرَّبِین اور رَسُولِ اَکْرَم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی شہادت اور اَہلِ یقین کے لیے اس شہادت کی فضیلت ذِکْر کی جائے گی۔ چنانچہ،

اللہ پاک نے اِرشَاد فرمایا اور اس کے دیگر تمام انبیائے کرام نے اس کے رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی تصدیق کی۔ چنانچہ اِرشَاد ہوتا ہے:

فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ

ترجمۂ کنزالایمان: تو جان لو کہ **اللہ** کے سوا کسی کی بندگی نہیں اور اے محبوب اپنے خاصوں اور عام مسلمان مردوں اور عورتوں کے گناہوں کی معافی مانگو۔ (پ ۲۶، محمد: ۱۹)

جبکہ اپنے بندوں کو اسی کی مثل حکم دیتے ہوئے اِرشَاد فرمایا:

فَاعْلَمُوْۤا اَنَّمَاۤ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ وَ اَنْ لَّاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ (پ ۱۲، ھود: ۱۴)

ترجمۂ کنزالایمان: تو سمجھ لو کہ وہ **اللہ** کے علم ہی سے اترا ہے اور یہ کہ اس کے سوا کوئی سچا معبود نہیں۔

فرض توحید کیا ہے؟

فرض توحید یہ ہے کہ دل سے درج ذیل باتوں کا اعتقاد رکھے:

- **اللہ** پاک وَاحِد (ایک) ہے، مگر اس کا ایک ہونا عدد کے اعتبار سے نہیں۔
- وہی اَوَّل (سب سے پہلے) ہے جس کا ثانی (یعنی اس کا کوئی دوسرا) نہیں۔
- وہ موجود ہے، اس میں کوئی شک نہیں۔
- وہ حاضر ہے، کبھی غائب نہیں ہوتا۔
- وہ عالم ہے، جہل سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

- وہ **قادر** (قدرت والا) ہے، عاجز ہونا اس کی صِفَت نہیں۔
- وہ **حَیّ** (زندہ) ہے جسے کبھی موت نہ آئے گی۔
- وہ **قَیُّوم** (ہمیشہ رہنے والا) ہے بے خبری اسے زیبا نہیں۔
- وہ **حَلیم** (بُردبار) ہے نادانی کا وہاں کوئی گزر نہیں۔
- وہ **سَمِیع و بَصِیر** (سننے و دیکھنے والا) ہے۔
- وہ ایسا **مالک** ہے جس کی سلطنت کو کبھی زوال نہ ہو گا۔
- وہ **قدیم** ہے (یعنی ہمیشہ سے ہے) اور اس کے قدیم ہونے کے وَقْت کا تَعَیُّن ممکن نہیں۔
- وہ **آخر** (سب سے پیچھے) ہے جس کے پیچھے ہونے کی کوئی حد نہیں۔
- وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا کہ ہمیشگی اس کی صِفَت ہے جسے اس نے اپنے لیے پیدا نہیں کیا۔
- وہ ابد الاباد و دائمی ہے، اس کے دوام کی کوئی انتہا نہیں، بلکہ یہ دوام اس کی صِفَت ہے جسے اس نے اپنے لیے پیدا نہیں کیا۔
- اس کے وجود کی کوئی ابتدا ہے نہ اس کے قدیم ہونے کا کوئی آغاز اور نہ اس کی ابدیت کی کوئی انتہا۔
- وہ اپنی اولیت میں آخر اور اپنی آخریت میں اول ہے۔
- اس کے تمام اسمائے حسنیٰ اور صِفات وانوار اس کی مخلوق ہیں نہ اس کی ذات سے جدا ہیں۔
- وہ ہر چیز سے آگے بھی ہے اور ہر چیز کے پیچھے بھی۔
- وہ ہر شے کے اوپر بھی ہے اور ہر شے کے ساتھ بھی۔
- وہ ہر شے کے اس کی ذات سے بھی قریب ہے۔
- وہ اَشیا کا مَحَل نہیں اور نہ ہی اَشیا اس کا مَحَل ہیں۔
- اس نے عَرْش پر بِلا کَیف و تشبیہ اِسْتِوا فرمایا جیسا اس نے چاہا۔
- وہ ہر شے کو جاننے والا ہے۔
- وہ ہر شے پر قُدْرَت رکھتا ہے۔

وہ ہر شے کا احاطہ کیے ہے۔

ہوا کا جوڑ وہ فضا ہے جو اس کے آگے ہے اور خلا کا جوڑ وہ مکان سے ہے جو اس کے آگے ہے اور حول (یعنی کائنات کی حدود کا گرد و پیش) کا جوڑا وہ فاصلہ ہے جو اس کے آگے ہے الغرض یہ تمام چیزیں زمینوں اور آسمانوں سے اوپر ہیں اور مخلوقات کے لئے پردہ و حجاب ہیں جو اَجرامِ لطیفہ سے مُتَّصِل اور اَجسامِ کثیفہ سے جُدا ہیں، یہ سب اس کی مَشِیَّت کی آماجگاہ اور اس کے اس فرمانِ عالیشان میں داخل ہیں:

وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ ترجمۂ کنز الایمان: اور ہم نے ہر چیز کے دو جوڑ بنائے۔

(پ ۲۷، الذّٰریٰت: ۴۹)

نیز اللہ پاک کے پیارے حبیب صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی اس دُعا میں بھی شامل ہیں: رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ مِلْأَ السَّمٰوَاتِ وَمِلْأَ الْاَرْضِ وَمِلْأَ مَا شِئْتَ مِنْ شَيْءٍ بَعْدُ۔[1] یعنی اے ہمارے ربّ! تمام خوبیاں تیرے لیے ہیں آسمانوں اور زمین کے برابر اور اس کے بعد اس شے برابر جس کو تو چاہے۔

ذاتِ باری تعالیٰ کے متعلق عقائد

اللہ پاک کی ذات جلالت و عظمتِ شان والی ہے۔

وہ اپنی ذات کے اِعْتِبار سے مُنْفَرِد اور اپنے اَوصاف کے اِعْتِبار سے یکتا ہے۔

اس کی ذات اِمْتِزاج (کسی شے میں ملنے) اور اِزْدِواج (کسی شے کے ملنے) سے پاک ہے۔

وہ اپنی تمام مخلوق سے جدا ہے۔

وہ اَجسام میں حُلول کرتا ہے نہ اَعراض اس میں حُلول کیے ہیں۔

اس کی ذات میں اس کا غیر شریک ہے نہ اس کے غیر میں اس کی ذات شریک ہے۔

مخلوق مخلوق ہی ہے (خالق نہیں) اور ذاتِ باری تعالیٰ خالق ہے (وہ مخلوق نہیں)۔ چنانچہ اس کا فرمان ہے:

فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ﴿۱۴﴾ ترجمۂ کنز الایمان: تو بڑی برکت والا ہے اللہ سب سے بہتر بنانے والا ہے۔

(پ ۱۸، المؤمنون: ۱۴)

[1] ......مسلم، کتاب الصلاۃ، باب اعتدال ارکان الصلاۃ وتخفیفھا فی تمام، ص ۲۴۵، حدیث: ۴۷۱

صفاتِ باری تعالیٰ کے متعلق عقائد

- **اللہ** پاک اسمائے حسنیٰ، صفات اور قُدرت وعَظَمت والا، صاحبِ کلام ومَشِیَّت اور انوار کا مالک ہے۔
- یہ سب غیر مخلوق اور غیر حادِث ہیں، یہی نہیں بلکہ **اللہ** پاک ہمیشہ سے اپنے جمیع اسمائے حسنیٰ، صفات وکلام اور انوار وارادے کے ساتھ قائم وموجود ہے۔
- وہ ملک وملکوت اور عزت وجبروت کا مالک ہے۔
- پیدا کرنا، حکم دینا اور سلطان وغلبہ کا حق اسی کو زیبا ہے۔
- وہ اپنی مخلوق وسلطنت میں جو چاہتا ہے اور جیسا چاہتا ہے حکم نافذ کرتا ہے۔
- اس کے حکم کے بعد کوئی حکم ہے نہ اس کی مَشِیَّت کے بعد کسی کی کوئی مَشِیَّت۔
- اگر وہ کسی شے کے ہونے کا ارادہ کرے تو وہ ہوتی ہے بلکہ اس کی مَشِیَّت کے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا۔
- بندہ اس کی رحمت کے بغیر مَعْصِیَّت سے بچنے کی طاقت پاتا ہے نہ اس کی مَحَبَّت کے بغیر اس کی طاعت وعِبادت کی قوت پاتا ہے۔
- ان تمام باتوں میں وہ یکتا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور نہ ہی کسی شے (کے بنانے) میں کوئی مدد گار۔
- کوئی اس پر اثباتِ وعید کو لازِم نہیں کر سکتا اور نہ ہی عفو ومہربانی میں اسے اس کی مَشِیَّت کا پابند بنا سکتا ہے۔
- ہم پر جاری احکام اس پر لازِم نہیں، اس کے کاموں کے ذریعہ اس کا امتحان لیا جا سکتا ہے نہ اس کے اقوال کے ذریعے اس کی جانب اشارہ کیا جا سکتا ہے۔
- وہ اپنی حِکْمَت کے ساتھ حکیم اور اپنے عَدْل کے ساتھ عادل ہے اور یہ دونوں اس کی ایسی صفات ہیں کہ اس کی حِکْمَت کو مخلوق کی حِکْمَت کے مشابہ قرار دیا جا سکتا ہے نہ اس کے عَدْل کو بندوں کے عَدْل پر قیاس کیا جا سکتا ہے۔
- اس نے جو احکام بندوں پر لازم کیے ہیں وہ اس پر لازم نہیں۔
- اس کا کوئی نام ایسا نہیں جو بندوں کے ناموں کی طرح مذموم ہو۔
- وہ عقول کی حُدُود سے بالاتر ہے اور افہام واوہام اور عقول کی پہنچ سے بلند تر ہے۔

وہ ویسا ہے جیسے اس نے خود اپنے اوصاف بیان کیے ہیں اور مخلوق نے جو اس کی مدح سرائی کی ہے وہ اس سے بھی بالا و اعلیٰ ہے۔ ہم اس کے وہی اوصاف بیان کرتے ہیں جو روایات اور اس کے پیارے حبیب صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے ثابت ہیں۔

اس جیسا کوئی نہیں، وہ تو ہر شے میں اپنے اسمائے حسنیٰ اور اپنی صفاتِ کاملہ کے اعتبار سے بھی بے مثل ہے۔ یہی نہیں بلکہ وہ تو تمثیل وادوات کی نفی کے اعتبار سے بھی ہر شے میں بے مثل ہے۔

وہ اپنی صفات کے ساتھ ہمیشہ ہمیشہ موجود رہے گا، اس کی یہ صفات کبھی اس سے جدا نہ ہوں گی، بلکہ اس کی یہ صفات اس کی ذات کے ساتھ ہی قائم رہیں گی اور اسی طرح ہمیشہ رہیں گی۔

وہ ہمیشہ ایسا ہی رہے گا کہ اس کی کوئی انتہا نہ ہو گی، نہ کوئی انجام، نہ کوئی کیف بیان ہو سکے گا نہ کوئی تشبیہ اور نہ کوئی اس کا ثانی ہو گا۔ بلکہ وہ اپنی وحدانیت واِنْفِرادیت کے ساتھ یکتا و تنہا ہی رہے گا۔

اس پر قیاس جاری نہیں ہو سکتا اور نہ ہی لوگوں کے ساتھ اس کی مثال دی جا سکتی ہے۔

کسی جنس سے اس کے اوصاف بیان نہیں ہو سکتے اور نہ ہی کسی حِس سے اسے محسوس کیا جا سکتا ہے۔

وہ کسی شے کی جنس سے تعلق نہیں رکھتا اور نہ ہی کسی شے کا اس سے کوئی تعلق ہے۔

اس کے اسمائے حسنیٰ وصفاتِ حمیدہ اور انوار و کلام کے علاوہ ملک و ملکوت میں جو کچھ ہے سب حادث اور اس کی رَبُوبِیَّت کا مظہر ہے۔

یہ سب کچھ پیدا ہوا، پہلے کچھ نہ تھا، ان میں کوئی شے نہ قدیم ہے نہ اول، بلکہ انہیں بعد میں پیدا ہونے والے زمانوں اور اوقات کے مُطابِق وجود کی دولت ملی۔

اللہ پاک ازلی ہے اور اس کی ازلیت ہمیشہ رہے گی۔ وہ ابدی ہے اور اس کی ابدیت کبھی خَتْم نہ ہو گی۔

وہ اپنی صِفَتِ قیومیت کے ساتھ قیوم اور دیمومیت کے ساتھ دائمی ہے۔

وہ ایسا اول ہے جس کا کوئی اول نہیں، وہ ایسا آخر ہے جس کا کوئی آخر نہیں۔

یہی اس کی حقیقت ہے، وہ یکتا ہے، وہ بے نیاز ہے۔

اس نے کسی کو جنا نہ وہ کسی سے جنا گیا۔ یعنی وہ کسی کا بیٹا ہے نہ کسی کا باپ۔

کوئی شے اس کی ذات سے پیدا نہ ہوئی اور نہ ہی اس کی ذات کسی شے سے پیدا ہوئی۔

وہ ہر اس بات سے پاک و برتر ہے جو ملحدین اس کے بارے میں کہتے ہیں۔

شہادتِ رسول کی فرضیت

اللہ پاک جو بزرگ و برتر ہے، کا فرمانِ عالیشان ہے:

وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَاۤ اٰتَیْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّ حِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَ لَتَنْصُرُنَّهٗؕ

ترجمۂ کنزالایمان: اور یاد کرو جب اللہ نے پیغمبروں سے ان کا عہد لیا جو میں تم کو کتاب اور حکمت دوں پھر تشریف لائے تمہارے پاس وہ رسول کہ تمہاری کتابوں کی تصدیق فرمائے تو تم ضرور ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور ضرور اس کی مدد کرنا۔ (پ ۳، ال عمران: ۸۱)

ایک مقام پر اِرشاد ہوتا ہے:

مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَۚ

ترجمۂ کنزالایمان: جس نے رسول کا حکم مانا بے شک اس نے اللہ کا حکم مانا۔ (پ ۵، النسآء: ۸۰)

اور ایک مقام پر اِرشاد ہوتا ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَكَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰهَؕ

ترجمۂ کنزالایمان: وہ جو تمہاری بیعت کرتے ہیں وہ تو اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں۔ (پ ۲۶، الفتح: ۱۰)

شہادتِ رسول کی فرضیت سے مُراد بندے کا درج ذیل باتوں کی گواہی دینا ہے:

- حضرت سَیِّدُنا محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم اللہ پاک کے رسول ہیں۔
- آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم خاتم الانبیا ہیں، آپ کے بعد کوئی نبی نہ ہو گا۔
- آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی کتاب آخری کتاب ہے، اس کے بعد کوئی کتاب نازل نہ ہو گی۔
- آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم (یا آپ پر نازل شدہ کتاب باقی) ہر آسمانی کتاب پر نہ صرف نگہبان ہیں، بلکہ گزشتہ تمام آسمانی کتب کی تصدیق کرنے والے بھی ہیں۔

☜ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی شریعت گزشتہ تمام شریعتوں کی ناسخ ہے، انہیں ختم کرنے والی ہے سوائے ان اَحکام کے جن کو قرآنِ مجید نے برقرار رکھا اور ان کی موافقت کی۔

☜ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی کتاب گزشتہ تمام آسمانی کتابوں پر گواہ اور ان کی حاکم ہے۔

☜ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم ہی کی بشارت حضرت سَیِّدُنا عیسٰی عَلَیْہِ السَّلَام نے اپنی اُمَّت کو دی تھی۔

☜ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم ہی کے مُتَعَلِّق حضرت سَیِّدُنا موسٰی عَلَیْہِ السَّلَام نے اپنی اُمَّت کو بتایا تھا۔

☜ آپ کا ذکرِ خیر تورات وانجیل اور دیگر تمام اللہ پاک کی نازل کردہ آسمانی کتابوں میں موجود ہے۔

☜ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم ہی وہ مبارک ہستی ہیں جن کے متعلق پیغمبروں سے عہد لیا گیا تھا کہ اگر وہ اپنی حیات میں انہیں پالیں تو ان پر ایمان لائیں گے اور ان کی مدد کریں گے، انہوں نے اس عہد کو تسلیم کیا اور اللہ پاک نے ان کی اس شہادت پر گواہی دی۔

☜ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم ہی کے مُتَعَلِّق انبیائے کرام نے اپنی اپنی امتوں سے آپ پر ایمان لانے کا عہد لیا اور انہیں آپ کی تصدیق کرنے کا حکم دیا، نیز انہیں آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے ظہور کی علامات بھی بتائیں۔

☜ حضرت سَیِّدُنا موسٰی عَلَیْہِ السَّلَام اور حضرت سَیِّدُنا عیسٰی عَلَیْہِ السَّلَام بھی اگر آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا زمانہ پا لیتے تو ان پر بھی آپ کی شریعت کو ماننا لازم ہوتا۔

☜ بنی اسرائیل کے باقی ماندہ تمام یہودی و عیسائی آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی رسالت کا انکار کرنے کی وجہ سے کافر ہیں۔ حالانکہ ان کا آپ کی کتاب پر ایمان لانا فرض تھا اور یہ حکم انہیں ان کی کتابوں میں اور ان کے رسولوں کی زبانی دیا گیا۔

☜ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی اطاعت و مَحبَّت تمام مخلوق پر فرض ہے جیسا کہ اللہ پاک کی اطاعت و عبادت فرض ہے۔

☜ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے جن باتوں کے بجا لانے کا حکم دیا ہے ان کی پیروی اور جن باتوں سے منع فرمایا ہے ان سے بچنا ساری اُمَّت پر واجب ہے اور اس بات کو اللہ پاک نے ان پر واجب ٹھہرایا ہے، نیز یہ ایک ایسا فرض ہے جسے اللہ پاک نے دیگر فرائض کے ساتھ ان پر فرض قرار دیا ہے۔

شہادتِ رسول کے فضائل کا بیان

فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ یَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْؕ

ترجمۂ کنزالایمان: اے محبوب تم فرمادو کہ لوگو اگر تم **اللہ** کو دوست رکھتے ہو تو میرے فرمانبردار ہو جاؤ **اللہ** تمہیں دوست رکھے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔ (پ ۳، اٰل عمرٰن: ۳۱)

اللہ پاک کے محبوب صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا فرمانِ محبّت نشان ہے: کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اسے اس کے اہل، مال اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔[1]

ایک رِوایَت میں سرورِ کائنات صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اِرشَاد فرمایا: اگر حضرت موسیٰ و عیسیٰ بھی میرا زمانہ پالیتے تو میری پیروی کے بغیر انہیں کوئی چارہ نہ ہوتا۔[2] جب کہ ایک رِوایَت میں ہے کہ اگر وہ دونوں بھی مجھ پر ایمان نہ لاتے تو **اللہ** پاک انہیں بھی جہنّم میں ڈال دیتا۔[3]

نامِ محمد کی برکت

ایک اسرائیلی رِوایَت میں ہے کہ ایک شخص نے **اللہ** پاک کی 200 سال تک نافرمانی کی، اس عرصہ میں وہ نافرمانی و سرکشی کے ساتھ ساتھ بارگاہِ خداوندی میں دیدہ و دلیری کا بھی مُرتکِب ہوتا رہا۔ جب وہ مرا تو بنی اسرائیل نے اسے ٹانگ سے پکڑ کر کوڑا کرکٹ کے ڈھیر پر پھینک دیا۔ ادھر **اللہ** پاک نے حضرت سیِّدُنا موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام کو وحی فرمائی کہ اس کے غسل اور کفن کا اہتمام کریں اور تمام بنی اسرائیل کو لے کر اس کی نمازِ جنازہ پڑھیں۔ آپ عَلَیْہِ السَّلَام نے ایسے ہی کیا جیسا کہ حکم ہوا تھا تو بنی اسرائیل اس پر بڑے حیران ہوئے، انہوں نے حضرت سیِّدُنا موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام کو بتایا کہ بنی اسرائیل میں اس شخص سے بڑھ کر **اللہ** پاک کا کوئی سرکش اور زیادہ نافرمان نہ تھا تو آپ عَلَیْہِ السَّلَام نے اِرشَاد فرمایا: ہاں! میں جانتا ہوں، مگر **اللہ** پاک نے

---

1 ......مسلم، کتاب الایمان، باب وجوب محبة رسول الله . . . الخ، ص ۴۲، حدیث: ۴۴

2 ......مسند احمد، مسند جابر بن عبد الله، ۵/ ۹۸، حدیث: ۱۴۶۳۶، نحوه، بدون: عیسی علیه السلام

3 ...... تخریج نہیں ملی۔

مجھے ایسا کرنے کا حکم دیا ہے۔ انہوں نے عرض کی: پھر ہماری خاطر اپنے رب سے (حقیقت) پوچھئے۔ تو آپ عَلَیْہِ السَّلام نے بارگاہِ خداوندی میں عرض کی: اے میرے رب! تو خوب جانتا ہے کہ جو کچھ یہ لوگ کہہ رہے ہیں۔ چنانچہ **اللہ** پاک نے وحی فرمائی: انہوں نے سچ کہا ہے کہ اس نے 200 سال تک میری نافرمانی کی مگر ایک دن اس نے تورات کو کھولا تو میرے حبیب **محمد** (صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم) کا نام دیکھ کر اس نے چوما اور اسے اپنی آنکھوں سے لگالیا تو میں نے اس کا یہ عمل قبول کرلیا اور اس کے 200 سال کے گناہ معاف فرمادیئے۔[1]

سرکار صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے میلاد پر خوشی کی برکت

حضرت سَیِّدُنا عباس رَضِیَ اللہُ عَنْہ سے بھی اسی مفْہُوم کی ایک رِوایَت مَرْوِی ہے، آپ فرماتے ہیں کہ (دورِ جاہلیت میں) میرا ابولہب سے کافی دوستانہ اور بھائی چارہ تھا، جب وہ مرگیا اور **اللہ** پاک نے اس کے عذاب میں مبتلا ہونے کی خبر دی تو مجھے (اس سابِقہ تعلّق کی وجہ سے) بڑا دکھ ہوا اور اس کے مُعامَلہ کی بڑی فکر ہوئی۔ میں سال بھر تک **اللہ** پاک سے یہ دعا مانگتا رہا کہ ابولہب مجھے خواب میں نظر آئے، چنانچہ میں نے اسے خواب میں دیکھا کہ وہ جہنّم کی آگ میں جل رہا ہے، جب میں نے اس سے حالت پوچھی تو کہنے لگا: میں جہنّم کے عذاب میں مبتلا ہوں جو کبھی کم ہوتا ہے نہ کبھی آرام ملتا ہے، البتہ! ہر پیر کی رات مجھ سے عذاب دور کردیا جاتا ہے۔ میں نے وجہ پوچھی تو کہنے لگا: اس رات **محمد عربی** (صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم) کی پیدائش ہوئی تو ثویبہ (نامی ایک کنیز) میرے پاس آئی اور مجھے آمنہ کے گھر بچے کی ولادت کی خوش خبری سنائی تو میں بہُت خوش ہوا اور اسی خوشی میں اپنی کنیز کو آزاد کردیا۔ پس **اللہ** پاک نے مجھے اس کا بدلہ یہ عطا کیا ہے کہ ہر پیر کی رات مجھ سے عذاب میں تخفیف فرمادیتا ہے۔[2]

محبتِ رسول کی علامات

پہلی علامت

اللہ پاک نے اپنے پیارے **حبیب** صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے **مَحبّت** کے **ثُبُوت** کی **وَضاحَت** کرتے ہوئے

---

[1] ....حلیۃ الاولیاء، وھب بن منبہ، ۴/۴۲، رقم: ۴۶۹۵

[2] ....بخاری، کتاب النکاح، باب وامھاتکم اللاتی ارضعنکم (النسآء: ۲۳)، ۳/۴۳۲، حدیث: ۵۱۰۱

مصنف عبد الرزاق، کتاب الطلاق، باب یحرم من الرضاع مایحرم من النسب، ۷/۳۸۱، حدیث: ۱۴۰۲۲

اِرشاد فرمایا ہے:

یُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَیْهِمْ ترجمۂ کنز الایمان: دوست رکھتے ہیں انہیں جو ان کی طرف ہجرت کر کے گئے۔ (پ ۲۸، الحشر: ۹)

(یعنی آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے مَحبَّت کرنے والوں کو محبوب جانتا) پھر اس کے بعد اِرشاد فرمایا:

وَیُؤْثِرُوْنَ عَلٰۤی اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۫ؕ (پ ۲۸، الحشر: ۹) ترجمۂ کنز الایمان: اور اپنی جانوں پر ان کو ترجیح دیتے ہیں اگرچہ انہیں شدید محتاجی ہو۔

مُراد یہ ہے کہ سرکار صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے مَحبَّت کی عَلامت یہ ہے کہ آپ کی سنّتوں کو اپنی عَقْل و رائے پر ترجیح دی جائے اور مال و جان اور زبان سے آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی مَدَد کی جائے۔

دوسری علامت

مَحبَّت کی ایک عَلامت یہ ہے کہ ظاہری وباطنی طور پر آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا اِتّباع کرے۔

ظاہری اتباع

ظاہری اِتّباع سے مُراد یہ ہے:

☜ فَرائِض اَدا کرے۔ ☜ حَرام اُمور سے اِجْتِناب کرے۔ ☜ آپ کے اَخلاقِ حُسنہ کو اپنائے۔

☜ آپ کے شمائل و آداب کی اِقتدا کرے۔ ☜ آپ کے آثار کا اِتّباع کرے۔

☜ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی روایات کی تلاش و جستجو میں رہے۔ ☜ دنیا میں زہد اپنائے۔

☜ دنیاداروں سے الگ ہو جائے۔ ☜ غفلت و نفسانی خواہشات کے پیکر لوگوں سے بچے۔

☜ کثرتِ مال اور دنیا پر فخر کو چھوڑ دے۔ ☜ اُخروی اَعمال کی ادائیگی پر توَجُّہ دے۔

☜ اہلِ آخِرت کا قُرب حاصل کرے۔ ☜ فُقَرا سے مَحبَّت رکھے اور ان سے اپنی مَحبَّت کا اِظْہار بھی کرے۔

☜ ان کی قربت چاہے، اکثر ان کی ہم نشینی کا شَرَف پائے۔ ☜ ان کے دنیاداروں سے اَفضل ہونے کا اِعْتِقاد رکھے۔

☜ اللہ پاک کی خاطر اس کے مَحبوب اور مُقرَّب بندوں یعنی علما، عابدین اور زاہدین سے مَحبَّت رکھے۔

☜ اللہ پاک کی خاطر گناہ گاروں اور اس کی رحمت سے دور ہونے والے بندوں یعنی بدعتی اور ملعون فاسقوں

سے نفرت کرے۔

باطنی اتباع

باطنی اِتّباع سے مُراد یہ ہے کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے باطنی حال کی پیروی کی جائے یعنی مقاماتِ یقین اور مُشاہَداتِ عُلومِ ایمان کے حُصُول کی کوشش کرے۔ مثلاً خوف، رضا، شکر، حیا، تسلیم، توکُّل، شوق، مَحبّتِ باری، دل کو خالص **اللہ** پاک کے لیے فارغ کرنا، فکر کو اپنے رب کی عِبادَت میں مصروف رکھنا اور ذکرِ الٰہی سے ہی اطمینان پانا۔ یہ سب خواص کے مُعامَلات اور سرورِ کائنات صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے باطنی معانی و مفاہیم کا کچھ حِصّہ ہیں۔

(صاحبِ کتاب حضرت سَیِّدُنا شیخ ابو طالب مَکّی رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں:) آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے ظاہری و باطنی اتباع سے یہی مُراد ہے، جس میں یہ سب باتیں پائی جائیں اسے مَحبّتِ باری تعالیٰ کا بھی ایک وافر حِصّہ ملتا ہے۔ جیسا کہ **اللہ** پاک کا فرمانِ عالیشان ہے:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (پ ۳، اٰل عمران: ۳۱)

ترجمۂ کنزالایمان: اے محبوب تم فرمادو کہ لوگو اگر تم **اللہ** کو دوست رکھتے ہو تو میرے فرمانبردار ہو جاؤ **اللہ** تمہیں دوست رکھے گا۔

نیز حضرت سَیِّدُنا ابو محمد سہل بن **عبد اللہ** تُستَرِی رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ فرمایا کرتے تھے کہ **اللہ** پاک کی مَحبّت کی علامَت اس کے محبوب صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا اِتّباع ہے اور **اللہ** پاک کے پیارے حبیب صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے اتباع کی علامَت دنیا میں زہد اپنانا ہے۔

اس کے علاوہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

وَ مَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ فَاُولٰٓىٕكَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ (پ ۵، النسآء: ۶۹)

ترجمۂ کنزالایمان: اور جو **اللہ** اور اس کے رسول کا حکم مانے تو اُسے ان کا ساتھ ملے گا جن پر **اللہ** نے فضل کیا۔

اس کی تفسیر میں حضرت سَیِّدُنا سہل تُستَرِی رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں کہ اس آیتِ مبارکہ میں **اللہ** پاک اور اس کے رسول کا حکم ماننے سے مُراد یہ ہے کہ فرائض کی ادائیگی سے **اللہ** پاک کی اطاعت کرے اور

سنتوں پر عمل کر کے **اللہ** پاک کے محبوب صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی اطاعت کرے۔ لہٰذا جب بندہ بدعتوں سے اِجْتِنَاب کرتے ہوئے آپ کے اخلاقِ حسنہ کو اپنا لے تو یقیناً اس نے آپ کا اِتِّبَاع کیا اور اب **اللہ** پاک کا بھی محبوب بندہ بن گیا ہے اور کل بروزِ قیامت آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے ساتھ آپ کے مقام میں آپ کی ہم نشینی کا شَرَف پائے گا۔

شہادتِ توحید کے فضائل اور اہلِ یقین کی توحید کے اوصاف کا بیان

فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَۙ وَ الْمَلٰٓىٕكَةُ وَ اُولُوا الْعِلْمِ قَآىٕمًۢا بِالْقِسْطِؕ (پ ۳، اٰل عمران: ۱۸)

ترجمۂ کنزالایمان: **اللہ** نے گواہی دی کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور فرشتوں نے اور عالموں نے انصاف سے قائم ہو کر۔

ایک مقام پر اِرشَاد فرمایا:

وَ الَّذِیْنَ هُمْ بِشَهٰدٰتِهِمْ قَآىٕمُوْنَ ۪ۙ(۳۳)

ترجمۂ کنزالایمان: اور وہ جو اپنی گواہیوں پر قائم ہیں۔

(پ ۲۹، المعارج: ۳۳)

اہلِ یقین کی شہادت

اہلِ یقین اپنے یقین کے باعث یہ شہادت دیتے ہیں:

- **اللہ** پاک ہی ہر شے میں اَوَّل ہے اور وہ کسی بھی شے سے زیادہ ان کے قریب ہے۔
- وہ مُعْطِی (عطا کرنے والا)، مانِع (روکنے والا)، ہادِی (راہ دِکھانے والا) اور مُضِلّ (راہ سے بھٹکانے والا) ہے۔
- اس کے سِوا کوئی مُعْطِی ہے نہ مانِع، کوئی ضارّ (نُقصان پہنچانے والا) ہے نہ نافِع (نَفْع دینے والا)، جیسا کہ اس کے سِوا کوئی مَعْبُود نہیں۔
- **اللہ** پاک ان کے قریب ہے۔
- وہ ان کی جانِب دیکھ رہا ہے۔
- وہ ان پر قادِر ہے۔
- وہ ان کا اِحاطہ کیے ہوئے ہے۔

لہٰذا ان کی نَظَر و فِکْر ہر شے سے پہلے اپنے رب کی طرف مُتَوَجِّہ ہوتی ہے ❁...وہ ہر شے میں اس کا ذِکْر کرتے ہیں ❁...اپنے دِل کو (اس کی خاطر) ہر شے سے خالی کر لیتے ہیں ❁...ہر شے میں اسی کی بار گاہ کی طرف رُجُوع کرتے ہیں اور ❁...ہر شے سے منہ موڑ کر صِرف اپنے معبودِ حقیقی کا شوق رکھتے ہیں۔

اللہ پاک کی صفت "قریب" کا بیان

نیز اہْلِ یقین یہ بات بھی بخوبی جانتے ہیں کہ **اللہ** پاک ...ان کی شہ رگ سے زیادہ ان کے دل کے ...ان کی زِنْدَگی سے زیادہ ان کی روح کے ...ان کی بینائی سے زیادہ ان کی آنکھ کے اور ...ان کے لعاب سے زیادہ ان کی زبان کے قریب ہے۔ مگر **اللہ** پاک کا یہ قریب ہونا اس کی صِفَت ہے، ایسا نہیں کہ وہ کسی کے قریب ہوتا ہے یا کسی کو اپنے قریب کر لیتا ہے۔ اس لیے کہ اہلِ یقین یہ بات بھی بخوبی جانتے ہیں کہ ...**اللہ** پاک ان سب اَشیا کے قریب ہونے کے باوُجود عرش پر ہے (جیسا اس کی شان کے لائق ہے) ...لیکن وہ عرش سے بھی اسی طرح بالا و بلند تر ہے جس طرح کہ زمین سے بالا و بلند تر ہے اور ...وہ عرش کے بھی اسی قدر قریب ہے جس قدر زمین اور دیگر ہر شے کے قریب ہے۔

اللہ پاک عَرْش پر ہے مگر اس کے باوُجود عَرْش کسی حِس سے اس کو مَحْسُوس کر رہا ہے نہ اس کے دِل میں اس کے بارے میں کوئی خیال ہے، وہ اپنی آنکھ سے اس کی جانِب دیکھ رہا ہے نہ کسی طرح اس کے اِدْرَاک کا اِحاطہ کیے ہوئے ہے۔ اس لیے کہ **اللہ** پاک اپنی قُدْرَت کے باعث اپنی تمام مَخْلُوق سے حِجاب میں ہے، عَرْش کو **اللہ** پاک سے صِرف اتنا ہی حِصّہ حاصِل ہے جس قَدْر کہ کسی صَاحِبِ یقین، عارِفِ رَبّانی کو حاصِل ہے اور وہ یہ کہ **اللہ** پاک عَرْش پر ہے اور عَرْش بھی اس پر مطمئن ہے کہ **اللہ** پاک اس کا اِحاطہ کیے ہے۔

خدا کا ہر شے سے بالا ہونا

اللہ پاک ہر شے سے فوق (بالا و بلند تر) ہے، وہ ہر شے کے تحت (نیچے، پست) سے بھی فوق (بالا) ہے۔ وہ فوق کا بھی فوق (یعنی بالا سے بھی بالا) اور تحت کا بھی فوق (یعنی پست سے بھی اعلیٰ) ہے، مگر تحت (پست) کے ساتھ اس کی صِفَت بیان نہیں کی جا سکتی کہ اس کا کوئی فوق (بالا) بھی ہو۔ اس لیے کہ وہ جہاں بھی ہے سب سے بلند تر اور اعلیٰ ہے۔ اس کی قدرت اور اس کے علم سے کوئی جگہ خالی ہے نہ کوئی جگہ اس کی حد بندی کر سکتی ہے،

وہ کسی مکان سے جدا ہے نہ کسی مکان میں پایا جاتا ہے۔ اگرچہ اسفل کے لیے تحت اور اعلیٰ کے لیے فوق کا لفظ استعمال ہوتا ہے مگر **اللہ** پاک عَظَمَت و بُلندی میں ہر فوق و تحت سے فوق (بالا) ہے۔ **اللہ** پاک زمینی فرشتوں سے اسی طرح بالا ہے جیسا کہ عرشی فرشتوں سے بالا ہے۔

مکان و وجود کیا ہے؟

اَماکن یعنی جگہوں کا تعلّق ممکنات سے ہوتا ہے مگر **اللہ** پاک (ان سے پاک ہے، البتہ! اس) کا مَکان اس کی مَشِیَّت اور اس کا وُجود اس کی قُدرَت ہے۔ جبکہ عَرش و زمین اور ان دونوں کے مابین جو کچھ ہے سب اَسفَل و اَعلیٰ مخلوق کی حدیں ہیں جو اس کے قبضۂ قُدرَت میں رائی کے دانے کی حَیثیَّت رکھتی ہیں۔

ہر شے کو محیط ہونے سے مراد

اللہ پاک ہر شے سب سے بالا و اعلیٰ اور سب کا اِحاطہ کیے ہوئے ہے، یہ اِحاطہ کرنا اس کی صِفَت، ان سب پر وُسعَت رکھنا اس کی قُدرَت اور ان سے بالاتر ہونا اس کی عَظَمَت ہے، عَقل اس کا اِدراک کر سکتی ہے نہ وہم و گمان اسے سمجھ سکتے ہیں، اس کی بُلندی کی کوئی اِنْتِہا ہے نہ اس کے بالاتر ہونے پر کوئی فوق (بالا ہونے) کی حَیثیَّت رکھتا ہے، اس کے قُرب میں کوئی بُعد ہے نہ اس کے وُجود میں کوئی اِحساس، اس کے شُہود (یعنی موجود ہونے) کو محسوس کیا جاسکتا ہے نہ اس کے حُضُور کا اِدراک مُمکن ہے اور نہ اس کے اِحاطے کا کوئی اِحاطہ کر سکتا ہے۔ ان سب باتوں کو **اللہ** پاک نے اپنے اس فرمانِ عالیشان میں بیان فرمایا ہے:

یَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ (پ ۱۴، النحل: ۵۰) ترجمۂ کنزالایمان: اپنے اوپر اپنے رب کا خوف کرتے ہیں۔

ایک مقام پر اِرشاد فرمایا:

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى ۙ(۱) ترجمۂ کنزالایمان: اپنے رب کے نام کی پاکی بولو جو سب سے بلند ہے۔ (پ ۳۰، الاعلیٰ: ۱)

اور ایک جگہ پر ہے:

اَلَاۤ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْطٌ ۠(۵۴) ترجمۂ کنزالایمان: سنو وہ ہر چیز کو محیط ہے۔

(پ ۲۵، حم السجدۃ: ۵۴)

- **اللہ** پاک سے کوئی شے کسی شے کو چھپا نہیں سکتی اور نہ ہی اس سے کچھ دُور کر سکتی ہے۔
- وہ اپنے اَوصافِ حَمیدہ یعنی قُدرَت و اِدْرَاک کے اِعْتِبار سے ہر شے کے قریب ہے اور اَشیا اپنے اَوصاف یعنی بُعد و حِجاب کے اِعْتِبار سے اس سے دُور ہیں۔
- یہ بُعد اور دُوریاں سب اسکی مَشِیَّت کا حُکم ہیں۔
- یہ حُدُود اور اَقطار اس کی مخلوق کے حِجاب ہیں۔
- یہ فاصلے اور مَقامِ ملاقات اس کے غیر کا مَقام ہیں۔
- یہ سمتیں اور اَطراف حادث اشیا کی جگہیں ہیں۔
- یہ دن اور رات اَہْلِ تصرُّف کے ٹھکانے ہیں۔
- یہ بُعد اور فضا مخلوق کا مَکان ہیں۔
- یہ وُسعَت اور ہوا جہانوں کا مَحَل ہیں۔
- یہ اَحْکام و اَقْدار اس کی مخلوق پر نافذ ہیں۔
- **اللہ** پاک مِقْدار و اَحْکام سے بالاتر، عقول و اوہام سے ماورا اور اَقْدار سے آگے ہے۔
- وہ اپنی عزت و غلَبہ کے باعث افکار سے پوشیدہ ہے۔
- کوئی فِکْر اس کا تصوُّر باندھ نہیں سکتی ہے اور نہ ہی کوئی وہم اس کا اِدْرَاک کر سکتا ہے۔
- عقلیں حجاب میں ہیں، وہ نہ تو اس کی ذات کا اِدْرَاک کر سکتی ہیں اور نہ ہی اس کی صِفات کا۔
- وہ بے مِثْل ہے کہ اسے مِثال سے سمجھا جا سکے۔
- وہ جِنْس سے بھی پاک ہے کہ اسے کسی جِنْس پر قِیاس کیا جا سکے۔
- وہ خود اپنے مُتعلّق اِرشاد فرماتا ہے:

وَهُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَفِي الْاَرْضِ ؕ ترجمۂ کنز الایمان: اور وہی **اللہ** ہے آسمانوں کا اور زمین کا۔

(پ ۷، الانعام: ۳)

- ایک مَقام پر اِرشاد ہوتا ہے:

ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ترجمۂ کنز الایمان: پھر عرش پر استواء فرمایا جیسا اس کی شان کے لائق ہے۔ (پ ۱۱، یونس: ۳)

ایک مقام پر ہے:

وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ ؕ (پ ۲۷، الحدید: ۴) ترجمۂ کنز الایمان: اور وہ تمہارے ساتھ ہے تم کہیں ہو۔

- وہ نہ مخلوق سے مُتَّصِل ہے، نہ اس سے جدا ہے۔
- وہ نہ کائنات کے قریب ہے نہ اس سے دور ہے۔
- بلکہ وہ اپنی ذات کے اِعْتِبار سے مُنْفَرِد اور اپنے اَوصاف کے اِعْتِبار سے یکتا ہے۔
- وہ کسی شے سے ملا ہوا نہیں ہے اور نہ ہی کوئی شے اس سے ملی ہوئی ہے۔
- وہ ہر شے کے قریب ہے کہ قُرب اس کا وَصف ہے۔
- وہ ہر شے کو محیط ہے کہ احاطہ اس کا وَصف ہے۔
- وہ ہر شے کے ساتھ بھی ہے اور ہر شے کے اوپر بھی۔
- وہ ہر شے کے سامنے بھی ہے اور ہر شے کے پیچھے بھی۔
- بالاتر ہونا اور قریب ہونا اس کے اوصاف ہیں۔
- وہ حاملینِ عَرْش کے حَول (یعنی طاقت و قُدْرَت) سے بھی بالاتر ہے۔
- وہ اس شہ رگ سے بھی قریب ہے جو کہ روح کی حَیثِیَّت رکھتی ہے۔
- اس کے باوُجُود وہ ہر شے سے بالاتر بھی ہے اور ہر شے کو محیط بھی، مگر کوئی شے اس کو محیط نہیں۔
- نیز وہ کسی شے کا مَکان ہے نہ کوئی شے اس کا مَکان ہے۔
- کوئی شے اس کے اَوصاف میں اس کی مِثل نہیں۔
- اس کی سَلْطَنَت میں نہ کوئی اس کا شریک ہے اور نہ ہی اس کی مخلوق میں کوئی اس کا مَدَدگار ہے۔
- اس کے بندوں میں سے کوئی نہ تو اس کی نظیر ہے اور نہ ہی اس کی وَحْدَت میں کوئی اس کے مُشابِہ ہے۔
- وہ اپنی آخِرِیَّت میں اَوَّل ہے کہ اَوَّلِیَّت اس کی صِفَت ہے۔

- وہ اپنی اَوَّلِیَّت میں آخِر ہے کہ آخِرِیَّت اس کا وَصف ہے۔
- وہ اپنے ظُہُور میں باطن (پوشیدہ) ہے کہ باطِنِیَّت اس کا قُرب ہے۔
- وہ اپنی باطِنِیَّت میں ظاہِر ہے کہ ظُہُور اس کی بُلند شان ہے۔
- وہ اَزَل سے ایسا ہی ہے اور اَبَد تک اسی طرح رہے گا۔
- تضاد اس کی طرف مُتَوجِّہ نہیں ہوتا ہے اور نہ ہی حوادث وآباد کا اس کے ہاں سے گزر ہوتا ہے۔
- اس کی ذات میں نہ تو کوئی کمی ہوتی ہے نہ کوئی بیشی۔
- وہ اپنی مرضی واِختیار سے (اپنی شان کے مُطابِق) اپنے عَرش پر جَلوہ فرما ہے۔
- عَرش اس کی اعلیٰ مخلوق کی حد ہے مگر وہ اپنے عَرش کے ساتھ مَحْدُود نہیں۔
- عَرش تو مَکان کا مُحتاج ہے مگر **اللہ** پاک مَکان کا مُحتاج نہیں۔
- وہ ایسا ہی ہے جیسا کہ اس کا فرمان ہے:

اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ۝ ترجمۂ کنز الایمان: وہ بڑی مہر (رَحمت) والا اس نے عَرش پر اِستِواء فرمایا جیسا اس کی شان کے لائق ہے۔ (پ۱۶، طٰہٰ: ۵)

- **اَلرَّحْمٰنُ** اس کا اِسم ہے جبکہ **اسْتَوٰى** اس کی صِفَت ہے جو اس کی ذات سے مُتَّصِل ہے۔ مگر عَرش اس کی مخلوق ہے جو اس کی صِفات سے جُدا ہے۔
- وہ کسی ایسے مَکان کا مُحتاج نہیں کہ جس میں وہ سما سکے۔
- وہ اس بات کا بھی مُحتاج نہیں کہ حامِلِینِ عَرش میں سے کوئی اس کا عَرش اٹھائے۔
- وہ اس بات کا بھی مُحتاج نہیں کہ کوئی شے اس کا اِحاطہ کرے۔
- اور نہ وہ اس بات کا مُحتاج ہے کہ کوئی مخلوق اسے وُجُود عَطا کرے۔
- بلکہ وہ اپنے مَخفِی لُطف کے ذریعے عَرش اور حاملینِ عَرش کو اٹھانے والا ہے۔
- وہ اپنی صَنعَت کی لطافت کے ذریعے ملائکہ وعَرش کو جَمع کرنے والا ہے۔
- اپنی مخصوص رَحمَت کی وجہ سے وہ اپنے قُرب کی لَطافت اور اپنے مَخفِی لُطف سے اپنی صِفات واَسما

کے مَعانی ومَفاہیم کی تَجلّی سے جس کے لیے چاہتا ہے جو چاہتا ہے پیدا کرنے والا ہے۔

اس نے ماورائے حَوْل (طاقت) کَوْن (کائنات)[1] کو ظاہِر فرمایا۔

وُہی عَرْش کو اس کے بَسْط (کشادہ ہونے) کے باوُجُود حَوْل (طاقت) کی وُسعت میں ٹھہرائے ہوئے ہے۔

وہ اپنے مَخْفِی لُطْف اور قُدْرت کی لَطافت کے ذریعے حَوْل (طاقت) اور عَرْش کا اِحاطہ کیے ہے۔

اس کی مَشِیَّت کے سوا کوئی شے اس کا اِحاطہ نہیں کر سکتی۔

وہ صِرف اپنی صِفات کے انوار میں ظاہِر ہوتا اور اپنے بَسْط کی وُسعَت میں مَوجُود رہتا ہے۔

جب وہ حالتِ قَبض طاری کرتا ہے تو ظاہِر بھی مَخْفِی ہو جاتا ہے اور جب حالتِ بَسْط[2] طاری کرتا ہے تو مَخْفِی دوبارہ ظاہِر ہو جاتا ہے۔

اسی طرح اس نے ہر رَسْم[3] میں ایک کَوْن بنائی اور ہر اِسْم[4] کے ساتھ ایک ایسا مَکان[5] بنایا جو بڑا ہوا تو ظاہِر ہو گیا اور چھوٹا ہوا تو چھپ گیا۔

اس کا قُرْب اس کی مَشِیَّت کے بغیر حاصِل نہیں ہو سکتا اور نہ ہی اس کی مَعْرِفَت اس کے مُشاہدے کے بغیر حاصِل ہو سکتی ہے اور نہ اس کے انوار کے بغیر اس کا دیدار مُمکِن ہے۔

---

[1]...... صُوفیائے کِرام کے نزدیک **کَوْن** ان تمام اشیا کا مُجمَل نام ہے جنہیں **اللہ** پاک نے لَفْظِ **کُنْ** کے **کاف** اور **نون** کے درمیان پیدا کیا۔ (اللمع فی تاریخ التصوف، کتاب البیان عن المشکلات، بیان ھذہ الالفاظ، ص ۴۳۲)

[2]...... قَبض وبَسْط کے حوالے سے حاشیہ صفحہ نمبر 158 پر موجود ہے۔

[3]...... رَسْم سے مراد وہ ظاہِری علامات ہیں جن کی وجہ سے کسی کو مخلوق کہا جاتا ہے اور یہ علامات اس وَقت خَتْم ہو جاتی ہیں جب ان پر حق غالب آتا ہے۔ (اللمع، کتاب البیان عن المشکلات، بیان ھذہ الالفاظ، ص ۴۲۷)

[4]...... اِسْم ان حُرُوف کو کہتے ہیں جن سے نام لینے والا نام کے ذریعے اس ہستی کو جان لیتا ہے جس کا نام لے رہا ہے، اس طرح کہ جب حُرُوف خَتْم ہو جائیں تب بھی معنٰی ومفہوم اس ذات سے جُدا نہ ہو جس کا نام لے رہا ہے۔ چنانچہ حضرت سَیِّدُنا شبلی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرمایا کرتے کہ مخلوق کے پاس صرف **اللہ** پاک کا نام ہے، گویا ایسا شخص لا کر تو دِکھاؤ جو پورے حَق کے ساتھ اپنے رب کا نام لے رہا ہو۔ (اللمع، کتاب البیان عن المشکلات، بیان ھذہ الالفاظ، ص ۴۲۶)

[5]...... جب بندہ کسی مقام میں کمال حاصِل کر لیتا ہے تو وہ صاحِبِ **مَکان** بن جاتا ہے، کیونکہ وہ مقامات واَحْوال کو عُبُور کر چکا ہوتا ہے۔ (اللمع، کتاب البیان عن المشکلات، بیان ھذہ الالفاظ، ص ۴۱۲)

- آج یہ مُشاہدہ اس کے اولیائے کرام کو غیب سے دلوں میں ہوتا ہے اور کل بروزِ قیامت انہیں یہ مُشاہدہ آنکھوں سے ہو گا۔
- اس کے چاہے بغیر اس کی مَعْرِفَت حاصِل نہیں ہو سکتی۔
- اگر وہ چاہے تو چھوٹی سی شے کو بھی اس کی معرفت حاصل ہو جائے، وہ نہ چاہے تو پوری کائنات بھی اس کی معرفت حاصل نہ کر سکے۔
- اگر وہ چاہے تو ہر شے اس کی معرفت پالے اور اگر وہ نہ چاہے تو کوئی بھی اس کی معرفت نہ پا سکے۔
- اگر وہ چاہے تو ہر شے کے ہاں پایا جائے اور اگر چاہے تو کسی شے کے ساتھ نہ پایا جائے۔
- وہ حدود اور پیمانوں سے بالاتر ہے۔
- وہ قَبْل اور تقدیر پر بھی سَبْقَت رکھتا ہے۔
- وہ لامتناہی و بے شُمار صِفات کا مالِک ہے۔
- وہ کسی صُورَت میں مَحْبُوس (بند) نہیں ہے اور نہ ہی کسی صِفَت سے مُقَیَّد ہے۔
- اس پر کوئی حُکْم نافِذ نہیں ہے اور نہ ہی وہ کسی معمولی آلودگی سے آلودہ ہے۔
- وہ ایک ہی صفت کے ساتھ دو مرتبہ ظہور نہیں فرماتا اور نہ ہی دو اشخاص پر ایک ہی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔
- اس سے ایک ہی مفہوم کی ادائیگی کے لیے دو کلمے وارد نہیں ہوتے، بلکہ ہر تَجَلّی کے لیے اس کی ایک الگ صُورَت ہوتی ہے اور ہر بندے کے لیے اس کے ظُہُور کی صِفَت بھی جدا ہے۔
- اس کی ہر نَظَر سے ایک نیا کلام اور ہر کَلِمَہ سے ایک نئی بات سمجھانا مقصود ہوتا ہے۔
- اس کی تَجَلّی کی کوئی اِنْتِہا ہے نہ اس کے اَوصاف کی کوئی حد۔
- اس کے کلمات ختم ہونے والے نہیں اور نہ ہی ان کے معانی و مفاہیم میں کوئی انقطاع ہونے والا ہے۔
- اس کے کلمات کے مَعانی و مَفاہیم کی کوئی کَیْفِیَّت بیان نہیں کی جا سکتی، کیونکہ توحید کی کوئی کَیْفِیَّت ہے نہ اس کی قُدْرَت کی کوئی ماہِیَّت۔

اس کے اَوصاف میں کوئی مخلوق اس کے مُشابہ نہیں، کیونکہ اس کی ذات کا ہم سر کوئی نہیں ہے۔

جب وہ ظاہری و باطنی آنکھوں سے حِجاب میں ہوتا ہے تو اس کی ذات دِلوں اور اَفکار کی پہنچ سے بُلند تر ہو جاتی ہے، لہٰذا کوئی عَقْل اس کا تَخَیُّل نہیں باندھ سکتی ہے اور نہ ہی کوئی فِکْر اس کی تصویر کشی کر سکتی ہے۔ کیونکہ وَہْم اس کا اِحاطہ نہیں کر سکتا کہ وہ مَرْبُوب بن جائے، حالانکہ وہ تو رب ہے۔

کسی فِکْر کے ذریعے اس کی جانِب دیکھا نہیں جا سکتا ہے کہ وہ مَقْھُوْر بن جائے، حالانکہ وہ تو قاہِر ہے۔

کوئی عَقْل اس کی حقیقت کو نہیں سمجھ سکتی کیونکہ وہی عَقْل کو دانائی و سمجھداری عطا کرنے والا ہے۔

وہ کسی اِحاطہ میں نہیں آ سکتا، کیونکہ وہ ہر اِحاطہ کو محیط ہے۔

وہ دوبارہ اپنے اِحْسان کے ساتھ جَلْوَہ گر ہو گا جیسا کہ وہ پہلے اپنے کرم کے ساتھ جلوہ گر ہوا، چنانچہ لوگ اس کی بارگاہ میں حاضر ہو کر اس کے عطا کردہ نور سے اسے دیکھیں گے۔

یہ سب کچھ اس کے سوا کسی کے لیے روا نہیں اور نہ ہی اس کے سوا کوئی اس تعریف کے لائق ہے۔

یہ اِنْعام اس کی طرف سے اس کے اَوْلیائے کرام کو آج حاصل ہے کہ ان کے قُلُوب میں انوارِ یقین جگمگا رہے ہیں اور کل بروزِ قِیامت وہ دارِ حبیب میں کھلی آنکھوں سے اس کے دیدار کی نعمت سے سرفراز ہوں گے۔

ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جنّت کے باغوں میں وہ ان کی خاطر اپنی قُدْرَت کی عظمتوں اور کَرَم کی لطافتوں کے ساتھ جَلْوَہ گر ہو گا اور ان سے ایسا کلام فرمائے گا جس کے معانی کی لذّت کی کوئی اِنْتِہا نہیں۔

وہ ان پر صِفَاتِ جلال کی تَجَلّی فرمائے گا اور حُسْن و جمال کے مَعانی اور بہا (خُوبصُورتی، جَمال) و کَمال کے ساتھ ظاہِر ہو گا۔

وہ ان پر اپنی ہر نَظَر، کَلِمَہ، قُرْب، لُطْف، عَطْف، شَفْقَت یا اِحْسَان کے ساتھ انہیں اپنے فَضْل و کَرَم اور نِعْمَت و مَسَرَّت سے نوازتا ہے اور ان کی خاطر جنت میں مَوجُود اپنی تمام نعمتوں کو جَمْع فرما دے گا۔

جب وہ کسی کو پسند فرماتا ہے تو اپنے اِخْتِیار سے اپنی مَحْبُوب شے کی جانِب نَظَر فرماتا ہے۔

اَشیا اس کی نَظَر میں زَبَرْدَستی ہجوم نہیں کر سکتیں۔

وہ اپنی مرضی سے جس سے چاہتا ہے اِعْراض فرماتا ہے۔

اس کی نَظَر میں نَظَر آنے والی اَشیاء زَبَرْدَستی نہیں آتیں۔

وہ اپنی عِزّت وجَلَالَتِ شان کی وجہ سے کسی پر نَظَرِ کَرَم نہیں فرماتا اور جس پر فرماتا ہے تو اس میں اس کے عَطف کی لَطافَت کار فرما ہوتی ہے۔

مُلک (عالَمِ ظاہر) اس کے قبضہ میں ہے تو (اس جہان کے تمام) خزانے اس کے کَلِمَہ کے تحت ہیں۔

کَوْن (کائنات) اس کی مَشِیَّت میں ہے تو مَلَکُوت (عالَمِ باطن) بھی اس کے دستِ قُدْرَت میں ہے۔

جَبَرُوت وعَظَمَت اس کی صِفات کی تجلیاں ہیں۔

اگر وہ اَشیا سے اِعْراض کا اِرادہ فرمالے تو اَشیا کی مَوجُودَگی اسے اپنی جانِب دیکھنے پر مَجْبُور نہیں کر سکتی، کیونکہ وہ قُدْرَت والا اور غالِب ہے۔

اَشیا کا مَعْدُوم ہونا بھی اسے اپنے اَزَلی عِلْم کی وجہ سے ان کی جانِب دیکھنے پر مَجْبُور نہیں کر سکتا، کیونکہ یہ سب اَشیا اسے خَبَر (یعنی جن کا وُقُوع ہوچکا ہے ان) کی طرح مَعْلُوم ہیں اور اس لیے بھی کہ وہ جَبّار اللہ تعالیٰ ہے۔

مَوجُود اَشیا دوسروں کو اپنی جانِب دیکھنے پر مَجْبُور کرتی ہیں، کیونکہ وہ ان کی جانِب دیکھنے سے باز رہنے میں کمزور ہوتے ہیں۔ جبکہ مَعْدُوم اَشیا دوسروں کو اپنے (وُجُود کے) مَفْقُود ہونے پر مَجْبُور کرتی ہیں، کیونکہ وہ انہیں اِیجاد کرنے سے عاجِز ہوتے ہیں (جبکہ اللہ تعالیٰ ان دونوں چیزوں سے پاک ہے)۔

اللہ پاک اپنی عِزّت کی وجہ سے اپنے ماسوا سے جُدا اور اپنے قہر کی وجہ سے اپنے غَیر کے مُشابِہ نہیں۔ اس لیے کہ مَعْدُوم مَحْجُوب کی مِثْل ہوتا ہے اور تحت الثریٰ میں مَوجُود ہر ذرّے سے لے کر آسمانوں اور زمینوں کے پرے کی ہر مَحْجُوب شے اللہ پاک کی نَظَر میں ہے۔

کوئی بھی شے ہرگز اس کی نَظَر سے حِجاب میں نہیں ہو سکتی اور نہ ہی کوئی شے کبھی اسے اپنے قریب ہونے سے روک سکتی ہے۔

کوئی بھی شے کسی بھی صُورَت میں اس کی قُدْرَت کے سامنے آڑ نہیں بن سکتی اور نہ کبھی کوئی شے

اس کے اِحاطہ سے تجاوُز کر سکتی ہے۔

- حِجابات مخلوق پر تو واقع ہوتے ہیں مگر خالق سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔
- اَشیا کی باطنی و پوشیدہ باتیں خالق تعالیٰ پر مُنْکَشِف ہیں اور وہ ابد الآباد میں ان کی اِنْتِہا تک ان کے اَنْجام کو اسی طرح دیکھ رہا ہے جیسا کہ وہ آج انہیں دیکھ رہا ہے۔ یعنی آنے والے کل اور اس کے بعد قِیامَت تک اور اس دن میں ظُہُور پذیر ہونے والی تمام باتوں کو بھی جانتا ہے۔
- یہ سب کچھ ابھی عدَم کی حَیْثِیَّت رکھتا ہے کہ جسے ابھی اس نے پیدا ہی نہیں کیا، کیونکہ ان باتوں کے بارے میں اس کا عِلْم ہی گویا ان کا مُشاہدہ کر رہا ہے، اس لیے کہ اس کے اور اس کے علم کے درمیان کوئی حِجاب نہیں۔
- وہ اپنے عِلْم اور مُشاہدہ کے اِعْتِبار سے کَوْن (کائنات) کا اس کے آغاز سے اس کے اَنْجام تک مُشاہدہ کر رہا ہے، کیونکہ یہ عِلْم اور مُشاہدہ اس کے اَوصاف ہیں۔
- نیز اس لیے بھی کہ اس کا کلام اس بات کی خَبَر دے رہا ہے کہ وہ اس کے مُشاہدے کی جگہ پر دلیل ہے۔ اس لیے کہ وہ جس شے کا عِلْم رکھتا ہے اسے دیکھ بھی رہا ہے جیسا کہ وہ جو کلام کرتا ہے (یا کرے گا) اس کا بھی عِلْم رکھتا ہے۔
- اس کے کلام اور علم میں کوئی فَرْق نہیں، اور نہ ہی اس کے علم اور مُشاہدے میں کوئی فَرْق ہے۔
- ان سب باتوں کے باوُجود اس کے سوا اَوَّلِیَّت اور مُشاہدے میں کسی کا کوئی وُجُود نہیں۔
- قِدَم میں کوئی اس کا شریک ہے نہیں، اور نہ ہی کوئی اس کے سوا کوئی شاہِد قدیم ہے۔
- اس کی قوّت اس کی قدرت کی حقیقت ہے۔
- اس کی نَظَر اس کے وُسْعَتِ عِلْم تک اور اس کا عِلْم اس کی وُسْعَتِ نَظَر تک ہے۔
- وہ تمام اَشیا کو اِن کی صِفَات کے مُخْتَلِف ہونے کے باوُجود اپنی صِفات میں سے ایک صِفَت کے ذریعے بخُوبی جانتا ہے۔ پھر اپنی اس صِفَت کے ذریعے جانی گئی باتوں کی حقیقت کا اپنی جمیع صِفات کے ذریعے بخُوبی اِدْرَاک بھی رکھتا ہے۔ لہٰذا یہ بِالْکُل دُرُسْت ہے کہ وہ دیکھتا بھی ہے، عِلْم بھی رکھتا ہے

اور کلام بھی فرماتا ہے۔

❀ اس کی صِفَات میں ترتیب کا کوئی دَخْل نہیں، یعنی ایسا نہیں کہ اس کی ایک صِفَت پہلے ہو اور دوسری بعد میں۔

❀ وہ وَقْت اور حَد کے ساتھ مُتَّصِف نہیں اور نہ ہی اپنی قوّت اور اَحکام کے ذریعے تعقیب (ایک دوسرے کے بعد) سے مُشابہت رکھتا ہے۔ یعنی ثُمَّ، لِمَ، اِذَا اور حَتّٰی کے ساتھ اس کا کوئی تعلّق نہیں۔ اس سے یہ بات لازم آتی ہے کہ اس سے یہ بات لازِم آتی ہے کہ اس کا علم اس کی نظر کے ساتھ اور اس کی نظر اس کے علم کے ساتھ ہے۔

❀ اس کے ہاں اوائل و اواخر ایک ہی شے کی مانند ہیں۔

❀ اس کی تمام صِفَات یکتا، کامِل اور تام ہیں، نیز وہ محدودات کے لیے غیر مَحْدُود اور مرتبات و مؤقتات کے لیے غیر مرتب و غیر مؤقت ہیں۔ کیونکہ یہ حادث نہیں بلکہ اس کی ذات کی طرح قدیم اور اس کے وُجُود و قِیام کے ساتھ مَوجُود و قائم ہیں۔ اس لیے کہ صِفَات میں ترتیب کا پایا جانا مخلوق کی صِفَت ہے، کیونکہ وہ حادِث ہیں اور اَوقات، ترتیب اور حُدُود کے ساتھ ظاہِر ہوتی ہیں۔

❀ **اللہ** پاک اپنی کسی بھی صِفَت میں کسی شے کی مِثْل نہیں۔ اس کی صِفَات اس کے قِدَم کے ساتھ قدیم، اس کے وُجُود کے ساتھ مَوجُود اور اس کے قِیام کے ساتھ قائم ہیں۔ جبکہ اَفعال حادِث ہیں اور حُدُود، ترتیب اور اَوقات سے ظاہِر ہوئے ہیں۔

❀ اس کے سوا اَوَّلِیَّت اور مُشاہَدے میں کسی کا کوئی وُجُود ہے نہ قِدَم میں کوئی شریک ہے اور نہ وَقْت اور زمین و آسمان کے وُجُود سے قَبْل اَبَد و اَزَل میں اس کے سوا کوئی قَیُّوم ہے۔

❀ اس کی صِفَات ذُو جِہات (مُختلِف جِہات والی) نہیں کہ وہ ایک جِہَت کی طرف مُتَوَجِّہ ہو اور ایک صِفَت تو پالے مگر دوسری رہ جائے۔

❀ اس کی ذات بھی ذو ذات نہیں کہ ایک جگہ پر تو مَوجُود ہو مگر دوسری پر نہ ہو کہ اسے تمام مخلوق کے لیے ترتیب کی حاجَت پیش آجائے (وہ اس سے پاک ہے)۔

وہ اُمور کی تدبیر افکار کے ساتھ نہیں کرتا کہ ایک کام کی تدبیر اسے دوسرے کام کی تدبیر سے غافِل کر دے۔

اس پر اِعتِراض کی بھی کوئی گنجائش نہیں کہ وہ جو تھا اس سے بدل جائے۔

وہ کسی آلے سے کچھ پیدا نہیں کرتا کہ اسے اپنے غیر کی مَدَد لینا پڑے۔

کوئی قُدرَت اسے عاجِز بھی نہیں کر سکتی کہ وہ اس کی براہِ راست مُعاوَنَت کا مُحتاج ہو جائے۔

وہ جب چاہتا ہے اپنے دَستِ قُدرَت سے پیدا کرتا ہے، اگر چاہتا ہے تو اپنے کَلِمَہ (یعنی کُن کہنے) سے پیدا کرتا ہے، جب چاہتا ہے اپنے اِرادے سے پیدا کرتا ہے، جیسے چاہتا ہے اپنی صِفات کے مَعانی و مَفاہیم سے پیدا کرتا ہے۔

تَکوِین (یعنی کسی شے کو وُجود بخشنا) اسے کلام (یعنی کَلِمَہ کُن کہنے) پر مَجبُور نہیں کر سکتی اور نہ اس کا کلام اسے تَکوِین پر مَجبُور کر سکتا ہے، بلکہ وہ جیسا چاہتا ہے ویسا ہی ہوتا ہے۔

اس کے خزانے اس کے کلمہ (یعنی کُن کہنے) میں ہیں اور اس کی قُدرَت اس کی مَشِیَّت میں ہے، جب وہ کلام کرتا ہے تو اپنے خزانے ظاہِر فرماتا ہے اور جب چاہتا ہے تو ان خزانوں پر اپنی مخلوق کو بھی قُدرَت عَطا فرما دیتا ہے۔

جب چاہتا ہے ظاہِر ہوتا ہے اور جس قُدرَت سے چاہتا ہے چھپ جاتا ہے۔

وہ اپنے قُرب میں غالِب اور اپنے عُلُوّ میں قریب ہے۔

اس کی ذات صِفات کے حِجاب میں اور اس کی صِفات اَفعال کے حِجاب میں ہیں۔

اس نے اپنا عِلْم اِرادے سے اور اپنا اِرادہ حَرَکات سے ظاہِر فرمایا۔

اس نے تخلیق کو تو اپنی صَنعَت سے مَخفِی رکھا مگر صَنعَت کو ادوات و آلات کے ذریعے ظاہِر فرما دیا۔

وہ اپنے غیب میں تو پوشیدہ ہے مگر اپنے حُکْم اور اپنی قُدرَت میں ظاہِر ہے۔

وہ اپنی حِکمَت میں تو غیب ہے مگر اس کی حِکمَت اس کے محکومات سے ظاہِر و عیاں ہیں اور یہی اس کی قُدرَت کے جاری ہونے کی جگہیں ہیں۔

اس کی کی شانِ تخلیق اس کی مخلوق میں ایک سِرّ (راز، بھید)[1] ہے، جو اس کی واضح مشیّت ہے۔

اس کی صِفَت کے مِثل کوئی شے ہے نہ ماہیّت میں اس کے قول کی کوئی مِثال ہے۔

توحید کے متعلق بزرگانِ دین کے چند اقوال

توحید کے بیان میں امیر المؤمنین حضرت سَیِّدُنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللہُ عَنْہ سے ایک مُختَصَر اور بلیغ جُملہ مَرْوِی ہے۔ چنانچہ آپ نے اپنے ایک خُطبہ میں فرمایا: تمام تعریفیں اس خدائے بُزرگ وبَرتَر کے لئے ہیں جس نے اپنی مَعْرِفَت کی طرف مخلوق کو راہ نہیں دی بلکہ انہیں اپنی مَعْرِفَت پانے سے عاجز رکھا۔

حضرت سَیِّدُنا احمد بن ابی حواری رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ اَہْلِ شام میں سے کسی عارِف عالِمِ رَبّانی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ سے رِوایَت کرتے ہیں کہ انہوں نے اِرشاد فرمایا: اللہ پاک نے اپنی مخلوق کو پیدا کرنے سے پہلے اسی طرح دیکھا جیسا کہ اسے پیدا کرنے کے بعد دیکھا۔

حضرت سَیِّدُنا ابو سلیمان دارانی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں کہ اللہ پاک نے بندوں کو اپنی اِطاعَت بجالانے سے پہلے ہی جنت میں داخِل فرما دیا ہے اور اسی طرح ان کے مَعْصِیَّت میں مُبْتَلا ہونے سے پہلے ہی انہیں جہنّم میں داخِل فرما دیا ہے۔[2]

---

[1] ......سِرّ سے مُراد وہ شے ہے جو عَدَم و وُجُود کے درمیان مَخْفِی ہو مگر مفہوماً موجود ہو۔ ایک قول کے مُطابِق سِرّ سے مُراد وہ شے ہے جسے اللہ پاک نے پردۂ غیب میں رکھا اور مخلوق کو اس کی کوئی اِطِّلاع نہیں۔ چنانچہ مخلوق کے سِرّ سے تو حَق تعالیٰ بلاواسطہ آگاہ ہے مگر اس کے سِرّ سے اس کے سِوا کوئی آگاہ نہیں۔ جبکہ سِرُّ السِرّ سے مراد وہ سِرّ ہے جس کا احساس سِرّ کو بھی نہیں ہوتا، کہ اگر یہ مَعْلُوم ہو جائے تو اسے سِرّ نہیں کہا جائے گا۔

(اللمع، کتاب البیان عن المشکلات، بیان ہذہ الالفاظ، ص ۴۳۰)

[2] ......پیارے اسلامی بھائیو! یہاں کسی کے ذہن میں یہ وسوسہ پیدا ہو سکتا ہے کہ جب اللہ پاک نے ہر ایک کے جنّتی اور جہنمی ہونے کا فیصلہ اس کے پیدا ہونے سے پہلے ہی فرما دیا ہے تو اب نیک اَعْمال بجالانے کا کیا فائدہ؟ چنانچہ اسی قسم کے ایک وسوسے سے نجات کی راہ دکھاتے ہوئے اَمیرِ اہلسنّت، بانیٔ دَعْوتِ اِسْلَامی حضرت علّامہ مولانا ابو بِلال محمد اِلْیَاس عطّار قادِری رَضَوی ضِیائی دَامَتْ بَرَکَاتُہُمُ الْعَالِیَہ فرماتے ہیں: اس شیطانی وسوسہ پر ہرگز دھیان نہ دیا جائے کہ ہم اب مقدّر کے ہاتھوں لاچار ہیں، ہمارا اپنا کوئی قصور ہی نہیں بس ہم ہر وہ بُرا بھلا کام کرنے کے پابند ہیں جو لکھ دیا گیا ہے۔ حالانکہ ہرگز ایسا نہیں بلکہ جو جیسا کرنے والا تھا، اسے اللہ پاک نے اپنے عِلْم سے جانا اور اس کے لئے وَیسا لکھا اُس کے جاننے

آپ مزید فرماتے ہیں کہ **اللہ** پاک اس بات سے پاک ہے کہ مخلوق کے اَفعال اسے غَضَب دلائیں، بلکہ اس نے تو ایک قوم کو اس کی تخلیق سے پہلے ہی غَضَب کی نگاہ سے دیکھا، پھر جب انہیں پیدا فرمایا تو انہیں مَبْغُوض لوگوں جیسے اَعمال کی توفیق بَخْشی اور یوں ان کا ٹھکانا دارِ غضب (یعنی جہنّم) بنایا اور **اللہ** پاک اس بات سے بھی بُلَند تَر ہے کہ اپنی مخلوق کے اَعمال سے راضی ہو، بلکہ اس نے تو ایک قوم کو پیدا کرنے سے پہلے ہی رَضا کی نگاہ سے دیکھا تھا اور پھر جب انہیں پیدا فرمایا تو انہیں اَہْلِ رضا جیسے اَعمال کی توفیق بَخْشی اور یوں ان کا ٹھکانا دارِ رضا (یعنی جنّت) بنایا۔

قرآن میں علم باری تعالیٰ کا ذکر

حضرت سَیِّدُنا ابن عباس رَضِیَ اللہُ عَنْہُما سے **اللہ** پاک کے فرمانِ عالیشان ﴿ هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِیْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ یَكُنْ شَیْــٴًـا مَّذْكُوْرًا ① ﴾ (پ ۲۹، الدھر: ۱) ترجمۂ کنز الایمان: بے شک آدمی پر ایک وَقْت وہ گزرا کہ کہیں اس کا نام بھی نہ تھا۔ ﴾ کی تفسیر میں مَروِی ہے کہ (اگرچہ انسان کے وُجُود کا نام ونشان نہ تھا مگر) عِلْمِ باری تعالیٰ میں یہ بات ضَرور تھی کہ **اللہ** پاک انسان کو پیدا فرمائے گا۔ گویا کہ **اللہ** پاک نے اپنے قول ﴿ لَمْ یَكُنْ ﴾ کو ﴿ مَّذْكُوْرًا ﴾ پر مُعَلَّق فرمایا۔

اللہ پاک نے دنیا میں جو کچھ ہونے والا ہے اور جو کچھ قِیامت اور اس کے بعد ہوگا سب باتوں کی خبر اس طرح دی ہے گویا کہ یہ سب کچھ واقع ہو چکا ہے، اس لیے کہ اس کے عِلْم میں آخِر بھی اَوّل کے برابر ہے۔ کیونکہ اس کے عِلْم میں کوئی تر تیب ہے نہ اس کی قُدْرَت میں کوئی بُعد و مَسافَت اور کوئی حَد ہے۔

اور لکھنے نے کسی کو مَجْبُور نہیں کیا۔ اِس بات کو اِس عام فہم مِثال سے سمجھنے کی کوشش فرمایئے جیسا کہ آج کل قانون کے مُطابِق غذاؤں اور دواؤں وغیرہ کے پیکٹوں پر انتہائی تاریخ (EXP.DATE) لکھی جاتی ہے۔ بچّہ بھی یہ بات سمجھ سکتا ہے کہ کمپنی والوں کو چُونکہ تَجْرِبہ ہوتا ہے کہ یہ چیز فُلاں تاریخ تک خراب ہو جائے گی، اِس لیے لکھ دیتے ہیں، یقیناً کمپنی کے (EXP.DATE) لکھنے نے اُس چیز کو خراب ہونے پر مَجْبُور نہیں کیا، اگر وہ نہ لکھتے تب بھی اُس چیز کو اپنی مُدّت پر خراب ہونا ہی تھا۔ (کفریہ کلمات کے بارے میں سوال جواب، ص ۵۸۳) چونکہ ہمیں نہیں معلوم کہ ہمارے مُقَدَّر میں کیا لکھا ہوا ہے، جنّتی ہونا یا جہنمی ہونا، لہٰذا ہم پر لازم ہے کہ نیکی کی کوشش کرتے رہیں اور گناہوں سے بچتے رہیں کہ ہمیں اسی بات کا حُکْم دیا گیا ہے۔

فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ﴿۱۲۲﴾ ترجمۂ کنزالایمان: اور **اللہ** سے زیادہ کس کی بات سچی۔

(پ ۵، النسآء: ۱۲۲)

چنانچہ اِرشاد ہوتا ہے:

اَعِنْدَهٗ عِلْمُ الْغَيْبِ فَهُوَ يَرٰى ﴿۳۵﴾ ترجمۂ کنزالایمان: کیا اس کے پاس غیب کا علم ہے تو وہ دیکھ رہا ہے۔

(پ ۲۷، النجم: ۳۵)

یعنی ان اَلفاظ کے ساتھ اس شخص کا عیب بیان کیا اور اس کی مَذمّت فرمائی۔

ایک مقام پر اِرشاد ہوتا ہے:

اَلَّذِيْ يَرٰىكَ حِيْنَ تَقُوْمُ ﴿۲۱۸﴾ وَتَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ ﴿۲۱۹﴾ ترجمۂ کنزالایمان: جو تمہیں دیکھتا ہے جب تم کھڑے ہوتے ہو اور نمازیوں میں تمہارے دورے کو۔

(پ ۱۹، الشعراء: ۲۱۸، ۲۱۹)

یعنی یہاں تَقَلُّب کا عطف قِیام پر ہے، یہی وجہ ہے کہ تَقَلُّب کو مَنْصُوب ذِکر کیا۔ مُراد یہ ہے کہ وہ تمہیں بھی دیکھتا ہے اور تمہارے نمازیوں میں دورے کو بھی دیکھتا ہے۔ ایک تفسیر میں ہے کہ یہاں مُراد یہ ہے کہ اے **اللہ** کے رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! **اللہ** پاک آپ کے پاک صُلبوں اور پاک اَرحام میں مُنْتَقِل ہونے کو دیکھتا رہا ہے، یہاں تک کہ اس نے آپ کو آپ کے وَالِدَین کے ذریعے اس دنیا میں ظاہِر فرمایا۔ مگر اس دوران آپ کے وَالِدَین میں سے کبھی بھی کسی نے کوئی بُرا کام نہ کیا۔[1]

ایک قول کے مُطابِق یہاں انبیائے کرام کی صلبیں مُراد ہیں، یعنی آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم ایک نبی سے دوسرے نبی کی صلب میں مُنْتَقِل ہوتے رہے یہاں تک کہ آپ کا حضرت سَیِّدُنا اسماعیل عَلَیْہِ السَّلَام کی اولاد میں ظُہور ہوا۔[2]

---

[1] ......المجالسة وجواهر العلم، الجزء السادس والعشرون، ۳/ ۲۶۳، حدیث: ۳۵۸۲

طبقات ابن سعد، ذکر امهات رسول اللہ، ۱/ ۵۰

[2] ......طبقات ابن سعد، ذکر من انتمی اليه رسول اللہ، ۱/ ۲۲۔ معجم کبیر، ۱۱/ ۳۶۲، حدیث: ۱۲۰۲۱

ایسا ہی ایک قول اللہ پاک کے پیارے حبیب صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے بھی مَرْوِی ہے کہ اللہ پاک نے اَرْوَاح کی پیدائش سے قَبْل ان کی آوازوں کے سننے کے مُتَعَلِّق ارشاد فرمایا:

قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُكَ فِیْ زَوْجِهَا (پ ۲۸، المجادلۃ: ۱)

ترجمۂ کنزالایمان: بے شک اللہ نے سنی اس کی بات جو تم سے اپنے شوہر کے معاملہ میں بحث کرتی ہے۔[1]

اَلْغَرَض اللہ پاک نے یہاں اس بات کی خَبَر دی ہے کہ اس نے باہَم بحث مُباحَثہ کرنے والے میاں بیوی کی تخلیق سے پہلے ہی جب اپنے عِلْم کے مُطابِق قِدَم میں ان کی آوازیں سن لیں تو وہ دیگر لوگوں کی پیدائش سے قَبْل اپنے عِلْم کے مُطابِق قدم میں کائنات کو اس کے آخر تک کیسے نہ دیکھ رہا ہو گا؟

حالانکہ اس کا اپنا فرمانِ عالیشان ہے:

وَ لَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓىٕكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ ﳓ (پ ۸، الاعراف: ۱۱)

ترجمۂ کنزالایمان: اور بے شک ہم نے تمہیں پیدا کیا پھر تمہارے نقشے بنائے پھر ہم نے ملائکہ سے فرمایا کہ آدم کو سجدہ کرو۔

انسان کی تخلیق اور اس کی صُورَت بنانے کا عَمَل حضرت سَیِّدُنا آدم عَلَیْہِ السَّلَام کو سجدہ کرنے کے بعد ہوا مگر یہاں اللہ پاک نے اس کے وُقُوع کی خَبَر پہلے ہی دے دی، کیونکہ اس کے عِلْم کے مُطابِق ایسا ہونا یقینی تھا۔

اللہ پاک کا مذکورہ بالا فرمان اس فرمانِ عالیشان جیسا ہے:

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ﱎ (پ ۸، الاعراف: ۵۴)

ترجمۂ کنزالایمان: جس نے آسمان اور زمین چھ دن میں بنائے پھر عَرْش پر اِستوا فرمایا جیسا اسکی شان کے لائق ہے۔

(یہاں عَرْش پر اِستوا اگرچہ ترتیب میں بعد میں ہے مگر) عَرْش کی تخلیق زمین و آسمان سے پہلے ہوئی اور اِستوا تو اس کی صفت ہے جو ہمیشہ سے ہے، پھر بھی یہاں جب اس بات کی خَبَر دی تو ترتیب میں

---

[1] ...... بخاری، کتاب التوحید، باب قول اللہ: وکان اللہ سمیعا بصیرا (النساء: ۱۳۴)، ۴/ ۵۳۵، تعلیقا

عرش پر اِستِوا کو بعد میں ذِکر کیا۔

✿ اَلْغَرَض اللہ پاک کائنات کی تخلیق سے پہلے ہی اس کے بارے میں سب کچھ جاننے والا اور اپنے عِلْم کے مُطابِق سب کچھ دیکھنے والا ہے، اس کے اور اس کے مَعْلُوم کے درمیان کوئی حجاب نہیں۔

✿ وہ جسے دیکھتا ہے اسے سننے والا بھی ہے اور جسے جانتا ہے اس سے کلام فرمانے والا بھی ہے۔

✿ اس کا دیکھنا، سننا اور کلام کرنا ساری کائنات سے پہلے ہے، اس اِعْتِبار سے کہ اس کا عِلْم، مَشِیَّت اور قُدْرَت بھی سب سے پہلے ہے۔

✿ دیکھنا، سننا اور کلام کرنا اس کی ذاتی صِفَات ہیں اس اِعْتِبار سے کہ عِلْم، قُدْرَت اور اِرادے کا تَعَلُّق بھی اس کی ذات سے ہے۔

✿ اس کے بعد اللہ پاک نے وَقْتًا فَوَقْتًا ایک عالَم کے بعد دوسرا عالَم ظاہِر کیا تو مخلوق اس کے دیکھنے، سننے اور کلام کرنے کے مُطابِق ہی آئی جیسا کہ وہ اس کے عِلْم، قُدْرَت اور مَشِیَّت میں تھی۔ ان میں ذرّہ بھر کوئی زِیادَتی ہوئی نہ رَائی کے دانے برابر کوئی کمی۔

✿ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ وہ اپنی قُدْرَت اور عِلْم کے ساتھ قِیامَت کے دن اور اس میں ہونے والے واقعات کو دیکھ رہا ہے؟ نیز آخِرَت اور اس کے مُعامَلات کی اس حقیقت کو بھی بخُوبی دیکھ رہا ہے کہ جس کی اس نے خَبَر بھی دیدی ہے۔ چنانچہ کسی شے کا ابھی وُقُوع نہ ہونا اسے دیکھنے سے مانِع ہے نہ کسی شے کا حد دَرَجہ تاخیر سے وُقُوع اس کے لیے حِجاب کی حَیْثِیَّت رکھتا ہے۔

✿ اسی طرح جو کچھ ہو چکا وہ آج بھی اپنے عِلْم اور اپنی قُدْرَت و اِحاطہ کے ساتھ اس کا مُشاہَدہ کر رہا ہے، اسے کسی شے کا نہ ہونا مشاہدے سے مانِع ہے نہ اس کے ظُہُور کا مَفْقُود ہو جانا اس کے لیے حِجاب کی حَیْثِیَّت رکھتا ہے۔

✿ یہ عقیدہ رکھنا دُرُست نہیں کہ اللہ پاک کو آج جس بات کا اِدْرَاک ہوا ہے اس کا اِدْرَاک اَزَل میں نہ ہوا تھا۔ جیسا کہ یہ عقیدہ رکھنا دُرُست نہیں کہ اب اسے جس بات کا عِلْم ہو رہا ہے اَزَل میں اسے اس کا عِلْم نہ تھا۔ ورنہ یہ ماننا پڑے گا کہ وہ اس شے یا مخلوق سے کلام کرنے والا ہے جس کا اسے مُشاہَدہ

حاصِل نہیں۔ حالانکہ اس کا مَعْلُوم اس کے عِلْم میں لپٹا ہوا ہے۔ یا یہ ماننا پڑے گا کہ اس کی ظاہِر کردہ شے اپنے ظُہُور کے وَقْت زِیادہ نکلی۔ حالانکہ وہ شے اس کے قبضہ و غیب میں ہے اور اس کی صِفَات یعنی اس کی عَظَمت و جَلَالَتِ شان ان باتوں سے بالاتر ہے۔ کیونکہ اس کی نَظَر اس کے عِلْم کی وُسْعَت تک اور اس کا عِلْم اس کی نَظَر کی وُسْعَت تک ہے۔ اَلْغَرَض وہ جس شے کا عِلْم رکھتا ہے اسے اپنی صِفَت کے لِحَاظ سے دیکھنے والا بھی ہے کہ اس پر اس شے کے اَوصاف مُخْتَلِف نہیں ہوتے۔

پس کَوْن (وُقُوع پذیر ہونے والی ہر شے)[1] اُس کے اَزَلی عِلْم کے مُطابِق اُس کے سامنے مَوجُود ہے، مگر اُس کے عِلْم میں اِس کا کچھ بَیان ہے نہ اُس کی صِفَات میں اِس کا کچھ اَثَر ہے۔ اُس کے وُجُود میں اِس کا کوئی وُجُود ہے نہ اُس کے اَزَلی قِدَم میں یہ کَوْن قدیم ہے۔ وہ کَوْن کا مَحَل ہے نہ کَوْن میں مقیم۔ اس لیے کہ اس کی اَوَّلِیَّت کون و مَکان سے پہلے کی ہے جو اس کے قدیم ہونے سے کوئی تعلّق نہیں۔

اللہ پاک اس وَقْت بھی اَنْجام سے لے کر اَحْوال کے آخِر تک ہر بات کا مُشاہدہ کرنے والا ہے، اس کی صِفَات میں اَوّل اور آخِر ہونے میں کوئی فَرْق نہیں اور نہ ہی وہ نَظَر و عِلْم کی ترتیب کے لحاظ سے مختلف ہیں کیونکہ یہ صفات اس کے علم میں اور ارادہ میں موجود ہیں۔

اللہ پاک اَشیا کو اپنی ذات کی وجہ سے جانتا ہے نہ کہ ان کی ذات کی وجہ سے اور انہیں اپنے عِلْم کے مُطابِق دیکھتا ہے نہ کہ ان کے وُجُود کے اِعْتِبار سے۔ اس لیے کہ وہ ان پر غالب ہے اور ان کا اپنے عِلْم سے اِحاطہ کیے ہوئے ہے۔

کَوْن اپنے ناپید ہونے کی وجہ سے ذاتی طور پر مَعْدُوم ہے، اس لیے کہ **اللہ** پاک جس طرح وُجُود کا خالق ہے اسی طرح عَدَم کا بھی خالق ہے۔

ایسا نہیں کہ عَدَم **اللہ** پاک کے قِدَم کے ساتھ خود بھی قدیم ہو کہ اس کا ثانی بن جائے اور نہ ایسا ہے کہ کَوْن اس کی ذات سے وُجُود پا کر اس کی اَوَّلِیَّت کے ساتھ اَوّل بن جائے۔ **اللہ** پاک اپنی ذات کے اِعْتِبار سے یکتا ہے اور اَزَل میں اپنی ذات کے ساتھ کسی دوسری ذات سے بالاتر ہے، نیز قدیم ہونے

[1]...... کَوْن سے کیا مراد ہے؟ اس کی وَضاحَت صفحہ نمبر 292 کے حَواشی میں بَیان ہو چکی ہے۔

میں بھی کوئی اس کا شریک نہیں۔

✿ اَشیا کا ظُہور ان کے اپنے نُفُوس کی وجہ سے ہوا تو وہ **اللہ** پاک کے ظاہر کرنے سے ایک دوسرے کے ظُہور کا سبب بن گئیں۔ یوں وہ اپنے رب کے پیدا کرنے سے وُجُود میں آئیں اور اس کے ظاہر کرنے سے اپنی حد اور وَقْت کے ساتھ ظاہر ہوئیں۔ ان کے لیے کوئی اَوّل ہے نہ پَہَل۔ بلکہ وہی اَوّل ہے، ہمیشہ سے ہے، اس کے سوا کوئی اول نہیں، وہ قدیم و اَبَدِی ہے جس کا وَقْت اور اِنْتِہا سے کوئی تَعَلُّق نہیں۔ وہ اپنی صِفَات کے ساتھ قائم ہے اور اس کی صِفَات اس کے ساتھ قائم و مَوجُود ہیں۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

(صاحِبِ کتاب حضرت سَیِّدُنا شیخ ابو طالب مَکّی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں:) جو شخص بھی ہماری بَیان کردہ اس تفصیل کی نُورِ یقین سے گواہی دے گا وہ عالَم کے قدیم ہونے کے شُبہ میں مُبْتَلا نہ ہو گا۔ کیونکہ **اللہ** پاک کے اَزَلی ہونے میں اس کے ساتھ کوئی دوسرا قدیم نہیں۔ مگر جس شخص کو ہماری بیان کردہ باتوں سے ہِدَایَت نہ ملے اور وہ عَقْل کے ساتھ کھڑا رہے تو وہ یقینی طور پر اس شبہ میں مُبْتَلا ہو جائے گا کہ عَالَم بھی قدیم ہے۔ لِہٰذا وہ مُلْحِد ہو گیا، کیونکہ اس نے حادِث اَشیا یعنی زمین و آسمان کو قدیم سمجھا۔ یا پھر وہ **اللہ** پاک کے عِلْم کو قدیم ماننے سے اِنْکار کر دے گا کہ وہ قدم میں وُجُودِ حادث کی نفی کرتا ہے اور ایسا عقیدہ رکھنا صِفَاتِ باری تعالٰی کے ساتھ شرک کرنا ہے کیونکہ اس صُورَت میں ان صِفَات کو عَقْل پر ترتیب دیا گیا ہے۔

ہم ایسے شخص کی گواہی سے بری ہیں، اس کے دعویٰ کو جھٹلاتے، اس کے قِدَم میں **اللہ** پاک کا شریک ٹھہرانے کا اِنْکار کرتے اور اس کے عَقْلی اِلْحَاد کے مُقَابَلے میں بِالْیَقِین وَحْدَانِیَّت کا اِقْرَار کرتے ہیں۔ اس لیے کہ جس نے یہ کہا کہ کوئی شے **اللہ** پاک کے مِثْل قدیم ہے یا خود بخود موجود ہے تو اس نے صِفَاتِ باری تعالٰی میں شرک کیا اور جس نے یہ کہا کہ **اللہ** پاک نے پہلے نہیں دیکھا بلکہ اب دیکھا یا اسے پہلے عِلْم نہ تھا بلکہ اب عِلْم ہوا یا اس نے پہلے کلام نہ کیا تھا بلکہ اب کیا تو گویا وہ صِفَاتِ باری تعالٰی کے حادِث ہونے کا قائل ہے اور معلومات کو صِفَاتِ باری تعالٰی سے مُقَدَّم جانتا ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ معلومات عِلْمِ باری تعالٰی میں لپٹی ہوئی ہیں اور ان کا اس میں کوئی اَثَر نہیں۔ **اللہ** پاک مع اپنے عِلْم کے قدیم ہے اور ذاتی طور پر اپنے عِلْم سے

مَعْلُوم کو جاننے والا اور اس پر اپنی قُدرَت کے غلبہ کی وجہ سے اپنے عِلْم کے ساتھ اسے دیکھنے والا ہے، ایسا نہیں کہ اس کا مَعْلُوم مَعْدُوم ہو، کیونکہ مَعْلُوم تو ذاتی طور پر مَعْدُوم وغیر مَوجُود ہوتا ہے جب تک کہ اللہ پاک اسے وُجُود عَطا نہ کرے۔ جب اس نے بعض اَشیا کو ایک دوسرے کے ظُہُور کا سَبَب بناتے ہوئے ظاہِر کیا تو وہ ظاہِر ہوئیں، ایسا نہیں کہ یہ خود ظاہِر ہوئی ہوں۔ کیونکہ وہ اپنے عِلْم کے مُطابِق ان کی تخلیق فرما چکا ہے، ایسا نہیں کہ وہ اب ان کی تخلیق وظُہُور کی جانِب دیکھ رہا ہے۔ جیسا کہ اس کا ذاتی عِلْم حادِث نہیں، بلکہ اس کا عِلْم اس کی دائمی و اَزَلی صِفَت ہے اور وہ اپنی صِفَت کے ساتھ قائم ہے اور ایسا ممکن نہیں کہ وہ اپنے لیے کوئی ایسی چیز پیدا کرے جس کا اسے عِلْم نہ ہو۔ اسی طرح یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ وہ کسی شے کو کھو دے کہ اسے پا ہی نہ سکے۔

چند باطل عقائد

جو شخص ہمارے ذِکْر کردہ عقائد سے اِخْتِلاف کرے گا گویا وہ مُعْتَزِلَہ وجُہمِیَّہ کے مَذْہَب کو اِخْتِیار کرنے والا شُمار ہو گا۔ جس کی وجوہات یہ ہیں:

مُعْتَزِلَہ اپنے اِخْتِلاف کے باوُجُود اس بات پر مُتَّفِق ہیں کہ اللہ پاک ایک شے کو اسی وَقْت دیکھتا ہے جب وہ ہو جاتی ہے۔ یوں وہ عِلْمِ باری تعالیٰ کے قدیم ہونے میں اہل سنّت سے اِخْتِلاف رکھتے ہیں۔ قَدَرِیَّہ میں سے عباد کے ماننے والوں کا عَبَّادِیَہ نامی گروہ کا بھی یہی کہنا ہے کہ اللہ پاک ایک شے کو اسی وَقْت دیکھتا ہے جب وہ وُقُوع پذیر ہو جاتی ہے۔ ان کا یہ قول (قَدَرِیَّہ کے دو مشہور گروہوں کے بانیوں) نَظَّام اور بِشْر مَرِیسی کے قول جیسا ہی ہے کہ اللہ پاک اَشیا کے وُجُود سے پہلے انہیں نہیں دیکھ سکتا۔ جُہمِیَّہ کے (مُخْتَلِف گروہوں کا باہمی) اِخْتِلاف کے باوُجُود اس بات پر اِتِّفاق ہے کہ اللہ پاک کسی شے سے اسی وَقْت کلام فرماتا ہے جب وہ ہو جاتی ہے تو وہ کلام کو پیدا کرتا ہے۔

(صاحِبِ کتاب حضرت سَیِّدُنا شیخ ابو طالب مکّی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں:) جُہمِیَّہ نے کلام باری تعالیٰ سے قَبْل کَوْن (کائنات) کے ہونے کو مُقَدَّم ٹھہرایا جیسا کہ دیگر مذکورہ لوگوں نے اللہ پاک کے دیکھنے سے قَبْل اَشیا کے وُجُود کو مُقَدَّم جانا۔ گویا کہ یہ سب لوگ اللہ پاک کے کلام اور اس کے دیکھنے کے حادِث ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں، کیونکہ انہوں نے مُسَمّٰی کو حادِث قرار دینے کے بعد اِسْم کو بھی حادِث قرار دیدیا اور خالق کے اِرادے

پر مخلوق کی اِستِطاعَت کو مُقدَّم جانا۔ لہٰذا ان لوگوں کا شرک نہ صِرف واضح ہو گیا بلکہ وہ اپنے ان باطل عقائد کی وجہ سے توحید سے بھی خارِج ہو گئے۔ اسی طرح قدَرِیَّہ میں سے عبادیہ نے بھی جھوٹ کا دامَن تھاما اور نَظّامِیہ ومَرِیْسِیہ فرقوں کے عقیدے کی مُشابہت اِختِیار کی اور ان سب کے دل باہم ایک جیسے ہو گئے اور انہوں نے اسی بات کی پیرْوِی کی جو ان میں یکساں تھی۔ جبکہ مُعْتَزِلَہ کے تمام گروہوں کا عِلْم، قُدرَت اور مَشِیَّت کی نفی پر اِجماع ہے۔ البتہ! ان سب کا یہ کہنا ہے کہ **اللہ** پاک عالِم تو ہے مگر اس کا عِلْم کسی شے کے اِختِیار کرنے پر مَجبور کر سکتا ہے نہ کسی شے کو لازِم کر سکتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے عِلْمِ باری تعالیٰ کو مَخلُوق کے جیسا خَیال کیا اور کہنے لگے کہ **اللہ** پاک عالِم تو ہے مگر اس کا عِلْم قدیم نہیں، وہ قادِر تو ہے مگر اس کی قُدرَت اَزَلی نہیں اور وہ اِرادہ کرنے والا بھی ہے مگر اس کا یہ اِرادہ بھی اَزَلی نہیں۔ نیز انہوں نے مَخلُوق کی اِستِطاعَت کو مُقدَّم جانا تاکہ مَعلُومات کا اَزَلی ہونا لازِم نہ آئے اور کہنے لگے کہ اِرادہ اور کلام حقیقت میں اَفعال کی صِفات ہیں لہٰذا یہ دونوں مَخلُوق ہیں۔

جُہمِیَّہ کا بھی اس بات پر اِتّفاق ہے کہ کلام بِالکُل **اللہ** پاک کی صِفَت نہیں، بلکہ وہ اَجسام میں اَعراض پیدا کر کے کلام کو فضا کے پردے میں ظاہِر کرتا ہے۔ ان کے نزدیک یہی توحید ہے تاکہ وہ **اللہ** پاک کے ساتھ کسی اور شے کو قدیم نہ مان بیٹھیں۔

اہلِ سنّت وجماعت کا عقیدہ

(صاحِبِ کتاب حضرت سَیِّدُنا شیخ ابُو طالب مَکّی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں:) اَہلِ سنّت و جَماعَت مذکورہ باتوں کو اِلحاد شُمار کرتے ہیں۔ اس لیے کہ اس سے صِفاتِ باری تعالیٰ کے قدیم ہونے کی نفی ہوتی ہے اور ان کا حادِث ہونا ثابِت ہوتا ہے، نیز ان کا ذاتِ باری تعالیٰ سے جُدا ہونا بھی لازِم آتا ہے۔ حالانکہ **اللہ** پاک کے فَضْل وکَرَم سے اَہلِ یقین کا ان مذکورہ باتوں میں کوئی اِختِلاف نہیں، جیسا کہ توحید کی صِحَّت میں ان کا کوئی اِختِلاف نہیں اور یہی اَہلِ یقین کی شہادَت اور مُقرَّبِین کا اِیمان ہے۔ لہٰذا ہماری ذِکْر کردہ باتوں کو ہرگز عَقْل کے پیمانے پر مَت پَرکھنا ورنہ عَقْل تمہیں مُشاہدے سے روک دے گی۔ اس لیے کہ صِفَاتِ باری تعالیٰ کے مُتعَلِّق ہماری ذِکْر کردہ تفصیلات کا مُشاہَدہ صِرف نُورِ عَقْل سے مُمکِن نہیں بلکہ ان کا مُشاہَدہ نُورِ یقین سے ہوتا ہے۔ کیونکہ

خالق مَخلُوق جیسا نہیں اور جو بے مِثل ہو اس کا مُشاہدہ بھی صِرف اسی شے سے مُمکن ہے جو بے مِثل ہو یعنی وہ نورِ یقین جس کا سرچشمہ قادِر تعالیٰ کا نور ہے اور جسے وہ نُور کی دولت عَطانہ فرمائے تو اس کے لیے کہیں نُور نہیں۔

توحید میں عقل کا گزر نہیں

مذکورہ صِفاتِ باری تعالیٰ اس توحید کا ظاہِر ہیں جس کا تعلّق فَرضِ شہادت سے ہے، جہاں عقل کی ترتیب کا گزر ہے نہ عقلی پیمانے پر اسے قِیاس کر کے اس کی کوئی مِثال دی جاسکتی ہے، کیونکہ صِفات کی نفی اور مثلی اشیا میں ان کا ثُبوت عقلی رائے میں رائے پایا جاتا ہے جیسا کہ کفر اور گمراہی نُفُوس کی فِطرت میں مَوجود ہیں، جس کی وُجوہات یہ ہیں:

- انہیں مُشاہدۂ اَبصار (یعنی آنکھوں سے دیکھنے) کی توفیق حاصِل نہیں۔
- اَفکار کے تَخَیُّل میں مُشاہدۂ رُبُوبِیّت کا وُجود مفقُود ہوتا ہے۔
- عُرف و عادت اَسباب کے ظُہُور میں جاری ہوتے ہیں۔ جیسا کہ مَنقُول ہے کہ ایک صِدّیق نے حقیقتِ توحید بَیان کر کے لوگوں کو بارگاہِ خداوندی کی طرف بلایا تو ان کی پکار پر چند ایک کے سِوا کسی نے لَبَّیْک نہ کہا۔ اس پر وہ بڑے حیران ہوئے تو **اللہ** پاک نے انہیں اِلہام فرمایا: کیا یہ چاہتے ہو کہ عقلیں تمہاری بات قبول کریں؟ عَرض کی: جی! یہی چاہتا ہوں۔ تو اِرشَاد فرمایا: مجھے ان سے مَحجُوب (یعنی پردے و حِجاب میں) کر دو۔ عَرض کی: اے میرے رب! میں تجھے کیسے ان سے مَحجُوب کر سکتا ہوں، حالانکہ میں تو انہیں تیری طرف بلا رہا ہوں؟ اِرشَاد فرمایا: ان کے سامنے اَسباب اور اَسبابُ الْاَسباب کی باتیں کرو۔ چنانچہ انہوں نے اسی طرح دَعْوت دی تو لوگوں کی ایک بہُت بڑی تعداد نے اسے قبول کر لیا۔

درست توحید کا حصول کب ممکن ہے؟

دُرُست توحید حاصِل ہوتی ہے:

- صِفات کے اِثْبات سے۔
- شَریعَتِ رَسُول اور سُنَن نے ذاتِ باری تعالیٰ کے جو اَوصاف بیان کیے ہیں انہیں تسلیم کرنے سے۔
- ذاتِ باری تعالیٰ کے مُتعلّق پائے جانے والے شُبہات اور ان کی ماہِیّت کی نفی کرنے سے۔

اس سے جنس اور کیفیّت کی نفی کرنے سے۔

درست توحید کے ثمرات

جب دُرُست توحید حاصل ہو جاتی ہے تو پھر یہ باتیں پائی جاتی ہیں:

اس کی ذات سے (لَو لگا کر) دِل پُر سکون ہو جاتا ہے۔

اس پر ایمان کی پختگی سے دِل مُطْمَئِن ہوتا ہے۔

اس کے عطا کردہ نُورِ یقین کی بنا پر بندہ اس کے ہر حُکم پر سر جھکا دیتا ہے۔

حکم ربی پر سر جھکانے کی وجہ

بندے کے اپنے رب کا ہر حُکم ماننے کی وجہ یہ بھی بنتی ہے کہ وہ اس کے عطا کردہ یقین کے نور و علم سے اس کا مُشاہدہ کرنے لگتا ہے کہ جس میں عقل کے نور و علم کا کوئی دَخل نہیں ہوتا، اس لیے کہ خالق کا مُشاہدہ اس کی مخلوق کے ذریعے نہیں کیا جا سکتا۔ ویسے بھی عقل دنیا کا آئینہ ہے، جس کی روشنی میں بندہ دنیا کی اَشیا کو دیکھتا ہے جبکہ اِیمان آخِرت کا آئینہ ہے اور اس سے بندہ آخِرت کو دیکھتا ہے تو اُخروی باتوں پر ایمان لے آتا ہے۔ مگر دیدارِ باری تعالیٰ صرف نُورِ یقین سے مُمکن ہے کہ یہ توحید کا آئینہ ہے اور اس نور میں صِفاتِ باری تعالیٰ کا مُشاہدہ ہوتا ہے اور یہی اِیمان کی حقیقت اور آسمان سے نازِل ہونے والی ایک گراں مایہ نِعْمت ہے اور اس سے مُراد وہ سکینہ ہے جس کے مؤمنین کے دلوں میں نُزُول کا سَبَب اِیمان کی زِیادَتی اور صِفاتِ مومِن کا اس سے خاص ہونا ہے۔ اس لیے کہ یہ صِفاتِ مومِن باہَم ایک دوسرے کی خبریں دیتی ہیں نہ ایک دوسرے کی مُخالَفت کرتی ہیں اور نہ ایک دوسرے پر مُرتَّب ہوتی ہیں، بلکہ بندہ صِفات و قُدرَت کے بارے میں وارِد ہونے والی ہر خَبَر پر الگ الگ ایمان لاتا ہے، جیسا کہ وہ اپنے اِسلام کی وجہ سے ان سب پر ایمان رکھتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو وہ ان میں سے بعض کی نفی کر بیٹھے یا سب ہی کو تسلیم نہ کرے۔ اس لیے کہ ہمارے اِیمان قبول کرنے کا سَبَب اللہ پاک کا فَضْل وکَرَم ہے جو ہمیں تصدیق، یقین اور نَقْل کی بنا پر حاصل ہوا نہ کہ تقلید، حُسْنِ ظَن اور عَقْل کی بنا پر۔

چار مسلمہ باتیں

چار باتیں مُسَلَّمہ ہیں جن سے اِنْکار مُمکن نہیں اور وہ یہ ہیں:

اَخبارِ صِفات ☜ اُصولِ عبادات ☜ فضائلِ اَصحاب ☜ فضائلِ اَعمال

فضلِ خداوندی

اللہ پاک نے مُومِنِین کے دِلوں میں اِیمان کی مَحبَّت ڈال کر اسے خوب مُزَیَّن فرمایا اور کفر کی نَفرت پیدا کر کے اسے ان کے نزدیک عیب دار بنایا۔ اگر **اللہ** پاک مُومِنِین کے دلوں کا والی نہ ہوتا تو حِجاب اور اَعیان سے آزمائش کے وَقت آنکھوں سے قُدرَتِ باری تعالیٰ کے غائب ہونے اور مُشاہدۂ اَسباب وظُہورِ اَغیار کی وجہ سے وہ بحرِ ہَلاکَت میں غرق ہو جاتے اور تاریکیوں میں بھٹکتے رہتے۔ مگر **اللہ** پاک نے اُنہیں ان باتوں سے مَحفُوظ فرمالیا اور اِیمان کو اُن کے دِلوں میں مُزَیَّن کرتے ہوئے اِس کی مَحبَّت ڈال دی۔ نیز کفر و مَعصِیَّت کے عُیُوب کو ان پر واضح کرتے ہوئے اِن کی نَفرَت اُن کے دِلوں میں پیدا کر دی۔

انسان فطرتاً ظلمت کا شکار ہے

اسی طرح **اللہ** پاک نے ان لوگوں کی تعریف فرمائی جو پوشیدہ غیب پر اِیمان لائے اور یہی وجہ ہے کہ مُقرَّبین مُشاہدۂ نور کی بنا پر اَہلِ اِیمان سے سَبقَت لے گئے۔ جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ۙ یُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ (پ ۳، البقرۃ: ۲۵۷)

ترجمۂ کنز الایمان: **اللہ** والی ہے مسلمانوں کا انہیں اندھیریوں سے نور کی طرف نکالتا ہے۔

اگر وہ لوگ فطری طور پر ظُلمَت و تاریکی کا شِکار نہ ہوتے تو ان پر نورِ یقین سے اِحسان کیونکر ہوتا۔ اسی طرح **اللہ** پاک کے محبوب صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا بھی فرمانِ عالیشان ہے: بے شک **اللہ** پاک نے ایک مخلوق کو ظُلمَت سے پیدا کیا، پھر اس پر اپنا نور ڈالا، لہٰذا جس کو نور ملا وہ ہِدایَت پا گیا اور جسے نہ ملا وہ گمراہ ہو گیا۔[1]

فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

یَمْحُوا اللّٰهُ مَا یَشَآءُ وَ یُثْبِتُ ۚۖ وَ عِنْدَهٗۤ اُمُّ الْكِتٰبِ ۝۳۹ (پ ۱۳، الرعد: ۳۹)

ترجمۂ کنز الایمان: **اللہ** جو چاہے مٹاتا اور ثابت کرتا ہے اور اَصل لکھا ہوا اسی کے پاس ہے۔

---

[1] ......ترمذی، کتاب الایمان، باب ماجاء فی افتراق ھذہ الامۃ، ۴/ ۲۹۲، حدیث: ۲۶۵۱

مسند الطیالسی، الافراد عن عبد اللہ بن عمرو، ص ۳۰۲، حدیث: ۲۲۹۱

اس آیتِ مُبارَکہ کی تفسیر میں مروی ہے کہ یہاں مُراد یہ ہے کہ **اللہ** پاک موحدین کے دلوں سے اَسباب کو مِٹاتا اور اپنی ذات کو باقی رہنے دیتا ہے، جبکہ (اَسباب کی طرف) دیکھنے والوں کے دِلوں سے وَحدانیت کو مِٹاتا اور اَسباب کو باقی رہنے دیتا ہے۔

(صاحِبِ کتاب حضرت سَیِّدُنا شیخ ابُو طالب مَکّی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں:) اگر کسی عارف نے کبھی کسی کتاب میں توحید کو تحریر کیا ہوتا نہ کسی عالم نے اپنے خطاب میں اس کی وَضاحت کی ہوتی تو عام لوگوں کے عُلُوم مُشاہدۂ باری تعالیٰ پانے سے عاجِز رہ جاتے، بلکہ عَقْلیں مُکاشَفَہ کی کمزوری کی وجہ سے سرے سے ہی اِنکار کر بیٹھتیں اور ہم بھی اس بارے میں ایسی باتیں ذِکْر کرتے جن سے عَقْلیں حیران اور اَہْلِ عَقْل و دانش دنگ رہ جاتے۔ مگر ہم نے پسند نہ کیا کہ ہم وہ باتیں بیان کریں جو پہلے کسی نے نہ کہیں یا ہم ایسی باتیں ظاہِر کریں جن سے عَقْلیں حیران و مُضْطَرِب ہو جائیں، نیز ہمیں یہ خَدْشہ بھی لاحِق ہے کہ لوگ ہماری ذِکْر کردہ باتوں سے اپنی بِساط کے مُطابِق اپنا حِصّہ نہ پاسکیں گے اور سننے والے نَفْع کے بجائے ان باتوں سے نُقْصان اُٹھائیں گے۔

باطنی معرفت کیا ہے؟

عِلْمِ توحید کی حقیقت باطنی مَعْرِفَت ہے اور اس سے مُراد یہ ہے کہ **اللہ** پاک کا اپنے اس بندے کی طرف مُتَوَجِّہ ہونا جس نے کسی مَخْصُوص صِفَت کی بنا پر اس کے عرفان کی دولت پالی ہے، اس لیے کہ وہ اس کا دوست، مُقَرَّب اور خاص بندہ بن چکا ہے۔ مگر کامل مَعْرِفَت کا حُصُول کسی کے بَس میں نہیں، (جو عرفان کی دولت پالیتے ہیں ان کا) رُبُوبِیَّت کے اس سِرّ کو ظاہِر کرنا کفر شُمار ہوتا ہے۔

کسی عارِف کا قول ہے کہ جس نے توحید کو طَشْت اَز بام کیا (یعنی اسے کھولا) اور وَحْدانیت کے راز کو ظاہِر کیا تو اس کا قَتْل کرنا دوسروں کو زندہ رکھنے سے اَفْضَل ہے۔

کسی اور عارِف کا قول ہے کہ رَبُوبِیَّت کا ایک ایسا راز ہے اگر اسے ظاہِر کر دیا جائے تو نبوت ہی خَتْم ہو جائے اور نبوت کا بھی ایک ایسا راز ہے جسے اگر واضح کر دیا جائے تو عِلْم خَتْم ہو جائے اور عُلَمائے رَبّانِیِّین کا بھی ایک ایسا راز ہے جو اگر کھل جائے تو اَحکام خَتْم ہو جائیں۔

اَلْغَرَض ایمان کی پختگی اور شَرِیعَت کا اِستحکام اس راز کو چھپانے میں ہے۔ اسی کے ساتھ تدبیر واقع ہوتی

ہے اور اسی پر اَمْر و نَہی کے اُمُور کا اِنتِظام چلتا ہے۔ اللہ پاک اپنے اُمُور پر غالِب ہے۔

اس رازِ رَبُوبِیَّت کا عرفان حاصل کرنے سے برتر عِلْمِ توحید ہے، جس کا نام وحدانی ہے اور توحید اس کا وَصْف ہے۔ اس سے برتر عِلْمِ اتحاد ہے، جس کا وَصْف متحد ہے۔ ان دونوں سے بالاتر عِلْمِ وَحْدَانِیت ہے، جس کا نام واحِد ہے۔ اس سے اوپر عِلْمِ اَحَدِیَّت ہے، جس کا نام احد ہے۔ ان سب اسما کی کچھ صِفَات ہیں اور ان صِفَات کے کچھ انوار ہیں، جبکہ ان صِفَات کے انوار سے کچھ عُلُوم حاصِل ہوتے ہیں اور ان علوم کے کچھ مشاہدات ہیں، جن میں سے بعض بعض سے بالاتر ہیں۔ کیونکہ ہر عِلْم والے سے بالاتر بھی کوئی عِلْم والا ہوتا ہے۔

(صاحِبِ کتاب فرماتے ہیں:) مگر یہ بھی جان لیجئے کہ ان تمام عُلُوم اور عمومی طور پر ان تمام مُشاہَدَات کی اِبتِدا عِلْمِ توحید سے ہوتی ہے جو کہ ان انوار کا ظاہِر اور مَخْلُوق کے زیادہ قریب ہے۔ مُوَحِّد نام اسی سے ہے، یہیں مَخْلُوق جدا اور ظاہِر ہوتی ہے۔ یہی وہ توحید ہے جس کے ذریعے مُوَحِّدِین اللہ پاک کی تمام مَخْلُوق سے الگ ہوگئے، اس کے بعد اللہ پاک نے ان پر دوبارہ اپنی خاص رحمت فرمائی۔

سب سے پہلے توحید میں یہ مُشاہَدہ ہوتا ہے کہ بندہ مَخْلُوق کی توحید سے پہلے اپنے رب کی ذات کا اسی کے ذریعے اسی کی خاطِر مُشاہَدہ کرتا ہے۔ لِہٰذا مَخْلُوق کا اپنے رب کی توحید کا اِقْرار کرنا در حقیقت اسی کی عَطا کردہ توحید کا ثمرہ ہے۔ جیسا کہ ہم نے اس کے بارے میں تحریر کیا ہے اور ہم نے اپنی اس تحریر میں جو باتیں ظاہِر کیں یہ توحید بھی انہی میں مَخْفِی ہے۔ نیز یہ توحید بصائر و اَفْہام سے غَیبی خزانوں میں مَحْجُوب ہے، جو مَلَکُوت سے تَجَاوُز کر چکی ہے، جبکہ اس کے آگے جبروتی خزانے ہیں۔

ہم نے یہاں اسی قَدْر عِلْمِ توحید کا ذِکْر کیا ہے جو دِلوں کی غذا اور ایمان کے لیے از بس ضَروری ہے۔

ہمارے عالِم حضرت سَیِّدُنا سَہْل تُسْتَرِی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں: حقیقی عالِم کو تین قسم کے عُلُوم نصیب ہوتے ہیں:

﴿1﴾ عِلْمِ ظاہِر جسے وہ صِرف اَہْلِ ظاہِر پر ظاہِر کرتا ہے۔

﴿2﴾ عِلْمِ باطِن جسے وہ صِرف اَہْلِ باطِن پر ظاہِر کرتا ہے۔

﴿3﴾ وہ عِلْم جو اللہ پاک اور اس عالِم کے درمیان راز ہوتا ہے اور یہی اس کے ایمان کی حقیقت ہے جسے وہ

اَہلِ ظاہِر کے سامنے ظاہِر کرتا ہے نہ اَہلِ باطِن کے سامنے۔

اَسلاف میں سے کسی کا قول ہے کہ جو عالِم کسی قوم کو عِلْم کی ایسی باتیں بتائے جن تک ان کی عَقلوں کی رَسائی نہ ہو تو وہ باتیں ان کے لیے فتنے کا باعث بن جاتی ہیں۔

اسلام کے دوسرے بنیادی رکن یعنی نماز کی شرح

اس باب میں کیا بیان ہو گا؟

(صاحِبِ کتاب حضرت سَیِّدُنا شیخ ابو طالب مکی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں:) سب سے پہلے طَہارَت کا بیان ہے اور طَہارَت میں سب سے پہلے اِسْتِنْجا کے فَرائِض و سُنَن، وُضو کے فَرائِض اور سُنَن و فضائل بیان ہوں گے، پھر نماز کے فَرائِض و سُنَن اور اَوقاتِ نماز میں نَمازی کے اَحْکام اور نماز کو پانے کے عِلاوہ اس کے دیگر مُتَعَلِّقات، نماز کی کَیفِیّات اور نمازی کے آداب بیان ہوں گے۔

استنجا کے فرائض کا بیان

طہارت کے فضائل

اللہ پاک کا فرمانِ عالیشان ہے اور اس کی خَبَر سچی ہے:

فِیْهِ رِجَالٌ یُّحِبُّوْنَ اَنْ یَّتَطَهَّرُوْا ؕ وَ اللّٰهُ یُحِبُّ الْمُطَّهِّرِیْنَ ﴿۱۰۸﴾ (پ ۱۱، التوبۃ: ۱۰۸)

ترجمۂ کنزالایمان: اس میں وہ لوگ ہیں کہ خوب ستھرا ہونا چاہتے ہیں اور ستھرے **اللہ** کو پیارے ہیں۔

رسولِ کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا فرمانِ عالیشان ہے: **اللہ** طَہارَت کے بغیر کوئی نَماز قبول نہیں فرماتا۔[1]

ایک رِوایَت میں سرورِ کائنات صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اِرشَاد فرمایا: **اَلطُّهُوْرُ نِصْفُ الْاِیْمَانِ**۔ یعنی طَہارَت و پاکیزگی نِصْفِ ایمان ہے۔[2]

[1] ......مسلم، کتاب الطهارة، باب وجوب الطهارة للصلاة، ص ۱۴۰، حدیث: ۲۲۴

[2] ......ترمذی، کتاب الدعوات، باب رقم: ۸۶، ۵/۳۰۸، حدیث: ۳۵۳۰

ایک رِوایت میں ہے: مِفْتَاحُ الصَّلٰوةِ الطُّهُوْرُ۔ یعنی نماز کی کنجی طہارت ہے۔(1)

استنجا کے فرائض

طہارت کی اِبتدا اِسْتِنْجَا سے ہوتی ہے، اس میں دو ۲ فَرْض ہیں۔ پہلا فَرْض ناپاکی دُور کرنا اور دُوسرا ناپاکی دُور کرنے والی شے (یعنی پانی، مٹی کے ڈھیلے وغیرہ) کا پاک ہونا۔(2)

کن چیزوں سے استنجا جائز نہیں

جس ڈھیلے سے پاکی حاصِل کرنا چاہتے ہیں وہ کسی جانور کی لِید ہو نہ پہلے اسے ایک مرتبہ اِسْتِعمال کیا گیا ہو اور نہ وہ کسی مُردار کی ہڈّی ہو۔ جبکہ کوئلہ سے اِسْتِنْجَا کرنا مَکْرُوہ ہے کہ اس کا مَکْرُوہ ہونا ایک حدیثِ پاک

---

[1] ......ترمذی، ابواب الطھارۃ، باب ماجاء ان مفتاح الصلاۃ الطھور، ۱/۸۵، حدیث: ۳

[2] ......عند الاحناف استنجا سنت ہے اور اس کے درج ذیل آداب ہیں: جب استنجاء خانہ میں داخل ہونا چاہے تو اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَآئِثِ۔ پڑھ کر پہلے بایاں قدم رکھے اور نکلتے وقت پہلے داہنا پاؤں نکالے۔ قبلہ کی طرف منہ اور پیٹھ کرنے سے بچے، جب تک بیٹھنے کے قریب نہ ہو کپڑا بدن سے نہ ہٹائے اور نہ حاجت سے زِیادہ بدن کھولے، پھر دونوں پاؤں کشادہ کرکے بائیں پاؤں پر زور دے کر بیٹھے اور کسی مسئلہ دینی میں غور نہ کرے کہ یہ باعثِ محرومی ہے اور چھینک یا سلام یا اذان کا جواب زبان سے نہ دے اور اگر چھینکے تو زبان سے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نہ کہے، دل میں کہہ لے اور بغیر ضرورت اپنی شرمگاہ کی طرف نظر نہ کرے اور نہ اس نجاست کو دیکھے جو اس کے بدن سے نکلی ہے اور بلا وجہ دیر تک نہ بیٹھے، پیشاب میں نہ تھوکے، نہ ناک صاف کرے، نہ بلا ضرورت کھنکارے، نہ بار بار اِدھر اُدھر دیکھے، نہ بیکار بدن چھوئے، نہ آسمان کی طرف نگاہ کرے بلکہ شرم کے ساتھ سر جھکائے رہے۔ پیشاب کے بعد استنجا کا یہ طریقہ ہے کہ پہلے پاک مٹی یا پتھر یا پھٹے پرانے کپڑے لے کر پیشاب کی جگہ کو سکھالے اور اگر قطرہ آنے کا شبہ ہو تو کچھ ٹہل لے یا کھانس کر یا پاؤں زمین پر مار کر کوشش کرے کہ رکا ہوا قطرہ باہر نکل پڑے پھر پانی سے پیشاب کی جگہ دھو ڈالے اور پاخانہ کے بعد استنجاء کرنے کا یہ طریقہ ہے کہ پہلے چند ڈھیلوں یا پتھروں سے پاخانہ کی جگہ کو پونچھ کر صاف کرے پھر پانی سے اچھی طرح دھولے۔

ڈھیلوں سے طہارت اس وقت ہو گی کہ نجاست سے مخرج کے آس پاس کی جگہ ایک درم سے زیادہ آلودہ نہ ہو اور اگر درہم سے زیادہ سن جائے تو دھونا فرض ہے مگر ڈھیلے لینا اب بھی سنت رہے گا۔ ڈھیلا اور پانی دونوں بائیں ہاتھ سے استعمال کرے۔ ڈھیلا استعمال کرنے کے بعد پانی سے بھی دھولینا یہ استنجا کا مستحب طریقہ ہے ورنہ صرف ڈھیلا اور صرف پانی سے بھی استنجا کرلینا جائز ہے۔ (ماخوذ از بہار شریعت، حصہ ۲، ۱/۴۰۵تا۴۰۸)

میں مروی ہے۔[1]

استنجا کی سنتیں

اِسْتِنْجا کی چار ۴ سنتیں ہیں:

(1) ڈھیلوں کا طاق عَدَد میں ہونا یعنی تین ۳ یا پانچ ۵ یا سات ۷۔[2] (2) پانی سے اِسْتِنْجا کرنا۔[3]

(3) بائیں ہاتھ سے نجاست وگندگی کو دُور کرنا۔ (4) ہاتھ کو مٹّی پر رگڑنا۔

پتھر سے استنجا کا طریقہ

پتھر (مٹّی کے ڈھیلے) سے اِسْتِنْجا کا طریقہ یہ ہے:

پتّھر بائیں ہاتھ سے پکڑے اور مَقْعَد (مقامِ پاخانہ) کے اگلے حصّے سے پونچھتا ہوا پیچھے کی طرف لے جائے۔ پھر اس پتّھر کو پھینک کر دوسرا پتّھر لے اور مَقْعَد (مقامِ پاخانہ) کے پچھلے حصّے سے پونچھتا ہوا آگے کی طرف لے آئے۔ پھر تیسرا پتّھر لے کر اسے ایک بار شَرْم گاہ کے اِرد گرد دائرے کی صُورَت میں پھیرے، اگر مزید پتّھر کی ضَرورت پیش آئے تو تعداد کو پانچ ۵ کرلے اور اگر ایک ہی پتّھر کافی ہو تو تعداد کو تین ۳ ہی رہنے دے، اگر کسی نے تین ۳ کونوں والا ایک بڑا پتّھر اِستعمال کیا تو وہ ایک پتّھر ہی تین ۳ پتّھروں کی جگہ کافی ہے۔

پتھر طاق عدد ہوں

البتہ! (بہتر یہ ہے کہ پتّھر تین ۳ ہوں کیونکہ) **فرمانِ مصطفٰے** صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم ہے: مَنِ اسْتَجْمَرَ فَلْيُوتِرْ۔ یعنی جو شخص پتّھروں کا اِستعمال کرے تو وہ طاق عَدَد میں اِستعمال کرے۔[4]

---

[1] ......ابوداود، کتاب الطهارة، باب ما ينهى عنه ان يستنجى به، ۱/۴۸، حدیث: ۳۹

[2] ......ڈھیلوں کی کوئی تعداد مُعیّن سنّت نہیں بلکہ جتنے سے صفائی ہو جائے، تو اگر ایک سے صفائی ہو گئی سنّت ادا ہو گئی اور اگر تین ڈھیلے لیے اور صفائی نہ ہوئی سنّت ادا نہ ہوئی، البتہ مستحب یہ ہے کہ طاق ہوں اور کم سے کم تین ہوں تو اگر ایک یا دو سے صفائی ہو گئی تو تین کی گنتی پوری کرے اور اگر چار سے صفائی ہو تو ایک اور لے کہ طاق ہو جائیں۔ (بہار شریعت، حصہ ۲، ۱/۴۱۱)

[3] ......آگے یا پیچھے سے جب نَجاست نکلے تو ڈھیلوں سے استنجا کرنا سنّت ہے اور اگر صرف پانی ہی سے طہارت کرلی تو بھی جائز ہے مگر مستحب یہ ہے کہ ڈھیلے لینے کے بعد پانی سے طہارت کرے۔ (بہار شریعت، حصہ ۲، ۱/۴۱۰)

[4] ......مسلم، کتاب الطهارة، باب الإيتار في الاستنثار والاستجمار، ص ۱۴۶، حدیث: ۲۳۷

قضائے حاجت کا مسنون طریقہ

سرکار مدینہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم جب قضائے حاجت کا اِرادہ فرماتے تو (آبادی سے) دُور تشریف لے جاتے۔[1] قضائے حاجت کے لیے اس طرح تشریف رکھتے جیسے بندہ گھر میں بیٹھتا ہے۔[2] اس لیے کہ آپ کسی کھلی جگہ تشریف نہ رکھتے، بلکہ اپنی پُشت پر کوئی آڑ بنا لیتے یا کسی دیوار کی آڑ لے لیتے یا زمین کی کسی ایسی بُلند جگہ کی آڑ میں ہو جاتے جو آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کو چھپا سکے یا پتّھروں کے کسی ایسے ڈھیر کی آڑ میں ہو جاتے جو پردے کا کام دے سکے، پھر آپ اس آڑ کی طرف اپنی پُشت کر (کے قضائے حاجت فرما) لیتے۔

آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کبھی قبلہ رُو ہو کر بَول و بَراز نہ فرماتے[3] اور نہ کبھی زمین کے قریب ہونے سے پہلے کپڑے اٹھاتے۔[4] البتہ! جو شخص اپنے ساتھی کے قریب ہی اس طرح پیشاب کرنا چاہے کہ وہ دیکھ اور محسوس کر سکے تو اس میں بھی کوئی حَرَج نہیں کہ اس میں مکی مَدَنی سرکار صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے فعل سے رُخصت ثابت ہے[5] کہ آپ نے اس مُعَاملے میں حیا کا مُظاہرہ نہ فرمایا، حالانکہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم لوگوں میں سب سے زیادہ حَیا والے تھے[6] مگر پھر بھی آپ (بسااوقات) پیشاب فرما لیتے جبکہ آپ کا کوئی صحابی آپ کے ایک طرف کھڑا ہوتا[7] ایسا اس لیے فرمایا تاکہ سنّت سے اس مُعَاملے میں وُسعَت ثابت ہو جائے۔

کسی شخص نے ایک اَعْرَابی (دیہاتی) صحابی سے اُلجھتے ہوئے کہا: میرا خیال ہے کہ تمہیں قضائے حاجت کا طریقہ بھی اَچھی طرح نہ آتا ہو گا۔ اس پر وہ اَعْرَابی صحابی بولے: کیوں نہیں آتا! بلکہ مجھے تو اس میں مَہارَت حاصِل ہے۔ اس نے پوچھا: (اگر اس میں ماہِر ہو تو) مجھے بھی ذرا بتاؤ؟ تو وہ صحابی یوں گویا ہوئے: ☜ میں (سب

---

[1] ......ابن ماجہ، کتاب الطهارة، باب التباعد للبراز في الفضاء، ۱/ ۲۱۲، حدیث: ۳۳۶

[2] ......ذخیرة الحفاظ، الشمائل الشریفة، ۳/ ۱۷۷۲، حدیث: ۴۰۲۹

[3] ......ترمذی، ابواب الطهارة، باب في النهي عن استقبال القبلة بغائط او بول، ۱/ ۸۸، حدیث: ۸، نحوه

[4] ......ترمذی، ابواب الطهارة، باب ماجاء في الاستتار عند الحاجة، ۱/ ۹۲، حدیث: ۱۴

[5] ......بخاری، کتاب الوضوء، باب البول عند صاحبه والتستر بالحائط، ۱/ ۹۸، حدیث: ۲۲۵

[6] ......مسلم، کتاب الفضائل، باب کثرة حیائه، ص ۱۲۶۸، حدیث: ۲۳۲۰۔ معجم کبیر، ۲۲/ ۶۲، حدیث: ۱۲۵

[7] ......مسلم، کتاب الطهارة، باب مسح علی الخفین، ص ۱۵۸، حدیث: ۲۷۳

سے پہلے) آبادی سے دُور جاتا ہوں ڈھیلے گن کر پاس رکھتا ہوں گھاس اِکٹھی کر کے سامنے رکھتا ہوں ہوا کی طرف پیٹھ کرتا ہوں ہرن کی طرح (پنجوں پر دباؤ ڈال کر) بیٹھتا ہوں شُتَر مُرغ کی طرح پچھلے مقام کو اُوپر اُٹھاتا ہوں۔

حضرت سیِّدُنا سلمان فارسی رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہ سے مَرْوِی ہے کہ رسولِ اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ہمیں ہر چیز سکھائی یہاں تک کہ قضائے حاجت کا طریقہ سکھاتے ہوئے حُکم اِرشَاد فرمایا کہ (نجاست صاف کرنے کے لیے) ہم ہڈی اور گوبر اِستعمال نہ کریں اور اس بات سے بھی مَنْع فرمایا کہ ہم پاخانہ پیشاب کرتے وَقْت قبلہ رُو ہوں نہ پیشاب کرتے وَقْت۔[1] نیز (پیشاب کا طریقہ سکھاتے ہوئے) حُکم اِرشَاد فرمایا کہ بائیں پاؤں پر بیٹھیں اور دائیں کو کھڑا رکھیں۔[2]

استنجا کا طریقہ

اِسْتِنْجَا کا طریقہ یہ ہے:

- مَرد آہِستہ آہِستہ اطمینان سے پیشاب کرے۔
- دورانِ پیشاب عُضْوِ مَخْصُوص کو حَرَکت نہ دے، ورنہ پیشاب سارے حَشْفَہ پر پھیل جائے گا۔
- جب پیشاب خَتْم ہو جائے تو عُضْوِ مَخْصُوص کو جڑ سے سر کی طرف آہِستہ آہِستہ نَرْمی سے تین ۳ بار ملے (نچوڑے)، تاکہ (جو قطرے رُکے ہوئے ہوں نکل جائیں مگر اس اِحْتِیاط کے ساتھ کہ ایسا کرتے ہوئے اس پر) پیشاب کے چھینٹے نہ پڑیں۔
- پھر تین ۳ بار عُضْوِ مَخْصُوص کو کھینچے اور تین ۳ بار کھانسے اور اگر یہ کام سات ۷ سات ۷ مرتبہ کرے تو اچھّا ہے۔
- پھر دائیں ہاتھ میں ایک پتّھر لے اور بائیں ہاتھ سے عُضْوِ مَخْصُوص کو پکڑ کر اس پتّھر پر رگڑے، یہاں تک کہ پیشاب کی جگہ خشک ہو جائے۔ جب اس کی نمی خَتْم ہو جائے گی تو یہ پاک ہو جائے گا۔ اگر کسی

---

[1] ......مسلم، کتاب الطھارۃ، باب الاستطابۃ، ص ۱۵۴، حدیث: ۲۶۲

[2] ......معجم کبیر، ۶/۱۳۶، حدیث: ۶۰۵۲

نے عُضْوِ مَخْصُوص کو زمین پر رگڑا یا کسی دیوار کے ساتھ یہاں تک کہ وہ خشک ہو جائے تو یہ بھی صحیح ہے۔[1] پانی کے بجائے اس طریقے سے عُضْوِ مَخْصُوص کو خشک کر کے پاک کرنا بھی کافی ہے جب تک کہ پیشاب حَشْفہ پر نہ پھیلے۔

استنجا کے مستحبات و مکروہات

نَرم و ہموار زمین میں پیشاب کرنا مُسْتَحَب جبکہ ہوا کی طرف منہ کر کے یا سَخْت زمین پر پیشاب کرنا مَکْرُوہ ہے تاکہ پیشاب کے چھینٹے نہ اُڑیں۔

فُقہائے مدینہ نے عُضْوِ مَخْصُوص کو تھن کے مُشابِہ قرار دیا اور بعض فقہا کا قول ہے کہ جب بھی آپ عُضْوِ مَخْصُوص کو نچوڑیں گے تو اس سے کچھ نہ کچھ نکلتا ہی رہے گا۔ ایک قول میں ہے کہ جب عُضْوِ مَخْصُوص پر پانی ڈال دیا جائے تو پیشاب (کے قطرے) خَتْم ہو جاتے ہیں۔ فقہائے مدینہ کے نزدیک جو شَخْص اِسْتِبْرا[2] میں تخفیف سے کام لے اور پاکی حاصِل کرنے کی خاطِر بہُت کم پانی کا اِسْتِعمال کرے وہ فقیہ ہے۔

بسا اَوقات عُضْوِ مَخْصُوص کو پانی سے دھونے کے بعد بھی کچھ تراوٹ سی مَحْسُوس ہوتی ہے، یہ حقیقت میں وُہی پانی ہے جو عُضْوِ مَخْصُوص کو دھوتے وَقْت اس میں چلا گیا تھا، پھر راستہ تنگ ہونے کی وجہ سے (آگے نہ جاسکا اور) واپَس نِکَل آیا۔ پانی چونکہ پیشاب سے مل کر اس کا حِصّہ بن جاتا ہے، لہٰذا اگر وسوسوں کا خَدْشہ ہو تو

---

[1] ......دیوار سے بھی اِسْتِنْجا سکھا سکتا ہے مگر شَرْط یہ ہے کہ وہ دوسرے کی دیوار نہ ہو، اگر دوسرے کی مِلک ہو یا وَقْف ہو تو اس سے اِسْتِنْجا کرنا مَکْرُوہ ہے اور کر لیا تو طَہارَت ہو جائے گی، (البتہ) جو مکان اس کے پاس کرایہ پر ہے اس کی دیوار سے اِسْتِنْجا سکھا سکتا ہے۔ (مگر) پرائی دیوار سے استنجے کے ڈھیلے لینا جائز نہیں اگرچہ وہ مکان اس کے کرایہ میں ہو۔ (بہار شریعت، حصہ ۲، ۱/ ۴۱۱)

[2] ......اِسْتِبْرا سے مراد پیشاب کرنے کے بعد کوئی ایسا کام کرنا ہے کہ اگر قطرہ رُکا ہو تو گر جائے۔ بہارِ شریعت میں ہے: پیشاب کے بعد جس کو یہ اِحْتِمال ہے کہ کوئی قطرہ باقی رہ گیا یا پھر آئے گا، اس پر اِسْتِبْرا واجِب ہے، اِسْتِبْرا ٹہلنے سے ہوتا ہے یا زمین پر زور سے پاؤں مارنے یا دہنے پاؤں کو بائیں اور بائیں کو دہنے پر رکھ کر زور کرنے یا بُلندی سے نیچے اترنے یا نیچے سے بُلندی پر چڑھنے یا کھنکارنے یا بائیں کروٹ پر لیٹنے سے ہوتا ہے اور اِسْتِبْرا اس وَقْت تک کرے کہ دل کو اطمینان ہو جائے، ٹہلنے کی مِقْدار بعض عُلَما نے 40 قدَم رکھی مگر صحیح یہ ہے کہ جتنے میں اطمینان ہو جائے اور یہ اِسْتِبْرا کا حُکم مَردوں کے لیے ہے، عورت بعد فارِغ ہونے کے تھوڑی دیر وقفہ کر کے طَہارَت کر لے۔ (بہار شریعت، حصہ ۲، ۱/ ۴۱۲)

دھونے کے بعد چُلّو بھر پانی شَرم گاہ پر چھڑک دیں۔ ایک رِوایَت میں ہے کہ **اللہ** پاک کے پیارے حبیب صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ایسا ہی کیا۔[1]

اِسْتِنْجا کرتے ہوئے دائیں ہاتھ سے عُضْوِ مَخْصُوص کو چھونا بھی مَکْرُوہ ہے۔[2]

وضو لازِم کرنے والی چیزیں

عُضْوِ مَخْصُوص سے پانچ ۵ اَشیا نکلتی ہیں:

《1》 پیشاب　　《2》 مذی

《3》 ودی: اس سے مُراد وہ رَطُوبَت ہے جو پیشاب کو دیر تک روکنے کے فوراً بعد نکلتی ہے۔

《4》 ہوا　　《5》 مَنی

ان پانچ ۵ میں سے مَنی کے عِلاوہ باقی سب سے وضو لازِم آتا ہے جبکہ مَنی سے مُراد عُضْوِ مَخْصُوص سے جھٹکے سے نکلنے والا وہ پانی ہے جس کے نکلنے کے بعد عُضْوِ مَخْصُوص میں سستی آجاتی اور شَہوت خَتْم ہو جاتی ہے اور اسی پانی سے انسان کی تخلیق بھی ہوتی ہے۔ اس سے غُسل لازِم آتا ہے۔ اس کے عِلاوہ عُضْوِ مَخْصُوص سے جو کچھ نکلے مثلاً کوئی کیڑا یا کنکر وغیرہ تو اس سے بھی وضو لازِم آتا ہے۔ کبھی کبھار ہوا چپکے سے نِکل جاتی ہے، اس صُورَت میں ہر نماز کے وَقْت میں تازہ وضو کرنا مُسْتَحَب ہے اور عورتوں کے لیے ایسا کرنا زیادہ پاکیزگی کا سَبَب ہے۔[3]

وضو کے فرائض

رسولِ اَکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اِرشاد فرمایا: جس نے اس طرح وُضو کیا جیسا کہ حُکْم دیا گیا ہے۔[4] ایک رِوایَت کے اَلفاظ میں ہے کہ جس نے کامل وضو کیا اور دو ۲ رَکْعَت نماز (تَحِیَّۃُ الْوُضُو) اس طرح پڑھی کہ

---

[1] ......ابن ماجہ، کتاب الطھارۃ، باب ماجاء فی النضح بعد الوضوء، ۱/ ۲۶۹، حدیث: ۴۶۱

[2] ......داہنے ہاتھ سے اِسْتِنْجا کرنا اگرچہ مَکْرُوہ ہے، لیکن اگر کسی کا بایاں ہاتھ بیکار ہو گیا تو اسے دہنے ہاتھ سے جائز ہے۔ (بہار شریعت، حصہ ۲،۱/ ۴۱۱)

[3] ......**احناف کے نزدیک:** مرد یا عورت کے آگے سے ہَوا نکلی تو وُضو نہیں جائے گا۔ (بہار شریعت، حصہ ۲،۱/ ۳۰۴ ملتقطا)

[4] ......ابن ماجہ، کتاب اقامۃ الصلاۃ، باب ماجاء فی ان الصلاۃ کفارۃ، ۲/ ۱۶۴، حدیث: ۱۳۹۶. معجم کبیر، ۱/ ۹۲، حدیث: ۱۴۹

ان میں کوئی دُنیاوِی بات دل میں نہ لایا تو وہ اپنے گناہوں سے اس طرح نکل جائے گا جیسا کہ اسی دن اس کی ماں نے اسے جَنا ہو۔[1] ایک رِوایَت میں یہ اَلْفاظ ہیں: ان دو ۲ رکعتوں میں وہ نہ بھولا تو اس کے پچھلے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔[2]

سرورِ کائنات صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا فرمانِ مَغْفِرَت نشان ہے: کیا میں تمہیں وہ باتیں نہ بتاؤں جن کے ذریعے **اللہ** پاک خطائیں مِٹاتا اور دَرَجات بُلَند فرماتا ہے: (تو سنو! وہ باتیں یہ ہیں) دُشواری کے وَقْت کامِل وضو کرنا، مَسَاجِد کی طرف چل کر جانا اور ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا اِنتِظار کرنا اور یہی رِبَاط (سرحدوں کی حِفَاظت کرنا یعنی جِہاد کرنا) ہے۔[3]

مَرْوِی ہے کہ ایک بار رَحْمتِ عالَم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے وضو میں ایک ایک بار اَعْضَا کو دھویا اور اِرشَاد فرمایا: اس وضو کے بغیر **اللہ** پاک نماز قبول نہیں فرماتا۔ پھر وضو میں دو ۲ دو ۲ بار اَعْضَا کو دھویا اور اِرشَاد فرمایا: جس نے اَعْضَائے وضو کو دو ۲ دو ۲ بار دھویا **اللہ** پاک اسے دُگنا اَجْر عَطا فرمائے گا۔ پھر اَعْضَائے وضو کو تین ۳ تین ۳ بار دھویا اور اِرشَاد فرمایا: یہ میرا، مجھ سے پہلے انبیائے کِرام اور حضرت ابراہیم (عَلَیْہِمُ السَّلَام) کا وضو ہے۔[4]

طہارت کے فرائض

طَہارَت کے آٹھ فرائض[5] ہیں:

---

1 ......بخاری، کتاب الوضوء، باب الوضوء ثلاثاثلاثا، ۱/۷۸، حدیث: ۱۵۹
مصنف عبد الرزاق، کتاب الطهارة، باب مایکفر الوضوء والصلاة، ۱/۳۵، حدیث: ۱۴۲

2 ......ابوداود، کتاب الصلاة، باب کراهیة الوسوسة وحدیث النفس في الصلاة، ۱/۳۴۲، حدیث: ۹۰۵

3 ......مسلم، کتاب الطهارة، باب فضل إسباغ الوضوء علی المكاره، ص ۱۵۱، حدیث: ۲۵۱
ابن ماجه، کتاب الطهارة، باب ماجاء في اسباغ الوضوء، ۱/۲۵۵، حدیث: ۴۲۷

4 ......ابن ماجه، کتاب الطهارة، باب ماجاء في الوضوء مرة ومرتین وثلاثا، ۱/۲۵۱، حدیث: ۴۲۰
مسند ابی یعلی، مسند عبد الله بن عمر، ۵/۱۰۱، حدیث: ۵۵۷۲

5 ......احناف کے نزدیک وضو میں چار ۴ فرض ہیں: ﴿1﴾ مونھ دھونا ﴿2﴾ کہنیوں سمیت ہاتھ دھونا ﴿3﴾ چوتھائی سر کا مسح ﴿4﴾ پاؤں کو گٹوں (ٹخنوں) سمیت ایک دفعہ دھونا۔ (ماخوذ از بہار شریعت، حصہ ۲،۱/۲۸۸ تا ۲۹۱)

☜ برتن کا پاک ہونا ☜ پانی کا پاک ہونا ☜ نِیَّت ہونا[1]

☜ کتابُ اللہ میں مَوجُود ترتیب کو قائم رکھنا[2]

☜ جن تین ۳ اَعضا (یعنی چہرہ، کہنیوں سمیت دونوں ہاتھ اور ٹخنوں سمیت دونوں پاؤں) کو دھونے کا حُکم دیا گیا ہے انہیں دھونا ☜ سر کا مسح کرنا[3]

وضو کا طریقہ

چہرے اور ہاتھوں کو (کہنیوں سمیت نِصف بازو تک) دھوتے وَقْت ہاتھوں سے پانی کو صاف نہ کرے کہ یہ مسح ہو جائے گا۔[4] نیز چہرے پر پانی کے چھینٹے بھی نہ مارے کہ یہ مَکْرُوہ ہے، البتہ! دونوں ہاتھوں میں پانی لے کر ایک ساتھ چہرے پر ڈالے، پھر چہرے پر آہِستَہ آہِستَہ پانی ڈالے اور سر کے بالوں کی جڑوں سے لے کر داڑھی کے ظاہری حصے تک دھوئے اور داڑھی کے لٹکے ہوئے بالوں کو بھی دھوئے۔[5] چہرہ دھونے میں داڑھی کو اور دونوں کانوں کے درمیان کے سفید حِصّہ کو، جبکہ بازوؤں کو دھونے میں کہنیوں کو بھی دھوئے کہ یہ فَرْض ہے۔ بہتر یہ ہے کہ چہرے اور بازوؤں سے پانی کے قطروں کو بہنے دے (اور انہیں نہ پونچھے)۔

---

[1]...... حنفیہ کے نزدیک وُضو میں نِیَّت سنّت ہے اور حنبلیہ وشافعیہ کے نزدیک فَرْض۔ (بہارِ شریعت، حصہ ۱، ۲/ ۲۸۳ ملتقطاً)

[2]...... احناف کے نزدیک یہ ترتیب سنت ہے۔ (ماخوذ از بہارِ شریعت، حصہ ۱، ۲/ ۲۹۶)

[3]...... احناف کے نزدیک چوتھائی سر کا مسح فَرْض ہے، جبکہ پورے سر کا ایک بار مسح کرنا سنّت ہے۔ (ماخوذ از بہارِ شریعت، حصہ ۱، ۲/ ۲۹۱، ۲۹۶)

[4]...... کسی عُضْو کے دھونے کے یہ معنٰی ہیں کہ اس عُضْو کے ہر حِصّہ پر کم سے کم دو ۲ بوند پانی بہ جائے۔ بھیگ جانے یا تیل کی طرح پانی چُپڑ لینے یا ایک آدھ بوند بہ جانے کو دھونا نہیں کہیں گے نہ اس سے وُضو یا غُسل ادا ہو گا۔ بلکہ کسی جگہ مَوضَعِ حَدَث پر تری پہنچنے کو مسح کہتے ہیں۔ اس اَمْر کا لحاظ بہُت ضَروری ہے لوگ اس کی طرف تَوَجُّہ نہیں کرتے اور نمازیں اَکارت جاتی ہیں۔ (ماخوذ از بہارِ شریعت، حصہ ۲، ۱/ ۲۸۸)

[5]...... بہار شریعت جلد اول صفحہ 289 پر ہے: داڑھی کے بال اگر گھنے نہ ہوں تو جِلد کا دھونا فَرْض ہے اور اگر گھنے ہوں تو گلے کی طرف دبانے سے جس قَدْر چہرے کے گردے میں آئیں ان کا دھونا فَرْض ہے اور جڑوں کا دھونا فَرْض نہیں اور جو حلقے سے نیچے ہوں ان کا دھونا ضَروری نہیں اور اگر کچھ حِصّہ میں گھنے ہوں اور کچھ چھدرے، تو جہاں گھنے ہوں وہاں بال اور جہاں چھدرے ہیں اس جگہ جِلد کا دھونا فَرْض ہے۔

سر کے مسح کا طریقہ یہ ہے کہ نئے پانی[1] سے ہاتھوں کو تر کرکے مسح کرے، جس کی ابتدا یوں کرے کہ سر کے اگلے سرے سے ہاتھوں کو پچھلے سرے کی طرف لے جائے، پھر انہیں تالو کی طرف واپس لے آئے۔[2] ایسا ایک ہی مرتبہ کرے اور چاہیے کہ پورے سر کا مسح کرے۔ یہی وہ چار ۴ اَعضا ہیں جن کے بارے میں نص وارِد ہوئی ہے۔[3]

وضو کی سنتیں

وضو کی سنتیں 10 ہیں:[4]

(1) بسم اللہ شریف پڑھنا (2) دونوں ہاتھوں کو دھونا (3) کلی کرنا

(4) ناک میں پانی چڑھانا (5) ناک صاف کرنا (6) داڑھی کا خِلال کرنا

(7) کانوں کا مسح کرنا (8) ہر عُضْو کو تین ۳ تین ۳ بار دھونا

(9) ہر عُضْو دھوتے وَقْت دائیں جانِب سے شروع کرنا (10) پاؤں کی انگلیوں کا خِلال کرنا۔

---

[1] ...... مسح کرنے کے لیے ہاتھ تر ہونا چاہیے، خواہ ہاتھ میں تری اعضا کے دھونے کے بعد رہ گئی ہو یا نئے پانی سے ہاتھ تر کر لیا ہو۔ (بہار شریعت، حصہ ۲، ۱/۲۹۱)

[2] ...... **سر کے مسح کا طریقہ:** دونوں انگوٹھوں اور کلمے کی انگلیوں کو چھوڑ کر دونوں ہاتھ کی تین ۳ تین ۳ انگلیوں کے سرے ایک دوسرے سے مِلا لیجئے اور پیشانی کے بال یا کھال پر رکھ کر کھینچتے ہوئے گُدّی تک اس طرح لے جائیے کہ ہتھیلیاں سر سے جُدا رہیں، پھر گُدّی سے ہتھیلیاں کھینچتے ہوئے پیشانی تک لے آئیے (کلمے کی انگلیاں اور انگوٹھے اس دوران سر پر بالکل مَس نہیں ہونے چاہئیں) پھر کلمے کی انگلیوں سے کانوں کی اندرونی سَطْح کا اور انگوٹھوں سے کانوں کی باہری سَطْح کا مسح کیجئے۔ (المحيط البرهاني، الفصل الأول في الوضوء، ١/٤٤)

[3] ...... یہاں سے کچھ عبارت کا ترجمہ متروک ہے جسے اہل علم احباب کے لئے کتاب کے آخر میں دے دیا گیا ہے۔

[4] ...... ہمارے نزدیک وضو کی سنتیں درج ذیل ہیں: (۱) وضو کی نیت کرنا (۲) بسم اللہ شریف پڑھنا (۳) پہلے دونوں ہاتھوں کو تین دفعہ دھونا (۴) تین دفع مسواک کرنا (۵) داہنے ہاتھ سے تین مرتبہ کلی کرنا (۶) روزہ نہ ہو تو غرغرہ کرنا (۷) داہنے ہاتھ سے تین مرتبہ ناک میں پانی چڑھانا (۸) داڑھی کا انگلیوں سے خلال کرنا (۹) ہاتھ اور (۱۰) پاؤں کی انگلیوں کا خلال کرنا (۱۱) پورے سر کا ایک بار مسح کرنا (۱۲) فرائض میں ترتیب سے وضو کرنا (۱۳) اعضا کو لگاتار دھونا کہ ایک عضو سوکھنے سے پہلے ہی دوسرے عضو کو دھولے (۱۴) کانوں کا مسح کرنا۔ (بہار شریعت، حصہ ۲، ۱/۲۹۴، ۲۹۳ ملخصاً)

وضو کے مستحبات(1)

سب سے پہلے اس طرح وضو کرے کہ ستر کو ڈھانپتے ہوئے بیٹھے اور پانی دھوپ سے گرم کیا ہوا نہ ہو،

---

[1]......احناف کے نزدیک وضو کے مستحبات یہ ہیں: ✿ قبلہ رُو ✿ اونچی جگہ ✿ بیٹھنا ✿ پانی بہاتے وَقت اَعضاء پر ہاتھ پھیرنا ✿ اطمینان سے وُضو کرنا ✿ اَعضائے وُضو پر پہلے پانی چپڑ لینا خصوصاً سردیوں میں ✿ وضو کرنے میں بغیر ضرورت کسی سے مدد نہ لینا ✿ سیدھے ہاتھ سے کلّی کرنا ✿ سیدھے ہاتھ سے ناک میں پانی چڑھانا ✿ اُلٹے ہاتھ سے ناک صاف کرنا ✿ اُلٹے ہاتھ کی چھنگلیا ناک میں ڈالنا ✿ اُنگلیوں کی پُشت سے گردن کی پُشت کا مَسح کرنا ✿ کانوں کا مَسح کرتے وقت بھیگی ہوئی چھنگلیاں (یعنی چھوٹی اُنگلیاں) کانوں کے سُوراخوں میں داخل کرنا ✿ اَنگوٹھی کو حَرَکت دینا جب کہ ڈِھیلی ہو اور یہ یقین ہو کہ اِس کے نیچے پانی بہ گیا ہے، اگر سخت ہو تو حَرَکت دیکر انگوٹھی کے نیچے پانی بہانا **فرض** ہے ✿ مَعذورِ شَرعی (اس کے تفصیلی اَحکام اِسی رسالے کے صَفحہ32 تا35 پر مُلاحظہ فرمالیجئے) نہ ہو تو نَماز کا وقت شُروع ہونے سے پہلے ہی وُضو کر لینا ✿ جو کامل طور پر وُضو کرتا ہے یعنی جس کی کوئی جگہ پانی بہنے سے نہ رَہ جاتی ہو اُس کا کُوئوں (یعنی ناک کی طرف آنکھوں کے دونوں کونے) ٹخنوں، ایڑیوں، تلووں، کونچوں (یعنی ایڑیوں کے اوپر موٹے پٹھے) گھائیوں (یعنی اُنگلیوں کے درمیان والی جگہوں) اور کُہنیوں کا خصوصیّت کے ساتھ خیال رکھنا اور بے خیالی کرنے والوں کے لئے تو **فرض** ہے کہ ان جگہوں کا خاص خیال رکھیں کہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ یہ جگہیں خشک رَہ جاتی ہیں اور یہ بے خیالی ہی کا نتیجہ ہے ایسی بے خیالی **حرام** ہے اور خیال رکھنا **فرض** ✿ وُضو کا لوٹا اُلٹی طرف رکھئے اگر طشت یا پتیلی وغیرہ سے وُضو کریں تو سیدھی جانب رکھئے ✿ چہرہ دھوتے وقت پیشانی پر اس طرح پھیلا کر پانی ڈالنا کہ اُوپر کا کچھ حصّہ بھی دُھل جائے ✿ چہرے اور ✿ ہاتھ پاؤں کی روشنی وسیع کرنا یعنی جتنی جگہ پانی بہانا فرض ہے اس کے اطراف میں کچھ بڑھانا مثلاً ہاتھ کہنی سے اوپر آدھے بازو تک اور پاؤں ٹخنوں سے اوپر آدھی پنڈلی تک دھونا ✿ دونوں ہاتھوں سے مُنہ دھونا ✿ ہاتھ پاؤں دھونے میں اُنگلیوں سے شُروع کرنا ✿ ہر عُضو دھونے کے بعد اس پر ہاتھ پھیر کر بُوندیں ٹپکا دینا تاکہ بدن یا کپڑے پر نہ ٹپکیں خصوصاً جبکہ مسجد میں جانا ہو کہ فرشِ مسجد پر وُضو کے پانی کے قطرے گرانا مکروہِ تحریمی ہے ✿ ہر عُضُو کے دھوتے وقت اور مَسح کرتے وَقت نیّتِ وضو کا حاضِر رہنا ✿ ابتِداء میں بِسمِ اللہ کے ساتھ ساتھ دُرُود شریف اور کلِمۂ شہادت پڑھ لینا ✿ اَعضائے وُضو بِلا ضَرورت نہ پونچھیے اگر پونچھنا ہو تب بھی بِلا ضَرورت بالکل خشک نہ کیجئے کچھ تری باقی رکھیے کہ بروزِ قیامت نیکیوں کے پلڑے میں رکھی جائے گی ✿ وُضو کے بعد ہاتھ نہ جھٹکیں کہ شیطان کا پنکھا ہے ✿ بعدِ وُضو مِیانی (یعنی پاجامے کا وہ حصّہ جو پیشاب گاہ کے قریب ہوتا ہے) پر پانی چھڑکنا۔ (پانی چھڑکتے وقت مِیانی کو کُرتے کے دامن میں چھپائے رکھنا مناسب ہے نیز وُضو کرتے وَقت بھی بلکہ ہر وقت پردے میں پردہ کرتے ہوئے میانی کو کُرتے کے دامن یا چادر وغیرہ کے ذَرِیعے چھپائے رکھنا حیا کے قریب ہے) ✿ اگر مکروہ وقت نہ ہو تو دو رَکعت نَفل ادا کرنا جسے تَحِیَّۃُ الْوُضُو کہتے ہیں۔ (بہارِ شریعت، حصہ ۱،۲/ ۲۹۳۔۳۰۰)

کیونکہ یہ مَکْرُوہ ہے۔ اگرچہ ایک قول کے مُطابِق یہ کَرَاہِیَت سر زمینِ حجاز کے ساتھ خاص ہے۔[1]

کامل وضو کرنا بِالْخُصُوص سردیوں کے دنوں میں، کہ یہ دین کے عزائم میں سے ہے۔ بُزُرگانِ دِین میں سے کسی کا قول ہے کہ ایک مومن کا سردیوں میں ٹھنڈے پانی کے ساتھ وضو کرنا تمام راہبوں کی عِبادَت کے برابر ہے۔

طَہارَت میں حد سے تجاوُز نہ کرے کہ اس سے منع کیا گیا ہے اور اس سے مُراد یہ ہے کہ ہر عُضْو کو تین ۳ سے زائد بار دھوئے۔ البتہ! (ایک رِوایت میں ہے کہ) وضو پر وضو کرنا گویا کہ نُور ہے اور اس کا مَطْلَب یہ ہے کہ ہر نماز کے لیے حَدَث لاحق ہوئے بغیر نیا وضو کرنا۔ ایسا کرنا مُسْتَحَب ہے بشرطیکہ مُمکِن ہو۔ نیز ایسا کرنے والے کے لیے ہر وضو کے بدلے دس نیکیاں ہیں۔[2] البتہ! یہ بھی جائز ہے کہ ایک ہی وضو سے پانچوں نمازیں پڑھ لی جائیں کہ ایسا کرنا اللہ پاک کے پیارے حبیب صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے بھی ثابِت ہے۔[3] لیکن الگ سے وضو کرنا بھی اللہ پاک کے قُرب کا باعث ہے، بشرطیکہ بندے کی نِیَّت ہی قُربِ الٰہی کا حُصُول ہو اور وہ اس وضو سے نماز پڑھنے کا اِرادہ نہ رکھتا ہو۔ جیسا کہ ایک رِوایَت میں ہے کہ رسولِ اَکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اِرشَاد فرمایا: بندہ جب وضو کرتا ہے تو اس کے گناہ تمام اَعْضَا سے نِکل جاتے ہیں[4] اور نماز اس کے لیے نَفْل (زائد) ہو جاتی ہے۔

یہ بھی مُسْتَحَب ہے کہ بندہ جب بھی پیشاب کرے تو وضو کرلے بشرطیکہ ایسا کرنا اس پر مَشَقَّت کا باعث نہ ہو۔ نیز یہ بھی مُسْتَحَب ہے کہ بندہ جب بھی وضو کرے تو دو ۲ رَکْعَت نماز (تَحِیَّةُ الْوُضُو) بھی پڑھ لے۔

---

[1] ......دھوپ کا گرم پانی مطلقاً (مکروہ نہیں) مگر گرم مُلک گرم موسم میں جو پانی سونے چاندی کے سِوا کسی اور دھات کے برتن میں گرم ہو جائے وہ جب تک ٹھنڈا نہ ہو لے بدَن کو کسی طرح پہنچانا نہ چاہیے، وضو سے نہ غسل سے نہ پینے سے، یہاں تک کہ جو کپڑا اس سے بھیگا ہو جب تک سرد (ٹھنڈا) نہ ہو جائے پہننا مُناسِب نہیں کہ اس پانی کے بدَن کو پہنچنے سے مَعَاذَ اللہ اِحْتِمَالِ بَرَص ہے۔ (فتاویٰ رضویہ، ۲/۴۶۴)

[2] ......ترمذی، ابواب الطھارۃ، باب ماجاء فی الوضوء لکل صلاۃ، ۱/۱۲۳، حدیث: ۵۹

ابن ماجہ، کتاب الطھارۃ، باب الوضوء علی الطھارۃ، ۱/۲۹۱، حدیث: ۵۱۲

[3] ......مسلم، کتاب الطھارۃ، باب جواز الصلوات کلھا بوضوء واحد، ص ۱۲۱، حدیث: ۲۷۷

[4] ......مسلم، کتاب الطھارۃ، باب خروج الخطایا مع ماء الوضوء، ص ۱۲۹، حدیث: ۲۴۴

وضو کرتے وَقْت **اللہ** پاک کے ذِکْر کے سوا کسی قسم کا کوئی کلام نہ کرے، بلکہ ہر عُضْو کو دھوتے وَقْت مُسْتَحَب دُعائیں پڑھے۔[1] چُنانْچِہ،

طہارت کے وَقْت کی مسنون دعائیں

اِستنجا سے فراغت کے بعد کی دُعا

اِسْتِنْجَا سے فارِغ ہو کر یہ دُعا پڑھے:

اَللّٰهُمَّ طَهِّرْ قَلْبِيْ مِنَ النِّفَاقِ وَحَصِّنْ فَرْجِيْ مِنَ الْفَوَاحِشِ

یعنی اے **اللہ** پاک! میرے دِل کو نِفاق سے پاک کر دے اور میری شَرْم گاہ کو بے حَیائی کے کاموں سے بچا۔

تسمیہ کے بعد کی دُعا

(وضو کے آغاز میں) تسمیہ پڑھنے کے بعد یہ دُعا کرے:

اَعُوْذُبِكَ مِنْ هَمَزَاتِ الشَّيٰطِيْنِ وَاَعُوْذُبِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ

یعنی (اے میرے رب!) میں شیاطین کے وسوسوں سے تیری پناہ چاہتا ہوں اور اے میرے رب! اس بات سے بھی تیری پناہ مانگتا ہوں کہ وہ میرے پاس آئیں۔

ہاتھ دھوتے وقت کی دُعا

ہاتھوں کو دھوتے وَقْت یہ دُعا کرے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ الْيُمْنَ وَالْبَرَكَةَ وَاَعُوْذُبِكَ مِنَ الشُّؤْمِ وَالْهَلَكَةِ

یعنی اے **اللہ** پاک! میں تجھ سے بَرَکت کا سوال کرتا ہوں اور بد بختی و ہَلاکت سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔

کلی کرتے وقت کی دُعا

کلی کرتے وَقْت یہ دُعا کرے:

اَللّٰهُمَّ اَعِنِّيْ عَلٰى تِلَاوَةِ كِتَابِكَ وَكَثْرَةِ الذِّكْرِ لَكَ

---

[1]......تمام اعضائے وضو کو دھوتے وقت درود شریف بھی پڑھ سکتا ہے۔ (ماخوذ از بہار شریعت، حصہ ۲، ۱/۲۹۸)

یعنی اے **اللہ** پاک! اپنی کتاب کی تِلاوت اور اپنے ذِکر کی کثرت پر میری مدد فرما۔

ناک میں پانی پہنچاتے وقت کی دُعا

ناک میں پانی پہنچاتے ہوئے یہ دُعا پڑھے:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اَوْجِدْ لِیْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ وَاَنْتَ عَنِّیْ رَاضٍ

یعنی اے **اللہ** پاک! حضرت سیِّدُنا محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم پر رحمت نازِل فرما اور مجھے جنّت کی خوشبو عطا فرما اس حال میں کہ تو مجھ سے راضی ہو۔

ناک صاف کرتے وقت کی دُعا

ناک صاف کرتے ہوئے یہ دُعا پڑھے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ رَوَآئِحِ النَّارِ وَمِنْ سُوْءِ الدَّارِ

یعنی اے **اللہ** پاک! میں جہنّم کی بدبوؤں اور بُرے گھر سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

چہرہ دھوتے وقت کی دُعا

چہرہ دھوتے وَقت یہ دُعا پڑھے:

اَللّٰهُمَّ بَيِّضْ وَجْهِیْ بِنُوْرِكَ يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهُ اَوْلِيَآئِكَ وَلَا تُسَوِّدْ وَجْهِیْ بِظُلُمَاتِكَ يَوْمَ تَسْوَدُّ وُجُوْهُ اَعْدَآئِكَ

یعنی اے **اللہ** پاک! جس دن تیرے اَولیا کے چہرے روشن ہوں گے اس دن اپنے نور سے میرا چہرہ بھی روشن فرما دینا اور جس دن تیرے دشمنوں کے چہرے سیاہ ہوں گے اس دن میرا چہرہ سیاہ نہ فرمانا۔

دایاں بازو دھوتے وقت کی دُعا

دایاں بازو دھوتے وَقت یہ دُعا پڑھے:

اَللّٰهُمَّ اَعْطِنِیْ كِتَابِیْ بِيَمِيْنِیْ وَحَاسِبْنِیْ حِسَابًا يَّسِيْرًا

یعنی اے **اللہ** پاک! میرا نامۂ اَعمال داہنے ہاتھ میں دینا اور میرا حساب آسان فرمانا۔

بایاں بازو دھوتے وقت کی دُعا

بایاں بازو دھوتے وَقْت یہ دُعا پڑھے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ اَنْ تُعْطِیَنِیْ کِتَابِیْ بِشِمَالِیْ اَوْ مِنْ وَّرَاءِ ظَھْرِیْ

یعنی اے اللہ پاک! میں تیری پناہ چاہتا ہوں کہ تو مجھے میرا نامۂ اَعمال بائیں ہاتھ میں یا پیٹھ کے پیچھے سے دے۔

سر کا مسح کرتے وقت کی دُعا

سر کا مسح کرتے وَقْت یہ دُعا پڑھے:

اَللّٰھُمَّ غَشِّنِیْ بِرَحْمَتِکَ وَاَنْزِلْ عَلَیَّ مِنْ بَرَکَاتِکَ وَاَظِلَّنِیْ تَحْتَ ظِلِّ عَرْشِکَ یَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلُّکَ

یعنی اے اللہ پاک! مجھے اپنی رَحمت سے ڈھانپ لے، مجھ پر اپنی برکتیں نازِل فرما اور مجھے اس دن اپنے عَرْش کا سایہ عَطا فرمانا جس دن تیرے عَرْش کے سائے کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا۔

کانوں کا مسح کرتے وقت کی دُعا

کانوں کا مسح کرتے وَقْت یہ دُعا پڑھے:

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ الَّذِیْنَ یَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَیَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَہٗ اَللّٰھُمَّ اَسْمِعْنِیْ مُنَادِیَ الْجَنَّۃِ مَعَ الْاَبْرَارِ

یعنی اے اللہ پاک! مجھے ان میں کر دے جو کان لگا کر ہر بات سنتے ہیں اور اَچھی بات پر عَمَل کرتے ہیں۔ اے اللہ پاک! مجھے نیک لوگوں کے ساتھ جنت کے منادی کی آواز سنا۔

گردن کا مسح کرتے وقت کی دُعا

گردن کا مسح کرتے وَقْت یہ دُعا پڑھے:

اَللّٰھُمَّ فُکَّ رَقَبَتِیْ مِنَ النَّارِ وَاَعُوْذُبِکَ مِنَ السَّلَاسِلِ وَالْاَغْلَالِ

یعنی اے اللہ پاک! میری گردن آگ سے آزاد فرما اور میں جہنم کے طوق اور زنجیروں سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

دایاں پاؤں دھوتے وقت کی دُعا

دایاں پاؤں دھوتے وَقْت یہ دُعا پڑھے:

اَللّٰهُمَّ ثَبِّتْ قَدَمِیْ عَلَی الصِّرَاطِ مَعَ اَقْدَامِ الْمُؤْمِنِیْن

یعنی اے **اللہ** پاک! میرا قدم مومنین کے قدموں کے ساتھ پُل صراط پر ثابت قدم رکھنا۔

بایاں پاؤں دھوتے وقت کی دُعا

بایاں پاؤں دھوتے وقت یہ دُعا پڑھے:

اَللّٰهُمَّ اَعُوْذُبِكَ اَنْ تَزِلَّ قَدَمِیْ عَنِ الصِّرَاطِ یَوْمَ تَزِلُّ فِیْهِ اَقْدَامُ الْمُنَافِقِیْن

یعنی اے **اللہ** پاک! جس دن پُل صراط پر مُنَافِقِین کے قدم پھسل رہے ہوں گے اس دن میں اپنے قدم پھسلنے سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

ہاتھ، پاؤں دھوتے وقت کے مستحبات

ذِرَاع (کلائیاں) دھوتے وَقْت یہ تین ۳ باتیں مُسْتَحَب ہیں: انگلیوں سے شروع کرنا ہر بار دھونے میں کہنیوں کو بھی شامل رکھنا نِصْف بازو تک دھونا۔

پاؤں دھوتے وَقْت یہ باتیں مُسْتَحَب ہیں: انگلیوں سے شروع کرنا یمین سے انگلیوں میں خِلَال کرنا دھونے میں ٹخنے کو بھی شامل رکھنا نِصْف پنڈلی تک دونوں پاؤں دھونا۔

یمین سے کیا مراد ہے؟

دائیں ہاتھ کی انگلیوں میں یمین سے مُراد چھنگلی (یعنی سب سے چھوٹی انگلی) ہے اور بائیں ہاتھ کا یمین اس کا انگوٹھا ہے۔

وضو کے بعد کی دعا

جب وضو سے فارِغ ہو تو آسمان کی طرف سر اٹھا کر یوں کہے:

اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ عَمِلْتُ سُوْءًا وَّظَلَمْتُ نَفْسِیْ اَسْتَغْفِرُكَ اَللّٰهُمَّ وَاَتُوْبُ اِلَیْكَ فَاغْفِرْ لِیْ وَتُبْ عَلَیَّ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ التَّوَّابِیْنَ وَاجْعَلْنِیْ مِنَ الْمُتَطَهِّرِیْنَ وَاجْعَلْنِیْ مِنْ

عِبَادِكَ الصَّالِحِيْنَ وَاجْعَلْنِيْ عَبْدًا صَبُوْرًا شَكُوْرًا وَّاجْعَلْنِيْ اَذْكُرُكَ كَثِيْرًا وَّاُسَبِّحُكَ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا

یعنی میں گواہی دیتا ہوں کہ **اللہ** پاک کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ یکتا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور میں یہ گواہی بھی دیتا ہوں کہ محمد صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم **اللہ** پاک کے بندے اور رسول ہیں۔ اے **اللہ** پاک! تیرے لیے پاکی ہے اور تیری ہی تعریف ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں، میں نے بُرائی کی اور اپنی جان پر ظلم کیا۔ اے **اللہ** پاک! میں بخشش چاہتا ہوں اور تیری بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں مجھے مُعاف فرما اور میری توبہ بھی قبول فرما۔ تو بہت زیادہ توبہ قبول کرنے والا، رحم فرمانے والا ہے۔ اے **اللہ** پاک! مجھے توبہ کرنے والوں اور پاک لوگوں میں کر دے، مجھے اپنے نیک بندوں میں شامل فرما، مجھے صابر و شاکر بندہ بنا، مجھے ایسا بنا دے کہ کثرت سے تیرا ذِکر کروں اور صُبح شام تیری پاکی بیان کرتا رہوں۔

وضو کے بعد کی دعا کی فضیلت

(صاحِبِ کتاب حضرت سیِّدُنا شیخ ابو طالب مکی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں:) وضو کے بعد مَنْقُول مُتفرِّق ماثور دعاؤں کو ہم نے اس ایک ہی دُعا میں جَمع کر دیا ہے اور اس کی فضیلت کے مُتعلّق مَنْقُول ہے کہ جس نے وضو کے بعد یہ دُعا پڑھی اس کے وضو پر مُہر لگا کر اسے عَرش کے نیچے تک بُلند کر دیا جائے گا۔ پھر وہ وضو ہمیشہ **اللہ** پاک کی تسبیح و تقدیس بیان کرتا رہے گا اور اس کا ثواب قِیامت تک وضو کرنے والے کے لئے لکھا جاتا رہے گا۔[1]

پیتل کے برتن سے وضو کرنا کیسا؟

پیتل کے برتن میں وضو کرنا مکرُوہ ہے۔[2]

(صاحِبِ کتاب حضرت سیِّدُنا شیخ ابو طالب مکی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں:) میں نے سنا ہے کہ جب کوئی بندہ وضو کرتا ہے تو شیاطین اسے ہر طرف سے گھیر لیتے ہیں اور اس کے دل میں وسوسے پیدا کرنے لگتے ہیں۔[3] چُنانچِہ

---

1 ……السنن الکبری للنسائی، کتاب عمل الیوم واللیلۃ، باب مایقول اذا فرغ من وضوئہ، ۶/۲۵، حدیث: ۹۹۱۱، نحوہ

2 ……احناف کے نزدیک سونے چاندی کے علاوہ کسی بھی دھات کے برتن میں وضو کرنا اس وقت مکروہ ہے جب گرم ملک میں گرمی کے موسم میں اس برتن کا پانی دھوپ سے گرم ہو اور ٹھنڈا ہونے سے پہلے اس سے وضو کیا جائے۔ (ماخوذ از بہار شریعت، حصہ ۲، ۱/۳۰۱)

3 ……وَلْہان ایک شیطان کا نام ہے جو وضو میں وسوسہ ڈالتا ہے اس کے وسوسہ سے بچنے کی بہترین تدابیر یہ ہیں: ﴿1﴾ رُجُوع اِلَی اللہ ﴿2﴾ اَعُوْذُ بِاللہِ ﴿3﴾ وَلَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللہِ ﴿4﴾ سورۂ ناس ﴿5﴾ اٰمَنْتُ بِاللہِ وَرَسُوْلِہٖ ﴿6﴾ ھُوَ

بندہ جب **اللہ** پاک کا ذِکْر کرتا ہے تو وہ شیاطین وہاں سے کھسک جاتے ہیں اور فرشتے آجاتے ہیں۔ لیکن اگر بندہ پیتل یا تانبے کے برتن میں وضو کر رہا ہو تو فرشتے حاضِر نہیں ہوتے۔

حضرت سَیِّدُنا **عبد اللہ** بن عُمر رَضِیَ اللہُ عَنْہُمَا اور حضرت سَیِّدُنا ابو ہریرہ رَضِیَ اللہُ عَنْہ سے بھی پیتل کے برتن میں وضو کی کراہت مَرْوِی ہے۔[1] بلکہ کسی کا قول ہے کہ مجھے حضرت سَیِّدُنا شعبہ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ نے وضو کا پانی لانے کا کہا تو میں پیتل کے برتن میں پانی لے آیا مگر آپ نے اس سے وضو نہ فرمایا اور اِرشاد فرمایا کہ مجھے حضرت **عبد اللہ** بن دینار رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ نے بتایا کہ حضرت سَیِّدُنا ابن عمر رَضِیَ اللہُ عَنْہُمَا سے مَرْوِی ہے کہ وہ پیتل کے برتن سے وضو کرنا مَکْرُوہ جانتے تھے۔[2]

البتہ! **اللہ** پاک کے پیارے حبیب صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے مشکیزے، چمڑے کے برتن اور پتّھر کے پیالے سے وضو کرنا ثابِت ہے۔[3] مگر اُمُّ الْمُؤمنین حضرت سَیِّدَتُنا زینب بنت جحش رَضِیَ اللہُ عَنْہَا سے جو یہ رِوایَت مَرْوِی ہے کہ مکی مَدَنی مصطفےٰ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے (تانبے کے برتن سے) وضو اور غسل کیا۔[4] جیسا کہ ایک رِوایَت میں یہ ہے کہ اُمُّ الْمُؤمنین حضرت سَیِّدَتُنا زینب بنت جحش رَضِیَ اللہُ عَنْہَا کا لگن (کپڑے دھونے اور رنگنے کا برتن) تانبے کا تھا۔[5] تو یہ رُخصت کی علامَت ہے۔

الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَ الظَّاهِرُ وَ الْبَاطِنُ وَ هُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿7﴾ سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْخَلَّاقِ اِنْ یَّشَاْ یُذْهِبْكُمْ وَیَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِیْدٍ ۙ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِیْزٍ ؕ پڑھنا کہ وسوسہ جڑ سے کٹ جائے گا اور ﴿8﴾ وسوسہ کا بالکل خیال نہ کرنا بلکہ اس کے خِلاف کرنا بھی دافعِ وسوسہ ہے۔ (بہار شریعت، حصہ ۱، ۳۰۳/۲)

[1] ......مصنف ابن ابی شیبۃ، کتاب الطھارات، فی الوضوء فی النحاس، ۱/ ۵۳، رقم: ۱۰

[2] ......مصنف ابن ابی شیبۃ، کتاب الطھارات، فی الوضوء فی النحاس، ۱/ ۵۳، رقم: ۱۰

[3] ......بخاری، کتاب المناقب، باب علامات النبوۃ فی الاسلام، ۲/ ۴۹۳، حدیث: ۳۵۷۵، ۳۵۷۶
مسلم، کتاب الطھارۃ، باب المسح علی الخفین، ص ۱۵۸، حدیث: ۲۷۴

[4] ......مسند احمد، حدیث زینب بنت جحش زوج النبی، ۱۰/ ۲۳۰، حدیث: ۲۶۸۱۵
بخاری، کتاب الوضوء، باب الغسل والوضوء فی المخضب والقدح والخشب والحجارۃ، ۱/ ۹۱، حدیث: ۱۹۸
صحیح ابن خزیمۃ، کتاب الوضوء، باب اباحۃ الوضوء والغسل فی اوانی النحاس، ۱/ ۶۲، حدیث: ۱۲۳

[5] ......بخاری، کتاب الوضوء، باب الغسل والوضوء فی المخضب والقدح والخشب والحجارۃ، ۱/ ۹۱، حدیث: ۱۹۸
صحیح ابن خزیمۃ، کتاب الوضوء، باب اباحۃ الوضوء والغسل فی اوانی النحاس، ۱/ ۶۲، حدیث: ۱۲۳

غُسلِ جنَابَت کا طریقہ

☜ برتن دائیں طرف رکھے۔ ☜ پھر بسم اللہ شریف پڑھے۔

☜ برتن میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے ہاتھوں پر تین ۳ بار پانی ڈالے۔

☜ پھر عُضوِ مَخصُوص کو دھوئے اور اِستِنجا کرے۔

☜ پھر نماز کا کامل وضو کرے مگر پاؤں نہ دھوئے۔

☜ پھر دونوں ہاتھوں کو برتن میں ڈالے اور جس قَدر پانی ہاتھوں میں آئے اسے تین ۳ بار دائیں کندھے پر اس طرح ڈالے کہ وہ سینے اور کمر سے لے کر رانوں اور پنڈلیوں تک پہنچ جائے۔

☜ پھر بائیں کندھے پر اسی طرح تین ۳ بار پانی ڈال کر اسے بھی دھوئے یہاں تک کہ پیٹ اور کمر سے لے کر رانوں اور پنڈلیوں تک پانی پہنچ جائے۔

☜ پھر دونوں ہاتھوں سے جِسْم کے اگلے اور پچھلے حصّے کو ایک ساتھ ملے۔

☜ پھر دونوں ہاتھوں کو برتن میں ڈال کر جس قَدر پانی ہاتھوں میں آئے اسے سر پر تین ۳ بار بہائے اور انگلیوں سے سر کے بالوں میں خوب خِلَال کرے، بالوں کو تر کرے اور جِلْد کو صاف کرے۔

☜ پھر اپنی جگہ سے تھوڑا سا ایک طرف ہٹ کر اپنے پاؤں دھولے۔

☜ اب اگر برتن میں پانی بچ گیا ہو تو اسے پورے جِسْم پر بہادے اور ہاتھوں سے بدَن کو خوب ملتا رہے۔

غسل کی احتیاطیں

❀☜ اگر پہلے پاؤں دھولے اور انہیں پہلے وضو میں ہی شامل کرلے تو بھی کوئی حَرَج نہیں۔

❀☜ غُسل کے بعد وضو کی کوئی حاجَت نہیں۔ مگر عُضوِ مَخصُوص کو ہاتھوں سے چھونے سے بچے، کیونکہ اگر اس نے ایسا کیا تو اسے چاہیے کہ دوبارہ وضو کرے۔[1]

❀☜ اگر غُسلِ جَنابَت میں کُلّی کرنا اور ناک میں پانی چڑھانا بھول جائے یہاں تک کہ نَماز بھی پڑھ لے تو میں

---

[1] ......اَحناف کے نزدیک سترِ غلیظ (عُضوِ مَخصُوص) کو ہاتھ لگانے سے وضو نہیں ٹوٹتا ہاں دوبارہ کر لینا مُستَحَب ہے۔ (ماخوذ از بہار شریعت، حصہ ۲، ۱/۳۰۲)

یہ پسند کرتا ہوں کہ وہ کلی کرے اور ناک میں پانی چڑھانے کے بعد نماز کو دوبارہ پڑھے۔ لیکن اگر وہ یہ دونوں باتیں وضو میں بھولا ہو تو نماز کا اِعادہ ضروری نہیں۔

❀ غُسلِ جَنَابَت جس طرح چاہے کرے تو بھی جائز ہے مگر شَرْط یہ ہے کہ پورے بدَن پر پانی بہہ جائے۔[1]

❀ جس نے غسل سے پہلے وضو نہ کیا تو میرے نزدیک بہتر یہ ہے کہ وہ غسل کے بعد وضو کرلے۔

❀ جو آدمی نہر یا دریا میں غوطہ لگالے تو یہ بھی اس کے غسل کو کافی ہو گا مگر بہتر یہ ہے کہ وضو کرلے۔

❀ مُردے کے غُسل کے فرائض بھی جَنَابَت کے غسل کی طرح ہیں۔[2]

کتاب الصلوٰۃ

نماز کی شرائط

نَماز میں داخِل ہونے سے پہلے نماز کے سات ۷ فرائض (شرائط) ہیں:[3]

﴿1﴾ بدَن کا پاک ہونا ﴿2﴾ لباس کا پاک ہونا ﴿3﴾ جگہ کا پاک ہونا

﴿4﴾ ستر عورت یعنی ناف سے لے کر گھٹنے تک جِسْم کو چھپا کر رکھنا ﴿5﴾ قبلہ کی طرف رخ کرنا

﴿6﴾ نماز کا وَقْت ہونا ﴿7﴾ عذرِ شَرْعی نہ ہو تو قِیام کرنا

نماز کے فرائض

نَماز کے 12 فرائض ہیں۔[4] سرکارِ مدینہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے مَرْوِی ہے کہ مِفْتَاحُ الْجَنَّةِ الصَّلَاةُ

---

[1] ......کسی عُضْو کے دھونے کے یہ معنیٰ ہیں کہ اس عُضْو کے ہر حِصّہ پر کم سے کم دو ۲ بوند پانی بہ جائے۔ بھیگ جانے یا تیل کی طرح پانی چُپڑ لینے یا ایک آدھ بوند بہ جانے کو دھونا نہیں کہیں گے نہ اس سے وُضو یا غسل ادا ہو گا۔ (بہارِ شریعت، حصہ ۲،۱/ ۲۸۸)

[2] ......فقہ حنفی میں مردے کے غسل میں فقط ایک ہی فرض ہے اور وہ ایک مرتبہ سارے بدن پر پانی بہانا ہے اور تین مرتبہ پانی بہانا سنت۔ (هندیه، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الثاني في الغسل، ۱/ ۱۵۸)

[3] ......فقہ حنفی کے مطابق نماز کی فقط چھ شرائط ہیں: (۱)طہارت (۲)ستر عورت (۳)استقبال قبلہ (۴)وقت (۵)نیت (۶)تکبیر تحریمہ۔ (بہار شریعت، حصہ ۳، ۱/ ۴۷۶،۴۷۵)

[4] ......احناف کے نزدیک نماز میں سات ۷ فرض ہیں۔ چنانچہ بہار شریعت جلد اول صفحہ 507 پر ہے: سات ۷ چیزیں نماز میں فَرض ہیں: ﴿1﴾ تکبیر تحریمہ ﴿2﴾ قیام ﴿3﴾ قراءت ﴿4﴾ رکوع ﴿5﴾ سجدہ ﴿6﴾ قعدۂ اخیرہ ﴿7﴾ خُرُوجِ بِصُنْعِہٖ۔

یعنی جنّت کی چابی نَماز ہے۔[1] ایک رِوایَت میں ہے کہ تکبیرِ تحریمہ سے نَماز میں دیگر کام حَرام اور سلام سے حلال ہو جاتے ہیں۔[2] چُنانچہ،

﴿1﴾ نَماز کے فرائض میں سب سے پہلا فَرْض نِیَّت ہے۔

﴿2﴾ نَماز میں دیگر کاموں کو حَرام قرار دینے والی تکبیرِ تحریمہ کے اَلفاظ خاص ہیں یعنی اَللهُ اَكْبَر۔[3]

﴿3﴾ پھر نَمازی کو چاہئے کہ وہ سورہ فاتحہ پڑھے اور اس سے پہلے بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم پڑھے۔

﴿4﴾ رُکُوع کرنا ﴿5﴾ اطمینان سے رُکُوع کرنا

﴿6﴾ رُکُوع کے بعد سیدھا کھڑا ہونا ﴿7﴾ سجدہ کرنا

﴿8﴾ اطمینان سے سجدہ کرنا ﴿9﴾ دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھنا

﴿10﴾ قعدۂ اَخیرہ میں تشہد پڑھنا ﴿11﴾ دُرُودِ پاک پڑھنا ﴿12﴾ پہلا سلام

رکوع و سجود کی درستی کی اہمیت

اللہ پاک کے پیارے حبیب صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے مَروی ہے کہ اللہ پاک اس بندے کی طرف (کَرَم کی) نَظَر نہیں فرماتا جس کی پیٹھ رُکُوع و سُجُود کے درمیان سیدھی نہیں ہوتی۔[4] بلکہ ایک رِوایَت میں ہے کہ اس شخص کی نَماز ہی دُرُست نہیں جس کی پیٹھ رُکُوع و سُجُود میں سیدھی نہیں ہوتی۔[5]

ایک رِوایَت میں ہے کہ سرکارِ مدینہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ایک شخص کو نَماز پڑھتے دیکھا جو رُکُوع و سُجُود میں اپنی پیٹھ سیدھی نہیں کر رہا تھا تو اس سے اِرشاد فرمایا: نَماز دوبارہ پڑھو! کہ تم نے نَماز ہی نہیں پڑھی۔ چُنانچہ (وہ دوبارہ نَماز پڑھنے لگا تو) آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے پھر اسے دیکھا کہ وہ اطمینان سے رُکُوع و سُجُود نہیں کر رہا تو اسے دوبارہ نَماز پڑھنے کا حُکْم اِرشاد فرمایا۔ اس کے بعد اسے رُکُوع و سُجُود میں اطمینان و قِیام کا طریقہ سمجھاتے ہوئے

---

[1] ......ترمذی، ابواب الطھارۃ، باب ماجاء ان مفتاح الصلاۃ الطھور، ۱/۸۵، حدیث: ۴

[2] ......ترمذی، ابواب الطھارۃ، باب ماجاء ان مفتاح الصلاۃ الطھور، ۱/۸۵، حدیث: ۳

[3] ......یہاں سے کچھ عبارت کا ترجمہ متروک ہے جسے اہلِ علم احباب کے لئے کتاب کے آخر میں دے دیا گیا ہے۔

[4] ......مسند احمد، مسند ابی ھریرۃ، ۳/۲۱۷، حدیث: ۱۰۸۰۳

[5] ......ترمذی، ابواب الصلاۃ، باب ماجاء فی من لا یقیم صلبہ فی الرکوع والسجود، ۱/۲۹۹، حدیث: ۲۶۵

اِرشاد فرمایا کہ (اس طرح رُکوع و سُجود کرو) یہاں تک کہ تمہارے جوڑ پُرسُکون اور ڈھیلے ہو جائیں۔[1]

حضرت سَیِّدُنا حُذَیفہ اور حضرت سَیِّدُنا عبد اللہ بن مَسْعُود رَضِیَ اللہُ عَنْہُمَا نے ایک شخص کو نماز پڑھتے دیکھا جو رُکوع و سُجود پوری طرح نہیں کر رہا تھا تو اِرشاد فرمایا: اگر یہ اسی حالَت میں مَر گیا تو ابو القاسم سَرورِ عالَم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی فِطرَت پر نہ مرے گا۔[2] ان دونوں میں سے کسی ایک کی مَروِی رِوایت میں ہے کہ انہوں نے اس سے دَرْیافت فرمایا: تو کب سے یہ نماز پڑھ رہا ہے؟ اس نے عَرض کی: 40 سال سے۔ تو آپ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ نے اِرشاد فرمایا: پھر تو تُو نے 40 سال سے کوئی نماز نہیں پڑھی۔[3]

حضرت سَیِّدُنا کَعْبُ الْاَحْبار رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں کہ نماز کے تین ۳ حصّے کئے گئے ہیں: ایک تہائی حِصّہ طَہارَت پر مُشْتَمِل ہے، جبکہ دوسرا تہائی حِصّہ رُکوع اور تیسرا تہائی حِصّہ سُجُود پر مُشْتَمِل ہے۔ چُنانچہ جس نے ان میں سے کسی حصّے میں کچھ کمی کی اس کی پوری نماز ہی قبول نہ ہوئی۔[4]

ایک قول کے مُطابِق جس کی نماز مَقبول نہ ہو اس کے سارے اَعمال ہی رد کر دیئے جاتے ہیں۔[5]

نماز کا طریقہ اور سنتوں کا بیان

نماز کی 12 سنّتیں ہیں:

حالتِ قِیام کی سنّتیں

سُنَّت 1: تکبیرِ تحریمہ کے وَقْت ہاتھوں کو کانوں تک اٹھائے۔

---

[1] ......بخاری، کتاب الاستئذان، باب من رد، فقال: علیک السلام، ۴/۱۷۲، حدیث: ۶۲۵۱

نسائی، کتاب التطبیق، باب الرخصة فی ترک الذکر فی السجود، ص ۱۹۵، حدیث: ۱۱۳۳

[2] ......بخاری، کتاب الصلاة، باب اذا لم یتم السجود، ۱/۱۵۴، حدیث: ۳۸۹

[3] ......نسائی، کتاب السھو، باب تطفیف الصلاة، ص ۲۲۵، حدیث: ۱۳۰۹

مصنف عبد الرزاق، کتاب الصلاة، باب الرجل یصلی صلاة لا یکملھا، ۲/۲۴۲، حدیث: ۳۷۴۲

[4] ......مصنف عبد الرزاق، کتاب الصلاة، باب المحافظة علی الاوقات، ۲/۲۴۶، حدیث: ۳۷۵۸

[5] ......مسند بزار، مسند ابی ھریرة، ۱۶/۱۶۴، حدیث: ۹۲۷۳

مصنف عبد الرزاق، کتاب الصلاة، باب المحافظة علی الاوقات، ۲/۲۴۷، حدیث: ۳۷۵۹

تکبیر تحریمہ میں ہاتھ کہاں تک اٹھائے؟

ہاتھ اُٹھانے کا طریقہ یہ ہے کہ دونوں ہتھیلیوں کو کندھوں کے برابر اس طرح اُٹھائے کہ دونوں انگوٹھے اس کے کانوں کی لَو کے برابر ہوں جبکہ ہاتھوں کی انگلیاں کانوں کے اوپری حصّے کے برابر ہو جائیں۔

اس طریقے پر عمل کرنے سے سرورِ کائنات صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے مَروِی دَرجِ ذیل تین ۳ اَحادیثِ مُبارَکہ پر عمل ہو جائے گا:

- آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم اپنے ہاتھوں کو اپنے کندھوں کے برابر اُٹھاتے تھے۔[1]
- آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم ہاتھوں کو کانوں کی لَو کے برابر اُٹھاتے تھے۔[2]
- آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم اپنے ہاتھوں کو کانوں کے اوپری حصّے کے برابر اُٹھاتے تھے۔[3]

تکبیر کہنے کا طریقہ

سُنَّت ❷: پھر تکبیر کہے:

- تکبیر یعنی **اللہُ اکبر** اس طرح کہے کہ اِسْمِ جَلَالَت یعنی لَفْظِ "**اَللّٰہُ**" کی ہا کے پیش کو اس قَدَر تخفیف سے پڑھے کہ یہ واؤ نہ بنے۔ (یعنی لَفْظِ "اَللّٰہُ" کے بجائے "**اَللّٰھو**" کی آواز پیدا نہ ہو)
- لَفْظِ "اَکْبَر" کی الف کو ہمزہ پڑھے۔ (یعنی الف کی طرح پڑھنے کے بجائے ہمزہ کی طرح تخفیف سے پڑھے)
- لَفْظِ "اَکْبَر" کی با اور را کے درمیان الف داخل نہ ہو۔ (یعنی اسے "**اَکْبَار**" نہ پڑھا جائے)
- لَفْظِ "اَکْبَر" کی را پر جزم پڑھے۔ (یعنی آخری حَرف پر وَقْف کرے اور پیش نہ پڑھے)

تکبیر یعنی **اللہُ اکبر** کہنے کی ان صورتوں کے علاوہ کوئی اور صُورَت جائز نہیں۔

---

[1] ......بخاری، کتاب الاذان، باب رفع الیدین فی التکبیرۃ الاولی مع الافتتاح سواء، ۱/ ۲۶۱، حدیث: ۷۳۵

[2] ......ابوداود، کتاب الصلاۃ، باب افتتاح الصلاۃ، ۱/ ۲۸۸، حدیث: ۷۳۷

نسائی، کتاب الافتتاح، باب موضع الابھامین عند الرفع، ص ۱۵۴، حدیث: ۸۷۹

[3] ......مسلم، کتاب الصلاۃ، باب استحباب رفع الیدین . . . الخ، ص ۲۰۲، حدیث: ۳۹۱

مصنف ابن ابی شیبۃ، کتاب الصلاۃ، الی این یبلغ بیدیہ، ۱/ ۲۶۴، حدیث: ۴

ہاتھ اٹھانے اور چھوڑنے کا طریقہ

جب تکبیر کہے تو ہاتھوں کو سامنے کی طرف سے اُٹھائے نہ کندھوں کے پیچھے کی طرف سے انہیں کانوں تک لے جائے۔ اسی طرح جب تکبیر سے فارِغ ہو تو ہاتھوں کو دائیں بائیں سے نیچے لے کر نہ جائے، بلکہ اپنی ہتھیلیوں کو کندھوں سے ملا کر رکھے اور انگلیوں کو کانوں کے برابر تک لے جائے۔ پھر تکبیر کہے اور ہاتھوں کو بڑی آہستگی سے چھوڑے۔ (مگر خیال رکھے کہ) ہاتھوں کو اس وَقت چھوڑے جب تکبیر کا آخری حِصّہ مکمّل ہو جائے، تکبیر مکمّل ہونے سے پہلے ہاتھوں کو چھوڑے نہ تکبیر سے فارِغ ہونے کے بعد مزید کچھ دیر تک کانوں تک ہاتھ اُٹھائے رہے۔

تکبیر کے بعد ہاتھ باندھنے کا طریقہ

سُنَّت 3: پھر ہاتھوں کو چھوڑنے کے فوراً بعد دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھے۔ کیونکہ **اللہ** پاک کے محبوب صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے مَروی ہے کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم جب تکبیر کہتے تو ہاتھوں کو چھوڑ دیتے۔[1] پھر جب قرأت کا اِرادہ فرماتے تو بائیں ہاتھ پر دایاں ہاتھ مُبارَک رکھتے[2] اور بائیں ہاتھ کے گٹے کو پکڑ لیتے، ہاتھوں کو سینے کے نیچے رکھتے۔[3]

ثنا

سُنَّت 4: پھر آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم یہ دُعا پڑھتے:

وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ۔ یعنی میں

---

[1]......معجم کبیر، ۲۰/ ۷۴، حدیث: ۱۳۹

[2]......ابو داود، کتاب الصلاۃ، باب وضع الیمنی علی الیسری فی الصلاۃ، ۱/ ۲۹۴، حدیث: ۷۵۹، دون ذکر "کان اذا کبر"

[3]......اَحناف کے نزدیک: نیّت کرکے اللّٰہُ اَکْبَر کہتا ہوا ہاتھ نیچے لائے اور ناف کے نیچے باندھ لے۔ یوں کہ دہنی ہتھیلی کی گدی بائیں کلائی کے سِرے پر ہو اور بیچ کی تین ۳ انگلیاں بائیں کلائی کی پُشت پر اور انگوٹھا اور چھنگلیا (چھوٹی انگلی) کلائی کے اَغَل بَغَل ہو۔ (بہار شریعت، حصہ ۳، ۱/ ۵۰۴) حضرت علی رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہ سے مروی کہ نماز میں ناف کے نیچے ہتھیلی کو ہتھیلی پر رکھنا سنت ہے۔ اسی طرح کی روایت حضرت ابو ہریرہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہ سے بھی ہے۔

(ابو داود، کتاب الصلاۃ، باب وضع الیمنی علی الیسری فی الصلاۃ، ۱/ ۲۹۴، ۲۹۳، حدیث: ۷۵۶-۷۵۸)

نے اپنا منہ اس کی طرف کیا جس نے آسمان وزمین بنائے ایک اسی کا ہو کر اور میں مشرکوں میں نہیں۔

پھر آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم یہ پڑھتے:

اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُكِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۶۲﴾ لَا شَرِیْكَ لَهٗ ۚ وَ بِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۱۶۳﴾

ترجمۂ کنزالایمان: بے شک میری نماز اور میری قربانیاں اور میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ کے لیے ہے جو رب سارے جہان کا اس کا کوئی شریک نہیں مجھے یہی حکم ہوا ہے اور میں سب سے پہلا مسلمان ہوں۔[1] (پ ۸، الانعام: ۱۶۲، ۱۶۳)

اس کے بعد آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم یہ پڑھتے: سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَ بِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالٰی جَدُّكَ وَلَا اِلٰهَ غَيْرُكَ۔ یعنی پاک ہے تو اے اللہ پاک! اور میں تیری حمد کرتا ہوں، تیرا نام بَرَکت والا ہے اور تیری عَظَمت بُلند ہے اور تیرے سوا کوئی مَعبود نہیں۔[2]

یہ تمام دُعائیں مُختَلِف روایات میں مَرْوِی ہیں اور ان سب کو پڑھنا اچھا ہے مگر اِمام کے پیچھے ہو تو نہ پڑھے[3]، چونکہ اِمام (حالَتِ قِیام میں) دو ۲ سکتے کرتا ہے (یعنی دو ۲ بار خاموش ہوتا ہے) لہٰذا سورۂ فاتحہ کی قراَت کے ساتھ ساتھ پوری تَوَجُّہ سے یہ دعائیں پڑھنا مُمکِن نہیں، اس لیے اس وَقْت صِرف سورۂ فاتحہ ہی پڑھے اور امام کے سکوت میں اسی کی قراَت کو غنیمت جانے مگر امام کی قراَت کے دوران پڑھنے سے بچے،[4] اور امام

---

[1] ......مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین وقصرھا، باب الدعآء فی صلاۃ اللیل وقیامہ، ص ۳۹۰، حدیث: ۷۷۱
ابوداود، کتاب الصلاۃ، باب ما یستفتح بہ الصلاۃ من الدعآء، ۱/ ۲۹۴، حدیث: ۷۶۰

[2] ......ترمذی، ابواب الصلاۃ، باب ما یقول عند افتتاح الصلاۃ، ۱/ ۲۷۶، حدیث: ۲۴۳

[3] ......احناف کے نزدیک مُقْتَدِی ثناء پڑھے گا اگرچہ امام نے نہ پڑھی ہو بشرطیکہ امام فاتحہ میں ہو اور سری (یعنی آہستہ) پڑھ رہا ہو۔ (ماخوذ از بہار شریعت، حصہ ۳، ۱/ ۵۹۴)

[4] ......احناف کے نزدیک مُقْتَدِی کو نماز میں قراَت جائز نہیں، نہ سورۂ فاتحہ، نہ آیت، نہ سِرّی (یعنی آہستہ قراَت والی) نماز میں نہ جہری (یعنی بُلند آواز سے قراَت والی) نماز میں۔ امام کی قراَت مُقْتَدِی کے لیے کافی ہے۔ (مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی، ص ۲۲۷) حضرت جابر بن عبد اللہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہ سے مروی کہ حضور نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: جس کا امام ہو تو امام کی قراءت اس (مقتدی) کے لیے کافی ہے۔
(شرح معانی الآثار، کتاب الصلاۃ، باب القراءۃ خلف الامام، ۱/ ۲۸۱، حدیث: ۱۲۵۹)

سے پہلے رکوع و سجود میں جانے یا سر اٹھانے سے بھی پرہیز کرے۔

سُنَّت 5: پھر اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم پڑھے۔

سُنَّت 6: اس کے بعد قرآنِ کریم سے کوئی ایک پوری سورت یا سورۂ فاتحہ کے بعد کوئی سی بھی تین ۳ آیات پڑھے۔

سُنَّت 7: الحمد شریف پڑھنے کے بعد (آہستہ) **اٰمِیْن** کہنا بھی ایک بہترین سنّت ہے کہ ایسا سرکارِ مدینہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے خود بھی کیا اور ایسا کرنے کا حکم بھی اِرشاد فرمایا۔[1]

رکوع کی سنتیں

سُنَّت 8: پھر رُکوع کی تکبیر کے لیے رَفعِ یدین (ہاتھوں کو کانوں تک اُٹھانا) بھی سنّت ہے[2]۔[3]

---

[1]......بخاری، کتاب الاذان، باب جھر المامو م بالتامین، ۱/۲۷۵، حدیث: ۷۸۲

ابوداود، کتاب الصلاة، باب التامین وراء الامام، ۱/۳۵۲، حدیث: ۹۳۲

[2]......بخاری، کتاب الاذان، باب رفع الیدین اذا کبر واذا رکع واذا رفع، ۱/۲۶۱، حدیث: ۷۳۶

[3]......اَحناف کے نزدیک نماز میں تکبیر تحریمہ اور تکبیر قُنوت کے سوا کہیں بھی رَفعِ یدین جائز نہیں۔ چنانچہ، مشہور مُفسِّر، حکیم الاُمّت مفتی احمد یار خان رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ مِرْاٰۃُ الْمَنَاجِیْح، ج2، ص16 پر حضرت سیِّدُنا **عبد اللّٰہ** بن عمر رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا سے مَروی اس حدیث پاک کہ **"نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم جب نماز شروع کرتے تو اپنے دونوں ہاتھ کندھوں کے مقابل اُٹھاتے اور جب رُکوع کی تکبیر کہتے اور جب رُکوع سے سر اٹھاتے تو بھی یونہی ہاتھ اٹھاتے اور کہتے سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہ رَبَّنَا لَکَ الْحَمْد اور سجدے میں یہ نہ کرتے"** کے تحت فرماتے ہیں: (کندھوں کے مقابل ہاتھ اُٹھانے سے مُراد یہ ہے) کہ گٹے کندھوں تک رہتے اور انگوٹھے کانوں تک۔ (نیز) اس حدیث سے یہ تو مَعلُوم ہوا کہ حُضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے رُکوع میں جاتے آتے رَفعِ یدین کیا مگر یہ ذِکر نہیں کیا کہ آخر وَقت تک کیا۔ حق یہ ہے کہ رَفعِ یدین مَنسُوخ ہے۔ چنانچہ عینی شرح بخاری میں ہے کہ سیِّدُنا **عبد اللّٰہ** ابن زبیر نے ایک شخص کو رُکوع میں جاتے آتے رَفعِ یدین کرتے دیکھا تو فرمایا ایسا نہ کیا کرو یہ وہ کام ہے جسے حُضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اَوّلاً کیا تھا پھر چھوڑ دیا۔ نیز سیِّدُنا ابن مسعود، عمر ابن خطاب، علی مرتضٰی، براء ابن عازب، حضرت علقمہ وغیرہ بہت صحابہ سے کہ وہ رَفعِ یدین نہ کرتے تھے اور کرنے والوں کو منع کرتے تھے۔ نیز ابن ابی شیبہ اور طحاوی نے حضرت مجاہد سے رِوایت کی کہ میں نے حضرت ابن عمر کے پیچھے نماز پڑھی آپ نے سوا تکبیر اُولیٰ کے کسی وَقت ہاتھ نہ اُٹھائے۔ مَعلُوم ہوا کہ سیِّدُنا ابن عمر کے نزدیک بھی رَفعِ یدین مَنسُوخ ہے، نیز رسالہ آفتابِ محمدی میں ہے کہ حضرت ابن عمر کی حدیث چند روایتوں سے مَنقُول ہے جس میں

سُنَّت 9: اس کے بعد رُکوع کی تسبیح پڑھنا بھی سنّت ہے۔[1]

تسبیحاتِ رکوع کی تعداد

رُکوع میں تسبیحات تین ۳ سے کم نہ پڑھے، بلکہ سات ۷ یا دس بار پڑھے۔ اس لیے کہ ایک رِوایت کے مُطابِق تین ۳ کا عَدَد کمال کا ادنیٰ دَرَجہ ہے۔[2] کیونکہ دس کا عَدَد پورا کرنا کمال ہے۔ جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ط (پ۲، البقرۃ: ۱۹۶) ترجمۂ کنزالایمان: یہ پورے دس ہوئے۔

تسبیح پڑھنے میں احتیاط

تین ۳ بار تسبیح پڑھنے میں اس بات کو بھی پیشِ نظر رکھئے کہ تینوں تسبیحات دونوں ہاتھ گھٹنوں پر رکھنے کے بعد اور پھر وہاں سے ہاتھ اُٹھانے سے پہلے کہی جائیں، اس لیے کہ اگر اس بات کا خیال نہ رکھا گیا اور سستی و کاہلی کا مُظاہرہ کیا گیا تو رُکوع کے بعد صِرف ایک ہی تسبیح کامل طور پر شُمار ہو گی، جبکہ پہلی تسبیح رُکوع میں جاتے جاتے اور آخری رُکوع سے اُٹھتے ہوئے ادا ہو گی (رُکوع میں نہ ہو گی) اور یہ مَکْرُوہ ہے۔

رکوع کا طریقہ

رُکوع کا طریقہ یہ ہے کہ اپنی انگلیاں کھلی رکھے اور انہیں پھیلا کر گھٹنوں کو پکڑ لے، اپنے بازوؤں کو

سے ایک رِوایت میں یونس ہے جو سَخْت ضعیف ہے، دوسری اِسناد میں ابو قلابہ ہے جو خَارِجِیُّ الْمَذْھَب تھا (دیکھو تہذیب) تیسری اِسناد میں **عبید اللہ** ہے۔ یہ پکا رافضی تھا، چوتھی اِسناد میں شعیب ابن اسحاق ہے جو مُرجیہ مَذْھَب کا تھا۔ غرض کہ رَفْعِ یَدَین کی احادیث کی اکثر اِسنادوں میں بدمذہب خصوصاً رَوافِض بہت شامل ہیں کیونکہ یہ ان کا عَمَل ہے۔ ہو سکتا ہے کہ رَوافِض کے تقیہ کی وجہ سے امام بخاری کو بھی پتا نہ لگا ہو۔ لہٰذا مذہب حنفی نہایت قوی ہے کہ نمازوں میں سوا تکبیر تحریمہ کے اور کہیں رَفْعِ یَدَین نہ کیا جائے۔

نوٹ: رَفْعِ یَدَین کے مُتَعَلِّق تفصیلی مَعْلُومات کے لئے مفتی احمد یار خان رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ کی مایہ ناز تصنیف **جاء الحق**، قادری پبلشرز سے شائع شدہ، حِصّہ دوم، چھٹا باب: رَفْعِ یَدَین نہ کرو، ص 407 تا 422 کا مُطالَعہ مفید رہے گا۔

[1] ...مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین وقصرھا، باب استحباب تطویل القراءۃ فی صلاۃ اللیل، ص ۳۹۱، حدیث: ۷۷۲

ترمذی، ابواب الصلاۃ، باب ماجاء فی التسبیح فی الرکوع والسجود، ۱/ ۲۹۶، حدیث: ۲۶۱

[2] ...ترمذی، ابواب الصلاۃ، باب ماجاء فی التسبیح فی الرکوع والسجود، ۱/ ۲۹۶، حدیث: ۲۶۱

پہلوؤں سے جُدا رکھے، سر کو زیادہ جھکائے نہ زیادہ اُوپر اٹھائے، بلکہ گردن کو پیٹھ کے ساتھ اس طرح برابر رکھے کہ اس کی پیٹھ اور سر ایک سیدھ میں ہو جائیں، نیچے کی جانب جھکے ہوں نہ اُوپر کی طرف اٹھے ہوں۔

قومہ کی سنتیں

سُنَّت 10: پھر رُکوع سے کھڑے ہوتے ہوئے بھی رَفعِ یدَین کرے اور سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَہٗ کہتے ہوئے سیدھا کھڑا ہو جائے، کہ یہ بھی سنّت ہے۔

پھر یہ دُعا پڑھے: اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا، لَكَ الْحَمْدُ مِلْءَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمِلْءَ مَا شِئْتَ مِنْ شَيْءٍ بَعْدُ۔ یعنی اے ہمارے ربّ! وہ تمام خوبیاں تیرے لیے ہیں جو آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان کو بھر دے اور ان کے بعد جس چیز کو تو چاہے بھر دے۔[1]

سجدہ کی سنتیں

سُنَّت 11: پھر سجدہ میں اس کی تسبیحات پڑھے۔

تسبیحاتِ سجدہ کی تعداد و احتیاط

اگر چاہے تو سجدہ میں دس بار تسبیح پڑھے یا سات ۷ بار، مگر کم از کم تین ۳ بار ضرور پڑھے اور اس میں بھی یہ خیال رکھے کہ یہ تعداد زمین پر پیشانی رکھنے اور وہاں سے اُٹھانے سے پہلے پوری ہو، ورنہ ایک ہی تسبیح شمار ہو گی، یعنی ایک تسبیح تو سجدہ میں جاتے جاتے ضائع ہو جائے گی اور دوسری سجدہ سے سر اٹھاتے ہوئے ادا ہو گی۔ یوں ہر سجدہ میں صِرف ایک ہی تسبیح کامل طور پر رہ جائے گی جبکہ تین ۳ سے کم تسبیحات پڑھنا مُستحب نہیں۔

حضرت سیِّدُنا اَنَس بن مالک رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہ نے (امیر مدینہ حضرت سیِّدُنا عمر بن عبد العزیز رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ کے پیچھے نماز پڑھی تو) اِرشاد فرمایا: میں نے تمہارے اس اِمام یعنی حضرت سیِّدُنا عمر بن عبد العزیز رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ سے بڑھ کر کسی کو سرکارِ مدینہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے مُشابہ نماز پڑھتے نہیں دیکھا۔[2] ایک بار ارشاد فرمایا کہ ہم آپ کے پیچھے (رُکوع و سُجود میں) دس دس بار تسبیح پڑھ لیتے تھے۔

---

[1] ......ترمذی، ابواب الصلاۃ، باب مایقول الرجل اذا رفع راسہ من الرکوع، ۱/ ۲۹۹، حدیث: ۲۶۶

[2] ......ابوداود، کتاب الصلاۃ، باب مقدار الرکوع والسجود، ۱/ ۳۳۷، حدیث: ۸۸۸

سجدے کا طریقہ

سجدے میں سر کو دونوں ہتھیلیوں کے درمیان (اس طرح) رکھے (کہ وہ دونوں ہتھیلیوں کے ساتھ ملا ہوا ہو اور ہتھیلیوں کے درمیان زیادہ فاصلہ نہ ہو)، اس لیے کہ جب دونوں ہتھیلیاں کھلی ہوں تو یہ بھی سجدہ کرتی ہیں اور بازو (یعنی مونڈھے اور کہنیوں کا درمیانی حصّہ) پہلوؤں سے جُدا رکھے۔ پیٹھ سیدھی رکھے، پیٹ کو رانوں سے جُدا رکھے، نیز مُستَحَب یہ ہے کہ ہتھیلیاں براہِ راست زمین پر رکھے کہ یہ بھی چہرے کے ساتھ سجدہ کرتی ہیں۔

جلسہ اور اس کی دعائیں

سُنَّت ⓬: پھر پہلے سجدہ سے اٹھنے، دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھنے اور دوسرے سجدے کے بعد قیام کے لیے کانوں تک ہاتھ اٹھائے بغیر تکبیر کہے۔

حالَتِ جلسہ میں (یعنی دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھ کر) یہ دُعا تین ۳ بار پڑھے: رَبِّ اغْفِرْلِیْ وَارْحَمْنِیْ۔ یعنی اے میرے ربّ! میری مَغْفِرَت فرما اور مجھ پر رحم فرما۔[1] یہ دُعا حضرت سَیِّدُنا ابن عمر رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا سے مَرْوِی ہے۔

اگر یہ دُعا پڑھے تو بھی جائز ہے: رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَتَجَاوَزْ عَمَّا تَعْلَمُ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْاَعَزُّ الْاَكْرَم۔ یعنی اے میرے ربّ! مجھے مُعاف فرما، رحم فرما اور تو (میرے گناہوں کے مُتَعَلِّق) جو کچھ جانتا ہے اس سے دَرْ گُزَر فرما کہ تو ہی سب سے زیادہ عزّت وکَرَم والا ہے۔ یہ دُعا حضرت سَیِّدُنا ابن مَسْعُود رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہ سے مَرْوِی ہے۔

یہ دُعا پڑھنا بھی اَچھّا ہے: رَبِّ اغْفِرْلِیْ وَارْحَمْنِیْ وَاهْدِنِیْ وَاجْبُرْنِیْ وَ اَنْعِشْنِیْ۔ یعنی اے میرے ربّ! میری مَغْفِرَت فرما، مجھ پر رحم فرما، مجھے ہِدَایَت عطا فرما، میری پریشانی دُور فرما اور مجھے چستی ونشاط عطا فرما۔ یہ دُعا اَمیرُ الْمُؤمِنِین حضرت سَیِّدُنا علی المرتضٰی رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہ سے مَرْوِی ہے۔

نماز کا اختتام

پھر تَشَہُّد پڑھے، اس کے بعد آخر میں سلام اس طرح کہے کہ لَفْظِ سلام کے شروع میں الف لام اور میم

[1] ......ابن ماجه، كتاب اقامة الصلاة، باب مايقول بين السجدتين، ۱ / ۴۸۳، حديث: ۸۹۸

پر پیش پڑھے، جبکہ اِسمِ جلالَت کو کھینچ کر پڑھے مگر اِسمِ جلالَت کے آخری حَرف یعنی ہا پر کوئی اِعراب نہ پڑھے۔ بلکہ اَلسَّلَامُ عَلَیۡکُمۡ وَ رَحۡمَۃُ اللّٰہ کہتے ہوئے چہرہ اس قَدَر گھمائے کہ دائیں اور بائیں طرف والوں کے سامنے اس کا رُخسار واضح ہو جائے[1] اور اس کی گردن کندھے تک مڑ جائے۔ سرکارِ مدینہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا سلام اسی طرح تھا کہ آپ سلام کرتے وَقت جِسْم کو قبلہ کی سَمت سے ہٹاتے تھے نہ زمین سے رانوں کو اٹھاتے تھے۔

نمازِ باجماعت میں شامِل ہونے کے احکام کا بیان

جس نے چار ۴ رَکْعتی نَماز کی دو ۲ رَکْعتیں پالیں یا نَمازِ مَغرِب کی تیسری رَکعت پالی تو اس نے جس قَدَر نَماز پالی اب یہی اس کی پہلی رَکعت شُمار ہو گی۔ اسے چاہئے کہ یہیں سے نَماز شروع کرلے۔

جو شخص اِمام کے ساتھ قیام کا کچھ حِصّہ پالے اور الحمد شریف پڑھنا شروع کر دے تو اسے مکمّل کیے بغیر رُکُوع نہ کرے، اگر اِمام اس سے پہلے رُکوع سے سر اٹھالے تو یہ اس کے بعد اپنا سر اٹھائے، مگر جو شخص امام کو حَالتِ قیام میں لمحہ بھر بھی نہ پائے تو تکبیر تحریمہ کہے، پھر تکبیر کہہ کر رُکُوع میں چلا جائے کہ اس طرح اس کی ایک رَکعت ہو جائے گی۔ اگر امام رُکُوع میں چلا جائے اور مقتدی ابھی الحمد شریف کے علاوہ کوئی اور سورت پڑھ رہا ہو تو جہاں آیت خَتْم ہو وہاں چھوڑ دے اور اس کے بعد رُکُوع میں چلا جائے۔[2]

جس نے اِمام کو تَشَہُّد میں پایا یا سُجُود میں تو وہ کھڑے کھڑے تکبیر تحریمہ کہے، پھر امام کے اِتّباع میں بیٹھ کر سجدوں میں شامِل ہو جائے۔

جب اِمام سلام پھیرے تو مُقْتَدِی نئی تکبیر کہے بغیر کھڑا ہو جائے اور کھڑے ہو کر الحمد شریف سے اِبْتِدا کرے اور اِمام کے ساتھ وُہی نَماز شُمار کرے جو رُکُوع کے ساتھ حاصِل ہو یعنی اِمام کے رُکُوع سے سر

---

[1] ......مسلم، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب السلام للتحليل من الصلاة عند فراغها وكيفيته، ص ۲۹۴، حديث: ۵۸۲

نسائی، کتاب السهو، باب كيف السلام على الشمال، ص ۲۲۸، حديث: ۱۳۲۲

[2] ......احناف کے نزدیک مُقْتَدِی کو نَماز میں قراَت جائز نہیں، نہ سورۂ فاتحہ، نہ آیت، نہ سِرّی (یعنی آہستہ قراَت والی) نَماز میں نہ جہری (یعنی بُلند آواز سے قراَت والی) نَماز میں۔ امام کی قراَت مُقْتَدِی کے لیے کافی ہے۔ (مراقی الفلاح معہ حاشیۃ الطحطاوی، ص ۲۲۷) لہٰذا اگر مقتدی امام کو حالت رکوع میں پائے تو تکبیر تحریمہ کھڑے ہو کر کہے اور پھر رکوع میں امام کے ساتھ شامِل ہو جائے۔ (ماخوذ از بہار شریعت، حصہ ۳، ۱/۵۸۹)

اُٹھانے سے پہلے پہلے یہ اپنے ہاتھ اپنے گھٹنوں پر اطمینان سے رکھ لے تو اس کی رَکعت شُمار ہو جائے گی۔

نماز کے بعض اہم مسائل

☜ (صاحِبِ کتاب حضرت سیِّدُنا شیخ ابو طالب مکی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں:) جب کوئی شخص فَرض نَماز شروع کر دے اور پھر اسے یاد آئے کہ اس پر ایک اور نَماز بھی لازِم ہے تو میں یہ پسند کرتا ہوں کہ وہ پہلے اس شروع کردہ نَماز کو پورا کرے، بعد میں یاد آنے والی نَماز پڑھ کر ابھی ادا کردہ نَماز کو بھی دوبارہ پڑھے۔

☜ جس نے نَمازِ عَصر میں اِمام کی مُوَافَقَت کی اور ابھی تک ظہر نہ پڑھی ہو تو جَماعَت کے ساتھ نَمازِ عَصر پڑھ لے، پھر ظہر ادا کرے اور اس کے بعد عَصر دوبارہ پڑھے۔ کسی صحابی سے ایسا ہی قول مَنْقُول ہے اور میرے نزدیک بھی یہی صُورَت پسندیدہ ہے۔[1]

☜ جو شخص بھول کر نَماز میں کلام کر بیٹھے یا چار ۴ رَکعَت والی نَماز میں دو ۲ رَکعَت پر سلام پھیر دے تو اسے چاہئے کہ تَشَہُّد کے بعد سجدۂ سَہو کرے[2]، اگر وہ مَسْجِد سے نِکَل گیا ہو اور کافی دیر کے بعد اسے یہ بات یاد آئے تو بہتر یہ ہے کہ نَماز دوبارہ پڑھے۔

☜ جو شخص جان بوجھ کر نَماز میں کلام کرے یا (چار ۴ رَکعَت والی نَماز کی دوسری رَکعَت پر) سلام پھیر دے یا قبلہ کی جانِب سے ہٹ جائے یا اس کا ستر کُھل جائے یا دورانِ نَماز اسے نکسیر آجائے یا اسے یہ یاد آجائے کہ وہ سر کا مَسْح کرنا یا کسی اعضائے وضو میں سے کسی عضو کو دھونا بھول گیا تھا تو ان سب صورتوں میں نَماز دوبارہ پڑھے۔

☜ جس کی جماعت نکل گئی ہو تو وہ کسی نَفل پڑھنے والے کے ساتھ کھڑے ہو کر (اس کی اقتدا میں) نَماز ادا کرلے،

---

[1] ......احناف کے نزدیک صاحب ترتیب کے لئے یہ مسئلہ یوں ہے کہ وقتی نماز ادا کرنے کے بعد قضا یاد آئی تو وقتی ہو گئی قضا بعد میں پڑھ لے اور اگر وقتی شروع کرنے کے بعد یاد آئی چاہے امام کے پیچھے ہو تو پہلے قضا پڑھے پھر وقتی ادا کرے۔ (ماخوذ از بہار شریعت، حصہ ۴،۱/۷۰۵)

[2] ......احناف کے نزدیک نماز میں بھول کر کلام کیا تو سجدہ سہو سے تلافی نہ ہو گی بلکہ نماز ٹوٹ جائے گی۔ (ماخوذ از بہار شریعت، حصہ ۳،۱/۶۰۴) نیز چار رکعت والی نماز کا سلام دو رکعت پر یہ خیال کر کے پھیر دیا کہ چار پوری ہو گئیں تو چار پوری کر کے سجدۂ سہو کرنا ہو گا۔ (ماخوذ از بہار شریعت، حصہ ۴،۱/۷۱۸)

اگر نماز پڑھانے والا بھی فرض ادا کر رہا ہو تو اچھا ہے البتہ مذکورہ صورت میں اسے مجبوراً مختلف نماز پڑھنے والے کی اقتدا میں نماز ادا کرنی پڑے گی لیکن یہ جماعت کا فرض تو ادا کرلے گا[1]، فرض پڑھنے والے کا نفل والے کے پیچھے نماز پڑھنا مستحب نہیں ہے البتہ نفل نماز کی جماعت مکروہ بھی نہیں ہے۔

☜ خفی قرأت والی نماز میں کسی نے جہری قرأت کرلی یا جہری قرأت والی نماز میں کسی نے خفی قرأت کرلی تو اس پر سجدۂ سہو واجب نہیں۔[2]

☜ جسے نماز کی رکعتوں میں یہ شک ہو کہ دو ۲ پڑھی ہیں یا تین ۳، تو وہ انہیں دو ۲ ہی گمان کرے اور جسے یہ شک ہو کہ اس نے تین ۳ پڑھی ہیں یا چار ۴، تو انہیں تین ۳ ہی شمار کرے اور ہمیشہ یقین پر یعنی کم تعداد پر نماز جاری رکھے۔[3] البتہ! سلام سے قَبْل سجدۂ سَہْو کرلے۔ نیز سجدۂ سَہْو کی وجہ سے اس پر لازِم ہے کہ دوسری بار تَشَھُّد بھی پڑھے تو ہی اس کی نماز پوری ہو گی۔

☜ جسے سجدۂ سَہْو ہی بھول جائے تو اگر نماز کے بعد جلد ہی یاد آجائے یا مَسْجِد سے نکلنے سے پہلے یاد آجائے تو بہتر یہ ہے کہ سجدۂ سَہْو کے بعد تَشَھُّد بھی پڑھے اور پھر سلام پھیرے۔ لیکن اگر وَقْت زیادہ گزر جائے یا مَسْجِد سے نِکل چکا ہو تو اب سجدۂ سہو کا حُکْم اس سے ساقِط ہو گیا۔[4]

---

[1]...... احناف کے نزدیک فَرض پڑھنے والا کسی بھی صورت میں نفل پڑھنے والے کی اقتدا نہیں کر سکتا۔
(ماخوذ از بہارِ شریعت، حصہ ۳، ۱/ ۵۷۲)

[2]...... جہری میں جہر واجب اور سری میں سر واجب جس نے جہری میں سر یا سری میں جہر کیا اس پر سجدہ سہو واجب ہے۔
(ماخوذ از فتاوی رضویہ، ۶/ ۲۵۱)

[3]...... جس کو شمار رکعت میں شک ہو، مثلاً تین ہوئیں یا چار اور بلوغ کے بعد یہ پہلا واقعہ ہے تو سلام پھیر کر یا کوئی عمل منافی نماز کر کے توڑ دے یا غالب گمان کے بموجب پڑھ لے مگر بہر صورت اس نماز کو سرے سے پڑھے محض توڑنے کی نیت کافی نہیں اور اگر یہ شک پہلی بار نہیں بلکہ پیشتر بھی ہو چکا ہے تو اگر غالب گمان کسی طرف ہو تو اس پر عمل کرے ورنہ کم کی جانب کو اختیار کرے یعنی تین اور چار میں شک ہو تو تین قرار دے، دو اور تین میں شک ہو تو دو، وعلیٰ ھذا القیاس اور تیسری چوتھی دونوں میں قعدہ کرے کہ تیسری رکعت کا چوتھی ہونا محتمل ہے اور چوتھی میں قعدہ کے بعد سجدۂ سہو کر کے سلام پھیرے اور گمان غالب کی صورت میں سجدۂ سہو نہیں مگر جبکہ سوچنے میں بقدر ایک رکن کے وقفہ کیا ہو تو سجدۂ سہو واجب ہو گیا۔ (بہار شریعت، حصہ ۴، ۱/ ۷۱۸)

[4]...... جس پر سجدۂ سَہْو واجِب ہے اگر سَہْو ہونا یاد نہ تھا اور بہ نیّتِ قَطْع سلام پھیر دیا تو ابھی نماز سے باہر نہ ہوا بشر طیکہ سجدۂ

☜ جسے گہری تاریکی کی وجہ سے یا مُناسِب رَہنُمائی نہ ملنے کی وجہ سے قبلہ کی سَمْت میں شک پیدا ہو تو وہ خوب غور و فِکْر کر کے سَمْتِ قبلہ کے تَعَیُّن کی کوشِش کرے، اگر بعد میں یہ ظاہِر ہو کہ سَمْت اس کے برعکس تھی تو بہتر یہ ہے کہ نَماز دوبارہ پڑھے۔

☜ میرے نزدیک مُستَحَب یہ ہے کہ نَماز میں زِیادَتی ہو جائے تو سجدہ سہو سلام کے بعد اور کمی ہو جائے تو سلام سے پہلے کیے جائیں اور اگر کمی بیشی دونوں ہوں تو سلام سے پہلے کرنا بھی بہتر ہے[1] کہ سرکارِ مدینہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے ہر دو ۲ طرح کی رِوایت مَروِی ہے۔ اگر نَماز میں مَحْض وہم ہو (کہ شاید اس سے کوئی واجب رہ گیا ہے) اور شک نہ ہو یا نَماز میں اکثر اوہام آئیں تو میرے نزدیک بہتر یہ ہے کہ ہمیشہ سلام کے بعد سجود سہو کرے۔[2]

☜ جو شخص وُضو اور طَہارت میں کمی یا نماز کے فرائض میں سے کسی فرض کی کمی کے ساتھ مجبوری کے عالَم میں نَماز پڑھ رہا ہو تو میرے نزدیک بہتر یہ ہے کہ جُونہی اس کی مجبوری زائل ہو تو پوری نَماز دوبارہ پڑھے۔

☜ جس نے کسی کپڑے میں نَماز پڑھی، پھر نَماز پڑھنے کے بعد اسے مَعْلُوم ہوا کہ اس کپڑے میں نجاست لگی ہوئی تھی تو اس نَماز کو دوبارہ پڑھے بشرطیکہ ابھی نَماز کا وَقْت مَوجُود ہو اور دُوسری نَماز کا وَقْت شروع نہ ہوا ہو۔ کیونکہ اگر وَقْت نِکَل جائے تو اب اس پر اِعادہ نہیں۔[3] لیکن اگر اس نے نجاست

سَہْو کرلے، لہٰذا جب تک کلام یا حَدَثِ عَمد، یا مَسْجِد سے خُرُوج یا اور کوئی فعل مُنافی نَماز نہ کیا ہو اسے حُکم ہے کہ سجدہ کرلے۔ (بہار شریعت، حصہ ۴، ۱/ ۷۱۷)

[1] ......احناف کے نزدیک سجدہ سہو کا طریقہ یہی ہے کہ سلام پھیر کر سجدہ سہو کیا جائے چاہے غلطی کم ہو یا زیادہ البتہ اگر کسی نے سلام پھیرے بغیر بھی سجدہ سہو کر لیا تو بھی سجدہ سہو ادا ہو جائے گا مگر ایسا کرنا مکروہ تنزیہی ہے۔

(ماخوذ از بہار شریعت، حصہ ۴، ۱/ ۷۱۰، ۷۰۸)

[2] ......احناف کے نزدیک محض وہم کی بنیاد سجدۂ سہو نہیں کرنا چاہئے کیونکہ بے حاجت سجدہ سہو کرنا منع ہے۔ (ماخوذ از فتاوٰی رضویہ، ۶/ ۳۲۸) اگر امام نے احتیاطاً سجدۂ سہو کر لیا بعد کو معلوم ہوا کہ اس کی حاجت نہیں تھی، ایسی صورت میں اس کی تو نماز ہو جائے گی لیکن دو طرح کے لوگوں کی نماز نہیں ہو گی ایک وہ جو امام کے سجدۂ سہو والے سلام کے بعد جماعت میں شامل ہوا اور دوسرا وہ جس کی کوئی رکعت رہ گئی ہو۔ (ماخوذ از فتاوٰی فیض الرسول، ۱/ ۳۸۸)

[3] ......نماز کے بعد یقین ہو گیا کہ کپڑے ناپاک تھے تو ضرور نماز کا اعادہ کرے گا۔ (ماخوذ از بہار شریعت، حصہ ۳، ۱/ ۶۶۲)

دیکھتے ہی نماز دوبارہ پڑھ لی تو میرے نزدیک یہ بہتر ہے۔

☜ نماز میں کمی بیشی کی بنا پر جس پر کئی نمازوں کو دوبارہ پڑھنا لازِم ہو تو اب میرے نزدیک بہتر یہ ہے کہ اگر مُمکِن ہو تو ان سب کو ایک ہی دِن ایک ہی وَقْت میں ترتیب سے لگاتار پڑھے یامُختَلِف اَوقات میں ترتیب سے ادا کرے۔ البتہ! میرے نزدیک بہتر یہ ہے کہ ان نمازوں کی ادائیگی میں مَمْنُوع اَوقات کا خیال رکھے۔

☜ جسے دورانِ نماز مَعْلُوم ہو کہ اس نے جو چادَر وغیرہ اوڑھ رکھی ہے اس میں نجاست لگی ہوئی ہے یا اس کا منہ قبلہ کی طرف نہیں تو فوراً اس چادَر کو پھینک دے اور قبلہ رُخ ہو کر نماز مکمَّل کرے اور اگر دوبارہ پوری نماز پڑھ لے تو میرے نزدیک یہ زیادہ بہتر ہے۔

نماز کی ھیئت وآداب

مسواک کرنا

نماز سے پہلے مِسْوَاک کرنا نماز کے فضائل میں سے ہے[1]۔ چُنانچِہ ایک حدیث پاک میں مَرْوِی ہے کہ مِسْوَاک کر کے نماز پڑھنا بغیر مِسْوَاک کے 70 نمازوں سے افضل ہے۔[2]

شیطان کے خلاف ڈھال

(صَاحِبِ کِتَاب حضرت سَیِّدُنا شیخ ابُو طَالِب مَکّی رَحْمَةُ اللهِ عَلَیْه فرماتے ہیں:) میں نماز شروع کرنے سے پہلے سورۃ النّاس ایک بار پڑھنے کو اچھا جانتا ہوں۔ اس لیے کہ یہ شیطان کے خِلاف ایک ڈھال ہے۔ نیز ہر رَکْعَت میں الحمد شریف سے پہلے اعوذ باللہ بھی پڑھے،[3] کیونکہ وہ قرآنِ کریم کی تِلاوَت کرنے والا ہے اور اس لیے بھی کہ ہر رَکْعَت نماز ہے۔

---

1 ...... مسواک وضو کی سنت قبلیہ ہے۔ (فتاوی رضویہ، ۱/۸۳۳) مسواک نماز کے لیے سنت نہیں بلکہ وُضو کے لیے۔ (ماخوذ از بہار شریعت حصہ ۲، ۱/۲۹۵)

2 ...... مسند احمد، مسند السيدة عائشة، ۱۰/۱۴۱، حديث: ۲۶۳۴۰

3 ...... تعوذ صرف پہلی رکعت میں ہے اور تسمیہ ہر رکعت کے اوّل میں مسنون ہے۔ (بہار شریعت حصہ ۳، ۱/۵۲۳)

تکبیر تحریمہ کے وقت انگلیوں کی کیفیت

تکبیرِ تحریمہ کے وَقْت ہاتھوں کی انگلیوں کو ملا کر رکھے۔ جبکہ حالَتِ قِیام میں دونوں پاؤں کے درمیان قدرے فاصلہ رکھے، ایڑیوں کو آپَس میں نہ ملائے، بلکہ چار۴ انگل کی مِقْدار فاصِلہ رکھے۔ کیونکہ یہ مُسْتَحَب ہے۔ کسی کا قول ہے کہ اَسلاف تکبیر کہتے وَقْت اور قِیام میں کھڑے ہوئے امام کو بڑے غور سے دیکھا کرتے تھے کہ کیا وہ انگلیاں ملا کر اور پاؤں کھول کر رکھتا ہے؟ جو ایسا کرتا تو وہ سمجھتے کہ یہ واقعی فقیہ ہے۔ مَرْوِی ہے کہ ایک بار حضرت سَیِّدُنا عبد اللہ بن مَسْعُود رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہ نے کسی شخص کو دیکھا کہ اس نے نماز میں اپنی ایڑیاں ملائی ہوئی ہیں تو اِرشَاد فرمایا: اگر یہ اپنی ایڑیوں کے درمیان کچھ فاصلہ رکھتا تو سنّت کو پالیتا۔ ایک رِوایَت میں ہے کہ **اللہ** پاک کے پیارے حبیب صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے **صَفَن**(1) اور **صَفَد**(2) سے منع فرمایا۔ **صَفَن** سے مُراد یہ ہے کہ بندہ دونوں ٹانگوں میں سے ایک کو اٹھا دے جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

اَلصّٰفِنٰتُ الْجِیَادُ ۟ۙ(۳۱) ترجمۂ کنزالایمان: روکئے تو تین پاؤں پر کھڑے ہوں چوتھے سُم کا کنارہ زمین پر لگائے ہوئے اور چلایئے تو ہوا ہو جائیں۔ (پ ۲۳، ص: ۳۱)

یعنی جب گھوڑا ایک جانب جھک جائے۔ جبکہ **صَفَد** سے مُراد دونوں قدموں کا باہم جوڑ لینا ہے۔ جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

مُقَرَّنِیْنَ فِی الْاَصْفَادِ ۟(۳۸) (پ ۲۳، ص: ۳۸) ترجمۂ کنزالایمان: اور بیڑیوں میں جکڑے ہوئے۔

(صاحِبِ کتاب حضرت سَیِّدُنا شیخ ابو طالب مکی رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں:) میں نے اگرچہ بعض عُلَمائے کرام کو تکبیر میں ہاتھوں کی انگلیاں کھولے ہوئے بھی دیکھا ہے۔ چُنَانْچِہ اس کی تاویل کی جاسکتی ہے کہ ایک رِوایَت کا مَفْہُوم ہے کہ سرکارِ مدینہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم جب تکبیر کہتے تو اپنی انگلیوں کو کھلا رکھتے(3)۔ (4) حضرت سَیِّدُنا

---

1 ......النھایۃ فی غریب الحدیث والاثر، حرف الصاد، باب الصاد مع الفاء، صفن، ۳/ ۲۷

2 ......النھایۃ فی غریب الحدیث والاثر، حرف الصاد، باب الصاد مع الفاء، صفن، ۳/ ۲۳

3 ......ترمذی، ابواب الصلاۃ، باب ماجاء فی نشر الاصابع عند التکبیر، ۱/ ۲۷۳، حدیث: ۲۳۹

4 ......یہاں سے کچھ عبارت کا ترجمہ متروک ہے جسے اہل علم احباب کے لئے کتاب کے آخر میں دے دیا گیا ہے۔

اِسحاق بن رَاہُوَیہ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ سے جب اس رِوایت کے مُتَعلِّق پوچھا گیا کہ سرکارِ مدینہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نماز میں اپنی انگلیوں کو کھلا رکھتے تھے،[1] اس سے کیا مراد ہے؟ تو آپ نے اِرشَاد فرمایا کہ اس سے مُراد یہ ہے کہ آپ نے اپنی مٹھی کھولی مگر انگلیاں ملا کر رکھیں۔ مطلب یہ ہے کہ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے مٹھی بند نہ رکھی۔ یہ بہترین توجیہ ہے، اس لیے کہ نَشْر یعنی پھیلانا طَیّ یعنی لپیٹنا کی ضد ہے اور لپیٹنے کا ایک مفْہوم بند کرنا بھی ہے۔

میں نے تین ۳ عُلَمائے کِرام کو دیکھا کہ وہ تکبیرِ تحریمہ کے وَقْت اپنی انگلیوں کو کھلا رکھتے تھے، ان میں ایک مَسْجِدِ حَرام کے اِمام حضرت سَیِّدُنا ابو الحسن رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ جو کہ فقیہ بھی تھے جبکہ تین ۳ بُزُرگانِ دِیْن کو انگلیاں بند کر کے تکبیر کہتے ہوئے بھی دیکھا، ان میں (میرے مُرشِد) حضرت سَیِّدُنا ابو الحسن بن سالِم، (میرے اُستاذ) حضرت سَیِّدُنا ابو بکر آجری شافعی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِمَا بھی ہیں۔ ایک اور فقیہ حضرت سَیِّدُنا ابو زید رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ کے مُتَعلِّق بھی میرا خیال یہی ہے کہ جب میں ان کی تکبیر کو یاد کرتا ہوں تو میرا غالِب گمان ہے کہ وہ تکبیر کے وَقْت انگلیاں کھلی رکھتے تھے۔

آمین کہنا

آمین کہنا بھی نَماز کے فضائل میں سے ہے، ایک رِوایت میں مَروِی ہے کہ سرورِ کائنات صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا فرمانِ عالیشان ہے: جب امام وَلَا الضَّآلِّیْنَ کہے تو سب آمین کہو۔ اس لیے کہ جس کی آمین فرشتوں کی آمین کے مُوافِق ہو جائے اس کے گزشتہ گناہ مُعاف کر دیئے جاتے ہیں۔[2]

سرکارِ مدینہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم آمین کہتے ہوئے اپنی آواز بُلَند فرما دیتے تھے[3]۔[4] آمین کا لفظ مد (یعنی

---

[1] ......ترمذی، ابواب الصلاۃ، باب ماجاء فی نشر الاصابع عند التکبیر، ۱/ ۲۷۲، حدیث: ۲۳۹

ابن خزیمۃ، کتاب الصلاۃ، باب نشر الاصابع عند رفع الیدین فی الصلاۃ، ۱/ ۲۳۳، حدیث: ۴۵۸

[2] ......بخاری، کتاب الاذان، باب جھر الماموم بالتامین، ۱/ ۲۷۵، حدیث: ۷۸۲

نسائی، کتاب الافتتاح، باب جھر الامام بآمین، ص ۱۶۱، حدیث: ۹۲۴

[3] ......ابوداود، کتاب الصلاۃ، باب التامین وراء الامام، ۱/ ۳۵۲، حدیث: ۹۳۲

[4] ......بہارِ شریعت جلد اول میں ہے: صحیح مُسلِم میں ابو موسیٰ اشعری رَضِیَ اللہُ عَنْہ سے مَروِی کہ اِرشَاد فرماتے ہیں صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم: جب تم نَماز پڑھو تو صفیں سیدھی کر لو، پھر تم میں سے جو کوئی اِمامت کرے، وہ جب تکبیر کہے تم بھی تکبیر کہو اور جب

اٰمِیْن) اور قصر (یعنی اٰمِیْن) ہر دو ۲ طرح پڑھا جاتا ہے۔ البتہ! دونوں صورتوں میں میم کو شد کے بغیر ہی پڑھا جاتا ہے، اس لیے کہ جب اس لفظ کے میم کو مُشَدَّد پڑھیں تو اس کا معنیٰ بدل کر قاصِدین یعنی اِرادہ کرنے والے ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَآ آٰمِّیْنَ الْبَیْتَ الْحَرَامَ ترجمۂ کنزالایمان: اور نہ ان کا مال و آبرو جو عزت والے گھر کا قصد کر کے آئیں۔ (پ ۶، المائدۃ: ۲)

ہاتھ باندھنے کا طریقہ

ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ کی کلائی پکڑ کر ناف اور سینے کے درمیان رکھے کہ ایسا کرنا بھی خُشُوع میں سے ہے۔[1] کسی عالم ربانی رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ کا قول ہے کہ بارگاہِ رَبُوبِیَّت میں اس طرح حاضر ہونے کو میں ذِلَّت نہیں سمجھتا۔ اسی طرح **اللہ** پاک کے پیارے حبیب صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے بھی مَرْوِی ہے کہ ایسا کرنا رسولوں کی سنّت ہے۔

اَمِیْرُ الْمُؤمِنِین حضرت سَیِّدُنا عَلِیُّ الْمُرْتَضٰی رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہ فرمانِ باری تعالیٰ: ﴿ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۝۲ (پ ۳۰، الکوثر: ۲)[2] ﴾ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ یہاں مُراد دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھنا ہے۔ (صاحِبِ کتاب حضرت سَیِّدُنا شیخ ابو طالب مکی رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں:) یہ تفسیر بیان کرنا اَمِیْرُ الْمُؤمِنِین حضرت سَیِّدُنا عَلِیُّ

(غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ ۝) کہے، تو تم آمین کہو، **اللہ** تمہاری دُعا قبول فرمائے گا اور جب وہ اللہ اکبر کہے اور رُکوع میں آجائے، تم بھی تکبیر کہو اور رُکوع کرو کہ امام تم سے پہلے رُکوع کریگا اور تم سے پہلے اٹھے گا، **رسول اللہ** صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: تو یہ اس کا بدلہ ہو گیا اور جب وہ سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ کہے تم اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ کہو، **اللہ** تمہاری سُنے گا۔ ابوہریرہ و قتادہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا سے اسی صحیح مُسلم میں ہے: جب امام قراءت کرے تو تم چُپ رہو۔ اس حدیث اور اس کے پہلے جو حدیث ہے دونوں سے ثابت ہوتا ہے کہ آمین آہستہ کہی جائے کہ اگر زور سے کہنا ہوتا تو امام کے آمین کہنے کا پتہ اور موقع بتانے کی کیا حاجت ہوتی کہ جب وہ وَلَا الضَّآلِّیْنَ کہے، تو آمین کہو اور اس سے بہت صریح ترمذی کی رِوایت شعبہ سے ہے، وہ علقمہ سے وہ ابی وائل سے رِوایت کرتے ہیں: فَقَالَ اٰمِیْن وَخَفَضَ بِهَا صَوْتَهٗ۔ آمین کہی اور اس میں آواز پست کی۔ (بہارِ شریعت، حصہ ۳، ۱/ ۵۰۲تا۵۰۳)

[1] ......بہارِ شریعت میں ہاتھ باندھنے کا طریقہ کچھ یوں مذکور ہے: دہنی ہتھیلی کی گدی بائیں کلائی کے سرے پر ہو اور بیچ کی تین ۳ انگلیاں بائیں کلائی کی پشت پر اور انگوٹھا اور چھنگلیا (چھوٹی انگلی) کلائی کے اغل بغل ہو۔ (بہار شریعت، حصہ ۳، ۱/ ۵۰۴)

[2] ......ترجمۂ کنزالایمان: تو تم اپنے رب کے لیے نماز پڑھو اور قربانی کرو۔

المرتضٰی رَضِیَ اللہُ عَنْہ کا عِلمی مقام و مرتبہ اور مَعرِفَت کی لَطافَت ہے، اس لیے کہ سینے کے نیچے ایک رگ ہے جسے ''نَاحِر'' کہتے ہیں اور اس کے مُتعَلِّق صرف اَہْلِ عِلْم ہی جانتے ہیں۔ چُنَانْچِہ یہی وجہ ہے کہ اَمِیْرُ الْمُؤمِنِین حضرت سَیِّدُنا عَلِیُّ المرتضٰی رَضِیَ اللہُ عَنْہ نے آیتِ مُبارَکہ میں ﴿ وَانْحَرْ ﴾ کو لفظِ ''نَاحِر'' سے مُشْتَق فرمایا۔ یعنی اپنے ہاتھ کو ''نَاحِر'' نامی رگ پر رکھو۔ نیز ﴿ وَانْحَرْ ﴾ کو ذبح کرنے پر مَحْمُول نہیں کیا جا سکتا۔ اس لیے کہ اس کا ذِکْر نَماز کے تذکرہ میں آیا ہے اور جو لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ یہ لفظ نحر سے مُشْتَق ہے تو جان لیجئے کہ نحر گلے کے نیچے کی اس جگہ کا نام ہے جہاں ہنسلی کی ہڈیاں ملتی ہیں اور وہاں ہاتھ نہیں رکھے جاتے۔ البتہ! بعض اَہْلِ لغت نے ﴿ وَانْحَرْ ﴾ کا یہ معنیٰ بیان کیا ہے کہ اپنے مَقامِ نحر کو قبلہ کی جانِب کر دے۔ بَہَر حَال یہ بھی ایک توجیہ ہے۔

نماز میں کس طرح بیٹھنا منع ہے؟

نَماز میں اِقْعَا[1] نہ کرے۔ اَہْلِ لغت کے نزدیک اس سے مُرادیہ ہے بندہ قدموں پر بیٹھ کر اپنے گھٹنے اٹھا دے۔ جبکہ محدثین کا مَذْہَب یہ ہے کہ پاؤں کی انگلیاں زمین پر بچھا کر گھٹنوں پر جھک کر بیٹھے۔

سدل سے اجتناب

سَدل سے اِجْتِنَاب کرے اور اس سے مُرادیہ ہے کہ بندہ اپنے کپڑوں کے اطراف (کناروں) کو زمین پر لٹکا دے جبکہ خود کھڑا ہو۔[2] یہ اَہْلِ لغت کا مَذْہَب ہے جبکہ مُحَدِّثِین کرام کے نزدیک سدل سے مُرادیہ ہے کہ بندہ کپڑوں کو لحاف کی طرح لپیٹ لے اور اپنے ہاتھ بھی لباس کے اندر کر لے، پھر یونہی رُکُوع وسُجُود بجا لائے۔ (ایسا کرنا مَنع ہے) اس لیے کہ یہ یہود کا طریقہ ہے کہ وہ نَماز میں ایسا کرتے ہیں اور ان کی مُشابہَت اِخْتِیار کرنے سے مَنع کیا گیا ہے۔

قمیص کا بھی یہی حُکْم ہے کہ اگر قمیص کھلی ہو تو ہاتھوں کو اس میں چھپا کر رُکُوع و سُجُود نہ کرے، اگر اس

---

[1] ......اقعاء سے اس انداز میں بیٹھنا مراد ہے کہ سرین زمین پر ہوں اور گھٹنے کھڑے ہوں۔

(ردالمحتار، کتاب الصلاۃ، باب مایفسد الصلاۃ ومایکرہ فیہا، ۲/ ۴۹۵)

[2] ......یہاں سے کچھ عبارت کا ترجمہ متروک ہے جسے اہل علم احباب کے لئے کتاب کے آخر میں دے دیا گیا ہے۔

نے ہاتھ قمیص کے اندر کر کے سجدہ کیا تو یہ مکروہ ہے۔ سَدْل[1] کے مُتَعَلِّق عُلَمائے کِرام کا ایک تیسرا قول کچھ یوں مَنْقُول ہے کہ اس سے مُراد یہ ہے کہ چادَر کو سر پر اس طرح ڈالے کہ اس کی دونوں اطراف دائیں بائیں لٹک رہی ہوں اور کندھوں پر بالکُل نہ ہوں۔ یہ بعض مُتاَخِّرین عُلَمائے کِرام کا قول ہے مگر میرے نزدیک اس کی کوئی حَیْثِیَّت نہیں، بلکہ میں پہلے دونوں اَقْوال کو ہی پسند کرتا ہوں اور یہی مُتَقَدِّمِیْن عُلَمائے کِرام کا مَذْہَب ہے۔

کف ثوب سے بچنے کا حکم

کفِ ثوب (کپڑوں کو سمیٹنا) بھی نماز میں منع ہے[2] اور اس سے مُراد یہ ہے کہ جب سجدہ کرے تو سامنے یا پیچھے سے کپڑا اٹھالے۔ نیز میں اس بات کو بھی مَکْرُوہ سمجھتا ہوں کہ قمیص کے اوپر چادر لپیٹ لی جائے کہ یہ بھی کف ثوب کی ہی ایک صُورَت بنتی ہے اور حضرت سَیِّدُنا امام احمد بن حنبل رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ سے اس کی کراہیت مَرْوِی ہے۔ اَمِیْرُ الْمُؤمِنِین حضرت سَیِّدُنا عُمَر فَارُوق اَعْظَم رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہ کی اولاد میں سے کسی سے اس مُعَامَلے میں رُخصَت بھی مَرْوِی ہے کہ سرکارِ مدینہ، راحت قلب وسینہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے قمیص کے اوپر عمامے کا کمر بند باندھ کر نماز پڑھی۔ بسا اوقات سر کے بالوں میں بھی کف ہوتا ہے، لِہٰذا بالوں کا جوڑا بنا کر نماز نہ پڑھے۔[3]

سات اعضا پر سجدہ کرنا

اللہ پاک کے محبوب صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا فرمانِ عالیشان ہے: **مجھے حُکْم دیا گیا ہے کہ میں سات ۷ اَعْضا پر سجدہ کروں اور بالوں کا جوڑا باندھوں نہ لباس سمیٹوں۔**[4]

---

[1] ......احناف کے نزدیک سدل یہ ہے کہ کپڑے کو کندھے یا سر کے اوپر سے اس طرح لٹکانا کہ اس کے دونوں کنارے لٹکتے رہیں۔ (بحر الرائق، ۲/ ۳۴، ۲۲) اور یہ مکروہ تحریمی ہے۔ (ماخوذ از بہار شریعت، حصہ ۳، ۱/ ۶۲۴)

[2] ......بخاری، کتاب الاذان، باب السجود علی سبعۃ اعظم، ۱/ ۲۸۴، حدیث: ۸۰۹

[3] ......یہ حکم فقط مردوں کے لئے ہے عورتوں کے لئے جائز ہے۔ (ماخوذ از فتاوی رضویہ، ۷/ ۲۹۷)

[4] ......مسلم، کتاب الصلاۃ، باب اعضاء السجود... الخ، ص ۲۵۳، حدیث: ۴۹۰

اختصار و صلب کی ممانعت

سرورِ کائنات صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے نَماز میں اختصار[1] اور صلب سے بھی منع فرمایا ہے۔[2] اِختِصار سے مُراد یہ ہے کہ بندہ اپنے کولہے پر ہاتھ رکھ کر نَماز پڑھے اور صلب سے مُراد یہ ہے کہ دونوں کولہوں پر دونوں ہاتھ رکھنا اور حالَتِ قیام میں دونوں بازوؤں کے درمیان خالی جگہ چھوڑنا۔

سجدہ کیسے کرے؟

نَمازی کو چاہیے کہ سجدہ کرتے ہوئے زمین پر ہاتھوں سے پہلے گھٹنے رکھے اور چہرے سے پہلے ہاتھ رکھے۔ نیز پیشانی اور ناک پر سجدہ کرے کہ دونوں ایک عُضْو شُمار ہوتے ہیں۔ اٹھتے ہوئے پاؤں کے پنجوں پر اٹھے اور اگر کمزور ہو تو ہاتھوں سے زمین کا سہارا لے سکتا ہے۔

نماز میں دائیں بائیں دیکھنا کیسا؟

نَماز میں دائیں بائیں مڑے نہ دائیں بائیں (کن انکھیوں سے) دیکھے۔ اگر اس نے کچھ دیکھ بھی لیا تو اگرچہ یہ ہلکی بات ہے مگر (بہتر یہ ہے کہ) سجدہ کی جگہ پر نگاہیں رکھے۔ اگر ایسا بھی نہ کر سکے تو (کم از کم) اپنا منہ ہی قبلہ رُخ رکھے اور نَماز میں اپنے بدَن کی کسی شے سے نہ کھیلے۔ مَرْوِی ہے کہ حضرت سَیِّدُنا سعید بن مُسَیِّب رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ نَماز میں اپنی داڑھی سے کھیل رہا ہے تو اِرشاد فرمایا: اگر اس کے دل میں خُشُوع ہوتا تو اس کے اَعْضا و جَوارِح میں بھی خُشُوع ہوتا۔[3] ایک رِوایَت میں **اللہ** پاک کے پیارے حبیب صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے بھی اس کی مُمانَعَت مَرْوِی ہے۔[4]

---

1 ......ابوداود، کتاب الصلاۃ، باب الرجل یصلی مختصرا، ۱/۳۵۶، حدیث: ۹۴۷

مسلم، کتاب المساجد ومواضع الصلاۃ، باب کراھۃ الاختصار فی الصلاۃ، ص۲۷۶، حدیث: ۵۴۵

2 ......ابوداود، کتاب الصلاۃ، باب فی التخصر والاقعاء، ۱/۳۴۲، حدیث: ۹۰۳

نسائی، کتاب الافتتاح، باب النھی عن التخصر فی الصلاۃ، ص۱۵۵، حدیث: ۸۸۸

3 ......مصنف عبد الرزاق، کتاب الصلاۃ، باب العبث فی الصلاۃ، ۲/۱۷۳، رقم: ۳۳۱۶

4 ......نوادر الاصول، الاصل السابع والاربعون والمائتان، ۲/۱۰۰۷، حدیث: ۱۳۱۰

پانچ 5 کو پانچ 5 سے ملانا منع ہے

نَماز میں مُواصَلَت بھی مَنع ہے،(1) یعنی نَماز میں پانچ ۵ چیزوں کو باہم ملانا مَنع ہے، ان میں سے دو ۲ اِمام پر لازِم ہیں اور دو ۲ مُقْتَدِی پر جبکہ ایک دونوں پر لازِم ہے۔ امام پر یہ دو ۲ چیزیں لازِم ہیں: ﴿1﴾ وہ قراٰت کو تکبیرِ تحریمہ سے نہ ملائے (یعنی تکبیرِ تحریمہ کے فوراً بعد قراٰت نہ شروع کرے بلکہ پہلے ثناء اور تسمیہ و تعوُّذ بھی پڑھے) اور ﴿2﴾ وہ رُکُوع کو قراٰت سے نہ ملائے (یعنی قراٰت رُکُوع میں جا کر خَتْم نہ کرے)۔

مُقْتَدِی دو ۲ چیزوں کا خیال رکھے: ﴿1﴾ تکبیرِ تحریمہ کو امام کی تکبیرِ تحریمہ کے ساتھ نہ ملائے اور ﴿2﴾ اپنے سلام کو امام کے سلام کے ساتھ نہ ملائے۔ (یعنی امام کے تکبیر اور سلام شروع کرتے ہی یہ بھی تکبیر اور سلام نہ کہے، بلکہ تھوڑا سا تَوَقُّف اور اِحتیاط کرے) اور جو چیز امام اور مُقْتَدِی دونوں پر لازِم ہے وہ یہ ہے کہ فَرْض کے سلام کو نَفْل کے سلام کے ساتھ نہ ملائے، بلکہ دونوں کو جُدا جُدا رکھے(2)۔ مَنْقُول ہے کہ سلام میں اِحتیاط لازِم ہے جبکہ تکبیرِ تحریمہ میں یقین۔(3)

نماز میں سات 7 شیطانی چیزیں

ایک رِوایَت میں رسولِ اَکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے مَروِی ہے کہ نَماز میں سات ۷ چیزیں شیطان کی طرف سے ہیں:

﴿1﴾ نکسیر ﴿2﴾ اونگھ ﴿3﴾ وسوسہ ﴿4﴾ جمائی ﴿5﴾ کھجلی

---

1 ......جامع الاصول، الکتاب الاول فی الصلاۃ، الباب الاول، الفصل السادس، الفرع الثامن، ۵/۵۵۲، تحت الحدیث: ۳۷۵۶

2 ......اَحناف کے نزدیک فَرْض کی تحریمہ پر نَفْل نَماز کی بِنا کر سکتا ہے، مثلاً عشا کی چاروں رکعتیں پوری کر کے بے سلام پھیرے سنتوں کے لیے کھڑا ہو گیا، لیکن قصداً ایسا کرنا مَکْرُوہ و مَنْع ہے اور قصداً نہ ہو تو حَرَج نہیں، مثلاً ظہر کی چار ۴ رکعت پڑھ کر قعدۂ اخیرہ کر چکا تھا، اب خَیال ہوا کہ دو ۲ ہی پڑھیں اٹھ کھڑا ہوا اور پانچویں رَکْعَت کا سجدہ بھی کر لیا، اب مَعْلُوم ہوا کہ چار ۴ ہو چکی تھیں، تو یہ رَکْعَت نَفْل ہوئی، اب ایک اور پڑھ لے کہ دو ۲ رکعتیں ہو جائیں، تو یہ بنا بِالقصد نہ ہوئی، لہٰذا اس میں کوئی کراہت نہیں، (البتہ!) ایک نَفْل پر دوسری نَفْل کی بنا کر سکتا ہے اور ایک فَرْض کی دوسرے فَرْض یا نَفْل پر بنا نہیں ہو سکتی۔ (بہار شریعت، حصہ ۳، ۱/۵۰۰)

3 ......ترمذی، ابواب الصلاۃ، باب ما جاء ان حذف السلام سنۃ، ۱/۳۲۲، حدیث: ۲۹۷

《6》 اِدھر اُدھر دیکھنا 《7》 کسی چیز سے کھیلنا[1]

کسی نے ان سات ۷ چیزوں کے ساتھ سَہْو اور شک کا بھی اِضافہ کیا ہے۔[2]

نماز میں جفا والی چیزیں

کسی بُزُرگ سے مَنْقُول ہے کہ نماز میں چار ۴ چیزیں جفا سے ہیں:

《1》 اِدھر اُدھر دیکھنا 《2》 چہرہ ملنا 《3》 کنکر ہٹا کر جگہ ہموار و صاف کرنا 《4》 کسی ایسی جگہ نماز پڑھنا جہاں لوگ اس کے سامنے سے گزریں۔

کسی نے ان چار ۴ چیزوں کے ساتھ یہ اِضافہ کیا ہے کہ یہ بات بھی جفا میں سے ہے کہ بندہ دوسری صف میں نماز پڑھے جبکہ پہلی صف میں جگہ مَوجُود ہو۔

کس حالت و کیفیت میں نماز پڑھنا منع ہے؟

حاقِن،[3] حاقِب[4] اور حازِق[5] کو بھی نماز پڑھنے سے مَنْع کیا گیا ہے۔ حاقِن سے مُراد وہ شخص ہے جسے پیشاب کی حاجَت ہو۔ حاقِب سے مُراد وہ شخص ہے جسے پاخانہ کی حاجَت ہو۔ حازِق سے مُراد وہ شخص ہے جس کے موزے تنگ ہوں۔ جس میں ان تین ۳ حالتوں میں سے کوئی حالَت پائی جائے وہ نماز نہ پڑھے، اس لیے کہ یہ حالتیں اس کے دل کو مَشْغُول کر دیتی ہیں۔

---

[1] ......بخاری، کتاب الاذان، باب الالتفات فی الصلاۃ، ۱/۲۶۵، حدیث: ۷۵۱

ترمذی، کتاب الادب، باب ما جاء ان العطاس فی الصلاۃ من الشیطان، ۴/۳۴۴، حدیث: ۲۷۵۷

معجم کبیر، ۹/۵۳، حدیث: ۸۳۶۸

[2] ......بخاری، کتاب السھو، باب السھو فی الفرض والتطوع، ۱/۴۱۶، حدیث: ۱۲۳۲، نحوہ

[3] ......ابن ماجہ، کتاب الطھارۃ، باب ما جاء فی النھی للحاقن أن یصلی، ۱/۳۴۲، حدیث: ۶۱۷

ابوداود، کتاب الطھارۃ، باب ایصلی الرجل وھو حاقن؟، ۱/۶۲، حدیث: ۹۱

[4] ......مسلم، کتاب المساجد ومواضع الصلاۃ، باب کراھۃ الصلاۃ بحضرۃ الطعام... الخ، ص ۲۸۱، حدیث: ۵۶۰، نحوہ

معجم کبیر، ۲۰/۲۰، حدیث: ۲۲، نحوہ

[5] ......النھایۃ فی غریب الحدیث والاثر، حرف الحاء، باب الحاء مع الزای، حزق، ۱/۳۶۳

(صاحبِ کتاب فرماتے ہیں:) غصّے کی حالت میں، جسے کوئی اَہم مُعاملہ در پیش ہو اور جسے کوئی شدید و جائز حاجَت لاحِق ہو، ان حالتوں میں بھی مَیں نَماز پڑھنے کو مَکْرُوہ جانتا ہوں یہاں تک کہ اس کا دِل ان باتوں سے فارِغ ہو جائے اور اسے اطمینانِ قلب حاصِل ہو اور وہ نَماز کے لیے فارِغ ہو جائے۔

جس کے سامنے کھانا ہو اور اس کا دل اس کھانے کی طرف مائل ہو تو پہلے کھانا کھائے۔ جیسا کہ سرکارِ مدینہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا فرمانِ عالیشان ہے: جب رات کا کھانا سامنے آجائے اور نَماز کے قیام کا بھی وَقْت ہو جائے تو پہلے رات کا کھانا شروع کر دے۔[1] ہاں اگر وَقْت تنگ ہو یا سکونِ قلب کی دولت سے مالا مال ہو وہ پہلے نَماز ادا کر لے۔ اسی طرح ایک رِوایَت میں ہے کہ تم میں سے کوئی بھی ہر گز حالَتِ غَضَب میں نَماز شروع کرے نہ غصّے کی حالَت میں نَماز ادا کرے۔[2] حضرت سَیِّدُنا امام حسن رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں ہر وہ نَماز جس میں دِل حاضِر نہ ہو وہ سزا کی طرف جلدی لے جاتی ہے۔

فضائل و آدابِ نماز اور نمازی کے تزکیہ و اهل خشوع کی نماز کا بیان

آدابِ نماز کے متعلق فرامینِ باری تعالٰی

فرمانِ باری تعالٰی ہے:

وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِیْ ﴿۱۴﴾ (پ ۱۶، طٰہٰ: ۱۴) ترجمۂ کنزالایمان: اور میری یاد کے لیے نَماز قائم رکھ۔

ایک مَقام پر اِرشاد ہوتا ہے:

وَ لَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِیْنَ ﴿۲۰۵﴾ (پ ۹، الاعراف: ۲۰۵) ترجمۂ کنزالایمان: اور غافلوں میں نہ ہونا۔

ایک مَقام پر ہے:

[1] ......مسلم، کتاب المساجد و مواضع الصلاۃ، باب کراھۃ الصلاۃ بحضرۃ الطعام... الخ، ص ۲۸۰، حدیث: ۵۵۷

[2] ......اتحاف السادۃ المتقین، کتاب اسرار الصلاۃ، الباب الثانی، ۳/ ۱۴۴

لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ (پ۵، النسآء: ۴۳)

ترجمۂ کنزالایمان: نشہ کی حالت میں نماز کے پاس نہ جاؤ جب تک اتنا ہوش نہ ہو کہ جو کہو اسے سمجھو۔

(صاحبِ کتاب حضرت سَیِّدُنا شیخ ابو طالب مکی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں:) اس آیتِ مُبارَکہ میں ایک قول کے مُطابِق سُکٰرٰی سے مُراد دنیا کی مَحبَّت کا نشہ ہے جبکہ ایک قول کے مُطابِق یہاں اُمورِ دنیا میں کھو جانا مُراد ہے۔

ایک مقام پر اِرشاد ہوتا ہے:

اَلَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَآىِٕمُوْنَ ﴿۲۳﴾

ترجمۂ کنزالایمان: جو اپنی نماز کے پابند ہیں۔

(پ۲۹، المعارج: ۲۳)

فضائل نماز کے متعلق فرامینِ مصطفٰے

فرمانِ مصطفٰے صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم ہے: جس نے دو ۲ رَکعت نَفل اس طرح ادا کئے کہ ان میں کسی دُنیاوِی شے کا خَیال اس کے دل میں نہ آیا تو اس کے گزشتہ گناہ بخش دیئے جائیں گے۔[1]

ایک رِوایَت میں ہے کہ **اللہ** پاک کے پیارے حبیب صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اِرشاد فرمایا: بے شک نماز سُکون، عاجزی، گڑگڑانے، خوف اور نَدامت کا نام ہے اور یہ کہ تو ہاتھ اٹھا کر یوں کہے: "اَللّٰھُمَّ" اور جو ایسا نہ کرے تو اس کی نماز ناقص ہے۔[2]

کس کی نماز مقبول ہے؟

پہلی کتابوں میں فرمانِ باری تعالیٰ ہے: میں ہر نَمازی کی نَماز قبول نہیں کرتا بلکہ میں صِرف اسی کی نَماز قبول کرتا ہوں جو میری عَظَمت کی وجہ سے عاجِزی کرے اور میرے سامنے تکبُّر نہ کرے اور میری رضا کے لئے فقیر کو کھانا کھلائے۔[3]

---

[1] ......بخاری، کتاب الوضوء، باب الوضوء ثلاثاً ثلاثاً، ۱/ ۷۸، حدیث: ۱۵۹

[2] ......ترمذی، ابواب الصلاۃ، باب ماجاء فی التخشع فی الصلاۃ، ۱/ ۳۹۴، حدیث: ۳۸۵

ابوداود، کتاب التطوع، باب فی صلاۃ النھار، ۲/ ۴۳، حدیث: ۱۲۹۶

[3] ......المجروحین لابن حبان، باب العین، ۱/ ۵۲۴، رقم: ۵۵۵: عبد اللہ بن واقد الحرانی

پہلا ادب: نماز میں خشوع کیسا ہو؟

(صاحبِ کتاب حضرت سَیِّدُنا شیخ ابو طالب مکّی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں:) نماز پڑھنے لگیں تو آپ کو یہ مَعْلُوم نہ ہو کہ آپ کے دائیں بائیں کون ہے، بلکہ آپ کی توجُّہ اپنے رب کی بار گاہ میں کھڑے ہوتے وَقت اپنے نامۂ اَعمال پر ہونی چاہیے۔ کیونکہ اللہ پاک کے دَرْج ذیل فرمانِ عالیشان کی تفسیر میں یہی مَرْوِی ہے:

الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۙ﴿۲﴾ ترجمۂ کنزالایمان: جو اپنی نماز میں گڑگڑاتے ہیں۔

(پ ۱۸، المؤمنون: ۲)

حضرت سَیِّدُنا سعید بن جُبَیر رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں کہ 40 سال سے نماز پڑھتے ہوئے مجھے یہ مَعْلُوم نہ ہوا کہ میرے دائیں بائیں کون ہے، جب سے میں نے حضرت سَیِّدُنا ابنِ عبّاس رَضِیَ اللہُ عَنْہُمَا کا یہ فرمان سنا ہے کہ نماز میں خُشُوع یہ ہے کہ نمازی کو یہ مَعْلُوم نہ ہو اس کے دائیں بائیں کون ہے۔

حضرت بِشْر بن حارِث رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ سے مَرْوِی ہے کہ حضرت سَیِّدُنا سُفْیان ثَوری رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں: جس نے (نماز کے دوران) خُشُوع کا اِہتمام نہ کیا اس کی نماز فاسد ہے۔

حضرت سَیِّدُنا مُعاذ بن جبل رَضِیَ اللہُ عَنْہ سے مَرْوِی ہے کہ جو حالَتِ نماز میں دائیں بائیں والے کو قصداً پہچانے اس کی کوئی نماز نہیں۔ حضرت سَیِّدُنا بِشْر بن حارِث رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ اور سُفْیان ثَوری رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ سے بھی اس قِسْم کا قول مَنْقُول ہے۔ چُنَانْچِہ حضرت سَیِّدُنا سُفْیان ثَوری رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ سے مَرْوِی ہے کہ جس نے دیوار یا چٹائی پر لکھا ہوا کوئی کلمہ دورانِ نماز پڑھا اس کی نماز باطِل ہوگئی۔ جبکہ حضرت سَیِّدُنا بِشْر حافی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ دورانِ نماز ایک عَمَل ہے۔

دوسرا ادب: دوامِ نماز سے مراد

نماز میں دوام سے مُراد یہ ہے کہ نماز کو سُکُون سے ادا کیا جائے، کیونکہ ایک قول کے مُطابِق اس فرمانِ باری تعالیٰ ﴿ الَّذِیْنَ هُمْ عَلٰی صَلَاتِهِمْ دَآىٕمُوْنَ ﴿۲۳﴾ (پ ۲۹، المعارج: ۲۳) ﴾ کی تفسیر میں مَنْقُول ہے کہ یہاں نماز میں سُکُون و اطمینان مُراد ہے۔

بروزِ قیامت لوگوں کے اٹھنے کی حالت

کسی صحابی کا فرمان ہے کہ بروزِ قیامت لوگ اس ھَیْئَت پر اُٹھائے جائیں گے جو اس کی نماز میں ہوتی تھی، یعنی انہیں نماز میں جس قَدْر اطمینان و سُکون اور لذّت و سُرُور حاصِل ہوتا ہے اسی کے مُطابِق ان کا حشر ہو گا۔

مزید آداب

- اس کے بعد دل کو اس بات کی طرف مُتَوَجِّہ کرے کہ زبان کیا کہہ رہی ہے؟
- تواضُع کو اپناتے ہوئے دل میں خُشُوع و خُضُوع پیدا کرے۔
- دیگر جسمانی اَعضا کو بھی ھَیْبَتِ اِلٰہی کی وجہ سے پُر سُکون رکھے۔
- ترتیل کے ساتھ (یعنی خوب ٹھہر ٹھہر کر) قرآنِ کریم پڑھے۔
- قرآنِ کریم کے مَعانی میں غور و فِکر کرے، مگر بارگاہِ خداوندی میں اس کے کلام کو سمجھنے اور اس کی مُراد سے آگاہی پانے کے لیے اپنے عِجز کا خُوب اِظْہار کرے، نیز **کتابُ اللہ** میں مَوجُود مَخْفِی رازوں سے آگاہی پانے کے لیے بھی اپنی طَلَب میں سچی رَغْبَت ظاہِر کرے۔
- اگر کوئی رَحْمَت کے مضمون پر مَبْنِی آیتِ مُبارَکہ تِلاوَت کرے تو رَحْمَت کا سوال کرے اور اپنی رَغْبَت ظاہِر کرے اور اگر کوئی ایسی آیت پڑھے جس میں عذاب کا تَذْکِرہ ہو تو ڈرے اور پناہ مانگے۔ اگر کوئی ایسی آیت پڑھے جس میں **اللہ** پاک کی تسبیح و تحمید اور عَظَمَت مَذْکُور ہو تو حمد و ثنا اور تسبیح و تحمید بیان کرے۔

نوٹ: اگر یہ سب کچھ زبان سے بیان کرے تو اچھا ہے اور اگر دل میں پڑھے اور مَقْصُود دیگر خیالات سے چھٹکارا پانا ہو تو اس کا ایسا کرنا زبان سے پڑھنے کے قائِم مَقام ہے۔[1]

(صاحِبِ کتاب حضرت سَیِّدُنا شیخ ابُو طالِب مَکّی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں:) بندے کا اپنا **فَقْر** ظاہر کرنا بھی سوال

---

[1] ......احناف کے نزدیک امام چاہے بلند آواز سے قراءت کرے یا آہستہ مقتدی کو بہر صورت خاموش رہنا واجب ہے۔ (ماخوذ از بہار شریعت حصہ ۳، ۱/۵۱۹) فرض نماز میں آیت ترغیب (جس میں ثواب کا بیان ہے) و ترہیب (جس میں عذاب کا ذکر ہے) پڑھے تو مقتدی و امام اس کے ملنے اور اس سے بچنے کی دُعا نہ کریں، نوافل با جماعت کا بھی یہی حکم ہے، ہاں نفل تنہا پڑھتا ہو تو دُعا کر سکتا ہے۔ (ماخوذ از بہار شریعت حصہ ۳، ۱/۵۴۸)

ہے، کیونکہ دَرجِ ذیل فرمانِ باری تعالیٰ کی دو ۲ میں سے ایک توجیہ کچھ یونہی بیان کی گئی ہے:

یَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖؕ اُولٰٓىٕكَ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖؕ (پ ۱، البقرة: ۱۲۱) ترجمۂ کنزالایمان: وہ جیسی چاہیے اس کی تلاوت کرتے ہیں وہی اس پر ایمان رکھتے ہیں۔

تِلاوَت میں صحابہ کرام کا یہی وَصف تھا۔

☜ بہتر یہ ہے کہ اَرکانِ نَماز میں سے ہر رُکن کی ادائیگی کے وَقْت نَمازی کا دل اسی رُکن میں مگن ہو اور اس کے دل میں پیدا ہونے والے خیالات مُناجات کے ہر ہر معنٰی کے ساتھ مُعَلَّق ہوں۔

تکبیر تحریمہ کا مفہوم

☜ جب نَمازی **اَللّٰهُ اَكْبَرُ** کہے تو اس کے دل میں **اللہ** پاک سے بڑھ کر کسی کا خَیال نہ ہو، بشرطیکہ وہ جو کہہ رہا ہے اسے سمجھ بھی رہا ہو، کیونکہ **اَللّٰهُ اَكْبَرُ** کا مَطْلَب ہے وہ رب اپنے سوا ہر ایک سے بڑا ہے، یہی وجہ ہے کہ اس کے مُتَعَلِّق یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ **اَكْبَرُ مِنْ صَغِیْرٍ** یعنی وہ صغیر (چھوٹے) سے بڑا ہے، بلکہ اس کے مُتَعَلِّق کہا جائے گا کہ وہ **اَكْبَرُ مِنْ كَبِیْرٍ** یعنی وہ کبیر (بڑے) سے بڑا ہے۔ اس لیے کہ کہا جاتا ہے کہ یہ کبیر ہے اس سے مُراد یہ ہے کہ یہ بڑا ہے مگر جب کہا جاتا ہے کہ یہ اکبر ہے تو اس سے مُراد یہ ہوتی ہے کہ یہ سب سے بڑا ہے۔ اگر بندے کے تمام خَیالات میں اس کا رب بسا ہوا ہو تو اب اس کا ذِکرِ اِلٰہی کرنا اس کے دل میں **اللہ** پاک کے سب سے بڑے ہونے کی عَلامَت ہے، چُنَانچہ اس صُورَت میں اس کا دل اس کے رب کے اس فرمانِ عالیشان کے مُوافِق ہو جائے گا:

وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُؕ (پ ۲۱، العنکبوت: ۴۵) ترجمۂ کنزالایمان: اور بے شک **اللہ** کا ذِکر سب سے بڑا۔

اس حالَت میں اس کی زبان بھی مُشاہَدۂ باری تعالیٰ میں اس کے دل کی مُوَافَقَت کرے تو گویا وہ (اپنے رب کے جلووں کا) مُشاہدہ کرتے ہوئے تِلاوَت کر رہا ہے، کیونکہ **اللہ** پاک نے بھی اپنے دَرجِ ذیل فرمانِ عالیشان میں آنکھ کو زبان سے پہلے ذِکر کیا ہے:

اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَیْنَیْنِۙ(۸) وَ لِسَانًا وَّ شَفَتَیْنِۙ(۹) (پ ۳۰، البلد: ۸، ۹) ترجمۂ کنزالایمان: کیا ہم نے اس کی دو آنکھیں نہ بنائیں اور زبان اور دو ہونٹ۔

لِہٰذا زبان کو اس قَدْر آگے نہ بڑھائے کہ نِگاہ پیچھے رہ جائے۔

☜ اس کا عقیدہ (نِیّت) ان کلمات کے مُطابِق ہو جو وہ نَماز کے دوران زبان سے کہے، یہاں تک کہ زبانِ حال سے جو کچھ کہہ رہا ہو اس پر عَمَل کرنے والا بھی ہو، کہ اللہ پاک نے اس پر حجت قائم کرتے ہوئے اور مُتَنَبِّہ کرتے ہوئے اسے ایسا کرنے کا حُکْم دیا ہے۔

تکبیرِ تحریمہ میں نیت کیا ہو؟

☜ نَمازی زبان سے **اَللّٰهُ اَكْبَرُ** اس طرح نہ کہے گویا یہ کسی کی نَقْل کر رہا ہے، نہ اس طرح کہے گویا وہ کسی کو یہ خَبَر دے رہا ہو کہ **اللہ** پاک سب سے بڑا ہے، بلکہ اس کے دل میں **اَللّٰهُ اَكْبَرُ** کا مفْہُوم و معنٰی اس قَدْر پختہ ہو کہ اس کا دل بھی اس کی گواہی دے، اس لیے کہ عارِفین کے نزدیک ایسا کرنا واجِب ہے، کیونکہ اِیمان سے مُراد ہر شے میں قول و عَمَل کا یکجا ہونا ہے۔ چُنانْچِہ جب آپ **اَللّٰهُ اَكْبَرُ** کہیں گے تو اس پر عَمَل یہ ہو گا کہ آپ کے دِل میں بھی یہ بات ہو کہ **اللہ** پاک واقعی سب سے بڑا ہے۔ یہی وَعْدے کی پاسداری ہے تاکہ آپ دَرْجِ ذیل فرمانِ باری تعالٰی میں مَذْکُور مَدْح و ثَنا کے حَق دار بن جائیں:

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ﴿۳۲﴾ (پ ۲۹، المعارج: ۳۲)

ترجمۂ کنز الایمان: اور وہ جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کی حِفَاظَت کرتے ہیں۔

عَہْد وہ ہے جو آپ نے زبان سے کیا اور اس عَہْد کی حِفَاظَت یہ ہے کہ آپ دِل سے اس وَعْدے کی پاسداری کا خَیال رکھیں تاکہ اَجرِ عظیم کے حَق دار ٹھہریں۔ جیسا کہ فرمانِ باری تعالٰی ہے:

وَمَنْ اَوْفٰى بِمَا عٰهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ فَسَيُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۰﴾ (پ ۲۶، الفتح: ۱۰)

ترجمۂ کنز الایمان: اور جس نے پورا کیا وہ عہد جو اس نے **اللہ** سے کیا تھا تو بہت جلد **اللہ** اُسے بڑا ثواب دے گا۔

جس نے دل میں دنیا کے کسی فانی اور چھوٹے سے بادشاہ کو **اللہ** ربِّ اکبر سے بڑا خَیال کیا تو گویا اس نے اپنے **اَللّٰهُ اَكْبَرُ** کے قول پر عَمَل نہیں کیا اور یہ اِیمان کی حقیقت نہیں، کیونکہ اس نے قول و عَمَل کو یکجا نہیں کیا، بلکہ صِرف زبان سے اِقْرار کیا، بلاشبہ یہ شخص مُشاہَدۂ آخِرَت کو چھوڑ کر اپنے نَفْس کی خواہشات پوری

کرنے میں مصروف ہے، حالانکہ اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک آخرت تھی۔ جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

مَاعِنۡدَکُمۡ یَنۡفَدُ (پ ۱۴، النحل: ۹۶) ترجمۂ کنزالایمان: جو تمہارے پاس ہے ہو چکے گا۔

یعنی تمہارے پاس جو دنیا کا سامان ہے وہ خَتم ہو جائے گا۔

وَمَاعِنۡدَاللّٰہِ بَاقٍ (پ ۱۴، النحل: ۹۶) ترجمۂ کنزالایمان: اور جو اللہ کے پاس ہے ہمیشہ رہنے والا ہے۔

یعنی جو اللہ پاک کے پاس آخرت ہے وہ ہمیشہ رہنے والی ہے۔

آنکھوں کی ٹھنڈک

رسولِ پاک صَلَّی اللہُ عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا فرمانِ عالیشان بھی ہے کہ میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے۔[1]

(صاحبِ کتاب حضرت سَیِّدُنا شیخ ابُو طالِب مَکّی رَحۡمَۃُ اللہِ عَلَیۡہ فرماتے ہیں) ایسا آپ صَلَّی اللہُ عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اس لیے اِرشاد فرمایا کیونکہ نماز میں آپ صَلَّی اللہُ عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم اپنے پروردگار پاک کی بارگاہ میں حاضر ہوتے تو اپنی آنکھوں کو اس کے دیدار سے ٹھنڈا کرتے۔ اس کے عِلاوہ فرمانِ باری تعالیٰ بھی ہے:

وَلَذِکۡرُاللّٰہِ اَکۡبَرُ (پ ۲۱، العنکبوت: ۴۵) ترجمۂ کنزالایمان: اور بے شک اللہ کا ذِکر سب سے بڑا۔

اَلۡغَرَض جس ہستی کا ذِکر کیا جائے وہ سب سے بڑی اور یقیناً اللہ پاک سب سے بڑا ہے اور ایک مقام پر اللہ پاک نے یہ خَبر بھی دی ہے کہ نماز سے مُراد ذِکرِ خداوندی ہے۔ جیسا کہ اِرشاد ہوتا ہے:

وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکۡرِیۡ ﴿۱۴﴾ (پ ۱۶، طٰہٰ: ۱۴) ترجمۂ کنزالایمان: اور میری یاد کے لیے نماز قائم رکھ۔

اسی مَفۡہُوم میں یہ فرمانِ مصطفٰے صَلَّی اللہُ عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم بھی ہے: بے شک نماز کی فَرۡضِیَّت، حج و طواف کا حُکم اور مَناسِکِ حج کی ادائیگی ذِکرِ خُداوندی قائم رکھنے کے لئے ہے۔ لہٰذا جب تمہارے دل میں اللہ پاک کی ہی عَظَمت وھَیۡبَت نہ ہو جو کہ مَقۡصُود و مَطۡلُوب ہے تو پھر تمہارے ذِکر کی قیمت کیا رہ جائے گی۔[2]

---

[1] ......نسائی، کتاب عشرۃ النسآء، باب حب النسآء، ص ۶۴۴، حدیث: ۳۹۴۶

[2] ......ابوداود، کتاب المناسک، باب فی الرمل، ۲/ ۲۶۰، حدیث: ۱۸۸۸، دون ذکر الصلاۃ

ترمذی، کتاب الحج، باب ماجاء کیف ترمی الجمار، ۲/ ۲۶۰، حدیث: ۹۰۳، دون ذکر الصلاۃ

ایک رِوایت میں ہے کہ آپ نے حضرت سَیِّدُنا اَنَس بن مالِک رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہ سے اِرشَاد فرمایا: جب نَماز پڑھو تو اس طرح پڑھو گویا اپنے نَفْس کو رُخصت کر رہے ہو۔[1] یعنی اس شخص کی طرح نَماز پڑھو جو اپنے نَفْس، اپنی خواہشات اور اپنی عمر کو اَلْوَدَاع کہتا ہوا اپنے مالِک کی بارگاہ میں حاضِر ہوتا ہے۔ جیسا کہ اس کا فرمانِ عالیشان ہے:

یٰۤاَیُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلٰقِیْهِۚ(۶) (پ ۳۰، الانشقاق: ۶)

ترجمۂ کنز الایمان: اے آدمی بے شک تجھے اپنے رب کی طرف یقینی دوڑنا ہے پھر اس سے ملنا۔

اسی طرح ایک مقام پر اِرشَاد ہوتا ہے:

وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُؕ (پ ۲، البقرۃ: ۲۲۳)

ترجمۂ کنز الایمان: اور **اللہ** سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ تمہیں اس سے ملنا ہے۔

گناہوں سے بچاؤ کے ذرائع

رسولِ پاک صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا فرمانِ عالیشان ہے: میری آنکھوں کی ٹھنڈک نَماز میں رکھی گئی ہے۔[2] یہی وجہ ہے کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم اپنے ربِّ اَکْبَر پاک کا نَماز میں دیدار کرتے اور اپنی آنکھوں کو ٹھنڈا کرتے اور اِرشَاد فرماتے: جسے اس کی نَماز بے حیائی اور بُرے کاموں سے نہ روکے اس کی **اللہ** پاک سے دُوری میں اِضافہ ہی ہو گا۔[3] اسی طرح آپ نے یہ بھی اِرشَاد فرمایا ہے کہ جس نے جھوٹ اور خیانت کو تَرْک نہ کیا تو **اللہ** پاک کو اس کے (روزے کی حالت میں) کھانا پانی چھوڑنے کی کوئی حاجت نہیں۔[4]

(صاحبِ کتاب حضرت سَیِّدُنا شیخ ابو طالب مکی رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں:) آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے یہ اِرشَاد فرمانے کی وجہ یہ ہے کہ نَماز اور روزہ سے مُراد ہی گناہوں سے بچنا ہے۔

تکمیلِ نماز کا توجہ طلب پہلو

نَماز ادا کرنے اور اسے مکمَّل کرنے کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ نَماز کا وَقْت شروع ہونے سے پہلے

[1] ......کتاب المعجم لابن الاعرابی، ۳/ ۸۹۳، حدیث: ۱۸۶۴ - ابن ماجہ، کتاب الزھد، باب الحکمۃ، ۴/ ۴۵۵، حدیث: ۴۱۷۱

[2] ......نسائی، کتاب عشرۃ النسآء، باب حب النسآء، ص ۶۴۴، حدیث: ۳۹۴۶

[3] ......تفسیر الطبری، سورۃ العنکبوت، تحت الآیۃ: ۴۵، ۱۰/ ۱۴۵، حدیث: ۲۷۷۸۵ - معجم کبیر، ۱۱/ ۴۶، حدیث: ۱۱۰۲۵

[4] ......بخاری، کتاب الصوم، باب من لم یدع قول الزور... الخ، ۱/ ۶۲۸، حدیث: ۱۹۰۳ دون ذکر الخیانۃ

ہی وُضُو کر لیا جائے۔ تاکہ بندہ اَوّل وَقْت میں کسی اور کام میں مَشْغُول نہ ہو جائے۔ نیز بہتر یہ ہے کہ اس کا دِل اس کے خَیال میں ہو اور اس کا خَیال اپنے ربّ تعالیٰ کے ساتھ ہو جبکہ اس کا پروردگار پاک اس کے دِل میں ہو۔ لہٰذا وہ اس کی طرف یعنی اس کے کلام پر نَظَر رکھے، اسی کے خِطاب کے ذریعے اس سے ہم کلام ہو، اس کی مُناجات میں خوب زاری سے کام لے اور اس کی صِفات سے اس کے عِرفان کی دولت حاصِل کرے۔

کلام خداوندی کے متعلق کچھ باتیں

کلامِ خُداوندی کا ہر کَلِمَہ کسی اِسْم یا وَصْف یا خُلْق یا حُکْم یا اِرادے یا فِعْل کا مفْہُوم رکھتا ہے، کیونکہ کلمات ہی اَوصاف کے مَعَانی و مَفَاہیم بتاتے اور مَوْصُوف پر دَلَالت کرتے ہیں۔ جبکہ خِطاب کا ہر کَلِمَہ عارِف کو دس ایسی جِہات کی طرف مُتَوجّہ کرتا ہے کہ ان میں سے ہر جِہَت ایک مَقام اور کئی مُشاہَدات کی حامِل ہوتی ہے۔

چُنَانْچِہ سب سے پہلی جِہَت یہ ہے:

- اس کے ہر کَلِمَہ پر ایمان لائے۔
- اس کی ہر بات مانے۔
- اس کی بارگاہ میں توبہ کرے۔
- صَبْر کا دامَن تھامے رکھے۔
- ہر حُکْم پر راضی رہے۔
- اس (کی خُفیہ تدبیر) سے ڈرے۔
- اس کی (رَحْمت سے ہر دَم) اُمّید رکھے۔
- اس (کی نعمتوں پر اس) کا شُکْر بجالائے۔
- اس سے مَحبَّت رکھے۔
- اس پر تَوَکُّل رکھے۔

یہ دس مَقامات ہی مَقاماتِ یقین ہیں، کیونکہ ہر کَلِمَہ حَقُّ الْیَقِیْن ہے اور یہ تمام مَعانی و مَفَاہیم ہر کلمہ میں پوشیدہ ہیں، اَہْلِ مُناجات ان کا مُشاہَدہ کرتے اور عُلَمائے رَبّانِیِّیْن ان کی مَعْرِفَت رکھتے ہیں، اس لیے کہ مَحْبُوب کا کلام دِلوں کی حَیات و زِنْدَگی ہے اور اس سے صِرف زِندہ دِل لوگوں کو ہی ڈرایا جاتا ہے اور اس سے زِنْدَگی بھی صِرف وُہی پاتا ہے جو اسے دِل سے قبول کرتا ہے۔ جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّ قُرْاٰنٌ مُّبِیْنٌ ﴿۶۹﴾ لِّیُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَیًّا (پ۲۳، یٰس: ۶۹، ۷۰)

ترجمۂ کنزالایمان: وہ تو نہیں مگر نصیحت اور روشن قرآن کہ اسے ڈرائے جو زندہ ہو۔

ایک مَقام پر اِرشاد ہوتا ہے:

اِسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا یُحْیِیْكُمْ ۚ (پ ۹، الانفال: ۲۴)

ترجمۂ کنزالایمان: **اللہ** و رسول کے بلانے پر حاضر ہو جب رسول تمہیں اس چیز کے لئے بلائیں جو تمہیں زندگی بخشے گی۔

یہ دس مُشاہدات صرف اسے ہی حاصل ہو سکتے ہیں جو سورۂ اَحزاب میں مَذکور، دس مقامات سے گزر چکا ہو۔ چُنَانْچِہ ان میں سے پہلا مقام مسلمین کا ہے اور آخِری ذاکرین کا۔ مقامِ ذِکر کے بعد ان دس مُشاہدات کی باری آتی ہے، اس وَقْت قَلْب کی صفائی کے پائے جانے کی وجہ سے مُناجات میں مَلال واُکتاہَٹ کا تصوُّر خَتْم ہو جاتا ہے اور بندے پر لذّت و فَہم کلام کی بدولت قیامِ شَب گراں نہیں گزرتا، بلکہ رَحمت کے قُرب کی وجہ سے اس پر قِیام کرنا آسان ہو جاتا ہے اور وہ عِتاب کے بجائے حَلاوَت ولذّتِ قُرب کی نِعْمَت پاتا ہے، اس وَقْت تِلاوَت میں اس کا لمبا قِیام خَتْم ہو جاتا ہے اور وہ کچھ نہیں پاتا جیسا کہ نَماز میں قبلہ اَوجھل ہو جائے اور وہ (دیدارِ باری تعالیٰ کے جلووں میں گم ہو کر) اسے نہ دیکھے، حالانکہ قبلہ بِالْکُل اس کے سامنے ہی ہو۔ اسی طرح قِیام کی کَیْفِیَّت ہے کہ بندہ اس کی اَدائیگی میں اس طرح مَصْرُوف ہوتا ہے کہ اسے اپنے ربّ تعالیٰ کی مَعِیَّت حاصل ہوتی ہے۔

صاحب یقین کی نماز

(صَاحِبِ کِتاب حضرت سَیِّدُنا شیخ ابو طالب مکّی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں:) مجھے کسی نے بتایا ہے کہ جب کوئی صاحِبِ یقین نَماز کے لیے وُضُو کرتا ہے تو شیاطین اس سے ڈر کر زمین کے اَطراف میں بھاگ جاتے ہیں، کیونکہ وہ ملکِ اَکبر پاک کی بارگاہ میں حاضِری کی تیّاری کر رہا ہوتا ہے۔ چُنَانْچِہ جب وہ تکبیر کہتا ہے تو اِبلیس لعین بھی اس سے چھپ جاتا ہے، یہی نہیں بلکہ اس صاحِبِ یقین اور اِبلیس لعین کے درمیان اس قَدر پردے حائل کر دیئے جاتے ہیں کہ وہ اسے دیکھ ہی نہیں پاتا اور یوں وہ جبّار تعالیٰ کی بارگاہ کی طرف ہمہ تَن مُتوجِّہ ہو جاتا ہے۔ لہٰذا جب وہ **اَللّٰہُ اَکْبَر** کہتا ہے تو ایک فرشتہ اس کے دل میں جھانکتا ہے اور جب اس کے دل میں **اللہ** پاک سے بڑھ کر کسی کو نہیں پاتا تو کہتا ہے: (اے بندۂ خدا!) تو نے سچ کہا۔ **اللہ** پاک تیرے دِل میں ویسا ہی ہے جیسا تو نے زبان سے کہا ہے۔ پھر اس کے دِل میں ایک ایسا نُور پیدا ہوتا ہے جو **مَلَکُوتِ عَرْش** سے جا ملتا ہے، چُنَانْچِہ اس نُور کی بَرَکت سے آسمان و زمین کے **مَلَکُوت** (یعنی آسمان و زمین کی ساری بادشاہی) اس پر مُنْکَشِف

ہوتے ہیں اور اس کے لیے اس نُور کے برابر نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔

غافل کی نماز

(صاحِبِ کتاب حضرت سیِّدُنا شیخ ابُو طالب مکی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں:) مزید یہ بھی بتایا کہ جب کوئی غافل و جاہل شخص وُضُو کے لیے کھڑا ہوتا ہے تو شیاطین اسے اس طرح گھیر لیتے ہیں جیسا کہ مکھیاں شہد پر گرتی ہیں، جب وہ تکبیر کہتا ہے اور فرشتہ اس کے دل میں جھانکتا ہے تو دیکھتا ہے کہ اس کے دل میں تو ہر شے **اللہ** پاک سے بڑی ہے، لہٰذا وہ اسے کہتا ہے: تو جھوٹا ہے، تیرے دل میں **اللہ** پاک کا مقام وہ نہیں جیسا تو زبان سے کہہ رہا ہے۔ چُنانچہ اس کے دل پر ایسا دھواں چھا جاتا ہے جو آسمان کے کناروں تک جا پہنچتا ہے اور اس کے دل پر حِجاب بن جاتا ہے۔ پھر یہ حِجاب اس کی نماز کو لوٹا دیتا ہے اور شیطان اس کے دل کو نگل جاتا ہے، وہ اس کے دل میں پھونکیں مارتا رہتا ہے اور مسلسل وسوسے ڈالتا رہتا ہے اور اس کے لیے ہر شے کو آراستہ و پیراستہ کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ نماز سے نکل جاتا ہے اور اسے مَعْلُوم نہیں ہو پاتا کہ وہ کیا کر رہا ہے؟ جیسا کہ **فرمانِ مصطفےٰ** صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم ہے: اگر شیاطین لوگوں کے دلوں کے گرد نہ گھوم رہے ہوتے تو وہ آسمان کی ساری بادشاہی دیکھ لیتے۔[1]

دورانِ نماز تھوکنا کیسا؟

ایک رِوایت میں ہے کہ تاجدارِ رِسالت صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے قبلہ کی جانِب بَلْغَم پڑے دیکھا تو بَہُت زیادہ ناراضی کا اِظْہار فرمایا، پھر اسے دَستِ اَقْدَس میں مَوجُود کھجور کی ایک شاخ سے رگڑ کر اِرشاد فرمایا: عبیر (چند خوشبوؤں کا مجموعہ) لاؤ۔ خوشبو لائی گئی تو آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اسے زَعْفَران میں مِلا کر اس بلغم کے نِشان پر اس خوشبو کو مَل دیا۔ اس کے بعد صحابہ کرام کی طرف مُتَوَجِّہ ہو کر اِرشَاد فرمایا: تم میں سے کون ہے جو یہ پسند کرتا ہے کہ اس کے چہرے پر تھوکا جائے؟ انہوں نے عَرْض کی: ہم میں سے کوئی بھی یہ پسند نہیں کرتا۔ تو آپ نے اِرشَاد فرمایا: جب تم میں سے کوئی نماز شروع کرتا ہے تو اس کا پروردگار پاک اس کے اور

---

[1] ......مصنف ابن ابی شیبة، کتاب المغازی، حدیث المعراج حین أسري بالنبي علیه السلام، ۸/۴۴۶، حدیث: ۵، بتغیر

مسند احمد، مسند ابی ھریرة، ۳/۲۶۹، حدیث: ۸۶۴۸، بتغیر

قبلہ کے درمیان ہوتا ہے۔[1]

ایک رِوایَت میں یہ اَلفاظ ہیں کہ وہ اپنے رب کے سامنے ہوتا ہے، لہٰذا تم میں سے کوئی بھی ہر گز اپنے سامنے تھوکے نہ دائیں طرف، بلکہ بائیں طرف یا بائیں پاؤں کے نیچے تھوک لے[2] اور اگر جلدی ہو تو اپنے کپڑے میں تھوک کر مل دے کہ یہ اسی کا ایک حِصّہ ہے۔[3]

حجاب کا اٹھنا

ایک رِوایَت میں ہے کہ بندہ جب نَماز میں کھڑا ہو کر **اَللّٰہُ اَکْبَر** کہتا ہے تو **اللہ** پاک اپنے فرشتوں سے اِرشَاد فرماتا ہے: میرے اور میرے بندے کے درمیان سے حِجاب اٹھا دو (تاکہ یہ بلا حِجاب میرا مُشاہَدہ کرے)۔ جب بندہ نماز میں بھول جاتا ہے یا اس کے دل میں کسی شے کا خَیال آتا ہے تو **اللہ** پاک اپنے فرشتوں سے اِرشَاد فرماتا ہے: میرے اور میرے بندے کے درمیان حجاب ڈال دو۔ پھر جب بندہ کسی اور طرف مُتوجّہ ہوتا ہے تو **اللہ** پاک اِرشَاد فرماتا ہے: اے میرے بندے! کس طرف مُتوجّہ ہو رہا ہے؟ جس طرف تو مُتوجّہ ہے میں اس سے بہتر ہوں۔[4]

نمازی کی نماز میں مختلف حالتیں

بندہ جب نَماز کی طرف مُتوجّہ ہوتا ہے تو گویا اس کا دل اس بات کا مُشاہَدہ کرتا ہے کہ وہ تمام جہانوں کے رب تَبارَکَ وَ تَعالٰی کی بارگاہ میں کھڑا ہے اور یہ 50 ہزار سالہ قِیامت کا دن ہے۔ پھر دیکھتا ہے کہ وہ ملک جبّار

[1] ......مسلم، کتاب الزھد والرقائق، باب حدیث جابر الطویل وقصة ابی الیسر، ص ۱۶۰۳، حدیث: ۳۰۰۸

ابو داود، کتاب الصلاة، باب فی کراھیة البزاق فی المسجد، ۱/ ۲۰۳، حدیث: ۴۷۹

[2] ......بخاری، کتاب الصلاة، باب حک البزاق بالید من المسجد، ۱/ ۱۵۹، حدیث: ۴۰۵، ۴۰۶

ابو داود، کتاب الصلاة، باب فی کراھیة البزاق فی المسجد، ۱/ ۲۰۴، حدیث: ۴۸۵

[3] ......بخاری، کتاب الصلاة، باب اذا بدرہ البزاق فلیاخذ بطرف ثوبه، ۱/ ۱۶۱، حدیث: ۴۱۷

ابو داود، کتاب الصلاة، باب فی کراھیة البزاق فی المسجد، ۱/ ۲۰۴، حدیث: ۴۸۵

[4] ......مسند بزار، مسند ابی ھریرة، ۱۶/ ۲۰۰، حدیث: ۹۳۳۲

کتاب الضعفاء للعقیلی، ۱/ ۸۳، رقم: ۷۳: ابراھیم بن یزید الخوزی مکی

تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہے، کیونکہ اس کا شُمار غافلین میں نہیں کہ یہ حُضُوری میں غائب رہے، بلکہ اس پر تو جَلَالَتِ خُداوندی کا رُعب طاری ہوتا، قریب تعالیٰ کی عَظَمت حاوی ہوتی اور رقیب تعالیٰ کی خَشِیَّت غالب ہوتی ہے۔ چُنانچہ جب وہ تِلاوَت کرتا ہے تو اس کا خَیال اس کے ربّ تعالیٰ کی مُراد پر ٹھہر جاتا ہے اور دِل اس مُراد کو سمجھنے میں مَصرُوف ہو جاتا اور سُرور پاتا ہے۔

رکوع میں جاتے اور اٹھتے وقت کی حالت

بندہ جب رُکُوع کرتا ہے تو اس کا دل عَظَمتِ باری تعالیٰ کی وجہ سے تعظیم بجالاتا ہے، اس وَقْت اس کے دل میں **اللہ** پاک وحدہٗ لاشریک سے بڑھ کر کوئی شے عَظَمت والی نہیں ہوتی۔ پھر رُکُوع سے سر اٹھاتا ہے تو مَحْمُود تعالیٰ کی حمد بجالاتا ہے اور وَدُوْد تعالیٰ کا شُکْر ادا کرتا ہے، تاکہ اس کے مزید کَرَم کا مُسْتَحِق ہو۔ اس وَقْت اس کا دل اپنے ربّ تعالیٰ کی رضا پر مُطْمَئِن ہوتا ہے، کیونکہ یہی حَمد کی حقیقت ہے۔

سجدہ کی حالت

پھر جب سجدہ کرتا ہے تو اس کا قَلْب اعلیٰ مَرَاتِب پر جا پہنچتا ہے اور **اللہ** پاک کے اس فرمانِ عالیشان کی وجہ سے قُرْب کی مَنْزِل پالیتا ہے:

وَاسۡجُدۡ وَاقۡتَرِبۡ ۩ ﴿۱۹﴾ (پ ۳۰، العلق: ۱۹)[1] ترجمۂ کنزالایمان: اور سجدہ کرو اور ہم سے قریب ہو جاؤ۔

[1] ......یہ آیتِ سجدہ ہے اور آیتِ سجدہ یا اس کا ترجمہ پڑھنے یا سننے سے سجدہ واجب ہو جاتا ہے۔ چنانچہ، **دعوتِ اسلامی** کے اشاعتی ادارے **مکتبۃ المدینہ** کی مطبوعہ **1250** صفحات پر مشتمل کتاب **بہارِ شریعت جلد اول صفحہ 728** پر صَدْرُ الشَّرِیْعَہ، بَدْرُ الطَّرِیْقَہ حضرت علامہ مولانا مفتی محمد امجد علی اعظمی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ نقل فرماتے ہیں: "آیتِ سجدہ پڑھنے یا سننے سے سجدہ واجب ہو جاتا ہے۔ سجدہ واجب ہونے کے لئے پوری آیت پڑھنا ضروری نہیں بلکہ وہ لفظ جس میں سجدہ کا مادہ پایا جاتا ہے اور اس کے ساتھ قبل یا بعد کا کوئی لفظ ملا کر پڑھنا کافی ہے۔" اور **صفحہ 730** پر فرماتے ہیں: "فارسی یا کسی اور زبان میں آیت کا ترجمہ پڑھا تو پڑھنے والے اور سننے والے پر سجدہ واجب ہو گیا، سننے والے نے یہ سمجھا ہو یا نہیں کہ آیتِ سجدہ کا ترجمہ ہے، البتہ یہ ضرور ہے کہ اسے نامعلوم ہو تو بتا دیا گیا ہو کہ یہ آیتِ سجدہ کا ترجمہ تھا اور آیت پڑھی گئی ہو تو اس کی ضرورت نہیں کہ سننے والے کو آیتِ سجدہ ہونا بتایا گیا ہو۔"

نوٹ: مزید تفصیل کے لئے بہار شریعت کے مذکورہ مقام کا **صفحہ 726 تا 739** کا یا **دعوت اسلامی** کے اشاعتی ادارے **مکتبۃ المدینہ** کے مطبوعہ **49 صفحات** پر مشتمل رسالے "**تلاوت کی فضیلت**" کا مطالعہ کیجئے۔

اہلِ مشاہدہ کے مقامات

سجدہ میں اَہلِ مُشاہدہ کے تین ۳ مَقامات ہیں:

﴾1﴿ ان میں سے کچھ اَہلِ مُشاہَدہ ایسے ہیں کہ جب سجدہ کرتے ہیں تو ان پر جَبَرُوتِ اعلیٰ مُنْکَشِف ہو جاتا ہے اور وہ قریب اللہ پاک کی بار گاہِ خاص تک رسائی پالیتے ہیں اور اس کے قُرب سے سرشار ہوتے ہیں۔ یہ مَحْبُوبِیْن میں سے مُقَرَّبِین کا مَقام ہے۔

﴾2﴿ کچھ ایسے ہیں کہ جب سجدہ کرتے ہیں تو انہیں مَلَکُوتِ عِزَّت کا مُکاشَفَہ حاصِل ہوتا ہے اور وہ قادِرِ مطلق اللہ پاک کے اَوصاف میں سے کسی وَصْف کو پا کر مٹّی پر سجدہ کرتے ہیں تو عزیز اللہ پاک کی بار گاہ میں حاضِری کی وجہ سے ان کے دل تواضُع اور عاجِزی واِنْکِسارِی سے لَبْرِیز ہوتے ہیں۔ یہ عابِدِین میں سے خائفین کا مَقام ہے۔

﴾3﴿ بعض ایسے ہیں کہ جب سجدہ کرتے ہیں تو ان کا دل آسمان و زمین کی بادشاہی میں گھومنے لگتا ہے، چُنانچِہ وہ عُمْدَہ فوائد پا کر بار گاہِ خُداوندی کی طرف مُتَوَجِّہ ہوتے ہیں اور اس کی مزید نعمتوں کے عجائبات دیکھتے ہیں۔ یہ طَالِبِیْن میں سے صادِقین کا مَقام ہے۔

﴾4﴿ ان کی ایک چوتھی قسم بھی ہے جو خاص قابِلِ ذِکْر ہے نہ کسی مَدح و تعریف کے لائق۔ اس سے مُراد وہ لوگ ہیں جن کی سوچ صِرف انہی چیزوں کے گِرد گھومتی رہتی ہے جو انہیں ان کے ربّ تعالیٰ نے عَطا کی ہیں، ان کے اعلیٰ مُشاہَدات پر پَسْت خَیالات کے حِجاب پڑے ہیں اور یہ لوگ اعلیٰ مَقامات کی سیر کرنے کے بجائے اپنی نفسانی خواہشات میں گِرِفْتار ہیں۔

دعا کی حالت

جب یہ نَمازی دُعا کرنے لگتا ہے تو اس کی نظروں میں وہ ہستی سمائی ہوتی ہے جس کی بار گاہ میں یہ دُعا کر رہا ہوتا ہے، وُہی اس کی اُمّید گاہ ہوتا ہے، لہٰذا وہ اس کی بُزُرگی اور حَمد و ثنا بیان کرتا ہے اور اپنی دُنیاوِی حاجَت کو بھول جاتا ہے، (یہی نہیں) بلکہ اپنے ربّ تعالیٰ کی یاد میں مگن ہو کر اپنے نَفْس سے اور اللہ پاک کی حَمد و ثَنا کرتے ہوئے اپنے سوال سے غافِل ہو جاتا ہے۔ یہ دُعا کرنے والا جب توبہ کرتا ہے تو پہلے توبہ کے

اَوصاف اور توبہ کرنے والے کے اَحکام کے مُتعلّق سوچتا ہے، پھر اپنے سابقہ گناہوں کو یاد کر کے خُلوص کے ساتھ توبہ و اِستغفار کرتا اور نئے سرے سے اِستقامت کی نیّت کرتا ہے تو اس کی وجہ سے اسے **الله** پاک کی طرف سے خاص عزّت و مرتبہ عطا ہوتا ہے۔

بندے کی ایسی نماز کے مُتعلّق کئی روایات مَروِی ہیں۔ چنانچہ ایک رِوایت میں ہے کہ بندہ جب نماز میں کھڑا ہوتا ہے تو **الله** پاک اپنے اور بندے کے درمیان سے پردے اٹھا دیتا اور اس کی طرف خُصُوصی توجُّہ فرماتا ہے، اس کے کاندھے سے ہوا تک فرشتے کھڑے ہو کر اس کے ساتھ نماز پڑھتے اور اس کی دُعا پر اٰمین کہتے ہیں۔ آسمان سے نمازی کے سر کی مانگ تک ایک نیکی اُترتی ہے اور ایک مُنادی نِدا کرتا ہے کہ اگر یہ مُناجات کرنے والا جان لیتا کہ وہ کس کی بارگاہ میں مُناجات کر رہا ہے تو نماز خَتم ہی نہ کرتا۔[1] پھر آسمان کے دروازے نمازیوں کے لئے کھول دیئے جاتے ہیں اور **الله** پاک نمازیوں کی قطاروں کی وجہ سے فرشتوں پر فَخر فرماتا ہے۔ تورات میں لکھا ہے کہ اے ابن آدم! میرے سامنے روتے ہوئے کھڑے ہو کر نماز پڑھنے سے عاجِز نہ ہونا، میں تمہارا وہ رب ہوں جو تیرے دل سے قریب ہے اور غیب سے تو نے میرے نور کو دیکھا ہے۔ ایک بُزُرگ فرماتے ہیں کہ یہ رِقّت، رونا اور وہ فُتوح (کُشادگی) جسے نمازی اپنے دل میں پاتا ہے اس قُربِ الٰہی کی بنا پر ہے جو نمازی اپنے دل میں پاتا ہے۔

بارگاہِ خداوندی میں سب سے مقبول شے

مَروِی ہے کہ ایک شخص نے بارگاہِ رِسالت میں عَرض کی: **یارسولَ الله** صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! دعا فرمایئے کہ **الله** پاک مجھے جنّت میں آپ کی رَفاقت عطا فرمائے۔ تو آپ نے اِرشاد فرمایا: سجدوں کی کثرت سے میری مَدد کر۔[2] **فرمانِ مصطفٰے** صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم ہے: **الله** پاک نے اپنی مَخلُوق پر توحید کے بعد نماز سے بڑھ کر کوئی پسندیدہ شے فَرض نہیں کی۔

---

[1] ....تعظیم قدر الصلاۃ للمروزی، ضر رالسھو من الصلاۃ، ۱/ ۱۹۹، حدیث: ۱۲۰ دون ذکر رفع الحجاب
مختصر قیام اللیل للمروزی، باب ما جاء عن النبی ومن بعدہ........الخ، ص ۲۲ دون ذکر رفع الحجاب

[2] ....مسلم، کتاب الصلاۃ، باب فضل السجود والحث علیہ، ص ۲۵۲، حدیث: ۴۸۹

(صاحبِ کتاب حضرت سَیِّدُنا شیخ ابو طالب مکّی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں:) اگر بارگاہِ خُداوندی میں نَماز سے بڑھ کر کوئی شے پسندیدہ ہوتی تو فرشتے اس کے ساتھ عِبادَت کیا کرتے، یہی وجہ ہے کہ ان میں سے بعض رُکُوع میں ہیں تو بعض سجدے میں اور بعض کھڑے ہیں تو بعض بیٹھے ہیں۔ یا جیسا کہ کسی اَہْلِ عِلْم کا قول ہے: نَماز (حقیقت میں) اللہ پاک کی زمین میں اس کی خِدْمَت یعنی عِبادَت بجالانا ہے۔ ایک اور صَاحِبِ عِلْم فرماتے ہیں کہ نَمازی اللہ پاک کی زمین پر اس کی خِدْمَت یعنی عِبادَت کرنے والے ہیں۔

نمازی فرشتوں کا نام

بے شک آسمانوں میں نَمازی فرشتوں کو خُدَّامُ الرَّحْمٰن کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور وہ فرشتے اپنے اس نام کی وجہ سے باقی تمام مُرْسَلِیْن فرشتوں پر فَخْر کرتے ہیں۔

فرشتوں کا تعجب

مَنْقُول ہے کہ بندۂ مومن جب دو ۲ رکعتیں پڑھتا ہے تو فرشتوں کی دس صفیں اس پر تَعَجُّب کرتی ہیں، ہر صَف میں دس ہزار فرشتے ہوتے ہیں اور اللہ پاک ایک لاکھ فرشتوں کے سامنے اس پر فَخْر کرتا ہے۔

تعجب کی وجہ

(صاحبِ کتاب حضرت سَیِّدُنا شیخ ابو طالب مکّی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں:) فرشتوں کے اس تَعَجُّب کی وجہ یہ ہے کہ بندے کی نَماز میں چاروں اَرکانِ نَماز یعنی قِیام وقُعُود اور رُکُوع وسُجُود جَمْع ہوتے ہیں جبکہ ان چاروں اَرکان کو اللہ پاک نے 40 ہزار فرشتوں میں تقسیم کیا ہے۔ قیام کرنے والے فرشتے قِیامَت تک رُکُوع نہ کریں گے، سجدہ کرنے والے قِیامَت تک سجدے سے سر نہ اٹھائیں گے اور اسی طرح رُکُوع اور قعدہ کرنے والوں کا حال ہے۔

صاحبِ یقین کا فرشتوں سے افضل ہونا

اللہ پاک نے نَماز کے دیگر چھ ۶ اَرکان بھی اس نَمازی کے لیے جَمْع کر دیئے یعنی تِلاوَت، حَمد، اِسْتِغْفار، دُعا، حبیبِ خدا صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم پر دُرُود پاک۔[1] اللہ پاک نے ان تمام اَرکان کو 60 ہزار فرشتوں پر

[1] ......یہاں صرف پانچ ۵ ارکان کا تذکرہ ہے، جبکہ چھٹے رکن کا قوت القلوب کے کسی نسخے میں ذِکْر نہیں ملا۔ (المدینۃ العلمیۃ)

تقسیم کر دیا ہے، اس لیے کہ فرشتوں کی ہر قطار کی عِبادَت ان چھ ۶ اَذکار میں سے کوئی ایک ذِکر ہے۔ چُنانچہ جب فرشتے دیکھتے ہیں کہ یہ چھ ۶ اَرکان اور تمام اَذکار دو ۲ رکعتوں میں جَمْع ہیں تو حیران ہوتے ہیں اور **اللہ** پاک ان پر فَخر فرماتا ہے۔ کیونکہ اسی نے یہ اَرکان واَذکار ایک لاکھ فرشتوں پر تقسیم کئے تاکہ ان کی وجہ سے بندۂ مومن کو فرشتوں پر فضیلت حاصل ہو۔ اسی طرح اَہلِ یقین کو بھی اَعمالِ قُلُوب کے مَقامات میں سے گزرنے کی وجہ سے مقاماتِ یقین میں فرشتوں پر فضیلت حاصل ہے، وہ اس طرح کہ یہ سب مَقامات بندے میں جَمْع ہیں اور فرشتے ان سے خالی ہیں۔ کیونکہ فرشتے ایک مَقام سے دوسرے مَقام میں مُنْتَقِل نہیں ہوتے بلکہ ہر فرشتہ ایک مُقرَّر و مَعْلُوم مَقام پر ٹھہرا رہتا ہے اور کسی دوسرے مَقام کی طرف نہیں جاتا یعنی وہ شُکْر، خوف، رِجا، شوق، آہ وزاری، خَشْیَّت اور مَحبَّت کے مَقامات تک رَسائی نہیں پاتا بلکہ ہر فرشتے کو صِرف اس کی قوّت کے مُطابِق ایک ہی مَقام میں رِفْعت وبُلندی حاصل ہوتی ہے۔ جبکہ یہ سب مَقامات ایک صاحِبِ یقین کے قَلْب میں جَمْع ہوتے ہیں۔

اَولیائے کاملین کی صفات

اللہ پاک جو کہ اَصْدَقُ الْقَائِلِین ہے، نے اپنے اَولیائے کاملین کی صِفَات کچھ یوں بیان فرمائی ہیں:

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱﴾ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ﴿۲﴾ وَ الَّذِیْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ﴿۳﴾ (پ ۱۸، المؤمنون: ۱ تا ۳)

ترجمۂ کنزالایمان: بے شک مُراد کو پہنچے ایمان والے جو اپنی نماز میں گڑگڑاتے ہیں اور وہ جو کسی بیہودہ بات کی طرف اِلتفات نہیں کرتے۔

(صاحِبِ کتاب حضرت سَیِّدُنا شیخ ابو طالب مکّی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں:) یہاں **اللہ** پاک نے جس طرح اپنے بندوں کے ایمان کا تَذْکِرہ فرمایا اسی طرح ان کی نماز پڑھنے کی وجہ سے تعریف بھی فرمائی۔ پھر نماز میں ان کی خُشُوع وخضوع کی حالَت کی تعریف فرمائی جیسا کہ ان کے اَوصاف بیان کرنے کا آغاز ان کے نماز پڑھنے سے فرمایا اور پھر آخر میں اِرشاد فرمایا:

وَ الَّذِیْنَ هُمْ عَلٰی صَلَوٰتِهِمْ یُحَافِظُوْنَ ﴿۹﴾ (پ ۱۸، المؤمنون: ۹)

ترجمۂ کنزالایمان: اور وہ جو اپنی نمازوں کی نگہبانی کرتے ہیں۔

اَلْغَرَض اپنے بندوں کے اَوصاف بیان کرتے ہوئے اِخْتِتام بھی نَماز پر ہی فرمایا۔

نیز اس کے جو بندے نَماز پڑھتے ہیں اور مَصائِب وفَقْر کے وَقْت جَزَع فَزَع کرتے ہیں نہ مال و خیر کے کاموں میں بُخْل سے کام لیتے ہیں، ان کی تعریف ایک مقام پر کچھ یوں ذِکْر فرمائی:

اِلَّا الْمُصَلِّیْنَ ﴿۲۲﴾ الَّذِیْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَآىٕمُوْنَ ﴿۲۳﴾ (پ ۲۹، المعارج: ۲۲، ۲۳) ترجمۂ کنز الایمان: مگر نمازی جو اپنی نماز کے پابند ہیں۔

یہاں بھی اللہ پاک نے اپنے بندوں کے اَوصاف بیان کیے اور پھر آخر میں اِرشاد فرمایا:

وَ الَّذِیْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ یُحَافِظُوْنَ ﴿۳۴﴾ (پ ۲۹، المعارج: ۳۴) ترجمۂ کنز الایمان: اور وہ جو اپنی نماز کی مُحافَظت کرتے ہیں۔

اگر نَماز اللہ پاک کو تمام اَعمال میں سب سے زیادہ مَحْبُوب نہ ہوتی تو اسے اپنے اَوْلیائے کِرام کی صِفات کے آغاز و اِخْتِتام پر ذِکْر فرماتا نہ ان کے نَماز پر پابندی اِخْتِیار کرنے اور اس کی مُحافَظت کرنے کا ذِکْر فرماتا اور نہ ان کے نَماز میں خُشُوع کی تعریف فرماتا۔

نماز میں خشوع سے مراد

اللہ پاک کے بندوں کا نَماز میں خُشُوع اپنانے سے مُراد یہ ہے کہ ان کے دِل اِنْکِساری و عاجزی اور تواضُع کے پیکر ہوتے ہیں۔ نیز وہ نرم دل ہوتے ہیں اور اپنے اَعضا و جَوارِح کو گناہوں سے بچاتے ہیں، اَچّھی صُورَت و سیرت کے مالِک ہوتے ہیں، نَماز پر ہمیشگی اِخْتِیار کرتے ہیں، نَماز میں ان کے دل اور دیگر اَعضا و جَوارِح پُرسُکون ہوتے ہیں۔

نماز کی محافظت سے مراد

نَماز کی مُحافَظت سے مُراد ہے: دل کا حاضِر و مُتوجّہ رہنا، ذِہن کا پاک و صاف ہونا، اَوقاتِ نَماز کا خاص خیال رکھنا اور آلاتِ طَہارَت کو پورا کرنا۔

نمازیوں کے مزید اوصاف

اللہ پاک نے نمازیوں کی عاقِبت کے مُتَعَلِّق اِرشاد فرمایا ہے:

اُولٰٓىٕكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ۝۱۰ الَّذِیْنَ یَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَؕ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ۝۱۱ ترجمۂ کنز الایمان: یہی لوگ وارث ہیں کہ فردوس کی میراث پائیں گے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

(پ ۱۸، المؤمنون: ۱۰، ۱۱)

اَلْغَرَض **اللہ** پاک نے اپنے ان نمازی بندوں پر اپنی بَخشِش وعَطا کی اِبتدا اس بات سے فرمائی کہ انہیں فلاح یعنی کامیابی وکامرانی اور بقا کا مُژدہ دیا اور اِختتام اس بات پر فرمایا کہ انہیں جَنَّتُ الْفِرْدَوس کا حق دار ٹھہرایا جو کہ بہترین اُخرَوی پناہ گاہ وٹھکانا ہے۔ جبکہ اَوصاف میں ان کے بر عکس لوگوں یعنی جہنمیوں (بے نمازیوں) کا ذِکر کرتے ہوئے اِرشَاد فرمایا:

مَا سَلَكَكُمْ فِیْ سَقَرَ ۝۴۲ قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّیْنَۙ ۝۴۳ (پ ۲۹، المدثر: ۴۲، ۴۳) ترجمۂ کنز الایمان: تمہیں کیا بات دوزخ میں لے گئی وہ بولے ہم نماز نہ پڑھتے تھے۔

انہی لوگوں میں سے ایک گروہ کو ڈراتے ہوئے اِرشَاد فرمایا:

فَلَا صَدَّقَ وَ لَا صَلّٰىۙ ۝۳۱ (پ ۲۹، القیمۃ: ۳۱) ترجمۂ کنز الایمان: اس نے نہ تو سچ مانا اور نہ نماز پڑھی۔

رسولِ اَکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کو نماز سے روکنے والے کی اِطاعَت سے مَنع فرمایا گیا، بلکہ نماز ادا کرنے کا حُکم دیا گیا اور یہ بھی بتایا گیا کہ نماز میں قُربِ خُداوندی ہے۔ چُنانچہ سورۂ عَلَق میں اِرشَاد ہوتا ہے:

اَرَءَیْتَ الَّذِیْ یَنْهٰىۙ ۝۹ عَبْدًا اِذَا صَلّٰىؕ ۝۱۰ ترجمۂ کنز الایمان: بھلا دیکھو تو جو مَنع کرتا ہے بندہ کو جب وہ نماز پڑھے۔ (پ ۳۰، العلق: ۹، ۱۰)

پھر اس کے بعد اِرشَاد فرمایا:

كَلَّاؕ لَا تُطِعْهُ وَ اسْجُدْ وَ اقْتَرِبْ ۝۱۹ [1] ترجمۂ کنز الایمان: ہاں ہاں اس کی نہ سنو اور سجدہ کرو اور ہم سے قریب ہو جاؤ۔ (پ ۳۰، العلق: ۱۹)

پس نماز پڑھنے والے اس کی مَخلُوق میں باقی رہنے والے اور اس کے بندوں میں سے اس کی جنّت پانے والے، اس کے دارِ غَضَب اور بُعد و دُوری سے نجات پانے والے ہیں۔

---

[1]......یہ آیتِ سجدہ ہے اور آیتِ سجدہ یا اس کا ترجمہ پڑھنے یا سننے سے سجدہ واجب ہو جاتا ہے۔

نماز پر محافظت کی ترغیب اور اہل یقین نمازیوں کا طریقہ

نماز سب سے افضل عمل ہے

فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا (پ ۲۶، الفتح: ۲۹)

ترجمۂ کنزالایمان: محمد اللہ کے رسول ہیں اور ان کے ساتھ والے کافروں پر سخت ہیں اور آپس میں نرم دِل تو انہیں دیکھے گا رُکوع کرتے سجدے میں گرتے۔

(صاحبِ کتاب حضرت سَیِّدُنا شیخ ابو طالب مکی رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْه فرماتے ہیں:) اللہ پاک نے اپنے حبیب صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم کے لیے ان کے صحابہ کو پسند فرمایا اور ان کے صحابۂ کرام کے لیے نماز کو پسند فرمایا اور ان کا یہ وَصف تورات و انجیل میں بھی بیان فرمایا۔ یہ بھی اس بات کی دلیل ہے کہ تمام اَعمال میں سب سے افضل عمل نماز ہے، کیونکہ اللہ پاک کے حبیب صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم کے صحابۂ کرام سب سے اَفضل عمل کرنے والے ہیں۔ جیسا کہ سرورِ کائنات صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم سے عَرض کی گئی: سب سے افضل عمل کونسا ہے؟ تو آپ نے اِرشاد فرمایا: نماز کو اس کے وَقت پر ادا کرنا۔[1]

دینداری جانچنے کا پیمانہ

اسی طرح اَمیرُالمُومِنین حضرت سَیِّدُنا عُمر فارُوقِ اَعظم رَضِیَ اللهُ عَنْه سے مَروی ہے کہ جب تم کسی شخص کو نماز کی مُحافَظت کرنے والا دیکھو تو اس پر اچھا گمان رکھو اور جب کسی کو نماز ضائع کرنے والا دیکھو تو (جان لو کہ) وہ نماز کے عِلاوہ (دیگر نیک) اَعمال کو بھی زیادہ ضائع کرنے والا ہو گا۔ حضرت سَیِّدُنا اِمام حسن رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْه فرمایا کرتے تھے: اے ابن آدم! جب تیرے نزدیک نماز کی کوئی وَقعت نہیں تو تیرے نزدیک دین کی کیا وَقعت ہو گی؟ کہ ایسا شخص اللہ پاک کے ہاں زیادہ بے وَقعت ہو گا۔

---

[1] ......مسلم، کتاب الایمان، باب بیان کون الایمان باللہ... الخ، ص ۵۸، حدیث: ۸۵

نماز کے بارے میں چار فرامینِ مصطفٰے

- نَماز دین کا سُتون ہے۔[1]
- جس نے نماز کو چھوڑا اس نے کفر کیا۔[2]
- ایمان و کفر کے درمیان نَماز چھوڑنے کا فَرق ہے[3]۔[4]
- جس نے مکمّل طَہارَت اور اَوقات کا خَیال رکھتے ہوئے پانچ ۵ نَمازوں کی مُحافَظت کی تو بروزِ قیامت وہ نَماز اس کیلئے نُور اور بُرہان ہو گی اور جس نے انہیں ضائع کیا اس کا حَشر فِرعَون اور ہامان کے ساتھ ہو گا۔[5]

فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

لَا یَمْلِكُوْنَ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ﴿۸۷﴾ (پ۱۶، مریم: ۸۷) ترجمۂ کنز الایمان: لوگ شَفاعت کے مالِک نہیں مگر وُہی جنہوں نے رحمٰن کے پاس قرار کر رکھا ہے۔

اس آیتِ مُبارَکہ کی تفسیر میں مَروِی ہے کہ یہاں پانچ ۵ نمازیں مُراد ہیں۔

نماز میں کمی کا مرتکب ہونا کیسا؟

- حضرت سَیِّدُنا عبد اللہ بن مَسعُود اور حضرت سَیِّدُنا سلمان فارسی رَضِیَ اللہُ عَنْہُمَا سے مَروِی ہے کہ نَماز ایک پیمانہ ہے جس نے اسے پورا کیا اسے پورا اَجر دیا جائے گا اور جس نے اس میں کمی کی تو تم جانتے ہی ہو اللہ پاک نے کم تولنے والوں کے مُتعلِّق کیا اِرشاد فرمایا ہے؟[6]

---

[1]......نوادر الاصول، الاصل الحادی والاربعون والمائتان، ۲/۹۱۸، حدیث: ۱۲۱۳

[2]......ترمذی، کتاب الایمان، باب ماجاء فی ترک الصلاۃ، ۴/۲۸۱، حدیث: ۲۶۳۰

[3]......ترمذی، کتاب الایمان، باب ماجاء فی ترک الصلاۃ، ۴/۲۸۱، حدیث: ۲۶۲۷

[4]......زمانہ سلف صالح خصوصاً صدر اول کے مناسب یہی حکم تھا اُس زمانہ میں ترکِ نماز علامتِ کفر تھا کہ واقع نہ ہوتا تھا مگر کافر سے، جیسے اب زنار باندھنا یا قشقہ لگانا علامت کفر ہے۔ جب وہ زمانہ خیر گزر گیا اور لوگوں میں تہاون آیا وہ علامت ہونا جاتا رہا اور اصل حکم نے عود کیا کہ ترکِ نماز فی نفسہٖ کفر نہیں جب تک اُسے ہلکا یا حلال نہ جانے یا فرضیتِ نماز سے منکر نہ ہو، یہی مذہب سیِّدُنا امام اعظم رَضِیَ اللہُ عَنْہُ کا ہے۔ (فتاوی رضویہ، ۵/۱۱۹)

[5]......مسند احمد، مسند عبد اللہ بن عمرو بن العاص، ۲/۵۷۴، حدیث: ۶۵۸۷ دون ذکر "باکمال طھورھا وموافیتھا"

[6]......کتاب الزھد لابن المبارک، باب فضل ذکر اللہ، ص ۴۲۰، رقم: ۱۱۹۲

☜ ایک رِوایت میں ہے کہ لوگوں میں سب سے برا چور وہ ہے جو نَماز میں چوری کرتا ہے کہ وہ رُکُوع پورا ادا کرتا ہے نہ سجدے مکمَّل ادا کرتا ہے۔(1)

☜ ایک رِوایت میں ہے: جب کوئی بندہ لوگوں کے درمیان اَچھے طریقے سے نَماز پڑھے مگر تنہائی میں بُری طرح ادا کرے تو گویا وہ نَماز کے ذریعے اللہ پاک کی اِہانت کا مُرتَکِب ہو رہا ہے۔(2)

☜ ایک رِوایت میں ہے: جب بندہ کھلے عام اَچھی طرح نَماز پڑھے اور تنہائی میں بھی اَچھی طرح نَماز ادا کرے تو اللہ پاک فرشتوں سے اِرشاد فرماتا ہے: یہ میرا حقیقی بندہ ہے۔(3)

نماز کے مقبول ہونے کی علامات

حضرت سَیِّدُنا کَعْبُ الْاَحْبار رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ اور دیگر بُزُرگانِ دِین سے مَرْوِی ہے کہ جس کی نَماز قبول کر لی جائے اس کے اَعمال بھی قبول کر لیے جاتے ہیں اور جس کی نَماز رَد کر دی جائے اس کے تمام اَعمال بھی رَد کر دیئے جاتے ہیں۔ ایک قول کے مُطابِق جس کی پانچوں نمازیں اس طرح قبول ہوں کہ وہ کامل اور باطل کی آمیزش سے پاک ہوں اور ان کا کمال ایک دوسرے یا نوافل کی وجہ سے نہ ہو تو وہ نَمازی عِلْمِ اَبدال پر آگاہ ہو جاتا ہے اور اسے صِدّیق لکھ لیا جاتا ہے۔

نَمازیں قبول ہونے کی ایک عَلامَت یہ بھی ہے کہ نَمازیں بندے کو بے حَیائی کے کاموں اور بُری باتوں سے روکیں۔ جبکہ یہاں بے حَیائی کے کاموں سے مُراد گناہِ کبیرہ اور بُری باتوں سے مُراد وہ باتیں ہیں جنہیں عُلَمائے کِرام بُرا سمجھتے ہیں۔ چُنانچہ جو شخص ان سے باز رہا اس کی نَماز سِدْرَۃُ الْمُنْتَہٰی تک پہنچتی ہے اور جسے اس کی نفسانی خواہشات نے جلا کر خاک کر دیا ہو اس کی نَماز اس کی سرکشی کی وجہ سے اسے واپس کر دی جاتی ہے اور یوں وہ اپنی نفسانی خواہشات کی وجہ سے برباد ہو جاتا ہے۔

---

1 ......مسند احمد، حدیث ابی قتادۃ الانصاری، ۸/۳۸۶، حدیث: ۲۲۷۰۵

موطا امام مالک بروایۃ یحیی اللیثی، کتاب قصر الصلاۃ فی السفر، باب العمل فی جامع الصلاۃ، ۱/۱۶۴، حدیث: ۴۱۰

2 ......تعظیم قدر الصلاۃ للمروزی، باب فی شرح حدیث: الدین النصیحۃ، ۲/۸۵۵، حدیث: ۸۶۵

3 ......ابن ماجہ، کتاب الزھد، باب التوقی علی العمل، ۴/۴۶۸، حدیث: ۴۲۰۰

نماز کے متعلق سلف صالحین کے اقوال

❁ حضرت سَیِّدُنا مالک بن دینار رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ اور حضرت سَیِّدُنا ابراہیم بن اَدْہَم رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ دونوں فرماتے ہیں کہ میں جب کسی ایسے شخص کو دیکھتا ہوں جو نماز کو خراب کرتا ہے تو مجھے اس کے اَہل و عِیال پر رحم آتا ہے۔

❁ حضرت سیدنا فُضَیل بن عِیّاض رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں: فرائض اصل سرمایہ ہیں اور نَوافل اس سرمائے پر حاصِل ہونے والا نَفْع ہیں، مگر نَفْع اصل سرمائے کے بعد ہی حاصِل ہوتا ہے۔

❁ حضرت سَیِّدُنا ابن عُیَیْنَہ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں: اُصُول کو ضائع کرنے کی وجہ سے لوگ بارگاہِ خداوندی تک رسائی سے مَحْرُوم ہوگئے۔

❁ حضرت سَیِّدُنا علی بن حسین رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں کہ جس نے پانچوں نمازوں کا اس کے اَوقات میں کامل طَہارَت کے ساتھ اِہتِمام کیا اس کے لیے دنیا میں زِندَگی کا کوئی مزہ نہیں۔ آپ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ جب نَماز کے لیے وضو فرمایا کرتے تو آپ کا رنگ مبارک مُتَغَیِّر ہو جاتا، چہرے پر زردی چھا جاتی اور جسم کپکپانے لگتا۔ جب آپ رَضِیَ اللہُ عَنْہ سے اس بارے میں عَرض کی گئی تو اِرشاد فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ میں کس ہستی کی بارگاہ میں کھڑا ہونے کا اِرادہ کر رہا ہوں؟ کس کی بارگاہ میں حاضِر ہونے والا ہوں؟ اور کس سے مُخَاطِب ہونے والا ہوں؟[1]

❁ کسی عارِف کا قول ہے کہ نَماز کے چار ۴ فرائض ہیں:

﴿1﴾ جس بارگاہ میں حاضر ہے اس کے مقام و مرتبہ کو عظیم جاننا۔

﴿2﴾ نَماز مکمّل ہونے تک اِخلاص کا دامَن تھامے رکھنا۔

﴿3﴾ زبان سے جو کلمات ادا کرے ان پر یقین ہونا۔

﴿4﴾ اَحکامِ خداوندی کے ہر مُعامَلے کو فوراً مان لینا۔

❁ حضرت سَیِّدُنا ابو دردا رَضِیَ اللہُ عَنْہ فرماتے ہیں: **اللہ** پاک کے بہترین بندے وہ ہیں جو ذِکْرِ الٰہی کی وجہ

---

[1] ......تنبیہ الغافلین للسمرقندی، باب اتمام الصلاۃ والخشوع فیھا، ص ۱۹۲، حدیث: ۸۳۴

سے سُورج، چاند اور سایوں کا خیال رکھتے ہیں۔[1]

تکبیرِ اولیٰ کے ساتھ نماز کا اہتمام کرنا کیسا؟

حضرت سَیِّدُنا وکیع رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں: جس نے نماز کا وَقْت شروع ہونے سے پہلے ہی اس کی تیاری نہ کی گویا اس نے اس کی حِفَاظَت نہ کی اور جس نے تکبیرِ تحریمہ میں سستی کی وہ اپنا ہاتھ اس سے دھو لے (یعنی وہ اس کا اجر و ثواب کھو بیٹھا)۔

فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

سَابِقُوْۤا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ترجمۂ کنز الایمان: بڑھ کر چلو اپنے رب کی بَخشِش کی طرف۔ (پ ۲۷، الحدید: ۲۱)

ایک قول میں ہے کہ یہاں تکبیرِ تحریمہ مُراد ہے۔

حضرت سَیِّدُنا ابو کاہل رَضِیَ اللہُ عَنْہ سے مَرْوِی ہے کہ سرکارِ مدینہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اِرشَاد فرمایا: جو شخص 40 روز تک باجَمَاعَت نماز ادا کرے کہ اس کی کوئی تکبیرِ تحریمہ (یعنی تکبیرِ اولیٰ) فوت نہ ہوئی تو اس کیلئے دو ۲ طرح کی نجات لکھ دی جاتی ہے: ایک نِفاق سے اور دوسری آگ سے۔[2]

ایک بار حضرت سَیِّدُنا سعید بن مُسَیِّب رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ نے اِرشَاد فرمایا کہ 40 سال سے میری تکبیرِ اُولیٰ فوت نہیں ہوئی۔ انہیں حَمَامَةُ الْمَسْجِد کہا جاتا تھا۔ حضرت سَیِّدُنا عبد الرزاق رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں کہ 20 سال ہوگئے ہیں کہ میں اذان مَسْجِد ہی میں سنتا ہوں۔

مَنْقُول ہے کہ جب قِیَامَت کا دن ہو گا تو نمازیوں کے گروہوں کو گروہ در گروہ جنّت کی طرف جانے کا حُکْم دیا جائے گا۔ چُنَانْچِہ پہلا گروہ آئے گا ان کے چہرے گویا چمک دار موتی کی طرح ہوں گے، فرشتے ان کا اِسْتِقْبَال کریں گے اور پوچھیں گے: تم لوگ کون ہو؟ وہ بتائیں گے کہ ہم اُمّتِ محمدیہ کے نمازی ہیں۔ وہ پھر پوچھیں گے کہ دنیا میں تمہارے اَعمال کیسے تھے؟ وہ بتائیں گے کہ ہم جب اَذان سنا کرتے تھے تو فوراً وُضو

---

1 ....کتاب الزھد لابن المبارک، باب فضل ذکر اللہ، حدیث: ۱۳۰۳، ص ۴۶۰

2 ....ترمذی، ابواب الصلاۃ، باب ماجاء فی فضل التکبیرۃ الاولی، ۱/ ۲۷۴، حدیث: ۲۴۱

وغیرہ کرتے اور کوئی چیز ہمیں اس کام سے غافل نہ کر پاتی۔ فرشتے عَرض کریں گے: تم واقعی اس کے مُستَحِق ہو۔ پھر ایک دوسرا گروہ آئے گا جو حُسن و جَمال میں پہلے گروہ سے بھی بڑھ کر ہو گا، ان کے چہرے گویا چودھویں کے چاند ہوں گے، فرشتے ان سے پوچھیں گے کہ آپ کون ہیں؟ وہ بھی بتائیں گے کہ ہم نمازی ہیں۔ وہ پھر پوچھیں گے کہ تمہاری نمازوں کی کَیفِیَّت کیا تھی؟ وہ بتائیں گے: ہم نماز کا وَقت شروع ہونے سے پہلے ہی وُضُو کر لیا کرتے تھے۔ فرشتے ان سے بھی یہی عَرض کریں گے کہ آپ لوگ واقعی اس کے مُستَحِق ہیں۔ اس کے بعد ایک تیسرا گروہ آئے گا جو حُسن و جَمال اور مَقام و مرتبہ میں پہلے دونوں گروہوں سے بڑھ کر ہو گا، ان کے چہرے گویا سُورَج کی طرح روشن ہوں گے، فرشتے ان سے عَرض کریں گے: آپ حضرات کے چہرے انتہائی حسین ہیں اور آپ اعلیٰ مقام و مرتبہ کے بھی مالِک ہیں، آپ اپنے مُتَعلّق کچھ بتائیے کہ کون ہیں؟ وہ بتائیں گے کہ ہم نمازی ہیں۔ فرشتے عَرض کریں گے: آپ کی نماز کی کَیفِیَّت کیسی تھی؟ وہ بتائیں گے کہ ہم مَسجِد ہی میں اَذان سنا کرتے تھے۔ فرشتے ان سے بھی عَرض کریں گے کہ آپ حضرات واقعی اسی مَقام و مرتبہ کے مُستَحِق ہیں۔

صلوۃ یعنی نماز کی وجہ تسمیہ

ایک عالِم ربانی کا قول ہے کہ نماز کو (عربی زبان میں) صَلوٰۃ اس لیے کہتے ہیں کیونکہ یہ بندے اور اس کے رب کے درمیان صِلہ (یعنی تعلّق و رَابِطہ) کا کام کرتی ہے اور **اللہ** پاک کی طرف سے یہ بندے کے لیے مُواصَلَت (یعنی اس کی بارگاہ تک رَسائی کا ذریعہ) ہے اور یہ رَسائی صِرف مُتَّقِین ہی کا خاصہ ہے۔ جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

لَنْ یَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَ لَا دِمَآؤُهَا وَ لٰكِنْ یَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ (پ ۱۷، الحج: ۳۷)

ترجمۂ کنزالایمان: **اللہ** کو ہرگز نہ ان کے گوشت پہنچتے ہیں نہ اُنکے خون ہاں تمہاری پرہیزگاری اس تک باریاب ہوتی ہے۔

نماز کس پر بوجھ نہیں؟

(صاحِبِ کتاب حضرت سَیِّدُنا شیخ ابُو طالب مَکّی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں:) مُتَّقِی صِرف وُہی شخص ہو سکتا ہے جس میں خُشُوع ہو، کہ جس میں خُشُوع ہو اس پر دیر تک بارگاہِ خُداوندی میں قِیام کرنا بوجھ بنتا ہے نہ بُرائی سے بچنا

اور نیکی کرنا اس پر گراں گزرتا ہے۔ جیسا کہ ایک مقام پر اِرشاد ہوتا ہے:

اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ ؕ (پ ۲۱، العنکبوت: ۴۵) ترجمۂ کنزالایمان: بے شک نماز منع کرتی ہے بے حیائی اور بُری بات سے۔

اَہلِ خُشُوع مؤمنین ہی نیکی کا حکم کرنے والے، بُرائی سے روکنے والے اور حُدُودِ باری تعالیٰ کی حِفَاظَت کرنے والے ہیں، ان کی جزا وہ بشارت ہے جو اس فرمانِ باری تعالیٰ میں مذکور ہے:

وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ (پ ۲۲، الاحزاب: ۴۷) ترجمۂ کنزالایمان: اور ایمان والوں کو خوشخبری دو۔

اَہلِ خُشُوع ہی ڈرنے، ذِکْر کرنے، صَبْر کرنے اور نماز ادا کرنے والے ہیں۔ جب ان میں یہ اَوصاف کامل طور پر پائے جائیں تو یہ مُخْبِتِیْن بن جاتے ہیں۔ جیسا کہ اِرشاد ہوتا ہے:

وَ بَشِّرِ الْمُخْبِتِیْنَ ۙ﴿۳۴﴾ (پ ۱۷، الحج: ۳۴) ترجمۂ کنزالایمان: اور اے محبوب خوشی سنا دو ان تواضع والوں کو۔

اھل خشوع کی چند حکایات

سیدنا ربیع کی شان

حضرت سَیِّدُنا عبداللہ بن مَسْعُود رَضِیَ اللہُ عَنْہ جب حضرت سَیِّدُنا ربیع بن خُثَیْم رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ کو دیکھتے تو یہی آیتِ مُبارَکہ یعنی ﴿ وَ بَشِّرِ الْمُخْبِتِیْنَ ۙ﴿۳۴﴾ (پ ۱۷، الحج: ۳۴) ﴾ تِلاوت کرتے[1] اور اِرشَاد فرماتے کہ اللہ پاک کی قسم! اگر سرکارِ مدینہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم تمہیں دیکھتے تو بہت خوش ہوتے۔ ایک رِوایت میں ہے کہ وہ تجھے پسند فرماتے۔

مَنْقُول ہے کہ حضرت سَیِّدُنا ربیع بن خُثَیْم رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ 20 سال تک حضرت سَیِّدُنا عبداللہ بن مَسْعُود رَضِیَ اللہُ عَنْہ کے کاشانۂ اَقْدَس پر حاضِر ہوتے رہے اور حضرت سَیِّدُنا ابن مَسْعُود رَضِیَ اللہُ عَنْہُما کی باندی آپ کو نابینا ہی سمجھتی رہی، اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ اپنی نگاہوں کو حد دَرَجہ جھکائے رہتے، بلکہ سر جھکا کر اپنی نگاہوں کو زمین پر گاڑے رہتے اور جب دروازے پر دستک دیتے اور وہ باندی باہر نکل کر آپ کو دیکھتی تو

[1] ......طبقات ابن سعد، ۶/ ۲۱۹، رقم: ۲۱۱۷: الربیع بن خیثم

حضرت سَیِّدُنا عبد اللہ بن مسعود رَضِیَ اللہُ عَنْہ سے عَرض کرتی: آپ کا نابینا دوست آیا ہے۔ یہ سن کر آپ رَضِیَ اللہُ عَنْہ مسکرا کر اِرشَاد فرماتے: تیرا ناس ہو! یہ تو ربیع ہیں۔

ایک دن آپ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ حضرت سَیِّدُنا ابن مَسْعُود رَضِیَ اللہُ عَنْہ کے ساتھ لوہاروں کے پاس سے گزرے اور جب بھٹیوں کو بھڑکتے اور ان میں سے شعلے نکلتے دیکھے تو غش کھا کر بے ہوش ہو گئے۔ حضرت سَیِّدُنا ابن مَسْعُود رَضِیَ اللہُ عَنْہ ان کے پاس ہی بیٹھ گئے یہاں تک کہ نماز کا وقت ہو گیا، مگر انہیں جب اِفاقہ نہ ہوا تو وہ انہیں اپنی پیٹھ پر اٹھا کر ان کے گھر لے گئے، ان پر پورا دن غشی طاری رہی یہاں تک کہ ان کی پانچ ۵ نمازیں قضا ہو گئیں۔ حضرت سَیِّدُنا عبد اللہ بن مَسْعُود رَضِیَ اللہُ عَنْہ ان کے پاس ہی بیٹھے رہے اور فرمایا: اللہ پاک کی قسم! یہ ہے اللہ پاک کا خوف۔

حضرت سَیِّدُنا ربیع رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرمایا کرتے تھے: آج تک میں نے جب بھی نماز پڑھی تو صِرف انہی کلمات کے مُتَعَلِّق سوچا جو زبان سے کہتا ہوں یا جو مجھ سے کہے جاتے ہیں۔

سَیِّدُنا عامر کی نماز میں حالت

حضرت سَیِّدُنا عامر بن عبد اللہ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ کا شُمار بھی نماز میں خُشُوع اپنانے والوں میں ہوتا ہے۔ جب آپ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ نماز پڑھ رہے ہوتے تو آپ کی بیٹی دف بجانے لگتی اور گھر میں آنے والی اپنی سہیلیوں سے باتیں کرنے لگتیں مگر انہیں کچھ خَبر نہ ہوتی، بلکہ یہ ان کی آواز تک نہ سنتے۔ ایک دن ان سے عَرض کی گئی: کیا نماز میں آپ کو کسی چیز کا خَیال آتا ہے؟ تو اِرشَاد فرمایا: ہاں! اس بات کا خَیال آتا ہے کہ میں اس وَقْت اپنے رب کی بارگاہ میں حاضِر ہوں اور عنقریب مجھے جنّت و جہنّم میں سے کسی ایک ٹھکانے کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ پھر عَرض کی گئی: کیا ہماری طرح آپ کو بھی اُمُورِ دنیا میں سے کچھ خَیال آتا ہے؟ اِرشَاد فرمایا: نماز میں جس قسم کے خَیال تم لوگوں کو آتے ہیں ان میں سے کوئی خیال مجھے آئے اس کے بجائے میں اس بات کو زیادہ پسند کروں گا کہ میرے جسم کو ہر طرف سے نیزے چھلنی کر دیں۔ بلکہ آپ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر میری آنکھوں سے تمام پردے ہٹا دیئے جائیں تب بھی میرے یقین میں کچھ اِضافہ نہ ہو گا۔

سیدنا مسلم بن یسار کی نماز میں حالت

حضرت سیِّدُنا مسلم بن یسار رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ کا شُمار عِبادَت گزار زاہدین میں ہوتا ہے، آپ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ جب نَماز پڑھنے لگتے تو گھر والوں سے اِرشَاد فرماتے: آپَس میں جو چاہو باتیں کرو اور راز کھولو، اب میں تمہاری باتیں نہ سنوں گا۔ نیز آپ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ یہ بھی فرمایا کرتے کہ تم کیا جانو کہ میرا دِل کہاں ہوتا ہے؟ ایک دن آپ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ بصرہ کی جامِع مَسْجِد میں نَماز ادا کر رہے تھے کہ آپ کے پیچھے مَسْجِد کا ایک سُتُون گر گیا جو چار ۴ محرابوں پر تعمیر کیا گیا تھا، (نزدیکی) بازار کے لوگوں نے یہ آواز سنی، (تحقیق حال کے لیے) مَسْجِد میں آئے تو دیکھا کہ آپ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ نَماز ادا فرما رہے ہیں گویا کہ کوئی میخ ہوں مگر آپ نے نَماز نہ چھوڑی۔ جب آپ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ نَماز سے فارِغ ہوئے تو لوگ آپ کو مُبارَک باد دینے کے لیے خِدمَت میں حاضِر ہوئے تو آپ نے دَرْیافْت فرمایا: تم لوگ کس بات کی مُبارَک باد دے رہے ہو؟ انہوں نے بتایا کہ آپ کے پیچھے ایک بہُت بڑا سُتُون گر گیا تھا اور خوش قسمتی سے آپ محفُوظ رہے ہیں۔ پوچھنے لگے: وہ کب گرا؟ عَرض کی گئی: جب آپ نَماز پڑھ رہے تھے۔ فرمایا: مجھے تو بِالْکُل مَعْلُوم نہیں ہوا۔

چند دیگر بزرگانِ دین کی نماز میں حالت

کسی نمازی کا قول ہے: نماز کا تعلّق آخِرَت سے ہے، لِہٰذا جب میں نَماز شروع کرتا ہوں تو دنیا سے اپنا تعلّق اور ناطہ توڑ لیتا ہوں۔

کسی اور بُزُرگ سے پوچھا گیا کہ کیا آپ کو نماز میں دنیا کی کسی شے کا خَیال آتا ہے؟ اِرشَاد فرمایا: کبھی ایسا خَیال نَماز کے اندر مجھے آیا ہے نہ نَماز کے باہَر۔ اسی طرح کسی اور بُزُرگ سے جب پوچھا گیا کہ کیا نماز میں آپ کبھی کسی بھولی ہوئی شے کو یاد کرتے ہیں؟ تو اِرشَاد فرمایا: کیا نماز سے بھی بڑھ کر کوئی شے مَحْبُوب ہو سکتی ہے کہ جسے میں نَماز میں یاد کروں۔

حضرت سَیِّدُنا ابو دردا رَضِیَ اللہُ عَنْہ فرمایا کرتے تھے: آدمی کی سمجھداری یہ ہے کہ نَماز شروع کرنے سے پہلے اپنی حاجَت پوری کر لے تا کہ جب نَماز شروع کرے تو اس کا دِل فارِغ ہو۔

مختصر نماز پڑھنے میں ایک حکمت

حضرت سَیِّدُنا عمّار بن یاسر رَضِیَ اللہُ عَنْہ نے ایک دن نَماز اِخْتِصار کے ساتھ ادا فرمائی تو ان سے عَرض کی گئی: اے ابو یَقْظان! آپ نے نَماز بڑی مُخْتَصَر پڑھی ہے۔ فرمایا: کیا تم نے مجھے نَماز میں کچھ کمی کرتے پایا؟ عَرض کی گئی: نہیں۔ تو اِرشاد فرمایا: میں نے شیطان کے بھلانے کے خوف سے جَلدی کی، کیونکہ سرکارِ مدینہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا فرمانِ عالیشان ہے: بندہ نَماز پڑھتا ہے لیکن اس کے لئے نَماز کا نصف، تیسرا، چوتھا، پانچواں، چھٹا اور دسواں حِصّہ بھی نہیں لکھا جاتا۔[1] بلکہ آپ اِرشاد فرمایا کرتے تھے کہ بندے کے لئے اس کی نَماز میں سے وُہی لکھا جاتا ہے جسے وہ سمجھ کر ادا کرے۔[2]

نماز میں حضورِ قلب ضروری ہے

حضرت سَیِّدُنا عَبْدُ الْوَاحِد بن زید رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ نے بھی اسی طرح کا تَذْکِرہ کرتے ہوئے اس پر اِجماع کا قول نَقْل فرمایا ہے، چُنَانْچِہ آپ فرماتے ہیں: **عُلَمائے کِرام کا اس پر اِجْماع ہے کہ بندے کے لئے اس کی نَماز میں سے وُہی ہے جسے وہ سمجھ کر ادا کرے۔**

حضرت سَیِّدُنا اِمام حسن بصری رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں: جو نَماز حُضُورِ قلب کے ساتھ نہ پڑھی جائے اس کی سزا جَلْد ملتی ہے۔[3] مَنْقُول ہے کہ بعض صحابۂ کرام مثلاً حضرت سَیِّدُنا طلحہ، حضرت سَیِّدُنا زبیر رَضِیَ اللہُ عَنْہُمَا وغیرہ انتہائی مُخْتَصَر نَماز پڑھا کرتے تھے اور جب لوگ ان سے اس کے مُتَعَلِّق پوچھتے تو وہ اِرشاد فرماتے: ہم شیطان کے وسوسوں کی وجہ سے جَلْدی پڑھتے ہیں۔[4]

---

[1] ......ابوداود، کتاب الصلاۃ، باب ماجاء فی نقصان الصلاۃ، ١/٣٠٦، حدیث ٧٩٦ بتغیر
مسند احمد، حدیث عمار بن یاسر، ٦/٢٨٣، حدیث: ١٨٩١٦ بتغیر

[2] ......کتاب الزھد لابن المبارک، باب فضل ذکر اللہ، ص ٣٥٩، حدیث: ١٣٠٠، نحوہ
تنبیہ الغافلین للسمرقندی، باب الصلوات الخمس، ص ١٥٢، حدیث: ٣٧٣

[3] ......الاربعون لمحمد بن اسلم الطوسی، باب فی شأن الصلاۃ وما فیھا، ص ٥٩، حدیث: ١١

[4] ......مصنف عبد الرزاق، کتاب الصلاۃ، باب تخفیف الامام، ٢/٢٢١ و ٢٢٢، رقم: ٣٧٣٧ و ٣٧٤٠

فرمانِ فاروقِ اعظم رَضِیَ اللہُ عَنْہ

مَرْوِی ہے کہ (ایک مرتبہ) اَمِیرُ الْمُؤمِنِین حضرت سَیِّدُنا عُمَر فَارُوقِ اَعْظَم رَضِیَ اللہُ عَنْہ نے مِنْبر پر کھڑے ہو کر اِرشَاد فرمایا: بے شک ایک شخص حالَتِ اِسلام میں بوڑھا ہو جاتا ہے مگر رَضائے اِلٰہی کے لئے ایک نَماز بھی کامِل طور پر ادا نہیں کر پاتا۔ عَرض کی گئی: وہ کیسے؟ اِرشَاد فرمایا: نَماز میں اس کا خُشُوع و خُضُوع کامِل ہوتا ہے نہ اس کی توجُّہ اپنے ربِّ تَبارَکَ وَتَعَالٰی کی طرف مکمَّل ہوتی ہے۔

اللہ پاک سے بڑھ کر کس کی بات سچی ہو سکتی ہے؟ چُنانچہ وہ اِرشَاد فرماتا ہے:

حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ (پ۵، النسآء: ۴۳) ترجمۂ کنزالایمان: جب تک اتنا ہوش نہ ہو کہ جو کہو اسے سمجھو۔

سرورِ کائنات صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا فرمانِ عِبرت نشان ہے: جسے دنیا کے غم گھیر لیں وہ کس وادی میں ہلاک ہوتا ہے **اللہ** پاک کو اس کی کوئی پروا نہیں۔[1]

نَماز میں بھولنا کیسا؟

حضرت سَیِّدُنا ابو عالیہ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ سے دَرْج ذیل فرمانِ باری تعالٰی کے مُتَعَلِّق سوال ہوا کہ اس سے کیا مُراد ہے؟

اَلَّذِیْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَۙ(۵) ترجمۂ کنزالایمان: جو اپنی نَماز سے بھولے بیٹھے ہیں۔

(پ۳۰، الماعون: ۵)

تو آپ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ نے اِرشَاد فرمایا: یہاں وہ شخص مُراد ہے جو نَماز میں بھول جاتا ہے اور نہیں جانتا کہ کتنی رکعتوں کے بعد فارِغ ہو گا جفت کے بعد یا طاق کے بعد؟ جبکہ حضرت سَیِّدُنا امام حسن بصری رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں: یہاں وہ شخص مُراد ہے جو نَماز کے وَقْت غافِل رہتا ہے یہاں تک کہ نَماز کا وَقْت نِکل جاتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ آپ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ تو یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ **اللہ** پاک کی قَسم! اگر انہوں نے نَماز چھوڑ دی ہوتی تو گویا کفر کے مُرتکِب ہوتے، مگر (افسوس!) وہ وَقْت بھول جاتے ہیں۔

بعض عُلَمائے کرام نے اس کا معنٰی یہ بیان فرمایا ہے کہ یہاں وہ شخص مُراد ہے جو اوّل وَقْت میں یا

---

[1] ......ابن ماجه، كتاب السنة، باب الانتفاع بالعلم والعمل به، ۱/۱۶۷، حديث: ۲۵۷

باجماعت نماز پڑھنے پر خوش ہوتا ہے نہ تاخیر کرنے پر غمزدہ ہوتا ہے۔ ایک قول کے مطابق وہ جلدی نماز پڑھنے کو ثواب سمجھتا ہے نہ تاخیر سے پڑھنے میں کسی قسم کے گناہ کا خیال کرتا ہے۔

نمازوں کا حساب کتاب

مَنْقُول ہے کہ پانچوں نمازوں کو ایک دوسری کے ساتھ ملایا جاتا ہے تب جاکر بندے کی کوئی ایک نماز مکمل ہوتی ہے اور ایک قول کے مطابق بعض لوگ 50 نمازیں پڑھتے ہیں تو ان کی پانچ ۵ نمازیں مکمل ہوتی ہیں۔

(صاحبِ کتاب حضرت سیِّدُنا شیخ ابو طالب مکی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں:) **اللہ** پاک اپنے بندے سے ہر اس کام کی مکمل ادائیگی چاہتا ہے جسے بجالانے کا اُس نے بندے کو حکم اِرشاد فرمایا ہے جیسا کہ اس سے فرض نماز کی تکمیل چاہتا ہے (اور اگر وہ اسے مکمل نہیں کرپاتا) تو اس کے دیگر نفلی اَعمال سے ان فرائض کو پورا فرماتا ہے۔ اس لیے کہ اس نے بندے پر وُہی اَعمال فرض ٹھہرائے ہیں جو اس کے بس میں ہیں، کیونکہ وہ اپنی رَحْمَت کی وجہ سے کسی کو اس کی طاقت سے بڑھ کر کسی کام کا مُکَلَّف نہیں بناتا۔

حضرت سیِّدُنا عیسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام سے مَرْوِی ہے کہ **اللہ** پاک اِرشاد فرماتا ہے: فرائض کے ذریعے میرا بندہ مجھ (یعنی میرے غَضَب و ناراضی) سے نجات پالیتا اور نَوافِل کے ذریعے میرا قُرب حاصِل کرتا ہے۔

اسی طرح کی ایک حَدِیْثِ قُدسی سرکارِ مدینہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے بھی مَرْوِی ہے جس میں ہے کہ **اللہ** پاک اِرشاد فرماتا ہے: میرے فَرْض کردہ اَحکام کی بجاآوری کے بغیر بندہ مجھ سے (یعنی میرے غضب سے) چھٹکارا نہیں پاسکتا۔[1] ایک مُفَصَّل رِوایت میں ہے کہ **اللہ** پاک کے پیارے حبیب صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اِرشاد فرمایا: سب سے پہلے بندے سے نماز کا حِساب لیا جائے گا، اگر وہ کامل ہوئی تو اچھی بات ہے ورنہ **اللہ** پاک اِرشاد فرمائے گا: دیکھو! کیا میرے بندے کے پاس نَوافِل ہیں تاکہ ہم اس کے فرائض کو اس کے نَوافِل سے پورا کردیں؟ پھر اسی طرح اس کے تمام فرائض کے ساتھ کیا جائے گا۔[2]

---

[1] ......کتاب الزھد لابی داود، ص ۳۲، حدیث: ۵ عن طاوس یمانی

الزھد لابن المبارک، باب فضل ذکر اللہ، ص ۳۶۵، حدیث: ۱۰۳۲ عن حسان بن عطیۃ

[2] ......ترمذی، ابواب الصلاۃ، باب ما جاء ان اول ما یحاسب......الخ، ۱/ ۴۲۱، حدیث: ۴۱۳

(صاحبِ کتاب حضرت سیِّدُنا شیخ ابو طالب مکی رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْه فرماتے ہیں:) یوں ہر فَرض کو اسی کی جِنس میں سے نفلی کام سے پورا کیا جاتا رہے گا، اگر فرائض کی طرح نوافِل کی ادائیگی میں بھی سَہْو و کوتاہی ہو گی یا نوافل ہی نہ ہوں گے تو حِساب میں اس کی حالَت کیا ہو گی؟

آیت مُبارَکہ کی تفسیر

فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

كَلَّا لَمَّا يَقْضِ مَآ اَمَرَهٗ ؕ﴿۲۳﴾ ترجمۂ کنزالایمان: کوئی نہیں اس نے اب تک پورا نہ کیا جو اُسے حکم ہوا تھا۔ (پ ۳۰، عبس: ۲۳)

اس آیتِ مُبارَکہ کے مُتعلِّق حضرت سیِّدُنا عبد اللہ بن عباس رَضِیَ اللهُ عَنْهُمَا سے پوچھا گیا: یہاں کون شخص مُراد ہے تو آپ رَضِیَ اللهُ عَنْه نے اِرشَاد فرمایا: یہاں کافِر مُراد ہے۔

(صاحبِ کتاب حضرت سیِّدُنا شیخ ابو طالب مکی رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْه فرماتے ہیں) حضرت سیِّدُنا عبد اللہ بن عباس رَضِیَ اللهُ عَنْهُمَا نے ایسا اس لیے اِرشَاد فرمایا کیونکہ آپ رَضِیَ اللهُ عَنْه کے نزدیک قرآنِ کریم میں جہاں بھی خصوصی طور پر انسان کا ذِکر آیا ہے وہاں مُراد کافِر ہی ہے۔ حالانکہ ایک مقام پر اِرشادِ باری تعالیٰ ہے:

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ؕ ترجمۂ کنزالایمان: **اللہ** کسی جان پر بوجھ نہیں ڈالتا مگر اس کی طاقت بھر۔ (پ ۳، البقرۃ: ۲۸۶)

یعنی اس کی طاقت و وُسعت کے مُطابِق ہی اسے حُکم اِرشَاد فرماتا ہے، جبکہ اس کے بعد مومنین کے مُتعلِّق خَبر دیتے ہوئے اِرشَاد فرمایا:

وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ ترجمۂ کنزالایمان: اور ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جس کی ہمیں سہار (طاقت) نہ ہو۔ (پ ۳، البقرۃ: ۲۸۶)

اس آیتِ مُبارَکہ کی تفسیر میں مَروی ہے کہ ان کی دُعا کو شَرَفِ قبولیَّت عطا فرماتے ہوئے اِرشَاد فرماتا ہے کہ میں نے ایسا ہی کیا ہے۔

(اگر حضرت سیِّدُنا عبد اللہ بن عباس رَضِیَ اللهُ عَنْهُمَا کے قول کو دیکھیں اور اس آیت کی تفسیر کو بھی پیشِ نظر رکھیں تو)

اس مسئلہ میں اِختِلاف اور شُبہ پیدا ہوتا ہے، جس کی دُرُست صُورَت یہ ہے کہ **اللہ** پاک اپنے مومن بندوں کو بِالخُصُوص ان کی طاقت سے بالاتر کا مُکلَّف نہیں بناتا کہ یہ ان پر اس کا خاص فَضْل وکَرَم ہے اور اس نے اس کی وجہ سے انہیں کافروں پر ترجیح عَطا فرمائی ہے، کیونکہ وُہی ہے جو اپنے بعض بندوں کو دیگر بعض پر ترجیح عَطا فرماتا ہے کہ فَضْل وکَرَم اس کے دَسْتِ قُدرَت میں ہے وہ جسے چاہے نوازے۔

نیز فرمانِ باری تعالیٰ ﴿ وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ (پ۳، البقرۃ:۲۸۶) ترجمۂ کنز الایمان: اور ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جس کی ہمیں سہار (طاقت) نہ ہو۔ ﴾ کے مفْہُوم سے یہ بھی مَعْلُوم ہو رہا ہے کہ **اللہ** پاک اپنے عَدْل وحِکْمَت کی وجہ سے کافِر پر اس کی طاقت سے زائد بوجھ ڈال سکتا ہے۔ جیسا کہ اس کا فرمانِ عالیشان ہے:

وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ؕ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ (پ۸، الانعام:۱۱۵)

ترجمۂ کنز الایمان: اور پوری ہے تیرے رب کی بات سچ اور انصاف میں اس کی باتوں کا کوئی بدلنے والا نہیں۔

ایک قول کے مُطابِق یہاں مُراد یہ ہے کہ تیرے ربّ تعالیٰ کی بات مُؤمِنِین کے لیے سچّی اور کافروں کے لیے اِنْصاف پر مَبْنِی ہے۔

اللہ پاک نے حضرت سَیِّدُنا یُوسُف عَلَیْہِ السَّلَام کے بھائیوں کے مُتَعَلِّق خَبَر دیتے ہوئے اِرشَاد فرمایا:

قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا (پ۱۳، یوسف:۹۱)

ترجمۂ کنز الایمان: بولے خدا کی قسم بے شک **اللہ** نے آپ کو ہم پر فضیلت دی۔

یہ اس بات پر نَصّ ہے کہ **اللہ** پاک کی بعض مَخْلُوق کو بعض پر ترجیح حاصِل ہے۔

(صَاحِبِ کِتاب حضرت سَیِّدُنا شیخ ابُو طالِب مَکّی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں) میں نے حضرت سَیِّدُنا اِبْنِ عبّاس رَضِیَ اللہُ عَنْہُمَا سے مَرْوِی اس آیتِ مُبارَکہ کی جو تفسیر ذِکْر کی ہے اس کی تائید میں انہی سے دَرْج ذیل فرمانِ باری تعالیٰ کی تفسیر میں مَرْوِی ہے:

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَاۤ ٚ (پ۸، الاعراف:۴۲)

ترجمۂ کنز الایمان: اور وہ جو ایمان لائے اور طاقت بھر اچھے کام کئے ہم کسی پر طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں رکھتے۔

یعنی **اللہ** پاک نے کسی پر بھی اس کی طاقت سے زیادہ کوئی کام لازِم قرار نہیں دیا، یہی وجہ ہے کہ **اللہ**

پاک نے مؤمنین پر صِرف وُہی کام فَرض قرار دیئے جن کے بجالانے کی وہ طاقت رکھتے تھے اور وہ کام فَرض ہی نہیں کئے جن کی وہ طاقت نہیں رکھتے۔ یہاں خاص طور پر مؤمنین مُراد ہیں، حضرت سَیِّدُنا ابن مَسْعُود رَضِیَ اللہُ عَنْہ سے بھی کچھ اسی قسم کی باتیں منقول ہیں جو میں نے ابھی ذِکْر کی ہیں۔ نیز انہوں نے اِس مسئلہ کی وَضاحَت میں جو کچھ اِرشاد فرمایا ہے اس کے بارے میں وُہی لوگ تاویلیں کرتے پھرتے ہیں جن کے دل میں کچھ کجی ہے۔ چُنانچہ آپ رَضِیَ اللہُ عَنْہ فرماتے ہیں: **اللہ** پاک نے بندوں کو صِرف اسی کام کا مُکَلَّف بنایا ہے جس کی وہ طاقت رکھتے ہیں، کیونکہ وہ سب اسی کے مُحتاج ہیں اور اپنی کسی بھی حَرَکَت و سُکُون میں اس سے مُسْتَغْنِی نہیں۔ اس لیے کہ اس کی مَشِیَّت کے بغیر ان کی مَشِیَّت کچھ حَیْثِیَّت رکھتی ہے نہ اس کی توفیق کے بغیر یہ کچھ کرنے کی اِسْتِطاعَت رکھتے ہیں، کیونکہ اس کی مَدد اور توفیق کے بغیر نیکی کرنے کی کوئی قوّت ہے نہ بُرائی سے بچنے کی کوئی طاقت۔ کیا آپ نے **اللہ** پاک کا یہ فرمانِ عالیشان سَماعَت نہیں فرمایا جو اس نے کفّار بد اطوار کے اَوصاف بیان کرتے ہوئے اِرشاد فرمایا ہے:

مَا كَانُوْا يَسْتَطِيْعُوْنَ السَّمْعَ وَ مَا كَانُوْا يُبْصِرُوْنَ ⓴ (پ۱۲، ھود: ۲۰)

ترجمۂ کنزالایمان: وہ نہ سن سکتے تھے اور نہ دیکھتے۔

اسی طرح ایک اور مَقام پر اِرشاد فرمایا:

وَ كَانُوْا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَمْعًا ۟ (پ۱۵، الکھف: ۱۰۱)

ترجمۂ کنزالایمان: اور حق بات سن نہ سکتے تھے۔

اور جسے اِستِطاعَت حاصِل ہے اس کے مُتَعَلِّق اِرشاد فرمایا:

اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ؕ وَ مَا تَوْفِيْقِيْۤ اِلَّا بِاللّٰهِ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ (پ۱۲، ھود: ۸۸)

ترجمۂ کنزالایمان: میں تو جہاں تک بنے سنوارنا ہی چاہتا ہوں اور میری توفیق **اللہ** ہی کی طرف سے ہے میں نے اسی پر بھروسا کیا۔

نماز اور نمازی کی فضیلت

اللہ پاک کے پیارے حبیب صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا فرمانِ عالیشان ہے: جس نے نماز اسی طرح پڑھی

جیسا کہ حُکْم دیا گیا ہے تو اس کے گزَشْتہ تمام گناہ مُعاف ہو جاتے ہیں۔(1)

ایک رِوایَت میں ہے کہ **اللہ** پاک اِرشَاد فرماتا ہے: میں ہر نَمازی کی نَماز قبول نہیں کرتا بلکہ میں صِرف اسی کی نَماز قبول کرتا ہوں ☜ جو میری عَظْمَت کی خاطِر تواضُع سے کام لے ☜ میری جَلَالَتِ شان کی وجہ سے خُشُوع اپنائے ☜ میری حرام ٹھہرائی ہوئی اَشیا سے اپنی نفسانی خواہشات کو روکے رکھے ☜ اپنے شب و روز میرے ذِکْر میں بَسَر کرے ☜ میری نافرمانی پر اِصْرَار نہ کرے ☜ میری مخلوق پر تکبُّر نہ کرے ☜ بلکہ ضعیفوں پر رحم کرے ☜ اور میری خاطِر فقیروں کی غم گساری کرے تو میں ان باتوں کے بدلے میں ☜ اس کی جَہَالَت کو حِلْم سے اور ☜ ظُلْم کو نُور سے بَدَل دیتا ہوں ☜ وہ مجھے پکارتا ہے تو میں اس کی پُکار کا جواب دیتا ہوں ☜ وہ مجھ سے جو مانگتا ہے میں اسے عَطا کرتا ہوں ☜ وہ میری قسم کھالے تو میں اس کی قسم کو پورا کرتا ہوں ☜ میں اسے اپنی قوت کی پناہ میں لے لیتا ہوں اور اس کی وجہ سے اپنے فرشتوں پر فخر کرتا ہوں ☜ اگر اس کا نُور جو میرے پاس ہے تمام اَہلِ زمین پر تقسیم کیا جائے تو سب کے لیے کافی ہو ☜ اس کی مِثال اس فِرْدَوس یعنی باغ جیسی ہے جس کا پھل کبھی باسی ہوتا ہے نہ خراب ہوتا ہے۔(2)

ایک رِوایَت میں ہے کہ کتنے ہی رات بھر عِبَادَت کرنے والے لوگ ہیں کہ رات بھر عِبَادَت کرنے کے باوُجُود تھکاوٹ اور جاگنا ہی ان کے حصّے میں آتا ہے۔(3)

اِمام کی قراءت سننے کی اہمیت

جس نے اِمام کی اِقْتِدَا میں نَماز پڑھی مگر اسے یہ مَعْلُوم نہ ہوا کہ اِمام کیا پڑھ رہا ہے تو یہ غَفْلَت کی اِنْتِہا ہے۔ کیونکہ وہ قرآنِ مجید کے سننے کے حُکْم کو چھوڑنے والا ہے، لہٰذا اندیشہ ہے کہ اس کے ربّ تعالٰی کی رَحْمَت اس سے دور ہو جائے، اس لیے کہ **اللہ** پاک نے دو ۲ شرطوں کے ساتھ اپنی رَحْمَت کی ضَمَانَت دی ہے یعنی اس

---

[1] ......ابن ماجه، كتاب اقامة الصلاة، باب ماجاء في ان الصلاة كفارة، ۲/ ۱۶۳، حديث: ۱۳۹۶

صحيح ابن حبان، كتاب الطهارة، باب فضل الوضوء، ۲/ ۱۸۹، حديث: ۱۰۳۹

[2] ......كتاب المجروحين لابن حبان، باب العين، ۱/ ۵۲۳، رقم: ۵۵۵: عبد الله بن واقد الحراني، بتغير

[3] ......ابن ماجه، كتاب الصيام، باب ماجاء في الغيبة والرفث للصائم، ۲/ ۳۲۰، حديث: ۱۶۹۰

تنبيه الغافلين للسمرقندي، باب الاخلاص، ص ۸، حديث: ۵، التعب: بدله: النصب

کے کلام کو غور سے سننے اور خاموش رہنے پر۔ چُنانچِہ انہی دونوں باتوں کا ذِکر کرتے ہوئے اِرشاد فرمایا:

وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۲۰۴﴾ (پ ۹، الاعراف: ۲۰۴)

ترجمۂ کنزالایمان: اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے کان لگا کر سنو اور خاموش رہو کہ تم پر رحم ہو۔

ایک مقام پر اِرشاد فرمایا:

فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْۤا اَنْصِتُوْا ۚ (پ ۲۶، الاحقاف: ۲۹)

ترجمۂ کنزالایمان: پھر جب وہاں حاضر ہوئے آپس میں بولے خاموش رہو۔

ایک رِوایت میں ہے کہ رسولِ پاک صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ایک مرتبہ نَماز ادا فرمائی تو قِراءت میں ایک آیتِ مُبارکہ چھوٹ گئی۔ چُنانچِہ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے پیچھے مڑ کر دَرْیافْت فرمایا: میں نے کیا پڑھا ہے؟ سب لوگ خاموش رہے تو آپ نے یہی بات حضرت سَیِّدُنا اُبَیّ بن کعب رَضِیَ اللہُ عَنْہ سے دَرْیافْت فرمائی تو انہوں نے عَرض کی: آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے فلاں سورت کی تِلاوت فرمائی تھی مگر فلاں آیت نہیں پڑھی، اب میں یہ نہیں جانتا کہ یہ آیت مَنْسُوخ ہو گئی ہے یا اُٹھا دی گئی ہے؟ اس پر آپ نے اِرشاد فرمایا: اے اُبَیّ! تو ہی اس کا اہل ہے۔ اس کے بعد باقی تمام لوگوں کی طرف مُتوجّہ ہو کر اِرشاد فرمایا: ان لوگوں کا کیا حال ہے کہ نَمازوں میں حاضِر ہوتے ہیں، صفیں بھی مُکمَّل کرتے ہیں اس حال میں کہ ان کا نبی ان کا اِمام ہے مگر وہ ہیں کہ یہ بھی نہیں جانتے کہ ان کا نبی ان کے رب تَبَارَکَ وَتَعَالٰی کی کِتاب سے کیا تِلاوت فرما رہا ہے؟ یاد رکھو! بنی اسرائیل نے بھی تمہاری طرح کیا تھا تو اللہ پاک نے ان کے نبی کو وحی فرمائی: اپنی قوم سے فرما دیجئے کہ تم اپنے جسموں کے ساتھ تو میری بارگاہ میں حاضِر ہوتے اور اپنی زبانیں بھی مجھے پیش کرتے ہو مگر اپنے دِل میری بارگاہ سے غائب رکھتے ہو، لہٰذا جو کچھ تم میری بارگاہ سے لے کر جاتے ہو اس کی کچھ حَیْثِیَّت نہیں۔[1]

سجدے میں گناہ

ہمارے ایک عالِمِ ربّانی فرماتے ہیں کہ بندہ سجدہ کرتا ہے اور گمان کرتا ہے کہ وہ اس کے ذریعے اپنے رب کا قُرب حاصِل کر رہا ہے، لیکن اگر اس کے سجدہ میں ہونے والے گناہوں کو پورے شہر کے لوگوں پر

[1] ......تعظیم قدر الصلاۃ للمروزی، ضرر السہو من الصلاۃ، ۱/ ۱۹۸، حدیث: ۱۵۷، نحوہ

تقسیم کیا جائے تو وہ سب ہلاک ہو جائیں۔ عَرض کی گئی: اے ابو محمد! وہ کیسے؟ تو انہوں نے اِرشَاد فرمایا: وہ (بظاہر تو) بارگاہِ خُداوندی میں سجدہ ریز ہوتا ہے مگر اس کا دِل نفسانی خواہش کی طرف مُتوجّہ ہوتا ہے اور کسی ایسی غَلَط شے کو دیکھ رہا ہوتا ہے جو اس پر غَلَبہ پاچکی ہوتی ہے۔

(صاحبِ کتاب حضرت سَیِّدُنا شیخ ابُو طالِب مکّی رَحمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں:) حقیقت بھی یہی ہے جیسا کہ انہوں نے اِرشَاد فرمایا ہے، اس لیے کہ ایسا کرنے میں قُربِ خُداوندی کی بے حُرمَتی اور ھَیْبَتِ خُداوندی کا ضیاع ہے۔ لہٰذا یاد رکھئے! آپ کو نماز کا طویل محسُوس ہونا غَفْلَت کی عَلامَت ہے جبکہ اسے حد دَرَجہ مُخْتَصَر کر دینا لاپروائی کی عَلامَت ہے۔ کیونکہ جب یہ آپ کو طویل محسُوس ہوگی تو یہ اس بات کی عَلامَت ہے کہ آپ عَدَمِ حَلَاوَت کا شِکار ہیں، اسے گراں سمجھ رہے ہیں اور آپ کے اَعْضا و جَوارِح پر نماز ایک بوجھ ہے۔ لیکن جب آپ اس میں اِخْتِصار سے کام لیں گے تو یہ اس بات کی عَلامَت ہوگی کہ آپ نماز کی حُدُود میں کمی کے مُرتکِب ہو رہے ہیں اور غَفْلَت و سَہْو کا شِکار ہیں۔

نماز میں استقامت سے مراد

اَلْغَرَض نماز میں بھول جانا گویا اس کی حُدُود میں کوتاہی کا مُرتکِب ہونا ہے، جبکہ نماز میں اِسْتِقَامَت سے مُراد یہ ہے کہ حَلَاوَت کے پائے جانے، مُنَاجَات کی لذّت، حُسْنِ فہم اور اِجْتِماعِ فِکْر کی وجہ سے یہ آپ کو طویل محسُوس ہو نہ حاضِر دِماغی، حُدُود کی پاسداری اور اَچھے طریقے سے پڑھنے کی وجہ سے آپ نماز میں کسی کوتاہی کے مُرتکِب ہوں۔ یہی نمازیوں کا مُراقَبہ اور خاشعین کا مُشاہدہ ہے۔

نماز میں خیالات آنے کے احکام

خیر یا شر پر مشتمل خیال کا حکم

بندے کو نماز میں خیر کا کوئی کام یاد آجائے تو (نماز کے بعد) اس کام کو کرنے میں جلدی کرے کہ یہ **اللہ** پاک کا پسندیدہ عَمَل ہے، اس لیے کہ **اللہ** پاک نے ہی اسے بہتر وَقْت میں یہ عَمَلِ خیر یاد کرایا ہے لیکن اگر وہ کام ناپسندیدہ اور **اللہ** پاک کی ناراضی کا باعث بننے والا ہو یعنی ایسا بُرا کام ہو کہ جس کا وہ پہلے سے عادی بھی ہو تو

اس سے پرہیز کرے، کیونکہ یہ کام اسے قُرْبِ خُداوندی سے دُور کر دے گا، البتہ! مقامِ قرب میں اسے یہ بُرا کام یاد کرانے کا سبب اسے ڈانٹنا و جھڑکنا اور بسا اوقات مُتَنَبِّہ کرنا اور سزا دینا ہوتا ہے۔ چُنانچہ اس بُرے کام کو چھوڑ دینا قُرْبِ خُداوندی کا سبب اور حُسْنِ اِسْتِجابَت کی دلیل ہے اور یہی **اللہ** پاک کی بارگاہ تک لے جانے والا راستہ ہے۔

خواہش و تمنا پر مشتمل خیال کا حکم

اگر وہ خَیال خواہش و تَمَنّا پر مُشْتَمِل ہو یا آئندہ یا گزشتہ کسی (بُرے کام کے) اِرادے پر مُشْتَمِل ہو تو یہ ایک شیطانی وسوسہ ہے جو شیطان اس کے دِل میں حَسَد کے باعث پیدا کرتا ہے تاکہ اَرکانِ نَماز میں سے ہر ہر رُکن کی اَدائیگی کے وَقْت وہ بندے کو اس کے رب تعالیٰ سے دُور اور اس کے دِل کو مُناجاتِ باری تعالیٰ سے غافِل کر دے۔ یوں وہ بندے پر ایک ایسا حِجاب ڈال دیتا ہے کہ وہ اپنے نَفْع سے مَحْرُوم ہو کر نقصان اُٹھانے کو بھی سمجھ نہیں پاتا اور شیطان ایسا مَحْض اس لیے کرتا ہے تاکہ وہ بندے کو ان فوائد سے مَحْرُوم کر دے کہ جن کا مُشاہدہ وہ اَذکارِ نَماز میں سے ہر ہر ذِکْر سے حاصِل ہونے والی باتوں کے وَقْت کر سکتا تھا یعنی (وہ نَماز پڑھتے ہوئے) تَدَبُّر، تعظیم، حَمد، دُعا یا اِسْتِغْفار (جیسے اَعمالِ خَیر بجا نہ لائے)۔

معاشی مسئلہ پر مشتمل خیال کا حکم

اگر دل میں پیدا ہونے والے خَیال کا تَعَلُّق اس کے کسی مَعاشی مسئلہ سے ہو اور اسے نَماز میں مُناجات سے اپنے اَحْوال کے بدلنے اور اپنی کَیفِیَّت کی کچھ بہتر تدبیر کرنا یاد آئے تو جان لیجئے کہ یہ خَیال نَفْس کی طرف سے ہے کیونکہ نَفْس کی (خواہشات پر مَبْنِی) سوچ کا تَعَلُّق ان وسوسوں اور اندیشوں سے ہوتا ہے جو اُمُورِ دنیا سے پیدا ہوتے ہیں۔

گناہ پر مشتمل خیال کا حکم

اگر نَمازی کے دِل میں کوئی ایسا خَیال آئے جس سے مَنْع کیا گیا ہو یا وہ سوچ ایسی ہو جو کسی بُرے گناہ پر مُشْتَمِل ہو تو یہ ہَلاکت اور قُرْبِ خُداوندی سے دُوری کی عَلامَت ہے جو نَفْسِ امارہ کے غَلَبہ کی وجہ سے پیدا

ہوتی ہے۔ یہ حِجاب وبُعد کی علامَت اور اللہ پاک کی ناراضی واِعْراض کی دلیل ہے۔ چُنَانچِہ،

برے خیالات سے نجات کا طریقہ

جب بندہ نَماز میں مَذْکُورہ باتوں میں مُبْتَلا ہو تو اسے جان لینا چاہیے کہ اسے ان باتوں کے ذریعے آزمایا جارہا ہے، چُنَانچِہ اس پر لازِم ہے کہ وہ ان خَیالات کی نفی کرے اور دل میں ایسے خَیالات کو سَر ہی نہ اُٹھانے دے کہ جو اس پر غالِب آسکیں، بلکہ ان کے مُتَعَلِّق سوچے ہی نہیں کہ ان کی طرف مائل ہو۔ یہی نہیں بلکہ کوشِش کرے کہ ایسے خَیالات یاد ہی نہ آئیں اور اگر یاد آبھی جائیں تو ان کے مُتَعَلِّق زیادہ نہ سوچے ورنہ وہ اسے ذِکْرِ خُداوندی اور حالَتِ بیداری سے نِکال کر جہالَت وغَفْلَت کی وادیوں میں دھکیل دیں گے۔ یادرکھئے! ہر وہ کام جس کا کرنامَمْنُوع ہے اس کا عزم کرنا بھی مَمْنُوع ہے اور اس میں عیب ہے اور ہر وہ کام جس کا کرنا مُباح ہو اس کا عزم کرنا بھی مُباح ہے اور اس میں بہتری ہے۔

خیر پر مبنی خیالات میں کیا کرے؟

نیکی پر مَبْنِی دِل میں پیدا ہونے والے خیالات پر عَمَل کرنے کی نِیَّت کرلینا چاہئے، کیونکہ یہ کام اسے یاد دِلائے گئے اور اس سے چاہے گئے ہیں، مگر نِیَّت کرنے کے بعد اپنی نَماز میں مَشْغُول ہو جائے اور ان کی تدبیر میں مَصْرُوف نہ ہو کہ انہیں کیسے بجالائے؟ کب کرے؟ یا جب کرے تو اس کی اپنی حالَت کیسی ہو گی؟ بلکہ خَیال رکھے کہ وہ بارگاہِ رَبُوبِیَّت میں حاضِر ہے اور وہ مستقبل کی تدبیر میں مَشْغُول ہو کر بارگاہِ خُداوندی میں تَوَجُّہ قائم نہیں رکھ پارہا ہے۔ یہ بھی ایک شیطانی دھوکا ہے۔

نماز میں خیالات سے نجات پانے والے کی فضیلت

(صاحِبِ کتاب فرماتے ہیں:) اگر نَمازی نے نَفْس سے اس کی خواہشات پر مَبْنی سوچوں کی وجہ سے اور شیطان سے اس کے دِل میں پیدا کردہ وسوسوں کی وجہ سے مُجاہَدَہ کیا تو گویا وہ راہِ خُدا میں جِہاد کرنے والے اور دُشمنانِ خُدا سے لڑنے والے کسی شخص کی طرح ہے۔ نیز اس کے لیے دو اَجر ہیں:

(1) خُدائے پاک کا قُرب حاصِل کرنے کے لیے نَماز کا اَجر۔

﴿2﴾ اللہ پاک کے دُشمن شیطان لعین ورجیم سے جنگ کرنے کا اَجر۔

قوی ایمان والوں کا طریقہ کار

مَضبُوط و قَوِی اَہلِ ایمان سَلَف صَالِحِین شیطان پر حد دَرجَہ سَخْتی سے کام لیا کرتے تھے، جب کبھی وہ نماز میں کسی ایسے سَبَب سے آزمائے جاتے جو ان کی حَالَتِ مُشاہَدہ میں تبدیلی کا باعث بنتا تو وہ فوراً اس سَبَب کو خود سے دُور فرما دیا کرتے، کیونکہ وہ شے بارگاہِ خُداوندی سے ان کی دُوری کا سَبَب بنی، لہٰذا انہوں نے اسے خود سے جُدا کر دیا اور اس میں بے رغبتی کو اپنایا یعنی اس میں زُہد اِختیار کیا۔ اس اِعْتِبار سے اس آزمائش میں مُبْتَلا ہونا ان پر ان کے ربِ تَبارَکَ وَتَعَالٰی کا اِحْسَان ہے اور وہ اس ذریعے سے ان کے دَرَجات میں اِضافہ فرماتا ہے اور یہ بھی ایک سَبَب ہے جس سے زاہِدین دنیا میں زُہد اِختیار کرتے ہیں تاکہ ان کے دِل اَسبَاب سے خالی اور اَعمال وسوسوں سے پاک ہو جائیں۔ چنانچہ،

ایک رِوایت میں ہے کہ سرکارِ مدینہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی نَظَرِ مُبارَک حالَتِ نَماز میں زیبِ تن کیے ہوئے جُبَّہ مُبارَک پر پڑی تو آپ نے اسے اُتار دیا اور اِرشَاد فرمایا: اس نے مجھے نَماز میں اپنی طرف مَشْغُول کر لیا تھا۔[1]

اسی طرح ایک مرتبہ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی نِگاہ دَورانِ نَماز اپنے نعلین مبارک کے تسمے پر پڑی جو کہ نیا تھا[2] تو حُکْم اِرشَاد فرمایا کہ اسے اُتار کر پہلے والا پُرانا تسمہ لگا دو۔

ایک رِوایت میں ہے کہ اللہ پاک کے پیارے حبیب صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے نیا جُوتا پہنا تو اس کا حُسن آپ کو بہُت اَچھا لگا تو آپ نے فوراً سجدہ کیا اور اِرشَاد فرمایا: میں نے اپنے ربِ تَبارَکَ وَتَعَالٰی کے سامنے تواضُع کی تاکہ وہ مجھ پر ناراض نہ ہو۔ پھر آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم باہَر تشریف لے گئے اور جو سب سے پہلا سائل مِلا اسے وہ جُوتا عَطا فرما دیا۔ اس کے بعد حضرت سَیِّدُنا علی المرتضٰی رَضِیَ اللہُ عَنْہُ کو حُکْم اِرشَاد فرمایا کہ وہ آپ کے لیے سبتی جوتوں کی جوڑی خرید کر لائیں۔ چنانچہ (وہ خرید کر لائے تو) آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے وہ جوڑی پہنی۔

---

[1] ......مسلم، کتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب کراھة الصلاة بثوب له اعلام، ص ۲۸۰، حدیث: ۵۵۶

[2] ......الزھد لابن المبارک، باب فی التواضع، ص ۱۳۵، حدیث: ۴۰۲

کمزور ایمان والوں کا طریقہ کار

کمزور ایمان والے اِیمانی قوّتِ یقین اور قلبی سُرعَتِ بیداری کی وجہ سے ان خَیالات کی نفی کرتے اور کوشِش کرتے کہ ان کے مُتعلّق نہ سوچیں، اس لیے کہ ان آفات کے آنے کے ذرائع اور راستے یہ ہیں: ☜خواہشِ نَفس ☜شیطانی غَلَبہ و تسلط ☜نفسانی خواہش کا غَلَبہ و تسلط ☜غَفلَت کی طَوالَت کے باعث شیطان کا قَوِی ہو جانا ☜شہوات میں نَفس کے مگن ہونے کے باعث عِبادَت کی حَلاوت کا نہ ہونا ☜خواہشات کا صِفات پر قَوِی ہونا ☜یقین کی کمزوری اور دل کی تنگی کے باعث نَفس اور نفسانی صِفات کا مَضبُوط ہونا۔

اگر بندے کا یقین مَضبُوط و قَوِی ہو تو اسے شَرحِ صَدر کی دولت ملتی ہے اور اس کے یقین کا نُور نفسانی خواہش کی ظُلمَت کو بجھا دیتا ہے، نَفس قَلب میں اس طرح داخِل (ہو کر غائب) ہو جاتا ہے جیسے رات دن میں داخِل (ہو کر غائب) ہو جاتی ہے۔ یوں اس بندے کا مَقامِ مُشاہَدہ شیطان و نَفس کے غَلَبہ و تَسَلُّط کو خَتم کر دیتا ہے اور وہ یقینی طور پر اس بات کو جان لیتا ہے کہ اس کے لیے جلد حاصِل ہونے والی دنیا کے بجائے اُخرَوِی اَنجام کے اِعْتِبار سے ذِکرِ خُداوندی اور نَماز زیادہ نَفع مند اور قابلِ تعریف ہیں، لہٰذا وہ بُری سوچوں میں مُبتَلا ہونے کے بجائے ذِکرِ خُداوندی میں مَصرُوف ہو جاتا ہے۔

(صاحِبِ کتاب حضرت سَیِّدُنا شیخ ابُو طالِب مکّی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں:) ان دو مَقامات کے بعد کوئی اور ایسا حال نہیں جو قابلِ تعریف ہو اور نہ کوئی ایسی شے ہے جو قابلِ مَدح و سَتائش ہو۔ البتہ! بندے کے دِل میں جو تلاوَتِ قرآنِ مجید کا فہم، مَعانی کی سوجھ بوجھ اور مَقْصَد و مُراد پر آگاہی پیدا ہوتی ہے وہ سب ربِّ تَبارَکَ وَ تَعالٰی کی تعلیم کردہ ہے کہ وہ خود اپنے بندے کو مَعرِفَت و آگاہی عَطا فرماتا ہے اور یہ سب تِلاوَت کی خوبی، اِخلاص کی عَلامَت، تَدَبُّر کی بَرَکَت اور قبولِیَّت و شُکر کی دلیل ہے کیونکہ بندے نے اپنے **اللہ** پاک کی عِبادَت کو اَچّھے طریقے سے ادا کیا ہے، لہٰذا اسے چاہیے کہ اس عِبادَت میں سے جو بھی پاک و صاف اسے اپنا حِصّہ ملتا ہے لے لے، اگلے لمحے کا اِنتِظار کرے نہ دوبارہ اس کے حُصُول کی تمنّا کرے اور نہ عِبادَت سے فارِغ ہونے کے بعد اسی معنیٰ و مَفْہُوم کے مُتَعَلّق سوچے، ورنہ شیطان اسے خُود نُمائی میں مُبتَلا کر دے گا اور اس کے دِل میں وسوسے ڈالے گا اور یوں بندہ اس دھوکے کے باعث مزید کا طَمَع کرے گا اور اُمّید و تمنّا کے

دروازے میں داخل ہو جائے گا۔ اس لیے کہ **اللہ** پاک نے تمنّاؤں کو گمراہی کے ساتھ ذِکر فرمایا ہے اور یہ جھوٹے وعدے ہیں۔ کیا آپ نے **اللہ** پاک کا یہ فرمانِ عالیشان نہیں سنا کہ جس میں اس نے اس ساری بات کی خبر دی ہے۔ چُنانچہ اِرشاد ہوتا ہے:

وَّلَاُضِلَّنَّهُمْ وَلَاُمَنِّیَنَّهُمْ

ترجمۂ کنزالایمان: قسم ہے میں ضرور انہیں بہکادوں گا اور ضرور انہیں آرزوئیں دلاؤں گا۔ (پ ۵، النسآء: ۱۱۹)

اسی کی مِثل ایک مقام پر کچھ یوں اِرشاد ہوتا ہے:

وَشَارِكْهُمْ فِی الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ وَعِدْهُمْؕ وَمَا یَعِدُهُمُ الشَّیْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۶۴﴾ (پ ۱۵، بنی اسرآئیل: ۶۴)

ترجمۂ کنزالایمان: اور ان کا ساجھی ہو مالوں اور بچوں میں اور انہیں وعدہ دے اور شیطان انہیں وعدہ نہیں دیتا مگر فریب سے۔

اس کے بعد **اللہ** پاک نے اپنے ان بندوں کو مُستَثنٰی قرار دیا جنہیں اس نے اپنی قوت سے شیطان پر غالِب فرمایا اور وہ اس کی نشانیوں کی مَدَد سے اس پر غالِب ہیں، شیطان کو ان پر کچھ رسائی حاصل نہیں، کیونکہ انہیں بارگاہِ خُداوندی میں رَسائی حاصل ہے اور وہ اس پر اسی کے بھروسے پر تَوَکُّل کرتے ہیں اور یہ ساری باتیں دَرْج ذیل فرامینِ باری تعالیٰ میں مَذْکُور ہیں:

﴿1﴾

اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَكَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌؕ وَكَفٰى بِرَبِّكَ وَكِیْلًا ﴿۶۵﴾ (پ ۱۵، بنی اسرآئیل: ۶۵)

ترجمۂ کنزالایمان: بے شک جو میرے بندے ہیں ان پر تیرا کچھ قابو نہیں اور تیرا ربّ کافی ہے کام بنانے کو۔

﴿2﴾

وَنَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطٰنًا فَلَا یَصِلُوْنَ اِلَیْكُمَاۚۛ بِاٰیٰتِنَاۤۚۛ اَنْتُمَا وَمَنِ اتَّبَعَكُمَا الْغٰلِبُوْنَ ﴿۳۵﴾ (پ ۲۰، القصص: ۳۵)

ترجمۂ کنزالایمان: اور تم دونوں کو غلبہ عطا فرمائیں گے تو وہ تم دونوں کا کچھ نقصان نہ کر سکیں گے ہماری نشانیوں کے سبب تم دونوں اور جو تمہاری پیروی کریں گے غالِب آؤ گے۔

﴿3﴾

اِنَّهٗ لَیْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا

ترجمۂ کنزالایمان: بے شک اس کا کوئی قابو ان پر نہیں جو

وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۹۹﴾ (پ ۱۴، النحل: ۹۹) ایمان لائے اور اپنے رب ہی پر بھروسا رکھتے ہیں۔

نماز میں کن باتوں میں غور و فکر کرے؟

بندہ جب نماز میں (کلامِ پاک کے) ہر ہر کلمہ کے مُتَعَلِّق تَفَکُّر وتَدَبُّر کرتا ہے تو (بسا اوقات) وہ ان نیک اَعمال کے مُتَعَلِّق سوچنے لگتا ہے جن پر وہ عَمَل نہ کر سکا اور یوں بندے کا حالَتِ نَماز میں (دوسری باتوں میں) مَشْغُول ہو جانا تِلاوت کی جانے والی آیاتِ مُبارَکہ سے حاصِل ہونے والے فہم میں رُکاوٹ بن جاتا ہے، البتہ! بعض آیات کی تِلاوَت کئے بغیر ان سے حاصِل ہونے والے فہم سے وہ ایسی باتوں کی مَعْرِفَت حاصِل کر لیتا ہے جن کی اسے ضَرورت وحاجَت ہوتی ہے۔ لِہٰذا (جان لیجئے! حقیقت میں) یہ آیاتِ مُبارَکہ فطانت وذِہانَت کے وہ دروازے ہیں جو بندے کی خاطِر کھولے جاتے ہیں اور ان کی کُنجی مَحْض تَکَلُّم یعنی کلامِ پاک پڑھنا ہے۔ اس کے بعد بندے کو ایک اور چیز بھی حاصِل ہوتی ہے جو اس کے لیے زیادہ بہتر ہے یا اس پر لازِم ہے۔ اس لیے اسے چاہیے کہ عِرفان کی جس قَدْر دولت اسے نصیب ہو اپنے دامَن میں سمیٹ لے اور جو اسے آگاہی دی جائے اس پر قائم رہے، مگر یاد رکھے کہ کلامِ پاک کی تِلاوَت میں غور و فِکْر کیے بغیر اسے جو فہم کی دولت نصیب ہو یا اس کی تِلاوَت کردہ آیاتِ مُبارَکہ کا فہم حاصِل ہوئے بغیر ہی وہ مَصْرُوفِ عِبادَت ہو تو یہ سب باتیں اس کے لیے حقیقت کو سمجھنے سے حِجاب کا باعث ہیں اور اسے خالِص عِلْم کے حُصُول سے دُور کر دیں گی، لِہٰذا اسے چاہیے کہ ان باتوں سے بچے۔

تلاوت کا کمال کیا ہے؟

تِلاوَت میں کمال یہ ہے کہ تِلاوَت کرنے والا بندہ کلامِ پاک کے پوشیدہ وباطنی مَفَاہیم پر غور کرے، فرامین باری تعالیٰ میں خوب سوچ بچار سے کام لے، دِل کو مُرادِ باری تعالیٰ کے مَعانی و مَفَاہیم کی آگاہی پر لگا دے تو عَقْل و فِکْر کو ان باتوں کے سوچنے میں لگا دے جن کی وجہ سے اُس بارگاہ تک رَسائی ہوتی ہے اور جن باتوں کی وجہ سے اُس بارگاہ سے دھتکارا جا سکتا ہے؟ کیونکہ یہ عزیز تعالیٰ کا عِزَّت و شان والا، لطیف تعالیٰ کے لُطْف و عنایات سے بھرپور، حکیم تعالیٰ کا حِکْمَت پر مَبْنِی اور بزرگ وبَرتَر ذاتِ والا تَبار پاک کا بُزُرگ وبرتر کلام ہے۔

قرآنِ مجید کا اعجاز

قرآنِ مجید کا ظاہری مفہوم قریب و آسان مگر باطنی مفہوم گہرا سمندر ہے۔ سننے والا اس کے معنیٰ و مفہوم کے بظاہر واضح ہونے کی وجہ سے کہنے لگتا ہے کہ میں نے اسے سمجھ لیا ہے مگر جب اس کا مُشاہدہ کرتا ہے تو اس کے پوشیدہ و دقیق مَعانی و مَفاہیم کی بنا پر اسے (اپنی کم مائیگی کا) اِحساس ہوتا ہے گویا کہ اس نے تو کچھ سنا ہی نہیں۔ اسی طرح کسی آیتِ مُبارکہ کے واضح مَفْہوم اور اس میں بیان کردہ حِکْمت کی تفصیل جان کر ایک عَقْل مند و دانا شخص یہ گمان کرنے لگتا ہے کہ اس نے عِرفان کی دولت پالی ہے، مگر جب حقیقت میں اسے مَعْرِفت کی دولت نصیب ہوتی ہے تو اسے مَعْلُوم ہوتا ہے کہ اس نے مَعْرِفت کے سمندر کی گہرائی اور وُسعت کی وجہ سے کچھ بھی حاصِل نہ کیا تھا۔

ایک گروہ نے جب کلامِ باری تعالیٰ سنا تو وہ دھوکا کھا گئے اور دعویٰ کر بیٹھے کہ وہ اَچھے طریقے سے اسے سمجھتے ہیں، یہی نہیں بلکہ وہ اپنے جیسے دیگر لوگوں کو بھی فریب دینے لگے، چُنانچہ وہ **غیر اللہ** کو مَطْلُوب بنا بیٹھے اور انہوں نے اس کے بدَل کو چاہا اور دیگر لوگوں نے بھی ان کی باتوں کو تَوَجُّہ سے سنا تو وہ بھی فہمِ کلامِ پاک کا دعویٰ کرنے لگے، لہٰذا **اللہ** پاک نے ان کا جھوٹا ہونا خود ہی بیان فرما دیا اور انہیں اپنے کلام کی سَماعت کی برکتوں سے مَحْرُوم قرار دیا۔ پھر ہمیں ان کی اس جَہالَت کے مُتَعَلِّق سب کچھ اپنے کلام میں بتایا اور ان کی اس جُرأت پر ہمیں تَعَجُّب میں ڈال دیا۔ چنانچہ ایسے لوگوں کے اَوصاف بیان کرتے ہوئے اِرشاد فرمایا:

وَ اِذَا تُتْلٰى عَلَیْهِمْ اٰیٰتُنَا قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَاۤ ۙ (پ ۹، الانفال: ۳۱)

ترجمۂ کنزالایمان: اور جب ان پر ہماری آیتیں پڑھی جائیں تو کہتے ہیں ہاں ہم نے سنا ہم چاہتے تو ایسی ہم بھی کہہ دیتے۔

ایک مقام پر اِرشاد ہوتا ہے:

وَ اِذَا تُتْلٰى عَلَیْهِمْ اٰیَاتُنَا بَیِّنٰتٍ ۙ قَالَ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَیْرِ هٰذَاۤ اَوْ بَدِّلْهُ ؕ (پ ۱۱، یونس: ۱۵)

ترجمۂ کنزالایمان: اور جب ان پر ہماری روشن آیتیں پڑھی جاتی ہیں وہ کہنے لگتے ہیں جنھیں ہم سے ملنے کی امید نہیں کہ اس کے سوا اور قرآن لے آیئے یا اسی کو بدل دیجئے۔

دوسرے گروہ کے مُتَعَلِّق اِرشاد فرمایا:

یُلْقُوْنَ السَّمْعَ وَاَكْثَرُهُمْ كٰذِبُوْنَ ﴿۲۲۳﴾ ترجمۂ کنزالایمان: شیطان اپنی سنی ہوئی اُن پر ڈالتے ہیں اور اُن میں اکثر جھوٹے ہیں۔ (پ ۱۹، الشعراء: ۲۲۳)

دوسرے مقام پر اِرشاد ہوتا ہے:

اِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ ﴿۲۱۲﴾ ترجمۂ کنزالایمان: وہ تو سُننے کی جگہ سے دُور کردیئے گئے ہیں۔ (پ ۱۹، الشعراء: ۲۱۲)

ایک مقام پر ہے:

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا یَسْمَعُوْنَ ﴿۲۱﴾ (پ ۹، الانفال: ۲۱) ترجمۂ کنزالایمان: اور ان جیسے نہ ہونا جنھوں نے کہا ہم نے سنا اور وہ نہیں سنتے۔

جنات کی قرآن فہمی کا تذکرہ

جنات جو کہ انسانوں سے زیادہ قَوِی و طاقت وَر ہیں، ان میں سے جن کو **اللہ** پاک نے یہ کلام سنایا اور انہیں فہم کی دولت عطا فرمائی، ان کے مُتعلّق اِرشاد فرمایا:

اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا ﴿۱﴾ یَّهْدِیْۤ اِلَى الرُّشْدِ (پ ۲۹، الجن: ۱، ۲) ترجمۂ کنزالایمان: تو بولے ہم نے ایک عجیب قرآن سنا کہ بھلائی کی راہ بتاتا ہے۔

یہی ہیں وہ جنہوں نے اس کے کلام کا حقیقی مفہوم جانا تو **اللہ** پاک نے بھی ان کے اس فہم کی تعریف فرمائی، اسی طرح **اللہ** پاک نے اپنے مَحبُوب کے مُتعلّق ایک جگہ یوں اِرشاد فرمایا:

بَلْ عَجِبْتَ وَیَسْخَرُوْنَ ﴿۱۲﴾ (پ ۲۳، الصّٰفّٰت: ۱۲) ترجمۂ کنزالایمان: بلکہ تمہیں اچنبا آیا اور وہ ہنسی کرتے ہیں۔

یعنی اے میرے مَحبُوب (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم)! آپ تو قرآنِ کریم کی تفصیل وتَنْزِیل پر مُتعَجِّب ہیں مگر جاہل لوگ اس پر ہنستے ہیں۔

قرآن میں غور و فکر کرنے کا فائدہ

اگر تِلاوَت کی بَرَکت سے تِلاوَت کرنے والے کے لیے قُدرَت و عَظمَت میں غور و فکر کرنے کا دروازہ وہی شے کھول دے جس کی وہ تِلاوَت کر رہا ہے اور کلامِ پاک کے واسطہ سے اسے اُخْرَوِی وعدہ و

وعید کا عِلْم بھی حاصِل ہو جائے تو اس کے لیے دوہرا اجر ہے۔ اس اِعْتِبار سے کہ اس نے دو ۲ کام کیے یعنی نماز بھی پڑھی اور غور و فکر بھی کیا۔ یہ بات عام مُومِنِین کے لیے مزید اِنْعام کا باعث ہے۔ جبکہ خواص مُقرَّبین کے لیے یہ انعامات کچھ بھی نہیں، ہاں اگر وہ غیبی اُمور کی طرف مُتوجِّہ ہوں اور مَحْبُوب تعالٰی کے غیبی اُمور سے آگاہی پالیں، نیز اس کی وجہ سے انہیں عزّت وجَبرُوت، جَلَالَت ورہبوت کی یقین کی وادیوں کا کَشْف بھی نصیب ہو جائے اور پھر ان کے تَفَکُّر و تَدَبُّر کے بغیر ہی یہ سب کچھ انہیں حاصِل ہو جائے اور مُشاہدۂ باری تعالٰی کی دولت سے بھی سرفراز ہو جائیں تو ان کی زبانوں کو کچھ کہنے سے روک دیا جاتا ہے، ان کی عقلیں بیان کی قوت سے قاصِر ہو جاتی ہیں، دل طَلَب سے مُسْتَغْنِی ہو جاتے ہیں اور وہ کسی سَبَب کو دیکھ کر اپنی فِکْر پر بھروسا نہیں کرتے، بلکہ وہ اس کی کَیْفِیَّت جاننے میں پڑتے ہیں نہ اس کی رُویَت و ماہِیَّت کی فِکْر میں مُبْتَلا ہوتے ہیں، پھر جب ان سے ان کا حق وُصُول کر لیا جاتا ہے تو وہ آگے بڑھ جاتے ہیں اور عالَمِ اَکْبَر پاک سے اپنا حِصّہ پاتے ہیں، وہ اس کی بارگاہ میں ٹھہر جاتے ہیں اور عاجزی کا دامَن تھام لیتے ہیں، مگر مُشاہدے کے ساتھ ان کا یہ ٹھہرنا پلک جھپکنے کی مِقْدار بھی نہیں ہوتا، لیکن وہ اس لحاتی مُشاہدہ سے بے سُکون ہو جاتے ہیں۔ ایسا اس لیے ہوتا ہے کہ بیان انہیں بیان کرنے والی ذاتِ والا تبار یعنی **اللہ** پاک سے دُور کرے نہ خبَر انہیں یقین سے غافل کرے، اسی طرح مشاہدہ انہیں شہید **اللہ** پاک سے حِجاب کا باعث بنے نہ بادی و عائد (یعنی پہلی بار ظاہر ہونے اور پھر دوسری بار بھی وُہی ظاہِر ہونے والی بات) انہیں مبدی و معید **اللہ** پاک سے روکے، بلکہ **اللہ** پاک انہیں اپنی مُراد سے آگاہ فرما کر اپنی بارگاہ میں حاضِری سے روک دیتا اور انہیں مَعْرِفَت کی دولت سے نواز کر اِعْتِراف و تعریف سے غافل فرما دیتا ہے۔ انہیں دُنیاوِی آلائشوں سے دُور فرما کر اپنی بارگاہ سے دوری کے خوف سے مُسْتَغْنِی فرما دیتا ہے۔ وہ تفصیل سے بیان کیے گئے کلام کے باوُجُود عاجز آجاتے ہیں تو **اللہ** پاک انہیں دنیا کے فوائد بھلا دیتا ہے اور جب وہ اپنا تَعَلُّق ان ذرائع سے قائم کر لیتے ہیں جو اس کی بارگاہ تک رَسائی دِلا سکیں تو وہ بھی انہیں آگاہی کی دولت سے فیض یاب فرما دیتا ہے۔ یوں وہ خود ہی انہیں اپنی بارگاہ تک رَسائی دینے والا اور انہیں اپنی بارگاہ تک لے جانے والا رَہنُمائی کرنے والا ہے۔

یہ ان صاحِبانِ قوّت کے اَوصاف ہیں جنہیں قوت **اللہ** پاک کے کَرَم سے ملی اور ان اغنیا کے ہیں جنہوں نے اس غنی کا دامَنِ کَرَم تھام رکھا ہے، ان اَہْلِ وجد کے ہیں جن کے وِجْدان کا تعلّق مُوجِدِ تعالیٰ سے تو ہے مگر وہ مَوجُودات کی پروا نہیں کرتے، وہ ذِکْر کی قوّت عَطا فرمانے والی ذات کا ذِکْر کرنے والے اور صَبْر کی توفیق دینے والی ذات کی عطا کردہ توفیق سے صَبْر کرنے والے بن جاتے ہیں۔

نماز کا اہتمام کیسے کیا جائے؟

نمازی کو چاہئے کہ نماز پڑھنے سے پہلے ہر طرح کی حاجات وضَروریات سے فَراغَت پالے اور ایسا کوئی کام باقی نہ رہنے دے جو نماز کے دوران اس کے دل کی پریشانی اور ذِہْنی اِنْتِشار کا باعث بنے، تاکہ نماز میں اسے قَلْب وذِہن کی یکسوئی اور کلامِ مجید کا فہم حاصِل ہو۔ اس کا دل زبان سے ادا کئے گئے اَلْفاظ کی مُوافَقت کرے اور خوب سوچ سمجھ کر دل ودماغ کی یکسوئی کے ساتھ اپنے ربِّ تَبَارَکَ وَ تَعَالٰی کی طرف مُتوجّہ ہو، اس طرح نماز کی ادائیگی کا حکم اس لیے دیا گیا ہے تاکہ شیطان سے مُجاہَدَہ کیا جاسکے اور کمزور لوگ اَولیائے کِرام جیسا بننے کی کوشش کریں۔ چنانچہ،

اللہ پاک کے پیارے حبیب صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا فرمانِ عالیشان ہے: **اللہ** پاک کو کمزور مومن کے بجائے قَوِی مومن زیادہ پسند ہے،[1] حالانکہ ہر شے میں خیر وبھلائی ہے۔

فرمانِ باری تعالیٰ بھی ہے:

لَا یَسْتَوِی الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ غَیْرُ اُولِی الضَّرَرِ وَ الْمُجٰهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْؕ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِیْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِیْنَ دَرَجَةًؕ وَ كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰىؕ (پ۵، النسآء: ۹۵)

ترجمۂ کنزالایمان: برابر نہیں وہ مسلمان کہ بے عذر جہاد سے بیٹھ رہیں اور وہ کہ راہِ خدا میں اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کرتے ہیں **اللہ** نے اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ جہاد والوں کا دَرَجہ بیٹھنے والوں سے بڑا کیا اور **اللہ** نے سب سے بھلائی کا وعدہ فرمایا۔

[1] ......مسلم، کتاب القدر، باب فی الامر بالقوة... الخ، ص ۱۴۳۲، حدیث: ۲۶۶۴

کِتَابُ الزَّکٰوۃ

(اسلام کے تیسرے بُنیادِی رکن یعنی زکوٰۃ کی شرح)

زکوٰۃ فرض ہونے کی شرائط

زکوٰۃ فرض کرنے والی چیزیں (یعنی شرائط) چار ۴ ہیں:

﴿1﴾ حُرِّیَّت (یعنی آزاد ہو غلام نہ ہو) ﴿2﴾ مِلک کا صحیح ہونا ﴿3﴾ نِصاب کا پایا جانا۔ یعنی (چاندی کی صُورت میں) 200 دِرْہَم اور (سونے کی صُورت میں) 20 دینار اور ﴿4﴾ سال کا مکمل ہونا۔ یعنی اس مہینے سے (جس میں مال نِصاب کی مِقْدار کو پہنچے) اگلے سال اسی مہینے تک۔[1]

صدقہ کے فضائل وآداب

کیامال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی کوئی حق ہے؟

اللہ پاک کے پیارے حبیب صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا فرمانِ عالیشان اگرچہ یہی ہے کہ مال میں زکوٰۃ کے عِلاوہ کوئی حَق (یعنی فَرض) نہیں۔[2] مگر تابِعِینِ کرام کی ایک جَماعَت کا خَیال ہے کہ مال میں زکوٰۃ کے عِلاوہ بھی (مالی) حُقُوق ہیں۔ چُنَانچِہ ان میں سے حضرت سَیِّدُنا ابراہیم نَخَعِی رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں کہ تابعین یہ سمجھتے تھے کہ مال میں زکوٰۃ کے عِلاوہ بھی حُقُوق ہیں۔ اسی طرح حضرت سَیِّدُنا اِمام شعبی رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ سے ایک مرتبہ پوچھا گیا کہ کیامال میں زکوٰۃ کے عِلاوہ بھی کوئی حَق ہے؟ تو آپ رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ نے سوال پوچھنے والے سے فرمایا: کیا تونے اللہ پاک کا یہ فرمانِ عالیشان نہیں سنا؟

وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِی الْقُرْبٰى

ترجمۂ کنزالایمان: اور اللہ کی مَحبَّت میں اپنا عزیز مال دے رشتہ داروں کو۔ (پ ۲، البقرۃ: ۱۷۷)

---

[1] ......احناف کے نزدیک زکوٰۃ واجب ہونے کی درج ذیل شرائط ہیں: (۱)... مسلمان ہونا (۲)... بلوغ، (۳)... عقل، (۴)... آزاد ہونا (۵)... مال بقدرِ نصاب اس کی ملک میں ہونا (۶)... پورے طور پر اس کا مالک ہو (۷)... نصاب کا دَین سے فارغ ہونا (۸)... نصاب حاجتِ اصلیہ سے فارغ ہو (۹)... مالِ نامی ہونا (۱۰)... سال گزرنا۔ (بہارِ شریعت، حصہ ۵، ۱/ ۸۷۵-۸۸۴، ملتقطاً)

[2] ......ابن ماجہ، کتاب الزکاۃ، باب ما ادی زکاتہ فلیس بکنز، ۲/ ۲ ۷ ۳، حدیث: ۱۷۸۹

(یعنی مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی حُقُوق ہیں) حضرت سَیِّدُنا عطا رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْه اور حضرت سَیِّدُنا مُجاہد رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْه کا بھی اس مُعاملے میں یہی مَذْہَب ہے۔

نفلی صدقات کی اہمیت

(صاحبِ کتاب حضرت سَیِّدُنا شیخ ابُو طالب مَکّی رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْه فرماتے ہیں:) مسلمان غم گساری، قرض ادا کرنے اور اپنا و اپنے اہل و عیال کا بوجھ نہ اُٹھاسکنے والوں کی کَفَالَت کرنے کو (یعنی دوسروں کی مالی مَدَد کرنے کو) نیکی اور اِحسان سمجھتے تھے۔ بلکہ ان کے نزدیک خوشحال مُتَّقِیْن و مُحْسِنِیْن پر ایسا کرنا لازِم تھا۔

نفلی صدقات کے واجب ہونے پر قرآن سے دلیل

قرآنِ مجید میں ہے:

وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ ۙ﴿۳﴾ ترجمۂ کنزالایمان: اور ہماری دی ہوئی روزی میں سے ہماری راہ میں اُٹھائیں۔ (پ ۱، البقرۃ: ۳)

ایک مقام پر ہے:

اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ ترجمۂ کنزالایمان: **اللہ** کی راہ میں ہمارے دیئے میں سے خَرْچ کرو۔ (پ ۳، البقرۃ: ۲۵۴)

مُفَسِّرِیْنِ کِرام کی ایک جَماعَت کا بھی یہی مَذْہَب ہے کہ مَذْکُورہ فرامینِ مُبارَکہ میں ایسا کرنے کا (یعنی دوسروں پر خَرْچ کرنے کے واجِب ہونے کا) حُکْم دیا گیا ہے۔ کیونکہ یہ حُکْم آیتِ زکوٰۃ سے مَنْسُوخ نہیں ہوا بلکہ یہ ایک مسلمان کے دوسرے مسلمانوں پر حَق میں شامل ہے اور اِسْلام کی حُرْمَت کی بِنا پر اور کسی کے مُحْتَاج ہونے کی وجہ سے ایسا کرنا واجِب بھی ہے۔

زکوٰۃ کی ادائیگی میں فضیلت

زکوٰۃ (کی ادائیگی) میں فضیلت یہ ہے کہ واجِب ہوتے ہی فوراً ادا کر دی جائے، اگر کوئی شخص زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے آگے بڑھ جانے کا موقع پائے اور اُس سے محروم ہونے کے خوف کی وجہ فائدہ اٹھاسکتا ہو تو اُس کے لیے افضل اور زیادہ پاکیزہ یہ ہے کہ جو کچھ اُس پر واجب ہونا ہے اُسے ابتدا ہی میں نکال لے اور

واجب ہونے سے پہلے ادا کر دے۔

وُجوب سے پہلے ادائیگی کی چند صورتیں

دَرج ذیل صُورتوں میں زکوٰۃ واجِب ہونے سے پہلے ادا کرنا اَفضَل ہے:[1]

- راہِ خُدا میں غزوہ و جِہاد میں مصرُوف لوگوں پر۔
- اس شخص کے قرض کی ادائیگی میں جس کا اس سے مُطالَبہ کیا جا رہا ہو۔
- اس مُعزَّز شخص پر جو اس وَقت تنگ دست وفقر کا شِکار ہو۔
- اَجنَبِی مُسافر پر۔

افضل ہونے کی چند وجوہات

مَذکُورہ لوگوں کو یا ان کی مِثل لوگوں کو زکوٰۃ واجِب ہونے سے پہلے ادا کرنا اَفضَل و بہتر ہے، کیونکہ یہ **مُسَارَعَةٌ اِلَی الْخَیْر** یعنی خیر و بھلائی کے کاموں میں جلدی کرنا اور **مُعَاوَنَةٌ عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی** یعنی نیکی اور پرہیز گاری کے کاموں پر مَدد کرنا ہے۔ نیز یہ **تَطَوُّعٌ بِالْخَیْر** یعنی خیر و بھلائی کے کام کرنے اور **مَاْمُوْرٌ بِہٖ** (یعنی جس بات کا حُکم دیا گیا ہے اس) کو بجالانا بھی ہے۔

زکوٰۃ کے واجِب ہونے سے پہلے ہی ادا کرنے کے اَفضَل ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ حوادثاتِ زمانہ سے کوئی بھی مَحْفُوظ نہیں، کیونکہ واجِب ہونے کے بعد تاخیر کی صُورَت میں کئی آفات میں مُبتَلا ہو جانے کا خدشہ رہتا ہے، اس لیے کہ دنیا میں مَصَائِب و رُکاوٹیں درپیش رہتی ہی ہیں، نَفْس کے خَیالات بھی بدلتے رہتے ہیں اور دِلوں کی حالَت کے بدلنے کا بھی ڈر رہتا ہے۔ (لہٰذا بہتر و اَفضَل یہی ہے کہ کسی آفت کا شِکار ہونے سے پہلے ہی جب بھی مَوقع پائیں وُجوب سے پہلے ہی زکوٰۃ ادا کر دیں۔)

[1] ....بہارِ شریعت، جلد1، حصہ 5، صفحہ 891 پر ہے: مالکِ نصاب سال تمام (یعنی مکمل ہونے) سے پیشتر (پہلے) بھی (زکوٰۃ) ادا کر سکتا ہے بشرطیکہ سال تمام پر بھی اس نصاب کا مالک رہے اور اگر ختم سال پر مالک نصاب نہ رہا یا اثنائے سال میں وہ مالِ نصاب بالکل ہلاک ہو گیا تو جو کچھ دیا نفل ہے اور جو شخص نصاب کا مالک نہ ہو، وہ زکاۃ نہیں دے سکتا یعنی آئندہ اگر نصاب کا مالک ہو گیا تو جو کچھ پہلے دیا ہے وہ اُس کی زکاۃ میں محسوب نہ ہو گا۔ (الفتاوی الھندیۃ، کتاب الزکوۃ، ١/١٧٦)

سال کی ابتدا کب ہونی چاہئے؟

(صاحبِ کتاب حضرت سیِّدُنا شیخ ابو طالب مکی رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں:) اگر زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے سال کی اِبْتِدا دو مہینوں (یعنی ماہِ رَمَضَانُ الْمُبَارَک وماہِ ذُو الْحَجَّۃُ الْحَرَام) میں سے کسی ایک سے کی جائے تو یہ اَفْضَل ہے، کیونکہ ان دونوں مہینوں کے کچھ خاص فضائل ہیں جو دوسرے مہینوں کے نہیں۔[1]

ماہِ رمضان میں زکوٰۃ ادا کرنے کی وجوہات

ماہِ رَمَضَانُ الْمُبَارَک میں زکوٰۃ کی ادائیگی کے اَفْضَل ہونے کی وُجُوہات یہ ہیں:

- اللہ پاک نے ماہِ رمضان کو نُزولِ قرآن کے ساتھ خاص فرمایا۔
- اس ماہ میں لَیۡلَۃُ الۡقَدۡر کو رکھا جو کہ ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔
- اللہ پاک نے اس ماہ کو ایک فَرْض عِبَادَت کی ادائیگی کا مَحَل بنایا یعنی اپنے بندوں پر اس ماہ میں روزے رکھنا فَرْض قرار دیا۔
- اس مہینے کو یہ شَرَف بھی بخشا کہ اس میں اللہ پاک نے اپنے گھروں یعنی مَساجِد کو قِیامِ شب یعنی تَرَاوِیح کے ذریعے آباد فرمایا۔
- حضرت سیِّدُنا مُجاہِد رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ فرمایا کرتے تھے کہ اس ماہ کو (صرف) رمضان نہ کہا کرو، اس لیے کہ "رمضان" اللہ پاک کے ناموں میں سے ایک نام ہے، بلکہ اسے ماہِ رَمَضَان کہا کرو۔[2]

ماہِ ذو الحجۃ الحرام میں زکوٰۃ ادا کرنے کی وجوہات

ماہِ ذُو الْحَجَّۃُ الْحَرَام میں زکوٰۃ کی ادائیگی کے اَفْضَل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ہمیں نہیں مَعْلُوم! دَرْج ذیل پانچ فضائل ماہِ ذُو الْحَجَّۃُ الْحَرَام کے عِلاوہ کسی مہینے میں جمع ہوں:

---

[1]......زکوٰۃ ادا کرنے کے لیے رمضان کے مہینے کا ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ سال کی جس تاریخ کو نصاب کا سال ختم ہوگا اسی تاریخ کو زکوٰۃ نکالنا ضروری ہے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں: جب سال تمام ہو فوراً فوراً پورا ادا کرے۔ (فتاوی رضویہ، ۱۰/۱۸۳)

[2]......الکامل لابن عدی، ۸/۳۱۳، رقم: ۱۹۸۴: نجیح ابو معشر المدینی السندی مولی بن هاشم

یہ ماہِ حرام (یعنی حُرمت والا) ہے۔ یہ ماہِ حج ہے۔ اس میں حَجِ اَکْبَر کا دن ہے۔

اسی ماہ میں اَیَّامٍ مَعْلُوْمَاتٍ (یعنی جانے ہوئے دن) ہیں اور وہ اس ماہ کے پہلے دس دن ہیں۔

جبکہ اَیَّامٍ مَعْدُوْدَاتٍ (یعنی گنے ہوئے دن) یعنی ایامِ تشریق بھی اسی ماہ میں ہیں کہ جن دنوں میں اللہ پاک نے ذِکْر کرنے کا حُکم فرمایا ہے۔

(صاحبِ کتاب حضرت سیِّدُنا شیخ ابو طالب مکّی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں:) ماہِ رَمَضَانُ الْمُبَارَک کے اَفْضَل دن آخری دس دن اور ماہِ ذُو الْحَجَّۃُ الْحَرَام کے اَفْضَل دن پہلے دس دن ہیں، (لہٰذا ان مہینوں کے یہ دن زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے مزید بہتر ہیں)۔[1]

زکوٰۃ کی ادائیگی میں احتیاط

بعض اہلِ تقویٰ کے نزدیک مُسْتَحَب یہ ہے کہ ہر سال زکوٰۃ ایک ماہ پہلے ہی ادا کر دی جائے تاکہ سال گزرنے کے بعد مزید کوئی تاخیر نہ ہو، اس لیے کہ جب کوئی شخص کسی مَعْلُوم (مُتَعَیَّن) مہینے میں (زکوٰۃ) نِکالے، پھر آئندہ سال بھی اسی مہینے میں نکالے تو بیشک یہ تیرھواں ماہ ہو گا اور یہ تاخیر ہے۔ چُنَانْچہ بُزُرگانِ دِیْن فرماتے ہیں: جب کوئی رَجَبُ الْمُرَجَّب میں (زکوٰۃ) نِکالے تو آئندہ سال چاہیے کہ جُمادَی الاُخریٰ میں نِکالے تاکہ اس کے سال کا اٰخِیر و اِخْتِتام اِضافے کے بغیر ہو اور جب رَمَضَانُ الْمُبَارَک میں ادا کی تو آئندہ سال شَعْبَانُ الْمُعَظَّم میں اَدا کرنی چاہیے تاکہ سال (کی مُدّت) پر کچھ بھی زیادہ نہ ہو اور یہی بہتر (طریقہ) ہے۔

چند مزید احتیاطیں

زکوٰۃ ادا کرنے والے کو چاہیے کہ وہ ہر مہینے فَرْض زکوٰۃ (تھوڑی تھوڑی کرکے) ادا کرنے سے بچے (اگرچہ یہ بھی جائز ہے)۔ نیز زکوٰۃ اَدا کرے تو اس کے خَیالات پاک ہوں دِل خوش ہو اَدائیگی میں اِخْلاص کی جھلک دِکھائی دے رب کی رضا مَقْصُود ہو ریاکاری و دِکھاوا مَقْصُود ہو نہ شُہرت اور زیب و زینت کا اِظْہار ہو اور نہ تَصَنُّع و بَناوٹ کا نہ یہ پسند کرے کہ اللہ پاک کے سوا کوئی اس کے اس فِعْل سے آگاہ

[1] ...... مولانا نقی علی خان رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ نے زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے بہتر مہینوں میں رمضان کے ساتھ محرم کا بھی ذکر کیا ہے۔ (ماخوذ از جواہر البیان فی اسرار الارکان، ص ۱۱۳)

ہو (بلکہ چپکے سے اَدا کر دے) ☜ زکوٰۃ کی ادائیگی میں **اللہ** پاک کے سوا کسی سے کوئی اُمّید رکھے نہ عدَم ادائیگی کی صُورَت میں اس کے سوا کسی سے ڈرے ☜ بلکہ چاہئے کہ ہر دَم اس کی نِگاہ اپنے رب کی رَحْمت پر رہے ☜ یہ سمجھے کہ یہ کام اس نے اپنے رب کی عَطا کردہ حُسْنِ توفیق سے کیا ہے اور ☜ یہ یقین بھی رکھے کہ جس حاجَت مند و فقیر کو زکوٰۃ دے رہا ہے، وہ اس سے زکوٰۃ لے کر اس پر اِحْسان کر رہا ہے، لہٰذا اسے دِل میں بُرا نہ جانے بلکہ یہ خَیال کرے کہ وہ فقیر اس سے بہتر ہے۔ کیونکہ اُسے اِس کے مال کو پاک کرنے والا اور اُخرَوِی دَرَجات کی بُلَندی کا سَبَب بنایا گیا ہے جبکہ اِسے اُس فقیر کے لیے مَشَقَّت کرنے اور اس کی دنیا آباد کرنے والا بنایا گیا ہے۔ چُنَانْچِہ،

(صاحِبِ کتاب حضرت سَیِّدُنا شیخ ابُو طالِب مکّی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں:) ایک عارِف نے ہمیں بتایا کہ مجھ سے تَرْکِ کَسْب (یعنی کمائی چھوڑنے) کا مُطالَبہ ہوا حالانکہ میں بہترین ہُنَر مند تھا تو دِل میں خَیال آیا کہ گزارا کیسے ہو گا؟ تو ہاتِفِ غیبی نے مجھے آواز دی: تُو ہماری خاطِر (دنیا سے) قَطْعِ تَعَلُّق کر رہا ہے مگر اپنے بارے میں ہمارے مُتَعَلِّق بدگمانی رکھتا ہے، یہ ہمارا ذِمّہ ہے کہ ہم اپنے کسی ولی کو تیرا خادِم بنائیں یا اپنے دشمنوں میں سے کسی مُنافِق سے تیری خِدمَت کروائیں۔

بہر حال یہ فقیر کے پاس ایک ایسا راز ہے جس کا وہ کبھی کسی سے ذِکْر نہیں کرتا۔

آیتِ مبارکہ اور اس کی تفسیر

فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَ الْاَذٰىۙ ترجمۂ کنزالایمان: اپنے صدقے باطل نہ کر دو اِحسان رکھ کر اور ایذا دے کر۔ (پ ۳، البقرۃ: ۲۶۴)

اس آیتِ مُبارَکہ کی تفسیر میں مُخْتَلِف اَقوال مَرْوِی ہیں:

﴿1﴾ ☜ **اَلْمَنّ** سے مُراد صَدَقہ کو یاد کرنا اور **اَلْاَذٰی** سے مُراد اس کا اِظْہار کرنا ہے۔

﴿2﴾ ☜ حضرت سَیِّدُنا بِشْر بن حارِث رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ سے مَرْوِی ہے کہ حضرت سَیِّدُنا سُفْیان ثَوری رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ کا فرمان ہے: جس نے **مَنّ** کا اِرْتِکاب کیا اس کا صَدَقہ فاسِد ہو گیا۔ عَرْض کی گئی: اے ابو نَصْر! **مَنّ** کیا

ہے؟ اِرشاد فرمایا: یہ کہ تو صَدَقَہ کو یاد کرے یا اس کا چرچا کرتا پھرے۔

﴿3﴾ بعض بُزُرگانِ دِین فرماتے ہیں: **مَنّ** سے مُراد یہ ہے کہ کسی کو کچھ دے کر اس سے خِدمَت کا مُطالَبہ کیا جائے اور **اَذٰی** سے مُراد یہ ہے کہ اسے فَقْر وفاقہ کا طعنہ دیا جائے۔

﴿4﴾ ایک قول یہ بھی ہے کہ **مَنّ** سے مُراد یہ ہے کہ کسی کو کچھ دے کر خود کو اس سے بڑا سمجھا جائے اور **اَذٰی** سے مُراد یہ ہے کہ کوئی کچھ مانگے تو اسے ڈانٹ ڈپٹ دیا جائے۔

مخفی صدقہ کی فضیلت

فرمانِ مصطفٰے صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم ہے: کم کمانے والے کا محنت کر کے کسی فقیر کو پوشیدہ طور پر صَدَقَہ دینا اَفضَل صَدَقَہ ہے۔[1]

بعض عُلَمائے کِرام فرماتے ہیں: تین باتیں نیکی کے خزانوں میں سے ہیں جن میں سے ایک پوشیدہ طور پر صَدَقَہ کرنا ہے۔[2]

(صاحِبِ کتاب فرماتے ہیں:) ہمیں سند کے ساتھ یہ حدیث بیان کی گئی ہے کہ مَخْفِی صَدَقَہ کرنے میں بندے کا دین زیادہ محفوظ رہتا ہے، اس پر آفات میں کمی ہوتی ہے اور اس کا عَمَل پاک ہو جاتا ہے۔

دِکھاوے کا صدقہ قبول نہیں ہوتا

رسولِ کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا فرمانِ نصیحت نِشان ہے: **اللہ** پاک مُسْمِع یعنی لوگوں کو سنانے والے، مُرَاء یعنی ریاکاری کرنے والے اور مَنَّان یعنی اِحسَان جتانے والے کا عَمَل قبول نہیں فرماتا۔[3]

---

[1] ......ابوداود، کتاب الوتر، باب طول القیام، ۲/۹۹، حدیث: ۱۴۴۹
الثقات لابن حبان، السیرۃ النبویۃ، السنۃ العاشرۃ من الھجرۃ، ۱/۱۵۰
مسند احمد، مسند الانصار، حدیث ابی امامۃ الباھلی، ۸/۳۰۱، حدیث: ۲۲۳۵۱

[2] ......المجروحین لابن حبان، باب الجیم، ۱/۲۲۱، رقم: ۱۹۸: الجارود بن یزید
الکامل لابن عدی، ۴/۲۰۵، رقم: ۷۲۵: زافر بن سلیمان ابو سلیمان القھستانی

[3] ......الزھد لابن المبارک ویلیہ الرقائق، باب فی الاخلاص فی الدعآء، ص ۳۰، حدیث: ۸۳ عن عبد اللہ بن مسعود موقوفاً
السنۃ لابن ابی عاصم، باب ما ذکر عن النبی علیہ السلام فی المکذبین بقدر اللہ... الخ، ص ۷۳، حدیث: ۳۳۲

شرحِ حدیث

مَذْکُورہ حدیثِ پاک میں مِنَّۃٌ یعنی اِحْسان جتانے اور سُمْعَۃٌ یعنی سنانے کو اِکٹھا ذِکْر کیا گیا ہے جیسا کہ (دیگر روایات میں) سُمْعَۃٌ اور رِیَاءٌ یعنی دِکھاوے کو ایک ساتھ ذِکْر کیا گیا ہے۔ کیونکہ ان سب کی وجہ سے اَعمال قبول نہیں ہوتے۔ چُنَانْچِہ،

مُسْمِع وہ شخص ہے جو اپنے اَعمال کا چرچا کرتا پھرے تاکہ وہ بھی سن لے جس نے اسے ایسا کرتے ہوئے نہیں دیکھا، گویا کسی کو کچھ بتانا ایسے ہی ہے جیسے وہ اسے دیکھ لے۔ لہٰذا عَمَل کو باطِل کرنے میں یہ دونوں برابر ہوئے کیونکہ یہ دونوں یقین کی کمزوری کی پیداوار ہیں۔ اس لیے کہ مُسْمِع اپنے مولائے کریم کے جان لینے کو کافی نہیں سمجھتا جیسا کہ ریاکار صرف **اللہ** پاک کے دیکھ لینے پر قَناعَت نہیں کرتا، بلکہ غَیْرُ **اللہ** کو بھی اس میں شریک کرلیتا ہے اور سرکارِ مدینہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے مَنَّان (اِحسان جتانے والے) کو ان دونوں کے ساتھ اس لیے ذِکْر فرمایا کہ مِنَّۃٌ میں ان دونوں باتوں کا مفْہوم کچھ یوں پایا جاتا ہے کہ جب وہ ذِکْر کرے گا تو یقیناً کوئی دوسرا اس کو سنے گا یا پھر عَطا (کرنے والوں) کو دیکھ کر دِل میں فَخْر کرے گا اور اس طرح بھی کہ اس نے صَدَقَہ اگرچہ پوشیدہ طور پر دیا تھا لیکن جب اس کو ظاہِر کرے گا تو وہ مَخْفِی نہ رہے گا بلکہ عَلَانِیَہ ہو جائے گا، اب اس پر اگر اس نے اس بات کا چرچا بھی کیا تو صَدَقَہ پوشیدہ رہے گا نہ عَلَانِیَہ، بلکہ اسے ریاکاری میں شُمار کرلیا جائے گا۔

پوشیدہ صَدَقَہ کرنے کا ثواب

(صاحِبِ کتاب حضرت سَیِّدُنا شیخ ابو طالب مکی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں:) اِخْلَاص کے ساتھ پوشیدہ طور پر کیے ہوئے صَدَقے کو ظاہِر کرنے میں صِرف پوشیدگی کا ثواب ہی فوت ہو جائے تو یہ بھی ایک عظیم نُقْصان ہے۔ کیونکہ سرکارِ مدینہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا فرمانِ خوشبو دار ہے: پوشیدہ صَدَقَہ عَلَانِیَہ صَدَقَہ سے 70 گنا اَفْضَل ہے۔[1] ایک مشْہور حدیثِ پاک میں ہے: قِیامت کے دن سات قسم کے لوگ **اللہ** پاک کے عَرْش کے سایہ میں ہوں گے کہ جس دن اس کے سائے کے سوا کوئی سایہ نہ ہو گا، ان میں سے ایک وہ ہے جس نے یوں

---

[1] ......تفسیر الطبری، البقرۃ، تحت الآیۃ: ۲۷۱، ۳/۹۳، حدیث: ۶۱۹۵

صَدَقَہ کیا کہ اس کے بائیں ہاتھ کو خبر نہ ہوئی کہ دائیں ہاتھ نے کیا صَدَقَہ کیا ہے۔[1] ایک رِوایت میں اَلفاظ یہ ہیں: اس کے دائیں نے جو صَدَقَہ کیا اس کو اپنے بائیں ہاتھ سے مَخْفِی رکھا۔[2]

شرحِ حدیث

یہ وَصف (یعنی صَدَقَہ کو پوشیدہ رکھنے) میں مُبالَغہ ہے یعنی حد سے بڑھ کر مَخْفِی رکھے، مُراد یہ ہے کہ جب اپنے آپ سے بھی مَخْفِی رکھے گا تو دوسروں سے کیسے نہ رکھے گا؟

بسا اوقات عَرَب لوگ کسی شے میں مُبالَغہ کو ضَرْبُ الْمِثْل اور تَعَجُّب کے طور پر اِستِعمال کرتے ہیں اگرچہ اس میں حد سے تَجاوُز بھی ہو۔ اسی سے ہے کہ **اللہ** پاک نے ایک قوم کی مَذَمَّت بیان کی اور ان کے بَخیل ہونے کا ذِکْر کیا، چُنانچہ ان کے وَصف میں مُبالَغہ کرتے ہوئے اِرشاد فرمایا:

اَمْ لَهُمْ نَصِیْبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَاِذًا لَّا یُؤْتُوْنَ النَّاسَ نَقِیْرًا ﴿۵۳﴾ (پ ۵، النسآء: ۵۳)

ترجمۂ کنزالایمان: کیا ملک میں ان کا کچھ حِصّہ ہے ایسا ہو تو لوگوں کو تل بھر نہ دیں۔

نَقِیْر کو کوئی چاہتا ہے نہ مانگتا ہے اور نہ کوئی دیتا ہے، اس لیے کہ نَقِیْر وہ نقطہ ہے جو کھجور کی گٹھلی کی پشت پر ہوتا ہے، جہاں سے کھجور کا دَرَخت اُگتا ہے۔

صدقہ کو مخفی کیسے رکھے؟

اس آیتِ مُبارَکہ میں معنوی طور پر بُخْل کی زِیادَتی مَذْکُور ہے، جبکہ حدیثِ مَذْکُور کے ان اَلفاظ "اس کو اپنے بائیں ہاتھ سے مَخْفِی رکھا" میں مُبالَغہ اس سے کہیں زیادہ ہے۔ کیونکہ حدیثِ پاک میں یہ مُبالَغہ معنوی نہیں بلکہ حقیقی ہے، وہ اس طرح کہ وہ اپنے آپ سے اس کا ذِکْر کرے نہ اس کے دِل میں اس کا خَیال تک آئے اور یہ اسی صُورَت میں ہو گا کہ صَدَقَہ دیتے وَقْت قطعاً اپنی ذات کو دیکھے نہ اس کے دِل پر اس کا وہم گزرے، جیسا کہ عالَمِ مَلَکُوت کے راز کے مُتَعَلِّق اِرشاد فرمایا گیا ہے: **اللہ** پاک اس پر صرف اسے ہی آگاہ فرماتا ہے جو اس کا ذِکْر اپنے آپ سے بھی نہ کرے۔ یعنی جس کے دِل میں خَیال آئے نہ زبان پر ذِکْر، بلکہ

---

[1] ......بخاری، کتاب المحاربین، باب فضل من ترک الفواحش، ۴/ ۳۴۷، حدیث: ۶۸۰۶

[2] ......بخاری، کتاب الاذان، باب من جلس فی المسجد ینتظر الصلاة، ۱/ ۲۳۶، حدیث: ۶۶۰ نحوہ

وہ اپنی ذات کی طرف بھی نہ دیکھے اور جو کچھ حاصِل ہو اس سے بھی غافل ہو جائے، اس طرح کہ اس کی پروا ہی نہ کرے تو اس وَقْت وہ راز پر آگاہ ہونے کے قابِل ہوگا۔

(صاحِبِ کتاب حضرت سَیِّدُنا شیخ ابُو طالِب مکی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں:) اگر آپ حقیقت میں اس بات پر قادِر نہیں کہ صَدَقے کو اپنی ذات سے مَخْفِی رکھ سکیں تو کم از کم اپنی ذات کو صَدَقے میں چھپالیں، یہاں تک کہ جسے صَدَقہ دیا جارہا ہے وہ یہ نہ جان پائے کہ دینے والے آپ ہیں، یہ اِخْلَاص کا مَقام ہے۔ اگر آپ نے کچھ دیتے ہوئے اپنا ہاتھ ظاہِر کیا تو جسے دے رہے ہیں اس تک پہنچنے سے پہلے ہی چھپالیں کہ یہ ایک صادِق کا حال ہے۔

بزرگوں کے صدقہ دینے کے چند طریقے

بعض اَہلِ اِخْلَاص کسی فقیر کو دِرْہَم دینا چاہتے تو اس طرح دیتے کہ وہ یہ نہ جان پاتا کہ یہ دِرْہَم کس نے دیا ہے، مَثَلًا وہ دِرْہَم اس کے سامنے پھینک دیتے یا اس کے راستے میں ڈال دیتے یا پھر اس کے بیٹھنے کی جگہ رکھ دیتے۔ بعض ایسا کرتے کہ فقیر سویا ہوتا تو اس کے لِباس میں اس طرح باندھ دیتے کہ اسے مَعْلُوم ہی نہ ہو پاتا کہ ایسا کس نے کیا ہے۔ (صاحِبِ کتاب حضرت سَیِّدُنا شیخ ابُو طالِب مکی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں:) میں نے ان لوگوں کو خود دیکھا ہے جو ایسا کرتے ہیں۔ باقی رہے وہ لوگ جو کسی کے ہاتھ سے فقیر کو کچھ دیتے ہیں اور اپنی حالَت کو چھپاتے ہیں تو ایسے مسلمانوں کی تعداد شُمار سے باہر ہے۔

پوشیدہ صدقہ دینے کی ایک اور فضیلت

ایک رِوایَت میں ہے کہ رسولِ اَکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اِرشَاد فرمایا: پوشیدہ صَدَقہ[1] جبکہ ایک قول کے مُطابِق رات کا صَدَقہ[2] **اللہ** پاک کے غَضَب کو بجھاتا ہے۔

اللہ پاک نے بھی اس بات کی خَبَر دی ہے کہ پوشیدہ صَدَقہ کرنا اَفْضَل ہے، بلکہ اس کے ساتھ ہی گناہوں کے کفارے کی نوید بھی عَطا فرمائی ہے۔ چُنَانْچِہ اِرشَاد ہوتا ہے:

وَ اِنْ تُخْفُوْهَا وَ تُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ ترجمۂ کنزالایمان: اور اگر چھپا کر فقیروں کو دو یہ تمہارے لیے

[1]......معجم کبیر، ۸/ ۲۶۱، حدیث: ۸۰۱۴

[2]......الاموال لابن زنجویہ، کتاب الصدقة، باب فضل الصدقة... الخ، الجزء الثانی، ص ۷۶۲، حدیث: ۱۳۱۸

خَیْرٌ لَّكُمْ ؕ وَ یُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ سَیِّاٰتِكُمْ ؕ سب سے بہتر ہے اور اس میں تمہارے کچھ گناہ گھٹیں گے۔

(پ ۳، البقرۃ: ۲۷۱)

اعلانیہ صَدَقہ دینا کب جائز ہے؟

☜ اگر کسی مسکین نے اپنا آپ ظاہر کر دیا، یوں کہ واضح طور پر دَستِ سوال دراز کر لیا اور عِفَّت پر ذِلَّت کو ترجیح دی تو اب اس پر اپنا اِحسان ظاہر کرنے میں کوئی حَرَج نہیں۔

☜ اگر ظاہر صَدَقہ و زکوٰۃ دینے میں ☜ سنّت کی ادائیگی ☜ دوسروں کے پیرَوی کرنے اور ☜ انہیں ان کاموں کی ترغیب دِلانے کی نیّت ہو تاکہ وہ بھی بڑھ چڑھ کر مساکین کی مَدد کریں۔ تو یہ بہت اَچھا ہے اور یہ ایسے ہی ہے جیسے آپ کسی کو اس بات پر آمادہ کریں کہ وہ مسکین کو کھانا کھلایا کرے اور بے شک **اللہ** پاک کو بھی یہ طریقہ پسند ہے۔ جیسا کہ اِرشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ اَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّ عَلَانِیَةً ترجمۂ کنزالایمان: اور ہمارے دیئے سے ہماری راہ میں چھپے اور ظاہر کچھ خَرچ کیا۔ (پ ۱۳، الرعد: ۲۲)

اس آیتِ مُبارَکہ میں ﴿سِرًّا﴾ سے نَفْل صَدَقہ جبکہ ﴿عَلَانِیَةً﴾ سے واجب و فَرض صَدَقہ مُراد ہے۔ جیسا کہ دوسرے مَقام پر اِرشاد ہے:

وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ اَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا ؕ ترجمۂ کنزالایمان: اور زکوٰۃ دو اور **اللہ** کو اچھا قرض دو۔

(پ ۲۹، المزمل: ۲۰)

اس آیتِ مُبارَکہ میں بھی ﴿قَرْضًا حَسَنًا﴾ سے مُراد نَفْل صَدَقہ ہے، جبکہ ایک قول کے مُطابِق یہاں حَلال رِزْق مُراد ہے۔ جیسا کہ ایک مَقام پر ہے:

وَ رَزَقَنِیْ مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا ؕ ترجمۂ کنزالایمان: اور اس نے مجھے اپنے پاس سے اَچھی روزی دی۔ (پ ۱۲، ھود: ۸۸)

یہاں اس آیتِ مُبارَکہ میں ﴿رِزْقًا حَسَنًا﴾ سے رِزْقِ حَلال مُراد ہے۔

☜ ایک مَقام پر ظاہر صَدَقہ کے مُتعلّق اِرشاد فرمایا:

اِنۡ تُبۡدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِیَ ۚ ترجمۂ کنز الایمان: اگر خیرات علانیہ دو تو وہ کیا ہی اچھی بات ہے۔ (پ ۳، البقرۃ: ۲۷۱)

اللہ پاک نے اس آیتِ مُبارَکہ میں ظاہِری طور پر صَدَقہ کرنے والے کی تعریف فرمائی ہے، البتہ! اس تعریف کا حَق دار وُہی شخص ہے جس سے اِظْہار کا مُطالَبہ ہو، گویا کہ مانگنے والے نے اسی کے سامنے دَستِ سُوال دراز کیا ہو۔ جبکہ اس کے بعد مزید اِرشَاد ہوتا ہے:

وَ اِنۡ تُخۡفُوۡهَا وَ تُؤۡتُوۡهَا الۡفُقَرَآءَ ترجمۂ کنز الایمان: اور اگر چھپا کر فقیروں کو دو۔ (پ ۳، البقرۃ: ۲۷۱)

یعنی جو لوگ مانگنا اچھا نہیں سمجھتے انہیں چھپا کر دینا بہتر ہے، مگر ایسا کرنا ان فُقَرا کے لیے خاص ہے جو حَیا وعِفَّت کی وجہ سے کھلم کھلا نہیں مانگتے۔ مَعْلُوم ہوا جو سب کے سامنے مانگے اسے سب کے سامنے ہی دے دیجئے اور جو پوشیدہ طور پر کچھ سوال کرے تو اسے چھپا کر دیجئے۔ اسے اس مِثال سے سمجھئے کہ جو شخص آپ سے اپنا عیب چھپائے اس کا عیب ظاہِر کرنا آپ پر حرام ہے مگر جو شخص خود ہی اپنا گناہ ظاہِر کر دے اور اس کا اِعْلان کرتا پھرے تو اس کے عیب کو بیان کرنے میں کوئی حَرَج نہیں۔ جیسا کہ ایک رِوایَت میں ہے کہ سرکارِ مدینہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اِرشَاد فرمایا: مَنْ اَلْقٰی جِلْبَابَ الْحَیَاءِ فَلَا غِیْبَةَ لَهٗ[1] یعنی جس نے حَیا کی چادر خود ہی اتار دی اب اس کی کوئی غیبت نہیں (یعنی اس کی عَدَمِ مَوجُودگی میں اس کا وہ عیب بیان کرنا غیبت نہیں)۔

صدقہ کیسا ہو؟

بہتر یہ ہے کہ صَدَقہ اس مال سے کیا جائے جو بندے کے پسندیدہ مال میں سے اَفْضَل اور عُمْدہ ہو کہ لوگ اسے جَمْع کرتے ہوں اور ترجیح دیتے ہوں۔ مگر یہ اپنے پروردگار کو مال پر ترجیح دے جیسا کہ اس فرمانِ باری تعالٰی میں مِثال دے کر بتایا گیا ہے کہ کیسا مال راہِ خُدا میں دے:

اَنۡفِقُوۡا مِنۡ طَیِّبٰتِ مَا كَسَبۡتُمۡ (پ ۳، البقرۃ: ۲۶۷) ترجمۂ کنز الایمان: اپنی پاک کمائیوں میں سے کچھ دو۔

اس کے بعد اِرشَاد فرمایا:

---

[1] ......مکارم الاخلاق لابن ابی الدنیا، باب ذکر الحیاء وماجاء فی فضلہ، ص ۸۷، حدیث: ۱۰۲

وَ لَا تَیَمَّمُوا الْخَبِیْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ ترجمۂ کنزالایمان: اور خاص ناقص کا اِرادہ نہ کرو کہ دو تو اس میں سے۔ (پ ۳، البقرۃ: ۲۶۷)

پھر یہ مِثال اِرشاد فرمائی:

وَ لَسْتُمْ بِاٰخِذِیْهِ اِلَّاۤ اَنْ تُغْمِضُوْا فِیْهِؕ ترجمۂ کنزالایمان: اور تمہیں ملے تو نہ لوگے جب تک اس میں چشم پوشی نہ کرو۔ (پ ۳، البقرۃ: ۲۶۷)

مَطْلَب یہ ہے کہ راہِ خُدا میں دیتے ہوئے رَدّی مال نہ دو کہ اگر تم میں سے کسی کو وہ مال دیا جائے تو وہ نہ لے اور اگر لے بھی لے تو مجبوراً لے یا حَیا کی وجہ سے منع نہ کرسکے اور راہِ خدا میں اس سے کم درجے کا مال نہ دو جسے اپنے لئے پسند کرتے ہو ☜ یا وہ مال نہ دو جسے اپنے لیے آخِرت میں ذخیرہ کرتے ہوئے اَچھّا نہ جانو ☜ یا کسی سے لینا پسند نہ کرو ☜ یا مُعَزَّز شخص کو دینا اَچھّا نہ سمجھو۔ اگر ایسا نہ کیا اور رَدّی مال ہی دیا تو گویا آپ نے اپنی ذات کو یا اپنے جیسے بندے کو اپنے مولائے کریم پر ترجیح دی اور یقیناً یہ بات بے اَدَبی سے تَعلُّق رکھتی ہے۔

راہِ خدا میں کیسا مال دیا جائے؟

فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا ترجمۂ کنزالایمان: ہے کوئی جو اللہ کو قرضِ حَسَن دے۔ (پ ۲، البقرۃ: ۲۴۵)

اس آیتِ مُبارَکہ کی تفسیر میں مَرْوِی ہے کہ یہاں حلال اور طَیِّب یعنی پاک رِزْق مُراد ہے، کیونکہ اللہ پاک ہے اور وہ پاک رِزْق ہی قبول فرماتا ہے۔[1]

حضرت سَیِّدُنا اَنَس بن مالِک رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہ سے مَرْوِی ہے کہ اس بندے کے لئے خوش خبری ہے جس نے بغیر کسی گناہ کے کمائے ہوئے مال میں سے (راہِ خُدا میں کچھ) خَرْچ کیا۔[2]

---

[1] ......مسلم، کتاب الزکاۃ، باب قبول الصدقۃ من الکسب الطیب وتربیتھا، ص ۵۰۶، حدیث: ۱۰۱۵

[2] ......معجم کبیر، ۵/ ۷۱، حدیث: ۴۶۱۵ عن رکب المصری۔

المجروحین لابن حبان، باب الالف، ۱/ ۹۰، رقم: ۱: ابان بن ابی عیاش

ایک رِوایت میں ہے: ایک دِرْہَم ایک لاکھ دَراہِم پر سَبقت لے جاتا ہے۔[1]

اللہ پاک نے اس قوم کے لیے وعید کا تَذْکِرہ فرمایا ہے جو راہِ خُدا میں ایسا مال خَرچ کرتی ہے جسے خود اپنے لیے اَچھا نہیں جانتی اور ان کی زبانوں پر یہ جھوٹ رہتا ہے کہ ان کے لیے تو خیر ہی خیر ہے، چُنانچِہ ان کے دعوے کو جھٹلاتے ہوئے اللہ پاک نے اِرشاد فرمایا:

وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ مَا يَكْرَهُوْنَ وَتَصِفُ اَلْسِنَتُهُمُ الْكَذِبَ اَنَّ لَهُمُ الْحُسْنٰى ؕ لَا جَرَمَ اَنَّ لَهُمُ النَّارَ (پ ١٤، النحل: ٦٢)

ترجمۂ کنز الایمان: اور اللہ کے لئے وہ ٹھہراتے ہیں جو اپنے لئے ناگوار ہے اور ان کی زبانیں جھوٹوں کہتی ہیں کہ ان کے لئے بھلائی ہے تو آپ ہی ہوا کہ ان کے لئے آگ ہے۔

یعنی وہ آگ کے مُسْتَحِق ہیں۔

(صاحِبِ کتاب حضرت سَیِّدُنا شیخ ابو طالب مَکّی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں:) یہاں اس آیتِ مُبارَکہ میں وَقْف کی ایک غریب صُورَت ایسی ہے جسے اَہْلِ عَرَب میں سے ماہِر لوگ ہی جانتے ہیں اور وہ یہ کہ وہ ﴿اَلْحُسْنٰى﴾ کے بجائے "لَا" پر وَقْف کرتے ہیں، تاکہ یہ ان کے لیے بھلائی کے وَصْف کی نفی بن جائے، پھر وہ مابعد کلام ﴿جَرَمَ اَنَّ لَهُمُ النَّارَ﴾ کو ایک الگ جملے کے طور پر پڑھتے ہیں یعنی ان کے آگ کا حَق دار ہونے کا سَبَب ان کا یہ کام ہے کہ وہ اللہ پاک کے لیے وہ شے پسند کرتے ہیں جسے اپنے لیے اَچھا نہیں سمجھتے۔

صدقہ دینے پر کوئی دُعا دے تو کیا کرے؟

اگر کوئی مسکین صَدَقہ لے کر آپ کو دُعا دے تو آپ بھی جواب میں اُسے ویسی ہی دُعا دیں، تاکہ آپ کی دُعا اس کی دُعا کی جزا بن جائے۔ کیونکہ اللہ پاک کے محبوب صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا فرمانِ عالیشان ہے: اپنے صَدَقہ کو خالِص بناؤ، ورنہ اس کی دُعا تمہارے اِحْسان کا بدلہ بن جائے گی۔[2]

عُلَمائے رَبّانِیِّین اس بات کا خاص خَیال رکھا کرتے تھے اور یہی طریقہ تواضُع کے بھی زیادہ قریب ہے، نیز یہ بھی مت سمجھیں کہ آپ نے اسے جو کچھ عَطا کیا ہے اس پر دُعا و اَجر کے مُسْتَحِق ہیں، اس لیے کہ آپ

---

[1] ......نسائی، کتاب الزکاۃ، باب جھد المقل، ص ٤١٥، حدیث: ٢٥٢٤

[2] ......حلیۃ الاولیاء، عون بن عبد اللہ بن عتبۃ، ٤/ ٢٨٢، حدیث: ٥٥٨٤ دون "والاٰکان...الخ"

نے تو اس فَرض کو ادا کیا ہے جو آپ کے پروردگار نے آپ پر لازِم کیا ہے یا یہ سمجھیں کہ جسے آپ نے عَطا کیا ہے حقیقت میں اسی کا رِزق اس تک پہنچایا ہے۔

اُمُّ الْمُومِنِین حضرت سیِّدَتُنا عائشہ صِدِّیقہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھَا اور اُمُّ الْمُومِنِین حضرت سیِّدَتُنا اُمِّ سَلمہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھَا جب کسی فقیر کو کچھ بھیجتیں تو لے جانے والے سے اِرشَاد فرماتیں: اس کے دُعائیہ کلمات کو یاد رکھنا۔ پھر جواب میں ویسے ہی کلمات کے ساتھ دُعا دیتیں اور فرماتیں: دُعا کے بدلے اس لئے دُعا دی ہے تاکہ ہمارا صَدَقہ محفوظ رہے۔ اَمِیرُ الْمُومِنِین حضرت سیِّدُنا عُمَر فَارُوقِ اَعْظَم رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہ اور آپ کے بیٹے حضرت سیِّدُنا عبداللہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہ بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے۔

دعا کا تقاضا کرنا کیسا؟

البتہ! یہ مُناسِب نہیں کہ آپ فقیر سے دُعا کا تقاضا کریں یا اس سے دُعا کرنے کا کہیں یا اس کی جانِب سے مَدح و تعریف چاہیں، اس لیے کہ یہ سب باتیں صَدَقہ کو ناقِص کر دیتی ہیں، بلکہ اگر آپ نے یہ کام کثرت سے کیا اور اس پر زور دیا تو گویا آپ نے اپنا صَدَقہ ضائع کر دیا۔ اگرچہ فقیر پر یہ بات لازِم ہے کہ وہ آپ کے حَق میں دُعا کرے اور تعریف بھی کرے، اس لیے کہ وہ اس بات پر ضَرور عَمَل کرے گا کیونکہ پروردگار نے اسے ایسا کرنے کا حُکم دیا ہے اور وہ اس حُکم کو بجالا کر بَندَگی کا حَق ادا کرے گا۔ لہٰذا وہ یہ نہیں دیکھتا کہ آپ نے اس پر کوئی اِحسان کیا ہے۔

فقیر کو دینے کا طریقہ

جب آپ فقیر کو کچھ دیں تو اَچھے انداز میں دیں اور نَرمی و مہربانی سے پیش آئیں اور عاجِزی و تواضُع کا مُظاہرہ کریں کہ بعض اَہلِ اَدَب جب کسی فقیر کو کچھ دینے کا اِرادہ فرماتے تو اپنی ہتھیلی پر وہ شے رکھ کر اس کے سامنے پھیلا دیتے تاکہ فقیر کا ہاتھ اوپر رہے اور بعض اپنا ہاتھ اس کے سامنے زمین پر رکھ دیتے اور اس سے وہ شے قبول کرنے کی درخواست کرتے، تاکہ اس طرح وہ سائل بن جائیں اور مَحض فقیر کے اِحترام کے لیے اس کے ہاتھ میں نہ دیتے۔ یہ طریقہ اس بات پر دَلالَت کرتا ہے کہ ایسا کرنے والا بندہ عِرفانِ خُداوندی کا پیکر ہے اور اپنے پروردگار کی عِبادَت بجالانے میں حُسنِ اَدَب کا خَیال رکھتا ہے۔

صدقہ پر مدح و تعریف چاہنا کیسا؟

جو شخص صَدَقَہ کر کے مَدح و تعریف اور شہرت چاہے تو اسے صَدَقَہ کی وجہ سے مدح و تعریف اور شُہرت تو مل جائے گی مگر صَدَقَہ کا اَجر خَتم ہو جائے گا۔ بلکہ بسا اَوقات اس پر مزید گناہ کا بوجھ بڑھ جاتا ہے کہ اس نے اس کام میں مَدح و تعریف اور شُہرت و چرچا پسند کیا جو خالص اس کے پروردگار کے لیے تھا اور اس کی تعریف و شُہرت کا ذِمّہ بھی اس کے مَعْبُود پاک نے لے رکھا تھا اور دوسرے یہ کہ یہ صَدَقَہ تو حقیقت میں اس بندے کا رِزق تھا جو **اللہ** پاک نے اِس کے ہاتھ اُس تک پہنچایا۔ چُنَانْچِہ اگر وہ بندہ خُلُوص کا مُظاہرہ کرتا تو اس کا حال کیا ہی خوب ہوتا۔

صدقہ دینے کی دعا

فقیر کے لیے بہتر یہ ہے کہ وہ صَدَقَہ دینے والے کو دُعا دے، تاکہ اس کی یہ دُعا صَدَقَہ دینے والے کے لیے بطورِ شُکریہ کے ہو جائے کہ اس نے اسے اپنے پروردگار کے حُکم پر عَمَل کرتے ہوئے فَرض کی ادائیگی کے لیے مُنْتَخَب فرمایا۔ کیونکہ اس شخص نے اس فقیر کو خیر و بھلائی کا سَبَب و واسطہ بنایا ہے اور اس وجہ سے بھی کہ **اللہ** پاک اس عَطا کو دیکھ رہا ہے اور اس نے اپنے بندے کی اس عَمَل کی ادائیگی پر تعریف بھی فرمائی ہے۔ چُنَانْچِہ اس فقیر کو بھی چاہئے کہ صَدَقَہ دینے والے کا شکریہ ادا کرنے کے لیے ان اَلفاظ میں دُعا دے: طَهَّرَ اللّٰهُ قَلْبَكَ فِيْ قُلُوْبِ الْاَبْرَارِ وَزَكّٰى عَمَلَكَ فِيْ عَمَلِ الْاَخْيَارِ وَصَلّٰى عَلٰى رُوْحِكَ فِيْ اَرْوَاحِ الشُّهَدَآءِ یعنی **اللہ** پاک نیک لوگوں کے دِلوں میں (داخل فرماکر) تیرے دِل کو پاک و صاف کرے اور نیکوکاروں کے اَعمال میں (شُمار کرکے) تیرے عَمَل کو بھی پاکیزگی بخشے اور شُہدا کی روحوں میں (شامل فرماکر) تجھ پر رَحْمَت بھیجے۔

ان اَلفاظ میں صَدَقَہ دینے والوں کا شکریہ ادا کرنا بھی ہے، ان کے حق میں دُعا کرنا اور حُسنِ تعریف بھی۔ نیز شُکریہ ادا کرنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ اگر لوگ انہیں صَدَقَہ وغیرہ نہ دیں تو انہیں بُرا بھلا نہ کہا جائے اور اگر کچھ عَطا کریں تو لیتے وَقت ان میں کوئی عیب نہ نِکالیں۔ یہ مفہوم اس رِوایَت سے مَاخُوذ ہے کہ جس میں **اللہ** پاک کے پیارے حبیب صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اِرشَاد فرمایا ہے: مَنْ لَّمْ يَشْكُرِ النَّاسَ لَمْ

يَشْكُرِ اللهَ۔[1] یعنی جو بندوں کا شکریہ ادا نہیں کرتا وہ اللہ پاک کا بھی شُکْر ادا نہیں کرتا۔ کیونکہ اس صُورت میں حَالَتِ اِعْتِدَال کے حُکْم کا ثُبوت ہے تو نعمتوں کے اِظْہار میں حُسْنِ اَدَب بجا لانا اور اَوصافِ رَبُوبِیَّت سے مُتَّصِف ہونا بھی ہے، اس لیے کہ اسی نے ان پر اِنْعَام فرمایا، پھر اپنا خاص کَرَم فرماتے ہوئے شُکْر کی توفیق عِنَایَت فرمائی۔ جیسا کہ ایک رِوایَت میں ہے: صَاحِبِ یقین بندہ عَطا میں اپنے پروردگار کے دَسْتِ قُدْرَت کا مُشاہَدہ کرتا ہے۔ چُنَانْچِہ فقیر پہلے اپنے رب کی حَمد بیان کرتا ہے، پھر مُتَّقِیْن (یعنی صَدَقہ دینے والوں) کا شُکْریہ ادا کرتا ہے کہ ان کو اس کے پروردگار نے اس کے لیے حَمد بیان کرنے کا سَبَب اور اس کے رِزْق کا ذَرِیْعَہ بنایا۔

ایک رِوایَت میں رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا فرمانِ خوشبو دار ہے: جو تمہارے ساتھ بھلائی کرے اس کا بَدْلَہ دو، اگر بَدْلَہ نہیں دے سکتے تو اس کے لئے دُعا کرو یہاں تک کہ جان لو کہ تم نے اس کا بَدْلَہ اُتار دیا ہے۔[2]

عطا پر رب کے شکر سے مُراد

عَطا پر پروردگار کے شُکْر ادا کرنے سے مُراد یہ ہے کہ بندہ اس بات پر یقین رکھے کہ یہ نِعْمَت اللہ پاک کی طرف سے ہے، جس میں اس کا کوئی شریک نہیں اور اس نے اس کے حُکْم پر عَمَل کیا ہے۔

افضل صَدَقہ

اَفْضَل صَدَقہ یہ ہے کہ ایسے فُقَرا کو دیا جائے جن میں دَرْج ذیل صِفات پائی جاتی ہوں:

- جو دیندار اور صوفی حضرات میں سے نیک اور سچے ہوں۔
- جو گمنامی و پوشیدگی کو پسند کریں۔
- شِکْوہ، شِکایَت کرنے اور راز اِفْشا کرنے والے نہ ہوں۔
- ان کا شُمار ان لوگوں میں ہوتا ہو جنکے اَوصَاف کے مُتَعَلِّق قرآنِ مجید میں اِرشَاد ہوا ہے: ﴿ لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ[3] ﴾ یعنی وہ فقیر کثْرَتِ عِیال، رِزْق کی تنگی، دِل کی اِصْلَاح میں

---

[1] ...... ترمذی، کتاب البر والصلة، باب ما جاء فی الشکر لمن احسن الیک، ۳/۳۸۴، حدیث: ۱۹۶۲

[2] ...... نسائی، کتاب الزکاۃ، باب من سأل باللہ، ص ۴۲۲، حدیث: ۲۵۶۴

[3] ...... ترجمۂ کنزالایمان: ان فقیروں کے لیے جو راہِ خُدا میں روکے گئے۔ (پ ۳، البقرۃ: ۲۷۳)

مَصرُوف ہونے یا مال کے کم ہونے کی وجہ سے راہِ آخِرت پر چلنے سے روک دیئے گئے ہوں۔ مزید اِرشَاد ہوتا ہے: ﴿ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ ضَرْبًا فِی الْاَرْضِ ۫[1] ﴾ یعنی وہ کہیں جانے کی طاقت اس لیے نہیں رکھتے کہ ان کے دست و بازو کٹے ہوئے ہیں، کیونکہ ایک مال دار شخص کے لیے مال پرندے کے پروں جیسی حَیثِیَّت رکھتا ہے، وہ اپنے مال سے جس ملک میں چاہتا ہے جا سکتا ہے اور اپنی من چاہی مُرادیں پوری کر سکتا ہے، جبکہ ایک فقیر و غریب شخص مال و رِزق کی تنگی کے باعث ایک قیدی کی حَیثِیَّت رکھتا ہے۔ کیونکہ اِرشَادِ باری تعالیٰ ﴿ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَیْكُمْ لِبَاسًا یُّوَارِیْ سَوْاٰتِكُمْ وَ رِیْشًا ؕ[2] ﴾ میں ایک قول کے مطابِق ﴿ لِبَاسًا ﴾ سے مُراد مال ہے جبکہ ایک قول کے مُطابِق اس سے مُراد رِزق ہے۔ جبکہ فقیر کے مُتَعَلِّق اِرشَاد ہوتا ہے: ﴿ یَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِیَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ۚ[3] ﴾ یہاں اللہ پاک نے ان لوگوں کا وَصف بیان کیا ہے جن کا فقیر ہونا مَعرُوف ہوتا ہے نہ رِزق کی کمی ان پر نظر آتی ہے، کیونکہ وہ مانگنے سے بچتے ہیں اور نادان لوگ انہیں غنی سمجھتے ہیں اس لیے کہ وہ مومنین کے اَوصاف نہیں جانتے۔ ایسے لوگ چونکہ عِفَّت و پاکدامنی کے باعث اپنے حال کو چھپائے ہوتے ہیں، لہٰذا اللہ پاک نے ان کا حال ظاہِر کرنے اور بیان کرنے کیلئے ان کے اَوصاف ذِکر فرمائے اور مَخلُوق کو انکی پہچان بتاتے ہوئے اِرشَاد فرمایا: ﴿ تَعْرِفُهُمْ بِسِیْمٰهُمْ ۚ[4] ﴾ یعنی ان میں پائی جانے والی یہ عَلامت ایسی ہے جو کبھی ان سے جُدا نہیں ہوتی، بلکہ انکی ایسی پختہ عادت و طبیعت ہوتی ہے جس میں کوئی بَناوٹ ہوتی ہے نہ کوئی ظاہری دِکھاوا اور وہ عَلامت یہ ہے: ﴿ لَا یَسْــٴَـلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ؕ[5] ﴾ یعنی اگر تمہارا اِنہیں پہچاننا مُشکِل ہو تو اس

---

[1] ......ترجمۂ کنزالایمان: زمین میں چل نہیں سکتے۔ (پ ۳، البقرۃ: ۲۷۳)

[2] ......ترجمۂ کنزالایمان: بیشک ہم نے تمہاری طرف ایک لباس وہ اُتارا کہ تمہاری شرم کی چیزیں چھپائے اور ایک وہ کہ تمہاری آرائش ہو۔ (پ ۸، الاعراف: ۲۶)

[3] ......ترجمۂ کنزالایمان: نادان انہیں تونگر سمجھے بچنے کے سبب۔ (پ ۳، البقرۃ: ۲۷۳)

[4] ......ترجمۂ کنزالایمان: تو انہیں ان کی صُورت سے پہچان لے گا۔ (پ ۳، البقرۃ: ۲۷۳)

[5] ......ترجمۂ کنزالایمان: لوگوں سے سوال نہیں کرتے کہ گڑگڑانا پڑے۔ (پ ۳، البقرۃ: ۲۷۳)

عَلامت کے ذریعے انہیں بڑی آسانی سے پہچان لینا کہ وہ قناعت وعِفَّت کے باعث کسی سے گڑ گڑا کر مانگتے ہیں نہ مال داروں کے پیچھے پڑتے ہیں اور نہ دنیاداروں کے ساتھ چپکے رہتے ہیں۔ وہ اپنے حال کی وجہ سے مُنْفَرِد، اپنے یقین کے باعث غنی اور اپنے صَبر کے سَبَب مُعَزَّز ہیں۔

(صاحِبِ کتاب فرماتے ہیں:) ﴿ اِلْحَافًا ﴾ اَصل میں لِحَاف سے مُشْتَق ہے کہ جسے لپیٹا جائے تو وہ جِسْم سے چپک جاتا ہے۔ گویا کہ ان کے مُتَعَلِّق اِرشَاد ہوا ہے کہ **وہ ایسے نہیں جو مال داروں کے ساتھ لحاف کی طرح چپک جائیں اور نہ پیشہ ور بھکاریوں کی طرح کچھ مانگتے ہوئے پیچھے ہی پڑ جاتے ہیں۔** لہٰذا کوشش کیجئے کہ جن فُقَرا میں یہ تمام اَوصاف یا ان میں سے کچھ اَوصاف ہی پائے جائیں انہیں ہی آپ اپنے صدقات عَطا فرمادیں تاکہ آپ کا عَمَل پاکیزہ رہے اور آپ کی کوشش وسعی بارگاہِ خُداوندی میں قبول ہو۔

قریبی رشتہ داروں پر خرچ کرنے کی فضیلت

صَدَقَہ میں یہ بھی اَفضَل ہے کہ بندہ غیروں پر اپنے مُحتاج بھائیوں اور قریبی رشتہ داروں کو ترجیح دے۔ چُنَانْچِہ اَمِیْرُ الْمُؤمِنِین حضرت سَیِّدُنا علی المرتضیٰ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں: مجھے اپنے کسی بھائی پر صِلہ رحمی کرتے ہوئے ایک دِرْہَم صَدَقَہ کرنا (کسی اور پر) 20 دِرْہَم صَدَقَہ کرنے سے زیادہ پسند ہے اور (اسی طرح) اس پر 20 دِرْہَم صَدَقَہ کرنا کسی اور پر 100 دِرْہَم صَدَقَہ کرنے سے زیادہ پسند ہے، بلکہ اس پر 100 دِرْہَم خَرْچ کرنا ایک غلام آزاد کرنے سے بھی زیادہ پسند ہے۔[1]

اس فضیلت کی وجہ

(صاحِبِ کتاب حضرت سَیِّدُنا شیخ ابو طالب مکی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں: قریبی رشتہ داروں پر خَرْچ کرنے کی فضیلت کی وجہ یہ ہے کہ) **اللہ** پاک نے صدقات کا ذِکْر قریبی رشتے داروں کے ساتھ کیا ہے، چُنَانْچِہ اجنبیوں پر خَرْچ کرنے کے بجائے قریبی رشتہ داروں پر صَدَقَہ کرنا ایسے ہی اَفضَل ہے جیسا کہ دُور کے رشتے داروں کے بجائے قریبی رشتے داروں پر صَدَقَہ کیا جائے۔ اس لیے کہ اس مفہوم میں صِلہ رحمی کے بعد اپنے بھائیوں

[1] ......الادب المفرد، باب من اطعم اخاله فی اللہ، ص ۱۴۸، حدیث: ۵۲۶ نحوہ

موسوعۃ ابن ابی الدنیا، کتاب الاخوان، باب فی تقبل الاخوان، ۸/ ۱۸۴ و ۱۸۷، حدیث: ۱۷۵ و ۱۹۱ نحوہ

سے بہترین سُلوک کرنے سے اَفضل کچھ نہیں۔ بلکہ سَلَف صالِحین تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ سب سے بہتر عَمَل دینی بھائیوں سے حُسنِ سُلوک سے پیش آنا ہے۔

نعمت کی نسبت کس طرف کرے؟

جب کوئی کسی کو کچھ عَطا کرے تو وہ **اللہ** پاک کی حَمد بیان کرے اور اس کا شُکْر بجالائے اور اس نِعْمَت کے مُتعلِّق یقین رکھے کہ یہ **اللہ** پاک کی جانب سے ہے اور کسی واسطے پر نَظَر نہ رکھے، جو ایسا کرتا ہے وہ **اللہ** پاک کے ہاں بہُت بڑا شکر گزار بندہ شُمار ہوتا ہے کیونکہ حقیقی شُکْر یہی ہے کہ بندہ ہر نِعْمَت کو **اللہ** پاک کی جانب سے سمجھے اور اس کی عِبادَت بجالانے میں خُلُوص کا مُظاہرہ کرے اور نیک عَمَل کے باعث حاصِل ہونے والی کسی نِعْمَت و عَطا کو **اللہ** پاک کے سوا کسی اور کی طرف سے نہ سمجھے۔

اَمِیرُ الْمُؤمِنِین حضرت سَیِّدُنا علی المرتضیٰ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہ فرماتے ہیں: اپنے اور اپنے رب پاک کے درمیان کسی اور کو مُنْعِم نہ بناؤ، بلکہ **اللہ** پاک کے سوا کسی اور کی طرف سے ملنے والی نِعْمَت کو خود پر قَرض سمجھو۔

عطا میں اللہ کا شکر کرنے والے کو ترجیح دیں

اس قسم کے شخص کو اس شخص پر ترجیح دی جائے کہ جسے کچھ دے تو وہ دینے والے کی تعریف و توصیف بیان کرے اور اسے ہی دینے والا سمجھ کر اس کی مَدح کرے تو گویا اس نے اس ہستی کی تعریف بیان نہ کی جو اسے حقیقی طور پر عَطا کرنے والی ہے اور اس کی نگاہیں بھی کسی دوسرے پر ہی رہیں، یہی نہیں بلکہ اس نے تو عَطا کے وقت جس کا ذِکْر کرنا چاہئے تھا اس کے بجائے کسی غیر کا ہی ذِکْر کیا۔

ترجیح کی وجوہات

(صاحِبِ کتاب فرماتے ہیں:) عَطا میں شکر گزار بندوں کو ترجیح دینے کی وُجُوہات یہ ہیں:

- جو بندہ **اللہ** پاک کی حَمد بجالائے، اسی کا شُکْر ادا کرے، اس کے رزق عَطا کرنے پر اس کی ثنا بیان کرے اور ذِکْر کرے تو وہ ایسا اس لیے کرتا ہے کیونکہ وہ یقین رکھتا ہے کہ **اللہ** پاک ہی مُنْعِمِ حقیقی ہے، لہٰذا وہ اس کے قُرب کی وجہ سے اپنی نِگاہوں میں اسے ہی بسائے رکھتا ہے۔ چُنَانْچِہ بارگاہِ خُداوندی میں

ایسے شخص کا اللہ پاک پر یقین کامل صَدَقَہ دینے والے کے لیے کسی دوسرے کے اسے دُعائیں دینے سے زیادہ نَفْع بخش ہے۔ کیونکہ اللہ پاک ہی صاحِبِ یقین کے نَفْع کا سَبَب ہے اور وُہی ہر شے کو اس کا حقیقی مَقام و مرتبہ عَطا کرنے والا ہے۔

☜ وہ دوسرا شخص جو صَدَقَہ دینے والے کی تعریف و توصیف بیان کرتا ہے اور اسے دُعاؤں سے نوازتا ہے وہ چونکہ اسے ہی دینے والا سمجھتا ہے، لہٰذا اس کی نگاہیں اسی پر رہتی ہیں اور وہ اسی کی مَدح کرتا ہے۔ چُنانچہ ایسا شخص اگر اللہ پاک کی رضا کے لیے اس کی مَخْلُوق کا خیر خواہ ہو مگر اس کام میں مَخْلُوق کی رضا بھی اس کا مقصود ہو تو مال خَرْچ کرنے والے پر ایسے شخص کا اپنے پروردگار پر کمزور یقین اس کی دُعا سے زیادہ سَخْت ہو گا، اسی طرح اس کی خواہش کے اس کے تقویٰ پر غالِب ہونے اور اُخْرَوِی نَفْع سے بھی نَاوَاقِف ہونے کی وجہ سے وہ اپنے پروردگار کی رضا کے حُصُول کے لیے خیر خواہی کا مُظاہرہ نہ کرے تو اس صُورَت میں مَقامِ توحید میں پائی جانے والی یہ خامی اس کے صَدَقَہ کے باعث حاصِل ہونے والے فضائل سے زیادہ نُقْصان دِہ ہے۔ اس لیے کہ یہ شخص آخِرَت کی طرف دھیان دینے پر یقین رکھتا ہے نہ جزا و سزا پر، بلکہ (بسا اوقات وہ) ایسی باتیں بھی کر جاتا ہے جو اس کے اَعمال کی بربادی کا باعث بنتی ہیں۔

☜ اگر عَطا میں اس کی نَظر دینے والے پر رہے گی تو عطا نہ کرنے پر بھی اس کی نگاہوں میں نہ دینے والا ہی کھٹکے گا۔ چُنَانچہ وہ کچھ عَطا نہ کرنے پر اس کی مَذمَّت بیان کرے گا اور غیبت میں بھی مُبْتَلا ہو گا۔ اس کے ان گناہوں میں مُبْتَلا ہونے کا سَبَب (چونکہ) وہی دینے والا ہی بنتا ہے (لہٰذا بہتر ہے ایسے شخص کو کچھ دیا ہی نہ جائے) جبکہ صاحِبِ یقین و مُشاہَدہ ان سب اُمُور میں مُطْمَئِن ہوتا ہے۔

حقیقی رازق کون؟

ایک رِوایَت میں اللہ پاک کے پیارے حبیب صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اِرشَاد فرمایا: صَدَقَہ سائل کے ہاتھ میں پہنچنے سے پہلے بارگاہِ خداوندی میں پہنچتا ہے اور وُہی اسے سائل کے ہاتھ میں رکھتا ہے۔[1]

[1] ......الزھد لابن المبارک، باب فضل الصدقۃ، ص ۲۲۷، حدیث: ۶۴۷

یہی وجہ ہے کہ ہر صاحِبِ یقین اپنا رِزق اپنے رب کی بارگاہ سے حاصِل کرتا ہے اور اس کے سوا کسی کی عِبادَت کرتا ہے نہ کسی سے کچھ مانگتا ہے۔ البتہ! جس طرح اس کے پروردگار نے اپنے اس فرمانِ عالیشان میں مانگنے کا طریقہ بتایا ہے اس پر ضَرور عَمَل کرتا ہے۔ چُنَانْچِہ اِرشَاد ہوتا ہے:

فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوْهُ ترجمۂ کنزالایمان: تو **اللہ** کے پاس رزق ڈھونڈو اور اس کی بندگی کرو۔ (پ۲۰، العنکبوت: ۱۷)

حقیقی تعریف کا مستحق کون؟

اللہ پاک کے مَحبوب صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے کسی ضَرورت مند کی طرف صَدَقہ بھیجا اور لے جانے والے سے اِرشَاد فرمایا: جو کچھ وہ کہے اسے یاد رکھنا۔ جب اس نے صَدَقہ اس تک پہنچایا تو وہ بارگاہِ خداوندی میں عَرْض کرنے لگا: تمام خوبیاں اس ذات کے لئے ہیں جو اپنا ذِکْر کرنے والوں کو بھولتا نہیں اور اپنا شُکْر ادا کرنے والے کو ضائع نہیں کرتا۔ پھر یوں عَرْض کی: اے **اللہ** پاک! تو نے فلاں کو نہیں بھلایا پس تو اُسے بھی ایسا بنادے کہ وہ تجھے نہ بھلائے۔ جب آقائے دو ۲ جہاں صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کو اس کی خَبَر دی گئی تو آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم خوش ہوئے اور اِرشَاد فرمایا: مجھے مَعْلُوم تھا کہ وہ یہی کہے گا۔[1]

اسی طرح ایک رِوایَت میں ہے کہ سرورِ کائنات صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ایک شخص سے اِرشَاد فرمایا: توبہ کر۔ اس نے عَرْض کی: الٰہی! میری توبہ تیری طرف ہے نہ کہ **محمد** صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی طرف۔ چُنَانْچِہ آپ نے اِرشَاد فرمایا: اس نے حَق دار کے حَق کو پہچان لیا[2]۔[3]

اُمُّ الْمُؤمِنِین حضرت سَیِّدَتُنا عائشہ صِدِّیقہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہَا نے واقعہ اِفک میں حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے

---

[1] ......الحث علی التجارۃ والصناعۃ لابن الخلال، باب کراھیۃ التقلل من المطعم... الخ، ص ۱۴۹، حدیث: ۱۰۵ بتغیر

[2] ......مسند احمد، حدیث الاسود بن سریع، ۵/ ۲۰۲، حدیث: ۱۵۵۸۷

[3] ......توبہ اصل حق ربِّ کریم کا ہے جبھی حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اس شخص کی بات پر کلام نہیں فرمایا ورنہ اُمُّ المؤمنین حضرت سَیِّدَتُنا عائشہ صدیقہ وحضرت سَیِّدُنا صدیقِ اکبر وحضرت سَیِّدُنا فاروقِ اعظم رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُم سمیت اکتالیس صحابۂ کرام رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُم نے توبہ کرنے میں ربِّ کریم کے نام پاک کے ساتھ نبیِّ پاک صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا نامِ پاک بھی ملایا اور حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے قبول فرمایا۔ (ماخوذ از فتاوی رضویہ، ۳۰/ ۴۵۹)

عَرض کی تھی کہ میں تو **اللہ** پاک کی حمد بیان کروں گی نہ کہ آپ کی۔ تو ان کی اس بات سے سرورِ کائنات صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم بہت خوش ہوئے۔[1]

ایک رِوایت میں ہے کہ اَمیرُ الْمُؤمنین حضرت سَیِّدُنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللہُ عَنْہ نے ان سے اِرشَاد فرمایا: اٹھ کر **رسول اللہ** صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے سرِ اَنْوَر کو بوسہ دو۔ تو بولیں: **اللہ** پاک کی قسم! میں ایسا نہ کروں گی اور **اللہ** کے سوا کسی کی حمد نہ کروں گی۔[2] تو آپ نے اِرشَاد فرمایا: اے ابو بکر! اسے چھوڑ دو۔

ایک رِوایت میں ہے کہ انہوں نے اپنے والِدِ ماجِد اَمیرُ الْمُؤمنین حضرت سَیِّدُنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللہُ عَنْہ سے عَرض کی: میں تو صِرف **اللہ** پاک کی حمد بیان کروں گی، آپ کی تعریف کروں گی نہ آپ کے آقا صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی۔ یہ سن کر آپ نے ان کی بات کو رَدّ نہ فرمایا، بلکہ خوشی محسوس کی اور حضرت سَیِّدُنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللہُ عَنْہ کو انہیں کچھ کہنے سے روک دیا۔[3]

ذکرِ خداوندی پر خوش نہ ہونے والے

اللہ پاک نے کفار کا یہ وَصف بیان فرمایا ہے کہ جب **اللہ** پاک وحدہ لاشریک کا ذِکر کیا جاتا ہے تو ان کے دِل گھٹن کا شِکار ہو جاتے ہیں اور جب غَیْرُ اللہ کا ذِکر ہوتا ہے تو وہ خوش ہوتے ہیں۔ چُنانچہ **اللہ** پاک نے ایسے لوگوں کا یہ وَصف بنادیا ہے کہ جب کسی شے کے تذکرے کے وَقت توحیدِ باری تعالیٰ کا ذِکر ہو تو ان کے دِلوں پر پردہ چھا جاتا ہے اور وہ اسے ماننے سے انکار کر بیٹھتے ہیں مگر جب اس شے میں کسی اور کو رب پاک کا شریک بنالیا جائے تو وہ فوراً تصدیق کرنے لگتے ہیں۔ چُنانچہ ان کے اَوصاف کا ذِکر کرتے ہوئے **اللہ** پاک اِرشَاد فرماتا ہے:

وَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ ۚ

ترجمۂ کنزالایمان: اور جب ایک **اللہ** کا ذِکر کیا جاتا ہے دِل سمٹ جاتے ہیں اُن کے جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے

---

[1] ......مسند احمد، مسند السيدة عائشة، ۹/۲۶۸، حديث: ۲۴۰۶۸ بدون: فسره ذلك

[2] ......معجم كبير، ۲۳/۲۶، حديث: ۱۳۸ ۔ ابوداود، كتاب الادب، باب في قبلة الرجل ولده، ۴/۴۵۵، حديث: ۵۲۱۹

بخاری، کتاب التفسیر، سورة النور، باب ان الذين يحبون ان تشيع . . . الخ، ۳/۲۸۸، حديث: ۴۷۵۷

[3] ......معجم كبير، ۲۳/۱۱۸ و ۱۲۳، حديث: ۱۵۲ و ۱۶۲

وَ اِذَا ذُكِرَ الَّذِیْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِذَا هُمْ یَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۴۵﴾ (پ ۲۴، الزمر: ۴۵)

اور جب اُس کے سوا اَوروں کا ذِکر ہوتا ہے جبھی وہ خوشیاں مناتے ہیں۔

دوسرے مَقام پر اِرشَاد ہوتا ہے:

ذٰلِكُمْ بِاَنَّهٗۤ اِذَا دُعِیَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ كَفَرْتُمْۚ وَ اِنْ یُّشْرَكْ بِهٖ تُؤْمِنُوْاؕ فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِیِّ الْكَبِیْرِ ﴿۱۲﴾ (پ ۲۴، المؤمن: ۱۲)

ترجمۂ کنزالایمان: یہ اس پر ہوا کہ جب ایک **اللہ** پکارا جاتا تو تم کفر کرتے اور اس کا شریک ٹھہرایا جاتا تو تم مان لیتے تو حُکْم **اللہ** کے لیے ہے جو سب سے بُلَند بڑا۔

آیتِ مبارکہ کی تفسیر

(صاحِبِ کتاب اس آیتِ مُبارکہ کے بعض اَلفاظ کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:)

﴿1﴾ کفر سے مُراد چھپانا وپردہ پوشی کرنا ہے (یعنی وہ جان بوجھ کر رب پاک کی وَحدانِیَّت ماننے سے اِنکار کرتے)۔

﴿2﴾ شرک سے مُراد ایک شے کو دوسری سے ملا دینا ہے۔ یعنی **اللہ** پاک کے ذِکر کے ساتھ کسی غیر کے ذِکر کو ملا دیتے ہیں۔

﴿3﴾ **فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ** سے مُراد یہ ہے کہ اس کے حُکْم میں کوئی مَخلُوق شریک نہیں۔ اس لیے کہ وہ اپنی عَظَمَت میں بُلَند وبرتر ہستی ہے اور اپنی سَلْطَنَت میں سب سے بڑا ہے۔ اس کے ملک وعَطا میں کوئی اس کا شریک ہے نہ اس کی عِبَادَت میں کوئی اس کا حصّے دار ہے۔

یہ اس بات پر دلیل ہے کہ مؤمنین جب **اللہ** پاک کا ذِکر کرتے ہیں کہ وہ وحدہٗ لاشریک ہے اور یکتا ہے تو انہیں شَرحِ صَدر کی دولت نصیب ہوتی ہے، ان کے قُلُوب میں وُسعَت پیدا ہوتی ہے اور وہ **اللہ** پاک کی توحید کے ذِکر سے خوشی مَحْسُوس کرتے ہیں۔ مگر جب **اللہ** پاک کے سِوا دیگر واسطوں اور اَسباب کا ذِکر ہوتا ہے تو اسے پسند نہیں کرتے بلکہ ان کے دل گھٹن کا شِکار ہو جاتے ہیں۔ یہی وہ دُرُست عَلامَت ہے جس سے آپ اپنے اور دوسروں کے دِل کی حقیقت پہچان سکتے ہیں، کیونکہ اگر آپ عارِف ہیں تو اس عَلامَت سے مَعْلُوم کر سکتے ہیں کہ کس کے دل میں حقیقی توحید مَوجُود ہے اور کس کے دل میں شرک مَخْفِی ہے۔

صَدَقہ دینے میں کن باتوں کا خیال رکھے؟

بہتر یہ ہے کہ صَدَقہ حَسْبِ حَیْثِیَّت عُمْدہ و بہترین مال سے دیا جائے۔ کیونکہ **اللہ** پاک پاک ہے اور صِرف پاک چیز ہی قبول فرماتا ہے۔[1] **اللہ** پاک کے ہاں اس کا صَدَقہ اسی قَدْر پاک و زیادہ ہوگا جس قَدْر وہ پاک ہوگا اور اسے دینے میں مُسْتَحِق کا خاص خَیال رکھا گیا ہوگا۔

اسی طرح اس بات کا خَیال رکھنا بھی بہتر ہے کہ اپنے صَدَقہ کو مَعْمُولی جانے، کیونکہ کسی شے کو بڑا سمجھنا عُجْب و خود پسندی کی عَلامَت ہے جو تمام اَعمال کو برباد کر دیتی ہے۔ جیسا کہ اس فرمانِ عالیشان میں اس بات کی طرف اِشارہ دیا گیا ہے:

وَيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ ترجمۂ کنزالایمان: اور حُنین کے دن جب تم اپنی کثرت پر اترا گئے تھے۔ (پ١٠، التوبة: ٢٥)

مَنْقُول ہے کہ جب بھی نیکی کو چھوٹا سمجھا جائے **اللہ** پاک کے ہاں وہ بڑی شُمار ہوتی ہے اور گناہ کو جب بھی بڑا سمجھا جاتا ہے **اللہ** پاک کے ہاں وہ چھوٹا شُمار ہوتا ہے۔ اسی طرح بعض عُلَمائے کرام رَحِمَہُمُ اللہ فرماتے ہیں کہ نیکی ان تین اُمُور سے مُکَمَّل ہوتی ہے: (١) اس کو چھوٹا سمجھنا (٢) اسے کرنے میں جَلْدی کرنا اور (٣) اسے چھپانا۔

سلف صالحین کا صدقہ

سَلَف صَالِحِین اگر فَرْض زکوۃ کی مد میں سینکڑوں دیتے تو نفلی صدقات کی مد میں ہزاروں دیتے۔ یہی نہیں بلکہ وہ ایک فقیر کو اتنا دے دیتے کہ وہ فقیر نہ رہتا اور وہ مال صِرف اس کی ضروریات کو ہی کافی نہ ہوتا بلکہ وہ غنی بن جاتا اور مال اس کے پاس بچ بھی جاتا۔

اسلاف نے یہ طریقہ اس حدیثِ پاک سے سمجھا تھا: بہترین صَدَقہ وہ ہے جو غنا کو باقی رکھے۔[2]

---

[1] ......مسلم، کتاب الزکاة، باب قبول الصدقة من الکسب الطیب وتربیتها، ص٥٠٦، حدیث: ١٠١٥

[2] ......مسند احمد، حدیث حکیم بن حزام، ٥/٢٠١، حدیث: ١٥٥٧٧

بخاری، کتاب الزکاة، باب لا صدقة الا عن ظهر غنی، ١/٤٨١، حدیث: ١٤٢٦

شرحِ حدیث

(صاحبِ کتاب حضرت سیِّدُنا شیخ ابو طالب مکی رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْه فرماتے ہیں:)اس فرمانِ مصطفےٰ کا ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ فقیر کو اس وَقْت بھی کِفَایَت کرے اور کچھ مال اس کی کَفَالَت کے لیے باقی بھی بچ جائے اور اسے دوسرے وَقْت کے لیے مُسْتَغْنِی (بے نیاز) کر دے کہ اسے پھر مانگنا پڑے نہ کسی کی طرف دیکھنا پڑے۔ گویا کہ اس نے دو کام کیے، ایک تو اسے مال عَطا کیا اور دوسرا یہ کہ اسے مانگنے سے مُسْتَغْنِی کر دیا۔

اَہلِ حاجت کے پانچ اوصاف

اللہ پاک نے اپنی پاک کتاب میں مُتَفَرِّق مَقامات پر اَہلِ حاجَت کے پانچ اَوصاف بیان فرمائے ہیں، چُنانچہ ایک مَقام پر اِرشَاد ہوتا ہے:

وَفِیْۤ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآىٕلِ وَ الْمَحْرُوْمِ ﴿۱۹﴾ ترجمۂ کنزالایمان: اور ان کے مالوں میں حق تھا منگتا اور بے نصیب کا۔ (پ۲۶، الذریت: ۱۹)

دوسرے مقام پر اِرشَاد ہوتا ہے:

فَكُلُوْا مِنْهَا وَ اَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَ الْمُعْتَرَّ ؕ ترجمۂ کنزالایمان: تو اُن میں سے خود کھاؤ اور صَبر سے بیٹھنے والے اور بھیک مانگنے والے کو کھلاؤ۔ (پ۱۷، الحج: ۳۶)

اور تیسرے مقام پر ہے:

فَكُلُوْا مِنْهَا وَ اَطْعِمُوا الْبَآىٕسَ الْفَقِیْرَ ﴿۲۸﴾ ترجمۂ کنزالایمان: تو ان میں سے خود کھاؤ اور مُصِیبَت زدہ مُحتاج کو کھلاؤ۔ (پ۱۷، الحج: ۲۸)

مذکورہ اوصاف کی وضاحت

(صاحِبِ کتاب حضرت سیِّدُنا شیخ ابو طالب مکی رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْه فرماتے ہیں:)ان آیاتِ مُبارَکہ میں اَہلِ حاجَت کے یہ پانچ اَوصاف بیان کئے گئے ہیں: سائل، محروم، قانع، مُعْتَرّ اور بائس۔

﴿1﴾ سائل سے مراد

سائل سے مُراد وہ شخص ہے جو ہاتھ پھیلا کر سوال کرے اور زبان سے بھی اس کا اِظہار کرے۔

﴿2﴾ محروم سے مراد

محروم سے مُراد وہ شخص ہے جس کے پاس رِزْق نہ ہو یعنی اس سے رِزْق روک دیا گیا ہو۔ ایک قول کے مُطابِق اس سے مُراد وہ شخص ہے جس کے پاس مال ہو نہ روزگار۔ گویا اسے خَرْچ کرنے اور اَسبابِ زِنْدَگی حاصِل کرنے سے روک دیا گیا ہو۔

﴿3﴾ قانع سے مراد

قانع سے مُراد وہ شخص ہے جو اپنے گھر بیٹھ جائے اور بن مانگے و کوشش کئے **اللہ** پاک جو کچھ اسے عَطا فرمائے اس پر قَناعَت کر لے۔ ایک قول کے مُطابِق یہ بھی مانگنے کا ہی ایک طریقہ ہے مگر اس میں کسی سے مانگتے ہوئے اس کے پیچھے پڑا جاتا ہے نہ حد سے زیادہ اِصْرار کیا جاتا ہے۔ بلکہ قَناعَت سوال سے بچنے اور رُکے رہنے کا نام ہے جو ان دونوں صِفَات یعنی پیچھے پڑ جانا اور بے جا اِصْرار کر کے مانگنے کے بر عکس ہے۔

﴿4﴾ مُعْتَرّ سے مراد

مُعْتَرّ سے مُراد وہ شخص ہے جو مانگے تو ضَرور مگر صراحتاً سوال نہ کرے۔ بلکہ ضَرورت و حاجَت اسے مانگنے پر مَجْبُور کرے مگر حَیا اسے کھلم کھلا مانگنے سے روکے۔

﴿5﴾ بائس سے مراد

بائس سے مُراد وہ شخص ہے جو بیماری یا سردی یا معذوری یا کسی آفَت کی وجہ سے تنگی و مصیبت میں مبتلا ہو۔

فقیر و مسکین میں فرق

اللہ پاک نے قرآنِ کریم میں صدقات دینے کا تَذْکِرہ کرتے ہوئے فُقَرا و مساکین کو باقی اَفراد پر فضیلت عَطا فرمائی۔ چُنَانْچِہ اِرشاد فرمایا:

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَ الْمَسٰكِيْنِ ترجمۂ کنزالایمان: زکوٰۃ تو انھیں لوگوں کے لئے ہے محتاج اور نرے نادار۔ (پ۱۰، التوبۃ: ۶۰)

عُلَمائے کِرام فرماتے ہیں: فقیر سے مُراد وہ شخص ہوتا ہے جو مانگتا نہیں جبکہ مسکین سے مُراد مانگنے والا ہے۔ جبکہ ایک قول کے مُطابِق فقیر سے مُراد (مذکورہ پانچ اَقسام میں سے) محروم شخص ہے اور مسکین سے مُراد وہ شخص ہے جس پر کوئی آفت آئی ہو۔[1]

اَہْلِ لُغَت کا فقیر و مسکین کے معنٰی میں اِخْتِلاف ہے۔ چُنَانْچِہ ان میں سے بعض فرماتے ہیں کہ مسکین کی حالَت فقیر سے زیادہ بُری ہوتی ہے، اس لیے کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ ﴿۱۶﴾ (پ۳۰، البلد: ۱۶) ترجمۂ کنزالایمان: یا خاک نشین مسکین کو۔

مسکین[2] سے کون شخص مراد ہے؟

(صاحِبِ کتاب حضرت سَیِّدُنا شیخ ابو طالب مکی رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْه فرماتے ہیں کہ اس آیتِ مُبارَکہ میں مسکین سے مُراد کون شخص ہے اس کے مُتَعَلِّق مُخْتَلِف اَقوال مَروِی ہیں۔ چُنَانْچِہ)

پہلا قول

مسکین وہ ہے جس کے پاس کچھ بھی نہ ہو اور وہ مَشَقَّت کے باعث خاک نشین ہو۔ یہ قول حضرت سَیِّدُنا یعقوب بن سکیت رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْه کا ہے اور حضرت سَیِّدُنا یونس بن حبیب رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْه کا رُجحان بھی اسی قول کی طرف ہے۔ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے کسی اَعرابی (عَرَب کے دیہاتی شخص) سے پوچھا: کیا تم فقیر ہو؟ وہ بولا: **اللہ** پاک کی قسم! میں فقیر نہیں بلکہ مسکین ہوں جس کی حالَت فقیر سے بھی بُری ہے۔

دوسرا قول

بعض دیگر عُلَمائے کِرام مذکورہ آیتِ مُبارَکہ کا مَفْہُوم اس بیان کئے گئے مَفْہُوم کے برعکس مُراد لیتے

---

[1] ......یہاں سے کچھ عبارت کا ترجمہ متروک ہے جسے اہل علم احباب کے لئے کتاب کے آخر میں دے دیا گیا ہے۔

[2] ......جو سرے سے مال ہی نہ رکھتا ہو اسے **مسکین** کہتے ہیں اور جس کے پاس مال تو ہو لیکن نصاب سے کم ہو وہ **فقیر** ہے۔ (ماخوذ از فتاوی رضویہ، ۱۰/۲۴۶)

ہیں۔چُنانچِہ وہ فرماتے ہیں کہ **ذَامَتۡرَبَةٍ** یہاں غنا سے ہے۔کیونکہ جب کوئی شخص مال دار ہو جائے تو اسے اَتۡرَبَ الرَّجُلُ بھی کہتے ہیں۔یعنی وہ مال سے لتھڑا ہوا ہے۔اس صُورت میں مسکین سے مُراد وہ شخص ہوگا جس کا شُمار مال داروں میں ہوتا تھا مگر اب وہ فقیر ہو چکا ہے،لہٰذا اسے عطا کرنا زیادہ اَفضَل ہے۔

تیسرا قول

بعض لُغَوِی حضرات کا قول ہے کہ مذکورہ فرمانِ باری تعالیٰ میں **ذَامَتۡرَبَةٍ** اس بات پر دلیل ہے کہ مسکین فقیر سے زیادہ بدحال ہوتا ہے۔کیونکہ جب **اللہ** پاک نے مسکین کا یہ خاص وَصف (یعنی اس کا خاک نشین ہونا) بھی بیان فرمایا تو اس سے مَعلُوم ہوا کہ یہ صِفَت ہر مسکین کی نہیں۔کیا آپ نہیں دیکھتے کہ جب کہتے ہیں کہ میں نے فلاں صِفَت والا کپڑا خریدا تو گویا آپ کا کپڑے کی مَخصُوص صِفَت بیان کرنا اس وجہ سے ہے کہ ہر کپڑا اس صِفَت کا حامل نہیں ہوتا۔اسی طرح ہر مسکین بھی ہے کہ اس کے پاس غالب طور پر کچھ نہ کچھ ہوتا ہے مگر چونکہ یہ مسکین دیگر مساکین کے برعکس تھا اس لیے **اللہ** پاک نے اس کی صِفَت خاک نشین ہونا بیان فرمادی۔[1]

فقیر سے کون شخص مراد ہے؟

(صاحِبِ کتاب حضرت سَیِّدُنا شیخ ابو طالب مکی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں: فقیر سے مُراد کون شخص ہے اس کے مُتَعَلِّق بھی مُختَلِف اَقوال مَروِی ہیں۔چُنانچِہ)

پہلا قول

دیگر عُلَمائے کرام فرماتے ہیں کہ فقیر مسکین سے زیادہ بدحال ہوتا ہے۔کیونکہ مسکین کے پاس تو کچھ نہ کچھ ہوتا ہے مگر فقیر کے پاس تو کچھ بھی نہیں ہوتا۔جیسا کہ **اللہ** پاک نے کشتی والوں کے مُتَعَلِّق اِرشَاد فرمایا کہ وہ مساکین کی تھی۔چُنانچِہ اِرشَاد ہوتا ہے:

فَكَانَتۡ لِمَسٰكِيۡنَ يَعۡمَلُوۡنَ فِى الۡبَحۡرِ ترجمۂ کنزالایمان: وہ کچھ محتاجوں کی تھی کہ دریا میں کام کرتے تھے۔ (پ۱۶،الکھف:۷۹)

[1]......یہاں سے کچھ عبارت کا ترجمہ متروک ہے جسے اہل علم احباب کے لئے کتاب کے آخر میں دے دیا گیا ہے۔

یعنی ان مساکین کے مُتعلِّق یہ بتایا کہ ان کے پاس کشتی ہے جو کچھ مالیت رکھتی ہے۔

دوسرا قول

عُلَمائے کرام فرماتے ہیں کہ فقیر کو فقیر اس لیے کہتے ہیں کہ یہ حالَت اس کی کمر سے ایک مہرہ نِکال دیتی ہے، گویا شِدَّتِ فَقْر کے سَبَب اس کی کمر ٹوٹ جاتی ہے۔ اس قول کو حضرت سَیِّدُنا امام اَصْمَعی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ نے اِخْتِیار فرمایا ہے اور میرے نزدیک بھی یہی قول زیادہ پسندیدہ ہے۔ کیونکہ **اللہ** پاک نے جن آٹھ ۸ طرح کے لوگوں کے لیے صَدَقَہ کو جائز قرار دیا ہے ان میں سب سے پہلے فُقَرا کا ذِکْر ہے۔ جو اس بات کی دلیل ہے کہ یہاں سب سے پہلے ان لوگوں کا ذِکْر کیا گیا ہے جو زیادہ مُحتاج ہیں اور پھر ان سے کم محتاجوں کا، یا یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ سب سے پہلے ان لوگوں کا تَذْکِرہ ہے جنہیں صَدَقَہ دینا زیادہ اَفْضَل ہے اور پھر ان لوگوں کا تَذْکِرہ ہے جنہیں ان کے بعد صَدَقَہ دینا زیادہ اَفْضَل ہے۔

تیسرا قول

کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ فقیر سے مُراد وہ شخص ہوتا ہے جس کی حالَت اس قَدْر واضح ہو کہ وہ اپنے فَقْر کے باعث فوراً پہچانا جائے، جبکہ مسکین وہ ہوتا ہے جس کی ظاہِری حالَت سے اس کی بدحالی مَعْلُوم ہوتی ہے نہ اس کی حالَت کے مَخْفِی ہونے کی وجہ سے لوگ اس کی پروا کرتے ہیں۔

ظاہر نہ دیکھو

ایک حدیثِ پاک میں بھی مسکین کی تعریف کچھ یونہی بیان کی گئی ہے کہ مسکین وہ نہیں جو ایک دو ۲ روٹی کے ٹکڑے یا ایک دو کھجوریں لے کر واپس چلا جاتا ہے بلکہ مسکین تو وہ ہے جو سوال سے بچتا ہے اور اس کی ظاہِری حالَت سے بھی اس کا فَقْر مَعْلُوم نہیں ہوتا کہ اس پر صَدَقَہ کیا جائے۔[1]

کسی دانا و حکیم سے بھی اسی طرح کا ایک قول مَنْقُول ہے، جب اس سے پوچھا گیا کہ کس چیز کو پہچاننا سب سے زیادہ مُشکِل ہے؟ تو اس نے جواب دیا: ایسا فقیر جو ظاہِری صُورَت و حالَت میں مال دار دکھائی دے۔

---

[1]......مسلم، کتاب الزکاۃ، باب المسکین الذي لا یجد غنی... الخ، ص ۵۱۷، حدیث: ۱۰۳۹

یہی سوال جب ایک اور حکیم سے پوچھا گیا کہ کس چیز کو پہچاننا سب سے زیادہ مُشکِل ہے؟ تو اس نے بھی جواب دیا: وہ شخص جس کا مال تو خَتْم ہو جائے مگر اس کی عادتیں باقی رہیں۔

فقہائے کرام کی رائے

فقہائے کرام فرماتے ہیں: مسکین وہ ہوتا ہے جس کے پاس کوئی سَبَب تو ہو مگر وہ آمدنی کے کم ہونے یا بال بچوں کے زیادہ ہونے کی وجہ سے زیادہ کا مُحتاج ہو۔ یہی وہ شخص ہے جس کے فَقْر کو حدیث پاک میں بھی بیان کیا گیا اور اسے کچھ دینے کو اَفْضَل قرار دیا گیا۔ چُنانچہ،

اللہ پاک کے پیارے حبیب صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا فرمانِ عالیشان ہے: **اللہ** پاک سوال سے بچنے والے عیال دار فقیر کو پسند فرماتا ہے اور پیچھے پڑ کر مانگنے والے کو ناپسند فرماتا ہے۔[1] ایک روایت میں آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اِرشَاد فرمایا: **اللہ** پاک پیشہ ور مومن بندے کو پسند فرماتا ہے۔[2]

صاحبِ قوت کی رائے

(صاحِبِ کتاب حضرت سَیِّدُنا شیخ اَبُو طالِب مَکّی رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں: مسکین و فقیر کے مُتَعَلِّق بیان کردہ) مذکورہ بالا تمام اَقْوال دُرُست ہیں۔ بہر حال اَفْضَل یہی ہے کہ زکوۃ اسی شخص کو دی جائے جو سب سے زیادہ مُحتاج و اَفْضَل ہو، پھر اس کو جو اس کے بعد زیادہ مُحتاج و اَفْضَل ہو۔ یعنی عُلَمائے رَبّانِیِّیْن، عابدین و دین دار لوگوں، دنیا داروں سے الگ رہنے والے اور دُنیاوِی تِجارَت کو چھوڑ کر اُخْروِی تِجارَت میں مصروف ہو جانے والے زیادہ اَفْضَل ہیں۔ پھر وہ شخص جو بال بچوں والا ہو اپنی حاجَت اور عَیال کے بقدر زیادہ مُستَحِق ہے، کہ کسی ایک فرد کے مُقابلے میں کسی عَیال دار شخص کو کچھ دینا اس کے کنبے کے ہر ہر فرد کے برابر اَجْر و ثواب کا باعِث ہوتا ہے کیونکہ وہ پوری ایک جماعت ہے۔ چُنانچہ،

اَمیرُ الْمُؤمِنِین حضرت سَیِّدُنا عُمَر فَارُوقِ اَعْظَم رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہ بال بچوں والے لوگوں کو بکریوں کا ایک ریوڑ

---

[1] ......ابن ماجه، كتاب الزهد، باب فضل الفقراء، ۴/۴۳۲، حديث: ۴۱۲۱
الزهد لوكيع، باب ذكر الفقر، الجزء الاول، ص ۳۶۲، حديث: ۱۳۵

[2] ......موسوعة ابن ابى الدنيا، كتاب اصلاح المال، باب الاحتراف، ۷/۴۴۹، حديث: ۲۰۴ ـ معجم كبير، ۱۲/۲۳۸، حديث: ۱۳۲۰۰

دیتے تھے جس میں دس یا اس سے زائد بکریاں ہوتی تھیں۔ اسی طرح حدیثِ پاک میں بھی ہے کہ رسولِ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم ہر شخص کو اس کے خاندان کے حساب سے مال عَطا فرماتے تھے۔ یہی نہیں بلکہ تنہا شخص کے مُقابَلے میں عَیال دار کو دُگنا عَطا فرماتے[1] اور ہر شخص کو اس کے بال بچوں کے مُطابِق عطا فرماتے تھے۔

دینے والے ہی نہیں رہے

(صاحِبِ کتاب فرماتے ہیں:) فُقَرا میں سے کسی نے ہم سے بیان کیا کہ ہم ایسے لوگوں کے ساتھ بھی رہے جو ہم پر ہزاروں دِرْہَم کا اِحْسان فرمایا کرتے تھے، وہ گزر گئے تو ایسے لوگ آئے جو ہم پر سینکڑوں کے حساب سے اِحْسان فرمایا کرتے اور اب ہمارا واسطہ ایسی قوم سے پڑا ہے جو ہم پر دہائیوں (یعنی 10 سے زائد اور 100 سے کم) کے حِساب سے صَدَقہ واِحْسان کرتے ہیں اور ہم اس بات سے ڈر رہے ہیں کہیں ان سے بدتر لوگ نہ آجائیں۔

کسی بزرگ کا قول ہے کہ ہم نے ایسے لوگ دیکھے جو عَمَل کرتے تھے، باتیں نہ کرتے تھے، وہ لوگ گزر گئے تو ایسے لوگ آگئے جو عَمَل کے ساتھ ساتھ باتیں بھی کرتے، اب ہم ڈرتے ہیں کہیں ایسے لوگ نہ آجائیں جو صِرف باتیں کریں اور عَمَل نہ کریں۔

سب سے زیادہ مستحق

اگر مساکین میں سے کوئی شخص عیال دار بھی ہو اور **صاحِبِ دین**[2] بھی، تو ایسا شخص مُتَّقِین کے لیے باعِثِ غنیمت اور راہِ خُدا میں خَرچ کرنے والوں کے لیے بارگاہِ خُداوندی میں اَجْر وثواب کا ذخیرہ کرنے والا ہے۔ ایسے شخص پر صَدَقہ کرنا حقیقی صَدَقہ ہے۔ ایک مرتبہ حضرت سَیِّدُنا **عبداللہ** بن عمر رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا سے جُہْدُ الْبَلا (غُربَت) کے مُتَعَلِّق پوچھا گیا (کہ اس سے کیا مُراد ہے؟) تو آپ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہ نے اِرشَاد فرمایا: اس سے مُراد عَیال کی کَثْرَت اور مال کی قِلَّت ہے۔[3]

---

[1] ......ابوداود، کتاب الخراج والفیء والامارۃ، باب فی قسم الفیء، ۳/ ۱۹۰، حدیث: ۲۹۵۳

[2] ......یہاں **صَاحِبِ دَین** کو دو۲ طرح پڑھا جا سکتا ہے اور دونوں طرح مفہوم درست ہے۔ چُنانچہ اگر اسے **صَاحِبِ دَین** یعنی دال کے زبر کے ساتھ پڑھیں تو معنیٰ ہو گا کہ وہ مسکین شخص مقروض بھی ہو جبکہ **صَاحِبِ دِین** یعنی دال کے زیر کے ساتھ پڑھنے سے مَطْلَب یہ ہو گا کہ وہ شخص دین دار ہو۔

[3] ......موسوعۃ ابن ابی الدنیا، کتاب اصلاح المال، باب الفقر، ۷/ ۵۰۳، حدیث: ۴۲۶

ایک رِوایت میں ہے کہ اللہ پاک کے محبوب صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اِرشاد فرمایا: صِرف پرہیز گار کا کھانا کھاؤ اور تمہارا کھانا بھی صِرف پرہیز گار ہی کھائے۔[1] اس لیے کہ پرہیز گار شخص کھانا کھا کر نیکی و تقویٰ پر قوّت حاصِل کرتا ہے اور یوں آپ بھی اس کی نِیَّت میں شریک ہو جائیں گے اور ایک رِوایت میں ہے کہ اپنا کھانا پرہیز گاروں اور نیکوکار مومنین کو کھلایا کرو۔[2] جبکہ ایک رِوایت کے اَلفاظ یہ ہیں: اپنے کھانے پر اسی شخص کو مہمان بناؤ جس سے تم اللہ پاک کی رضا کے لیے مَحبَّت کرتے ہو۔[3]

صدقہ قبول ہونے یا نہ ہونے پر کیا کرے؟

(صاحِبِ کتاب حضرت سَیِّدُنا شیخ ابو طالب مکّی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں:) ایک صاحِبِ یقین شخص کو چاہئے کہ اگر کوئی متقی شخص اس کا صَدَقہ قبول کرلے تو خوشی و مَسَرَّت کا اِظْہار کرے کہ یہی اس کا کام ہے۔ لیکن اگر کوئی عِلْم و عرفان کی پیکر ہستی اس کا مال قبول نہ کرے کہ اسے اس کے اَعمال سے آگاہ کر دیا گیا ہو تو اسے صَدَقہ کی واپسی کا دُکھ ہونا چاہیے کہ حقیقت میں یہ واپسی اللہ پاک کی طرف سے ہوئی ہے۔

اگر اس نے کسی فقیر کو کچھ دیا اور اس نے اسے واپس کر دیا، جس کی وجہ سے وہ فقیر اس کی نِگاہوں میں عظیم ہو جائے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ فقیر اللہ پاک کی مَعْرِفَت نہیں رکھتا۔ کیونکہ اگر وہ اس کا مال قبول کرلیتا اور اس کی وجہ سے اس کا مرتبہ دینے والی کی نَظَر میں بھلے گر جاتا، مگر وہ یہ مال بعد میں خاموشی سے کسی ایسے شخص کو دیدیتا جو اس سے زیادہ مُحتَاج ہوتا تو یہ اس کے لیے زیادہ اَفْضَل تھا۔

جس شخص کو کوئی فقیر اس کا مال واپس کر دے مگر اسے دکھ نہ ہو یا اس پر خوش ہو تو یہ صَدَقہ دینے میں اس کی نِیَّت کے کمزور ہونے اور نیکی کرنے میں خُلُوص کے کم ہونے کی دلیل ہے۔ اس لیے کہ جو دینے میں سچا ہو اسے صَدَقہ کی واپسی بُری لگتی ہے اور وہ اس پر غم زدہ ہو جاتا ہے۔ لہٰذا بہتر یہ ہے کہ اگر کوئی فقیر اس کا مال قبول نہ کرے تو یہ اسے اپنے پاس نہ رکھے بلکہ کسی اور فقیر کو دیدے۔ اس لیے کہ وہ اس مال کو راہِ خدا

---

[1] ......ترمذی، کتاب الزھد، باب ماجاء فی صحبة المؤمن، ۴/۱۷۷، حدیث: ۲۴۰۳ مختصر

[2] ......الزھد لابن المبارک، باب ماجاء فی تخویف عواقب الذنوب، ص ۲۴، حدیث: ۷۳

[3] ......الزھد لابن المبارک، باب جلیس الصدق وغیر ذلک، ص ۱۲۴، حدیث: ۳۶۶

میں دے چکا ہے اب اسے واپس نہ لے۔

تمام فُقَرا صَدَقہ لینے میں باہم ایک دوسرے کے شریک ہیں، ان میں سے کسی ایک کا صَدَقہ دوسرے کو بھی دیا جاسکتا ہے، اسی طرح اگر کسی خاص فقیر کا نام لے کر صَدَقہ الگ کر لیا کہ اسے ہی دے گا، مگر اچانک کسی اور فقیر سے مُلاقات ہو گئی یا اس کے سامنے کسی ایسے شخص کا ذِکر کیا گیا جو اس مُعَیَّن فقیر سے زیادہ مُحتاج واَفضَل ہو اور اس کا طالِب بھی دوسرے کے مُستَحِق ہونے کی مُوافَقَت کر رہا ہو تو اگر مال ابھی تک اس کے پاس ہی ہو اس خاص فقیر کو دیا نہ ہو یا ابھی مَحض دینے کا وعدہ کیا ہو مگر دیا نہ ہو تو اس دوسرے شخص کو دینے میں کوئی حَرَج نہیں، اسی طرح اگر اس نے کسی شخص کو وہ مال دیا کہ وہ اس خاص فقیر تک پہنچا دے، پھر اس کے دل میں کسی اور زیادہ مُستَحِق فقیر کا خَیال آئے تو اب بھی اس کے لیے جائز ہے کہ جس شخص کو اس نے وہ مال اس مُعَیَّن فقیر تک پہنچانے کا کہا تھا اس سے واپس لے کر دوسرے فقیر کو دے دے، بشرطیکہ وہ اس مال کو اس مُعَیَّن فقیر کو پہنچا نہ چکا ہو یا اسے باقاعدہ اِطِّلاع نہ کر چکا ہو (کہ فلاں شخص نے اسے دینے کے لیے کچھ مال اسے دیا ہے)۔

کسی عارف کا صدقہ قبول کرنا یا نہ کرنا کیسا؟

اگر کوئی عارِفِ ربّانی اس کا مال قبول کر لے تو بہتر یہ ہے کہ اسے اپنے لیے بشارت سمجھے، اس لیے کہ یہ ایسے ہی ہے گویا **اللہ** پاک نے اس کے اَعمال کو شَرَفِ قبولیّت عطا فرمایا ہے۔ کیونکہ ایک عارِفِ ربّانی تمام اَفعال میں اپنے رب کی اِجازَت سے تصرُّف کرتا ہے جیسا کہ وہ کچھ کہتا ہے تو بھی اپنے پروردگار کی اِجازَت سے ہی کہتا ہے۔ ایسے کسی شخص کا کچھ قبول کرنا دیگر فُقَرا کے قبول کرنے کی طرح ہے نہ اس کا قبول نہ کرنا دوسروں کے قبول نہ کرنے کی طرح ہے۔ کیونکہ دوسروں کی بَنِسبَت اسے اپنے رب کی بارگاہ میں قوی واعلیٰ مُشاہَدے کی دولت ہی نصیب نہیں ہوتی، بلکہ یہ دیگر فُقَرا سے زیادہ توفیق وعِصمَت کے قریب ہوتا ہے۔

(صاحِبِ کتاب فرماتے ہیں:) مجھے اپنے کسی دینی بھائی نے بتایا کہ ایک فقیر نے کسی مال دار شخص کا صَدَقہ واپس کر دیا تو وہ رونے لگا، جب اس سے رونے کی وجہ پوچھی گئی تو وہ بولا: (میں کیوں نہ آنسو بہاؤں) کیا میرے اعمال مجھے واپس نہیں کر دیئے گئے؟ تو اسے کہا گیا: (اگر اس فقیر نے یہ صَدَقہ قبول نہیں کیا تو پھر کیا ہوا) اسے کوئی دوسرا قبول کر لے گا۔ تو اس نے (کیا ہی خوب) جواب دیا: مجھے اس جیسا (**اللہ** والا اب) کہاں ملے گا؟

حقیقت بھی یہی ہے جو اس شخص نے بیان کی، کیونکہ مومن یقین کی نگاہ اور نُورِ الٰہی سے دیکھتا ہے۔ چُنانچہ اس کا صَدَقَہ قبول نہ کرنا گویا ایسے ہے کہ **اللہ** پاک نے قبول نہ کیا ہو۔ جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

وَیَتۡلُوۡهُ شَاهِدٌ مِّنۡهُ (پ ۱۲، ھود: ۱۷) ترجمۂ کنزالایمان: اور اس پر **اللہ** کی طرف سے گواہ آئے۔

جاہل شخص نفسانی خواہش کے مُطابِق تصرُّف کرتا ہے، اس لیے اس کا قبول کرنا اور نہ کرنا ایک ہی بات ہے۔ کیونکہ وہ لے لے تو بھی اس کے پیشِ نظر اپنا نَفْس ہوتا ہے اور نہ لے تب بھی وہ اپنے نَفْس کی وجہ سے ہی نہیں لیتا۔ جبکہ ایک عارِف اگر قبول کرلے تو ایسا وہ اپنے رب کی رضا و حُکْم سے کرتا ہے اور اگر قبول نہ کرے تو ایسا بھی وہ اپنے رب کی مرضی سے ہی کرتا ہے۔

صَدَقَہ دینے والے پر لازم ہے

صَدَقَہ دینے والے پر لازِم ہے کہ جو شخص اس کا صَدَقَہ قبول کرلے اس کی عَظْمت و ھَیْبَت اور مَحبَّت اس کی نظروں میں بڑھ جائے۔ اس لیے کہ اس نے نیکی و تقویٰ کے کاموں پر نہ صِرف اس کی مَدَد کی ہے، بلکہ صَدَقَہ قبول کرکے اسے عِزّت بخشی ہے۔ لہٰذا اسے چاہیے کہ اس بات کو **اللہ** پاک کا اِحسان اور نِعْمت جانے۔ نیز اسے چاہئے کہ مُحتاج فُقَرا و اَتْقِیا کو تلاش کرے اور اس مُعامَلے میں اپنے عِلْم کی آخری حد تک جانے کی کوشش کرے، اگر اس کا عِلْم محدود و کم ہو اور ایسے پاک باز لوگوں کے مُتَعَلِّق اس کی فراست و مَعْرِفَت نہ ہو تو کسی ایسے شخص کی مَدَد طَلَب کرے جو اس سے زیادہ جاننے والا اور صاحِبِ نَظَر ہو یا اسے اس سے زیادہ صَالِحِین اور نیک لوگوں کی مَعْرِفَت ہو۔ اور یہ بھی اس کی کوشش ہونی چاہئے کہ وہ اَفراد پختہ اِیمان و دین والے عُلَمائے آخِرَت ہوں نہ کہ عُلَمائے دنیا۔

علمائے آخرت کون ہیں؟

عُلَمائے آخِرَت ہی دنیا میں حقیقی زاہد ہیں کہ جو دنیا کی زِیادَتی سے بچتے ہیں، کیونکہ دنیا کی مَحبَّت اتنی ناقابلِ فہم ہے کہ اس میں مُبْتَلا ہو کر بے شُمار لوگ ہلاک ہو چکے ہیں، بہُت سے عُلَما بھی اس سے نجات نہ پاسکے، اگر کچھ علما دنیا سے مَحْفُوظ رہے تو وہ بھی صِرف وُہی لوگ بچ سکے جن کا عِلْم اور یقین پختہ تھا اور دنیا سے بہُت کم لینے والے تھے۔ جیسا کہ ان کے مُتَعَلِّق فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

وَ تَثْبِیْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ (پ ۳، البقرۃ: ۲۶۵) ترجمۂ کنز الایمان: اور اپنے دل جمانے کو۔

یہاں تَثْبِیْتًا یقینًا کے معنیٰ میں ہے۔ مُراد یہ ہے کہ وہ اپنے صدقات میں اس قدر پختہ ہوتے ہیں کہ اپنے صدقات صِرف یقین کی جگہوں پر ہی خَرچ کرتے ہیں تاکہ انہیں قلبی اطمینان و سُکون رہے۔

صوفی فقرا کو صدقہ دینا کیسا؟

عُلَمائے کرام میں سے کسی کے مُتَعَلِّق مَنْقُول ہے کہ وہ صَدَقَہ دینے میں صوفی فُقَرا کو دیگر لوگوں پر ترجیح دیتے، جب ان سے اس حوالے سے عَرْض کی گئی کہ اگر وہ اپنے صدقات و خیرات تمام فُقَرا کو عطا فرمایا کریں تو کیا یہ بہتر نہیں ہے؟ تو انہوں نے فرمایا: میں ہرگز ایسا نہ کروں گا، بلکہ انہی صوفی فُقَرا کو دوسروں پر ترجیح دوں گا۔ عَرْض کی گئی: وہ کیوں؟ فرمانے لگے: اس لیے کہ ان لوگوں کو صِرف اپنے پروردگار کی فِکْر ہوتی ہے، مگر جب ان پر فاقہ آتا ہے تو ان کی فِکْر مُنْتَشِر ہو سکتی ہے، چُنَانچِہ دنیا کی فِکْر میں مُبْتَلا ہزار لوگوں کو کچھ دینے سے زیادہ بہتر ہے کہ میں کسی ایک ہی ایسے شخص کو کچھ دیدوں تاکہ اس کی فِکْر اپنے رب کی طرف لگی رہے۔ جب اس بات کا تَذْکِرہ حضرت سَیِّدُنا ابو القاسم جنید بغدادی رَحْمَةُ اللهِ عَلَیْه کے سامنے کیا گیا تو آپ نے اس کی تعریف فرمائی اور اِرشاد فرمایا: یہ قول اللہ پاک کے کسی ولی کا ہے۔ پھر فرمانے لگے کہ میں نے ایک طویل مُدَّت سے ایسا خوبصورت کلام نہیں سنا۔

(صاحِبِ کتاب فرماتے ہیں:) مجھے کسی نے یہ بات بتائی کہ کچھ عرصے بعد مذکورہ بات کرنے والے شخص کے حالات خراب ہو گئے اور اس نے دکان چھوڑنے کا اِرادہ کر لیا تو حضرت سَیِّدُنا جنید بغدادی رَحْمَةُ اللهِ عَلَیْه نے اسے کچھ مال بھیجا اور فرمایا: اسے اپنے مال میں شامل کر لو اور دکان نہ چھوڑو، کیونکہ تم جیسے لوگوں کو تِجارت نُقصان نہیں پہنچاتی۔ یہ شخص سبزی فروش تھا اور فُقَرا کو جو کچھ دیتا اس کی قیمت نہیں لیتا تھا۔

حضرت سَیِّدُنا عبد اللہ بن مبارک رَحْمَةُ اللهِ عَلَیْه بھی صَدَقَہ و خیرات وغیرہ بِالْخُصُوص اَہلِ عِلْم میں تقسیم فرماتے تھے۔ جب ان سے بھی عَرْض کی گئی کہ اگر آپ تمام لوگوں میں تقسیم کیا کریں تو کیا یہ زیادہ بہتر نہیں؟ تو آپ رَحْمَةُ اللهِ عَلَیْه نے اِرشاد فرمایا: میرے نزدیک نبوّت کے بعد عُلَما کے مقام سے بڑھ کر کسی کا مقام اَفْضَل نہیں، چُنَانچِہ جب ان میں سے کسی کا دِل اپنی یا اپنے بال بچوں کی حاجت میں مَشْغُول ہوتا ہے تو وہ عِلْم

کے لئے فراغت نہیں پاتا اور لوگوں کو عِلْم سکھانے کی طرف مُتوجِّہ نہیں ہوتا، لہٰذا ان کی مَدَد کرتا ہوں اور ان کی حاجات پوری کرنے کی کوشِش کرتا ہوں تاکہ ان کے دل عِلْم کی اِشاعت کے لیے فارغ رہیں اور لوگوں کو عِلْم سکھانے کے لیے ہشاش بشاش رہیں۔

الحاصل

(صاحِبِ کتاب فرماتے ہیں:) صَدَقَہ دینے میں سَلَف صالِحِین کے طریقے یہی تھے۔ البتہ! یاد رکھئے! کسی بندے کو یہ سَعادَت ملنا کہ وہ صَدَقے کو اس کی اَفْضَل جگہ پر دے تو یہ اس کے ربِّ کریم کی دی ہوئی توفیق ہے اور یہ ایسے ہی ہے کہ کوئی شخص اللہ پاک کے کسی ولی کو اپنے اس مالِ حلال سے کچھ کھلائے کہ جسے اللہ پاک نے اپنے اولیائے کرام کے لیے خزانۂ غیب سے نہ صِرف اُسے عَطا فرمایا ہے، بلکہ (یہ یقین بھی رکھے کہ) اللہ پاک نے اپنے عِلْم کے مُطابِق جیسے چاہا اپنی قُدْرَت سے ان اولیائے کرام کے لیے (ان کا رِزْق) ظاہِر فرمایا ہے۔

کِتَابُ الصِّیَام

(اسلام کے چوتھے بُنیادِی رکن یعنی روزے کی شرح)

روزے کے فرائض

روزہ رکھتے ہوئے یہ عقیدہ ہونا چاہئے:

- روزہ رکھنا اللہ پاک کی رضا کے لیے اس پر فَرْض ہے۔
- روزہ رکھنے سے اللہ پاک کا قُرْب حاصِل ہوتا ہے۔
- روزہ رکھنے سے بندے کا اپنے پروردگار کے لیے خُلُوص ظاہِر ہوتا ہے۔
- روزہ رکھنے سے ایک فَرْض کی ادائیگی ہوتی ہے۔

روزہ کیا ہے؟

روزہ یہ ہے کہ بندہ طُلُوعِ صُبْحِ صادِق سے لے کر غُرُوبِ آفتاب تک جِماع اور کھانے پینے سے بچے اور

اس کی نیّت یہ نہ ہو کہ دن چڑھے روزہ توڑ دے گا۔

روزہ اور روزہ داروں کے حوالے سے اہم امور

خواص کا روزہ چھ اَعْضَا کی حِفَاظَت کا نام ہے:

- نِگاہیں نیچی رکھنا اور انہیں دُور تک دیکھنے سے روکنا۔
- کانوں کو حَرام یا گناہ کی آواز سننے سے یا اَہْلِ بَاطِل کے پاس بیٹھ کر ان کی باتیں سننے سے بچانا۔
- زبان کو لایعنی باتوں سے مَحْفُوظ رکھنا۔ یعنی اگر اس کی ان باتوں کو لکھ لیا جائے تو وہ اس کے خِلاف بوجھ محسوس ہوں اور اگر انہیں یاد کر لیا جائے تو بھی کچھ فائدہ نہ دیں۔
- دل کا خَیال رکھے کہ کہیں یہ لایعنی اُمُور کی طرف مُتَوجِّہ نہ ہو جائے، بلکہ نامُناسِب کاموں کے مُتَعَلِّق سوچ ہی پیدا نہ ہونے دے اور بے فائدہ چیزوں کی تمنّا و آرزو نہ کرے۔
- ہاتھ کو کسی حَرام کمائی یا فحاشی کی طرف بڑھانے سے بھی روکے۔
- پاؤں کو غیر مامور (یعنی جن کاموں کا حُکْم نہیں دیا گیا) اور غیر مَنْدُوب (یعنی جو اَچّھے و مُسْتَحَب نہیں ان) کاموں کی جانب نہ بڑھائے۔

حقیقی روزہ دار کون؟

(صَاحِبِ کتاب حضرت سَیِّدُنا شیخ ابُو طالب مکّی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں:) جس نے مَذْکُورہ چھ اَعْضَا کا تو روزہ رکھا مگر کھانے پینے اور جِماع سے پرہیز نہ کیا تو وہ فضیلت میں **اللہ** پاک کے ہاں روزہ داروں جیسا ہی ہے، اس لیے کہ ایسا شخص صاحِبِ یقین اور حُدُودُ اللہ کی حِفَاظَت کرنے والا ہے۔ مگر جو شخص صِرف پیٹ اور شرمگاہ کا تو روزہ رکھے مگر ان چھ اَعْضَا کا روزہ نہ رکھے تو گویا اس نے جس شے کی حِفَاظَت کی اس سے زائد کو ضائع کر دیا۔ یہ شخص اپنے خَیال میں بھلے روزہ دار ہے مگر عُلَمَائے رَبَّانِیِّین کے نزدیک اس کا کوئی روزہ نہیں۔

عقل مند و بے وقوف کے روزے میں فرق

حضرت سَیِّدُنا ابو درداء رَضِیَ اللہُ عَنْہ فرماتے ہیں: عَقْل مند لوگوں کی نیند بھی کیا خوب ہے! وہ بے وقوف

لوگوں کے (دن کے وقت) روزہ رکھنے اور (رات بھر) نمازیں پڑھنے کو کیونکر بُرا نہ جانیں؟ جبکہ تقویٰ کا ایک ذرّہ دھوکے میں مُبْتَلا لوگوں کی پہاڑوں کی مثل عِبَادت سے اَفْضَل ہے۔

روزہ داروں کی تین اقسام

☜ جو روزہ دار کھانے پینے سے تو پرہیز کرے مگر (مذکورہ چھ ۶ اَعْضَا کے ذریعے) گناہوں میں مُلَوَّث ہونے سے نہ بچے وہ اس شخص کی طرح ہے جو وُضُو میں ہر ہر عُضْو (کو دھونے کے بجائے اس) پر مسح کرلے، لہٰذا جہَالت کی بنا پر (ایسے وُضُو کے ساتھ) اس کی نماز واپس لوٹا دی جائے گی۔

☜ جو روزہ دار کھانے پینے اور جماع سے پرہیز نہ کرے مگر اپنے اَعْضَا کو مَمْنُوع باتوں اور کاموں سے بچاتا رہے تو وہ اس شخص کی طرح ہے جو ایک ایک بار ہر ہر عُضْو کو دھو کر نماز پڑھ لے، ایسا شخص اگرچہ تین ۳ بار دھونے کی تعداد کو پورا کرنے کی فضیلت کو چھوڑنے والا ہے مگر حُسْنِ عَمَل کی وجہ سے اس کا فَرْض ادا ہو جائے گا اور اصل کو پختہ کرنے کی وجہ سے اس کی نماز بھی قبول ہو جائے گی۔ البتہ! ایسا شخص فضیلت میں تو روزہ دار شُمار ہو گا مگر حقیقت میں روزہ دار نہ ہو گا۔

☜ جو روزہ دار کھانے پینے سے بھی پرہیز کرے اور مذکورہ چھ ۶ اَعْضَا کے ذریعے (گناہوں سے) بھی بچے وہ اس شخص کی طرح ہے جو وُضُو میں ہر ہر عُضْو کو تین تین مرتبہ دھوئے گویا اس نے فَرْض اور فضیلت دونوں باتوں کو روزے میں جَمْع کر دیا اور فَرْض ومُسْتَحَب دونوں باتوں پر عَمَل کیا تو اس کا شُمار اَہْلِ اِحْسَان میں سے ہے اور عُلَمَائے رَبَّانِیِّین کے نزدیک یہی شخص روزہ دار ہے۔

(صَاحِبِ کتاب فرماتے ہیں:) **کِتَابُ اللہ** میں جن روزہ داروں کی تعریف بیان کی گئی ہے اور جنہیں اولو الالباب کے نام سے یاد فرمایا گیا ہے، یہ آخری قسم کا روزہ دار انہی لوگوں میں سے ہے۔

روزہ کے تقاضے

روزہ کے تقاضے یہ ہیں:

☜ مشتبہ اور فضول حلال اَشیا اور باتوں سے بھی مَذْکُورہ چھ اَعْضَا کو لُطف اندوز ہونے سے بچائے۔

☜ ایسی نفسانی خواہشات جو پختہ عادات بن چکی ہوں، ان سے بھی دُور رہے۔

☜ صِرف تھوڑی سی مِقْدار میں حلال شے سے ہی روزہ اِفْطار کرے کہ اس سے روزے کی حُرمَت میں اِضافہ ہو گا۔

☜ حالَتِ روزہ میں اپنی بیوی کا بوسہ لے نہ اس کے ظاہری جسم سے اپنا جِسْم ملائے، کیونکہ اس سے اگرچہ روزہ تو نہیں ٹوٹتا مگر فضیلت میں کمی ہو جاتی ہے اور ایسے کاموں سے بچنا ہی اَفْضَل ہے، البتہ! جسے اپنے جذبات پر قابو ہو تو اس کی بات الگ ہے۔

☜ دن کے وَقْت کم سوئے، تاکہ حالَتِ روزہ میں کثْرَت سے ذِکْر اذکار کر سکے۔

☜ (پیٹ بھر کر سَحَری و افطاری نہ کرے بلکہ) بھوک پیاس کی لذّت بھی محْسُوس کرے کہ سَلَف صَالِحِین دو تین کھجوروں، کشمش کے چند دانوں اور پانی کے ایک گھونٹ سے سَحَری فرمایا کرتے تھے اور بعض تو ایسے بھی تھے جو صِرف سَحَری کی برکات حاصل کرنے کے لیے سواری کے جانور کے چارے میں سے جَو کا ایک دانہ چبالیتے۔

☜ زبان سے ذِکْرِ خُداوندی میں کثْرَت کرے اور ذِکْرِ مَخْلُوق میں کمی کر دے، بلکہ دل میں مَخْلُوق کا خَیال ہی نہ آنے دے، کہ ایسا کرنا اس کے روزے کے لیے زیادہ پاکیزگی کا باعث ہے۔

☜ کسی سے جھگڑے نہ کسی کو بُرا بھلا کہے، اگر کوئی اسے گالی بھی دے یا مارے تو روزے کی حُرمَت کا خَیال کرتے ہوئے اِنْتِقَام بھی نہ لے۔

☜ وَقْت سے پہلے ہی روزہ اِفْطار کرنے کا اِہتِمام نہ کرنے لگے، کہ ایک قول کے مُطابِق روزہ دار جب وَقْت سے پہلے یا دن کے شروع میں ہی شام کے کھانے کا اِہتِمام کرنے لگے تو اس کے نامۂ اَعمال میں ایک گناہ لکھ دیا جاتا ہے۔ چُنانچہ اسے چاہیے کہ **اللہ** پاک نے جو کچھ اس کی قِسْمَت میں لکھ دیا ہے اسی سے اِفْطار کرے اور اس پر **اللہ** پاک کا خوب کثْرَت سے شُکْر ادا کرے۔

(صَاحِبِ کِتاب حضرت سَیِّدُنا شیخ ابُو طالب مکّی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں:) کھانے پینے میں کمی کرنا، اِفْطاری میں جلدی اور سَحَری میں تاخیر کرنا بھی روزے کے فضائل میں سے ہے۔

اِفطاری میں سنت طریقہ

اگر مُمکِن ہو تو تازہ ورنہ خُشک کھجور سے روزہ اِفطار کرے کہ باعثِ بَرَکت ہے۔ یا پھر پانی کا ایک گھونٹ پی کر اِفطار کرے کہ یہ پاکی کا باعث ہے۔[1] رسولِ پاک صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے اسی طرح مَرْوِی ہے کہ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نماز سے پہلے پانی یا دودھ کے ایک گھونٹ یا چند کھجوروں سے اِفْطار فرماتے۔[2]

بھوک پیاس کے سوا کچھ فائدہ نہیں

ایک رِوایَت میں ہے کہ رسولِ پاک صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: کتنے ہی روزے دار ایسے ہیں جنہیں ان کے روزے سے بھوک پیاس کے سوا کچھ حاصِل نہیں ہوتا۔[3]

شرحِ حدیث

(صاحِبِ کتاب حضرت سیِّدُنا شیخ ابُو طالب مکّی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں:) مذکورہ حَدیثِ پاک میں کون لوگ مُراد ہیں؟ ان کی تَعْیِین میں مَرْوِی مُتَفَرِّق اَقْوال میں سے تین یہ ہیں:

پہلا قول: یہاں مُراد وہ روزہ دار ہے جو دن بھر بھوکا پیاسا رہتا ہے اور حَرام رِزْق سے روزہ اِفْطار کرتا ہے۔

دوسرا قول: مُراد وہ شخص ہے جو روزے میں حَلال رِزْق سے تو پرہیز کرتا ہے مگر غیبت کے باعث لوگوں کا گوشت کھا کر اِفطار کرلیتا ہے۔

تیسرا قول: مُراد وہ شخص ہے جو نِگاہوں کو جھکاتا ہے نہ گناہوں سے زبان کی حِفَاظَت کرتا ہے۔

روزہ کی روحانیت کو توڑنے والی چیزیں

مَنْقُول ہے کہ بندہ حَالَتِ روزہ میں جب جھوٹ بولتا ہے یا غیبت کرتا ہے یا کسی گناہ میں مُبْتَلا ہوتا ہے تو اس کا روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ پھر اس کا ایک دن کا روزہ باقی دنوں کے (ٹوٹے ہوئے) روزوں کو جوڑ کر مکمّل کر لیا

[1] ......ترمذی، کتاب الزکاۃ، باب ماجاء فی الصدقۃ علی ذی القرابۃ، ۲/۱۴۲، حدیث: ۶۵۸

[2] ......ترمذی، کتاب الصوم، باب ماجاء مایستحب علیہ الافطار، ۲/۱۶۲، حدیث: ۶۹۶، بدون: مذقۃ من لبن

[3] ......مسند احمد، مسند ابی ھریرۃ، ۳/۳۰۷، حدیث: ۸۸۶۵

جاتا ہے۔ جیسا کہ سرورِ کائنات صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا فرمانِ نصیحت نشان ہے: روزہ (اس وقت تک گناہوں کے خِلاف) ایک ڈھال کا کام کرتا ہے جب تک کہ اسے جھوٹ یا غیبت کے ذریعے توڑا نہ جائے۔[1] بُزُرگانِ دِین فرمایا کرتے تھے کہ غیبت سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔[2]

غیبت کے بعد وضو کرنا

سَلَف صَالِحِین سے (اگر کبھی) کسی مسلمان کو کوئی تکلیف پہنچ جاتی تو وہ وُضو کر لیا کرتے تھے، وہ اس بات کے قائل تھے کہ ایک جَمَاعَت (امام مالِک رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ) کے نزدیک جب آگ پر پکی ہوئی کسی چیز کے کھانے سے وضو کرنا لازِم ہو جاتا ہے تو کسی غَلَط و نازیبا بات کرنے کے بعد وُضو کر لینا پاک و حَلال شے کے کھانے سے زیادہ بہتر ہے۔

حضرت سَیِّدُنا بِشر بن حارِث رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ حضرت سَیِّدُنا سُفیان ثَوری رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ سے رِوایت کرتے ہیں کہ جس نے غیبت کی اس کا روزہ ٹوٹ گیا۔ اسی طرح حضرت سَیِّدُنا مجاہد رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ سے بھی مَرْوِی ہے کہ دو باتیں روزے کو توڑ دیتی ہیں: غیبت اور جھوٹ۔

حضرت سَیِّدُنا جابر رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہ سے بھی مَرْوِی ہے کہ رسولِ اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا فرمانِ عالیشان ہے: پانچ چیزیں روزہ دار کا روزہ توڑ دیتی ہیں: ﴿1﴾ جھوٹ ﴿2﴾ غیبت ﴿3﴾ چُغلی ﴿4﴾ جھوٹی قسم اور ﴿5﴾ شَہْوَت کی نَظر[3]۔[4]

فرائض کی کمی نوافل سے پوری کی جائے گی

مَنْقُول ہے کہ بعض لوگوں کے ایک رَمَضَانُ الْمُبَارَک کے روزے 10 یا 20 رَمَضَانُ الْمُبَارَک

---

[1] ......نسائی، کتاب الصیام، ذکر الاختلاف علی محمد بن ابی یعقوب... الخ، ص ۳۷۲، حدیث: ۲۲۳۰
معجم اوسط، ۳/ ۲۶۴، حدیث: ۴۵۳۶

[2] ......غیبت کی تو روزہ نہ گیا اگرچہ غیبت بہت سخت کبیرہ (گناہ) ہے۔ (بہارِ شریعت، حصہ ۵، ۱/ ۹۸۴)

[3] ......ارشادِ پاک کا مقصود گناہوں سے کامل طور پر روکنا اور زجر و توبیخ فرمانا ہے اور معنیٰ یہ ہے کہ ان چیزوں سے روزے کا ثواب ٹوٹ جاتا ہے۔ (الحاوی الکبیر، کتاب الصیام، باب النیۃ فی الصوم، ۳/ ۳۲۱)

[4] ......العلل لابن ابی حاتم، علل اخبار رویت فی الصوم، ۳/ ۱۴۳، المسألۃ: ۷۶۶

کے روزوں سے پورے کیے جائیں گے۔ جیسا کہ نماز اور زکوٰۃ کہ جن پر بندے کا مُحَاسَبہ ہو گا اگر کامل ہوں گے تو اچھی بات ہے ورنہ نفلی نمازوں اور نفلی صدقات سے ان کی کمی کو پورا کر لیا جائے گا۔

ایک قول میں ہے کہ بندے کا ایک روزہ پانچ دنوں میں مُکَمَّل ہوتا ہے جیسا کہ ایک نماز ان پانچ ۵ نمازوں کے ساتھ مُکَمَّل ہوتی ہے کہ جن کے اَوقات مُتَعَیَّن ہیں۔

سرکارِ مدینہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا فرمانِ عالیشان ہے: جس نے غیبت کر کے اپنا روزہ توڑ دیا تو اسے چاہیے کہ اِسْتِغْفَار کے ذریعے اسے جوڑ لے۔[1]

ہر فرض کی پوچھ گچھ ہو گی

مَنْقُول ہے کہ اللہ پاک نے کوئی بھی ایسی شے فَرْض نہیں کی کہ اس کے علاوہ کسی اور شے سے وہ راضی ہو جائے، بلکہ اس نے جو شے فَرْض ٹھہرائی ہے اس کی پوچھ گچھ کرے گا اور جو باتیں لازِم ٹھہرائی ہیں ان کا حِساب بھی لے گا۔ البتہ! اللہ پاک کا عَفْو وکَرَم بہت سے گناہوں کو خَتْم کر دے گا۔

روزے کا مقصود

روزے کا مَقْصُود صِرف بھوکا و پیاسا رہنا نہیں بلکہ گناہوں سے بچنا ہے، جیسا کہ نماز سے مقْصُود فُحْش اور بُری باتوں سے بچنا ہے۔ رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا فرمانِ عالیشان ہے: جس نے جھوٹ بولنا اور اس پر عَمَل کرنا نہ چھوڑا تو اللہ پاک کو بھی اس بات کی کوئی حاجَت نہیں کہ وہ کھانا پینا چھوڑ دے۔[2]

❀❀ ❀❀ ❀❀

اطاعت سے بہتر

اَلْحُرْمَۃُ خَیْرٌ مِّنَ الطَّاعَۃِ یعنی ادب واحترام کرنا اطاعت کرنے سے زیادہ بہتر ہے۔ (راہِ علم، ص29)

---

[1] ......شعب الایمان، باب فی الصیام، ۳/۳۱۶، حدیث: ۳۶۴۴

[2] ......بخاری، کتاب الصوم، باب من لم یدع قول الزور... الخ، ۱/۶۲۸، حدیث: ۱۹۰۳

کِتَابُ الْحَج

(اسلام کے پانچویں بُنیادی رکن یعنی حج کی شرح)

فرض حج کی شرائط

حج سے شَریعت وملَّت کامل ومکمل ہوتی ہے، فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

وَ لِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْهِ سَبِیْلًاؕ (پ ۴، اٰل عمرٰن: ۹۷) ترجمۂ کنزالایمان: اور اللہ کے لیے لوگوں پر اس گھر کا حج کرنا ہے جو اس تک چل سکے۔

اللہ پاک کے پیارے حبیب صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اس آیتِ مُبارَکہ میں مَنِ اسْتَطَاعَ کی تفسیر میں اِرشاد فرمایا ہے کہ اس سے مُراد وہ شخص ہے جس کے پاس زادِ راہ (یعنی راستے کا خَرچ) اور سواری ہو۔[1] یعنی جب کسی کے پاس زادِ راہ اور سواری ہو تو اس پر حج کرنا فَرض ہو جاتا ہے۔

استطاعت کے باوجود حج نہ کرنا کیسا؟

اگر کسی شخص نے اِستِطاعَت کے بعد بھی حج کرنے میں تاخیر کی تو یہ مَکْرُوہ ہے، اگر مَر گیا اور حج نہ کیا یا اِستِطاعَت تھی مگر موت کے وَقت نہ رہی تو اللہ پاک کے ہاں حج فَرض ہونے سے لے کر موت کے وَقت تک گناہ گار شُمار ہو گا اور اس کا اِسلام کامل نہ ہو گا، کیونکہ اللہ پاک نے حج کے ذریعے اِسلَام کو مکمل کیا، جب حج کے مَوقَع پر عرفہ کے دن یہ آیتِ مُبارَکہ نازِل فرمائی:

اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْكُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًاؕ (پ ۶، المآئدۃ: ۳) ترجمۂ کنزالایمان: آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے اسلام کو دین پسند کیا۔

تو رسولِ پاک، صاحب لولاک صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اِرشاد فرمایا: جس شخص کو شدید بیماری یا ظالم بادشاہ (فَرض) حج سے نہ روکے اور وہ بغیر حج کئے مر جائے تو (اللہ پاک کو) اس کی کوئی پروا نہیں چاہے وہ

[1] ......ابن ماجہ، کتاب المناسک، باب ما یوجب الحج، ۳/ ۴۱۲، حدیث: ۲۸۹۷

یہودی ہو کر مرے یا عیسائی ہو کر۔[1]

اَمِیْرُ الْمُؤْمِنِین حضرت سَیِّدُنا عُمَر فَارُوقِ اَعْظَم رَضِیَ اللہُ عَنْہ فرماتے ہیں کہ میں نے عَزْم کر لیا کہ حُکّام کو لکھوں کہ جو مسلمان باوُجُودِ اِسْتِطاعَت حج نہیں کرتا اس پر جزیہ لازِم کر دو۔

بعض بزرگ تارکینِ حج کی نمازِ جنازہ نہ پڑھتے

مَنْقُول ہے کہ حضرت سَیِّدُنا سعید بن جُبَیر، حضرت سَیِّدُنا ابراہیم نَخَعی، حضرت سَیِّدُنا مجاہِد اور حضرت سَیِّدُنا طاؤس رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِم میں سے ہر ایک فرمایا کرتے کہ اگر کسی دولت مند شخص کے بارے میں مَعْلُوم ہو کہ اس پر حج فَرْض تھا مگر وہ حج کئے بغیر مر گیا ہے تو میں اس کی نَمازِ جنازہ نہ پڑھوں گا۔ بلکہ ایک بزرگ کے مُتَعَلِّق یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان کا ایک خوشحال پڑوسی حج کئے بغیر مر گیا تو انہوں نے اس کی نَمازِ جَنازہ نہ پڑھی۔

دنیا میں دوبارہ لوٹنے کا سوال کرنے والا

حضرت سَیِّدُنا عبد اللہ بن عبّاس رَضِیَ اللہُ عَنْہُمَا فرمایا کرتے تھے: جو صاحِبِ اِسْتِطاعَت ہونے کے باوُجُود زکوٰۃ اور حج اَدا کئے بغیر مر گیا وہ دنیا میں دوبارہ لوٹنے کا سوال کرے گا۔ پھر آپ رَضِیَ اللہُ عَنْہ نے یہ آیَتِ مُبارَکہ تِلاوَت فرمائی:

رَبِّ ارْجِعُوْنِ ﴿۹۹﴾ لَعَلِّیْۤ اَعْمَلُ صَالِحًا فِیْمَا تَرَكْتُ (پ۱۸، المؤمنون: ۹۹، ۱۰۰)

ترجمۂ کنزالایمان: اے میرے ربّ مجھے واپس پھیر دیجئے، شاید اب میں کچھ بھلائی کماؤں اس میں جو چھوڑ آیا ہوں۔

اور اس کی تفسیر میں فرمایا: یعنی وہ شخص کہے گا کہ میں حج کر لوں۔

اسی کی مثل ایک اور مقام پر اِرشاد ہوتا ہے:

لَوْلَاۤ اَخَّرْتَنِیْۤ اِلٰۤى اَجَلٍ قَرِیْبٍۙ فَاَصَّدَّقَ وَ اَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۱۰﴾ (پ۲۸، المنٰفقون: ۱۰)

ترجمۂ کنزالایمان: تُو نے مجھے تھوڑی مُدَّت تک کیوں مہلت نہ دی کہ میں صَدَقہ دیتا اور نیکوں میں ہوتا۔

یعنی یہ شخص بھی کہے گا کہ میں زکوٰۃ ادا کرتا اور حج بھی کرتا۔ پھر اِرشاد فرمایا کہ یہ آیَتِ مُبارَکہ اَہْلِ توحید پر سب سے شدید ہے۔

---

[1]......دارمی، کتاب المناسک، باب من مات ولم یحج، ۲/۵۴، حدیث: ۱۷۸۵

پیدل اور سوار حج کرنے والے کی فضیلت

جو شخص پیدل چلنے کی طاقت رکھتا ہو یا جو اُجرت دے کر سواری کا انتظام کر سکتا ہو اور راستے میں ہلاکت کا خطرہ بھی نہ ہو تو اس کے لیے حج کرنا فضیلت کا باعث ہے۔ البتہ! پیدل چل کر حج کرنے والے کو ہر ہر قدم پر 700 نیکیاں جبکہ سوار کو سواری کے ہر ہر قدم پر 70 نیکیاں ملتی ہیں۔ بعض عُلَمائے کرام کے نزدیک پیدل چلنے کی قُدرت رکھنا بھی اِستِطاعت میں شامل ہے۔

حج کے فرائض

تمام عُلَمائے کرام کے نزدیک حج کے چھ فَرض[1] ہیں: تین میں اِختِلاف ہے یعنی سعی کرنا[2]، قربانی کی رات مَشْعَرِ حَرام[3] کے پاس مُزْدَلِفَه میں گزارنا[4] اور قربانی کے دن جمرۂ عقبہ[5] کی رمی کرنا۔[6] جبکہ باقی

[1] احناف کے نزدیک: حج کے سات رکن یعنی فرض ہیں۔ چنانچہ بہارِ شریعت جلد اول صفحہ 1047 پر ہے: حج میں یہ چیزیں فرض ہیں: ﴿1﴾ **احرام** کہ یہ شرط ہے ﴿2﴾ **وُقوفِ عرفہ** یعنی نویں ذی الحجہ کے آفتاب ڈھلنے سے دسویں کی صبح صادق سے پیشتر تک کسی وَقت عرفات میں ٹھہرنا ﴿3﴾ **طوافِ زیارت کا اَکثر حِصّہ** یعنی چار پھیرے۔ پچھلی دونوں چیزیں یعنی وُقوف و طواف رُکن ہیں ﴿4﴾ **نیّت** ﴿5﴾ **ترتیب** یعنی پہلے اِحرام باندھنا پھر وُقوف پھر طواف ﴿6﴾ **ہر فرض کا اپنے وَقت پر ہونا** یعنی وُقوف اس وَقت ہونا جو مَذکُور ہوا، اس کے بعد طواف۔ اس کا وَقت وُقوف کے بعد سے آخر عمر تک ہے ﴿7﴾ **مکان** یعنی وُقوف زمینِ عرفات میں ہونا، سوا بطنِ عرنہ کے اور طواف کا مکان مَسْجِدُ الْحَرام شریف ہے۔

[2] **سَعی: صفا** اور **مروہ** کے مابین سات ۷ پھیرے لگانا (صفا سے مروہ تک ایک پھیرا ہوتا ہے یوں مروہ پر سات چکر پورے ہوں گے)۔ (رفیق الحرمین، ص ۳۵)

[3] مُزْدَلِفَه کے قریب ایک پہاڑ کا نام ہے جسے جَبَلِ قُزَح بھی کہتے ہیں۔ (بہارِ شریعت، اصطلاحات، ۱/ ۷۰)

[4] مزدلفہ کی حدود کے اندر دسویں تاریخ کے طلوعِ صبحِ صادق سے طلوعِ آفتاب تک کسی طرح موجود ہونا اگرچہ ایک لحظہ ہو ادائے واجب کے لیے کافی ہے تو اگر حدودِ مزدلفہ سے نکل جانے سے پہلے صبح صادق ہو گئی تو واجب ادا ہو گیا اگرچہ سنت ترک ہو گئی، ہاں اگر اتنی رات سے چل دیا کہ صبح صادق نہ ہونے پائی اور مزدلفہ کی حدود سے نکل گیا تو بے شک واجب ترک ہوا، قربانی دینی آئے گی اور عورتوں اور نہایت کمزور مردوں اور بیماروں کو بخوفِ ہجوم خود شرع (یعنی شریعت) بھی رات سے چل دینے کی اجازت فرماتی ہے، انہیں کوئی جرمانہ دینا نہ ہو گا۔ (فتاوی رضویہ، ۱۰/ ۶۶۷، ملتقطاً)

[5] مِنٰی اور مکّہ کے بیچ میں تین جگہ ستون بنے ہیں ان کو جمرہ کہتے ہیں۔ پہلا جو مِنٰی سے قریب ہے جمرۂ اولیٰ کہلاتا ہے اور بیچ کا جمرۂ وسطیٰ اور اخیر کا کہ مکّہ معظمہ سے قریب ہے جمرۃ العقبہ۔ (بہارِ شریعت، حصہ ۶، ۱/ ۱۱۳۹)

[6] احناف کے نزدیک یہ تینوں واجب ہیں، فرض و رکن نہیں۔ (بہارِ شریعت، ۶، ۱۰۴۸)

تین پر اجماع ہے اور وہ یہ ہیں: اِحرام باندھنا، میدانِ عرفات میں وُقوف کرنا اور طوافِ زِیارت۔ ان کے علاوہ باقی تمام اُمور میں کوئی اِختِلاف نہیں، ان میں سے بعض سنّت ہیں تو بعض مُستَحَب۔

فرائض حج میں صاحب قوت کا مذہب

(صاحِبِ کتاب حضرت سَیِّدُنا شیخ ابُو طالِب مَکی رَحمۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں:) میرا اور دیگر کئی عُلَمائے کرام کا مَذْھَب یہ ہے کہ حج کے چار فرائض ہیں:[1]

﴿1﴾ اِحرام باندھنا۔

﴿2﴾ ذُو الْحَجَّۃُ الْحَرَام کی نو تاریخ کو زوالِ آفتاب کے بعد میدانِ عرفات میں وُقوف کرنا۔ اس کی آخری حد دوسرے دن یعنی 10 ذُو الْحَجَّۃُ الْحَرَام کی صُبْح طُلُوعِ فَجْر سے پہلے تک ہے۔

﴿3﴾ وُقُوفِ عرفات اور جمرۂ عقبہ کی رمی کے بعد طوافِ زِیارت کرنا۔

﴿4﴾ حج کا اِحرام باندھنے کے بعد چاہے تو وقوفِ عرفات سے پہلے اور اگر چاہے تو بعد میں صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنا۔

ان چار کے علاوہ حج کے باقی تمام مَنَاسِک مَسْنُون و مُسْتَحَب ہیں۔ البتہ! ان میں سے بعض کی زیادہ تاکید مَروِی ہے اور بعض کی کم۔ بعض کے تَرْک پر کفّارہ لازِم آتا ہے اور بعض کے تَرْک پر کچھ حَرَج لازِم نہیں آتا۔

طواف کی تین اقسام

حج کے طواف تین ہیں:

﴿1﴾ **طوافِ فَرْض:** اگر اسے چھوڑا تو حج ہی باطِل ہو جائے گا اور اس سے مُراد طوافِ زِیارت[2] ہے۔

---

[1]...... فقہ حنفی کے مُطابِق اَرکانِ حج و شرائطِ حج، واجبات و ممنوعات جاننے اور تفصیلی مَعْلُومات کے لئے دَعْوتِ اِسْلامی کے اِدارے مَکْتَبَۃُ الْمَدِیْنَہ کی کتاب رفیق الحرمین اور بہارِ شریعت، جلد اول، حصہ 6، صفحہ 1032 تا 1232 حج کے بیان کا مُطالَعہ کیجئے۔

[2]...... عرفات سے واپسی کے بعد جو طواف کیا جاتا ہے اُس کا نام طوافِ اِفاضہ ہے اور اُسے طوافِ زیارت بھی کہتے ہیں۔

﴿2﴾ طوافِ سنّت: اگر اسے چھوڑا تو دَم واجب ہو گا، البتہ! حج مکمّل ہو جائے گا اور اس سے مُراد طوافِ وَداع[1] ہے۔

﴿3﴾ طوافِ مُستحب: اگر اسے چھوڑا تو کوئی شے لازم نہیں آتی اور اس سے مُراد طوافِ ورود ہے۔

(صاحبِ کتاب حضرت سیِّدُنا شیخ ابو طالب مکی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں:) ہم نے اس باب میں حج کے فرائض، دیگر اَحکام اور اُس کے طریقہ ادا کا بیان اعمال کی ضرورت کے مطابق ہی کیا ہے جیسا کہ ہم نے یہ انداز اس کتاب کے تمام ابواب میں رکھا ہے۔ یہی ہمارا مقصود بھی ہے اور حج کے اَحکام اور اس کے مَشاعِر کے مُتعلِّق تفصیلی بحث ہم نے اپنی کتاب **مَنَاسِکُ الحج** میں الگ سے بیان کر دی ہے۔

حج کے فضائل اور آداب و کیفیات، حاجیوں کے فضائل اور سالکینِ راہِ طَرِیْقَت کے طریقے

فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ ۙ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ؕ (پ ۲، البقرۃ: ۱۹۷)

ترجمۂ کنزالایمان: حج کے کئی مہینے ہیں جانے ہوئے تو جو ان میں حج کی نیّت کرے تو نہ عورتوں کے سامنے صُحبت کا تَذکرہ ہو نہ کوئی گناہ نہ کسی سے جھگڑا حج کے وقت تک۔

آیتِ مبارکہ کی تفسیر

(صاحبِ کتاب اس آیتِ مُبارکہ کے مُختلِف حصّوں کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:)

حج کی نیت اور مہینوں سے مراد

﴿فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ﴾ سے مُراد یہ ہے کہ جس نے ان مہینوں میں خود پر حج لازم کر لیا تو وہ

طواف زیارت کا اکثر حصہ یعنی چار پھیرے حج کا رکن و فرض ہے اور ان کا قربانی کے دنوں میں ہونا واجب ہے۔ (بہار شریعت، حصہ ۶، ۱/ ۱۰۴۷، ۱۰۴۹، حصہ ۶، ماخوذاً)

[1] ...... یہ طواف حج کے بعد مکۂ مکرمہ سے رُخصت ہوتے ہوئے کیا جاتا ہے، یہ طواف میقات کے باہر سے آنے والوں پر واجب ہے۔ (ماخوذ از بہار شریعت، حصہ ۶، ۱/ ۱۱۵۱، حصہ ۶، ملخصاً)

اس کا اِحرام باندھ لے اور ان مہینوں سے مُراد یہ ہیں: شوال المکرم، **ذُو الْقَعْدَةُ الْحَرَام** اور **ذُو الْحَجَّةُ الْحَرَام** کے پہلے نو دن۔

فَلَا رَفَثَ سے مراد

اَلرَّفَث ایک ایسا جامِع نام ہے جس سے ہر لغویات، بد کلامی، فُحش گفتگو، عورتوں سے دِل لگی کرنا، ان سے عِشق لڑانا اور صُحبت کی باتیں کرنا مُراد ہے۔

وَلَا فُسُوْقَ سے مراد

اَلْفُسُوْق فِسق کی جَمع ہے، جو ایسا جامِع نام ہے جس سے ہر طرح طاعَت و عِبادت سے نکل جانا اور **اللہ** پاک کی ہر طرح کی حدوں سے تجاوُز کر جانا مُراد ہے۔

وَلَا جِدَالَ سے مراد

اَلْجِدَال صِفت ہے جو ایسے لڑائی جھگڑے اور ریاکاری میں زیادتی کو بیان کرنے کے لیے اِستعمال ہوتی ہے جس سے بُغض و کینہ پیدا ہوتا ہے اور کوئی فائدہ بھی نہیں ہوتا۔

الحاصل

یہ تین نام بظاہِر مُختصر ہیں مگر مذکورہ تمام مَعانی و مَفاہیم کو شامل ہیں۔ **اللہ** پاک نے مَناسِکِ حج اور اس کے شعائر کو ان سب باتوں سے پاک رکھنے کا حُکم اِرشاد فرمایا ہے۔ کیونکہ یہ سب ایسے گناہوں پر مُشتَمِل ہیں جو دیگر جرائم اور غلطیوں اور کوتاہیوں کی اَصل ہیں۔

حج سے کیا مراد ہے؟

حج کا لُغوِی معنیٰ ہے اس ہستی کی طرف جانا جس کی تعظیم کی جائے۔ اَہلِ عَرَب کہا کرتے تھے کہ **نَحُجُّ اِلَی النُّعْمَان** یعنی ہم اس کی عَظمت و عزّت کی بنا پر اس کے پاس جاتے ہیں۔ لہٰذا بہتر یہ ہے کہ حاجی بھی اس ہستی کی عَظمت کا خاص خَیال رکھے جس کی بارگاہ میں حج کے لیے جا رہا ہے تا کہ اس لَفظ کا لُغوِی معنیٰ و مفہوم بھی پایا جائے۔ حج کا ایک معنیٰ ایسی صاف اور واضح راہ پر چلنا بھی ہے کہ جو حاجی کو صرف اس کے مقصود تک

ہی نہ پہنچائے، بلکہ فائدہ و نَفْع بھی دے۔[1]

حج کے فضائل

حج کے فضائل میں سب سے پہلے یہ اُمور ہیں:

☜ خالِص اللہ پاک کی رضا کے لیے حج کرنا۔☜ نفقہ کا حلال و پاک ہونا۔☜ ہاتھ کا ایسی تِجارت سے فارِغ ہونا جو اس کے دِل کو مَشْغُول اور سوچ کو مُنْتَشِر کر سکتی ہو۔ بلکہ اسے ہر قسم کی فِکْر و پریشانی سے خالی ہونا چاہئے اور اس کے دل کو مطمئن اور ذِکْرِ الٰہی سے مَعْمُور اور نفسانی خواہشات سے دُور ہونا چاہئے۔☜ اس کی نِگاہ کا سامنے ہونا نہ کہ دھیان پیچھے ہو۔☜ نِیَّت کا دُرُسْت ہونا۔☜ خَرْچ کرنے میں نَفْس کا خوش ہونا۔☜ زادِ راہ اور نفقے وغیرہ میں وُسْعَت کا ہونا۔ اس لیے کہ سَفَرِ حج میں خَرْچ کرنا راہِ خُدا میں خَرْچ کرنے کی طرح ہے۔ یعنی ایک دِرْہَم کے بدلے 700 دِرْہَم خَرْچ کرنے کا اَجْر ملتا ہے اور حج بھی اللہ پاک کا ہی راستہ ہے کہ سرکارِ مدینہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے ایسا ہی مَرْوِی ہے۔[2]

کریم و سخی ہونے کی ایک علامت

حضرت اِبْنِ عمر رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا اور دیگر صحابہ کرام فرماتے ہیں: سَفَر میں خوش دِلی سے خَرْچ کرنا انسان کے کریم و سخی ہونے کی عَلامَت ہے۔ نیز وہ یہ بھی فرمایا کرتے تھے: اَفْضَل حاجی وہ ہے جو نِیَّت کے اِعْتِبار سے سب سے زیادہ مُخْلِص، خَرْچ کے اِعْتِبار سے سب سے زیادہ پاکیزہ اور یقین کے لِحاظ سے بھی سب سے بہترین و عُمدہ ہو۔

حج مبرور کی جزا

حضرت سَیِّدُنا جابر رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ سے مَرْوِی ہے کہ رسولِ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اِرْشاد فرمایا: حَجِ مَبْرُور (مقبول) کی جزا صِرف جَنَّت ہے۔[3]

---

[1] ......یہاں سے کچھ عبارت کا ترجمہ متروک ہے جسے اہل علم احباب کے لئے کتاب کے آخر میں دے دیا گیا ہے۔

[2] ......مصنف ابن ابی شیبۃ، کتاب الحج، ماقالوافی ثواب الحج، ۴/ ۱۹۲، حدیث: ۲۳

ابوداود، کتاب المناسک، باب العمرۃ، ۲/ ۲۹۶، حدیث: ۱۹۸۹

[3] ......مسلم، کتاب الحج، باب فی فضل الحج والعمرۃ ویوم عرفۃ، ص ۷۰۳، حدیث: ۱۳۴۹، عن ابی ھریرۃ

مسند احمد، مسند جابر بن عبد اللہ، ۵/ ۷۲، حدیث: ۱۴۴۸۹

حج کی نیکی

ایک روایت میں ہے کہ عرض کی گئی: حج کی نیکی کیا ہے (کہ جس سے حج مقبول ہو)؟ اِرشاد فرمایا: اچھا کلام کرنا اور کھانا کھلانا۔[1]

سفر کو سفر کہنے کی وجہ

مَنْقُول ہے کہ سَفَر کو سَفَر اس لئے کہتے ہیں کہ یہ لوگوں کے اَخلاق کو ظاہر کرتا ہے، جبکہ بعض عُلَمائے کرام فرماتے ہیں کہ سَفَر کو سَفَر اس لیے کہتے ہیں کہ یہ نفسانی صِفَات و جوہَر کو ظاہر کرتا ہے۔ کیونکہ یہ ضَروری نہیں کہ جس شخص کی صُحبَت حالَتِ قیام میں اَچّھی ہو وہ حالَتِ سَفَر میں بھی اَچّھی ہو۔

کسی کو پہچاننے کا آسان ذریعہ

ایک شخص نے کسی سے کہا کہ وہ فلاں شخص کو خوب جانتا ہے تو اس نے پوچھا: کیا تم نے اس کے ساتھ کوئی ایسا سَفَر کیا ہے کہ جس سے اس کے اَچّھے اَخلاق کا پتا چلتا؟ وہ شخص بولا: نہیں۔ فرمایا: میرا خیال ہے کہ تم اسے اَچّھی طرح نہیں جانتے۔

سفر حج میں لڑائی جھگڑا کرنا کیسا؟

(حج کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ) حج کے سَفَر میں جھگڑا کرے نہ کسی سے عَداوت کا مُظاہرہ کرے اور اسی طرح ریاکاری کا اِرتکاب کرے نہ اپنی زبان سے کسی قسم کی فُحش کلامی کرے کہ حضرت سَیِّدُنا بِشْر بن حارِث رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ سے مَروِی ہے: حضرتِ سَیِّدُنا سُفْیان ثَوری رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں: جس نے بے ہودہ بات کی اس کا حج فاسِد ہو گیا۔

حج پر روانگی سے پہلے کے امور

حاجی کو چاہئے کہ گھر سے روانہ ہونے سے پہلے پہلے مناسکِ حج کے اَحکام، حج کا طریقہ اور اس کی کیفیات، نیز مقاماتِ مُقَدَّسہ کے آداب سیکھ لے اور یہ بات اس کے نزدیک سب باتوں سے زیادہ اَہم اور تمام

[1] ......موسوعۃ ابن ابی الدنیا، کتاب مداراۃ الناس، باب المداراۃ بلین الجانب وطیب الکلام، ۷/۵۳۸، حدیث: ۱۱۲

اَسبابِ سَفَر میں سب سے مُقَدَّم ہونی چاہئے کہ اَصْل مَقْصُود یہی ہے، بلکہ چاہئے کہ کسی ایسے نیک شخص کو رَفِیقِ سَفَر بنائے جو عالِم بھی ہو اور بھلائی کا خواہاں اور مَدَدگار بھی، کہ اگر یہ بھول جائے تو وہ یاد دِلائے اور یاد ہو تو اس کی مَدَد کرے، اگر یہ بُزدِلی کا مُظاہَرہ کرے تو وہ اس کی ہِمَّت بندھائے، اگر عاجِز آجائے تو وہ اسے سہارا و قُوَّت دے، اگر (مَصائِب و آلام کے باعث) یہ تنگ دِل ہو جائے تو وہ اسے صَبْر کا دامَن تھامے رکھنے، حُسنِ ظَن سے کام لینے اور دل میں وُسْعَت پیدا کرنے کی تلقین کرے۔

حقِ صحبت

(صاحِبِ کتاب حضرت سَیِّدُنا شیخ اَبُو طالِب مَکّی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں: اگر خوش قسمتی سے مذکورہ اَوصاف کا حامِل رفیق مل جائے تو کسی بھی بات میں) اپنے رَفِیقِ سَفَر کی مُخالَفَت کرے نہ اس پر اِعْتِراضات کی بھرمار کرے، بلکہ تمام لوگوں کے ساتھ حُسنِ اَخلاق اور نَرْمی سے پیش آئے۔ عاجِزی واِنْکِسارِی سے کام لے، مَخْلُوق کو تکلیف نہ پہنچائے، اگر ان کی طرف سے کوئی تکلیف پہنچے تو اسے بَرْداشْت کرے اور صَبْر وتَحَمُّل سے کام لے۔ حج میں ان سب باتوں کے اَپنانے سے ہی حج کی فضیلت ملے گی۔

کجاوے یا بار برداری والے جانور پر حج کرنا

کجاوے یا بار برداری والے جانور پر حج کرے کہ سَلَف صَالِحِین اور اَصحابِ تقویٰ کا یہی طریقہ ہے۔ مَنْقُول ہے کہ نیک لوگوں کا حج کجاووں پر ہی ہوتا۔ حضرت سَیِّدُنا سفیان ثَوری رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ اپنے والد مُحْتَرَم (حضرت سَیِّدُنا سعید بن مَسْرُوق رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ) سے رِوایَت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: میں حج کے لئے **کوفہ** سے **قادسیہ** کی طرف گیا اور مُخْتَلِف شہروں کے بہُت سے رُفَقا سے ملا، مگر میں نے دیکھا کہ تمام حاجی کجاووں، بار برداری اور بوریاں لدے ہوئے جانوروں پر سوار ہیں اور ان میں سے کسی کو بھی میں نے کجاووں کے بغیر نہ دیکھا۔

حاجی زیادہ ہیں یا سوار؟

حاجیوں کے قافلے مکۂ مکرمہ میں داخِل ہوئے تو انہیں دیکھ کر حضرت سَیِّدُنا مجاہد رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ نے حضرت سَیِّدُنا **عبداللہ** بن عمر رَضِیَ اللہُ عَنْہُمَا سے عَرْض کی: کس قَدْر حاجیوں کی کَثْرَت ہے؟ تو آپ رَضِیَ اللہُ عَنْہ نے فرمایا: حاجی کس قَدْر کم ہیں۔ بلکہ یوں کہو کہ سوار کس قَدْر زیادہ ہیں۔

مزید فرماتے ہیں کہ حضرت سیِّدُنا عبد اللہ بن عمر رَضِیَ اللہُ عَنْہُمَا نے جب ان کجاووں اور باربردار جانوروں پر سوار لوگوں کو دیکھا تو فرمانے لگے: حاجی کم اور سوار زیادہ ہیں۔ پھر ایک مسکین شخص کو دیکھا جس کی حالت کمزور تھی، اس کے نیچے اُونی کپڑا تھا تو فرمایا: یہ کتنا اچھا حاجی ہے۔

لِہٰذا حاجی کو چاہئے کہ وہ مَلْفُوک الحال اور کم سامان والا ہو، اپنے ساتھ زادِ راہ بھی اسی قَدْر رکھے جس کے بغیر چارہ نہ ہو۔ زِیادَتی میں مُبالَغَہ کرے نہ کمی میں۔ اپنے اور اپنے رفیقِ سَفَر پر تنگی و شِدَّت سے کام نہ لے، بلکہ ہر شے میں میانہ روی و کفایت شعاری کا مُظاہرہ کرے۔

لباس کیسا ہو؟

(حاجی کو چاہئے کہ) سرخ لِباس سے اِجْتِنَاب کرے کہ یہ مَکْرُوہ ہے۔ جیسا کہ مَرْوِی ہے کہ ایک بار سرکارِ مدینہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے صحابۂ کرام کے ساتھ سَفَر میں ایک مَقام پر قیام فرمایا۔ جب اُونٹ چرنے لگے تو آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے پالانوں پر سرخ کپڑے دیکھ کر اِرشَاد فرمایا: میں دیکھ رہا ہوں کہ یہ سرخ رنگ تم پر غالب آگیا ہے۔ راوی فرماتے ہیں: یہ سن کر ہم فوراً اٹھے اور اُونٹوں کی پیٹھوں سے وہ کپڑے اتار لئے یہاں تک کہ بعض اُونٹ بدکنے لگے۔[1]

لباسِ شہرت سے پرہیز

(حاجی کو چاہئے کہ) لِباسِ شُہرت سے اِجْتِنَاب کرے اور ہر اس سامان سے بھی کہ جس کی طرف لوگوں کی نظریں بار بار اٹھیں۔ مال دار لوگوں کی مُشَابَہَت اِخْتِیار کرے نہ فَخْر وتکبُّر میں مُبتَلا دنیاداروں جیسی حالَت اِخْتِیار کرے کہ اس کا شُمار بھی مُتَکَبِّرِیْن ومُتَکَثِّرِیْن (یعنی فَخْر وتکبُّر کرنے والوں) میں ہونے لگے اور نہ سامانِ راحَت وعَیش میں کَثْرَت سے کام لے، اس لیے کہ راہِ خُدا میں ایسا کرنا پسندیدہ کام نہیں، کیونکہ راہِ خُدا میں جس قَدْر مَشَقَّت، بھوک، پیاس اور تکلیف زیادہ ہوگی اسی قَدْر زیادہ فضیلت وثواب حاصل ہوگا۔

تواضع سنّت ہے

مَرْوِی ہے کہ رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے جس سواری پر حج فرمایا تھا، اس پر پُرانا کجاوہ اور پھٹا

---

[1] ......ابوداود، کتاب اللباس، باب فی الحمرۃ، ۴/۷۴، حدیث: ۴۰۷۰۔ معجم کبیر، ۴/۲۸۸، حدیث: ۴۴۴۹

ہوا کپڑا تھا جس کی قیمت چار دِرْہَم تھی۔(1) آپ نے سواری پر ہی طواف فرمایا(2) تاکہ لوگ آپ کو دیکھ کر آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے طریقے اور عادتِ مُبارَکہ کو اپنائیں۔ پھر ارشاد فرمایا: اپنے اَرکانِ حج مجھ سے سیکھ لو۔(3)

نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا تلبیہ

سرورِ کائنات صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم لَبَّیْکَ یوں بھی کہا کرتے: **لَبَّیْكَ اللّٰھُمَّ لَبَّیْكَ حَجًّا لَا رِیَاءَ فِیْهِ وَلَا سُمْعَةَ**۔(4) یعنی میں حاضر ہوں اے میرے پروردگار! میں حاضر ہوں، ایسا حج کرنے کیلئے کہ جس میں ریاکاری شامل ہے نہ شُہرت کے حُصُول کی تمنّا۔ اور یوں بھی فرمایا کرتے: **لَبَّیْكَ اِنَّ الْعَیْشَ عَیْشُ الْاٰخِرَةِ**۔(5) یعنی میں حاضر ہوں، بے شک زندگی تو آخِرت کی زِندگی ہے۔

تواضُع اپنانے کی تلقین

حضرت سیِّدُنا فَضَالہ بن عُبَید رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہ سے مَرْوِی ہے کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے پراگندہ بالوں اور ننگے پاؤں رہنے کا حُکم دیا(6) اور عَیش و عِشرت اور عیّاشی سے منع فرمایا۔(7) ایک رِوایت میں ہے کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اِرشاد فرمایا: حج کرنے والا وہ ہے جو میلا اور بو والا ہو(8)۔(9)

---

[1] ......ابن ماجه، کتاب المناسک، باب الحج علی الرحل، ۳/ ۴۰۹، حدیث: ۲۸۹۰

[2] ......مسلم، کتاب الحج، باب جواز الطواف علی بعیر وغیره... الخ، ص ۶۶۲، حدیث: ۱۲۷۳

[3] ......مسلم، کتاب الحج، باب استحباب رمی جمرة العقبة یوم النحر راکبا، ص ۶۷۵، حدیث: ۱۲۹۷

[4] ......ابن ماجه، کتاب المناسک، باب الحج علی الرحل، ۳/ ۴۰۹، حدیث: ۲۸۹۰، دون لبیک

[5] ......مصنف ابن ابی شیبة، کتاب المناسک، فی الحج علی الرحل افضل من المحمل، ۴/ ۵۴۷، حدیث: ۷

[6] ......مصنف ابن ابی شیبة، کتاب الادب، ما ینبغی للرجل ان یعتلمه ویعلمه ولده، ۶/ ۲۱۴، حدیث: ۷، نحوه

[7] ......ابوداود، کتاب الترجل، ۴/ ۱۰۲، حدیث: ۴۱۶۰

[8] ......مشہور مُفَسِّرِ قرآن، حکیم الاُمَّت مفتی احمد یار خان رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ مِرْاٰۃُ الْمَنَاجِیْح، ج4، ص 96 پر اس رِوایت کے تحت بالوں کے میلے اور جسم کے بو والا ہونے کا کچھ یوں بیان فرماتے ہیں کہ بحالتِ اِحرام بال ٹوٹنے کے اندیشہ سے سر کم دھوتے ہیں اور بو والا کیونکہ بحالتِ اِحرام خوشبو لگانا منع ہے، اور بسا اَوقات پسینہ اور لوگوں کے اِزْدِحام سے کچھ بو سی محسوس ہونے لگتی ہے: خُلاصہ یہ ہے کہ حاجی بحالتِ حج دُنیاوی تکلفات سے ایک دَم کنارہ کش ہو جاتا ہے۔

[9] ......ابن ماجه، کتاب المناسک، باب ما یوجب الحج، ۳/ ۴۱۱، حدیث: ۲۸۹۶

اللہ پاک اپنے فرشتوں سے اِرشاد فرماتا ہے: میرے گھر کی زِیارت کرنے والوں کو دیکھو وہ میرے پاس دُور دُور سے پراگندہ بالوں اور گرد آلود چہروں کے ساتھ آئے ہیں۔[1]

فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

ثُمَّ لْيَقْضُوا تَفَثَهُمْ (پ ۱۷، الحج: ۲۹) ترجمۂ کنزالایمان: پھر اپنا میل کچیل اُتاریں۔

(صاحِبِ کتاب حضرت سیِّدُنا شیخ ابو طالب مکی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں:) **تَفَث** کا معنیٰ بالوں کا بکھرا ہونا اور چہرے کا گرد آلود ہونا ہے اور **قَضَاء** سے مُراد بال منڈانا اور ناخن کاٹنا ہے۔

سادگی کا درس

اَمیرُ الْمُؤمِنین حضرت سیِّدُنا عُمَر فاروقِ اَعْظَم رَضِیَ اللہُ عَنْہ نے لشکروں کے سرداروں کو یہ پیغام لکھا: **اِخْلَوْلِقُوْا وَاخْشَوْشِنُوْا**۔ یعنی پُرانے لِباس پہنا کرو اور سادہ و کھردری اَشیا اِستعمال کیا کرو۔[2]

بعض مُحَدِّثِینِ کرام نے اپنی کُتُب میں **اِخْلَوْلِقُوْا** کو **اِحْلَوْلِقُوْا** لکھا ہے، یعنی اپنے سر منڈالو۔ حالانکہ ایسا کیونکر ہو سکتا ہے کہ اَمیرُ الْمُؤمِنین حضرت عُمَر فارُوقِ اَعْظَم رَضِیَ اللہُ عَنْہ کسی سنّت کو ترْک کرنے کا حُکْم اِرشاد فرمائیں۔ کیونکہ ایک بار آپ رَضِیَ اللہُ عَنْہ کو صبیغ کے مُتَعَلِّق گمان ہوا کہ اس میں خوارجیوں کے مَذْہَب کی علامات پائی جاتی ہیں تو اس سے اِرشاد فرمایا: اپنا سر ننگا کرو۔ (اس نے سر سے عِمامہ اتارا) تو حضرت عُمَر فارُوقِ اَعْظَم رَضِیَ اللہُ عَنْہ نے اس کے سر پر دو مینڈھیاں (چوٹیاں) دیکھ کر اِرشاد فرمایا: اگر تیرا پورا سر منڈا ہوا ہوتا تو میں تیری گردن اُڑا دیتا۔

اَہلِ یمن کا طریقہ

(حاجی کو چاہئے کہ) لِباس و سامان میں اَہلِ یمن کا طریقہ اِخْتِیار کرے، کہ حج میں ان کی پَیْرَوِی کرنا اور ان کے طور طریقے اپنانا گویا کہ سَلَف صالِحِین کے طریقے پر عَمَل کرنا ہے اور یہی طریقہ سرکارِ مدینہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم اور آپ کے صحابۂ کرام کا تھا۔ جبکہ ان کے طریقے کو چھوڑنا اور جس نے ان کی مُخالَفت کی گویا

---

[1] ......صحیح ابن خزیمہ، کتاب المناسک، باب تباھی اللہ اھل السماء... الخ، ۴/ ۲۶۳، حدیث: ۲۸۳۹، ۲۸۴۰

[2] ......جامع معمر بن راشد ملحق مصنف عبد الرزاق، باب التنعم والسمن، ۱۰/ ۱۲۷، حدیث: ۲۰۱۶۳

وہ بِدْعتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ کہا جاتا ہے: حاجیوں کی زینت اَہْلِ یمن ہیں کیونکہ وہ صحابۂ کرام اور سَلَف صَالِحِین کے طور طریقوں پر چلتے ہیں۔اَہْلِ یمن کے کم سامان والا ہونے کی وجہ سے ان کی تعریف میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ نرخ زیادہ کرتے ہیں نہ راستے تنگ کرتے ہیں۔

"فلاں حج پر گیا ہے" نہ کہیں!

پہلے عُلَمائے کرام جب عیش پرست لوگوں کو مکہ مکرمہ کی طرف جاتے دیکھتے تو فرماتے کہ انہیں یہ نہ کہو کہ فلاں حج پر گیا ہے، بلکہ یہ کہو کہ فلاں سَفَر پر گیا ہے۔

کجاوے کس کی ایجاد ہیں؟

مَنْقُول ہے کہ کجاووں اور قبوں میں سوار ہونا حجاج بن یُوسُف ثَقفی کا ایجاد کردہ طریقہ ہے اور اب لوگ اسی کے طریقے پر عَمَل کرتے ہیں۔ حالانکہ اس دور کے عُلَما اسے اَچھّا نہ سمجھتے تھے بلکہ وہ سوار ہو کر حج کرنے کو ناپسند جانتے تھے۔

کجاوے جانوروں پر ظلم ہیں

(صَاحِبِ کتاب حضرت سیِّدُنا شیخ ابو طالب مکّی رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْه فرماتے ہیں:) مجھے خَدْشہ ہے کہ دورانِ سَفَر اُونٹوں کی اَموات کا ایک سَبَب یہ کجاوے بھی ہیں، کیونکہ یہ بَہُت بھاری ہوتے ہیں اور ایک کجاوہ چار چار بندوں کے وَزْن کے برابر، بلکہ زیادہ ہی ہوتا ہے۔اس پر طویل سَفَر کی مَشَقَّت اور کھانے کی قِلَّت۔

سواری پر سونا کیسا؟

بہتر تو یہی ہے کہ (حاجی) سواری پر نہ سوئے، کیونکہ کہا جاتا ہے کہ سواری پر سونا اُونٹ کے لئے بوجھ ہے۔ اَہْلِ تقویٰ سواریوں پر نہیں سوتے تھے، البتہ! بیٹھے بیٹھے اونگھ لیتے تھے اور اس پر زیادہ دیر تک بھی نہ بیٹھتے کہ یہ بھی سواری کے لیے اَذِیَّت کا باعث ہوتا ہے۔ ایک رِوایت میں رسولِ پاک صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم کا فرمانِ نصیحت نشان ہے: اپنے جانوروں کی پیٹھوں کو کرسیاں نہ بناؤ۔[1]

[1] ......مصنف ابن ابی شیبة، کتاب الادب، فی طول الوقوف علی الدابة، ٦/ ١٦٢، حدیث: ١

طے شدہ بوجھ سے زیادہ لادنا کیسا؟

(حاجی کو چاہئے کہ) کرائے پر لیے ہوئے جانور پر وُہی بوجھ لادے جو جانور کے مالِک سے طے ہوا ہو یا اس سے اِجازت لی گئی ہو۔چُنانچہ،

حضرت سَیِّدُنا عبداللہ بن مبارک رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ (کہیں جانے لگے تو ان) سے ایک شخص نے عَرْض کی: میرا یہ خط فلاں تک پہنچا دیجئے گا۔ اس پر آپ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ نے فرمایا: (ٹھہرو!) میں سواری کے مالِک سے اِجازت لے لوں، کیونکہ میں نے یہ جانور کرائے پر لیا ہے۔

سواری کا بھی خیال رکھئے

(حاجی کو چاہئے کہ) صُبْح وشام سواری کے جانور سے اتر جایا کرے کہ اس سے اسے راحت ملے گی، نیز یہ سُنَّت بھی ہے اور اس بارے میں اَسلاف کے اَقْوال بھی ملتے ہیں۔ بعض سَلَف صَالِحِین تو اس شَرْط پر جانور کرائے پر لیتے تھے کہ جانور سے نہیں اتریں گے، اس کے باوُجود وہ جانور کو آرام دینے کے لیے اُتر جاتے تھے تاکہ ان کا یہ عَمَل (بروزِ قیامت) ان کے میزان میں نیکی شُمار ہو۔

پیدل حج افضل ہے یا سوار؟

بعض عُلَمائے ظاہِر فرماتے ہیں: سوار ہو کر حج کرنا اَفْضَل ہے کیونکہ اس میں مال خَرْچ کرنا بھی ہے اور مَشَقَّت بھی۔ نیز اس میں نَفْس کو زیادہ تکلیف کا سامنا نہیں کرنا پڑتا اور نہ وہ اَذِیَّت میں مُبْتَلا ہوتا ہے، بلکہ یہ طریقہ سلامتی کے زیادہ قریب ہے اور اس سے حج بھی مُکَمَّل کرنا آسان ہے۔

صاحب کتاب کی رائے

(صَاحِبِ کتاب حضرت سَیِّدُنا شیخ ابُو طالِب مَکّی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں) میرے نزدیک سوار ہو کر حج کرنا اَفْضَل ہے یا پیدل؟ یہ مسئلہ ایسے ہی ہے جیسا کہ یہ مسئلہ ہے کہ سَفَر میں روزہ رکھنا اَفْضَل ہے یا نہ رکھنا؟ چُنانچہ حاجی کے لیے پیدل چلنا اس صُورَت میں اَفْضَل ہے جبکہ تنگ دِلی ومَشَقَّت محسُوس کرے نہ اس میں بد اَخلاقی پیدا ہو۔ کیونکہ سَفَر میں خوش اَخلاقی اور وُسْعَتِ قلبی کا ہونا زیادہ فضیلت کا باعث ہے اور چونکہ سَفَر میں لوگوں کی

حالتیں مُختَلِف ہوتی ہیں کہ بعض پیدل چلنے میں تنگی محسُوس کرتے ہیں اور ان میں صَبر کی بھی کمی ہوتی ہے یا پیدل چلنا ان کی عادت نہیں ہوتی تو اس صُورت میں ایسے لوگوں کے لیے سواری پر حج کرنا اَفضَل ہے۔

مکی کے لیے پیدل عمرہ کرنا افضل ہے یا سوار ہو کر؟

(مزید فرماتے ہیں) میں نے مکہ شریف میں ایک متقی وپرہیزگار مفتی صاحب سے ان عمروں کے مُتَعَلِّق پوچھا کہ جن کی ادائیگی کے لیے لوگ مکہ شریف سے (احرام باندھنے کے لیے) مقامِ تنعیم جاتے ہیں یعنی اس جگہ جسے مَسجِدِ عائشہ کہتے ہیں اور جو اَہلِ مکہ کے لیے سارا سال مِیقات[1] کی حَیثِیَّت رکھتا ہے، کہ وہاں سے پیدل عمرہ کرنا اَفضَل ہے یا کرائے کی سواری پر عمرہ کرنا اَفضَل ہے؟ تو انہوں نے جواب اِرشاد فرمایا: اس کا حُکم لوگوں پر مَشَقَّت کے اِعتِبار سے مُختَلِف ہے، چُنانچِہ اگر کسی پر پیدل چلنے سے دِرہَم خَرچ کرنا زیادہ مَشَقَّت کا باعث ہو تو اس کے لیے کرائے کی سواری پر عمرہ کرنا اَفضَل ہے، کیونکہ اس میں نَفس پر جبر کے ساتھ ساتھ مَشَقَّت بھی پائی جا رہی ہے۔ لیکن جس پر پیدل چلنا مُشکِل ہو تو اس کے لئے پیدل چلنا اَفضَل ہے کہ اس میں زیادہ مَشَقَّت ہے۔ پھر انہوں نے فرمایا کہ دولت مند اور عیش پرست لوگوں کی حالتیں بھی مُختَلِف ہوتی ہیں، مگر ان پر بھی پیدل عمرہ کرنا ہی اَفضَل ہے۔

حاصل کلام

(صاحِبِ کتاب حضرت سیِّدُنا شیخ ابو طالب مکّی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں:) بہر حال میرے نزدیک پیدل عمرہ کرنا ہی اَفضَل ہے، اسی طرح جو شخص پیدل چل کر حج کرنے کی طاقت رکھتا ہو اس کے لیے پیدل حج کرنا اَفضَل ہے، بشرطیکہ پیدل چلنے میں اسے کوئی تکلیف نہ ہو اور اسے کوئی ذہنی و قلبی پریشانی لاحق نہ ہو۔

آخری زمانے کے حاجی

اَہلِ بَیتِ اَطہار میں سے کسی سے مَروِی ہے کہ سرکارِ مدینہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اِرشاد فرمایا: آخری

[1]......میقات اُس جگہ کو کہتے ہیں کہ مکہ معظمہ کے جانے والے کو بغیر احرام وہاں سے آگے جانا جائز نہیں اگرچہ تجارت وغیرہ کسی اور غرض سے جاتا ہو۔ (بہار شریعت، حصہ ٦، ١/١٠٦٧)

زمانے میں چار قسم کے لوگ حج کے لئے نکلیں گے: بادشاہ عیش و عشرت کے لئے، دولت مند تجارت کے لئے، فُقَرا مانگنے کے لئے اور قُرّا شُہرت و دِکھاوے کے لئے۔[1]

حج، نماز، اذان اور جہاد کی اجرت لینا کیسا؟

حج کی اُجرت لینا بے حد ناپسندیدہ بات ہے کہ کوئی شخص دنیا کا مال لے کر کسی کو اپنے حصّے کی مَشَقَّت اور اَجر دے دے۔ کئی عُلَمائے کرام نے اسے مَکْرُوہ قرار دیا ہے، کیونکہ یہ اُخْرَوِی عَمَل ہے اور اس کے ذریعے **اللہ** پاک کا قُرب حاصل کیا جاتا ہے، نیز یہ نماز، اَذان اور جہاد کے قائم مقام ہے (کہ جس طرح ان اَعمال کی اُجرت لینا جائز نہیں، اسی طرح حج کی اُجرت لینا بھی دُرُست نہیں)۔ لِہٰذا حج پر اُجرت بِالکُل نہ لے بلکہ آخِرت میں اَجر کی اُمِّید رکھے۔ چُنانچہ،

مَرْوِی ہے کہ تاجدارِ رِسالت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے حضرت سَیِّدُنا عثمان بن ابی العاص رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہ سے اِرشاد فرمایا: مُؤَذِّن ایسا رکھنا جو اَذان پر اُجرت نہ لے۔[2]

ایک بار آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے ایک ایسے شخص کے مُتَعَلِّق پوچھا گیا جس نے جِہاد کیا مگر بدلے میں تین دینار لے لئے تو آپ نے اِرشاد فرمایا: اس کے لیے دنیا و آخِرت میں سے صِرف وُہی حِصّہ ہے جو اس نے لے لیا۔[3]

اگر بندے کی نِیَّت آخِرت کی ہو یا اس کی فِکْر اور سوچ میں یہی بات ہو اور وہ اسی کے لیے کوشش کرے تو بے شک **اللہ** پاک آخِرت کی نِیَّت پر دنیا بھی عطا فرما دیتا ہے مگر دنیا کی نِیَّت پر آخِرت عطا نہیں فرماتا۔ البتہ! مجھے اُمِّید ہے کہ وہ اسے بھی وُسعت عطا فرما دے گا۔[4]

حج ایک جنتی تین

سرکار مدینہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا فرمانِ مغفِرت نِشان ہے: **اللہ** پاک ایک حج کے بدلے تین بندوں کو

---

[1] ....تاریخ بغداد، ١٠/ ٢٩٥، رقم: ٥٤٣٣: عبد الرحمن بن الحسن ابو القاسم السرخسی، بتغیر

[2] ....ابو داود، کتاب الصلاۃ، باب اخذ الاجر علی التاذین ١/ ٢٢٣، حدیث: ٥٣١

[3] ....ابو داود، کتاب الجهاد، باب فی الرجل یغزو باجر الخدمة، ٣/ ٢٤، حدیث: ٢٥٢٧

[4] ....الزهد لابن المبارک، باب هوان الدنیا علی اللہ، ص ١٩٣، حدیث: ٥٤٩

جَنَّت میں داخِل فرمائے گا: ﴿1﴾ حج کی وَصِیَّت کرنے والے کو ﴿2﴾ اسے نافِذ کرنے والے کو اور ﴿3﴾ اس وَصِیَّت پر عَمَل کرنے والے کو (یعنی وَصِیَّت کرنے والے کی طرف سے حج ادا کرنے والے کو)۔[1] اس لیے کہ اس کی نِیَّت یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کے فَرْض کو ادا کرکے اس کی نجات کا سامان کر رہا ہے۔

اجرتی مجاہد کی مثال

ایک رِوایَت میں ہے: وہ مُجاہِد جو راہِ خُدا میں جِہاد کرنے پر اُجْرَت لیتا ہے اس کی مِثال حضرت سَیِّدُنا موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام کی ماں کی سی ہے جو اپنے ہی بیٹے کو دودھ پلاتیں اور اُجْرَت بھی لیتی تھیں۔[2] بشرطیکہ اس کی نِیَّت جِہاد کی ہو اور وہ مال اور خَرْچ کا حاجَت مند بھی ہو۔

اجرت لینے میں جواز کی صورت

اسی طرح جس کی حج میں نِیَّت یہ ہو کہ وہ طواف و عمرہ کے ذَرِیعے آخِرَت اور قُرْبِ الٰہی چاہے اور اپنے اُوپر فَرْضِ حج کی ادائیگی کے بعد حج پر اُجْرَت لے تو اب اس کا اُجْرَت لینا نقصان دِہ نہیں۔ اِنْ شَآءَ اللہ[3]

---

[1] ......شعب الایمان، باب فی المناسک، فضل الحج والعمرۃ، ۳/ ۴۸۰، حدیث: ۴۱۲۳

[2] ......مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الجھاد، ما ذکر فی فضل الجھاد والحث علیہ، ۴/ ۵۹۶، حدیث: ۲۲۸

[3] ......صدر الشریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ بہار شریعت میں فرماتے ہیں: "طاعت و عبادت کے کاموں پر اجارہ کرنا جائز نہیں مثلاً اذان کہنے کے لیے امامت کے لیے قرآن وفقہ کی تعلیم کے لیے حج کے لیے یعنی اس لیے اجیر کیا کہ کسی کی طرف سے حج کرے۔ متقدمین فقہا کا یہی مسلک تھا مگر متاخرین نے دیکھا کہ دین کے کاموں میں سستی پیدا ہو گئی ہے اگر اس اجارہ کی سب صورتوں کو ناجائز کہا جائے تو دین کے بہت سے کاموں میں خلل واقع ہو گا اُنہوں نے اس کلیہ سے بعض امور کا استثنا فرما دیا اور یہ فتویٰ دیا کہ تعلیم قرآن وفقہ اور اذان وامامت پر اجارہ جائز ہے کیونکہ ایسا نہ کیا جائے تو قرآن وفقہ کے پڑھانے والے طلبِ معیشت میں مشغول ہو کر اس کام کو چھوڑ دیں گے اور لوگ دین کی باتوں سے ناواقف ہوتے جائیں گے۔ اسی طرح اگر مؤذن وامام کو نوکر نہ رکھا جائے تو بہت سی مساجد میں اذان وجماعت کا سلسلہ بند ہو جائے گا اور اس شعار اسلامی میں زبردست کمی واقع ہو جائے گی۔ اسی طرح بعض علمانے وعظ پر اجارہ کو بھی جائز کہا ہے اس زمانہ میں اکثر مقامات ایسے ہیں جہاں اہل علم نہیں ہیں اِدھر اُدھر سے کبھی کوئی عالم پہنچ جاتا ہے جو وعظ وتقریر کے ذریعہ اُنھیں دین کی تعلیم دے دیتا ہے اگر اس اجارہ کو ناجائز کر دیا جائے تو عوام کو جو اس ذریعہ سے کچھ علم کی باتیں معلوم ہو جاتی ہیں اس کا انسداد ہو جائے گا۔ یہاں یہ بتا دینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ جب اصل مذہب

دشمنانِ دین کی مدد کرنا کیسا؟

حج کے فضائل میں سے یہ بھی ہے کہ مال دے کر اللہ پاک کے ان دشمنوں کی مَدَد نہ کرے جو مَسْجِدِ حَرام سے روکنے والے ہیں، انہیں مال دے کر ان کی مَدَد کرنا اور مزید مَضْبُوط کرنا خود اس کام میں مَدَد کرنے کے قائم مَقام ہے۔ مَسْجِدِ حَرام سے روکنا یہ ہے کہ کوئی حاجیوں کو آنے نہ دے، ان کا مُحاصَرہ کر لے اور مال لے کر ہی جانے دے تو اس سے چھٹکارے کی تدبیر کرنی چاہئے۔

عُلَمائے کِرام میں سے کسی کا قول ہے: اگر نفلی حج چھوڑ دے اور راستے سے واپَس آ جائے تو یہ ظالموں کی مَدَد کرنے سے اَفضَل ہے۔ اس لیے کہ ایسا کرنا دین میں مُداخَلَت اور اَہلِ ایمان کی راہ میں رُکاوَٹ پیدا کرنا ہے، نیز لینے اور دینے والے دونوں ایسا کام کر رہے ہیں جس کی شَریعَت میں کوئی اَصْل نہیں۔

(صاحِبِ کتاب حضرت سیِّدُنا شیخ ابُو طالِب مَکّی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں:) حقیقت بھی یہی ہے جیسا کہ انہوں نے اِرشاد فرمایا ہے، کیونکہ اس بدْعَت کو سنّت اور ذِلّت و رُسْوائی کا سَبَب بنا دیا گیا ہے۔ چونکہ ایسا کرنے والا حَرَمِ پاک میں ایک بہُت بڑے جُرْم پر مُعاوَنَت کا سَبَب بنتا ہے، لہٰذا جس شخص نے اپنا فَرْض حج ادا کر لیا ہو اور اب وہ نفلی حج کے لیے جانا چاہتا ہو تو ایسا نہ کرے۔ اگر اس نے ایسا کیا تو گویا وہ بھی اِسْلَام اور مسلمانوں کو ذلیل و رُسْوا کرنے اور ان سے جزیہ لینے دینے کے جُرْم میں شامل ہے۔ حالانکہ اللہ پاک کے پیارے حبیب صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے مَرْوِی ہے کہ ہر مسلمان اِسْلَام کی کسی سرحد پر ہے، اگر تمام مسلمان اس کی حِفَاظَت کو چھوڑ دیں تب تم ثابِت قَدَم رہنا تاکہ تمہاری طرف سے اِسْلَام پر یلغار نہ ہو۔[1]

ایک مَشْہُور حدیثِ پاک میں ہے کہ تمام مسلمان فردِ واحِد کی طرح ہیں اور مسلمانوں میں ایک مسلمان جِسْم میں سر کی مِثْل ہے، جب سر میں دَرْد ہو تو پورا جِسْم دَرْد محسُوس کرتا ہے اور جِسْم میں دَرْد ہو تو سر بھی دَرْد

یہی ہے کہ یہ اجارہ ناجائز ہے ایک دینی ضرورت کی بنا پر اس کے جواز کا فتویٰ دیا جاتا ہے تو جس بندہ خدا سے ہو سکے کہ ان امور کو محض خالصاً لِوَجْہِ اللہ انجام دے اور اجرِ اُخروی کا مستحق بنے تو اس سے بہتر کیا بات ہے پھر اگر لوگ اس کی خدمت کریں بلکہ یہ تصوّر کرتے ہوئے کہ دِین کی خدمت یہ کرتے ہیں ہم ان کی خدمت کر کے ثواب حاصل کریں تو دینے والا مستحقِ ثواب ہو گا اور اُس کو لینا جائز ہو گا کہ یہ اُجرت نہیں ہے۔ (بہارِ شریعت، حصہ ۱۴، ۳/۱۴۵، ۱۴۶)

[1] ......السنۃ للمروزی، ص ۱۳، ۱۴، حدیث: ۲۸، ۳۰

کرنے لگتا ہے۔[1]

رخصت کے قائلین کو جواب

(صاحِبِ کتاب حضرت سیِّدُنا شیخ ابو طالب مکی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں:) مَنْ گُوْرہ صُورَت میں بعض اَفراد رُخصَت کے قائل ہیں اور وہ اس کی تاویل میں یہ کہتے ہیں کہ عمرہ و حج کے لیے جانے والا شخص پیسے دے کر جانے پر مَجْبُور ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں، کیونکہ اگر وہ لوٹ آئے تو اس سے کچھ نہیں لیا جاتا۔ اسی طرح اگر وہ عیاش لوگوں کی طرح یعنی کجاووں میں نہ جائے تو بھی اس سے کچھ نہ لیا جائے گا۔ چُنانچہ اس صُورَت میں پیسے دے کر جانا مجبوری نہ ہوئی، بلکہ اپنی مرضی واِخْتِیار سے وہ ایسا کر رہے ہیں۔

یہ اپنے اعمال کی سزا ہے

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایسے لوگوں کا اس گناہ کا مُرتَکِب ہونا انہی کے اَعمال کی سزا ہو کہ انہوں نے اونٹوں پر ان کی طاقت سے زیادہ بوجھ ڈال رکھے ہیں یعنی اونٹوں پر چھت دار کمرے بنا رکھے ہیں۔ گویا اُونٹ آدمی کو اور اس کے کجاوے دونوں کو اٹھائے ہوئے ہے اور یوں وہ اس پر چار بلکہ اس سے بھی زیادہ اَفراد کے وَزن کے برابر بوجھ لادے ہوئے ہیں جو اسے موت کے منہ کی طرف لیے جا رہا ہوتا ہے۔ ان سے اُونٹ کے قَتْل کا مُطالَبہ ہو گا، کیونکہ جو شخص اُونٹ پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ ڈالتا ہے اس سے اس کا حِساب لیا جائے گا اور پوچھا جائے گا۔

یہ بھی مُمکِن ہے کہ حج و عمرہ کی ادائیگی کے لیے بھتہ اَدا کرنے کے گناہ کا سَبَب یہ ہو کہ لوگ اب حج و عمرہ پر جاتے ہیں تو مَحْض تِجارَت کے لیے اور فضول اَسباب و مشتبہ اَموال کے لیے۔ یا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اب ان کی نِیَّت دُرُست نہ رہی ہو اور مقْصُود بھی صحیح نہ ہو۔

اونٹ کو گواہ بنایا

حضرت سیِّدُنا ابو درداء رَضِیَ اللہُ عَنْہ کے مُتَعلِّق مَرْوِی ہے کہ ان کا اونٹ مرنے لگا تو انہوں نے اس سے

---

[1] ......الزهد لابن المبارک، باب ماجاء فی الشح، ص ۲۴۱، حدیث: ۶۹۳ بتغیر قلیل

فرمایا: اے اُونٹ! اپنے ربّ کی بارگاہ میں مجھ سے نہ جھگڑنا، میں نے کبھی تجھ پر تیری طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں لادا۔[1]

گناہ کی سزا

(صاحِبِ کتاب حضرت سیِّدُنا شیخ ابو طالب مکی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں:) بسا اَوقات **اللہ** پاک کسی گناہ پر ایسی سزا عَطا فرماتا ہے کہ بندہ اسی کی مثل یا اس سے بھی بڑے گناہ کا مُرتَکِب ہو جاتا ہے۔

مزید آدابِ حج

حاجی کو چاہیے کہ مَشاعِر و مَناسِکِ حج میں غُبار آلود و پراگندہ بال رہے کہ یہ سنّت ہے۔ راستے میں اور مَناسِکِ حج کی اَدائیگی میں بھی ہر وَقْت ذِکْرِ خُداوندی میں مَشْغُول رہے اور غافِلین کو بھی یاد کراتا رہے۔ لوگوں کا ذِکْر کم کرے، بلکہ بے کار باتیں کرنے سے بہتر ہے خاموشی کو لازِم پکڑ لے، وُہی کام کرے جو ضَروری ہو اور غیر ضَروری کاموں میں بِالکُل مُداخَلَت نہ کرے۔ اگر نیکی کرنے کا کوئی مَوْقَع پائے تو دوسروں کو بھی اس پر عَمَل کا حُکْم دے یا اگر کہیں بُرائی دیکھے تو اس سے مَنْع کرے۔ یہ ایسی باتیں ہیں جن پر عَمَل سے حج کی فضیلت دُگنی ہو جاتی ہے اور حاجی کو بھی بُلَند دَرَجات حاصِل ہوتے ہیں۔

حجِ قِران کی فضیلت

مُسْتَحَب یہ ہے کہ حاجی حجِ قِران کرے، یعنی اپنی میقات سے حج اور عمرے دونوں کا اِحْرَام باندھے، اس لیے کہ اس میں **اللہ** پاک کا قُرْب عَطا کرنے والی ہدی (قربانی) لازِم ہوتی ہے اور اس لیے بھی کہ اس صُورَت میں بندہ میقات سے دو مَناسِک (یعنی حج و عمرہ) کو ایک اِحْرَام میں جَمْع کرنے والا بن جاتا ہے اور اب وہ عمرہ بھی کرے گا، کیونکہ قرآنِ کریم میں حج کے ساتھ عمرے کا ذِکْر بھی آیا ہے اور اس لیے بھی کہ بہُت سے عُلَمائے کرام کے نزدیک عمرہ حج کی طرح فَرْض ہے۔ سَلَف صالِحِین کی ایک جَماعَت کے نزدیک حج سے پہلے عمرہ کرنا مُسْتَحَب ہے اور ان لوگوں میں حضرت سیِّدُنا اِمام حسن بصری، حضرت سیِّدُنا عطا، حضرت سیِّدُنا

---

[1] ......الزھد لابن المبارک، باب فضل ذکر اللہ، ص ۳۱۴، حدیث: ۱۱۷۳

ابن سیرین اور حضرت سَیِّدُنا امام نخعی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیۡہِم بھی شامل ہیں۔

حضرت سَیِّدُنا اَنس بن مالک رَضِیَ اللہُ عَنۡہ سے مَرْوِی ہے کہ رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے بھی حج قِران فرمایا، یعنی حج و عمرہ کا اِحْرام اِکٹھا باندھا اور دونوں کے لیے اِکٹّھی تکبیر کہی (یعنی لَبَّیْكَ کہا)۔[1]

اہل علم سے مشورہ کرنا مفید ہے

حضرت سَیِّدُنا صَبِی بِن مَعْبَد رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیۡہ فرماتے ہیں کہ میں نے عمرے کا اِرادہ کیا تو اَہلِ علم میں سے کسی نے مجھے مَشْوَرہ دیا کہ میں پہلے حج کروں، چُنَانْچِہ میں نے ایک فقیہ سے اس کے مُتَعَلِّق مَشْوَرہ کیا تو انہوں نے مجھے حُکْم دیا کہ میں حج اور عمرے دونوں کا اِکٹھا اِحْرام باندھوں۔ لہٰذا میں نے ایسا ہی کیا اور دونوں کے لیے تلبیہ کہنے لگا۔ یہاں تک کہ جب ہم اَمیرُ الْمُؤمنین حضرت سَیِّدُنا عُمَر فَارُوق اَعْظَم رَضِیَ اللہُ عَنۡہ کی خِدْمَت میں حاضِر ہوئے تو میں نے انہیں ساری بات بتادی کہ میں نے ایسے کیا ہے، اس پر انہوں نے اِرشاد فرمایا کہ تو نے اپنے نبی کی سنّت کو پالیا ہے۔[2]

حج تمتع واِفراد کی فضیلت

اگر پہلے عمرہ کرے، پھر حَجِّ تَمَتُّع کی نِیَّت کرلے، یعنی اسی سال حج ادا کرے تو یہ بھی اَفْضَل ہے۔ عُلَما کی ایک جَمَاعَت نے اس طریقے کو پسند فرمایا ہے۔ لیکن اگر کوئی حج اِفراد کرے تو بھی اچھا ہے۔ جیسا کہ سرکارِ مدینہ صَلَّی اللہُ عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے مُتَعَلِّق حضرت عائشہ صِدِّیْقَہ اور حضرت جابر رَضِیَ اللہُ عَنۡہُمَا سے مَرْوِی ہے کہ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے حج اِفراد کیا[3] یعنی جب آپ حج سے فارِغ ہوگئے تو اپنے شہر کی میقات کی طرف واپس آئے اور وہاں سے پھر عمرے کا اِحْرام باندھا۔ چُنَانْچِہ اگر کوئی ایسا کرے تو یہ بھی اَچھّا ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

وَ اَتِمُّوا الْحَجَّ وَ الْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ؕ (پ۲، البقرۃ:۱۹٦) ترجمۂ کنز الایمان: اور حج اور عمرہ **اللہ** کے لئے پورا کرو۔

---

[1] ......مسلم، کتاب الحج، باب فی الافراد والقران بالحج والعمرۃ، ص ٦۴۷، حدیث: ۱۲۳۲

بخاری، کتاب الحج، باب التحمید والتسبیح ... الخ، ۱/ ۵۲۱، حدیث: ۱۵۵۱

[2] ......ابوداود، کتاب المناسک، باب فی الاقران، ۲/ ۲۲۷، حدیث: ۱۷۹۹

[3] ......مسلم، کتاب الحج، باب بیان وجوہ الاحرام ... الخ، ص ٦۲۷، حدیث: ۱۲۱۱

(صاحبِ کتاب حضرت سیِّدُنا شیخ اَبُو طالِب مَکّی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں:) اس آیتِ مُبارکہ سے مَعْلُوم ہوا کہ حج اور عمرہ کو الگ الگ ادا کرنے سے ہی یہ کامل طور پر پورا ہوں گے اور اس طرح پورا کرنے کے مُتَعَلِّق یہ قول اَمِیرُ الْمُومنین حضرت سیِّدُنا عُمَر فَارُوقِ اَعْظَم اور اَمِیرُ الْمُومنین حضرت سیِّدُنا عثمان غنی رَضِیَ اللہُ عَنْہُمَا سے مَرْوِی ہے۔

حجِ قران کا طواف

حجِ قِران میں چاہئے کہ حاجی حج کا طواف کرے اور ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ دو طواف اور دو بار سعی کرے۔ تاکہ عُلَمائے کرام کے اس مسئلہ میں مَوجُود اِخْتِلاف سے بچ جائے۔ اب یہ اس کی مرضی ہے چاہے دو طوافوں اور سعی کو ایک ہی بار کر لے یا الگ الگ کرے۔

تلبیہ

بندے کو چاہئے کہ اِحْرام کی حالت میں تلبیہ کی کَثْرَت کرے۔ کیونکہ اس حالَت میں سب سے اَفْضَل ذِکْر یہی ہے اور تلبیہ میں اپنی آواز کو بھی بُلَند رکھے۔ تلبیہ میں صحابۂ کرام سے یہ اَلْفَاظ بھی مَرْوِی ہیں: لَبَّیْكَ یَا ذَا الْمَعَارِجِ، لَبَّیْكَ حَجًّا حَقًّا، تَعَبُّدًا وَرِقًّا وَالرَّغْبَآءَ اِلَیْكَ وَالْعَمَل یعنی میں حاضِر ہوں اے بُلَندیوں کے مالِک! میں حاضِر ہوں حقیقی حج کی اَدائیگی کے لیے، بَنْدَگی بجالانے اور غلامی کا حق ادا کرنے کے لیے، تیری بارگاہ میں حاضری کے شوق اور فرائض پر عَمَل کے لیے۔

لیکن اگر کوئی تلبیہ میں وُہی اَلْفَاظ پڑھے جو رسولِ پاک صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے مَنْقُول ہیں تو یہی کافی ہیں اور زیادہ بہتر ہیں۔

قربانی کا حکم

حاجی کے لیے بہتر یہ ہے کہ قربانی بھی کرے اگرچہ واجِب نہ بھی ہو۔ جس جانور کا ذَبْح کرنا اس پر واجِب ہو، مَثَلًا حجِّ قِران یا حجِّ تَمَتُّع یا کفّارے کا دَم لازِم ہو تو اس جانور کا گوشت کھانے سے بچے اور اگر اس طرح کا کوئی واجِب لازِم نہ ہو تو قربانی کا گوشت کھانا اس کے لیے مُسْتَحَب ہے۔[1]

---

[1] ......ہدی اگر قران یا تمتع کا ہو تو اس میں سے کچھ کھا لینا بہتر ہے۔ یوہیں اگر نفل ہو اور حرم کو پہنچ گیا ہو۔ اور اگر حرم کو نہ پہنچا تو خود نہیں کھا سکتا، فقرا کا حق ہے۔ (بہار شریعت، حصہ ۶، ۱/ ۱۲۱۳) کفّارے (دم یا بدنہ) کی (قربانی) صرف محتاجوں

قربانی کے جانور کے عیوب

قربانی میں ان آٹھ عُیُوب کے پائے جانے سے بھی بچے کہ جو مُختَلِف روایات میں مَرْوِی ہیں۔ چُنانچہ جن جانوروں یہ عیب ہوں ان کی قربانی سے منع کیا گیا ہے اور وہ عیب یہ ہیں:

﴿1﴾ اَلْجَدْعَاء یعنی جس جانور کی ناک کٹی ہو یا کان کٹے ہوں۔

﴿2﴾ اَلْعَضْبَاء یعنی جس کے سینگ ٹوٹے ہوں یا کوئی پاؤں یعنی وہ لنگڑا ہو۔

﴿3﴾ اَلْجَرْبَاء یعنی جو خارِش زدہ ہو۔[1]

﴿4﴾ اَلشَّرْقَاء یعنی جس کا کان لمبائی میں چِرا ہو۔

﴿5﴾ اَلْخَرْقَاء یعنی جس کے کان میں گول سوراخ ہو۔

﴿6﴾ اَلْمُقَابَلَة یعنی جس کے کان کا اگلا کچھ حصہ کٹا ہو لیکن الگ نہ ہوا ہو۔

﴿7﴾ اَلْمُدَابَرَة یعنی جس کے کان کا پچھلا حصہ کٹا ہو لیکن الگ نہ ہوا ہو۔

﴿8﴾ اَلْعَجْفَاء یعنی جو اتنا دبلا و کمزور ہو کہ ہڈیوں میں گودا نہ رہے[2]۔[3]

کا حق ہے۔ (فتاوی رضویہ، ۱۰/ ۷۶۲)

[1] ......ابن ماجه، كتاب الاضاحى، باب مايكره ان يضحى به، ۳/ ۵۳۸، حديث: ۳۱۴۲

ابوداود، كتاب الضحايا، باب مايكره من الضحايا، ۳/ ۱۳۰، حديث: ۲۸۰۵۔ معجم اوسط، ۲/ ۷۴، ۳، حديث: ۳۵۷۸، نحوه

[2] ......**احناف کے نزدیک:** جس جانور کی ناک کٹی ہو اس کی قربانی ناجائز ہے۔ جس جانور کا پیدائشی ایک کان نہ ہو یا کان تہائی سے زیادہ کٹا ہو اس کی قربانی ناجائز ہے اور تہائی یا اس سے کم کٹا ہو تو جائز ہے۔ جس کے پیدائشی سینگ نہ ہوں اس کی قربانی جائز ہے اور اگر سینگ تھے مگر ٹوٹ گیا اور جڑ تک ٹوٹا ہے تو ناجائز ہے اس سے کم ٹوٹا ہے تو جائز ہے۔ لنگڑا جانور جو قربان گاہ تک اپنے پاؤں سے نہ جا سکے اس کی قربانی ناجائز ہے۔ خارشی جانور کی قربانی جائز ہے جبکہ فربہ ہو۔ (بہار شریعت، حصہ ۱۵، ۳/ ۳۴۰-۳۴۱ ملتقطا) جس جانور کا کان لمبائی میں چِرا ہو یا کان کا اگلا یا پچھلا کچھ حصہ کٹا لیکن الگ نہ ہوا ہو اس کی قربانی جائز ہے۔ حدیث پاک میں جو ممانعت ہے اس سے مراد یہ ہے کہ ان تینوں عیبوں سے پاک جانور کی قربانی کرنا مستحب ہے اور یہ کہ کان کا گول سوراخ اگر بڑا ہو تو ممانعت ہے۔ (الفتاوى الهندية، كتاب الاضحية، ۳/ ۲۹۸) جو جانور اتنا لاغر (کم زور) ہو کہ ہڈی میں مغز نہ رہا اس کی قربانی جائز نہیں۔ (بہار شریعت، حصہ ۱۵، ۳/ ۳۴۰)

[3] ......ابن ماجه، كتاب الاضاحى، باب مايكره ان يضحى به، ۳/ ۵۳۸، حديث: ۳۱۴۲

ترمذى، كتاب الاضاحى، باب مالا يجوز من الاضاحى، ۳/ ۱۶۲، حديث: ۱۵۰۲

قربانی کا جانور کیسا ہو؟

فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

وَ مَنْ یُّعَظِّمْ شَعَآىٕرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ﴿۳۲﴾ (پ۱۷، الحج: ۳۲)

ترجمۂ کنزالایمان: اور جو اللہ کے نشانوں کی تعظیم کرے تو یہ دلوں کی پرہیز گاری سے ہے۔

(صاحبِ کتاب حضرت سیِّدُنا شیخ ابو طالب مکی رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْه فرماتے ہیں:) اس آیتِ مبارکہ کی تفسیر میں منقول ہے کہ یہاں شَعَائِرُ اللّٰه کی تعظیم سے قربانی کے عُمدہ اور موٹے جانور مُراد ہیں۔[1]

قربانی میں افضل جانور

سب سے اَفضل اُونٹ کی قربانی ہے، پھر گائے کی، پھر سفید رنگ کے سینگوں والی مینڈھے کی۔ پھر بکری یا بکرے کی جس کی عمر کم از کم ایک سال ہو۔ اگر کوئی میقات سے قربانی کا جانور لے جائے تو یہ اَفضل ہے جبکہ مَشَقَّت اور دشواری نہ ہو۔

بعض اسلاف قیمت کم نہ کرواتے

بُزُرگانِ دِین تین چیزوں میں قیمت زیادہ دیتے اور کم کرانے کو ناپسند کرتے تھے: (1) ہدی (2) قربانی کا جانور اور (3) غلام۔ قیمت کم نہ کروانے کی وجہ یہ تھی کہ ان تینوں میں جس کی قیمت زیادہ ہوتی ہے وہ مالِک کے نزدیک زیادہ عُمدہ واعلیٰ ہوتا ہے۔

سیِّدُنا فاروقِ اعظم اور 300 دینار

حضرت سیِّدُنا عبداللّٰه بن عمر رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا سے مَروی ہے کہ اَمیرُ الْمُومِنین حضرت سیِّدُنا عُمَر فَارُوقِ اَعْظَم رَضِیَ اللّٰهُ عَنْه ہدی (حرم میں کی جانے والی قربانی) کے لئے ایک عُمدہ اُونٹ لائے، تو کسی نے آپ سے اس جانور کو 300 دینار میں بیچ دینے کو کہا، چُنانچہ آپ نے رسولِ اکرم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم کی خِدمت میں حاضر ہو کر پوچھا کہ کیا وہ یہ اُونٹ بیچ کر دوسرا خرید لیں۔ تو آپ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم نے انہیں منع کرتے ہوئے

---

[1] ......تفسیر الطبری، سورۃ الحج، تحت الآیۃ: ۳۲، ۹/۱۴٦، حدیث: ۲۵۱۴۲

اِرشاد فرمایا: اسی کی قربانی کرو۔[1]

قربانی بھلے ایک ہو مگر عمدہ ہو

اَلْغَرَض ہدی کے جانور کے اِنْتِخاب میں سنّت بھی یہی تھی اور ربِ کریم کی عِبَادَت بجالانے میں حُسْنِ اَدَب کا تقاضا بھی یہی تھا کہ زیادہ کی خواہش میں عُمْدَہ جانور تبدیل نہ کیا جاتا، اس لئے کہ تھوڑی اعلیٰ چیز زیادہ ادنیٰ چیز سے بہتر ہے اور 300 دینار کے 30 جانور آسکتے تھے۔ لہٰذا عُمْدَہ و خالص ایک جانور کم قیمت زیادہ جانوروں سے بہتر ہے۔

قربانی کی فضیلت

حضرت سَیِّدُنا جابر بن عبداللہ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ سے مَرْوِی ہے کہ سرکارِ مدینہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے عَرْض کی گئی: حج کی نیکی کیا ہے؟ تو آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اِرشاد فرمایا: **اَلْعَجُّ وَالثَّجُّ۔ اَلْعَجُّ** یعنی بُلَند آواز سے تلبیہ کہنا اور **اَلثَّجُّ** یعنی جانور کی قربانی کرنا۔[2]

اُمُّ الْمُؤمِنِین حضرت سَیِّدَتُنا عائشہ صِدِّیْقَہ رَضِیَ اللہُ عَنْہَا سے مَرْوِی ہے کہ سرکارِ مدینہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: انسان بقر عید کے دن کوئی ایسی نیکی نہیں کرتا جو **اللہ** پاک کو خون بہانے سے زیادہ پیاری ہو، یہ قربانی قِیامت میں اپنے سینگوں اور کھروں کے ساتھ آئے گی اور قربانی کا خون زمین پر گرنے سے پہلے **اللہ** پاک کے ہاں مقبول ہو جاتا ہے، لہٰذا خوش دلی سے قربانی کیا کرو۔[3] ایک رِوایت میں ہے: قربانی کے جانور کی اُون کے ہر بال اور خون کے ہر قطرے کے بدلے ایک نیکی ہے۔ یہ نیکیاں میزان میں رکھی جائیں گی، پس تمہارے لئے خوشخبری ہے۔[4]

---

[1] ......ابوداود، کتاب المناسک، باب تبدیل الھدی، ۲/ ۲۰۷، حدیث: ۱۷۵۶

[2] ......مسند بزار، مسند ابی بکر الصدیق، ۱/ ۱۴۲، حدیث: ۷۲

[3] ......ترمذی، کتاب الاضاحی، باب ماجاء فی فضل الاضحیۃ، ۳/ ۱۶۲، حدیث: ۱۴۹۸

[4] ......ابن ماجہ، کتاب الاضاحی، باب ثواب الاضحیۃ، ۳/ ۵۳۱، حدیث: ۳۱۲۷

مسند عبد بن حمید، مسند ابی الحسن علی بن ابی طالب، ص ۵۵، حدیث: ۷۸

کس جانور کی کب قربانی کی جائے؟

بھیڑ کے بچے کی قربانی کی جاسکتی ہے اگرچہ وہ سال بھر سے کچھ کم کا ہو۔ جبکہ بکری، گائے اور اونٹ کی قربانی میں ان کا ثَنِی ہونا ضروری ہے۔ یعنی بکری عمر کے اِعْتِبَار سے دوسرے سال میں ہو، گائے اور بیل کی عمر کا تیسرا سال شروع ہو، جبکہ اُونٹ پانچویں سال میں ہو۔[1]

اپنے شہر سے احرام باندھنا کیسا؟

اگر حاجی نے اپنے شہر سے اِحْرام باندھا تو اس کے مُتَعَلِّق مَنْقُول ہے کہ ایسا کرنا حج وعمرہ کی کامل ادائیگی میں سے ہے اور اسے عَزِیمت شُمار کیا گیا ہے۔ چُنَانْچِہ،

فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

وَ اَتِمُّوا الْحَجَّ وَ الْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ؕ (پ ۲، البقرة: ۱۹۶) ترجمۂ کنز الایمان: اور حج اور عمرہ اللہ کے لئے پورا کرو۔

اَمِیْرُ الْمُؤمِنِین حضرت سَیِّدُنا عُمَر فَارُوق، اَمِیْرُ الْمُؤمِنِین حضرت سَیِّدُنا علی المرتضٰی اور حضرت سَیِّدُنا عبد اللہ بن مَسْعُود عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان اس آیتِ مُبارَکہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اگر گھر سے ہی اِحْرام باندھ کر چلے تو یہ حج کی تکمیل ہے۔

کن مقامات پر دعا مانگے

حاجی کو چاہئے کہ مَنَاسِکِ حج کی اَدائیگی میں دِل سے حاضِر ہو اور وہ مقامات جہاں دُعا قبول ہوتی ہے، ان پر بیدار مَغْزِی سے کام لے۔ جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

لِیَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَ یَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِیْۤ اَیَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ ترجمۂ کنز الایمان: تاکہ وہ اپنا فائدہ پائیں اور اللہ کا نام لیں جانے ہوئے دِنوں میں اس پر کہ انہیں روزی دی۔

(پ ۱۷، الحج: ۲۸)

---

[1] ...... قربانی کے جانور کی عمر یہ ہونی چاہیے اونٹ پانچ سال کا گائے دو سال کی بکری ایک سال کی اس سے عمر کم ہو تو قربانی جائز نہیں زیادہ ہو تو جائز بلکہ افضل ہے۔ ہاں دنبہ یا بھیڑ کا چھ ماہہ بچہ اگر اتنا بڑا ہو کہ دور سے دیکھنے میں سال بھر کا معلوم ہوتا ہو تو اس کی قربانی جائز ہے۔ (بہار شریعت، ۳/ ۳۴۰، حصہ ۱۵)

مناسکِ حج کی ادائیگی میں پیدل چلنا کیسا؟

حاجی کے لیے مُستحب یہ ہے کہ مکہ مکرمہ سے نکلنے کے بعد وُقُوفِ عرفات تک تمام مَشاعِر میں پیدل چلے اور اسی طرح طوافِ زِیارت کر کے مِنٰی کی طرف بھی پیدل ہی جائے۔ جن عُلَمائے کرام کے نزدیک حاجی کے لئے سوار ہو کر حج کرنا مُستحب ہے، ان کے نزدیک بھی حج مکمّل ہونے تک تمام مَناسِک میں مکہ شریف کی طرف پیدل چل کر جانا ہی مُستحب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت سیِّدُنا **عبدالله** بن عبّاس رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمَا نے بوَقْتِ وصال اپنے بیٹوں کو وَصِیَّت کرتے ہوئے اِرشاد فرمایا: اے میرے بیٹو! پیدل حج کرنا! کیونکہ پیدل حج کرنے والے کیلئے ہر قدم کے بدلے حَرم کی نیکیوں میں سے 700 نیکیاں ہیں۔ عرض کی گئی: حرم کی نیکیاں کیا ہیں؟ اِرشاد فرمایا: ایک نیکی ایک لاکھ نیکیوں کے برابر ہے۔

کب پیدل چلنا افضل ہے؟

ان اَوقات میں پیدل چلنا اَفْضَل ہے: ☜ مَسْجِد ابراہیم سے مَوقِف تک۔ ☜ مَوقِف سے مُزْدَلِفہ تک۔ ☜ طَوافِ اِفاضہ میں۔ ☜ دسویں ذی الحج کو مَشْعَرِ حَرام سے مِنٰی تک۔ ☜ اور رمی جِمار کے تمام دنوں میں۔

حج کے دن روزہ رکھنا کیسا؟

یومِ عرفہ یعنی نویں ذی الحج کو روزہ رکھنا بھی اَفْضَل ہے[1] بشرطیکہ دُعا اور تلبیہ کے ساتھ روزے کی بھی طاقت رکھتا ہو اور روزہ اس سے مانع نہ ہو۔ لیکن اگر روزے کی وجہ سے کمزور ہو جائے تو روزہ نہ رکھنا اَفْضَل ہے۔ چُنانچہ مَروِی ہے کہ اس دن **الله** پاک کے پیارے حبیب صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے روزہ نہ رکھا تھا۔[2] اسی طرح اَمِیْرُالْمُؤمِنِین حضرت سیِّدُنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہ نے روزہ رکھا تھا نہ اَمِیْرُالْمُؤمِنِین حضرت سیِّدُنا عُمَر فاروق اَعْظَم رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہ نے، البتہ! اَمِیْرُالْمُؤمِنِین حضرت سیِّدُنا عثمانِ غنی رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہ کا اس دِن روزہ تھا۔

---

1 ...... **احناف کے نزدیک:** حج کرنے والا جو عرفات میں ہے اُسے عرفہ کے دن کا روزہ مکروہ ہے۔ (بہار شریعت، حصہ ۱،۵/ ۱۰۱۰)

2 ...... ترمذی، کتاب الصوم، باب کراھیة صوم یوم عرفة بعرفة، ۲/ ۱۸۸، حدیث: ۷۵۰، بتغیر

عبرت حاصل کرے

حاجی کو چاہئے کہ اپنے راستے میں اللہ پاک کی نشانیوں کو دیکھ کر عِبرت حاصل کرے اور یہ دیکھ کر بھی عِبرت حاصِل کرے کہ اللہ پاک کی حِکمت و قُدرت سے مَخلوق میں کس قَدر تبدیلیاں رُونُما ہوتی ہیں اور اللہ پاک ہر لمحے و وَقت میں کس قَدر نئے نئے حالات پیدا فرماتا رہتا ہے۔ چُنانچہ ہر شے میں اس کے لیے عِبرت و نصیحت ہو گی۔ اس لیے کہ وہ راہِ آخِرت کی مثل راہ پر چل رہا ہوتا ہے، لہٰذا اسے چاہئے کہ ہر شے سے نصیحت حاصِل کرے اور ہر شے میں فطانت و ذِہانت اور بصیرت سے کام لے اور اپنے رب پاک کی بارگاہ کی طرف مُتوجّہ رہے، اس سے رَاہ نُمائی چاہے، اسے یاد کرتا رہے اور ہر شے میں اسی کا مُشاہدہ کرے، نیز اس کے اَحکام میں غور و فکر کرے، اس کی حِکمت و قُدرت کو بھی دیکھتا رہے۔

مقبول حج کی علامات

حضرت سیِّدُنا اِمام حسن بصری رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ سے عَرض کی گئی: مقبول حج کی علامت کیا ہے؟ تو آپ نے اِرشاد فرمایا: مقبول حج کی عَلامت یہ ہے کہ حاجی جب واپس لوٹے تو دنیا سے منہ موڑے ہو اور آخِرت کی طرف راغب ہو۔

مقبول حج کے اَوصاف کے مُتَعَلِّق مَنقُول ہے کہ اس سے مُراد یہ ہے کہ بندہ کسی کو تکلیف پہنچانا چھوڑ دے، اگر کوئی اسے تکلیف پہنچائے تو صَبر سے کام لے، نیکوں کی صُحبت اِختیار کرے اور زادِ راہ میں بُخل سے کام نہ لے۔

ایک قول کے مُطابِق حج کی قبولیّت کی ایک عَلامت یہ بھی ہے کہ بندہ جن نافرمانیوں میں مُبتَلا تھا انہیں چھوڑ دے، اپنے بُرے دوستوں کو چھوڑ کر نیکوں کی صُحبت اِختیار کرے اور لَہو ولَعب اور غَفلت کی مَجالس کو چھوڑ کر ذِکر و فکر اور بیداری کی مَحافِل اِختیار کرے۔

(صاحِبِ کتاب فرماتے ہیں:) جس کو ان مذکورہ اَعمال کے کرنے کی توفیق مل جائے تو یہ بات اس کے حج کے مقبول ہونے کی عَلامت ہے اور یہ اس بات کی بھی دلیل ہے کہ اس پر اللہ پاک کی نظرِ کَرَم ہے۔

سفرِ حج میں مصیبت پر صبر کرنے کی فضیلت

جسے سَفَرِ حج میں جان ومال کی مُصِیبَت پہنچے تو یہ بھی اس کے حج کے قبول ہونے کی دلیل ہے، کیونکہ سَفَرِ حج میں مُصِیبَت کا لاحِق ہونا (اور بندے کا اس پر صَبْر کرنا گویا کہ) راہِ خُدا میں خَرْچ کرنے کے برابر ہے کہ ایک دِرْہَم کے بدلے 700 دِرْہَم صَدَقَہ کرنے کا ثواب ملتا ہے۔ نیز یہ راہِ جِہاد میں تکلیف پہنچنے کی مِثْل ہے۔

طواف کے فضائل

حاجی کو چاہئے کہ کَثْرَت سے بَیْتُ الله شریف کا طواف کرے کہ طواف کے سات چکروں پر بندے پر 120 ایسی رحمتوں کا نُزُول ہوتا ہے کہ ان میں سے ہر رَحْمَت کے بدلے جو **الله** پاک چاہتا ہے ملتا ہے۔ کیونکہ **الله** پاک جس کو چاہتا ہے اپنی رَحْمَت کے ساتھ خاص فرماتا ہے اور کم از کم ہر رَحْمَت پر دس نیکیاں تو ضَرور ملتی ہیں۔ اس لیے کہ حضرت سَیِّدُنا اِبْنِ عباس رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا سے مَرْوِی ہے کہ سرکارِ مدینہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا فرمانِ خوشبودار ہے: **الله** پاک اپنے اس گھر (یعنی بَیْتُ الله شریف) پر ہر روز 120 رحمتیں نازِل فرماتا ہے، جن میں سے 60 طواف کرنے والوں کے لئے، 40 نَماز پڑھنے والوں کے لئے اور 20 زِیارَت کرنے والوں کے لئے ہیں۔[1]

ایک رِوایَت میں ہے کہ **الله** پاک کے پیارے حبیب صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اِرشَاد فرمایا: **بَیْتُ الله** شریف کا طواف کَثْرَت سے کرو[2] کیونکہ یہ ایسی نایاب شے ہے جسے تم بروزِ قِیامَت اپنے نامۂ اَعمال میں (سب سے زیادہ قَدْر و مَنْزِلَت والا) پاؤ گے اور یہ تمہارے اَعمال میں سب سے زیادہ قابلِ رَشک ہوگی۔

آدابِ طواف

حاجی کو چاہئے کہ طواف کرتے وَقْت باتیں نہ کرے، بلکہ کَثْرَت سے ذِکْرِ الٰہی میں مَصْرُوف رہے اور تسبیح و تہلیل اور تحمید[3] وتِلاوَتِ قرآن کرتا رہے۔ سکون، وقار، خشوع و خضوع اور عاجزی واِنْکِسارِی سے

---

[1] .... کتاب المجروحین لابن حبان، باب السین، ۱/ ۳۰۲، رقم: ۳۸۹: سعید بن سالم القداح
معجم کبیر، ۱۱/ ۱۰۲، حدیث: ۱۱۲۴۸

[2] .... اخبار مکة للفاکہی، ذکر کثرة الطواف والثواب علیه، ۱/ ۱۹۵، حدیث: ۳۱۷، مختصر

[3] .... تسبیح سے مُراد سُبْحٰنَ الله کہنا، تہلیل سے مُراد الله اکبر اور تحمید سے مُراد اَلْحَمْدُ لِلّٰہ پڑھنا ہے۔

چلے۔ ہرگز کسی کے آڑے نہ آئے، بلکہ جس قدر ممکن ہو بَیْتُ اللہ شریف کے قریب رہے، اگر ممکن ہو تو ہر طواف کے ہر چکر میں حجرِ اَسْوَد کو بوسہ دے اور رُکنِ یمانی کا اِستلام[1] بھی کرے۔

ایک رِوایت میں سرکارِ مدینہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا فرمانِ مَغْفِرَت نِشان ہے: جس نے ننگے پاؤں اور ننگے سر طواف کے سات چکر لگائے اسے ایک غلام آزاد کرنے کا ثواب ملے گا[2] اور جس نے بارش میں طواف کے سات چکر لگائے اس کے گُزَشتہ گناہ بخش دیئے جائیں گے۔[3] یہ بات حضرت سَیِّدُنا اِمام حسن بن علی رَضِیَ اللہُ عَنْہ سے مَرْوِی ہے جو انہوں نے اپنے دوستوں سے اِرشاد فرمائی اور اسے مَرْفُوع رِوایت کیا۔

آداب واحترامِ حرم

غَلَط سوچوں اور بُرے خَیالوں سے بھی حاجی کو چاہئے کہ پرہیز کرے کہ ایک قول میں ہے: اس شہر میں دِل میں آنے والے ہر خَیال پر بندے کا مُوَاخذہ ہوتا ہے۔

حضرت سَیِّدُنا ابنِ مَسْعُود رَضِیَ اللہُ عَنْہ سے بھی اس طرح کا ایک قول مروی ہے کہ آپ فرماتے ہیں: مکہ کے عِلاوہ کسی شہر میں اللہ پاک گناہ کرنے سے پہلے مَحْض نِیَّت پر مُوَاخذہ نہیں فرماتا۔ پھر آپ رَضِیَ اللہُ عَنْہ نے یہ آیتِ مُبارَکہ تِلاوت فرمائی:

وَ مَنْ یُّرِدْ فِیْهِ بِاِلْحَادٍۭ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ۠ (۲۵) (پ۱۷، الحج: ۲۵)

ترجمۂ کنزالایمان: اور جو اس میں کسی زیادتی کا ناحق ارادہ کرے ہم اسے دردناک عذاب چکھائیں گے۔

مَطْلَب یہ ہے کہ اللہ نے اس آیت میں فعل کے بجائے مَحْض اِرادہ کرنے پر عذاب کو مُعَلَّق فرمایا ہے۔

---

[1]...... حجر (اسود) کو بوسہ دینے یا ہاتھ یا لکڑی سے چُھو کر چوم لینے یا اشارہ کرکے ہاتھوں کو بوسہ دینے کو استلام کہتے ہیں۔ (بہار شریعت، حصہ ۶، ۱/۱۰۹۶) رُکن یمانی کا استلام مستحب ہے۔ (اگر بھیڑ کی وجہ سے اپنی یا دوسروں کی ایذا کا اندیشہ نہ ہو تو) رُکن یَمانی کو دونوں ہاتھوں سے یا سیدھے ہاتھ سے (تبرکاً) چُھوئیں، صرف اُلٹے ہاتھ سے نہ چُھوئیں۔ اگر بھیڑ کی وجہ سے چُھونے کا موقع نہ ملے تو یہاں اشارہ کرکے ہاتھوں کو چُومنا نہیں۔ (رد المحتار، کتاب الحج، ۳/۵۸۴)

[2]......ترمذی، کتاب الحج، باب ماجاء فی استلام الرکنین، ۲/۲۸۵، حدیث: ۹۶۱

اخبار مکہ للفاکہی، ذکر التؤدۃ والسرعۃ فی الطواف، ۱/۲۱۱، حدیث: ۳۶۲

[3]......ابن ماجہ، کتاب المناسک، باب الطواف فی المطر، ۳/۵۲۳، حدیث: ۳۱۱۸، نحوہ

ایک قول کے مُطابِق نیکیوں کی طرح یہاں مکہ مکرمہ میں گناہوں کی سزا بھی دگنی ہو جاتی ہے۔ نیز اس شہر حرام میں کی گئی برائیوں کا کفّارہ بھی صِرف وہیں پر ادا ہو سکتا ہے (کہیں اور نہیں)۔

اَسلاف کی اِحتیاطیں

حضرت سیِّدُنا عبد اللہ بن عبّاس رَضِیَ اللہُ عَنْہُمَا فرمایا کرتے کہ حرم مکہ میں ذخیرہ اندوزی کرنا گویا کہ حرم میں بے دینی کا مُرتکِب ہونا ہے۔ مَنْقُول ہے کہ حرمِ مکہ میں جھوٹ بولنا بھی بے دینی ہے۔

اَمِیرُ الْمُومِنِین حضرت سیِّدُنا عُمَر فَارُوقِ اَعْظَم رَضِیَ اللہُ عَنْہُ سے مَرْوِی ہے کہ میرے لئے رکیہ[1] میں 70 گناہ کرنا مکہ میں ایک گناہ کرنے سے زیادہ آسان ہے۔ جبکہ رکیہ مکہ شریف اور طائف کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے۔ اَہْلِ وَرَع و تقویٰ سَلَف صَالِحِین جن میں حضرت سیِّدُنا عبد اللہ بن عمر رَضِیَ اللہُ عَنْہُمَا اور حضرت سیِّدُنا عمر بن عبد العزیز رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ بھی شامل ہیں، ایک خیمہ حرم میں لگاتے اور دوسرا حل میں۔ جب نَماز پڑھنا یا کوئی عِبادَت کرنا چاہتے تو حرم والے خیمے میں تشریف لے آتے تاکہ مَسْجِدِ حرام کی فضیلت پا سکیں، کیونکہ ان کے نزدیک وہ تمام علاقہ جسے حرم کہا جاتا ہے مَسْجِدِ حرام تھا اور جب وہ کچھ کھانا چاہتے یا اَہْلِ خانہ سے بات کرنا چاہتے یا بول و براز کی حاجَت ہوتی تو حل والے خیمے میں چلے جاتے۔

(صاحِبِ کتاب حضرت سیِّدُنا شیخ ابو طالب مکّی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں:) ایک قول میں ہے کہ پرانے زمانہ میں حاجیوں کی اولاد جب مکہ مکرمہ آتی تو حرم کی تعظیم کے پیشِ نَظَر مقامِ طوٰی سے جوتے اتار دیتی۔ یہی نہیں بلکہ ہم نے یہ بھی سنا ہے کہ بعض مکہ مکرمہ میں رہنے والے لوگ ایسے بھی تھے جو حرم شریف میں قضائے حاجت نہ کرتے، ہم نے ان میں سے چند ایک کی زِیارَت بھی کی ہے کہ وہ واقعی قضائے حاجت حرم شریف میں نہ کرتے بلکہ قضائے حاجت کے وَقْت حُدُودِ حرم سے باہر تشریف لے جاتے، وہ ایسا شعائر اللہ کی تعظیم اور حرم اور اس کے اَمن کے تَقَدُّس کی وجہ سے کرتے تھے۔

ایک نیکی ایک لاکھ نیکیوں کے برابر

ہر قسم کے نیک اَعمال کا اَجر مکہ شریف میں بڑھ جاتا ہے، بلکہ جس طرح مَسْجِدِ حرام میں ایک نَماز ادا کرنا

---

[1]......یہ اصل میں رکیہ نہیں رُکْبَہ ہے، جو مکہ و طائف کے درمیان ایک وادی ہے۔ (معجم البلدان، ص ۳/ ۲۷)

ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے، اسی طرح ایک نیکی ایک لاکھ نیکیوں کے برابر ہے۔ چُنانچہ،

حضرت سَیِّدُنا عبداللہ بن عباس رَضِیَ اللہُ عَنْہُمَا، حضرت سَیِّدُنا اَنَس بن مالک رَضِیَ اللہُ عَنْہ اور حضرتِ سیِّدُنا اِمام حسن بصری رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ سے اسی مفہوم میں مَرْوِی ہے کہ مکہ مکرمہ میں ایک دن کا روزہ ایک لاکھ روزوں کے برابر اور ایک دِرْہَم صَدَقہ کرنا ایک لاکھ دِرْہَم کے برابر ہے۔ یہی نہیں بلکہ ایک قول میں ہے کہ سات مرتبہ طواف کرنا ایک عمرہ کے برابر اور تین عمرے ایک حج کے برابر ہیں۔

عمرہ حج اصغر ہے

بے شک عمرہ حج اصغر ہے اور اس کی دلیل اللہ پاک کا یہ فرمانِ عالیشان ہے:

یَوۡمَ الۡحَجِّ الۡاَکۡبَرِ (پ ١٠، التوبۃ: ٣) ترجمۂ کنزالایمان: بڑے حج کے دن۔

یعنی یہ آیتِ مُبارَکہ اس بات کی دلیل ہے کہ حجِ اصغر عمرہ ہے اور عربوں میں سے بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو عمرہ کو بھی حج کہتے ہیں۔ نیز ایک رِوایَت میں بھی ہے کہ اللہ پاک کے مَحبُوب، دانائے غُیوب صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اِرشَاد فرمایا: ماہِ رمضان میں عمرہ کرنا حج کے برابر ہے۔[1]

(صاحِبِ کتاب حضرت سَیِّدُنا شیخ ابُو طالب مَکّی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں:) اَلْغَرَض جس کو یہ مَذْکُورہ اَعْمال بجا لانے کی توفیق مل جائے تو یہ بات اس کے حج کے مقبول ہونے کی عَلامَت ہی نہیں، بلکہ یہ اس بات کی بھی دلیل ہے کہ اس پر اللہ پاک کی نَظرِ کَرَم ہے۔

حاجیوں کے فضائل

گناہوں کی معافی

رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا فرمانِ مَغْفِرَت نِشان ہے: جس نے حج کیا اور رَفَث (فحش کلام) کیا نہ فِسق (کوئی گناہ)، تو گناہوں سے پاک ہو کر اس طرح لوٹے گا جیسے اس دن ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہو۔[2]

---

[1] ......ترمذی، کتاب الحج، باب ماجاء فی عمرۃ رمضان، ٢/٢٧٦، حدیث: ٩٤٠

[2] ......بخاری، کتاب الحج، باب فضل الحج المبرور، ١/٥١٢، حدیث: ١٥٢١

بے حساب بخشش

ایک رِوایَت میں سرکارِ مدینہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا فرمانِ مَغْفِرَت نشان ہے: جو حج یا عمرہ کے لئے نکلا اور مر گیا تو اس کے لئے قِیامت تک حج و عمرہ کرنے والے کا ثواب لکھا جائے گا[1] اور جس کا حَرَمَین شریفین میں سے کسی جگہ اِنْتِقال ہوا تو اس کی پیشی ہو گی نہ کوئی حِساب کِتاب، بلکہ اس سے کہا جائے گا: جَنَّت میں داخِل ہو جا۔[2]

مقبول حج کی جزا

رحمتِ عالَم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا فرمانِ عالیشان ہے: حَجِ مقبول دنیا و مافیہا سے بہتر ہے[3] اور حج مقبول کی جزا جَنَّت کے سوا کچھ نہیں۔[4]

حاجیوں کا اعزاز

ایک رِوایَت میں ہے کہ رسولِ اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اِرشَاد فرمایا: حج و عمرہ کرنے والے **اللہ** پاک کا وفد اور اس کی زِیارت کرنے والے ہیں، اگر وہ اس سے کچھ مانگیں تو وہ انہیں عَطا فرماتا ہے، اگر معافی چاہیں تو معاف فرماتا ہے، اگر دُعا کریں تو ان کی دُعا قبول ہوتی ہے اور اگر شَفَاعَت کریں تو شَفَاعَت قبول ہوتی ہے۔[5]

حاجی کو دیکھ کر شیطان کی حالت

کسی بزرگ کا بیان ہے کہ میدانِ عرفات میں ان کے سامنے ابلیس مَلْعُون انسانی صُورَت میں ظاہِر ہوا تو کیا دیکھتے ہیں کہ اس کا جسم کمزور، رنگ زرد، آنکھیں نَم اور کمر دُہری ہے۔ انہوں نے اس سے اس کا سَبَب کچھ یوں پوچھا: تیری آنکھیں کیوں نَم ہیں؟ بولا: یہ حاجیوں کے بغیر نِیَّتِ تِجارَت حج پر نکلنے کی وجہ سے پُرنَم (گیلی) ہیں۔ میرے خَیال میں چُونکہ حاجیوں نے مَحْض **اللہ** پاک کا قَصْد کیا ہے لہٰذا مجھے ڈر ہے کہ **اللہ** پاک بھی

---

1 ......مسند ابی یعلی، مسند ابی ھریرۃ، ۵/۴۴۱، حدیث: ۶۳۲۷

2 ......مسند الطیالسی، حدیث: ۶۵، ص ۱۲ - مسند ابی یعلی، مسند عائشۃ، ۴/۱۵۲، حدیث: ۴۵۸۹

3 ......معجم کبیر، ۹/۴۴، حدیث: ۸۳۳۲، نحوہ

4 ......نسائی، کتاب المناسک، باب فضل الحج المبرور، ص ۴۳۲، حدیث: ۲۶۱۹

5 ......ابن ماجہ، کتاب المناسک، باب دعاء الحاج، ۳/۴۱۰، حدیث: ۲۸۹۲، ۲۸۹۳ بدون ذکر الشفاعۃ

اِنہیں رُسوا نہ کرے گا اور مجھے اسی بات کا دُکھ کھائے جا رہا ہے (اور میری آنکھیں رو رہی ہیں)۔

پھر انہوں نے پوچھا: تیرا جسم اتنا کمزور کیوں ہے؟ تو اس نے بتایا: راہِ خُدا میں گھوڑوں کے ہنہنانے کی وجہ سے، حالانکہ مجھے یہ بات زیادہ مَحبوب تھی کہ یہ میری راہ پر ہوتے۔

پھر انہوں نے پوچھا: تیرا رنگ کیوں بدلا ہوا ہے۔ تو وہ بولا: اس کا سَبَب اِطاعت پر لوگوں کا ایک دوسرے کی مَدد کرنا ہے، اگر نافرمانی پر ایک دوسرے سے تعاوُن کرتے تو یہ مجھے زیادہ پسند ہوتا۔

اس کے بعد انہوں نے اس سے پوچھا: تیری کمر کیوں دہری ہو چکی ہے؟ تو اس نے بتایا: اس کا سَبَب بندے کا یہ کہنا ہے کہ (اے **اللہ** پاک!) میں تجھ سے اَچّھے خاتمے کا سوال کرتا ہوں۔ میں کہتا ہوں: ہائے میری ہَلاکت! یہ کب اپنے عَمَل پر خود پسندی میں مُبْتَلا ہو گا؟ چُنَانْچِہ مجھے ڈر ہے کہیں اس کی (خاتمہ بالخیر ہونے کی) دُعا قبول نہ ہو جائے۔

سب سے بڑا مجرم کون؟

حضرت سَیِّدُنا **عبدُالله** بن مبارک رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ عرفات سے مُزْدَلِفَہ آئے تو ایک شخص کی آپ رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ سے مُلَاقات ہوئی جس نے آپ رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ سے عَرض کی: اے ابو عبد الرحمٰن! اس وَقْت لوگوں میں سب سے بڑا مُجْرِم کون ہے؟ تو آپ نے اِرشاد فرمایا: جو یہ کہے کہ **اللہ** پاک نے ان لوگوں یعنی حاجیوں کی مَغْفِرَت نہیں فرمائی۔

سب سے بڑا گناہ گار کون؟

اَہْلِ بَیت اَطہار میں سے کسی سے یہ حدیثِ پاک مَرْوِی ہے کہ رسولِ اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اِرشاد فرمایا: لوگوں میں سب سے بڑا گنہگار وہ ہے جو میدانِ عرفات میں کھڑا ہو کر یہ گمان کرے کہ **اللہ** پاک نے اس کی مَغْفِرَت نہیں فرمائی۔ (1)

وُقوفِ عرفہ کی فضیلت

ایک قول میں ہے کہ کچھ گناہ ایسے ہیں جو صِرف وُقوفِ عرفہ سے ہی معاف ہوتے ہیں۔ اس رِوایت کو

[1] ......المتفق والمفترق للخطیب البغدادی، باب الالف، ۱ / ۴۳۳، رقم: ۱۹۱: ابو حذیفۃ اسحاق بن بشر، حدیث: ۲۱۹

حضرت سیِّدُنا جعفر بن محمد رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ نے مرفوعاً روایت کیا ہے۔

منقول ہے کہ **اللہ** پاک جب عرفات میں کسی ایک بندے کے گناہوں کی بخشش فرماتا ہے تو وہاں پہنچنے والے ہر شخص کے گناہ بخش دیتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ بعض بزرگانِ دین فرماتے ہیں: عرفہ (یعنی نویں ذوالحجہ) کا دن جُمُعَہ کو آجائے تو تمام اَہْلِ عرفہ کی مغفرت کر دی جاتی ہے اور وہ دنیا میں سب سے اَفْضَل دن ہے۔ اسی دن سرکارِ مدینہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے حَجَّۃُ الْوَدَاع اَدا فرمایا، حج کی فَرْضِیَّت کے بعد آپ نے اس حج کے عِلاوہ کوئی حج اَدا نہ فرمایا اور ابھی آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم میدانِ عرفات ہی میں تھے کہ یہ آیتِ مُبارَکہ نازِل ہوئی:

اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْكُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًاؕ (پ٦، المآئدۃ: ٣)

ترجمۂ کنزالایمان: آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے اِسلام کو دین پسند کیا۔

حج اکبر اور جمعہ ایامِ عید ہیں

اَہْلِ کتاب کے عُلَمانے ایک بار جب یہ کہا کہ اگر یہ مَذْکُورہ آیت ہم پر نازِل ہوتی تو ہم اس دن کو عید کا دن بنا لیتے۔ تو اَمِیْرُ الْمُؤمنین حضرت سَیِّدُنا عُمَر فَارُوقِ اَعْظَم رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہ نے اِرشَاد فرمایا: میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ آیتِ مُبارَکہ دو عیدوں یعنی یومِ عرفہ اور جُمُعَہ کے دن سرکارِ مدینہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم پر نازِل ہوئی اور آپ اس وَقْت عرفہ میں وُقُوف فرماتے تھے۔[1]

مغفرت کی نوید

فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

لِّیَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ (پ١٧، الحج: ٢٨)

ترجمۂ کنزالایمان: تاکہ وہ اپنا فائدہ پائیں۔

اس آیتِ مُبارَکہ کی تفسیر میں سَلَفِ صَالِحِین کی ایک جَمَاعَت سے مَرْوِی ہے: ربِّ کعبہ کی قسم! یہاں فائدے سے مُراد یہ ہے کہ **اللہ** پاک ان کی مَغْفِرَت فرما دیتا ہے۔

---

[1] ......ترمذی، کتاب التفسیر، باب ومن سورۃ المائدۃ، ۵/ ۳۳، حدیث: ۳۰۵۴، ۳۰۵۵

بخاری، کتاب الایمان، باب زیادۃ الایمان ونقصانہ، ۱/ ۲۸، حدیث: ۴۵

شیطانی کام

فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿۱۶﴾ ترجمۂ کنز الایمان: میں ضرور تیرے سیدھے راستہ پر ان کی تاک میں بیٹھوں گا۔ (پ۸، الاعراف: ۱۶)

اس آیتِ مُبارَکہ کی تفسیر میں مَروِی ہے کہ شیطان مکہ مکرمہ کی راہ میں بیٹھ کر اس طرف جانے والوں کو روکتا ہے۔

حاجیوں سے ملاقات کرنا کیسا؟

حضرت سَیِّدُنا مُجاہِد رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْه اور دیگر عُلَمائے کرام فرماتے ہیں: بُزُرگانِ دِین حاجیوں کا آگے بڑھ کر اِسْتِقْبال کیا کرتے اور ان کے دُنیاوِی اُمُور میں مُلَوَّث ہونے سے پہلے پہلے اُنہیں یوں دُعا دیتے: **اللہ** پاک ہمارا اور تمہارا عَمَل قبول فرمائے۔

نیز فرماتے ہیں کہ حاجی جب مکہ مکرمہ آتے ہیں تو فرشتے ان سے مُلاقات کرتے ہیں، اُونٹ پر سوار حاجیوں کو سلام، دراز گوش (گدھے) پر سوار حاجیوں سے مُصافَحہ کرتے اور پیدل چلنے والوں سے گلے ملتے ہیں۔

بعد حج فوری موت کا اجر

حضرت سَیِّدُنا حسن بصری رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْه فرماتے ہیں: جو ماہِ رمضان کے فوری بعد یا جِہاد کے یا حج کے بعد جہانِ فانی سے کوچ کر جائے تو وہ بھی شَہادَت کا رتبہ پائے گا۔

حاجی کی دعا کا اثر

اَمِیْرُ الْمُؤمِنِیْن حضرت سَیِّدُنا عُمَر فَارُوقِ اَعْظَم رَضِيَ اللهُ عَنْه فرماتے ہیں: جہاں حج کرنے والے کی **مَغْفِرَت** فرمادی جاتی ہے، وہیں حاجی **ذُو الْحَجَّةُ الْحَرَام**، **مُحَرَّمُ الْحَرَام**، **صَفَرُ الْمُظَفَّر** اور **رَبِیْعُ الْاَوَّل** کے پہلے 20 دنوں میں جس کے لئے مَغْفِرَت کی دُعا کرے تو اس کی بھی بَخْشِش ہو جاتی ہے۔[1]

---

[1] ......کتاب الآثار لابی یوسف، باب الصید، ص ۱۱۰، حدیث: ۵۱۸

بزرگانِ دین کا طریقہ

(صاحبِ کتاب فرماتے ہیں:) بُزُرگانِ دِین کا طریقہ رہا ہے کہ وہ مجاہدین (سے ملتے وَقت ان) کی حَوصلہ اَفزائی فرماتے اور حاجیوں کا آگے بڑھ کر اِستِقبال کرتے، ان کی آنکھوں کے درمیان بوسہ دیتے اور انہیں دعا کے لئے کہتے۔ کیونکہ ایک رِوایت میں ہے کہ رسولِ پاک صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے یوں دُعا مانگی: اے اللہ پاک! حاجی کو بخش دے اور اسے بھی جس کے حق میں حاجی دُعا کرے۔ (1)

چھ کے سبب چھ لاکھ کی بخشش

حضرت سَیِّدُنا علی بن مُوَفَّق رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں: میں نے ایک سال حج کیا، جب عرفہ کی رات آئی تو میں نے وہ رات مِنٰی کے مَقام پر مَسْجِدِ خَیف میں گزاری۔ میں نے خواب دیکھا کہ دو فرشتے آسمان سے اترے جنہوں نے سبز لِباس پہن رکھے تھے، ایک نے دوسرے کو پکارا: اے عُبید اللہ! دوسرے نے کہا: لَبَّیْك یا عبدَ اللّٰہ! یعنی اے عبد اللہ میں حاضر ہوں (فرمایئے کیا کہنا چاہتے ہیں)۔ تو پہلا فرشتہ بولا: کیا تم جانتے ہو کہ اس سال کتنے لوگوں نے حج کیا؟ عَرض کی: نہیں۔ اس نے کہا: چھ لاکھ لوگوں نے حج کیا، (پھر بولا: اچھا یہ بتاؤ کہ) کیا تمہیں مَعْلُوم ہے کہ کتنے لوگوں کا حج قبول ہوا؟ دوسرے فرشتے نے پھر عَرض کی: نہیں۔ تو اس بار پہلے فرشتے نے بتایا کہ صِرف چھ آدمیوں کا حج قبول ہوا ہے۔ اس کے بعد وہ دونوں ہوا میں بُلَند ہوئے اور غائب ہو گئے۔ میں گھبرا کر بیدار ہوا تو بہُت زیادہ غمگین تھا۔ مجھے میرے مُعامَلے نے پریشان کر دیا۔ میں نے سوچا: جب فَقَط چھ آدمیوں کا حج قبول ہوا ہے تو میں ان چھ میں کہاں ہو سکتا ہوں؟ بہَر حَال جب میں عرفات سے واپَس آیا تو مَشْعَرِ حَرام (یعنی مُزْدَلِفہ کے قریب جَبَلِ قُزَح) کے پاس رات گزاری، میں ابھی حاجیوں کی کثْرَت اور جن لوگوں کا حج قبول ہوا، ان کی قِلَّت کے مُتَعَلِّق سوچ ہی رہا تھا کہ مجھے نیند نے آلیا، کیا دیکھتا ہوں کہ پہلے کی طرح پھر دو فرشتے آسمان سے اُترے، ایک نے دوسرے کو پکارا: اے عُبید اللہ! دوسرے نے کہا: لَبَّیْك یا عبدَ اللّٰہ! یعنی اے عبد اللہ میں حاضر ہوں (فرمایئے کیا کہنا چاہتے ہیں)۔ تو پہلا فرشتہ بولا: کیا تم جانتے ہو کہ اس سال کتنے لوگوں نے حج کیا؟ عَرض کی: جی ہاں! چھ لاکھ لوگوں نے۔ (پہلا پھر بولا:) کیا تمہیں مَعْلُوم ہے کہ

---

[1] ......مصنف ابن ابی شیبة، کتاب المناسک، ماقالوا فی ثواب الحج، ۴/۱۹۱، حدیث: ۲۱

کتنے لوگوں کا حج قبول ہوا ہے؟ دوسرے فرشتے نے پھر عَرض کی: جی ہاں! صِرف چھ لوگوں کا۔ پہلا پھر بولا: کیا تمہیں یہ بھی مَعلُوم ہے کہ آج رات ہمارے ربّ پاک نے کیا حُکم اِرشاد فرمایا ہے؟ عَرض کی: نہیں۔ تو اس پہلے فرشتے نے بتایا: بے شک **اللہ** پاک نے چھ میں سے ہر ایک کے بدلے ایک لاکھ حاجیوں کو بخش دیا ہے۔ آپ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں: میں بیدار ہوا تو مجھے اتنی خوشی ہوئی کہ بیان سے باہَر ہے۔

یہ چھ لوگ کون تھے؟

(صاحِبِ کتاب حضرت سَیِّدُنا شیخ ابو طالب مکّی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں:) اس حِکَایَت میں مَذْکُورہ چھ لوگوں کا ذِکْر ہے، جبکہ ساتویں کا ذِکْر نہیں، حالانکہ ان سے مُراد سات اَبدال ہیں جو کہ زمین کے اَوتاد بھی ہیں، **اللہ** پاک براہِ راست ان پر نظرِ کَرَم فرماتا ہے، بلکہ اپنے دیگر اولیائے کرام کے دلوں پر انہی اَبدالوں کے واسطے سے نظرِ کَرَم فرماتا ہے۔ ان اَبدالوں کے اَنْوار کا منبع نُورِ جَلَالِ اِلٰہی ہے، جبکہ دیگر اولیائے کرام کے اَنْوار اِنہی اَبدالوں کے اَنْوار سے مُنَوَّر ہیں، نیز دیگر اولیائے کرام کو مَعْرِفَت کا حِصّہ و عِلْم انہی کے وسیلے سے عَطا ہوتا ہے۔ مَذْکُورہ حِکَایَت میں اگرچہ ساتویں اَبدال کا ذِکْر نہیں حالانکہ وہ زمین کا قطب ہے اور باقی سارے اَبدال اسی کے میزان میں ہیں۔ مَنْقُول ہے کہ وہ اپنے حال اور عِلْم میں اس اُمَّت کا واحد فرد ہے جو حضرت سَیِّدُنا خضر عَلَیْہِ السَّلَام کے مشابہ ہے۔ یہ دونوں حضرات یعنی حضرت سَیِّدُنا خضر عَلَیْہِ السَّلَام اور یہ قطب ایک دوسرے سے علمی فیضان پاتے رہتے ہیں، بلکہ ان میں سے ہر ایک دوسرے سے مزید انعام پاتا ہے۔ اس حِکَایَت میں اس قطب کے ذِکْر کا نہ ہونے کی وجہ **اللہ** پاک ہی بہتر جانتا ہے، کیونکہ اس کا مرتبہ تو یہ ہے کہ اس کی وجہ سے تو اس شخص کی بھی بَخْشِش کا سامان ہو جاتا ہے جس نے اس اُمَّت میں سے حج ہی نہ کیا ہو۔ اس لیے کہ قطب کا مرتبہ باقی تمام اَبدالوں سے بہُت زیادہ ہوتا ہے اور شَفاعَت میں اس کی ہر بات قبول ہوتی ہے۔

خواب میں دیدارِ الٰہی

حضرت سَیِّدُنا علی بن مُوَفَّق رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ سے یہ حِکَایَت بھی مَروِی ہے کہ آپ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں: ایک سال میں نے حج کیا، جب مَنَاسِکِ حج ادا کر چکا تو ان لوگوں کے بارے میں سوچنے لگا جن کا حج قبول نہ ہوا۔ چُنَانْچِہ میں نے بارگاہِ الٰہی میں عَرض کی: اے **اللہ** پاک! میں نے اپنا حج اور اس کا ثواب ان لوگوں کو دیا

جن کا حج قبول نہیں ہوا۔ فرماتے ہیں: مجھے خواب میں دیدارِ الٰہی کا شَرَف حاصِل ہوا تو باری تعالیٰ نے مجھ سے اِرشاد فرمایا: اے علی! کیا مجھ پر سَخَاوَت کرتا ہے! حالانکہ میں نے ہی سَخَاوَت اور سخیوں کو پیدا فرمایا ہے، میں ہی سب سے بڑھ کر جُود و کَرَم فرمانے والا ہوں اور میں ہی تمام جہان والوں سے زیادہ جُود و کَرَم کا حَق رکھتا ہوں، (جان لو!) میں پہلے ہی جن لوگوں کا حج قبول نہیں ہوا انہیں اُن لوگوں کے صَدْقے بخش چکا ہوں جن کے حج کو میں نے شَرَفِ قبولیّت سے نوازا تھا۔

جنت میں داخلے کی بشارت

یہ حضرت سَیِّدُنا علی بن مُوَفَّق رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ وُہی ہیں، جنہوں نے رسولِ اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی طرف سے کئی حج اَدا فرمائے۔ آپ رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں: ایک بار مجھے خواب میں سرکارِ مدینہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی زِیارَت کا شَرَف حاصِل ہوا تو آپ نے مجھ سے اِرشاد فرمایا: اے اِبْنِ مُوَفَّق! تو نے میری طرف سے حج کئے ہیں؟ میں نے عَرْض کی: جی ہاں! **یَا رَسُوْلَ اللّٰہ** صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! پھر آپ نے دَرْیافت فرمایا: تو نے میری طرف سے تلبیہ بھی کہا؟ میں نے عَرْض کی: جی ہاں! **یَا رَسُوْلَ اللّٰہ** صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! (میں نے تلبیہ بھی کہا)۔ تو آپ نے اِرشاد فرمایا: میں قِیامَت کے دن تجھے ان کا بدلا دوں گا اور مَحْشَر میں تیرا ہاتھ تھام کر تجھے جَنَّت میں لے جاؤں گا جبکہ لوگ ابھی حِساب کتاب کی سختی میں ہوں گے۔

بیت اللہ شریف کے فضائل

ہر سال حاجیوں کی تعداد

رحمتِ عالَم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا فرمانِ عالیشان ہے: بے شک **اللّٰہ** پاک نے اس گھر سے وعدہ فرمایا ہے کہ ہر سال (کم از کم) چھ لاکھ آدمی اس کا حج کریں گے، اگر (کبھی) کم ہوئے تو فرشتوں کے ذریعے ان کی کمی پوری فرمادے گا اور (بروزِ قِیامَت) کعبہ شریف پہلی رات کی دلہن کی طرح یوں اُٹھایا جائے گا کہ تمام حج کرنے والے لوگ اس کے پردوں سے لٹکے ہوں گے، وہ اس کے گرد چکر لگائیں گے یہاں تک کہ یہ جَنَّت میں داخِل ہوگا تو وہ بھی جَنَّت میں داخِل ہو جائیں گے۔[1]

[1] ......آثار البلاد وأخبار العباد للقزويني، الاقليم الثاني، مكة، ص ١١٦

حجراسود کی گواہی

ایک رِوایَت میں ہے کہ بے شک حجرِ اَسْوَد جنّت کے یاقوتوں میں سے ایک یاقُوت ہے، اسے بروزِ قِیامَت یوں اٹھایا جائے گا کہ اس کی دو آنکھیں اور ایک زبان ہو گی جس کے ذریعے یہ کلام کرے گا اور ہر اس شخص کے حق میں گواہی دے گا جس نے حق و صَداقت کے ساتھ اسے بوسہ دیا ہو گا۔[1]

حجراسود کو بوسہ دینا

مَرْوِی ہے کہ سرکارِ مدینہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم حجرِ اَسْوَد کو بَہُت زیادہ بوسے دیا کرتے تھے۔[2] بلکہ ایک رِوایَت میں ہے کہ آپ نے حجرِ اَسْوَد پر سجدہ بھی کیا اور ایسا بھی ہوا کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سواری پر طواف فرماتے ہوئے عَصا مُبارَک کا مُڑا ہوا کنارہ اس پر رکھ دیتے، پھر اس کنارے کو بوسہ دیتے۔[3]

حجراسود کا نفع و نقصان والا ہونا

اَمِیْرُ الْمُؤمِنِین حضرت سَیِّدُنا عُمَر فَارُوقِ اَعْظَم رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہ نے حجرِ اَسْوَد کو بوسہ دے کر فرمایا: بے شک میں جانتا ہوں کہ تو ایک پتّھر ہے نَفْع دے سکتا ہے نہ نُقْصان، اگر میں نے اپنے آقا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کو تجھے بوسہ دیتے نہ دیکھا ہوتا تو میں کبھی تجھے بوسہ نہ دیتا۔[4] پھر آپ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہ رونے لگے یہاں تک کہ آپ کی ہچکی بندھ گئی۔ پھر آپ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہ اپنے پیچھے کی جانِب مُتَوَجِّہ ہوئے تو حضرت سَیِّدُنا علی المرتضیٰ کَرَّمَ اللّٰہُ وَجْھَہُ الْکَرِیْم کو دیکھ کر فرمایا: اے ابو الحسن! یہاں پر اسی طرح آنسو بہائے جاتے ہیں۔ اَمِیْرُ الْمُؤمِنِین حضرت سَیِّدُنا علی المرتضیٰ کَرَّمَ اللّٰہُ وَجْھَہُ الْکَرِیْم نے عَرْض کی: اے اَمِیْرُ الْمُؤمِنِین! یہ پتّھر نَفْع بھی دیتا ہے اور نُقْصان بھی۔ پوچھا:

---

[1] ......ترمذی، کتاب الحج، باب ما جاء فی فضل الحجر الاسود والرکن والمقام، ٢/٢٤٨، حدیث: ٨٧٨، ٨٧٩
ترمذی، کتاب الحج، باب ما جاء فی الحجر الاسود، ٢/٢٨٦، حدیث: ٩٦٣
صحیح ابن خزیمہ، کتاب المناسک، باب صفۃ الحجر یوم القیامۃ... الخ، ٤/٢٢٠، حدیث: ٢٧٣٤

[2] ......بخاری، کتاب الحج، باب تقبیل الحجر، ١/٥٤٠، حدیث: ١٦١١، بدون کثیرا

[3] ......مصنف عبد الرزاق، کتاب المناسک، باب تقبیل الید اذا استلم، ٥/٢٩، حدیث: ٨٩٥٨
مسلم، کتاب الحج، باب جواز الطواف علی بعیر... الخ، ص ٦٦٣، حدیث: ١٢٧٥

[4] ......بخاری، کتاب الحج، باب ما ذکر فی الحجر الاسود، ١/٥٣٧، حدیث: ١٥٩٧

وہ کیسے؟ عَرض کی: بے شک **اللہ** پاک نے جب بندوں سے عہد لیا تو ایک تحریر لکھ کر اس پتّھر کو کھلا دی، پس یہ مومن کے حق میں اِیفائے عہد کی اور کافر کے خِلاف اس کے اِنْکار کی گواہی دے گا۔

حجرِ اسود کو بوسہ دیتے وقت کی دعا

مَنْقُول ہے کہ حجرِ اَسْوَد کو بوسہ دیتے ہوئے لوگ یہ دعا مانگتے ہیں: اَللّٰھُمَّ اِیْمَانًا بِکَ وَتَصْدِیْقًا بِکِتَابِکَ وَوَفَآءً بِعَھْدِکَ یعنی اے **اللہ** پاک! میں تجھ پر ایمان لاتے، تیری کتاب کی تصدیق کرتے اور تیرے وعدے کو پورا کرتے ہوئے (اسے بوسہ دیتا ہوں)۔ تو اس سے ان کی مُراد قرآنِ کریم اور مَذْکُورہ عہد ہی ہوتا ہے۔

سب سے پہلے محشر میں کون آئے گا؟

سرورِ کائنات صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا فرمانِ عالیشان ہے: میں وہ پہلا شخص ہوں گا جس سے زمین کھولی جائے گی، پھر میں بقیع والوں کے پاس آؤں گا تو وہ میرے ساتھ جَمْع کئے جائیں گے، پھر اہلِ مکہ کی طرف آؤں گا تو دونوں حرموں کے درمیان میرا حشر ہو گا۔ (1)

فرشتوں کا حج ادا کرنا

ایک رِوایت میں ہے کہ جب حضرت سَیِّدُنا آدم عَلَیْہِ السَّلَام نے مناسکِ حج ادا کر لئے تو فرشتوں نے آپ سے مُلَاقات کر کے عَرض کی: اے آدم! آپ کا حج مقبول ہوا، ہم نے آپ سے دو ہزار سال پہلے اس گھر کا حج کیا۔ (2)

نظرِ کرم کے اولین مستحق کون؟

ایک رِوایت میں ہے کہ بے شک **اللہ** پاک ہر رات اَہْلِ زمین کی طرف نَظَر فرماتا ہے، مگر سب سے پہلے اَہْلِ حَرَم کی طرف نَظَر فرماتا ہے اور اَہْلِ حَرَم میں بھی سب سے پہلے مَسْجِدِ حرام والوں کی طرف نَظَر فرماتا ہے، پھر جسے طواف میں مَشْغُول پاتا ہے اسے بَخْش دیتا ہے، جسے نَماز پڑھتے دیکھتا ہے اس کی بھی مَغْفِرَت فرما

1 ......ترمذی، کتاب المناقب، باب فی مناقب ابی حفص عمر بن الخطاب، ٥/ ٣٨٨، حدیث: ٣٧١٢

2 ......العظمۃ لابی الشیخ الاصبھانی، خلق آدم وحواء، ص ٣٨٠، حدیث: ١٠٣٨

دیتا ہے اور جسے قبلہ رُو سوتے ہوئے دیکھتا ہے اسے بھی بخش دیتا ہے۔

حضرت سَیِّدُنا ابو تراب نخشبی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ کے سامنے ایک بار عبادان[1] میں نماز پڑھنے کا ذِکْر ہوا تو آپ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ نے اِرشاد فرمایا: مَسْجِدِ حرام میں سونا بھی عبادان میں نماز پڑھنے سے اَفْضَل ہے۔

اللہ پاک کے ایک ولی فرماتے ہیں مجھے کَشْف ہوا: میں نے دیکھا کہ تمام وادیوں کے کشادہ مقامات، عبادان کی طرف جھکے ہوئے ہیں اور عبادان کو دیکھا کہ وہ جَدَّہ کی جانب جھکا ہوا ہے۔ اس لیے کہ یہ شہر جدہ حرم کا خزانہ اور مَسْجِدِ حرام کے باسیوں کا دہانہ ہے۔

(صاحِبِ کتاب حضرت سَیِّدُنا شیخ ابُو طالِب مکّی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں:) میں ایک سال مکہ مکرمہ میں تھا کہ مجھے یہاں مہنگائی کی فِکْر دامَن گیر ہوگئی یہاں تک کہ اس کی وجہ سے میں کافی پریشانی کا شِکار ہوگیا۔ چُنَانْچِہ میں نے خواب میں دو بندوں کو اپنے سامنے دیکھا، جن میں سے ایک دوسرے سے کہہ رہا تھا: اس شہر کی ہر شے عزیز ہے، گویا کہ مہنگائی بھی عزیز ہے۔ تو دوسرا بولا: جو جگہ مُعَزَّز ہو اس کی ہر شے مُعَزَّز ہوتی ہے۔ لہٰذا اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ پر اَشیا سستی ہو جائیں تو اَشیا کی نِسبَت اس جگہ کے شَرَف کی طرف کردیں تاکہ وہ آپ کو اس جگہ کے شَرَف کے مُقابِل سستی مَحْسُوس ہوں۔

مکہ مکرمہ میں رہائش کو ناپسند سمجھنے کا بیان

رہائش کہاں رکھوں؟

حضرت سَیِّدُنا سُفْیان ثَوری رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرمایا کرتے: **اللہ** پاک کی قسم! مجھے سمجھ نہیں آتی کہ میں کس شہر میں رہائش اِخْتِیار کروں؟ عَرْض کی گئی: خُراسان میں۔ فرمایا: وہاں مُخْتَلِف مَذاہِب اور فاسِد خَیالات (کے لوگ) ہیں۔ عَرْض کی گئی: شام میں۔ فرمایا: تمہاری طرف انگلیوں سے اشارہ کیا جائے گا (یعنی تمہاری شُہْرت ہوگی)۔ عَرْض کی گئی: عِراق میں۔ فرمایا: ظالموں کا ملک ہے۔ عَرْض کی گئی: مکہ مکرمہ میں۔ فرمایا: وہاں رہنا عَقْل و جِسْم کو پگھلا دیتا ہے۔

---

[1]......بصرہ کے قریب بحر فارس کے کنارے مشرقی جانب جنوب کی جانب جھکے ہوئے ایک شہر کا نام ہے۔
(اتحاف السادۃ المتقین، ۴/ ۴۷۲)

تین وصیتیں

ایک شخص نے حضرت سَیِّدُنا سُفْیان ثوری رَحْمَةُ اللهِ عَلَیْه کی خِدْمَت میں عَرْض کی: میں مکہ مکرمہ میں رہائش اِخْتِیار کرنا چاہتا ہوں، مجھے نصیحت فرمائیے! تو آپ رَحْمَةُ اللهِ عَلَیْه نے اِرشاد فرمایا: میں تجھے تین نصیحتیں کرتا ہوں: ﴿1﴾ پہلی صَف میں ہر گز نماز نہ پڑھنا[1] ﴿2﴾ کسی قرشی کی کبھی صُحْبَت اِخْتِیار نہ کرنا اور ﴿3﴾ صَدَقَہ ہر گز ظاہِر نہ کرنا۔

(صاحِبِ کتاب حضرت سَیِّدُنا شیخ ابُو طالب مکّی رَحْمَةُ اللهِ عَلَیْه فرماتے ہیں:) پہلی صف سے حضرت سَیِّدُنا سُفْیان ثَوری رَحْمَةُ اللهِ عَلَیْه نے اس لئے مَنْع فرمایا کیونکہ اس کے مُتَعَلِّق پوچھ گچھ کی جائے گی، یعنی اگر کبھی پہلی صف میں مَوجُود نہ ہوا تو اس کے مُتَعَلِّق پوچھا جائے گا کہ فلاں کہاں ہے؟ اور جب ہمیشہ پہلی صف ہی میں پایا جائے گا تو مشہور ہو جائے گا۔ لہٰذا اپنے مقام کو بر قرار رکھنے کے لیے اپنے حال کی حِفَاظَت کرنا اس پر لازِم ہو جائے گا اور یوں اِخلاص خَتْم ہو جائے گا اور اس کی جگہ تَصَنُّع اور بَناوَٹ پیدا ہو جائے گی۔

مال کہاں خَرْچ کرے؟

ایک بار مکہ مکرمہ میں ایک شخص حضرت سَیِّدُنا سُفْیان ثوری رَحْمَةُ اللهِ عَلَیْه کی خِدْمَت میں حاضِر ہوا اور عَرْض کی: ایک شخص نے مجھے کچھ مال دے کر بھیجا ہے کہ میں اسے کعبہ شریف کی خِدْمَت میں صَرف کروں، تو آپ اس بارے میں کیا کہتے ہیں؟ اِرشاد فرمایا: جس شخص نے تمہیں یہ حُکْم دیا ہے وہ جاہل ہے، کعبہ شریف کو اس مال کی کوئی حاجَت نہیں۔ اس نے عَرْض کی: پھر آپ ہی بتائیے کہ میں کیا کروں؟ اِرشاد فرمایا: اسے فُقَرا اور بیوہ عورتوں پر خَرْچ کر دو، البتہ! فلاں لوگوں سے بچنا کہ وہ حاجیوں کے چور ہیں۔

مکہ مکرمہ میں رہائش اختیار کرنا کیسا؟

بعض سَلَف صَالِحِین مکہ مکرمہ میں رہائش اِخْتِیار کرنے کو اچھا نہ سمجھتے تھے، بلکہ وہ اس بات کو پسند کرتے تھے کہ وہ حج کے لیے باہر سے بَیْتُ الله شریف کا قَصْد کر کے آئیں اور پھر واپس چلے جائیں۔ اس کی

[1] ....صف اول کی افضلیت پر کئی احادیث مبارکہ وارد ہوئیں عمومی حکم یہی ہے البتہ حضرت سَیِّدُنا سفیان ثوری رَحْمَةُ اللهِ عَلَیْه نے جس وجہ سے صف اول سے منع کیا تھا اس کی وجہ آگے بیان کر دی ہے۔

تین وجوہات ہیں: (۱) بَیْتُ الله شریف کی طرف رغبت یا (۲) وہاں خطاؤں کے ارتکاب کا خوف یا (۳) اس کی طرف دوبارہ آنے کا شوق۔ جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

وَ اِذْ جَعَلْنَا الْبَیْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَ اَمْنًاؕ ترجمۂ کنزالایمان: اور یاد کرو جب ہم نے اس گھر کو لوگوں کے لیے مرجع اور امان بنایا۔ (پ ۱، البقرۃ: ۱۲۵)

یعنی وہ اس کی طرف بار بار لوٹیں اور اس سے ان کی خواہش پوری نہ ہو۔

کسی بزرگ کا قول ہے کہ آپ کسی اور شہر میں ہوں مگر آپ کا دل بَیْتُ الله شریف کا مشتاق ہو اور اسی کے ساتھ لگا ہو تو یہ اس بات سے بہتر ہے کہ آپ بَیْتُ الله شریف میں ہوں مگر بیزار ہوں یا آپ کا دل کسی اور شہر کے ساتھ لگا ہو۔

امام شعبی کا قول

حضرت سَیِّدُنا امام شَعْبی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں کہ مجھے مکہ مکرمہ میں رہائش اِخْتِیار کرنے سے زیادہ پسند یہ ہے کہ میں (کوفہ کے ایک مقام) "حمّامِ اَعْیَن" میں رہائش اِخْتِیار کر لوں۔

حضرت سَیِّدُنا سُفْیان ثَوری رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ ان کے اس قول کی وَضاحت میں فرماتے ہیں کہ انہوں نے ایسا اس لیے فرمایا کہ ان کے پیشِ نظر کعبہ شریف کی عَظْمَت بجالانا اور وہاں گناہوں میں مُبْتَلا ہونے سے بچنا تھا۔

اَمِیْرُ الْمُؤمِنِین حضرت سَیِّدُنا عُمَر فَارُوقِ اَعْظَم رَضِیَ اللہُ عَنْہ حج کے بعد حاجیوں کو مارتے اور فرماتے: اے اَہْلِ یمن! یمن کو جاؤ۔ اے اَہْلِ شام! شام کو جاؤ اور اے اَہْلِ عِراق! عراق کو جاؤ۔[1]

بعض اولیائے کرام کی شان

بعض بُزُرگانِ دِین فرماتے ہیں: کتنے ہی لوگ خراسان میں ہیں لیکن طواف کرنے والوں سے زیادہ بیتُ الله شریف کے قریب ہیں۔

مَنْقُول ہے کہ الله پاک کے کچھ بندے ایسے ہیں کہ الله پاک کا قُرب حاصل کرنے کے لئے کعبہ شریف ان کا طواف کرتا ہے۔

---

[1]...... یہاں سے کچھ عبارت کا ترجمہ متروک ہے جسے اہلِ علم احباب کے لئے کتاب کے آخر میں دے دیا گیا ہے۔

(صاحبِ کتاب حضرت سَیِّدُنا شیخ اَبُو طالب مَکی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں:) حضرت سَیِّدُنا ابو علی کرمانی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ جو کہ ابدال تھے اور مکہ شریف میں ہمارے شیخ بھی تھے، ان سے مَرْوِی ایک قول میرے ایک شیخ نے مجھے بتایا کہ انہوں نے یہ قول خود ان سے سنا۔ چُنانچہ فرماتے ہیں کہ میں نے انہیں اِرشَاد فرماتے ہوئے سنا: ایک رات میں نے کعبہ شریف کو دیکھا کہ وہ اَہْلِ ایمان میں سے ایک شخص کا طواف کر رہا ہے۔

میرے اسی شیخ نے مجھے یہ بھی بتایا کہ کبھی کبھار میں آسمان کو دیکھتا تو لگتا کہ وہ کعبہ شریف کی چھت پر اس طرح گر چکا ہے کہ دونوں ایک دوسرے سے مل گئے ہیں۔ (نیز انہوں نے یہ بھی بتایا کہ) اَکْثَر اَبْدَال ہندوستان، حبشہ اور کفار کی سرزمین میں رہتے ہیں۔

قیامت کی چند نشانیاں

مَنْقُول ہے کہ جب تک کوئی اَبْدَال بَیْتُ الله شریف کا طواف نہیں کر لیتا اس دن کا سُورج غُرُوب نہیں ہوتا اور جب تک کوئی اَوتاد طواف نہیں کرتا فَجْر طُلُوع نہیں ہوتی۔ جب یہ سلسلہ مُنْقَطِع ہو جائے گا تو یہ بَیْتُ الله شریف کے زمین سے اُٹھنے کا سَبَب ہو گا۔ لوگ اس حال میں صُبْح کریں گے کہ کعبہ شریف کو اُٹھا لیا گیا ہو گا یہاں تک کہ اس کا نشان تک بھی باقی نہ ہو گا اور یہ اس وَقْت ہو گا جب اس پر سات سال یوں گزر جائیں گے کہ کوئی شخص اس کا حج نہ کرے گا۔ پھر مَصَاحِف میں سے قرآنِ کریم اُٹھا لیا جائے گا لوگ اس حال میں صُبْح کریں گے کہ کاغذ سفید چمکتے ہوں گے ان پر کوئی حَرْف نہ ہو گا۔ پھر قرآنِ کریم دِلوں سے اُٹھا لیا جائے گا یہاں تک کہ اس کا ایک کَلِمَہ بھی یاد نہ رہے گا۔ پھر لوگ اَشْعار، گانوں اور زمانۂ جَاھِلِیَّت کی باتیں کیا کریں گے۔ اس کے بعد دَجَّال نکلے گا اور حضرت سَیِّدُنا عیسیٰ علیہ عَلَیْہِ السَّلَام کا نُزُول ہو گا، آپ دَجَّال کو قَتْل کریں گے اور اس وَقْت قِیَامَت اتنی قریب ہو گی جتنی کہ حامِلہ عورت کے بچہ جَنْنے کی تَوَقُّع ہوتی ہے۔

کعبے کی پکار

حضرت سَیِّدُنا وُھَیْب بِن وَرْد مَکی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں کہ ایک رات میں حطیم میں نماز پڑھ رہا تھا کہ میں نے کعبہ اور اس کے پردوں کے درمیان سے یہ کلام سنا: میں اللہ پاک سے، پھر اے جبرائیل! تم سے شِکَایَت کرتا ہوں کہ میرا طواف کرنے والے دُنْیَوی باتوں میں غور و فِکْر کرتے اور لغو و فُضُول باتیں کرتے

ہیں، اگر وہ اس سے باز نہ آئے تو میں ایسی حَرَکت کروں گا کہ میرا ہر پتّھر اس پہاڑ کی طرف چلا جائے گا جس سے وہ جُدا کیا گیا تھا۔

کعبے کا گرایا جانا قیامت کی نشانی ہے

ایک رِوایَت میں ہے کہ سرکارِ مدینہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اِرشاد فرمایا: قیامت اس وَقْت تک قائم نہ ہو گی جب تک کہ رکن اور مَقام نہ اٹھا لیے جائیں گے۔[1] بلکہ ایک رِوایَت میں ہے کہ حبشی لوگ کعبہ پر چڑھائی کریں گے، ان کا پہلا شخص حجرِ اَسْوَد کے پاس ہو گا اور آخری جدہ میں سمندر کے کنارے پر ہو گا۔ وہ ایک ایک پتّھر اکھاڑ کر ایک دوسرے کو پکڑاتے جائیں گے یہاں تک کہ تمام پتّھر سمندر میں پھینک دیں گے۔

اسی طرح کسی صحابی اور سابقہ کُتُب کے کسی عالم سے بھی مَرْوِی ہے کہ گویا میں ایک ناک کٹے گنجے حبشی کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ کعبہ پر کھڑا ہے اور اپنی کدال سے کعبہ شریف کا ایک ایک پتّھر گرا رہا ہے۔[2] ایک رِوایَت میں ہے کہ اس گھر کا طواف کثْرَت سے کرو اس سے پہلے کہ اسے اٹھالیا جائے، یہ دو مرتبہ گرایا گیا ہے اور تیسری مرتبہ اُٹھالیا جائے گا۔[3]

(صاحِبِ کتاب فرماتے ہیں:) کعبے کا اُٹھایا جانا جیسا کہ ان دونوں روایات میں مَذْکُور ہوا، اس کے گرائے جانے کے بعد ہو گا، کیونکہ جس طرح پہلوں نے اسے تعمیر کیا تھا (یعنی اس کا کوئی نشان نہ تھا دوبارہ) یہ اسی حالَت پر (بغیر نشان کے) ہو جائے گا، البتہ! اس کا بارہا حج کیا جائے گا اور پھر بالآخر اسے اٹھالیا جائے گا۔

دنیا کی بربادی کا آغاز کب ہو گا؟

اَمِیْرُ الْمُؤمِنِین حضرت سَیِّدُنا علی المرتضٰی رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہ سے مَرْوِی ہے کہ رسولِ پاک صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اِرشاد فرمایا کہ **اللہ** پاک اِرشاد فرماتا ہے: جب میں دنیا کو خَتْم کرنے کا اِرادہ کروں گا تو اپنے گھر سے اِبتدا

---

[1] ......المتفق والمفترق للخطیب البغدادی، باب الیاء، ۳/ ۲۰۹۱، رقم: ۱۵۳۷: یوسف بن اسباط، حدیث: ۱۷۷۵

[2] ......بخاری، کتاب الحج، باب ھدم الکعبة، ۱/ ۵۳۷، حدیث: ۱۵۹۵، ۱۵۹۶

اخبار مکة للفاکھی، ذکر صفة الحبشی الذی یھدم الکعبة، ۱/ ۳۵۷، حدیث: ۷۴۲، ۷۴۳

[3] ......مصنف ابن ابی شیبه، کتاب المناسک، من کرہ ھدمه، ۴/ ۳۵۴، حدیث: ۳

اخبار مکة للفاکھی، ذکر صفة الحبشی الذی یھدم الکعبة، ۱/ ۳۵۹، حدیث: ۷۴۷

کروں گا اس کے بعد دنیا کو خَتم کروں گا۔[1]

مدینہ شریف کے فضائل

مکہ کے بعد سب سے افضل جگہ

مکہ مکرمہ کے بعد مدینہ مُنَوَّرہ سے اَفضَل کوئی زمین نہیں[2]، اس میں بھی نیک اَعمال کا ثواب بڑھ جاتا ہے۔ چُنانچہ،

اللہ پاک کے مَحبُوب صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا فرمانِ عالیشان ہے: میری اس مَسْجِد (یعنی مَسْجِدِ نبوی) میں ایک نَماز مَسْجِدِ حَرام کے عِلاوہ دیگر مَساجِد میں ایک ہزار نَمازوں سے بہتر ہے۔[3] اسی طرح یہ بھی مَنقُول ہے کہ نَماز کی طرح مدینہ مُنَوَّرہ میں کئے جانے والے ہر عَمَل کو فضیلت حاصِل ہے، یعنی ہر عَمَل ایک ہزار کے برابر ہے۔

مدینہ شریف کے بعد افضل جگہ

مدینہ مُنَوَّرہ کے بعد بَیْتُ الْمُقَدَّس کا مرتبہ ہے۔ اس میں ایک نَماز مَسْجِدِ حَرام کے عِلاوہ دیگر مَساجِد کی 500 نَمازوں کے برابر ہے[4] اور اسی طرح تمام اَعمال کا اَجر و ثواب بھی 500 گنا زیادہ ہو جاتا ہے۔ چُنانچہ،

حضرت سَیِّدُنا **عبداللہ** بن عباس رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا سے مَروِی ہے کہ سرکارِ مدینہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اِرشاد فرمایا: مَسْجِدِ نبوی میں ایک نماز 10 ہزار نَمازوں کے برابر، مَسْجِدِ حَرام میں ایک نَماز لاکھ نَمازوں کے برابر[5] اور بَیْتُ الْمُقَدَّس میں ایک نَماز ہزار نَمازوں کے برابر ہے۔

[1]......التذکرة للقرطبی، باب ماجاء فی خراب الارض والبلاد قبل الشام، ص ۶۴۸

[2]......اعلیٰ حضرت رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْه فرماتے ہیں: حدیث نَص صریح ہے کہ (حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے) فرمایا: اَلْمَدِیْنَةُ اَفْضَلُ مِنْ مَکَّةَ یعنی مدینہ مکہ سے افضل ہے۔ (المعجم الکبیر، ۴/ ۲۸۸، حدیث: ۴۴۵۰) (ملفوظاتِ اعلیٰ حضرت، ص ۲۳۷)

[3]......بخاری، کتاب فضل الصلاة فی مسجد مکة والمدینة، باب فضل الصلاة فی مسجد مکة والمدینة، ۱/ ۴۰۱، حدیث: ۱۱۹۰

[4]......مسند بزار، مسند ابی الدرداء، ۱۰/ ۷۷، حدیث: ۴۱۴۲

[5]......ابن ماجه، کتاب اقامة الصلاة، باب ماجاء فی الصلاة فی مسجد بیت المقدس، ۲/ ۱۷۲، حدیث: ۱۴۰۷
الترغیب والترہیب، کتاب النوافل، الترغیب فی قیام اللیل، ۱/ ۲۴۳، حدیث: ۲۲

ان تین مُقدّس مقامات کے بعد باقی تمام مقامات پر مَساجِد کی فضیلت یکساں ہے، کسی دوسری مَسْجِد کی فضیلت شرع سے ثابت نہیں۔ جیسا کہ ایک رِوایَت میں ہے کہ رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اِرشاد فرمایا: تین مَساجِد کے سوا کسی طرف کجاوے نہ باندھے جائیں: مسجدِ حرام، میری یہ مَسْجِد (یعنی مَسْجِد نبوی) اور مَسْجِدِ اقصیٰ[1]۔[2]

رہائش کہاں رکھی جائے؟

اس کے بعد (یعنی ان تین مقامات کے بعد) جس جگہ بھی تیرا دل دُرُست رہے، دین سَلامت اور حال اچھا رہے، وُہی جگہ تیرے لیے اَفضَل ہے کہ ایک رِوایَت میں آیا ہے کہ سرورِ کائنات صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اِرشاد فرمایا: تمام شہر **اللہ** پاک کے ہیں اور تمام مَخلُوق اس کے بندے ہیں۔ پس تم جہاں آسانی پاؤ وہیں ٹھہر جاؤ اور **اللہ** پاک کا شُکر ادا کرو۔[3]

برکت والی شے کو نہ چھوڑو

ایک رِوایَت میں ہے کہ جسے کسی چیز میں برکت دی گئی تو اسے چاہئے کہ اسے لازِم پکڑے اور جس کا ذریعۂ مَعاش کسی چیز میں رکھا گیا ہو تو وہ اس سے دوسری چیز کی طرف منتقل نہ ہو جب تک کہ ذریعۂ مَعاش نہ

---

[1] ......مشہور مُفسِّرِ قرآن، حکیم الاُمَّت مفتی احمد یار خان رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ اس حدیثِ پاک کے تحت فرماتے ہیں: (بعض) حضرات نے اس کے معنٰی یہ سمجھے کہ سوا ان تین مَسْجِدوں کے کسی اور مَسْجِد کی طرف سَفَر ہی حَرام ہے۔ لہٰذا عُرس، زِیارتِ قُبور وغیرہ کے لئے سَفَر حَرام۔ اگر یہ مطلب ہو تو پھر تجارت، عِلاج، دوستوں کی مُلاقات، عِلْمِ دین سیکھنے وغیرہ تمام کاموں کے لئے سَفَر حَرام ہوں گے اور ریلوے کا محکمہ مُعَطَّل ہو کر رہ جائے گا اور یہ حدیث قرآن کے خِلاف بھی ہو گی اور دیگر احادیث کے بھی۔ رب (کریم) فرماتا ہے: قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۱﴾ (پ۷، الانعام: ۱۱)، (ترجمۂ کنزالایمان: تم فرما دو زمین میں سیر کرو پھر دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا کیسا اَنجام ہوا۔) (صاحِبِ مِرقاۃ نے اسی جگہ اور شامی نے زِیارتِ قُبور میں فرمایا کہ چونکہ ان تین مَساجِد کے سوا تمام مَسْجِدیں برابر ہیں اس لئے اور مَسْجِدوں کی طرف سَفَر مَمْنُوع ہے اور اَوْلِیَاءُ اللہ کی قبریں فُیُوض و برکات میں مختلف ہیں، لہٰذا زِیارتِ قُبور کے لئے سَفَر جائز، کیا یہ جُہلا انبیائے کِرام (عَلَیْہِمُ السَّلَام) کے قُبور کی طرف سَفَر بھی منع کریں گے؟ (مراٰۃ المناجیح، ۱/ ۴۳۱)

[2] ......بخاری، کتاب فضل الصلاۃ فی مسجد مکۃ والمدینۃ، باب فضل الصلاۃ فی مسجد مکۃ والمدینۃ، ۱/ ۴۰۱، حدیث: ۱۱۸۹

[3] ......معجم کبیر، ۱/ ۱۲۴، حدیث: ۲۵۰۔ مسند احمد، مسند الزبیر بن العوام، ۱/ ۳۵۰، حدیث: ۱۴۲۰

بدل جائے۔[1]

مہنگائی والے علاقوں سے دور رہو

حضرت سیِّدُنا نُعیم رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں: میں نے حضرت سیِّدُنا سُفیان ثوری رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ کو دیکھا کہ ان کے کندھے پر توشہ دان اور ہاتھ میں پانی کا کوزہ ہے، گویا کہیں جانے کا اِرادہ رکھتے ہیں۔ میں نے عَرض کی: اے ابو عبد اللہ! کہاں کا اِرادہ ہے؟ اِرشاد فرمایا: ایسے شہر کا جہاں تھیلی کو دَراہِم سے بھر لوں۔ ایک رِوایت میں ہے کہ انہوں نے فرمایا: مجھے مَعلُوم ہوا ہے کہ فلاں گاؤں میں مہنگائی نہیں ہے (یعنی اَشیائے خورد و نوش بہت سستی ہیں)، لہٰذا میں وہاں جا رہا ہوں۔ حضرت سیِّدُنا نعیم رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں کہ میں نے عَرض کی: اے ابو عبد اللہ! آپ بھی ایسا کریں گے؟ اِرشاد فرمایا: ہاں! جب تم کسی شہر میں اَرزانی کے مُتعلِّق سنو (یعنی وہاں مہنگائی نہیں ہے) تو وہاں چلے جاؤ کیونکہ اس سے تمہارا دِین مَحفُوظ ہو گا اور فِکریں کم ہوں گی۔ حضرت سیِّدُنا سُفیان ثَوری رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرمایا کرتے تھے: یہ بُرے لوگوں کا زمانہ ہے۔ اس میں گمنام رہنے والے بھی مَحفُوظ نہیں تو مَشہُور لوگ کیسے مَحفُوظ رہ سکتے ہیں؟ یہ اِنتِقال (یعنی ایک جگہ سے دوسری جگہ چلے جانے) کا زمانہ ہے، لہٰذا بندہ اپنے دِین کو فتنوں سے بچانے کے لئے ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں کی طرف مُنتَقِل ہوتا رہے۔

دیگر شہروں میں جانے میں نیت کیا ہو؟

عُلَمائے کِرام اور سالکین کا طریقہ تھا کہ وہ مُختَلِف شہروں میں جایا کرتے تاکہ عُلَمائے کِرام و صالحین سے مُلاقات کریں، ان کی زِیارَت کریں اور ان سے اَدَب و بَرَکت حاصِل کریں۔ جبکہ عُلَمائے کِرام کا یہ طریقہ بھی رہا ہے کہ وہ ایک شہر سے دوسرے شہر مُنْتَقِل ہوتے رہتے تاکہ لوگوں کو عِلْم سکھائیں، مَخلُوق کا رُخ ان کے خالق یعنی اللہ پاک کی طرف موڑ دیں اور انہیں بارگاہِ اِلٰہی تک رسائی پانے والے آسان راستے کی پہچان کرائیں۔

حرفِ آخر

(صاحِبِ کتاب حضرت سیِّدُنا شیخ ابُو طالِب مَکّی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں:) جب عُلَمائے ربّانِیّین رہیں نہ کہیں سالکین

---

[1] ......ابن ماجه، کتاب التجارات، باب اذا قسم للرجل رزق من وجه فليلزمه، ۳/ ۱۱، حديث: ۲۱۴۷، ۲۱۴۸

راہِ طریقت پائے جائیں تو کسی ایسی جگہ کو ٹھکانا بنالیجئے گا جہاں آپ دیکھیں کہ دین سلامت اور دل دُرُست رہے گا اور سکونِ نفس بھی مُیَسَّر ہو گا۔ پھر اس جگہ سے کہیں اور بالکل نہ جایئے گا کہیں اس سے بد تر علاقے میں نہ چلے جائیں اور واپس پہلی جگہ جانا چاہیں تو قُدرت نہ پائیں۔

اور اللہ پاک ہی ہر مُعاملے پر غالب ہے، اس کی مَدد کے بغیر نیکی کرنے کی کوئی قُدرت ہے نہ برائی سے بچنے کی کوئی طاقت۔

صابر شوہر اور صابرہ بیوی کا اجر

اللہ پاک کے پیارے حبیب صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: جس نے اللہ پاک اور اس کے رسول صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی اطاعت کے ساتھ ساتھ اپنی بیوی کے بُرے اخلاق پر صبر کیا تو اللہ پاک اس شخص کو حضرت ایوب عَلَیْہِ السَّلَام کی طرح اجر و ثواب عطا فرمائے گا اور جس عورت نے اپنے شوہر کی بد اَخلاقی پر صبر کیا تو اللہ پاک اس کو اپنی راہ میں جہاد کرنے والے کی مثل اجر عطا فرمائے گا اور جس عورت نے اپنے شوہر پر ظلم کیا اور اس سے ایسی بات کا مطالبہ کر کے اس کو اذیت دی جس کی وہ طاقت نہیں رکھتا تھا تو رحمت و عذاب کے فرشتے اس عورت پر لعنت کرتے ہیں اور اس کا ٹھکانا جہنم میں ہو گا اور جس عورت نے اپنے شوہر کی اذیت و تکلیف پر صبر کیا اللہ پاک اس کو حضرت آسیہ (فرعون کی مومنہ بیوی) اور حضرت مریم بنتِ عمران رَضِیَ اللہُ عَنْہُمَا کی طرح اجر و ثواب عطا فرمائے گا۔ بے شک اللہ پاک ارشاد فرماتا ہے: جس نے صِلَہ رحمی کی میں اس کی عُمر میں اضافہ کروں گا۔ اس کے مال میں برکت دوں گا۔ اس کے گھر کو آباد کروں گا۔ موت کی سختیاں اس پر آسان کر دوں گا اور جنت کے دروازے اسے پکاریں گے: ہماری طرف آجاؤ۔ (قرۃ العیون ومفرح القلب المحزون، الباب التاسع: فی عقوبۃ عاق والدیہ، ص ۴۰۲)

اِسلام کی بنیاد

اِسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے: اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ پاک کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد (صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم) اللہ پاک کے رسول ہیں، نماز قائم کرنا، زکوٰۃ ادا کرنا، رمضان کے روزے رکھنا اور جسے استطاعت ہو اس کا بَیْتُ اللہ کا حج کرنا۔

(بخاری، کتاب الایمان، باب دعاؤکم ایمانکم، ۱/۱۴، حدیث: ۸)

فصل نمبر 34

اِیمان و اِسلام کی تفصیل

(مذہب اَہلسنت کے مطابق دل کے عقیدے)

قلبی معاملات کے متعلق آیاتِ مبارکہ

(قرآنِ کریم میں قلبی مُعاملات کے مُتعلِّق اِرشاد ہوتا ہے:)

﴿1﴾---

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ؕ (پ۶، المآئدۃ: ۱)

ترجمۂ کنزالایمان: اے ایمان والو اپنے قول (عہد) پورے کرو۔

﴿2﴾---

وَ لٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ۚ (پ۷، المآئدۃ: ۸۹)

ترجمۂ کنزالایمان: ہاں ان قسموں پر گرفت فرماتا ہے جنہیں تم نے مَضبُوط کیا۔

﴿3﴾---

وَ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيْمَاۤ اَخْطَاْتُمْ بِهٖ ۙ وَ لٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ ؕ (پ۲۱، الاحزاب: ۵)

ترجمۂ کنزالایمان: اور تم پر اس میں کچھ گناہ نہیں جو نادانستہ تم سے صادِر ہوا ہاں وہ گناہ ہے جو دل کے قصد سے کرو۔

﴿4﴾---

وَ لٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ ؕ (پ۲، البقرۃ: ۲۲۵)

ترجمۂ کنزالایمان: ہاں اس پر گرفت فرماتا ہے جو کام تمہارے دل نے کیے۔

دل کے عمد و کسب سے مراد

(صاحِبِ کتاب حضرت سیِّدُنا شیخ ابو طالب مکّی رَحْمَۃُ اللہ عَلَیْہ فرماتے ہیں:) مذکورہ تمام آیاتِ مُبارَکہ میں دل کے عمد یعنی اِرادے اور کَسب یعنی کام سے مُراد دِل کے عقیدے واَعمال ہیں اور یہی وہ قلبی عقیدے ہیں جن پر تمام اَہْلِسُنّت کا اِجماع ہے، انہیں بعد کے عُلَمائے کرام نے اپنے اَسلاف سے نَقل کیا ہے اور یہ ایسی باتیں ہیں جن

میں کہیں بھی دو بندوں نے اِختِلاف نہیں کیا۔

دل کے عقیدے

دل کے کل عقیدے 16 ہیں۔ ان میں سے آٹھ کا تَعَلُّق دنیا سے جبکہ آٹھ کا تَعَلُّق آخِرت سے ہے۔ چُنَانچِہ جن عقائد کا تَعَلُّق دنیا سے ہے، ان کی تفصیل یہ ہے:

دنیا کے مُتَعَلِّق آٹھ عقیدوں کی تفصیل

عقیدہ 1: ایمان قول و عمل کا نام ہے

بندے کا عقیدہ یہ ہو کہ اِیمان قول و عَمَل کا نام ہے، جو نیکی کرنے سے زیادہ، گناہ کرنے سے کم، عِلْم سے مَضْبُوط اور جہَالَت سے کمزور ہوتا ہے۔[1]

عقیدہ 2: قرآن غیر مخلوق ہے

بندے کا عقیدہ یہ ہو کہ قرآنِ کریم **اللہ** پاک کا کلام اور غیر مَخْلُوق ہے، اس کا عِلْم قدیم ہے اور یہ کلام اس کی صِفَات میں سے ایک صِفَت ہے اور وہ خود یہ کلام فرمانے والا ہے۔

(صاحِبِ کتاب فرماتے ہیں کہ قرآنِ کریم **اللہ** پاک کا ذاتی کلام ہے، اس پر کئی روایات مَرْوِی ہیں۔ چُنَانچِہ) ایک رِوایَت میں ہے کہ **اللہ** پاک کے پیارے حبیب صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اِرشَاد فرمایا: بندہ کسی بھی شے سے **اللہ** پاک کا اتنا قُرْب حاصِل نہیں کرتا جتنا اس شے کے ذریعے کرتا ہے جو اس کی طرف سے آئی ہے یعنی اس کا کلامِ مُبارَک۔[2]

---

[1]......حضرت سیِّدُنا شریف الحق امجدی رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں: ایمان کے سلسلے میں کثیر اختلافات ہیں۔ ان میں بنیادی اختلاف دو ہیں: اعمال واقوال ایمان کے جز ہیں یا نہیں؟ ایمان گھٹتا بڑھتا ہے یا نہیں؟ امام مالک، امام شافعی، امام احمد وجمہور محدثین اعمال واقوال کو ایمان کا جز مانتے ہیں اور امام اعظم اور جمہور متکلمین و محققین محدثین اعمال واقوال کو ایمان کا جز نہیں مانتے۔ اسی کی فرع ایمان کے گھٹنے بڑھنے کا بھی مسئلہ ہے۔ فریق اول کے نزدیک اعمال واقوال کی زیادتی سے ایمان بڑھتا ہے اور کمی سے گھٹتا ہے اور فریق ثانی کے نزدیک ایمان نہ گھٹتا ہے نہ بڑھتا ہے۔ صحیح اور راجح یہی ہے کہ اعمال واقوال ایمان کے جز نہیں اور ایمان نہ گھٹتا ہے نہ بڑھتا ہے۔ (نزہۃ القاری، ۱/۲۹۱)

[2]......ترمذی، کتاب فضائل القرآن، باب رقم: ۱۷، ۴/۴۱۸، حدیث: ۲۹۲۰

قرآنِ کریم غیر مخلوق ہے

حضرت سَیِّدُنا عبداللہ بن عباس رَضِیَ اللہُ عَنۡہُمَا سے مَرۡوِی ہے کہ اَمیرُ الۡمُؤمِنِین حضرت سَیِّدُنا علی المرتضٰی رَضِیَ اللہُ عَنۡہُ نے جنگِ صِفِّین کے مَوۡقع پر یہ دُعا مانگی: اے کٓھٰیٰعٓصٓ! میں تجھ سے ان گناہوں کی پناہ مانگتا ہوں جو سزا کا باعث بنیں اور ان گناہوں سے بھی پناہ مانگتا ہوں جو نعمتوں کو بدلنے کا سَبَب بنیں اور ان گناہوں سے بھی پناہ مانگتا ہوں جو حرمتوں کو پامال کریں اور ان گناہوں سے بھی پناہ مانگتا ہوں جو آسمان سے بارش کو روک دیں اور ان گناہوں سے بھی پناہ مانگتا ہوں جو دشمنوں کو غالب کر دیں۔ (اے اللہ پاک!) ہم پر ظُلم کرنے والوں کے خِلاف ہماری مَدد فرما۔

حضرت سَیِّدُنا ضحاک بن مزاحم رَحۡمَۃُ اللہِ عَلَیۡہ فرماتے ہیں کہ اَمیرُ الۡمُؤمِنِین حضرت سَیِّدُنا علی المرتضٰی رَضِیَ اللہُ عَنۡہُ ہر مُصِیۡبَت اور مُشۡکِل وَقۡت میں اسے پڑھا کرتے تھے۔

سرورِ کائنات صَلَّی اللہُ عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے بھی مَرۡوِی ہے کہ آپ نے ان اَلۡفاظ سے دُعا مانگی: اَعُوۡذُ بِکَلِمَاتِ اللہِ التَّآمَّۃِ وَاَسۡمَآئِہٖ[1] یعنی میں اللہ پاک کے تمام اَسمائے حسنیٰ اور تمام کلمات کی پناہ طَلَب کرتا ہوں۔ اسی طرح ایک بار یہ دُعا مانگی: اَعُوۡذُ بِعِزَّۃِ اللہِ وَقُدۡرَتِہٖ[2] یعنی میں اللہ پاک کی عزّت وقُدۡرت کی پناہ مانگتا ہوں۔ چُنانچہ یہ دونوں دُعائیں اس بات پر دلیل ہیں کہ اللہ پاک کا کلام اور اس کے اَسمائے حسنیٰ سب اس کی صِفات ہیں۔

اَمیرُ الۡمُؤمِنِین حضرت سَیِّدُنا علی المرتضٰی رَضِیَ اللہُ عَنۡہُ نے جب دو اَفراد کو حَکَم بنایا تو خارجیوں نے آپ پر یہ اِعۡتِراض کیا کہ انہوں نے اللہ پاک کے دین کے مُعامَلے میں مَخۡلُوق کو حَکَم بنایا ہے۔ تو آپ رَضِیَ اللہُ عَنۡہُ نے یہ جواب اِرشاد فرمایا: اللہ پاک کی قسم! میں نے مَخۡلُوق کو حَکَم نہیں بنایا بلکہ میں نے تو صِرف قرآنِ کریم کا حُکۡم نافِذ کیا ہے (جو کہ غیر مَخۡلُوق ہے)۔

اسی طرح جب اَمیرُ الۡمُؤمِنِین حضرت سَیِّدُنا ابو بکر صِدِّیق رَضِیَ اللہُ عَنۡہُ نے مُسَیۡلِمَہ کذّاب کا جھوٹا گھڑا ہوا قرآن سنا کہ جسے وہ اللہ پاک کے کلامِ مُبارَک کے مقابل بیان کرتا تھا تو آپ نے اِرشاد فرمایا: اللہ پاک

---

[1] ......مسند بزار، مسند ابن عباس، ۱۱/ ۳۴، حدیث: ۴۷۱۶

[2] ......ابن ماجه، كتاب الطب، باب ماعوذ به النبي وماعوذ به، ۴/ ۱۲۴، حديث: ۳۵۲۲

کی قسم! یہ کلام اِلّ (یعنی اللہ پاک) کا ہے نہ کسی پرہیزگار بندے کا۔ حضرت سَیِّدُنا ابو عبیدہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہ فرماتے ہیں کہ اِلّ سے اَمیرُ الْمُؤمنین حضرت سَیِّدُنا ابو بکر صِدّیق رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہ کی مُراد ذاتِ باری تعالیٰ ہے یعنی یہ کلام اللہ پاک کا نہیں ہے۔

(صاحِبِ کتاب فرماتے ہیں:) اَمیرُ الْمُؤمنین حضرت سَیِّدُنا ابو بکر صِدّیق رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہ کا یہ فرمان بھی اس بات کی دلیل ہے کہ قرآنِ کریم غیر مخلوق ہے، اللہ پاک کی طرف سے ہے اور اسی نے یہ کلام فرمایا ہے۔

نیز یہ فرمانِ باری تعالیٰ ﴿ لَا يَرْقُبُوْنَ فِيْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ؕ ﴾[1] بھی اس کی دلیل ہے۔ مُراد یہ ہے کہ وہ کسی مسلمان کے بارے میں اللہ پاک کا بھی خوف نہیں رکھتے۔

رسولِ پاک صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے بھی اسی مفْہوم میں یہ ارشاد مروی ہے کہ اللہ پاک کے کلام کو تمام کلاموں پر وہی فضیلت حاصِل ہے جو اللہ پاک کو اپنی مخلوق پر حاصِل ہے۔[2]

(صاحِبِ کتاب حضرت سَیِّدُنا شیخ ابو طالب مکّی رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں) یہ فضیلت بھی اسی بات کی دلیل ہے کہ یہ کلام اللہ پاک نے خود فرمایا ہے اور اسی کی طرف سے ہے۔ نیز میں نے خود حضرت سَیِّدُنا عبد اللہ بن مَسْعُود رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہ کے مُصْحَف میں یہ پڑھا ہے: **اے موسیٰ! میں نے تمہیں اپنی رِسالت اور اپنے کلام کے سَبَب تمام لوگوں پر فضیلت عطا کی ہے۔** اور یہ فضیلت صِرف بِالذّات کلام کرنے ہی سے حاصِل ہو سکتی ہے۔ جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

وَ كَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا ۚ﴿۱۶۴﴾ (پ ۶، النسآء: ۱۶۴) ترجمۂ کنزالایمان: اور اللہ نے موسیٰ سے حقیقتاً کلام فرمایا۔

اَہلِ لُغَت فرماتے ہیں کہ مَصْدَر کو جب فِعل میں داخِل کیا جائے تو وہ مُواجہت اور وَصْف کا معنیٰ دیتا ہے، بِالْفِعْل اَمْر اور مجاز کا نہیں۔

عقیدہ ③: صفاتِ باری تعالیٰ حق ہیں

پھر یہ عقیدہ رکھے کہ وہ تمام صِفاتِ باری تعالیٰ حق ہیں جو روایات سے ثابِت اور نقلاً دُرُست ہیں، ان

---

[1] ترجمۂ کنزالایمان: کسی مسلمان میں نہ قرابت کا لحاظ کریں نہ عہد کا۔ (پ ۱۰، التوبۃ: ۱۰)

[2] ترمذی، کتاب فضائل القرآن، باب رقم: ۲۴، ۴/ ۴۲۵، حدیث: ۲۹۳۵

میں تاویل کی گنجائش ہے نہ عَقل و قیاس کو شبہ کی کوئی مَجال۔ بلکہ یہ عقیدہ بھی رکھے کہ تمام اسما و صِفَات اپنے مَعانی و حقائق کے ساتھ **اللہ** پاک کے لیے ثابت ہیں اور اس کے عِلاوہ کسی اور میں ان اسما و صِفَات کی مُشابہت و کَیْفِیَّت مُمکِن نہیں۔ اس لیے کہ جس ہستی کی یہ صِفَات ہیں اس کا کوئی ہمسر ہے کہ اس سے کسی کو تشبیہ دی جاسکے نہ کوئی اس جیسا ہے کہ اس کا ہم جِنْس قرار دیا جاسکے۔ لِہٰذا ہم اس کے مُتَعَلِّق وُہی عقیدہ رکھتے ہیں جو ہم نے اپنے بُزُرگانِ دِین سے سنا ہے اور اسی کی گواہی دیں گے جو ہم نے پڑھا و سیکھا۔ اس لیے کہ کسی بھی وَصْف میں کوئی اُس جیسا نہیں، ہم اس کے لیے اَوصاف ثابت بھی کر سکتے ہیں اور بیان بھی کرسکتے ہیں مگر کسی کو اس کے مشابہ قرار دے سکتے ہیں نہ اس کی مثل کسی کو کہہ سکتے ہیں، اسی طرح ہم اس کی مَعْرِفَت تو رکھتے ہیں مگر اس مَعْرِفَت کی کَیْفِیَّت بیان نہیں کرسکتے۔

صفاتِ باری تعالیٰ پر ایمان نہ رکھنا کیسا؟

(صاحِبِ کتاب فرماتے ہیں:) اگر صِفَاتِ باری تعالیٰ کے مُتَعَلِّق مَرْوِی روایات کو تسلیم نہ کیا جائے تو اس سے اِسلامی شریعت کی دیگر باتیں بھی باطِل ٹھہریں گی، وہ اس طرح کہ جن لوگوں نے ہمیں صِفَاتِ باری تعالیٰ کے مُتَعَلِّق یہ باتیں بتائی ہیں انہوں نے ہی شریعت اور اِیمان کے اَحْکام بھی نَقْل کیے ہیں۔ لِہٰذا اگر وہ شَرْعی اَحْکام کے نَقْل کرنے میں عادِل ہیں تو وہ دیگر باتوں کے نَقْل کرنے میں بھی یقیناً سچے و عادِل ہیں اور اگر کوئی یہ کہے کہ صِفَاتِ باری تعالیٰ کے مُتَعَلِّق انہوں نے جو روایات نَقْل کی ہیں وہ ان کے نَقْل کرنے میں جھوٹے ہیں تو جھوٹا شخص جو بھی بات نَقْل کرے اس کی کوئی بات بھی قبول نہیں کی جاتی۔ چونکہ **اللہ** پاک پر جھوٹ باندھنا کفر ہے لِہٰذا کسی کافر کی گواہی کیسے قبول کی جاسکتی ہے ؟(لِہٰذا ان سے مَرْوِی شَرْعی اَحْکام بھی ثابِت نہ رہیں گے۔) اب اگر کوئی اس بات کا قائل ہو کہ انہوں نے **اللہ** پاک کے مُتَعَلِّق ایسی باتیں گھڑی ہیں جو انہوں نے رسولُ **اللہ** صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے نہ سنی تھیں تو وہ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے مَرْوِی اَحْکام بیان کرنے میں بدرَجۂ اَولیٰ جھوٹے ہوں گے۔ اس میں شریعت کو باطِل ٹھہرانے کے علاوہ صحابۂ کرام اور تابِعینِ عُظّام میں سے اَصْحابِ نَقْل کی تکفیر بھی لازِم آئے گی۔ چُنانچہ یہی وجہ ہے کہ مُحَدِّثِین کرام نے صِفَاتِ باری تعالیٰ کے مُتَعَلِّق مَرْوِی روایات کا انکار کرنے والے لوگوں پر تکفیر کا حکم لگایا ہے۔

عقیدہ 4: فضیلتِ صحابہ واہلِ بیت اطہار

پھر یہ عقیدہ رکھے کہ سرکارِ مدینہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے صحابۂ کرام اور اہلِ بَیْتِ اَطہار سب سے اَفْضَل ہیں، وہ سب **اللہ** پاک سے راضی اور وہ ان سب سے راضی۔

مشاجراتِ صحابہ کے متعلق کیا عقیدہ رکھنا چاہئے؟

(صاحبِ کتاب حضرت سَیِّدُنا شیخ ابو طالب مکی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں: بندے کو چاہئے کہ) صحابۂ کرام اور اہلِ بَیْتِ اَطہار کے باہمی اِخْتِلافات کے بارے میں خاموش رہے اور صرف ان کے مَحاسِن و فضائل ہی بیان کرے تا کہ دلوں میں ان کی مَحبّت پیدا ہو۔ ان میں سے ہر ایک نے جو کچھ کیا ہم سب کو تسلیم کرتے ہیں، اس لیے کہ عِلْم و عَقْل میں وہ ہم سے برتر و اعلیٰ ہیں۔ کیونکہ ان میں سے ہر ایک نے اپنے عِلْم و عَقْل کے مُطابِق عَمَل کیا جو انہیں اِجْتِہاد سے حاصِل ہوا۔ اگرچہ ان میں سے بعض بعض سے زیادہ عِلْم رکھنے والے تھے جیسا کہ بعض بعض سے زیادہ فضیلت کے حامل تھے۔ مگر ہماری عقلیں اور ہمارے عُلُوم (چونکہ) ان میں سے کسی ادنیٰ صحابی کے عِلْم سے بھی ناقِص ہیں (لہٰذا ان کے باہمی اختلافات میں ہمارے لیے سُکوت ہی لازم ہے) کہ انہیں (اسلام لانے میں) ہم پر سَبقَت لے جانے کی وجہ سے فضیلت دی گئی ہے، اس لیے ہم پر بھی لازِم ہے کہ جسے **اللہ** پاک اور اس کے رسول صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے مُقَدَّم ٹھہرایا ہے اسے ہی مُقَدَّم جانیں۔

اس کے عِلاوہ تمام مسلمانوں کا اس بات پر اِجماع ہے کہ تمام صحابۂ کرام ہِدایَت پر ہیں کہ **اللہ** پاک نے انہیں ہِدایَت عَطا فرمائی اور ان کی شرافت و فضیلت کی بنا پر سرکارِ مدینہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے بھی انہیں یہ ضَمانَت عَطا فرمائی ہے کہ وہ کبھی گمراہی پر جَمْع نہ ہوں گے۔

اسی طرح اَمِیْرُ الْمُؤمِنِین حضرت سَیِّدُنا علی المرتضیٰ رَضِیَ اللہُ عَنْہ سے جب یہ عَرْض کی گئی کہ آپ ہم پر کسی کو خلیفہ کیوں نہیں بنا دیتے؟ تو آپ نے اِرشاد فرمایا: میں تم پر کسی کو خلیفہ نہیں بناؤں گا، بلکہ تم سب کو **اللہ** پاک کے سُپُرد کرتا ہوں، اگر وہ تمہاری خیر و بھلائی چاہے گا تو تمہیں تمہارے بہترین شخص پر جمع فرما دے گا جیسے اس نے تمہارے نبی کے بعد تمہیں تمہارے بہترین شخص پر جَمْع فرما دیا تھا۔

حضرت سَیِّدُنا ابراہیم نَخعی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت سَیِّدُنا اِمام حسن بن علی رَضِیَ اللہُ عَنْہُمَا

نے خِلافَت کا مُعَامَلہ حضرت سَیِّدُنا امیر معاویہ رَضِیَ اللہُ عَنْہ کے سُپُرد کیا تو اسے سُنَّۃُ الْجَمَاعَۃ کا نام دیا گیا۔ اس پر شیعوں میں سے ایک شخص نے حضرت سَیِّدُنا اِمام حسن بن علی رَضِیَ اللہُ عَنْہُمَا کو جب اس طرح پکارا: یَا مُذِلَّ الْمُؤْمِنِیْن یعنی اے مؤمنین کی جَمَاعَت کو ذلیل کرنے والے تو آپ نے اِرشَاد فرمایا: بَل اَنَا مُعِزُّ الْمُؤْمِنِیْن یعنی میں اَہْلِ ایمان کو ذِلَّت کے گھڑے میں دھکیلنے والا نہیں بلکہ ان کے سر پر عزّت کا تاج رکھنے والا ہوں۔ کیونکہ میں نے اپنے والِد گرامی حضرت سَیِّدُنا علی المرتضیٰ رَضِیَ اللہُ عَنْہ کو یہ اِرشَاد فرماتے سنا تھا کہ حضرت سَیِّدُنا امیر معاویہ رَضِیَ اللہُ عَنْہ کی اِمارَت کو بُرا مت جاننا کہ عنقریب میرے بعد یہ مُعَامَلہ تمہیں درپیش آئے گا، اگر تم نے اسے کھو دیا تو تم دیکھو گے تلواریں بڑی تیزی سے گردنیں کاٹ رہی ہوں گی گویا کہ وہ ایلوا ہوں۔

عقیدہ 5: خلافت و امامتِ صحابہ پر ایمان

جس کی اِمامَت پر صحابۂ کرام راضی ہوں چاہیے کہ اس کے مُتَعَلِّق دل سے عقیدہ رکھے (یعنی اسے دل سے امام مانے) کہ تمام صحابۂ کرام نے اس کی خِلافَت پر اِجماع کیا ہے۔

خلفائے راشدین کی فضیلت

تمام اَہْلِ شوریٰ، ائمہ ہِدایت کا اس بات پر اِتّفاق ہے کہ خلفائے راشدین سب سے مُقَدَّم اور اَفْضَل ہیں۔ جس کی دلیل یہ دو روایات ہیں:

پہلی روایت

حضرت سَیِّدُنا عبد اللہ بن عمر رَضِیَ اللہُ عَنْہُمَا فرماتے ہیں کہ ہم سرکارِ مدینہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے زمانے میں ہی (اَفْضَل صحابہ کا) نام اس ترتیب سے لیا کرتے تھے: پہلے اَمِیْرُ الْمُؤمِنِین حضرت سَیِّدُنا ابو بکر صِدّیق رَضِیَ اللہُ عَنْہ، پھر اَمِیْرُ الْمُؤمِنِین عُمَر فَارُوقِ اَعْظَم رَضِیَ اللہُ عَنْہ اور اس کے بعد اَمِیْرُ الْمُؤمِنِین عثمانِ غنی رَضِیَ اللہُ عَنْہ۔ یہ بات رسولِ پاک صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کو مَعْلُوم ہوئی تو آپ نے اِنْکار نہ فرمایا۔[1]

---

1 ......ابو داود، کتاب السنة، باب فی التفضیل، ۴/ ۲۷۳، حدیث: ۴۶۲۸
مسند ابی یعلی، مسند عبد اللہ بن عمر، ۵/ ۱۰۳، حدیث: ۵۵۷۸

دوسری روایت

رسولِ پاک صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے آزاد کردہ غلام حضرت سَیِّدُنا سفینہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہ سے مَرْوِی ہے کہ آپ نے اِرشاد فرمایا: میرے بعد خِلافَت 30 سال رہے گی، پھر بادشاہت ہوگی۔[1]

(صاحِبِ کتاب حضرت سَیِّدُنا شیخ ابُو طالِب مکّی رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں:) یہی چاروں حضرات رسولِ اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے خلفا اور عشرہ مبشرہ اور مہاجرین و انصار کے امام ہیں۔ یہی نہیں بلکہ تمام بُلَند پایہ صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان سے بھی اَفْضَل ہیں۔ جیسا کہ سرکارِ مدینہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا فرمانِ عالیشان ہے: بے شک **اللہ** پاک نے میرے صحابہ کو تمام جہانوں پر ترجیح دی، پھر میرے تمام صحابہ سے چار کو پسند فرمایا اور انہیں میرا بہترین صحابی بنایا، حالانکہ میرے دیگر صحابہ بھی خیر و بھلائی والے ہیں، اسی طرح میری اُمَّت کو دیگر تمام امتوں پر ترجیح دی اور میری اُمَّت میں سے بھی صِرف چار قرون کو ہی پسند فرمایا[2] کہ جن میں سے ہر قرن 70 سال کا ہوگا۔

الحاصل

ہم چونکہ اِتّباع کرنے والے لوگ ہیں، اپنے اسلاف کے نقشِ قَدَم پر چلتے ہیں، اپنی رائے و عَقْل سے دین میں کوئی نئی بات پیدا کرتے ہیں نہ عَقْل کے پیمانے پر تول کر روایات کا اِنْکار کرتے ہیں، کیونکہ فضیلت میں رائے اور قیاس کا کوئی دَخْل نہیں، جس طرح کہ صِفَاتِ باری تعالیٰ اور عبادات کے اُصُول میں رائے اور قیاس کا کوئی دَخْل نہیں۔ بلکہ ہمارے نزدیک صحابہ کرام میں سے بعض کو جو فضیلت حاصِل ہے وہ توقیفی ہے اور ہم دین میں کوئی نئی بات پیدا کرنے اور شاذ روایات سے بچتے ہوئے بطریق اِجْماع و اِتّباع اسے تسلیم کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا فرمانِ عالیشان ہے: تم پر میری سنّت اور میرے بعد ہِدَایت

---

1 ....صحیح ابن حبان، کتاب اخبارہ صلی اللہ علیہ وسلم... الخ، ۹/۳۸، حدیث: ۶۹۰۲

ترمذی، کتاب الفتن، باب ما جاء فی الخلافۃ، ۴/۹۷، حدیث: ۲۲۳۳

2 ....صریح السنۃ للطبری، القول فی صحابۃ رسول صلی اللہ علیہ وسلم، ص ۳۱، حدیث: ۲۳

المجروحین لابن حبان، باب العین، ۱/۵۳۵، رقم: ۵۶۸: عبد اللہ بن صالح کاتب اللیث المصری

یافتہ خُلفائے راشدین کی سنّت لازِم ہے۔اسے دانتوں سے پکڑ لو[1] کہ جو جُدا رہا وہ آگ میں جائے گا۔[2]

آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے اس فرمان کی تصدیق اس فرمانِ باری تعالیٰ سے بھی ہوتی ہے:

وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّى وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ ۖ

ترجمۂ کنزالایمان: اور مسلمانوں کی راہ سے جُدا راہ چلے ہم اسے اس کے حال پر چھوڑ دیں گے اور اُسے دوزخ میں داخِل کریں گے۔ (پ۵، النسآء: ۱۱۵)

خلفائے راشدین میں ترتیب کی وجہ

خلفائے راشدین میں خِلَافَت اور اَفْضَلِیَّت کی ترتیب عقْل و قِیاس کے خلاف ہے کہ اس میں نبوّت و رِسَالَت کی تاکید و تائید پائی جاتی ہے، تاکہ نبوّت بادشاہت کے مشابہ ہو نہ کہ سرکارِ مدینہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم خِلَافَت میں قیصر و کسریٰ کی طرح بادشاہت کا انداز اپنائیں۔ جس طرح نبوّت بادشاہت کے برعکس ہے اسی طرح خِلَافَت میں بھی کوئی ایسا ہی انداز ہونا چاہئے تھا جو بادشاہوں کے طریقے سے جُدا ہوتا، یعنی بادشاہ اپنے بیٹوں اور گھر (یعنی خاندان) والوں میں سے کسی کو اپنا نائب بناتے ہیں (لہٰذا مسلمانوں کا خلیفہ سرکارِ مدینہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے خاندان میں سے نہ ہو)۔ اگر اَفْضَلِیَّت میں عقْل و قِیاس کا دَخْل ہوتا تو سرکارِ مدینہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے بعد آپ کے نواسے حضرت سَیِّدُنا اِمام حسن رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہ لوگوں میں سب سے زیادہ خِلَافَت کے حق دار ہوتے کہ ان میں ایک بیٹا ہونے کی علامات پائی جاتی تھیں یا پھر آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے چچا حضرت سَیِّدُنا عبّاس رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہ خلیفہ بننے کے زیادہ حق دار تھے کہ وہ آپ کے چچا تھے۔ مگر اس کے باوُجود تمام صحابہ کرام کا ان کے برعکس دیگر شخصیات پر اِجماع ہوا۔

اسی مفْہوم میں مَخْلُوق کے عام عادت سے ہٹنے سے یہ بات مَعْلُوم ہوتی ہے کہ (امیرُالمؤمنین حضرت سَیِّدُنا ابو بکر صِدّیق رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہ کے والدِ ماجِد) حضرت سَیِّدُنا ابو قحافہ اور (حضرت سَیِّدُنا امیر معاویہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہ کے والدِ ماجِد)

---

1 ......ابن ماجه، كتاب السنة، باب اتباع سنة الخلفاء الراشدين المهديين، ۱/ ۳۰، حديث: ۴۲

مسند بزار، مسند العرباض بن سارية، ۱۰/ ۱۳۷، حديث: ۴۲۰۱

2 ......ترمذی، كتاب الفتن، باب ماجاء في لزوم الجماعة، ۴/ ۶۸، حديث: ۲۱۷۳

حضرت سَیِّدُنا ابو سُفیان رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُمَا کا وِصال حالَتِ اِیمان میں ہوا جبکہ سرکارِ مدینہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے والِد ماجِد[1] اور چچا (یعنی اَمیرُ الْمُؤمِنِین حضرت سَیِّدُنا علی المرتضٰی رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُ کے والِد ابو طالب)[2] کا وِصال حالَتِ کفر پر ہوا اور اَہْلِ نَقْل و تاریخ کا اس پر اجماع ہے۔[3]

فتحِ مکہ کے مَوْقَع پر جب اَمیرُ الْمُؤمِنِین حضرت سَیِّدُنا ابو بکر صِدّیق رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُ کے والِد ماجِد حضرت سَیِّدُنا ابو قحافہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُ نے بارگاہِ رِسالَت میں حاضِر ہو کر اِسلام قبول فرمایا تو حضرت سَیِّدُنا ابو بکر صِدّیق رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُ نے سرورِ کائنات صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے عَرْض کی: **یا رَسُولَ الله** صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! **الله** پاک کی قسم! اگر میرے والِد کے مقابل آپ کے چچا ابو طالب ایمان لاتے تو میں اس سے زیادہ خوش ہوتا، کیونکہ اس سے آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی چشمانِ مبارک ٹھنڈی ہوتیں۔[4] اس پر آپ کی مبارک آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔

---

1 ......فتاویٰ رضویہ شریف میں ہے: مَذْہَبِ صحیح یہ ہے کہ حضورِ اَقْدَس سیّد عالَم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّم کے والِدَین کریمین حضرت سَیِّدُنا **عبد الله** اور حضرت سَیِّدَتُنا آمنہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُمَا اَہْلِ توحید و اِسلام و نجات تھے، بلکہ حُضُور کے آبا و اُمَّہات حضرت **عبد الله** و آمنہ سے حضرت آدم و حوا تک مَذْہَبِ ارجح میں سب اَہْلِ اِسلام و توحید ہیں۔ (فتاویٰ رضویہ، ۱۴/ ۲۷۳)

2 ......حضور سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رَحۡمَۃُ اللّٰہِ عَلَیۡہ فرماتے ہیں: آیاتِ قرآنیہ واحادیثِ صحیحہ متوافرہ متظافرہ سے ابو طالب کا کفر پر مرنا اور دم واپسیں ایمان لانے سے انکار کرنا اور عاقبت کار اصحاب نار سے ہونا ایسے روشن ثبوت سے ثابت جس سے کسی سنی کو مجالِ دم زدن نہیں۔ (فتاویٰ رضویہ، ۲۹/ ۶۶۱)

3 ......فتاویٰ رضویہ شریف میں ہے: شرح مواہب لدنیہ میں ہے: امام سیوطی نے سبیل النجاۃ میں فرمایا کہ ائمہ اور حُفّاظِ حدیث کی ایک جماعت اس طرف مائل ہے کہ **الله** تعالیٰ نے حُضُور عَلَیۡہِ السَّلَام کے والِدَین کریمین کو زندہ فرمایا اور وہ آپ کی ذاتِ اَقْدَس پر ایمان لائے، یہ قول انہوں نے ایک ایسی حدیث کی بنا پر کیا ہے جو ضعیف ہے مَوضُوع نہیں، وہ ائمہ یہ ہیں مثلاً خطیب بغدادی، ابنِ عساکر، ابنِ شاہین، سہیلی، محب طبری، علامہ ناصر الدین بن منیر اور ابنِ سیّد الناس۔ اسے بعض اَہْلِ علم سے نَقْل کیا اور اسی پر صلاح الصفدی اور حافظ ابنِ ناصر چلے ہیں اور ان ائمہ نے اس مذکورہ حدیث کو اس سلسلہ میں وارِد مُخالِف اَحادیث کے لئے ناسخ قرار دیا اور تصریح کی ہے کہ یہ حدیث ان سے مُؤخّر ہے لہٰذا اس کے اور ان کے درمیان کوئی تعارُض نہیں اور درج المنیفہ میں فرمایا کہ اس حدیث کو محدثین نے ناسخ قرار دیتے ہوئے اس کے ضُعف کی پروا نہیں کی کیونکہ فضائل و مَنَاقِب میں ضعیف حدیث پر عمل کیا جاتا ہے اور یہ (والدین کا اسلام لانا) آپ کی منقبت ہے، یہ ان ماہرین حدیث کا کلام ہے اور یہ اس مسئلہ میں انتہائی بہتر رائے اور تحریر ہے۔ (فتاویٰ رضویہ، ۵/ ۵۹۶)

4 ......الشفا، فصل فیما روی عن السلف والائمۃ من محبتھم للنبی، ۲/ ۲۲

ترتیب کی ایک اور وجہ

خلفائے راشدین میں ترتیب کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ **اللہ** پاک کے عِلْم کے مُطابِق یہ پہلے ہی طے تھا کہ یہی چاروں اس کے مَحْبُوب صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے خلفا ہوں گے، یہی وجہ ہے **اللہ** پاک نے ان کی عمریں بھی اسی حِساب سے مُقرَّر کر رکھی تھیں۔ چُنَانْچِہ انہوں نے جہانِ فانی سے کوچ بھی اسی ترتیب سے فرمایا کہ جو ترتیب خِلَافت میں ان کی تھی۔ یعنی جو سب سے آخر میں خلیفہ بنا وہ سب سے آخر میں اس جہان سے کوچ فرماتا، لہٰذا **اللہ** پاک نے ان کی خِلَافت کی تدبیر ان کی عمروں کے اعتبار سے فرمائی اور ان سے کیا گیا یہ وعدہ پورا فرمایا کہ وہ انہیں زمین میں خلیفہ بنائے گا جیسا کہ ان سے پہلے گُزَشْتَہ اَنْبِیائے کرام کے خلفا سے یہ وعدہ فرمایا تھا کہ وہ انہیں زمین میں خِلَافت عَطا فرمائے گا، ان کے لیے جو دین اس نے پسند فرمایا ہے اسے شان وشوکت عَطا فرمائے گا اور جس خوف کی حالت میں اب وہ ہیں اسے اَمْن سے بدل دے گا۔ جیسا کہ اس فرمانِ باری تعالیٰ میں اس وعدہ فرمانے کی طرف اِرشَاد فرمایا گیا ہے:

وَ مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ (پ ۱۱، التوبۃ: ۱۱۱) ترجمۂ کنزالایمان: اور **اللہ** سے زیادہ قول کا پورا کون۔

(صاحِبِ کتاب فرماتے ہیں:) مذکورہ تاویل اس فرمانِ باری تعالیٰ سے مَاخُوذ ہے:

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِی الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ۪ وَ لَیُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِیْنَهُمُ الَّذِی ارْتَضٰى لَهُمْ وَ لَیُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًاؕ (پ ۱۸، النور: ۵۵)

ترجمۂ کنزالایمان: **اللہ** نے وعدہ دیا اُن کو جو تم میں سے ایمان لائے اور اچّھے کام کئے کہ ضَرور انہیں زمین میں خِلَافت دے گا جیسی اُن سے پہلوں کو دی اور ضَرور اُن کے لیے جمادے گا اُن کا وہ دین جو اُن کے لیے پسند فرمایا ہے اور ضَرور اُن کے اگلے خوف کو اَمْن سے بدل دے گا۔

عقیدہ 6: اِمامتِ کبریٰ قریش میں رہے گی

یہ عقیدہ رکھے کہ قِیامت تک اِمامتِ کبریٰ تمام عربوں کے مُقابلے میں بِالْخُصُوص قُرَیْش میں رہے گی۔

امامِ وقت عادل نہ ہو تو کیا کرے؟

کسی بھی امام (یعنی خلیفۂ وقت) کے خِلَاف تلوار کشی نہ کی جائے گی، بلکہ اگر کوئی بادشاہِ وقت ظالم بھی ہو تو

اس کے ظُلم پر صَبْر کرے اور اگر وہ عَدْل واِنْصاف سے کام لے اور نیک کام کرے تو شُکْر بجالائے۔ نیز جب وہ نیکی و پرہیز گاری کا حُکْم دے تو اس کی اِطاعَت کرے یہاں تک کہ وہ کسی غَلَط کام میں مُلَوَّث ہو جائے یا اس کی موت واقع ہو جائے کہ یہی طریقہ سنّت ہے۔

بادشاہ کا ساتھ دینا کیسا؟

(صاحِبِ کِتاب فرماتے ہیں:) ہمارے دادا مرشِد حضرت سَیِّدُنا ابو محمد **عبد اللّٰہ** بن سہل تُسْتَرِی رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں: یہ اُمَّت 73 فرقوں میں بٹ جائے گی، جس میں سے 72 فرقے ہَلاک ہو جائیں گے جو سب سلطان (یعنی بادشاہ) سے بُغْض رکھتے ہوں گے اور ان میں سے جو فرقہ نجات پانے والا ہو گا وہ سلطان کے ساتھ ہو گا۔

ایک مرتبہ ان سے عَرْض کی گئی کہ لوگوں میں کون سب سے بہتر ہے؟ تو آپ رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ نے اِرشَاد فرمایا: سلطان۔ عَرْض کی گئی کہ ہم تو سلطان کو لوگوں میں سب سے بُرا سمجھا کرتے تھے، تو آپ رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ نے اِرشَاد فرمایا: ایسا سمجھنے سے باز آجاؤ! کیونکہ **اللّٰہ** پاک ہر روز دو بار نَظَر فرماتا ہے، ایک بار لوگوں کے اَمْوال اور جانوں کی سلامتی کی طرف دیکھتا ہے اور دوسری بار ان کے اَفکار کی سلامتی کو دیکھتا ہے۔ چُنانچہ جس کے نامۂ اَعمال میں یہ چیزیں (آلائشوں سے پاک) پاتا ہے اس کے گناہ معاف فرما دیتا ہے۔

بادشاہ سے مراد کون؟

حضرت سَیِّدُنا ابو محمد **عبد اللّٰہ** بن سہل تُسْتَرِی رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ مزید فرماتے ہیں: خلیفہ جب صالح نہ ہو تو اس کا شُمار ابدالوں میں ہوتا ہے اور اگر صالح ہو تو قُطْب ہوتا ہے کہ جس پر دنیا کا مدار ہے۔

(صاحِبِ کِتاب فرماتے ہیں:) یہاں اَبدَال سے ان کی مُراد بادشاہوں کا اَبدَال ہے۔ جیسا کہ حضرت سَیِّدُنا اِمام جعفر بن محمد صادِق رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں: دنیا کے سات اَبدَال ہیں جن کے حساب سے ہر زمانے میں لوگ ہوتے ہیں۔ یعنی عُلَمائے کرام، عابدین، تاجر حضرات، بادشاہ، وزیر، لشکروں کے امیر، پولیس، قاضی اور گواہ۔

عادل امام کے فضائل

ایک رِوایَت میں ہے کہ ایک عادِل اِمام کے عَدْل کی ایک گھڑی 60 سال کی عِبادَت سے بہتر ہے۔[1]

[1]......معجم کبیر، ۱۱/ ۲۶۷، حدیث: ۱۱۹۳۲ "یوم امام عدل خیر من عبادۃ ستین سنۃ"

☜ ایک قول کے مُطابِق عادِل اِمام کے میزان میں اس کی تمام رَعِیَّت کے اَعمال رکھے جائیں گے۔

☜ سَیِّدُنا عمرو بن العاص رَضِیَ اللہُ عَنْہ فرمایا کرتے تھے کہ دھوکے باز اِمام اس فتنے سے بہتر ہے جو ہمیشہ رہے۔

☜ ایک رِوایَت میں رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا فرمانِ نصیحت نِشان ہے: تم پر ایسے حکمران بھی ہوں گے جو فساد برپا کریں گے، مگر اللہ پاک ان کے ذریعے جو نیک کام کروائے گا وہ ان کے فساد سے زیادہ ہوں گے، چُنانچہ اگر وہ اِحسان سے کام لیں تو ان کے لیے اَجر ہے اور تم پر شُکر لازِم ہے۔ لیکن اگر وہ برائی سے پیش آئیں تو اس کا وَبال انہی پر ہو گا اور تم پر اس وَقت صَبر لازِم ہے۔[1]

☜ ایک رِوایَت میں نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اِرشاد فرمایا: ایسے لوگ بھی تمہارے حکمران ہوں گے جو ایسی باتیں کریں گے جن کی حقیقت نہ جانتے ہوں گے اور ایسے کام کریں گے جن سے بظاہِر اِنکار کرتے ہوں گے۔[2] ایک رِوایَت میں اَلفاظ یہ ہیں: وہ ایسے کام کریں گے جن کا انہیں حُکم نہیں دیا گیا ہو گا۔ صحابۂ کرام نے عَرض کی: کیا اس وَقت ہم ان سے جنگ نہ کریں؟ اِرشاد فرمایا: نہیں! جب تک کہ وہ نَماز ادا کرتے رہیں۔[3] اور ایک رِوایَت میں ہے کہ جب تک وہ نَماز قائم کرتے رہیں۔[4]

☜ سَیِّدُنا ابو محمد عبد اللہ بن سہل تُستَرِی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرمایا کرتے کہ جس نے سلطان کی اِمامَت کا انکار کیا وہ زِندیق ہے۔ جسے سلطان بلائے اور وہ نہ آئے تو وہ بدعتی ہے اور جو بن بلائے آجائے وہ جاہل ہے۔

☜ آپ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ سے یہ بھی مَنقُول ہے کہ بادشاہوں کے دروازوں پر لٹکی ہوئی سیاہ رنگ کی لکڑیاں مسلمانوں کے لیے ان 70 قاضیوں سے بھی بہتر ہیں جو مَسْجِد میں بیٹھ کر ان کے فیصلے کرتے ہیں۔

---

[1] ......مسند بزار، مسند عبد اللہ بن عمر، ۱۲/۱۷، حدیث: ۵۳۸۳ بتغیر

مصنف ابن ابی شیبة، کتاب الفتن، من کرہ الخروج فی الفتنة وتعوذ عنها، ۸/۲۲۰، حدیث: ۱۸۶ بتغیر

[2] ......ابن حبان، کتاب التاریخ، باب بدء الخلق، ۸/۲۵، حدیث: ۶۱۶۰

مسند احمد، مسند عبد اللہ بن مسعود، ۲/۱۷۷، حدیث: ۴۳۶۳

[3] ......مسلم، کتاب الامارة، باب وجوب الانکار... الخ، ص ۱۰۳۱، حدیث: ۱۸۵۴

[4] ......مسند احمد، مسند ابی سعید الخدری، ۴/۵۸، حدیث: ۱۱۲۴۱

مسلم، کتاب الامارة، باب خیار الائمة وشرارهم، ص ۱۰۳۲، حدیث: ۱۸۵۵

قولِ فیصل

حضرت سَیِّدُنا امام احمد بن حنبل رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرمایا کرتے تھے کہ جب سلطان صالح ہو تو اُمَّت کے صَالِحِین سے بہتر ہے مگر جب فاسِق ہو توصَالِحِین اس سے بہتر ہیں۔

(صاحِبِ کتاب حضرت سَیِّدُنا شیخ ابُو طالب مکّی رَحْمَۃُ اللہ عَلَیْہ فرماتے ہیں:)اس حوالے سے حضرت سَیِّدُنا امام احمد بن حنبل رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ کا یہ فرمان قولِ فیصل کی حیثیت رکھتا ہے۔

عقیدہ 7: گناہِ کبیرہ کا مرتکب کافر نہیں

کسی گناہ کی وجہ سے اَہْلِ قبلہ میں سے کسی پر کفر کا حُکم نہ لگائے اگرچہ وہ گناہِ کبیرہ ہی کا مُرتکِب کیوں نہ ہو۔ اسی طرح کسی کے قطعی جنتی یا جہنمی ہونے کا عقیدہ بھی نہ رکھے، بلکہ اس کے جَنّتی ہونے کی اُمّید رکھے اور جہنمی ہونے سے ڈرے۔ کیونکہ جو شخص کبیرہ گناہوں کا مُرتکِب ہو اور بغیر توبہ کے اسے موت آجائے تو اس کا مُعَاملہ مَشِیَّتِ اِلٰہی پر چھوڑ دیا جائے، اگر وہ اس پر اپنا عذاب نازِل فرمائے گا تو یہ اس کا عَدْل ہو گا اور اگر وہ اسے معاف فرمادے گا تو یہ اس کا فَضْل ہو گا۔ بہر حال ہم **اللہ** پاک پر کوئی حُکم لگا سکتے ہیں نہ اس کے مُتَعَلّق کوئی قطعی بات کرسکتے ہیں اور نہ اس بات کو لازِم سمجھتے ہیں کہ ہمارا اس پر کسی مُعَاملے میں کچھ حق ہے۔ بلکہ ہم اس کے عَدْل و فَضْل اور مَشِیَّت واِخْتِیار کے درمیان ہیں۔ اگر اس نے اپنی وعید کے مُطابِق ہمیں عذاب دیا تو ہم اس کے اَہْل ہیں اور اگر اس نے ہماری مَغْفِرَت فرمادی تو یقیناً وہ اسی شان کے لائق ہے کہ اس سے ڈرا جائے اور اس سے گناہوں کی مغفرت طَلَب کی جائے۔ ایسا کیونکر نہ ہو جبکہ **اللہ** پاک کے محبوب صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا فرمانِ عالیشان ہے: **اللہ** پاک نے جس سے کسی عَمَل پر ثواب عطا کرنے کا وعدہ فرمایا ہے تو وہ اسے ضرور پورا فرمائے گا اور جس سے کسی عَمَل پر سزا کا وعدہ فرمایا ہے تو وہ اپنے اس وعدے میں مختار ہے (یعنی چاہے تو سزا دے یا معاف فرمادے)۔[1]

رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے عَرْض کی گئی کہ اس فرمانِ باری تعالیٰ ﴿وَمَنْ یَّقْتُلْ مُؤْمِنًا

---

[1]......السنۃ لابن ابی عاصم، باب فی الوعد والوعید وان للہ فیہ خیارا ومشیئۃ، ص ۲۳۱، حدیث: ۹۹۳

مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِیْهَا (پ ۵، النسآء: ۹۳) ﴾[1] سے کیا مُراد ہے؟ تو آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اِرشاد فرمایا کہ اس کی جزا تو جہنّم ہے، مگر اس میں شَرط یہ ہے کہ **اللہ** پاک نے اسے یہ سزا دی (یعنی اگر وہ اسے بخش دے تو وہ مختار ہے)۔[2] اَلْغَرَض **اللہ** پاک کے ہر فیصلے میں اس کی کامل حِکمت، عَدل اور حُکمِ صادِق کار فرما ہے اور یہی حق ہے۔

عقیدہ 8: تقدیر برحق ہے

اللہ پاک کی تمام تقدیریں خواہ خیر سے مُتَعَلِّق ہوں یا شر سے، سب کی تصدیق کرے کہ یہ **اللہ** پاک کی طرف سے ہیں۔ یہ تمام تقدیریں **اللہ** پاک کے عِلْم میں پہلے سے ہیں، جو (مخصوص وَقت میں) اس کے حُکم کے مُطابِق اس کی مَخلُوق میں جاری ہوتی ہیں۔

وضاحتِ عقیدہ

مَخلُوق کے پاس ایسی کوئی طاقت نہیں کہ وہ اس کی مَعْصِیَت و نافرمانی سے بچ سکے، ہاں! وہ خود بچنے کی توفیق عَطا فرمادے تو دوسری بات ہے، اسی طرح ان کے پاس تو یہ بھی قوت نہیں کہ وہ اس کی رَحْمَت کے بغیر اس کی اِطاعَت ہی بجا لائیں۔ یہاں تک کہ وہ تو اس کی مَدد کے بغیر اپنی ذِمّہ داریاں ادا کر سکتے ہیں نہ اس کی مَشِیَّت کے بغیر خود کو نَفْع و نُقْصان پہنچا سکتے ہیں۔

(صاحِبِ کتاب فرماتے ہیں:) ہم ملک و **مَلَکُوت** میں کار فرما **اللہ** پاک کی **قُدرَت** ونشانیوں پر اِیمان رکھتے ہیں کہ جن کا تذکرہ روایات و اَخبار میں ملتا ہے۔ یعنی اولیائے کرام کی کرامات، اس کے مَحبُوب بندوں کی دُعاؤں کی قبولیّت اور صِدِّیقِین و صَالِحِین کے اِظْہارِ قُدرَت کے واقعات (ہمیں سننے و پڑھنے کو) ملتے ہیں، تاکہ بندوں کے ایمان میں اِضافہ ہو، ان کا یقین پختہ ہو اور یہ باتیں ان (اولیائے کرام) کی عزّت و شرافت کا باعث بنیں۔ ایسا نہیں کہ اس سے اَنبیائے کرام کی نبوّت پر کوئی حرف آتا ہے۔ نہ اس سے یہ دلیل قائم کی جا سکتی ہے کہ وہ

---

1 ......ترجمۂ کنزالایمان: اور جو کوئی مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کرے تو اسکا بدلہ جہنم ہے کہ مدتوں اس میں رہے۔

2 ......معجم اوسط، ۶/ ۲۳۰، حدیث: ۸۶۰۶

حضرات اَنْبِیائے کرام کو مانتے نہیں یا ان سے مُخالَفت رکھتے ہیں، نیز جن کرامات و نشانیوں کا ان سے ظُہور ہوتا ہے وہ ان کے مُتَعَلِّق یہ دعویٰ بھی نہیں کرتے کہ ان کے وُقُوع کا سَبَب ان کی طاقَت و قوّت ہے اور نہ وہ لوگوں کو اپنی طرف بلانے کے لیے یہ کرامات ظاہِر کرتے ہیں اور نہ دِکھاوے کے لیے، نہ دنیا حاصل کرنے کے لیے اور نہ حُکُومَت چاہنے کے لیے۔ بلکہ یہ ایسی شے ہے جو **اللہ** پاک نے مَحْض ان کی تخصیص و تعریف کے لیے اپنے ملکوتی رازوں میں سے جیسے چاہتا ہے ان کی خاطِر مُنْکَشِف فرماتا اور جہاں چاہتا ہے اپنی غیبی قُدرَت سے ان پر ظاہِر فرماتا ہے۔ وہ سب اَنْبِیائے کرام کے تابع دار، ان کے نقشِ قدَم پر چلنے والے اور ان کی سنتوں کی پَیرَوِی کرنے والے ہیں۔ **اللہ** پاک نے اَنْبِیائے کرام کی بَرَکت اور ان کی بہترین پَیرَوِی کرنے کی وجہ سے انہیں یہ مَقام عَطا فرمایا ہے۔ اَلْغَرَض ان اولیائے کرام پر یہ فَضْل و کَرَم اس وجہ سے بھی ہے کہ یہ حضرات اَنْبِیائے کرام کے دینی بھائی ہیں جو ان کا بدَل تو ہیں مگر شَکْل و صُورَت میں نہیں، بلکہ (اعمال میں) ان کی مثل ہیں۔

آخرت کے مُتَعَلِّق آٹھ عقیدوں کی تفصیل

(صاحِبِ کتاب فرماتے ہیں) یہ جو ہم نے آٹھ دُنْیاوِی عقیدے ذِکْر کئے ہیں ان کے مُتَعَلِّق صحابۂ کرام اور تابعین عُظّام سے مَرْوِی روایات و اَخبار اس حد تک تَوَاتُر کو جا پہنچی ہیں کہ ان کے تَوَاتُر نے ہمیں کسی اور طرف دیکھنے سے غنی کر دیا ہے۔ لہٰذا اب آخِرت سے مُتَعَلِّق آٹھ عقیدوں کی تفصیل پیش کی جاتی ہے:

عقیدہ 1: سوالات قبر حق ہیں

بندہ منکر نکیر کے سوال پوچھنے کا عقیدہ رکھے۔ منکر نکیر بندے کو قبْر میں روح و جِسْم کے ساتھ بٹھا کر اس سے توحید و رِسالَت کے مُتَعَلِّق سوال پوچھتے ہیں۔ یہ آخری آزمائش ہے جس میں ہر اَہْلِ ایمان مُبْتَلا ہوتا ہے اور وہ دونوں فرشتے قبْر میں اس آزمائش میں مُبْتَلا کرنے والے ہیں۔ **اللہ** پاک کے پیارے حبیب صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے اسی طرح مَرْوِی ہے[1] اور اس فرمانِ عالیشان کا بھی یہی مَطْلَب ہے:

[1] ......ترمذی، کتاب الجنائز، باب ماجاء فی عذاب القبر، ۲/ ۳۳۷، حدیث: ۱۰۷۳
مصنف عبد الرزاق، کتاب الجنائز، باب فتنة القبر، ۳/ ۳۸۲، حدیث: ۶۷۶۲
تنبیه الغافلین للسمرقندی، باب عذاب القبر وشدته، ص ۲۵، حدیث: ۴۰

يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ فِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَ يُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ ۙ وَ يَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ۟

ترجمۂ کنزالایمان: **اللہ** ثابت رکھتا ہے ایمان والوں کو حق بات پر دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں اور **اللہ** ظالموں کو گمراہ کرتا ہے اور **اللہ** جو چاہے کرے۔

(پ ۱۳، ابراھیم: ۲۷)

ایک قول کے مُطابِق یہاں اَہْلِ اِیمان کے آخِرت میں حق بات پر ثابِت رہنے سے مُراد قبْر میں منکر و نکیر کے سوالوں کے وَقْت ثابِت رہنا ہے۔

عقیدہ 2: عذاب قبر حق ہے

عذابِ قَبْر حق ہے اور **اللہ** پاک کی حِکْمت و عَدْل پر مَبْنِی ہے، جو جِسْم، رُوْح اور نَفْس پر واقِع ہوتا ہے۔ یہ سب عذاب میں اسی طرح شریک ہوں گے جس طرح مَعْصِیَت و گناہ میں شریک تھے، اسی طرح اگر قبْر میں بندہ نعمتوں میں ہوگا تو یہ نعمتیں جِسْم، رُوْح اور نَفْس سب پر ہوں گی اور وہ سب ان نعمتوں میں اسی طرح شریک ہوں گے جس طرح طاعَت و فرمانبرداری میں شریک تھے۔

(صاحِبِ کتاب حضرت سیِّدُنا شیخ ابو طالب مکّی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں) یہ اُخْرَوِی اَحْکام ہیں جو عقلی ترتیب و عُرْف کے بجائے قُدْرَت کے طریقے پر نافذ ہوتے ہیں۔ **اللہ** پاک عذاب و اِنْعام اَرْواح و اَجْسام دونوں تک پہنچائے گا خواہ وہ مُتَفَرِّق ہی ہوں، چُنانْچِہ وہ ان تک عذاب و اِنْعام اس طرح پہنچائے گا گویا کہ وہ دونوں ایک ہی ہوں، کہ قُدْرَت میں کوئی مَسافَت ہے نہ ترتیب، دوری ہے نہ وَقْت کی قید۔

عقیدہ 3: میزان حق ہے

اس بات پر بھی اِیمان رکھے کہ دو پلڑوں والا اور ایک کانٹے والا میزان حق ہے، **اللہ** پاک کے عَدْل و حِکْمت اور فَضْل پر مَبْنِی ہے۔ جیسا کہ اس کی عَظَمت کے مُتَعَلِّق مَرْوِی ہے کہ اس میں **اللہ** پاک کی قُدْرَت سے آسمانوں اور زمین کے طبقات کے برابر اَعْمال کا وَزْن کیا جائے گا اور عَدْل کرتے ہوئے چھوٹے سے چھوٹا یعنی رائی اور ذرّے برابر عَمَل بھی تولا جائے گا۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

وَ قَدۡ خَابَ مَنۡ حَمَلَ ظُلۡمًا ﴿۱۱۱﴾ ترجمۂ کنز الایمان: اور بے شک نامُراد رہا جس نے ظُلم کا بوجھ لیا۔ (پ ۱۶، طٰهٰ: ۱۱۱)

نیکیاں خُوبصُورت شکل میں نور کے پلڑے میں رکھی جائیں گی تو **اللہ** پاک کی رَحْمت سے میزان کا پلڑا بھاری ہو جائے گا اور جب بُرائیاں بُری صُورت میں ظُلْمت کے پلڑے میں رکھی جائیں گی تو **اللہ** پاک کے عَدل کی وجہ سے وہ پلڑا ہلکا ہو جائے گا۔

عقیدہ 4: پل صراط حق ہے

بندہ یہ عقیدہ بھی رکھے کہ پُل صِراط بر حق ہے اور یہ ویسا ہی ہے جیسا کہ اس کے مُتَعَلِّق آثار و روایات مَرْوِی ہیں۔ یعنی یہ بال کی طرح باریک اور تلوار کی طرح تیز ہے[1] اور جنتیوں و جہنمیوں کے جَنَّت یا جہنّم میں جانے کا یہی واحد راستہ ہے۔[2] یہ مَقامِ لَغْزِش ہے، اس پر اَہْلِ اِیمان ہی **اللہ** پاک کی قُدرَت سے ثابِت قَدَم رہیں گے اور **اللہ** پاک کے فَضْل سے اس پر سے گزر کر جَنَّت میں جائیں گے۔ مگر مُنَافِقِین کے قَدَم اس پر لڑکھڑا جائیں گے اور وہ **اللہ** پاک کی حِکْمت کی بنا پر جہنّم میں گر جائیں گے۔ یہ پل **اللہ** پاک کے اِذْن سے جہنّم کے ٹھیک اُوپَر ہے۔ جس نے اسے پار کر لیا وہ **اللہ** پاک کی رَحْمت سے نجات پا جائے گا اور جو پھسل گیا وہ **اللہ** پاک کی حِکْمت سے جہنّم میں جا گرے گا۔

عقیدہ 5: حوضِ کوثر حق ہے

حوضِ کوثر پر بھی اِیمان رکھے، جو کہ ہمارے نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا ہے، تا کہ پُل صِراط پار کرنے کے بعد اور جنّت میں داخِل ہونے سے پہلے اَہْلِ اِیمان اس سے پئیں۔ جس نے اس کا ایک گھونٹ پی لیا وہ بعد میں کبھی پیاسا نہ ہو گا، اس کی چوڑائی مہینا بھر کی مسافت ہے، دودھ سے زیادہ سفید ہے اور شہد سے زیادہ میٹھا۔ اس کے گرد پیالے آسمان کے ستاروں کی تعداد کے برابر ہیں۔ اس کے دو پرنالے ہیں جو کوثر نامی نہر سے جاری ہیں۔

---

[1] ......مسند احمد، مسندۃ السیدۃ عائشۃ، ۹/ ۴۱۵، حدیث: ۲۴۸۴۷

[2] ......معجم کبیر، ۸/ ۲۲۵، حدیث: ۷۸۹۰

عقیدہ 6: حساب کتاب حق ہے

حساب کتاب پر بھی اِیمان رکھے اور اس بات پر بھی اِیمان رکھے کہ حساب کتاب میں مَخلُوق کے ساتھ مُعامَلہ ان کے دَرَجات کے اِعْتِبار سے مُخْتَلِف ہو گا۔ ان میں سے بعض ایسے ہوں گے جن کا حساب بہُت آسان لیا جائے گا اور بعض سے سختی سے حساب لیا جائے گا، بعض جنَّت میں بغیر حساب کے جائیں گے یعنی مُقرَّبین، جبکہ بعض بغیر حساب کے جہنَّم میں جائیں گے یعنی کافر۔

(صَاحِبِ کتاب فرماتے ہیں:) ہم نے یہ عقیدہ اپنے امام یعنی دادا مرشد حضرت سَیِّدُنا ابو محمد سہل تُستَری رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ کے اس فرمان کی پیرْوِی میں نَقْل کیا ہے۔ چُنانچہ آپ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرمایا کرتے تھے کہ اَنبِیائے کِرام سے تبلیغ رِسالَت کے مُتعَلِّق پوچھا جائے گا، کفار سے رسولوں کی تکذیب کے مُتعَلِّق پوچھا جائے گا، بدعتیوں سے سنَّت کے مُتعَلِّق پوچھا جائے گا اور دیگر مسلمانوں سے ان کے اَعمال کے مُتعَلِّق پوچھا جائے گا۔

عقیدہ 7: رؤیتِ باری تعالیٰ حق ہے

اس بات پر بھی اِیمان لائے کہ کھلی آنکھوں سے براہِ راست اللہ پاک کا دیدار ہو گا، وہ جیسے چاہے گا اس کی قُدرت و مشیَّت اور نور و رحمت سے تمام حجابات اور پردے اٹھا دیئے جائیں گے۔ درج ذیل فرمانِ باری تعالیٰ کا یہی مفہوم ہے:

لِلَّذِیۡنَ اَحۡسَنُوا الۡحُسۡنٰی وَ زِیَادَۃٌ ؕ ترجمۂ کنز الایمان: بھلائی والوں کے لئے بھلائی ہے اور اس سے بھی زائد۔ (پ ۱۱، یونس: ۲۶)

(صَاحِبِ کتاب فرماتے ہیں:) یہاں **اَلْحُسْنٰی** سے مُراد جنَّت اور **زِیَادَۃٌ** سے مُراد دیدارِ باری تعالیٰ ہے کہ رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے بھی اسی طرح کی تفسیر مَرْوِی ہے۔

عقیدہ 8: نجاتِ جہنم

یہ عقیدہ رکھے کہ اللہ پاک کی وَحدانیَّت کا اِقْرار کرنے والوں کو سزا پوری ہونے کے بعد آخر کار جہنَّم سے نِکال لیا جائے گا۔ یہاں تک کہ اللہ پاک کی رحمت اور اَنبِیائے کرام اور صِدِّیقِین کی شَفاعت سے اَہلِ

ایمان میں سے کوئی بھی جہنّم میں باقی نہ رہے گا۔

مسئلہ شفاعت

(صاحبِ کتاب حضرت سیِّدُنا شیخ ابو طالب مکی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں:) **اللہ** پاک کے اِذْن سے ہر مومن شَفاعَت کرے گا، یعنی اَنبِیائے کِرام، صِدِّیقِین، عُلَمائے کرام، شُہَدائے عُظّام اور تمام اَہْلِ ایمان میں سے ہر ایک اپنے مَقام و مرتبہ کے مُطابِق شَفاعَت کرے گا۔ **اللہ** پاک کے پیارے حبیب صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے شَفاعَت کے مُتَعَلِّق جو روایات مَرْوِی ہیں، ان کی بنا پر تمام عُلَمائے کرام کا شَفاعت کے ثُبُوت اور اَہْلِ ایمان کے جہنّم سے نجات پر اِجماع ہے۔ (شفاعت پانے والے) یہ سب لوگ جہنّم کے پہلے طبقہ میں ہوں گے اور **اللہ** پاک کے دَرْج ذیل فرمانِ عالیشان کا بھی یہی مَفْہُوم ہے:

رُبَمَا یَوَدُّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِیْنَ ② (پ ۱۴، الحجر: ۲)

ترجمۂ کنزالایمان: بہُت آرزوئیں کریں گے کافر کاش مسلمان ہوتے۔

مُفَسِّرِیْنِ کرام فرماتے ہیں کہ اس خواہش و آرزو کا اِظْہار وہ اس وَقْت کریں گے جب اَہْلِ ایمان کو جہنّم سے نکالا جارہا ہوگا۔

جب تمام لوگ شَفاعَت کرلیں گے تو پھر بھی کچھ لوگ **اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْن** کی رَحْمت پانے کے لیے باقی رہ جائیں گے کہ جن کی شَفاعَت کرنے والا کوئی نہ ہوگا، بلکہ مرسلین بھی ان کی شَفاعَت کے لیے آگے نہ بڑھیں گے تو **اللہ** پاک اپنی مَشِیَّت سے وُسعَتِ رَحْمت اور حد دَرَجہ فَضْل کی بنا پر انہیں جہنّم سے نجات عطا فرمائے گا کہ اسی مَفْہُوم میں سرورِ کائنات صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے روایات مَرْوِی ہے۔

خلاصہ کلام

(صاحبِ کتاب حضرت سیِّدُنا شیخ ابو طالب مکی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں:) یہ وہ عقائد ہیں جو سنّت کے مُطابِق ہِدایَت دینے والے اور اُمّت کا طریقہ ہیں۔ ہم نے ابھی ان عقائد کے مُتَعَلِّق جو کچھ ذِکْر کیا ہے، اس پر اَہْلِ ایمان میں سے تمام سَلَف صَالِحِین کا اِجماع ہے کہ ان میں سے کسی سے بھی اس کے خلاف کوئی قول مَنْقُول نہیں، بلکہ اس کے برعکس **اللہ** پاک کے پیارے حبیب صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے بھی کوئی رِوایَت مَرْوِی

نہیں۔ البتہ! ہم نے جو کچھ ذِکر کیا ہے اس کے مُتَعَلِّق ایسی روایات و اَخبار ضرور موجود ہیں جو ان عقائد کو ثابِت ہی نہیں کرتیں بلکہ ان پر ایمان لانے کو واجِب بھی قرار دیتی ہیں۔

اللہ پاک نے جس طرح تمام دینوں پر دینِ اِسلام کو غالِب فرمایا اسی طرح اپنے مَحْبُوب صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی سنّت پر ان کی تمام اُمّت کو جَمْع فرمادیا۔ چُنَانْچِہ،

ایک رِوایَت میں ہے کہ سرکارِ مدینہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اِرشَاد فرمایا: **اللہ** پاک نے مجھے اس بات کی ضَمَانَت عَطا فرمائی ہے۔ جبکہ ایک رِوایَت میں اَلْفَاظ یہ ہیں کہ مجھے یہ (اِنْعَام) عَطا فرمایا ہے کہ میری اُمّت کبھی گمراہی پر جَمْع نہ ہو گی،[1] لہٰذا جب تم اِخْتِلَاف دیکھو تو سوادِ اَعْظَم کے ساتھ ہو جاؤ۔[2]

سوادِ اعظم کیا ہے؟

سوادِ اَعْظَم سے مُراد وہ تعداد ہے جسے کَثْرَت سے تعبیر کیا جا سکتا ہو اور اس مُعَامَلے میں سب کا اس بات پر اِتّفاق ہے کہ سوادِ اَعْظَم سے مُراد عام مسلمان ہیں اور تمام مسلمان عوام ہی ہیں۔ مگر بِدْعَتی اور مخالفین کہ جن کا ذِکْر ہم پہلے کر چکے ہیں وہ چھوٹے چھوٹے گروہوں اور فرقوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ اس لیے کہ ہر بدعتی ایک الگ فرقہ و گروہ ہے، ان کا سوادِ اَعْظَم سے کوئی تَعَلُّق نہیں اور جو عوام الناس کی کثیر تعداد ہے وہ سب اہلِ سنّت وجَمَاعَت ہیں اور یہی سوادِ اَعْظَم اور عامۃ المسلمین ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت سَیِّدُنا عمر بن عبد العزیز رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ اور دیگر صَالِحِین فرمایا کرتے تھے کہ ہمارا دین عمر رسیدہ لوگوں، مَدارِس میں پڑھنے والے بچوں اور دیہاتیوں کا ہے۔ یعنی جو صِحّت مند و طاقتور اور آلائشوں سے مَحْفُوظ و عام لوگ ہیں۔ اس کی وضاحت ایک رِوایَت میں رسولِ اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے بھی فرمائی ہے۔ چُنَانْچِہ آپ اِرشَاد فرماتے ہیں: سوادِ اَعْظَم وہ ہے جو اسی راہ پر چلے گا جس پر آج تم ہو۔[3]

اُمّت کا اس بات پر اِجْماع ہے کہ مُخْتَلِف فرقوں نے جو نئی نئی باتیں گھڑ لی ہیں صحابۂ کرام کا ان سے

---

[1] ......ترمذی، کتاب الفتن، باب ماجاء فی لزوم الجماعۃ، ۴/۶۸، حدیث: ۲۱۷۳
مسند احمد، حدیث ابی بصرۃ، ۱۰/۳۴۹، حدیث: ۲۷۲۹۳

[2] ......ابن ماجہ، کتاب الفتن، باب السواد الاعظم، ۴/۳۲۷، حدیث: ۳۹۵۰

[3] ......نوادر الاصول، الاصل الثالث عشر، ۱/۶۸، حدیث: ۸۶

کوئی تعلّق نہیں، انہوں نے ان کے مُتَعَلِّق خود کوئی بات کہی ہے نہ کوئی رِوایَت نَقْل کی ہے۔ ان کے عقائد وُہی تھے جو ابھی ہم نے ذِکْر کئے ہیں، اس لیے کہ ان میں سے کسی سے بھی ان عقائد کے خلاف کوئی بات مَرْوِی نہیں۔ بلکہ قرنِ اوّل اور ثانی میں جو روایات ملتی ہیں وہ سب ان عقائد کی تائید کرتی ہیں، البتہ! تیسرے اور چوتھے قرن میں ان عقائد میں اِخْتِلاف پیدا ہوا۔

حضرت سَیِّدُنا عمرو بن دینار، حضرت سَیِّدُنا اَیُّوب اور حضرت سَیِّدُنا حمّاد بن زید رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِم میں سے جس کے سامنے بھی فرقہ مُرْجِیَہ یاجَہمِیَّہ کے مَذْھَب کا ذِکْر کیا جاتا تو وہ یہی فرماتا: **اللہ** پاک کی اس دین پر لعنت ہو میں جس سے عمر میں بڑا ہوں، یعنی میں بدعتیوں کے ان ایجاد کردہ مذاہب سے پہلے پیدا ہوا ہوں۔

سنت کا پیرو ہونا احسانِ خداوندی ہے

(صاحِبِ کتاب حضرت سَیِّدُنا شیخ ابو طالب مکی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں کہ) حُسْنِ توفیق اور ہِدایَتِ جمیل عطا فرمانے پر **اللہ** پاک ہی حمد کے لائق ہے، جیسا کہ اس نے خود اِرشَاد فرمایا ہے:

﴿1﴾ ...

فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَ رَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴿۳۶﴾ (پ ۲۵، الجاثیۃ: ۳۶)

ترجمۂ کنزالایمان: تو **اللہ** ہی کیلئے سب خوبیاں ہیں آسمانوں کا رب اور زمین کا رب اور سارے جہاں کا رب۔

﴿2﴾ ...

وَ مَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْ لَاۤ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ ۚ (پ ۸، الاعراف: ۴۳)

ترجمۂ کنزالایمان: اور ہم راہ نہ پاتے اگر **اللہ** نہ دکھاتا۔

اَلْغَرَض **اللہ** پاک نے جس طرح ہمیں اِسْلَام کی نِعْمَت سے سرفراز فرمایا اسی طرح ہم پر یہ اِحْسَان بھی فرمایا کہ اپنے پیارے حبیب صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی سنّت کی پَیرَوِی کی توفیق عِنَایَت فرمائی، کیونکہ سرکارِ مدینہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی اِطَاعَت **اللہ** پاک کی ہی اِطَاعَت ہے اور **اللہ** پاک کے کلام (یعنی قرآنِ کریم) کی تفسیر کے لیے اس کے نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے کلام (یعنی حدیثِ پاک) بہُت ضروری ہے۔ چُنَانچِہ ہم پر **اللہ** پاک کا یہ خاص کَرَم ہے کہ جس طرح اس نے ہمیں اپنی مَعْرِفَت عطا فرمائی اسی طرح ہم پر یہ اِحْسَان بھی فرمایا کہ

ہمیں اپنا مَحْبُوب صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم عطا فرمایا۔

جماعت سے جدائی باعث ہلاکت ہے

اَمِیْرُ الْمُؤمِنِین حضرت سَیِّدُنا عُمر فَارُوق اَعْظَم رَضِیَ اللہُ عَنْہ سے مَرْوِی ہے کہ رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اِرشَاد فرمایا: شیطان فردِ واحد کے ساتھ ساتھ رہتا ہے، مگر دو افراد سے دور رہتا ہے،[1] گویا وہ ایک بھیڑیا ہے جو تم میں ہر ایک کی تاک میں ہے، جیسا کہ بھیڑوں پر حملہ کرنے والا بھیڑیا ہوتا ہے جو تنہا رہ جانے والی اور اپنے ریوڑ سے الگ ہو جانے والی بکری کے پیچھے ہی پڑتا ہے۔[2] چُنَانْچِہ جو شخص جَنَّت کے وَسْط میں جانا چاہتا ہے اسے چاہئے کہ جَمَاعَت کے ساتھ ہی رہے[3] اور جو الگ ہوا وہ یقیناً جہنمی ہے۔[4]

جہنمی کتے

حضرت سَیِّدُنا ابو غالب رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ سے مَرْوِی ہے کہ جب حضرت سَیِّدُنا ابو امامہ رَضِیَ اللہُ عَنْہ نے (خارجی) فرقہ حروریہ کے لوگوں کے کٹے ہوئے سر دیکھے جنہیں بصرہ سے لاکر دِمَشْق میں لکڑیوں پر نصب کر دیا گیا تھا تو آپ رَضِیَ اللہُ عَنْہ نے اِرشَاد فرمایا: آسمان کے سایہ تلے یہ بدترین مقتول ہیں اور جنہیں ان لوگوں نے قتل کیا ہے وہ بہترین شہید ہیں۔ پھر اِرشَاد فرمایا کہ یہ جہنّم کے کتے ہیں۔ اس کے بعد آپ نے یہ آیتِ مُبارَکہ تِلاوَت فرمائی:

فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ (پ ۳، ال عمران: ۷)

ترجمۂ کنزالایمان: وہ جن کے دلوں میں کجی ہے وہ اِشتِباہ والی کے پیچھے پڑتے ہیں گمراہی چاہنے کو۔

پھر آپ رَضِیَ اللہُ عَنْہ نے اپنی انگلی سے ان کٹے ہوئے سروں کی طرف اِشَارہ کرتے ہوئے یہ آیتِ مُبارَکہ تِلاوَت فرمائی:

---

[1] ......ترمذی، کتاب الفتن، باب ماجاء فی لزوم الجماعۃ، ۴/ ۶۷، حدیث: ۲۱۷۲

[2] ......مسند احمد، مسند الانصار، حدیث معاذ بن جبل، ۸/ ۲۳۸، حدیث: ۲۲۰۹۰

[3] ......ترمذی، کتاب الفتن، باب ماجاء فی لزوم الجماعۃ، ۴/ ۶۷، حدیث: ۲۱۷۲

[4] ......ترمذی، کتاب الفتن، باب ماجاء فی لزوم الجماعۃ، ۴/ ۶۸، حدیث: ۲۱۷۳

یَّوۡمَ تَبۡيَضُّ وُجُوۡهٌ وَّتَسۡوَدُّ وُجُوۡهٌ ۚ فَاَمَّا الَّذِيۡنَ اسۡوَدَّتۡ وُجُوۡهُهُمۡ ۟ اَكَفَرۡتُمۡ بَعۡدَ اِيۡمَانِكُمۡ (پ ۴، ال عمران: ۱۰۶)

ترجمۂ کنز الایمان: جس دن کچھ منہ اونجالے (چمکتے) ہوں گے اور کچھ منہ کالے تو وہ جن کے منہ کالے ہوئے کیا تم ایمان لا کر کافر ہوئے۔

اس کے بعد آپ رَضِیَ اللہُ عَنْہ رونے لگے تو راوی فرماتے ہیں: میں نے عَرض کی: اے ابو اُمامہ! آپ ان کے بارے میں ایسی ایسی باتیں بھی کرتے ہیں، پھر روتے بھی ہیں؟ تو انہوں نے اِرشاد فرمایا: **اللہ** پاک ابلیس کو ہلاک کرے! اس نے ان لوگوں کے ساتھ کیا کیا؟ اے ابو غالب! یہ لوگ (پہلے) ہمارے دین پر تھے (مگر بعد میں بدل گئے)، لہٰذا میں تو اس عذاب (کے خوف) پر رو رہا ہوں جس سے یہ دوچار ہونے والے ہیں۔ یہ لوگ تمہاری زمین میں بہت زیادہ ہیں، میں **اللہ** پاک سے دُعا کرتا ہوں کہ وہ تمہیں ان میں شامل ہونے سے اپنی پناہ میں رکھے۔ ایسا آپ نے تین بار فرمایا اور حضرت سَیِّدُنا ابو غالِب رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ نے اس پر آمین کہی۔ پھر عَرض کی: اے ابو اُمامہ! کیا آپ نے سرکارِ مدینہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے اس حوالے سے کوئی فرمان سن رکھا تھا یا اپنی رائے سے ان کے مُتَعَلِّق یہ اِظْہارِ خیال فرمایا ہے؟ فرمانے لگے: اگر میں نے اپنے مکی مدنی مصطفےٰ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے سن نہ رکھا ہوتا تو تین بار تمہیں **اللہ** پاک کی پناہ میں دینے کی جُرأَت کیوں کرتا؟ **میں نے ایک، دو، تین اور چار مرتبہ نہیں بلکہ کئی مرتبہ سرکارِ مدینہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کو یہ اِرشاد فرماتے سنا: نصاریٰ یعنی عیسائی لوگ 72 فرقوں میں بٹ گئے تھے، مگر میری اُمَّت ان سے ایک فرقہ زائد (یعنی 73 فرقے) ہو گی اور سوادِ اَعْظَم کے سوا باقی سب فرقے جہنم میں ہوں گے۔**[1]

راوی فرماتے ہیں کہ ہمارے ساتھ ایک اور شخص بھی مَوجود تھا، اس نے یہ بات سن کر عَرض کی: اے ابو اُمامہ! کیا سوادِ اَعْظَم میں فلاں قبیلے کے لوگ بھی شامل ہیں؟ تو آپ رَضِیَ اللہُ عَنْہ نے ارشاد فرمایا: جو کچھ وہ کریں گے انہیں اپنے اَعمال کا حساب دینا پڑے گا اور تمہیں اپنے اَعمال کا۔ لہٰذا فرقہ بننے سے جَماعَت کے ساتھ تَعَلُّق وَابَستہ رکھنا ہی بہتر ہے کہ مَعْصِیَت و نافرمانی میں مُبْتَلا ہونے سے اِطاعَت و فرمانبرداری کرنا ہی

---

[1] ......مصنف ابن ابی شیبة، کتاب الفتن، ماذکر فی الخوارج، ۸/ ۷۴۳، حدیث: ۱۲
معجم کبیر، ۸/ ۲۶۸، حدیث: ۸۰۳۵۔ معجم اوسط، ۵/ ۲۴۱، حدیث: ۷۲۰۲

بہتر ہے۔ پھر آپ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہ نے ان کٹے ہوئے سروں کی طرف دیکھ کر اِرشاد فرمایا: کیا یہ اِنہی خوارج کے سر نہیں ہیں جو ہم پر غَضَب ڈھاتے تھے اور ہمارے قَتْل کے دَرپہ رہتے تھے؟

حروریہ فرقہ کون تھا؟

حُروریہ وُہی فرقہ تھا جس نے اَمِیْرُ الْمُؤمِنِین حضرت سَیِّدُنا علی المرتضیٰ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہ کے خِلاف نہروان کے مَقام پر خروج کیا تھا (یعنی بَغاوَت کی تھی)۔ یہ بدعتی فرقہ پہلی صدی ہجری میں پیدا ہوا اور اس نے سب سے پہلے اِسلَام میں بِدْعَت کا آغاز کیا۔ وہ لوگ بہترین قاری تھے، ان کی گردنوں میں ہر وَقْت قرآنِ کریم اور جائے نَماز رہتے، ان کی پیشانیوں پر (کَثْرَتِ سُجُود کے باعث) نشان پڑے ہوئے تھے، انہوں نے اَمِیْرُ الْمُؤمِنِین حضرت سَیِّدُنا علی المرتضیٰ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہ کے دو حَکَم بنانے کے فیصلے کو تسلیم نہ کیا اور مُطالَبہ کیا کہ وہ اپنے اس فیصلے کو خَتْم کرکے اس سے رُجُوع کرلیں۔ نیز ان کا کہنا تھا کہ **اللہ** پاک کے سوا کسی کا بھی حُکْم نافِذ نہیں۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے خلیفۂ وَقْت کا حُکْم ماننے سے بھی اِنْکار کردیا اور اِمامِ وَقْت کے خِلاف بَغاوَت کو جائز سمجھا۔ یہی وہ لوگ تھے جنہوں نے اَمِیْرُ الْمُؤمِنِین حضرت سَیِّدُنا عثمانِ غنی رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہ کی تکفیر کی اور مصری شرپسندوں اور باغیوں نے انہیں شہید کردینے کو دُرُست قرار دیا۔

ان لوگوں نے اَمِیْرُ الْمُؤمِنِین حضرت سَیِّدُنا علی المرتضیٰ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہ سے بھی یہ مُطالَبہ کیا کہ وہ ان کی رائے کی تائید کریں اور ان کی باطِل خواہشات کی پیرْوِی کریں۔ نیز اگر وہ حَکَم بنائے جانے کے اپنے فیصلے سے رُجُوع کرلیں تو وہ ان کے ساتھ مل کر مسلمانوں سے لڑیں گے۔ اس کے عِلاوہ انہوں نے کبیرہ گناہوں کے مُرتَکِب کو بھی کافِر قرار دیدیا تھا۔ چُنَانْچِہ اَمِیْرُ الْمُؤمِنِین حضرت سَیِّدُنا علی المرتضیٰ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہ نے اس مُعامَلے میں وُہی راہ اپنائی جو **اللہ** پاک نے انہیں سجھائی اور جس کا رسولِ پاک صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ان سے عہد لیا تھا[1] کہ جس نے دین سے نِکل جانے والوں سے جنگ کی اور انہیں قَتْل کیا تو وہ تمام مَقْتُول جہنّم میں جائیں گے جبکہ ان کو قَتْل کرنے والے (یعنی اَمِیْرُ الْمُؤمِنِین حضرت سَیِّدُنا علی المرتضیٰ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہ اور ان کے ساتھی جو کہ اَہلِ زمین میں سب سے بہتر ہوں گے وہ سب) جنّتی ہوں گے۔

[1] ....السنہ لابن ابی عاصم، ص ۲۱۵، حدیث: ۹۳۹

اس گمراہ و فسادی گروہ یعنی خوارج کا سردار **عبد اللہ** بن کوّا تھا، اَمیرُ الْمُؤمِنِین حضرت سَیِّدُنا علی المرتضیٰ رَضِیَ اللہُ عَنْہ کو پہلے ہی یہ شخص اپنے اَفْعَال کی بنا پر سَخْت ناپسند تھے، چُنانْچِہ جب **عبد اللہ** بن کوّا نے چھ ہزار کا لشکر لے کر آپ کے خِلاف بَغاوَت کی تو آپ رَضِیَ اللہُ عَنْہ نے حضرت سَیِّدُنا **عبد اللہ** بن عبّاس رَضِیَ اللہُ عَنْہُمَا کو ان سے مُناظرہ کرنے اور حُجّت پوری کرنے کے لیے بھیجا، مگر وہ بدبخت ان کے ساتھ بڑی بدسلوکی سے پیش آئے، پھر یہ ابن کوّا کھڑا ہوا اور بولا: کیا تم مجھ سے اس شخص کا تعارُف کرواتے ہو؟ نہیں بلکہ میں تمہیں اس کا تعارُف کرواتا ہوں، اس کا تعلّق اس قوم سے ہے جس کے مُتعلّق **اللہ** پاک نے اِرشَاد فرمایا ہے:

مَا ضَرَبُوْهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا ؕ بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ ۝۵۸ (پ ۲۵، الزخرف: ۵۸)

ترجمۂ کنز الایمان: انہوں نے تم سے یہ نہ کہی مگر ناحق جھگڑے کو بلکہ وہ ہیں ہی جھگڑالو لوگ۔

اس کے بعد چند لوگ حضرت سَیِّدُنا ابن عباس رَضِیَ اللہُ عَنْہُمَا کی طرف مُتوجِّہ ہوئے اور ان سے سوالات پوچھنے لگے تو آپ نے اس طرح حق کو واضح بیان کیا کہ ان میں سے دو ہزار لوگوں نے توبہ کر لی، جبکہ باقی چار ہزار لوگوں نے اَمیرُ الْمُؤمِنِین حضرت سَیِّدُنا علی المرتضیٰ رَضِیَ اللہُ عَنْہ سے جنگ کی۔ یہ وہ پہلا فرقہ تھا جس نے دین سے منہ موڑا اور اَہْلِ ایمان کے راستے کو چھوڑا۔

دیگر فرقے

خارجیوں کے بعد مدائن میں ایک دوسرا گروہ پیدا ہوا، جنہوں نے **اِرْجَاء** کو دین قرار دیا اور اِیمان کے مُتَعَلِّق کہا کہ یہ قول و عَمَل کا مجموعہ ہے اور بڑھتا ہے نہ کم ہوتا ہے۔ پھر انہوں نے ملک شام کے امیر کو اپنے ان عقائد کے مُتَعَلِّق لکھا، جنہیں دیکھ کر اس نے ان کے خلاف لشکر کشی کا اِرادہ بھی فرمایا مگر رومیوں سے جنگ میں مَصْرُوفِیَّت کی بنا پر وہ ان کی طرف خاطِر خواہ تَوَجُّہ نہ دے سکا۔

اس کے بعد بصرہ میں تیسرے گروہ نے سر اٹھایا، یہ قدریہ لوگ تھے، جن کا سردار معبد الجہنی تھا، عمرو بن عبید، واصل بن عطاو غیرہ نے اس کی پیرْوِی کی۔

اس کے بعد کوفہ میں ایک فرقہ پیدا ہوا، جنہیں روافض کا نام دیا گیا، جس کا سَبَب یہ بنا کہ جب حضرت سَیِّدُنا اِمام حسین بن علی رَضِیَ اللہُ عَنْہُمَا کے پوتے حضرت سَیِّدُنا زید بن علی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ خلیفہ ہشام سے جنگ کے

لیے نکلے تو ان لوگوں نے پوچھا: کیا آپ (شیخین کریمین) ابو بکر و عمر فاروق رَضِیَ اللہُ عَنْہُمَا سے براءت کا اِظْہار کرتے ہیں؟ تو آپ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ نے فرمایا: یہ دونوں حضرات تو ہمارے بزرگ اور عادِل اِمام ہیں، میں ان سے کسی طور براءت کا اِظْہار نہ کروں گا۔ تو یہ سن کر وہ لوگ آپ کو چھوڑ کر چلے گئے۔

اس کے بعد ہر فرقہ مزید 18 فرقوں میں بٹ گیا اور یوں 72 فرقے مُکَمَّل ہو گئے اور یہ سب عراق میں پیدا ہوئے۔ یہیں سے قرن الشیطان ظاہر ہوا اور فتنے پھوٹے۔ ہم ان میں سے جو ظاہِر ہو چکے اور جو ابھی ظاہِر نہیں ہوئے سب سے **اللہ** پاک کی پناہ چاہتے ہیں۔

حضرت سَیِّدُنا **عبد اللہ** بن عباس رَضِیَ اللہُ عَنْہُمَا سے مَرْوِی ہے کہ سرورِ کائنات صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اِرشاد فرمایا: **اللہ** پاک کے تین فرشتے ہیں، جن میں سے ایک فرشتہ **بیت اللہ** شریف کی چھت پر، دوسرا مَسْجِدِ نبوی پر اور تیسرا بَیْتُ الْمُقَدَّس کی چھت پر ہے۔ وہ ہر روز اِعْلَان کرتے ہیں۔ چُنَانْچِہ **بیتُ اللہ** شریف کی چھت پر مَوجود فرشتہ یہ اِعْلَان کرتا ہے: جس نے **اللہ** پاک کے فرائض کو ضائع کیا وہ **اللہ** پاک کی اَمان سے نِکل گیا۔ مَسْجِدِ نبوی کی چھت پر مَوجود فرشتہ یہ اِعْلَان کرتا ہے: جس نے **اللہ** پاک کے مَحْبُوب صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی سنّت کی مُخالَفت کی وہ سرکارِ مدینہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی شَفَاعَت نہ پائے گا۔ جبکہ بَیْتُ الْمُقَدَّس کی چھت پر مَوجود فرشتہ یہ اِعْلَان کرتا ہے: جس نے حَرام کھایا اس سے کچھ بھی قبول نہ کیا جائے گا۔[1]

علمِ ظاہر کے مُطابِق قلبی مُعاملات کی شرح

ایمان و اسلام کے ارکان

اِیمان و اِسلَام کے اَرکان کے مُتَعَلِّق قرآنِ کریم میں ہے:

﴿1﴾ ---

وَ اِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِیْۤ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ وَ اَشْهَدَهُمْ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْؕ قَالُوْا بَلٰىۛۚ

ترجمۂ کنز الایمان: اور اے محبوب یاد کرو جب تمہارے رب نے اولادِ آدم کی پُشت سے ان کی نسل نکالی اور انہیں خود ان پر گواہ کیا کیا میں تمہارا رب نہیں سب بولے کیوں

[1] ......تاریخ بغداد، ۴/۳۷۹، رقم: ۲۱۴۵: احمد بن رجاء، بتغیر قلیل

شَهِدۡنَا ۚ (پ ۹، الاعراف: ۱۷۲) نہیں ہم گواہ ہوئے۔

﴿2﴾--- ﷽

وَاذۡكُرُوۡا نِعۡمَةَ اللّٰهِ عَلَيۡكُمۡ وَمِيۡثَاقَهُ الَّذِىۡ وَاثَقَكُمۡ بِهٖۤ ۙ اِذۡ قُلۡتُمۡ سَمِعۡنَا وَاَطَعۡنَا ۡ (پ ۶، المآئدۃ: ۷)

ترجمۂ کنزالایمان: اور یاد کرو اللّٰہ کا احسان اپنے اُوپر اور وہ عہد جو اُس نے تم سے لیا جب کہ تم نے کہا ہم نے سنا اور مانا۔

﴿3﴾--- ﷽

وَمَا لَكُمۡ لَا تُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ ۚ وَالرَّسُوۡلُ يَدۡعُوۡكُمۡ لِتُؤۡمِنُوۡا بِرَبِّكُمۡ وَقَدۡ اَخَذَ مِيۡثَاقَكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ۝۸ (پ ۲۷، الحدید: ۸)

ترجمۂ کنزالایمان: اور تمہیں کیا ہے کہ اللّٰہ پر ایمان نہ لاؤ حالانکہ یہ رسول تمہیں بلارہے ہیں کہ اپنے رب پر ایمان لاؤ اور بیشک وہ تم سے پہلے ہی عہد لے چکا ہے اگر تمہیں یقین ہو۔

اسلام کے بنیادی ارکان

اِسلام کے بُنیادی اَرکان پانچ ہیں:

﴿1﴾ سب سے پہلے یہ گواہی دینا کہ **اللّٰہ** پاک کے سوا کوئی مَعْبُود نہیں، وہ یکتا ہے اور حضرت سَیِّدُنا **محمد** صَلَّی اللّٰہ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم اس کے بندے اور رسول ہیں۔ ان دونوں ہستیوں کے مُتَعَلِّق گواہی دینا گویا کہ ایک ہی بات ہے، اس لیے کہ حُکم اور وُجُوب میں دونوں ایک دوسرے کے ساتھ مُتَّصِل ہیں۔

﴿2﴾ پانچ نمازیں قائم کرنا اور یہ سب ان پانچ اَرکانِ اِسلام میں ایک ہی فَرْض کی حَیْثِیَّت رکھتی ہیں، اس لیے کہ یہ سب ایک دوسرے سے تَعَلُّق رکھتی ہیں۔

﴿3﴾ زکوٰۃ ادا کرنا بھی نماز کی طرح فَرْض ہے، کہ قرآنِ کریم میں اس کا ذِکْر نماز کے ساتھ ملا ہوا ہے۔

﴿4﴾ ماہِ رَمَضَانُ الْمُبَارَک کے روزے رکھنا۔ اور ﴿5﴾ **بیتُ اللّٰہ** شریف کا حج کرنا۔

(صاحِبِ کتاب حضرت سَیِّدُنا شیخ ابو طالب مکّی رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں) اَلْغَرَض یہ پانچوں اَرکان فَرْضِیَّت میں یکساں ہیں اور ان کی فَرْضِیَّت کا عقیدہ رکھنا ضَروری ہے۔ اگرچہ ان میں سے بعض کی فَرْضِیَّت کا حُکم بعض

شرائط کے ساتھ ساقِط ہو جاتا ہے (مثلاً حائضہ عورت پر اس حالت میں نماز کا حکم ساقط ہے)۔ چُنانچہ،

رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا فرمانِ عالیشان ہے: اِسلام کی بُنیاد پانچ چیزوں پر ہے: ﴿1﴾ اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ پاک کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم) اس کے بندے اور رسول ہیں، ﴿2﴾ پانچ نمازیں قائم کرنا، ﴿3﴾ زکوٰۃ دینا، ﴿4﴾ ماہِ رَمَضانُ الْمُبارَک کے روزے رکھنا اور ﴿5﴾ بیتُ اللہ شریف کا حج کرنا۔[1]

ایمان کے ارکان

اِیمان کے اَرکان سات ہیں:

﴿1﴾ اللہ پاک کے تمام اسمائے حسنٰی اور اس کی تمام صِفات پر ایمان لانا۔

﴿2﴾ اللہ پاک کی تمام کتابوں پر اور اس کے تمام نبیوں پر ایمان لانا۔

﴿3﴾ ملائکہ و شیاطین کے وجود پر ایمان لانا۔

﴿4﴾ جنت و جہنّم پر ایمان لانا اور اس بات پر بھی کہ ان دونوں کو اللہ پاک نے حضرت سیِّدُنا آدم عَلَیْہِ السَّلَام سے پہلے تخلیق فرمایا۔

﴿5﴾ موت کے بعد دوبارہ زندہ ہو جانے پر ایمان لانا۔

﴿6﴾ اللہ پاک کی تمام تقدیروں پر اِیمان لانا خواہ وہ خیر پر مبنی ہوں یا شر پر، شیریں و میٹھی ہوں یا تلخ و کڑوی۔ نیز اس بات پر بھی اِیمان لانا کہ تمام تقدیریں اللہ پاک کی قضا و قدر یا مَشِیّت و حُکم سے ہیں اور یہ اس کا عَدل اور کامِل حِکمت پر مبنی ہیں۔ وُہی اپنے غیبی عِلْم اور ان تقدیروں کے حقیقی مَفاہیم سے آگاہ ہے۔ اس سے اس کے اَفعال کے مُتعلِّق نہیں پوچھا جا سکتا۔ (ساتواں رکن ذیل میں اگلی ہیڈنگ کے تحت مذکور ہے۔)

باری تعالیٰ کی مثال دینا کیسا؟

عَقْل اور قیاس کے تحت اللہ پاک کے لیے کوئی مِثال بھی نہیں دی جا سکتی کہ وہ ان سب باتوں سے

---

[1] ......بخاری، کتاب الایمان، باب دعاؤکم ایمانکم، ۱ / ۱۴، حدیث: ۸

بالاتر ہے۔ حالانکہ **اللہ** پاک نے اپنے بندۂ خاص یعنی اپنے مَحْبُوب صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے لیے مِثال دینے والے شخص کے گمراہ ہونے کی ان اَلفاظ میں خَبَر دی ہے:

اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا (پ ۱۵، بنی اسرآئیل: ۴۸) ترجمۂ کنزالایمان: دیکھو انہوں نے تمہیں کیسی تشبیہیں دیں تو گمراہ ہوئے۔

تو اب جو مولائے کبیر کی مثال دے اس سے بڑھ کر گمراہ کون ہو سکتا ہے؟ حالانکہ اس نے خود ایسا کرنے سے مَنْع فرمایا ہے اور اس کی خَبَر دیتے ہوئے اِرشاد فرمایا:

فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۷۴﴾ (پ ۱۴، النحل: ۷۴) ترجمۂ کنزالایمان: تو **اللہ** کے لئے مانند نہ ٹھہراؤ بے شک **اللہ** جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

اطاعتِ رسول اطاعتِ الٰہی ہے

《7》اس بات پر ایمان لانا کہ جو کچھ سرکارِ مدینہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی اَحادیثِ مُبارَکہ سے مَرْوِی ہے، وہ سب دُرُست ہے، نیز ☜ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے مَرْوِی ہر حَدِیْثِ پاک کو ماننا۔ ☜ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی اِطاعَت کو فَرْض سمجھنا۔ ☜ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے حُکْم کا بندوں پر نافِذ ہونا اور اسے لازِم جاننا بھی ضَروری ہے۔

اس لیے کہ **اللہ** پاک نے اپنے پیارے حبیب صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی اِطاعَت کو ایمان کی شَرْط قرار دیا ہے اور آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی اِطاعَت کو اپنی اِطاعَت کے ساتھ ذِکْر فرمایا ہے۔ چُنانچہ اِرشاد ہوتا ہے:

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗۤ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱﴾ (پ ۹، الانفال: ۱) ترجمۂ کنزالایمان: اور **اللہ** ورسول کا حُکْم مانو اگر ایمان رکھتے ہو۔

اللہ پاک نے جس طرح حُصُولِ رَحْمَت کے لیے تقویٰ کو شَرْط ٹھہرایا ہے اسی طرح اپنی رَحْمَت کا حق دار بننے کے لیے اِطاعَتِ رسول کو بھی شَرْط ٹھہرایا ہے۔ چُنانچہ اِرشاد ہوتا ہے:

وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۵۶﴾ (پ ۱۸، النور: ۵۶) ترجمۂ کنزالایمان: اور رسول کی فرمانبرداری کرو اس اُمید پر کہ تم پر رحم ہو۔

اللہ پاک نے اپنے پیارے حبیب صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے اَحکام پر لَبَّیْک کہنے کے بجائے ان کی خلاف ورزی کرنے سے ڈرایا ہے اور انہیں اپنا قائم مقام قرار دیا اور وَصف ومدح میں مُبالَغہ کرتے ہوئے انہیں اپنا بدَل ٹھہرایا۔ چُنَانْچِہ ان باتوں کو قرآنِ کریم میں مُتفرِّق مقامات پر کچھ یوں ذِکْر فرمایا:

﴿1﴾ ---

فَلْیَحْذَرِ الَّذِیْنَ یُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖۤ اَنْ تُصِیْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ یُصِیْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۶۳﴾ (پ ۱۸، النور: ۶۳)

ترجمۂ کنزالایمان: تو ڈریں وہ جو رسول کے حکم کے خلاف کرتے ہیں کہ انہیں کوئی فتنہ پہنچے یا اُن پر دردناک عذاب پڑے۔

﴿2﴾ ---

وَ یُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ؕ (پ ۳، ال عمران: ۲۸)

ترجمۂ کنزالایمان: اور **اللہ** تمہیں اپنے غَضَب سے ڈراتا ہے۔

﴿3﴾ ---

اِسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا یُحْیِیْكُمْ ۚ (پ ۹، الانفال: ۲۴)

ترجمۂ کنزالایمان: **اللہ** و رسول کے بلانے پر حاضر ہو جب رسول تمہیں اس چیز کے لئے بلائیں جو تمہیں زندگی بخشے گی۔

﴿4﴾ ---

اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَكَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰهَ ؕ (پ ۹، الانفال: ۲۴)

ترجمۂ کنزالایمان: وہ جو تمہاری بَیْعَت کرتے ہیں وہ تو **اللہ** ہی سے بَیْعَت کرتے ہیں۔

خلاصہ کلام

(صَاحِبِ کتاب فرماتے ہیں:) یہ آیتِ مُبارَکہ قرآنِ کریم کی وہ آیت ہے جس میں سب سے زیادہ **اللہ** پاک کے پیارے حبیب صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی تعریف بیان کی گئی ہے اور اس میں سرکارِ مدینہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی جو فضیلت بیان کی گئی ہے وہ بھی حد درجہ ہے۔ اس لیے کہ اس آیتِ مُبارَکہ میں سرکارِ مدینہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کو لفظوں میں جہاں **اللہ** پاک کا بدَل قرار دیا گیا ہے وہیں حُکم میں قائم مقام بھی ٹھہرایا گیا ہے۔ جس کی دلیل یہ ہے کہ اس آیتِ مُبارَکہ کے دو اجزا ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَكَ﴾ اور ﴿اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ

﴿ اللّٰهَ ﴾ کے درمیان تشبیہ قائم کرنے کے لیے حرفِ کاف ذِکْر نہیں کیا گیا۔ یعنی یہاں ﴿ اِنَّمَا ﴾ کی جگہ ﴿ كَاَنَّمَا ﴾ نہیں فرمایا گیا کہ معنیٰ یہ ہوتا گویا کہ وہ **اللہ** ہی سے بَیْعَت کرتے ہیں۔ نہ یہاں لامِ ملکیت ذِکْر کیا گیا ہے یعنی ﴿ يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ﴾ کی جگہ ﴿ يُبَايِعُوْنَ لِلّٰهِ ﴾ ذِکْر کیا گیا ہے کہ معنیٰ یہ ہوتا کہ وہ **اللہ** کے لیے بَیْعَت کرتے ہیں۔

اللہ پاک کی طرف سے یہ مَقام رسولِ پاک صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم کے عِلاوہ مخلوق میں سے کسی کو عَطا نہیں ہوا۔

❀❀ ❀❀ ❀❀

مرگی کی بیماری بغداد سے بھاگ گئی

ایک شخص حضرت سیِّدُنا شیخ عبد القادر جیلانی رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْه کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوا: میں اَصبہان کا رہنے والا ہوں میری ایک بیوی ہے جسے اکثر مرگی کا دورہ رہتا ہے اور اس پر کسی تعویذ کا اثر نہیں ہوتا۔ آپ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْه نے فرمایا: یہ ایک جن ہے جو وادی سراندیپ کا رہنے والا ہے، اُس کا نام خانس ہے اور جب تیری بیوی پر مرگی آئے تو اس کے کان میں یہ کہنا کہ اے خانس! تمہارے لئے شیخ عبد القادر جو کہ "بغداد میں رہتے ہیں ان کا فرمان ہے کہ آج کے بعد پھر نہ آنا ورنہ ہلاک ہو جائے گا۔" تو وہ شخص چلا گیا اور دس سال تک غائب رہا پھر وہ آیا اور اس سے دریافت کیا گیا تو اس نے کہا: "میں نے شیخ کے حکم کے مطابق کیا پھر اب تک اس پر مرگی کا اثر نہیں ہوا۔" حضرت سیِّدُنا شیخ عبد القادر جیلانی رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْه کی زندگی مبارک میں 40 برس بغداد میں کسی مرگی کا اثر نہیں ہوا، جب آپ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْه کا وصال ہوا تو وہاں مرگی کا اثر ہوا۔ (قرة العيون ومفرح القلب المحزون، الباب التاسع: في عقوبة عاق والديه، ص ۴۰۲)

بچوں کو مرگی کے مرض سے بچانے کا نسخہ

بچہ پیدا ہونے کے بعد جو اَذان میں دیر کی جاتی ہے، اس سے اکثر (یہ مرگی کا) مرض ہو جاتا ہے اور اگر بچہ پیدا ہونے کے بعد پہلا کام یہ کیا جائے کہ نہلا کر اذان و اقامت بچے کے کان میں کہہ دی جائے تو اِنْ شَآءَ اللّٰه عُمر بھر محفوظ رہے گی۔

(ملفوظات اعلیٰ حضرت، ص ۱۴۷ بحوالہ شعب الایمان، باب فی حقوق الاولاد، ۶/ ۳۹۰، حدیث: ۸۶۱۹)

مَتْرُوکہ عَرَبی عِبارات

پہلی عبارت

وقد روينا حديثاً حسناً كالمسند عن حماد بن سلمة عن ثابت البناني .[1]

دوسری عبارت

هكذا كان في كتاب شيخنا عن أنس ، وقال فيه لطائفة من أمتي ففيه دليل على المسند .[2]

تیسری عبارت

وقد كان لعطاء جاريتان يلحنان فكان إخوانه يستمعون إليهما .[3]

چوتھی عبارت

حتى قيل محي من ديوان النبوة .[4]

پانچویں عبارت

والعرب تقول: قد دمغه وارأسه وقادة وركبته. كذلك قولهم اشغفه اذا اصاب شغاف قلبه فهتك حجابه.[5]

چھٹی عبارت

وقد رته دوام بقائه .[6]

ساتویں عبارت

فاما ذكر الواو في الترتيب، فاني سمعت بعض فقهاء العرب من أهل اللغة بمكة يقول: انّ الواو وان كانت للجمع فلا تقتضي الترتيب في الظاهر، فانه اذا لم يرد به الجمع بين شيئين واستحال ان يجمع بها بين اثنين معاً فانها تقوم حينئذ مقام ثم تكون للترتيب لا غير .[7]

---

1 ......قوت القلوب، الفصل الثاني والثلاثون، ذكر احكام مقام الرضا، ۲/ ۷۹

2 ......قوت القلوب، الفصل الثاني والثلاثون، ذكر احكام مقام الرضا، ۲/ ۷۹

3 ......قوت القلوب، الفصل الثاني والثلاثون، ذكر مخاوف المحبين... الخ، ۲/ ۱۲۱

4 ......قوت القلوب، الفصل الثاني والثلاثون، ذكر مخاوف المحبين... الخ، ۲/ ۱۲۶

5 ......قوت القلوب، الفصل الثاني والثلاثون، ذكر مخاوف المحبين... الخ، ۲/ ۱۳۳

6 ......قوت القلوب، الفصل الثالث والثلاثون، ذكر فضائل شهادة التوحيد، ۲/ ۱۶۸

7 ......قوت القلوب، الفصل الثالث والثلاثون، ذكر فرائض الطهارة، ۲/ ۱۷۷

آٹھویں عبارت

وليس للعرب في لفظ التكبير بمعنى الإكبار إلا وزن أفعل والأفعل فيقولون: الله أكبر والله الأكبر، وليس يقولون: الله كبير، وهم يريدون معنى أكبر مما سواه، إنما يقولون كبير بمعنى عظيم لأن هذه لفظة أعجمية عربت، وتقول العرب: الله كبار، وليس بمعنى أكبر إنما هو بمعنى كبير، والتفخير للتعظيم.[1]

نویں عبارت

وذلك محتمل لتوكيده بالمصدر، وهو قوله نشرا. فيصلح أن يكون قوله نشرا، يريد به التفرقة. وقد تسمى التفرقة بثاء ونشرا لأنّ حقيقة النشر البسط، وقد قال الله تعالىٰ: وزرابي مبثوثة. فهذا هو التفرقة وقال في معنى البث كالفراش المبثوث. ثم قال في مثله: كانهم جراد منتشر. فإذا كان النشر مثل البث، وكان البث هو التفرقة، كان قوله نشرا بمعنى فرق.[2]

دسویں عبارت

يقال: سدل وسدن بمعنى واحد، وقد تبدل اللام نوناً لقرب المخرجين إذا أرسل ثيابه، ومنه قيل: سدنة الكعبة أحدهم سادن، وهم قوامها الذين يسلبون عليها كسوتها؛ وسدانة الكعبة ثيابها المسبلة.[3]

گیارہویں عبارت

واشتقاقه من السكون، أي فقد أسكنه الفقر لما سكنه وأقلّ حركته؛ وهذه أوصاف. يقال: قد تمسكن الرجل وسكن، كما يقال: تمدرع وتدرّع إذا لبس مدرعة.[4]

بارہویں عبارت

وبهذا المعنى استدل أهل العراق من الفقهاء أنّ اللمس هو الجماع بقوله تعالى: (فَلَمَسُوهُ بِأَيْدِيهِمْ). أنّ اللمس يكون بغير اليد وهو الجماع. فلما قال: بأيديهم خصّ به هذا المعنى فردّوه على من احتج به من علماء الحجاز في قولهم: اللمس باليد.[5]

---

1 ......قوت القلوب، الفصل الثالث والثلاثون، ذكر فرائض الصلاة قبل الدخول فيها، ۲/۱۸۱

2 ......قوت القلوب، الفصل الثالث والثلاثون، ذكر احكام الصلاة في الادراك، ۲/ ۱۸۵

3 ......قوت القلوب، الفصل الثالث والثلاثون، ذكر احكام الصلاة في الادراك، ۲/ ۱۸۶

4 ......قوت القلوب، الفصل الثالث والثلاثون، ذكر فضائل الصدقة...الخ، ۲/ ۲۱۶

5 ......قوت القلوب، الفصل الثالث والثلاثون، ذكر فضائل الصدقة...الخ، ۲/ ۲۱۷

تیرھویں عبارت

واشتقاقه من المحجّة بمنزلة النسك، وهو اسم للطريق مشتق من المنسك، وهو من أسماء الطريق وإن كان أصله المذبح ومنه سمي الناسك لأنه سالك لطريق الآخرة.[1]

چودھویں عبارت

وكان ابن عباس يقول: أجور بيوت مكة حرام ولا تقوم الساعة حتى يستحل الناس اثنتين إتيان النساء في أدبارهن وأجور بيوت مكة، وكان الثوري وبشر وجماعة من الفقهاء وأهل الورع يكرهون أن يدفع الرجل كراء بيت مكة، حتى قال الثوري: إذا طالبوك ولم يكن لك بدّ من أن تعطيهم فخذ لهم من البيت قيمة ما أخذوا منك.[2]

❀❀ ❀❀ ❀❀

سیّدُنا ابوہریرہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہ کا توشہ دان

حضرت سیّدُنا ابوہریرہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہ فرماتے ہیں: ایک غزوہ میں لشکرِ اسلام کے پاس کھانے کو کچھ نہ رہا۔ رسولِ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے مجھ سے ارشاد فرمایا: تمہارے پاس کچھ ہے؟ میں نے عرض کی توشہ دان میں تھوڑی سی کھجوریں ہیں۔ ارشاد فرمایا: لے آؤ۔ میں نے حاضر کر دیں جو کُل 21 تھیں۔ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ان پر دستِ مبارک رکھ کر دُعا مانگی پھر ارشاد فرمایا: 10 افراد کو بلاؤ۔ میں نے بلایا، وہ آئے اور سیر ہو کر کھایا اور چلے گئے۔ پھر 10 افراد کو بلانے کا حکم دیا، وہ بھی کھا کر چلے گئے۔ اسی طرح 10،10 آدمی آتے، سیر ہو کر کھاتے اور تشریف لے جاتے، یہاں تک کہ تمام لشکر نے کھائیں اور جو باقی رہ گئیں ان کے بارے میں ارشاد فرمایا: اے ابوہریرہ! **ان کو اپنے توشہ دان میں رکھ لو اور جب چاہو ہاتھ ڈال کر ان میں سے نکال لیا کرنا لیکن توشہ دان نہ اُنڈیلنا۔** حضرت سیّدُنا ابوہریرہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہ فرماتے ہیں: میں حضور کی ظاہری حیاتِ مبارکہ میں اور حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عُمَر فاروق اور حضرت سیّدُنا عثمانِ غنی رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُم کے عہدِ خلافت تک ان ہی کھجوروں سے کھاتا اور خرچ کرتا رہا اندازاً 50 وسق تو راہِ خدا میں دیں اور 200 وسق سے زیادہ میں نے کھائیں۔ جب حضرت عثمان غنی رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہ شہید ہوگئے تو وہ توشہ دان میرے گھر سے گم ہوگیا۔ (الخصائص الکبری، ۲/۸۵)

---

1 ......قوت القلوب، الفصل الثالث والثلاثون، ذكر فضائل الحج وآدابه... الخ، ۲/ ۲۲۴

2 ......قوت القلوب، الفصل الثالث والثلاثون، ذكر من كره المقام بمكة... الخ، ۲/ ۲۳۷

تفصیلی فہرست

صرف نیت پر کامل نیکی کا ثواب

فرمانِ مصطفےٰ: "جو نیکی کا اِرادہ کرے لیکن اس پر عمل نہ کرسکے تو **اللہ** پاک اس کے نامۂ اعمال میں ایک کامل نیکی کا ثواب لکھ دیتا ہے۔" (مسلم، کتاب الایمان، باب اذا ھم العبد بحسنۃ کتبت... الخ، ص۸۰، حدیث:۱۳۱)

ماخذ و مراجع

قرآن پاک	کلام باری تعالیٰ	
نام کتاب	**مصنف/مؤلف**	**مطبوعہ**
ترجمۂ کنزالایمان	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۱۳۴۰ھ	مکتبۃ المدینۃ ۱۴۳۲ھ
تفسیر طبری	امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۳۱۰ھ	دار الکتب العلمیۃ ۱۴۲۰ھ
التفسیر الکبیر	امام فخر الدین محمد بن عمر رازی رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۶۰۶ھ	داراحیاء التراث العربی ۱۴۲۰ھ
روح البیان	مولی الروم شیخ اسماعیل حقی بروسی رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۱۱۳۷ھ	داراحیاء التراث العربی ۱۴۰۵ھ
الکشاف	جار اللہ محمود بن عمر زمخشری معتزلی متوفّٰی ۵۳۸ھ	مکتبۃ الاعلام الاسلامی ۱۴۱۴ھ
خزائن العرفان	مفتی نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۱۳۶۷ھ	مکتبۃ المدینہ کراچی
صحیح البخاری	امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۲۵۶ھ	دار الکتب العلمیۃ ۱۴۱۹ھ
صحیح مسلم	امام مسلم بن حجاج قشیری نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۲۶۱ھ	دار ابن حزم ۱۴۱۹ھ
سنن ابن ماجہ	امام محمد بن یزید القزوینی ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۲۷۳ھ	دار المعرفۃ بیروت ۱۴۲۰ھ
سنن ابی داود	امام ابوداود سلیمان بن اشعث سجستانی رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۲۷۵ھ	داراحیاء التراث العربی ۱۴۲۱ھ
سنن الترمذی	امام محمد بن عیسٰی ترمذی رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۲۷۹ھ	دار الفکر بیروت ۱۴۱۴ھ
سنن النسائی	امام احمد بن شعیب نسائی رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۳۰۳ھ	دار الکتب العلمیۃ ۱۴۲۶ھ
صحیح ابن خزیمۃ	امام محمد بن اسحاق بن خزیمۃ شافعی رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۳۱۱ھ	المکتب الاسلامی ۱۴۱۲ھ
سنن کبریٰ	امام احمد بن شعیب نسائی رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۳۰۳ھ	دار الکتب العلمیۃ ۱۴۱۱ھ
سنن الدارمی	امام عبد اللہ بن عبد الرحمٰن دارمی رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۲۵۵ھ	دار الکتاب العربی ۱۴۰۷ھ
المسند	امام احمد بن محمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۲۴۱ھ	دار الفکر بیروت ۱۴۱۴ھ
المسند	حافظ سلیمان بن داود طیالسی رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۲۰۴ھ	دار المعرفۃ بیروت
المسند	امام ابویعلی احمد بن علی موصلی رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۳۰۷ھ	دار الکتب العلمیۃ ۱۴۱۸ھ
المسند	امام ابوبکر احمد بن عمرو بزار رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۲۹۲ھ	مکتبۃ العلوم والحکم ۱۴۲۴ھ
المسند	امام حافظ ابومحمد عبد بن حمید رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۲۴۹ھ	عالم الکتب بیروت ۱۴۱۸ھ
المسند	حافظ ابوعبد اللہ محمد بن سلامۃ قضاعی رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۴۵۴ھ	مؤسسۃ الرسالۃ ۱۴۰۵ھ
المصنف	حافظ عبد اللہ محمد بن ابی شیبۃ عبسی رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۲۳۵ھ	دار الفکر بیروت ۱۴۱۴ھ
المصنف	امام حافظ ابوبکر عبد الرزاق بن ہمام رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۲۱۱ھ	دار الکتب العلمیۃ ۱۴۲۱ھ
موطا امام مالک	امام مالک بن انس اصبحی حمیری رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۱۷۹ھ	دار المعرفۃ بیروت ۱۴۲۰ھ

کتاب الجامع	امام حافظ معمر بن راشد ازدی رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۱۵۳ھ	دار الکتب العلمیۃ ۱۴۲۱ھ
المعجم الاوسط	حافظ سلیمان بن احمد طبرانی رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۳۶۰ھ	دار الکتب العلمیۃ ۱۴۲۰ھ
المعجم الکبیر	حافظ سلیمان بن احمد طبرانی رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۳۶۰ھ	دار احیاء التراث العربی ۱۴۲۲ھ
المعجم الصغیر	حافظ سلیمان بن احمد طبرانی رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۳۶۰ھ	دار الکتب العلمیۃ ۱۴۰۳ھ
کتاب الدعاء	حافظ سلیمان بن احمد طبرانی رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۳۶۰ھ	دار الکتب العلمیۃ ۱۴۲۱ھ
الادب المفرد	امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۲۵۶ھ	ملتان پاکستان
الموسوعۃ	امام ابوبکر عبد اللہ بن محمد ابن ابی الدنیا رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۲۸۱ھ	المکتبۃ العصریۃ ۱۴۲۶ھ
الشکر	امام ابوبکر عبد اللہ بن محمد ابن ابی الدنیا رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۲۸۱ھ	دار ابن کثیر دمشق ۱۴۰۷ھ
مکارم الاخلاق	امام ابوبکر عبد اللہ بن محمد ابن ابی الدنیا رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۲۸۱ھ	دار الکتب العلمیۃ ۱۴۲۱ھ
صریح السنۃ	امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۳۱۰ھ	مکتبۃ اھل الاثر کویت ۱۴۲۶ھ
الزھد	امام ابو داود سلیمان بن اشعث سجستانی رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۲۷۵ھ	دار المشکاۃ حلوان مصر ۱۴۱۴ھ
الحث علی التجارۃ والصناعۃ	امام ابوبکر احمد بن محمد بن ھارون ابن الخلال رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۳۱۱ھ	دار العاصمۃ ریاض ۱۴۰۷ھ
الشفاء بتعریف حقوق المصطفٰی	علامہ قاضی ابو الفضل عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۵۴۴ھ	مرکز اہلسنت برکات رضا ہند ۱۴۲۳ھ
جواھر البیان	رئیس المتکلمین مولانا محمد نقی علی خان رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۱۲۹۷ھ	مکتبہ مہریہ رضویہ سیالکوٹ ۱۴۱۹ھ
معجم البلدان	علامہ ابو عبد اللہ یاقوت بن عبد اللہ بغدادی رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۶۲۶ھ	دار الکتب العلمیۃ ۱۴۱۹ھ
الثقات	امام حافظ محمد بن حبان رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۳۵۴ھ	دار الکتب العلمیۃ ۱۴۱۹ھ
المتفق والمفترق	حافظ ابوبکر علی بن احمد خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۴۶۳ھ	دار القادری دمشق ۱۴۱۷ھ
کتاب الآثار	امام ابو یوسف یعقوب بن ابراھیم انصاری رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۱۸۲ھ	دار الکتب العلمیۃ
آثار البلاد واخبار العباد	علامہ زکریا بن محمد بن محمود قزوینی رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۶۸۲ھ	دار صادر بیروت
العظمۃ	امام عبد اللہ بن محمد المعروف بابی الشیخ اصبہانی رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۳۶۹ھ	دار الکتب العلمیۃ ۱۴۱۴ھ
التذکرۃ	علامہ ابو عبد اللہ بن احمد انصاری قرطبی رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۶۷۱ھ	دار السلام قاہرہ ۱۴۲۹ھ
الزھد	امام ابو عبد الرحمٰن عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۱۸۱ھ	دار الکتب العلمیۃ
الزھد	امام وکیع بن جراح بن ملیح رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۱۹۷ھ	مکتبۃ الدار المدینۃ المنورۃ ۱۴۰۴ھ
الزھد	امام ابو مسعود معافی بن عمران موصلی رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۱۸۵ھ	دار البشائر الاسلامیۃ ۱۴۲۰ھ
الزھد الکبیر	امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۴۵۸ھ	مؤسسۃ الکتب الثقافیۃ ۱۴۱۷ھ
ابن حبان	امام حافظ ابو حاتم محمد بن حبان رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۳۵۴ھ	دار الکتب العلمیۃ ۱۴۱۷ھ
فردوس الاخبار	حافظ شیرویہ بن شہردار دیلمی رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۵۰۹ھ	دار الکتب العلمیۃ ۱۴۰۶ھ
کتاب العلل	امام ابو محمد عبد الرحمن بن ابی حاتم رازی شافعی رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۳۲۷ھ	مکتبۃ الملک فہد ریاض ۱۴۲۷ھ

الترغیب والترھیب	امام زکی الدین عبد العظیم بن عبد القوی منذری رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۶۵۶ھ	دار الکتب العلمیۃ ۱۴۱۷ھ
اللمع فی تاریخ التصوف	علامہ ابو نصر عبد اللہ بن علی سراج طوسی رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۳۷۸ھ	دار الکتب الحدیثیۃ مصر ۱۳۸۰ھ
تاریخ بغداد	حافظ ابوبکر علی بن احمد خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۴۶۳ھ	دار الکتب العلمیۃ ۱۴۱۷ھ
الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ	امام احمد بن علی بن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۸۵۲ھ	دار الکتب العلمیۃ ۱۴۱۵ھ
تاریخ الیعقوبی	علامہ ابو یعقوب احمد بن اسحاق یعقوبی رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی بعد ۲۹۲ھ	لیدن ۱۸۸۳م
تاریخ المدینۃ المنورۃ	علامہ ابو زید عمر بن شبہ نمیری بصری رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی بعد ۲۶۲ھ	دار الفکر ۱۴۱۰ھ
المستطرف	علامہ بہاء الدین محمد بن احمد مصری شافعی رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۸۵۲ھ	دار الفکر ۱۴۱۹ھ
جامع کرامات اولیاء	علامہ شیخ یوسف بن اسماعیل نبہانی رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۱۳۵۰ھ	مرکز اہل سنت برکات رضا ہند ۱۴۲۲ھ
المجالسۃ وجواہر العلم	امام ابوبکر احمد بن مروان دینوری مالکی رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۳۳۳ھ	دار الکتب العلمیۃ ۱۴۲۱ھ
المحاسن والمساوی	امام ابراھیم بن محمد بیہقی رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی نحو ۳۲۰ھ	دار المعارف قاہرہ
السنۃ	امام احمد بن ابوبکر بن عمرو بن عاصم رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۲۸۷ھ	دار ابن حزم ۱۴۲۴ھ
اخبار مکہ	امام ابو عبد اللہ محمد بن اسحاق فاکہی رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۲۷۲ھ	دار خضر بیروت ۱۴۱۹ھ
جامع الاحادیث	امام جلال الدین عبد الرحمٰن سیوطی شافعی رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۹۱۱ھ	دار الفکر بیروت ۱۴۱۴ھ
طبقات المحدثین باصبہان	امام عبد اللہ بن محمد المعروف بابی الشیخ اصبہانی رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۳۶۹ھ	مؤسسۃ الرسالۃ ۱۴۱۲ھ
ذیل تاریخ بغداد	امام ابو عبد اللہ محمد بن محمود ابن نجار رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۶۴۳ھ	دار الکتب العلمیۃ ۱۴۱۷ھ
عیون الاخبار	امام عبد اللہ بن مسلم قتیبۃ دینوری رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۲۶۷ھ	دار الکتب العلمیۃ ۱۴۱۸ھ
شرح اصول اعتقاد اہل السنۃ	امام ھبۃ اللہ بن الحسن الطبری لالکائی رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۴۱۸ھ	دار البصیرۃ الاسکندریۃ مصر
کتاب الاموال	امام حمید بن زنجویہ رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۲۵۱ھ	مرکز الملک فیصل... ۱۴۰۶ھ
الجلیس الصالح	علامہ ابو الفرج معافی بن زکریا نہروانی رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۳۹۰ھ	دار الکتب العلمیۃ ۱۴۲۶ھ
تعظیم قدر الصلاۃ	امام محمد بن نصر مروزی رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۲۹۴ھ	مکتبۃ الدار ۱۴۰۶ھ
آداب الملوک	امام ابو منصور عبد الملک بن محمد ثعالبی رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۴۲۹ھ	عالم الکتب ۱۴۲۸ھ
مختصر قیام اللیل	امام محمد بن نصر مروزی رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۲۹۴ھ	حدیث اکادمی فیصل آباد
الاربعین	امام محمد بن اسلم طوسی رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۲۴۲ھ	دار ابن حزم ۱۴۲۱ھ
سلوۃ العارفین	امام ابو حامد محمد بن محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۵۰۵ھ	دار الکتب العلمیۃ
جزء فیہ احادیث لابی علی الحسن	امام ابو علی الحسن بن موسیٰ الاشیب رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۲۰۹ھ	دار علوم الحدیث ۱۴۱۰ھ
نوادر الاصول	امام محمد بن علی بن حسین حکیم ترمذی رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۳۲۰ھ	مکتبۃ امام بخاری قاہرہ ۱۴۲۹ھ
مرقاۃ المفاتیح	علامہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۱۰۱۴ھ	دار الفکر بیروت
شرح صحیح مسلم	امام ابو زکریا یحییٰ بن شرف نووی شافعی رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۶۳۱ھ	دار الکتب العلمیۃ ۱۴۰۱ھ

ابن عساکر	امام ابوالقاسم علی بن حسن ابن عساکر شافعی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۵۷۱ھ	دار الفکر بیروت ۱۴۱۶ھ
الکامل فی ضعفاء الرجال	امام ابو احمد عبد اللہ بن عدی جرجانی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۳۶۵ھ	دار الکتب العلمیۃ ۱۴۱۹ھ
طبقات ابن سعد	امام محمد بن سعد ہاشمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۲۳۰ھ	دار الکتب العلمیۃ ۱۴۱۸ھ
حلیۃ الاولیاء و طبقات الاصفیاء	امام ابو نعیم احمد بن عبد اللہ اصفہانی شافعی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۴۳۰ھ	دار الکتب العلمیۃ ۱۴۱۹ھ
النہایۃ فی غریب الحدیث و الاثر	امام مجد الدین ابن اثیر جزری رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۶۰۶ھ	دار الکتب العلمیۃ ۲۰۱۱ء
جامع الاصول	امام مجد الدین مبارک بن محمد ابن اثیر جزری رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۶۰۶ھ	دار الکتب العلمیۃ ۱۴۱۸ھ
اتحاف السادۃ المتقین	علامہ سید محمد بن محمد حسینی زبیدی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۲۰۵ھ	دار الکتب العلمیۃ ۱۴۳۰ھ
المعجم	امام ابو سعید احمد بن محمد بن زیاد ابن الاعرابی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۳۴۰ھ	دار ابن الجوزی ۱۴۱۸ھ
کتاب الضعفاء	امام ابو جعفر محمد بن عمرو بن موسیٰ عقیلی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۳۲۲ھ	دار الصمیعی ریاض ۱۴۲۰ھ
المجروحین	امام حافظ ابو حاتم محمد بن حبان رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۳۵۴ھ	دار الصمیعی ریاض ۱۴۲۰ھ
ذخیرۃ الحفاظ	امام حافظ محمد بن طاہر مقدسی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۵۰۷ھ	دار السلف ریاض ۱۴۱۶ھ
المحیط البرہانی	امام برہان الدین محمود بن احمد بخاری حنفی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۶۱۶ھ	دار احیاء التراث العربی ۱۴۲۴ھ
تنبیہ الغافلین	علامہ ابو اللیث نصر بن محمد سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۳۷۳ھ	دار الکتاب العربی ۱۴۲۰ھ
شرح معانی الآثار	امام ابو جعفر احمد بن محمد مصری طحاوی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۳۲۱ھ	دار الکتب العلمیۃ ۱۴۲۲ھ
کتاب التوحید و اثبات صفات الرب	امام ابو بکر محمد بن اسحاق بن خزیمۃ شافعی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۳۱۱ھ	مکتبۃ الرشید ریاض ۱۴۱۸ھ
منہاج العابدین	حجۃ الاسلام امام ابو حامد محمد بن محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۵۰۵ھ	دار الکتب العلمیۃ
طبقات الشافعیہ	امام تاج الدین عبد الوہاب بن تقی الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۷۷۱ھ	ھجر للطباعۃ و النشر و التوزیع ۱۴۱۳ھ
رد المحتار	سید محمد امین بن عمر ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۲۵۲ھ	دار المعرفۃ بیروت ۱۴۲۲ھ
الفتاوی الہندیۃ	علامۃ شیخ نظام رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۱۶۱ھ و جماعۃ من علماء الہند	دار الفکر بیروت ۱۴۱۱ھ
اللمع مترجم	شاہ محمد چشتی	ادارہ پیغام القرآن لاہور
عوارف المعارف مترجم	علامہ شمس بریلوی	پروگریسو بکس لاہور
فتاوی رضویہ	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۳۴۰ھ	رضا فاؤنڈیشن لاہور پاکستان
نزہۃ القاری	علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۴۲۰ھ	برکاتی پبلشرز کھارادر کراچی
الملفوظ (ملفوظات اعلیٰ حضرت)	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۳۴۰ھ	مکتبۃ المدینہ کراچی
بہار شریعت	صدر الشریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۳۶۷ھ	مکتبۃ المدینہ
فتاوی فیض الرسول	فقیہ ملت مفتی جلال الدین احمد امجدی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۴۲۲ھ	شبیر برادرز لاہور
مراۃ المناجیح	حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۳۹۱ھ	ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور
رفیق الحرمین	حضرت علامہ مولانا ابو بلال محمد الیاس عطار قادری رضوی مدظلہ	مکتبۃ المدینہ کراچی

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ
اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ؕ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ؕ

المدینۃ العلمیۃ کے کل کتب ورسائل:606 جن کے موضوعات وتعداد کی تفصیل درج ذیل ہے

قرآن ومتعلقات:37، حدیث ومتعلقات:22، فقہ ومتعلقات:51، سیرت وتاریخ:89، سیرت وملفوظات امیر اہلسنت:59، تصوف واخلاقیات:117، عقائد ومتعلقات:19، تعلیمات اسلام:10، علوم وفنون:34، بیانات:18، نعتیہ دیوان:6، دعوت اسلامی وثمرات:126، متفرقات:18

☆☆☆...... قرآن ومتعلقات ......☆☆☆

نمبر شمار	کتاب کا نام	صفحات	نمبر شمار	کتاب کا نام	صفحات
01	القرآن الکریم N-I 26	549	29	الفوز الکبیر	165
02	القرآن الکریم N-I 25	549	30	الأنوار الرضویہ فی القواعد التفسیریہ ماخوذۃ من الزلال الأنقی من بحر سبقۃ الأتقی	67
03	القرآن الکریم N-I 25-A	549			
04	سورہ یٰس شریف	16			
05تا10	معرفۃ القرآن (6 جلدیں)	2425	31	علم القرآن	244
11تا20	تفسیر صراط الجنان (10 جلدیں)	6487	32	فیضانُ التجوید	112
21تا23	تفسیر الجلالین مع حاشیۃ انوار الحرمین (3 جلدیں)	1251	33	فیضان یٰس شریف مع دعائے نصف شعبان المعظم	20
24	کنز العرفان	1144	34	عجائب القرآن مع غرائب القرآن	422
25	تفسیر بیضاوی	392	35	آیاتِ قرآنی کے انوار	62
26	تفسیر سورۂ نور	135	36	رہنمائے مدرسین	87
27	قرآن سیکھیں اور سکھائیں	120	37	مدنی قاعدہ	48
28	کنز الایمان مع خزائن العرفان	1185			

☆☆☆...... حدیث ومتعلقات ......☆☆☆

نمبر شمار	کتاب کا نام	صفحات	نمبر شمار	کتاب کا نام	صفحات
01تا06	فیضان ریاض الصالحین (6 جلدیں)	4375	08	جنت میں لے جانے والے اعمال (اَلْمَتْجَرُ الرَّابِحْ فِیْ ثَوَابِ الْعَمَلِ الصَّالِحْ)	743
07	مسند امام اعظم	660			

نمبر شمار	کتاب کا نام	صفحات	نمبر شمار	کتاب کا نام	صفحات
09	الاربعین النوویۃ فی الاحادیث النبویۃ	155	17	نصیحتوں کے مدنی پھول بوسیلۂ احادیثِ رسول (اَلْمَوَاعِظُ فِی الْاَحَادِیْثِ الْقُدْسِیَّۃ)	54
10	ریاض الصالحین عربی (منتخب ابواب)	108			
11	انوار الحدیث	466	18	تیسیر مصطلح الحدیث	188
12	اَلتَّعْلِیْقُ الرَّضَوِی عَلٰی صَحِیْحِ الْبُخَارِی	458	19	نصاب اصول حدیث	95
13	منتخب حدیثیں	246	20	مقدمۃ مشکوۃ	212
14	40 فرامین مصطفٰی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم	87	21	نزھۃ النظر شرح نخبۃ الفکر	175
15	احادیثِ مبارکہ کے انوار	66	22	اربعین حنفیہ	112
16	فیضانِ چہل احادیث	120			

☆☆☆..... فقہ و متعلقات .....☆☆☆

نمبر شمار	کتاب کا نام	صفحات	نمبر شمار	کتاب کا نام	صفحات
01تا03	بہار شریعت (3 جلدیں)	3996	31	فیضانِ زکوٰۃ	150
04تا10	جَدُّ الْمُمْتَار عَلٰی رَدِّ الْمُحْتَار (7 جلدیں)	4000	32	طلاق کے آسان مسائل	30
11	الفتاوی المختارۃ	135	33	چندہ کرنے کی شرعی احتیاطیں	47
12	نور الایضاح مع حاشیۃ النور والضیاء	392	34	تجہیز و تکفین کا طریقہ	358
13	قانونِ شریعت	274	35	تراویح کے فضائل و مسائل	69
14	السراجیۃ	114	36	عشر کے احکام	48
15	فتاوی اہلسنت احکام زکوٰۃ	612	37	نماز میں لقمہ دینے کے مسائل	39
16	کرسی پر نماز پڑھنے کے احکام	34	38	حج و عمرہ کا مختصر طریقہ	48
17تا24	فتاوی اہلسنت (آٹھ حصے)	487	39	کِفْلُ الْفَقِیْہِ الْفَاھِم	74
25	فتاوی اہلسنت: احکام روزہ واعتکاف	34	40	فیضانِ نماز	49
26	مختصر فتاوی اہلسنت	243	41	ٹی وی اور مووی	32
27	27 واجباتِ حج اور تفصیلی احکام	205	42	اَجْلَی الْاِعْلَام	70
28	کرنسی نوٹ کے مسائل (کِفْلُ الْفَقِیْہِ الْفَاھِم فِی اَحْکَامِ قِرْطَاسِ الدَّرَاھِم)	199	43	اصول الشاشی مع احسن الحواشی	299
			44	تلخیص اصول الشاشی	144
29	ثبوتِ ہلال کے طریقے (طُرُقُ اِثْبَاتِ ہِلَال)	63	45	نماز کا مختصر طریقہ مع 40 مسنون دعائیں	58
30	عیدین میں گلے ملنا کیسا؟ (وِشَاحُ الْجِیْد فِی تَحْلِیْلِ مُعَانَقَۃِ الْعِیْد)	55	46	کلمہ نماز کورس	37
			47	سیٹی بجانے کے احکام	16

نمبر شمار	کتاب کا نام	صفحات	نمبر شمار	کتاب کا نام	صفحات
48	معاشی ترقی کا راز (حاشیہ و تشریح تدبیر فلاح و نجات و اصلاح)	41	50	نماز عید کا طریقہ شافعی	9
			51	باتصویر نماز	36
49	جنتی زیور	679			

☆☆☆----- سیرت و تاریخ -----☆☆☆

نمبر شمار	کتاب کا نام	صفحات	نمبر شمار	کتاب کا نام	صفحات
	سیرت و فضائل النبی		20	حضرت زبیر بن عوام رَضِیَ اللہُ عَنْہ	72
01	سیرت مصطفٰی	875	21	فیضان امیر معاویہ رَضِیَ اللہُ عَنْہ	56
02	سیرتِ رسولِ عربی	758	22	صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان کا عشق رسول	274
03	فیضانِ معراج	134	23	کراماتِ صحابہ	346
04	مدنی آقا کے روشن فیصلے (اَلْبَاھِرُ فِیْ حُکْمِ النَّبِیِّ بِالْبَاطِنِ وَالظَّاھِر)	112	24	خلفائے راشدین	341
			25	سیرت ابو درداء	75
05	دلائل الخیرات	319	26تا34	اللہ والوں کی باتیں (حِلْیَۃُ الْاَوْلِیَاء وَطَبَقَاتُ الْاَصْفِیَاء) (9 جلدیں) (سیرت صحابہ و اولیا)	5516
06	19 دُرُود و سلام	16			
07	درود شریف کی برکتیں	16		**سیرت اولیا و علما**	
08	نور کا کھلونا	32	35	حضرت سیدنا عمر بن عبد العزیز رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ کی 425 حکایات	590
09	مولد البرزنجی	26			
10	سیرت الانبیاء	888	36	غوث پاک رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ کے حالات	106
	سیرت صحابہ		37	فیضانِ غوث اعظم رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ	17
11تا12	فیضانِ فاروقِ اعظم (جلد اول، دوم)	1720	38	اَلزَّمْزَمَۃُ الْقَمَرِیَّۃ	93
13	فیضانِ صدیق اکبر	720	39	فیضانِ داتا علی ہجویری	84
14	فضائل امام حسین	17	40	فیضانِ بابا فرید گنج شکر	115
15	فیضانِ سعید بن زید رَضِیَ اللہُ عَنْہ	32	41	سیرت بابا فرید	17
16	حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رَضِیَ اللہُ عَنْہ	132	42	فیضانِ خواجہ غریب نواز	32
17	حضرت ابو عبیدہ بن جراح رَضِیَ اللہُ عَنْہ	60	43	فیضانِ پیر مہر علی شاہ	33
18	حضرت سعد بن ابی وقاص رَضِیَ اللہُ عَنْہ	89	44	اعلیٰ حضرت کی انفرادی کوششیں	49
19	حضرت طلحہ بن عبید اللہ رَضِیَ اللہُ عَنْہ	56	45	شان امام احمد رضا	17

☆☆☆..... سیرت وملفوظاتِ امیر اہلسنت .....☆☆☆

نمبر شمار	کتاب کا نام	صفحات
37	قسط37: سارے گھر والے نیک کیسے بنیں؟	38
38	قسط38: چھٹیاں کیسے گزاریں؟	28
39	قسط39: جمعہ کو عید ہو تو کیسا؟	33
40	قسط40: دل کی سختی کے اسباب و علاج	28
41	قسط41: رفیقِ سفر کیسا ہو؟	38
42	قسط42: درزیوں کے بارے میں سوال جواب	83
43	قسط43: تنگ وقت میں نماز کا طریقہ	38
44	قسط44: مسجد کی صفائی کی فضیلت	27
45	تذکرہ جانشینِ عطار	37
	تذکرۂ امیرِ اہلسنت	
46	قسط1: تذکرۂ امیرِ اہلسنت	49
47	قسط2: ابتدائی حالات	48

نمبر شمار	کتاب کا نام	صفحات
48	قسط3: سنت نکاح	86
49	قسط4: شوقِ علمِ دین	49
50	قسط5: علم و حکمت کے 125 مدنی پھول	102
51	قسط6: حقوق العباد کی احتیاطیں	44
52	قسط7: پیکرِ شرم و حیا	48
53	قسط8: فیضان مدنی مذاکرہ	80
54	تعارفِ امیر اہلسنّت	100
55	قوم جنّات اور امیر اہلسنّت	262
56	ملفوظاتِ امیر اہلسنّت (جلد1)	576
57	ملفوظاتِ امیر اہلسنّت (جلد2)	568
58	ملفوظاتِ امیر اہلسنّت (جلد3)	646
59	ملفوظاتِ امیر اہلسنّت (قسط6) درخت لگائیے ثواب کمائیے	24

☆☆☆..... تصوف و اخلاقیات .....☆☆☆

نمبر شمار	کتاب کا نام	صفحات
01	شرح شجرہ قادریہ	215
02	آدابِ مرشدِ کامل (مکمل پانچ حصے)	275
03	منتخب الابواب من احیاء علوم الدین (عربی)	173
04	شریعت و طریقت (مَقَالُ عُرَفَاء بِاِعْزَازِ شَرْعٍ وَّعُلَمَاء)	57
05	ولایت کا آسان راستہ (تصورِ شیخ) (اَلْيَاقُوْتَةُ الْوَاسِطَة)	60
06	دنیا سے بے رغبتی اور امیدوں کی کمی (اَلزُّهْد وَقِصَرُ الْاَمَل)	85

نمبر شمار	کتاب کا نام	صفحات
07	نیکیوں کی جزائیں اور گناہوں کی سزائیں (قُرَّةُ الْعُيُوْن وَمُفَرِّحُ الْقَلْبِ الْمَحْزُوْن)	142
08تا09	جہنم میں لے جانے والے اعمال 2 جلدیں (اَلزَّوَاجِر عَنْ اِقْتِرَافِ الْكَبَائِر)	1865
10	اصلاحِ اعمال جلد اول (اَلْحَدِيْقَةُ النَّدِيَّة شَرْح طَرِيْقَةِ الْمُحَمَّدِيَّة)	866
11	نیکی کی دعوت کے فضائل (اَلْاَمْرُ بِالْمَعْرُوْف وَالنَّهْيُ عَنِ الْمُنْكَر)	98
12	بہار نیت (کتاب النیات)	159
13	مکاشفۃ القلوب	692

14	راہِ علم (تَعْلِیْمُ الْمُتَعَلِّم طَرِیْقَ التَّعَلُّم)	102	43	سرمایۂ آخرت	200
15	احیاء العلوم کا خلاصہ (لُبَابُ الْاِحْیَاء)	641	44	تکبر	97
16	حکایتیں اور نصیحتیں (اَلرَّوْضُ الْفَائِق)	649	45	بدگمانی	57
17	اچھے برے عمل (رِسَالَةُ الْمُذَاكَرَة)	122	46	قبر میں آنے والا دوست	115
18	شکر کے فضائل (اَلشُّكْرُ لِلّٰه عَزَّوَجَلَّ)	122	47	فکرِ مدینہ	164
19	حُسنِ اخلاق (مَكَارِمُ الْاَخْلَاق)	102	48	ریاکاری	(170
20	آدابِ دین (اَلْاَدَبُ فِی الدِّیْن)	63	49	توبہ کی روایات و حکایات	124
21	آنسوؤں کا دریا (بَحْرُ الدُّمُوْع)	300	50	تربیتِ اولاد	187
22	امام اعظم رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَیْه کی وصیتیں (وَصَایَا اِمَامِ اَعْظَم)	46	51	خوفِ خدا	160
			52	فیضانِ احیاء العلوم	325
23	شاہراہ اولیا (مِنْهَاجُ الْعَارِفِیْن)	36	53	ضیائے صدقات	408
24	بیٹے کو نصیحت (اَیُّهَا الْوَلَد)	64	54	جنت کی دو چابیاں	152
25تا29	احیاء العلوم مترجم (5 جلدیں)	5522	55	جلد بازی کے نقصانات	168
30تا32	قوت القلوب (اردو) (3 جلدیں)	2176	56	قصیدہ بردہ سے روحانی علاج	22
33	76 کبیرہ گناہ	264	57	سنتیں اور آداب	125
34	مختصر منہاج العابدین (تَنْبِیْهُ الْغَافِلِیْن مُخْتَصَرُ مِنْهَاجِ الْعَابِدِیْن)	281	58	بغض و کینہ	83
			59	مزاراتِ اولیاء کی حکایات	48
35	ایک چپ سو سکھ (حُسْنُ السَّمْتِ فِی الصَّمْت)	37	60	حرص	232
36	شرح الصدور (مترجم)	586	61	حسد	97
37	152 رحمت بھری حکایات	326	62	آدابِ دعا	49
38	منہاج العابدین	496	63	تکلیف نہ دیجئے	219
39	دین و دنیا کی انوکھی باتیں جلد 1 (اَلْمُسْتَطْرَف فِیْ كُلِّ فَنٍّ مُسْتَظْرَف)	552	64	بہتر کون؟	139
			65	آقا کا پیارا کون؟	63
40	آخرت کے حالات (اَلْبُدُوْرُ السَّافِرَة)	816	66	وہ ہم میں سے نہیں	112
41	جیسی کرنی ویسی بھرنی	110	67	آئینۂ عبرت	133
42	نیکیاں برباد ہونے سے بچائیے	103	68	بہشت کی کنجیاں	249

117	توکل	103			

☆☆☆...... عقائد و متعلقات ......☆☆☆

نمبر شمار	کتاب کا نام	صفحات	نمبر شمار	کتاب کا نام	صفحات
01	شرح الفقہ الاکبر	213	11	تحقیقات	142
02	شرح العقائد مع حاشیۃ جمع الفرائد	384	12	بنیادی عقائد اور معمولاتِ اہلسنت	135
03	کتاب العقائد	64	13	عقیدۂ آخرت	41
04	اعتقاد الاحباب (دس عقیدے)	200	14	اِقَامَةُ الْقِيَامَة	60
05	ایمان کی پہچان (حاشیہ تمہید ایمان)	74	15	فیضانِ مزاراتِ اولیاء (کَشْفُ النُّوْرِ عَنْ اَصْحَابِ الْقُبُوْر)	144
06	شفاعت کے متعلق 40 حدیثیں	27			
07	انوار المنّان	93	16	اَلدَّعْوَةُ اِلَى الْفِكْر	148
08	تَمْهِيْدُ الْاِيْمَان	77	17	حق و باطل کا فرق	50
09	الحق المبین	128	18	عشقِ رسول	54
10	گلدستہ عقائد و اعمال	244	19	اَلْفَضْلُ الْمَوْهَبِي	46

☆☆☆...... تعلیماتِ اسلام ......☆☆☆

نمبر شمار	کتاب کا نام	صفحات	نمبر شمار	کتاب کا نام	صفحات
01	اسلام کی بنیادی باتیں (حصہ 1)	60	06	اسلام کے بنیادی عقیدے	122
02	اسلام کی بنیادی باتیں (حصہ 2)	104	07	دلچسپ معلومات سوالاً جواباً (حصہ 1)	305
03	اسلام کی بنیادی باتیں (حصہ 3)	352	08	دلچسپ معلومات سوالاً جواباً (حصہ 2)	361
04	فیضانِ اسلام کورس حصہ اوّل	79	09	مال وراثت میں خیانت مت کیجیے	42
05	فیضانِ اسلام کورس حصہ دوم	102	10	اسلامی مہینوں کے فضائل	345

☆☆☆...... علوم و فنون ......☆☆☆

نمبر شمار	کتاب کا نام	صفحات	نمبر شمار	کتاب کا نام	صفحات
علم صرف			04	صرف بہائی مع حاشیہ صرف بنائی	55
01	مراح الارواح مع حاشیۃ ضیاء الاصباح	241	05	جامع ابواب الصرف	235
02	نصاب الصرف	343	06	دیوانِ الحماسۃ مع الحاشیۃ الجدیدۃ زُبدۃ الفصاحۃ	206
03	خاصیات ابواب	141			

علم نحو			22	انشاء العربیہ	84
07	تعریفاتِ نحویہ	45	23	طریقہ جدیدہ حصہ 1,2,3	210
08	خلاصۃ النحو (حصہ اول و دوم)	212	24	المقامات الحریریہ مع حاشیۃ المقالات العبیریۃ	128
09	نحو میر مع حاشیۂ نحو منیر	203			
10	عنایۃ النحو فی شرح ھدایۃ النحو	280	25	المحادثۃ العربیۃ	101
11	کافیہ مع شرح ناجیہ	252	26	نصاب الادب	184
12	شرح الجامی مع حاشیۃ الفرح النامی	419	27	فیض الادب (مکمل حصہ اول، دوم)	228
13	شرح مئۃ عامل	44	28	المعلقات السبع مع الحاشیۃ الجدیدۃ معطرات الطبع	112
14	مئۃ عامل (فارسی ترجمہ)	22			
بلاغت			**منطق و فلسفہ**		
15	دروس البلاغۃ مع شموس البراعۃ	241	29	نصاب المنطق	168
16	تلخیص المفتاح مع شرحہ الجدید تنویر المصباح	219	30	المرقاۃ	91
			31	شرح تہذیب	305
17	مختصر المعانی	472	32	القطبی	223
18	المطول مع حاشیۃ المؤول	398	33	ھدایۃ الحکمۃ	116
عربی ادب			**علم مناظرہ**		
19	قصیدہ بردہ مع شرح خرپوتی	317	34	الرشیدیۃ مع الفریدیہ	127
20	اتقان الفراسۃ شرح دیوان الحماسہ	325			
21	دیوانِ المتنبی مع الحاشیۃ المفیدہ اتقان المتلقی	88			

☆☆☆----- بیانات وغیرہ -----☆☆☆

نمبر شمار	کتاب کا نام	صفحات	نمبر شمار	کتاب کا نام	صفحات
01تا05	اسلامی بیانات جلد 1 تا 5	2136	09	شانِ مصطفی پر 12 بیانات	159
06	سنتوں بھرے بیانات جلد اول	560	10	دل خوش کرنے کے طریقے	68
07	پیغام فنا	48	11	فیضانِ خطباتِ رضویہ	24
08	گلدستۂ درود و سلام	660	12	ایک آنکھ والا آدمی	48

نمبر شمار	کتاب کا نام	صفحات	نمبر شمار	کتاب کا نام	صفحات
13	اصلاح کے مدنی پھول	372	16	گستاخِ رسول کا عملی بائیکاٹ	52
14	غریب فائدے میں ہے (بیان 1)	30	17	احساسِ ذمہ داری	50
15	جوانی کیسے گزاریں؟ (بیان 2)	44	18	رسائل دعوتِ اسلامی	422

☆☆☆.....نعتیہ دیوان.....☆☆☆

نمبر شمار	کتاب کا نام	صفحات	نمبر شمار	کتاب کا نام	صفحات
01	حدائقِ بخشش	446	04	سامانِ بخشش	231
02	ذوقِ نعت	319	05	قبالۂ بخشش	384
03	بیاضِ پاک حجۃ الاسلام	37	06	مناقبِ عطار	164

☆☆☆.....دعوتِ اسلامی و ثمرات.....☆☆☆

نمبر شمار	کتاب کا نام	صفحات	نمبر شمار	کتاب کا نام	صفحات
01	بارہ مدنی کام	72	16	مدنی دورہ	44
02	اسلامی بہنوں کے 8 مدنی کام	44	17	انفرادی کوشش	48
03	مسجد درس	52	18	رمضان کے صبح و شام گزارنے کا طریقہ	780
04	ہفتہ وار مدنی مذاکرہ	72	19	تنظیمی کاموں کی تقسیم	50
05	ہفتہ وار اجتماع	80	20	مدنی کاموں کی تقسیم کے تقاضے	73
06	ہفتہ وار مدنی حلقہ	36	21	مَدَنی مرکز کی آبادکاری کیسے ہو؟	64
07	صدائے مدینہ	32	22	وقفِ مدینہ	86
08	چوک درس	36	23	نیک بننے اور بنانے کے طریقے	696
09	مدرسۃ المدینہ بالغان	72	24	جنت کے طلبگاروں کے لئے مدنی گلدستہ	470
10	اجتماعی سنّتِ اعتکاف کا جدول	195	25	فیصلہ کرنے کے مدنی پھول	56
11	بعدِ فجر مَدَنی حلقہ	46	26	سرکار صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا پیغام عطار کے نام	49
12	مَدَنی انعامات	72	27	اصلاح کا راز (مدنی چینل کی بہاریں حصہ دوم)	32
13	یوم تعطیل اعتکاف	43	28	25 کرسچین قیدیوں اور پادری کا قبولِ اسلام	33
14	مَدَنی قافلہ	80			
15	دعوتِ اسلامی کی جیل خانہ جات میں خدمات	24	29	ماڈرن نوجوان کی توبہ	32
			30	کرسچین کا قبولِ اسلام	32

33	صلوٰۃ و سلام کی عاشقہ	57	48	قبر کھل گئی	31
32	کرسچین مسلمان ہو گیا	58	55	گونگا مبلغ	32
32	میوزکل شو کا متوالا	59	220	دعوتِ اسلامی کی مَدَنی بہاریں	33
32	نورانی چہرے والے بزرگ	60	33	گمشدہ دولہا	34
32	آنکھوں کا تارا	61	32	جنوں کی دنیا	35
32	ولی سے نسبت کی برکت	62	33	میں نے مدنی برقع کیوں پہنا؟	36
32	بابرکت روٹی	63	36	غافل درزی	37
32	اغوا شدہ بچوں کی واپسی	64	33	مخالفت محبت میں کیسے بدلی؟	38
32	میں نیک کیسے بنا؟	65	32	مردہ بول اٹھا	39
32	شرابی، مؤذن کیسے بنا؟	66	32	کفن کی سلامتی	40
32	بدکردار کی توبہ	67	32	میں حیادار کیسے بنی؟	41
32	خوش نصیبی کی کرنیں	68	32	چل مدینہ کی سعادت مل گئی	42
32	ناکام عاشق	69	32	بدنصیب دولہا	43
32	میں نے ویڈیو سینٹر کیوں بند کیا؟	70	32	معذور بچی مبلغہ کیسے بنی؟	44
32	چمکتی آنکھوں والے بزرگ	71	32	بے قصور کی مدد	45
32	حیرت انگیز حادثہ	72	32	ہیروئنچی کی توبہ	46
32	نادان عاشق	73	24	عطاری جن کا غسلِ میّت	47
32	سینما گھر کا شیدائی	74	32	نومسلم کی درد بھری داستان	48
32	ڈانسر نعت خوان بن گیا	75	32	مدینے کا مسافر	49
32	گلوکار کیسے سدھرا؟	76	32	خوفناک دانتوں والا بچہ	50
32	نشے باز کی اصلاح کا راز	77	32	فلمی اداکار کی توبہ	51
32	کالے بچھو کا خوف	78	32	ساس بہو میں صلح کا راز	52
32	بریک ڈانسر کیسے سدھرا؟	79	24	قبرستان کی چڑیل	53
32	عجیب الخلقت بچی	80	101	فیضانِ امیرِ اہلسنّت	54
32	خوشبودار قبر	81	32	قاتل امامت کے مصلے پر	55
32	والدین کے نافرمان کی توبہ	82	33	شرابی کی توبہ	56

83	چند گھڑیوں کا سودا	32	105	ڈانسر بن گیا سنتوں کا پیکر	32
84	سینگوں والی دلہن	32	106	میٹھے بول کی برکتیں	32
85	بھیانک حادثہ	30	107	اداکاری کا شوق کیسے ختم ہوا؟	32
86	خوفناک بلا	33	108	ڈاکوؤں کی واپسی	32
87	پراسرار کتا	27	109	مجوسی کا قبول اسلام	62
88	شادی خانہ بربادی کے اسباب اوران کا حل	16	110	مدنی ماحول کیسے ملا؟	56
89	چمکدار کفن	32	111	بیٹے کی رہائی	32
90	اسلحے کا سوداگر	32	112	دلوں کا چین	32
91	جھگڑے باز سدھر گیا	32	113	ڈرامہ ڈائریکٹر کی توبہ	32
92	جرائم کی دنیا سے واپسی	32	114	حیرت انگیز گلوکار	32
93	کینسر کا علاج	32	115	نور ہدایت	32
94	اجنبی کا تحفہ	32	116	جواری وشرابی کی توبہ	32
95	انوکھی کمائی	32	117	اوباش دعوتِ اسلامی میں کیسے آیا؟	32
96	بدچلن کیسے تائب ہوا؟	32	118	والدہ کا نافرمان امام کیسے بنا؟	32
97	بری سنگت کا وبال	32	119	سنّتِ رسول کی محبت	32
98	رسائل مدنی بہار	368	120	روحانی منظر	32
99	بداطوار شخص عالم کیسے بنا؟	32	121	راہِ سنّت کا مسافر	32
100	جھگڑالو کیسے سدھرا؟	32	122	اراکین شوریٰ کی مدنی بہاریں	32
101	پانچ روپے کی برکت سے سات شادیاں	32	123	دعوت اسلامی کے بارے میں دلچسپ معلومات	660
102	باکردار عطاری	32	124	گھر درس	28
103	سنگر کی توبہ	32	125	علاقائی دورہ (اسلامی بہنیں)	48
104	مفلوج کی شفایابی کا راز	32	126	مَدنی قافلے والوں کے لیے انمول تحفہ	112

☆☆☆...... متفرقات ......☆☆☆

نمبر شمار	کتاب کا نام	صفحات	نمبر شمار	کتاب کا نام	صفحات
01تا02	عُیُوْنُ الْحِکَایَات (مترجم، حصہ اول، دوم)	825	03	کامیاب استاذ کون؟	43

04	الملفوظ المعروف بہ ملفوظات اعلیٰ حضرت (مکمل چار حصے)	561	11	نام کے احکام	180
			12	تاجروں کے لیے کام کی باتیں	60
05	اعلیٰ حضرت سے سوال جواب (اظہارُ الحق الجلی)	100	13	ویلنٹائن ڈے (قرآن وحدیث کی روشنی میں)	34
			14	حافظہ کیسے مضبوط ہو؟	200
06	اَلْوَظِيفَةُ الْكَرِيمَة	46	15	کرونا اور دیگر وبائیں	69
07	اَلْاِجَازَاتُ الْمَتِينَة	62	16	عاشق میلاد بادشاہ	21
08	امتحان کی تیاری کیسے کریں؟	32	17	اللہ پاک کے 99 ناموں کی برکتیں	16
09	کامیاب طالب علم کون؟	63	18	سردی کے بارے میں دلچسپ معلومات	17
10	تنگ دستی کے اسباب	33			

زمین کی پیٹھ بہتر یا پیٹ

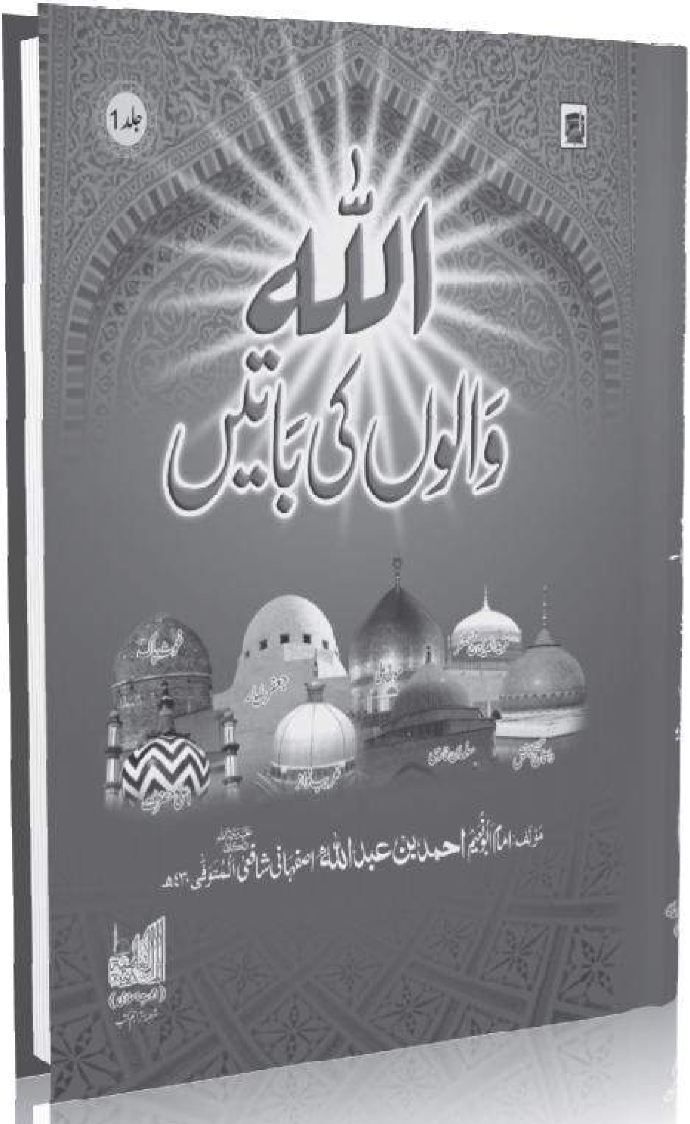
حضرت سیدنا ابو ہریرہ رَضِیَ اللہُ عَنْہ سے روایت ہے کہ رسولِ پاک صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: جب تمہارے اُمرا (حکمران) تم میں سے بہترین لوگ ہوں اور تمہارے مال دار سخی ہوں اور تمہارا معاملہ آپس کے مشوروں سے طے ہوتا رہے تو تمہارے لئے زمین کی پیٹھ زمین کے پیٹ سے بہتر ہے اور جب تمہارے اُمرا (حکمران) بدترین لوگ ہوں اور تمہارے مال دار بخیل ہوں اور تمہارے معاملات تمہاری عورتیں طے کرنے لگیں تو تمہارے لئے زمین کا پیٹ زمین کی پیٹھ سے بہتر ہے۔

(مشکاۃ المصابیح، کتاب الرقاق، باب تغیر الناس، ۲/ ۲۷۵، حدیث: ۵۳۶۸)

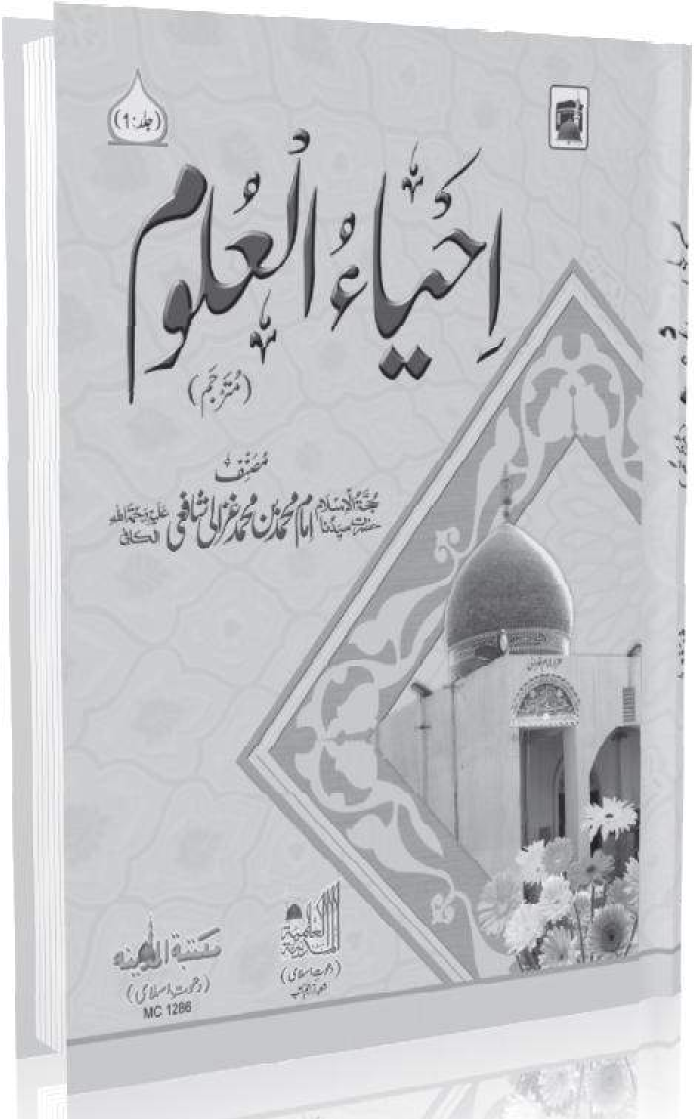
پہلوان کون ہے؟

حضرت سیدنا ابو ہریرہ رَضِیَ اللہُ عَنْہ سے مروی ہے کہ رسولِ کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: ”لوگوں پچھاڑ دینے والا پہلوان نہیں ہے پہلوان تو وہی ہے جو غصہ کے وقت اپنے نفس کا مالک ہے۔“

(مسلم، کتاب البر... الخ، باب فضل من یملک نفسہ... الخ، ص۱۴۰۶، حدیث: ۲۶۰۸)



www.dawateislami.net


(جلد: ۹)
اِحیاءُ العُلوم
(مترجَم)
مُصنّف
حجۃ الاسلام حضرتِ سیدنا امام محمد بن محمد غزالی شافعی علیہ رحمۃ اللہ الکافی
مکتبۃ المدینہ
(دعوتِ اسلامی)
MC 1286
المدینۃ العلمیۃ
(دعوتِ اسلامی)